سلسلہ تاریخ اہل حدیث ۴

گلستانِ حدیث

محمد اسحاق بھٹی

www.KitaboSunnat.com



مکتبہ قدوسیہ



بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے

کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

library@mohaddis.com

www.KitaboSunnat.com

سلسلہ تاریخ اہل حدیث ④

گلستانِ حدیث

www.kitabosunnat.com

محمد اسحاق بھٹی

مکتبہ قدوسیہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

خوبصورت اور معیاری مطبوعات

کتاب وسنت

کی

نشر و اشاعت

کے لیے

کوشاں

اس کتاب کے

جملہ حقوق اشاعت محفوظ ہیں

اہتمام طباعت

ابوبکر قدوسی

اشاعت ـــــ ۲۰۱۱ء

مکتبہ قدوسیہ

قدوسیہ اسلامک پریس

رحمان مارکیٹ ◎ غزنی سٹریٹ ◎ اردو بازار ◎ لاہور پاکستان

Tel: +92-42-37351124,37230585
Cell: +92-321-7351350
maktaba_quddusia@yahoo.com
www.quddusia.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ترتیب

حرف اوّل (ناشر) ۷

مقدمہ [حفاظت حدیث مصطفیٰ ﷺ] (مولانا عبدالخالق مدنی، کویت) ۹

حرفے چند ۳۷

۱۔ مولانا محمد اسماعیل شہید دہلوی رحمہ اللہ ۴۵

۲۔ شاہ محمد اسحاق دہلوی رحمہ اللہ ۶۷

۳۔ مولانا خطیب محمد معین الدین انصاری سہسوانی ۷۳

۴۔ مولانا غلام العلی قصوری ۷۷

حضرت میاں سید نذیر حسین دہلوی کے بیس تلامذہ کرام

۵۔ حکیم عبداللہ جیراج پوری ۹۳

۶۔ قاضی طلا محمد طلا پشاوری ۹۵

۷۔ مولانا محمد بن ہاشم سامرودی سورتی ۹۹

۸۔ مولانا محمد شبلی جون پوری ۱۰۱

۹۔ مولانا سلامت اللہ جیراج پوری ۱۰۲

۱۰۔ مولانا محمد سعید بنارسی ۱۱۱

۱۱۔ مولانا تلطف حسین عظیم آبادی ۱۱۵

۱۲۔ مولانا عبدالاوّل غزنوی ۱۲۶

۱۳۔ مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری ۱۳۰

۱۴۔ مولانا محمد ابراہیم چکڑالوی ۱۳۸

۱۵۔ حافظ عبدالوہاب نابینا ۱۴۳

۱۶۔ مولانا عبدالسلام مبارک پوری ۱۴۵

۱۷۔ مولانا عبدالغفور غزنوی ۱۵۰

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

۱۸۔ سید ابوالحسن بلتستانی ۱۵۱

۱۹۔ مولانا احمد اللہ پرتاپ گڑھی دہلوی ۱۵۳

۲۰۔ شمس العلماء مولانا حفیظ اللہ ۱۵۷

۲۱۔ مولانا عبدالتواب ملتانی ۱۶۱

۲۲۔ مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی ۱۶۷

۲۳۔ مولانا عبدالتواب غزنوی علی گڑھی ۱۷۱

۲۴۔ مولانا محمد حیات لاشاری سندھی ۱۷۳

دیگر چونتیس خدامِ حدیث

۲۵۔ مولانا سعد اللہ لکھوی ۱۸۱

۲۶۔ مولانا عبداللہ (ساکن کھپیاں والی) ۱۸۲

۲۷۔ مولانا اسماعیل غزنوی ۱۸۸

۲۸۔ حافظ سلیمان غزنوی ۱۹۲

۲۹۔ مولانا عبدالغفور جیراج پوری ۱۹۵

۳۰۔ مولانا محمد داؤد ارشد ۱۹۹

۳۱۔ مولانا عبدالرحیم کوٹلوی ۲۰۱

۳۲۔ حافظ احمد پٹوی ۲۰۸

۳۳۔ مولانا محمد یوسف کلکتوی ۲۱۱

۳۴۔ مولانا سید تقریظ احمد سہسوانی ۲۱۶

۳۵۔ مولانا عبدالجلیل سامرودی ۲۳۲

۳۶۔ مولانا حبیب الرحمٰن لکھوی ۲۳۹

۳۷۔ سید مولا بخش کوموی ۲۴۲

۳۸۔ حافظ محمد زکریا غزنوی ۲۴۴

۳۹۔ مفتی عبدالقادر یوگوی بلتستانی ۲۴۶

۴۰۔ حافظ فتح محمد فتحی ۲۴۹

۴۱۔ پروفیسر غلام احمد حریری ۲۵۸

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

۴۲۔ مولانا عبداللہ ویرووالوی ۲۶۲

۴۳۔ حافظ عزیز الرحمٰن لکھوی ۲۷۲

۴۴۔ مولانا عبید اللہ رحمانی مبارک پوری ۲۷۶

۴۵۔ حافظ محمد بھٹوی ۲۸۶

۴۶۔ حکیم عبدالرحیم اشرف ۳۰۰

۴۷۔ مولوی بارک اللہ ۳۰۸

۴۸۔ مولانا عبدالرحمٰن لکھوی ۳۱۲

۴۹۔ مولانا عبدالرشید انصاری بلتستانی ۳۱۵

۵۰۔ حافظ محمد اسحاق حسینوی ۳۱۸

۵۱۔ مولانا عبدالوہاب حنیف بلتستانی ۳۳۶

۵۲۔ ڈاکٹر رضاء اللہ مبارک پوری ۳۴۰

۵۳۔ مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری ۳۴۹

۵۴۔ مولانا عبدالغنی سیفی عمری ۳۵۶

۵۵۔ حاجی تاج محمود بھٹی ۳۸۱

۵۶۔ ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری ۳۸۵

۵۷۔ مولانا محمد مسلم رحمانی ۳۹۶

۵۸۔ حافظ عبدالرشید گوہڑوی ۳۹۸

چھبیس موجودین خدام حدیث

۵۹۔ مولانا عبدالرشید ۴۰۷

۶۰۔ مولانا محمد اسرائیل ندوی سلفی ۴۱۱

۶۱۔ حافظ شفیق الرحمٰن لکھوی ۴۱۵

۶۲۔ مولانا عبدالرشید راشد ہزاروی ۴۱۸

۶۳۔ مولانا عبدالوکیل ہاشمی ۴۳۵

۶۴۔ مولانا صلاح الدین حیدر لکھوی ۴۳۹

۶۵۔ حافظ محمد اسماعیل اسد ۴۴۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

۶۶۔ حافظ عبدالعزیز علوی ۴۴۵

۶۷۔ محترمہ غزالہ حامد ۴۵۵

۶۸۔ مولانا ارشاد الحق اثری ۴۵۸

۶۹۔ مولانا احمد مجتبیٰ سلفی ۴۷۰

۷۰۔ حافظ محمد ادریس سلفی ۴۷۶

۷۱۔ ڈاکٹر عبدالرحمٰن عبدالجبار فریوائی ۴۷۹

۷۲۔ مولانا عمر فاروق سعیدی ۴۸۶

۷۳۔ ڈاکٹر حافظ عبدالرشید اظہر ۴۹۱

۷۴۔ مولانا عارف جاوید محمدی ۴۹۹

۷۵۔ قاری محمد ادریس عاصم ۵۱۱

۷۶۔ مولانا محمد شریف چنگوانی ۵۱۴

۷۷۔ حافظ عبدالغفار روپڑی ۵۲۲

۷۸۔ جناب راغب حسن ۵۳۱

۷۹۔ حافظ زبیر علی زئی ۵۳۴

۸۰۔ حافظ عبدالوہاب روپڑی ۵۴۳

۸۱۔ مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی ۵۵۵

۸۲۔ مولانا محمد انور محمد قاسم سلفی ۵۶۱

۸۳۔ مولانا عبدالخالق مدنی ۵۷۶

۸۴۔ مولانا محمد اسلم سندھی ۵۸۳

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

حرفِ سپاس

محترم جناب محمد اسحٰق بھٹی کا شمار عہد رواں کے نامور اہل قلم میں ہوتا ہے۔ وہ منفرد اسلوب کے حامل مورخ ہیں اور روایت ساز خاکہ نویس کے طور پر بھی جانے جاتے ہیں۔ ان کے تخلیق کردہ خاکے بلاشبہ اردو ادب کا سرمایہ قرار دیے جاسکتے ہیں۔ بھٹی صاحب پیرانہ سالی کے عالم میں ہیں لیکن قلم ہے کہ اس کی روانی نیل وفرات کی لہروں کو مات دے رہی ہے۔ ایک طرف گردشِ روز وشب کا سفر جاری ہے اور دوسری طرف قلم کی رفتار تیز سے تیز تر ہوتی جارہی ہے۔ جناب بھٹی صاحب کے قلم سے حالیہ چند برسوں میں سیکڑوں شخصیات کے آثار، تراجم اور خاکوں پر مشتمل درجن بھر کتب منصۂ شہود پر آ چکی ہیں، جن میں برصغیر کے اہل حدیث خدام قرآن، قافلہ حدیث، ہفت اقلیم، برصغیر میں اہلِ حدیث کی آمد اور دبستان حدیث نمایاں ہیں۔ کچھ اور پیچھے جائیں تو ان کے قلم کا شاہکار ''نقوشِ عظمت رفتہ، بزم ارجمنداں اور اسلام کی بیٹیاں'' کی صورت میں ظاہر ہوا۔ حضرت بھٹی صاحب کی یہ وہ تصنیفات ہیں کہ جن کی اشاعت کا اعزاز ''مکتبہ قدوسیہ'' کو حاصل ہے۔ اس پر ہم صمیم قلب سے ان کے شکر گزار ہیں۔

محترم محمد اسحٰق بھٹی کے قلم سے نکلے ہوئے الفاظ ان کے قارئین کے دل و دماغ پر انمٹ نقوش ثبت کر رہے ہیں۔ ان کے چاہنے والوں کا حلقہ جغرافیائی حدود سے ماورا ہو چکا ہے۔ ان کی تصنیفات پاکستان کے ساتھ ساتھ بھارت سے بھی شائع ہو رہی ہیں۔ یہ ان کی پذیرائی اور لوگوں کی ان سے محبت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ ہمارے ممدوح صرف اہل قلم ہی نہیں رہے بلکہ دروس ومواعظ کے لیے بھی لوگ انہیں بے حد اصرار اور بہ صد ہزار شوق بلاتے ہیں۔ وہ ''بھی منہ کا ذائقہ بدلنے کی خاطر'' یا دوسرے لفظوں میں ''آب وہوا کی تبدیلی کے پیش نظر'' اکثر وبیشتر ان اجتماعات کو رونق بخش دیتے ہیں۔

جس طرح محترم جناب بھٹی صاحب کا طرز بیان سادہ اور دل میں اتر جانے والا ہے، اسی طرح وہ گفتگو بھی نہایت آسان اسلوب میں کرتے ہیں۔ عام فہم اور دل نشیں۔ سننے والا کسی صورت اکتاتا نہیں اور نہ الفاظ کے بوجھ تلے دبتا ہے۔ ان سطور کے راقم نے پہلی مرتبہ 1984ء میں بھٹی صاحب کو سنا تھا۔ حضرت مولانا محمد حنیف ندوی رحمہ اللہ کے اعزاز میں واپڈا آڈیٹوریم، لاہور میں یہ تقریب منعقد کی گئی تھی۔ سامعین نہایت انہماک سے بھٹی صاحب کی گفتگو سن رہے تھے اور بے حد محظوظ ہو رہے تھے۔ کیونکہ حضرت ندوی رحمہ اللہ باوجود ایک عظیم فلسفی ہونے کے نہایت باغ و بہار شخصیت تھے اور جناب بھٹی صاحب ان کے فیض یافتگان میں سے ہیں۔ مجھے آج بھی وہ خوبصورت شام اور اس شام جناب بھٹی صاحب کا ''خطاب'' یاد ہے۔

حضرت بھٹی صاحب کے قلم کی فیض رسانیوں کا سلسلہ جاری وساری ہے۔ اس کا ایک پرت زیر نظر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تصنیف ''گلستان حدیث'' کی صورت میں آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس کے متعلق کچھ کہنا ایک بے معنی سی بات لگتی ہے۔ اس سلسلے کی پہلی کتب برصغیر میں اہل حدیث کی آمد، برصغیر کے اہل حدیث خدام قرآن اور دبستان حدیث شائع ہو کر پسندیدگی کے مراتب پر فائز ہو چکی ہیں۔ امید ہے کہ یہ کتاب بھی قارئین کے ہاں قدر و منزلت حاصل کرے گی۔ اس کتاب میں ایسے نامور علمائے اہل حدیث کا تذکرہ ہے کہ جنہوں نے کسی بھی اعتبار سے حدیث شریف کی خدمت کی ہے۔ چونکہ یہ علمائے اہل حدیث کا تذکرہ ہے اور ایک مرتب سلسلے کی کڑی ہے، اس لیے اس میں خاکہ نویسی سے زیادہ تذکرہ نگاری اور تاریخ نویسی کا رنگ غالب ہے۔ جناب بھٹی صاحب کی یہ علمی کاوش بلا شبہ تاریخ کے طالب علموں کے لیے ایک توشہ خاص ہے۔ مستقبل کا مورخ حضرت بھٹی صاحب کی تصانیف سے کسی صورت بے نیاز نہیں رہ سکتا، کیونکہ ان کتب میں معلومات کا ایک جہان آباد ہے۔

ہم محترم جناب عارف جاوید محمدی اور جناب خالد فلاح المطیری کے شکر گزار ہیں کہ جنہوں نے اس کتاب کی ترتیب و تدوین میں خصوصی دلچسپی لی۔

ابو بکر قدوسی

23 مارچ 2011

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مولانا عبدالخالق مدنی (کویت)

مقدمہ

حفاظت حدیث مصطفیٰ ﷺ

الحمد للّٰہ ربّ العالمین وصلی اللہ علیٰ سید الانبیاء والمرسلین وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین ومن تبعھم باحسان الی یوم الدین. اما بعد!

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو سیادت انبیاء علیہم السلام کا شرف عنایت کرکے آپ کو ''خاتم النبیین'' کے مقام رفیع پر سرفراز کیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴾ [الاحزاب: ۴۰]

(حضرت محمد ﷺ تم میں سے کسی بالغ مرد کے حقیقی باپ نہیں ہیں۔ لیکن آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

" فُضِّلْتُ عَلَى الانبياء بِسِتٍّ، اُعْطِيْتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ، وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ، وَاُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ، وَجُعِلَتْ لِيَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُوْرًا وَاُرْسِلْتُ اِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً وَخُتِمَ بِيَ النَّبِيُّوْنَ ." [مسلم]

(مجھے باقی انبیاء علیہم السلام پر چھ چیزوں کے ساتھ فوقیت دی گئی ہے۔ ① مجھے جوامع الکلم عطا کیے گئے ہیں۔ ② دشمن پر رعب کے ساتھ میری نصرت کی گئی ہے۔ ③ میرے لیے مالِ غنیمت حلال قرار دیا گیا ہے۔ ④ میرے لیے تمام روئے زمین کو پاکیزہ اور سجدہ گاہ بنا دیا گیا ہے۔ ⑤ مجھے تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے اور ⑥ میرے ساتھ سلسلہ نبوت ختم کردیا گیا ہے۔)

یعنی نبی رحمت ﷺ کی نبوت ورسالت کا دائرۂ کار زمان ومکان کے اعتبار سے انتہائی وسعت پذیر ہے۔ آپ پوری روئے زمین کے جن وانس اور قیامت تک آنے والے لوگوں کے نبی ہیں اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

آپ کی نبوت ورسالت عالم گیر ہے، جس کا لازمی تقاضا ہے کہ جس طرح آپ کے قابل فخر شاگردان گرامی حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو کامل واکمل اور خالص دین اور احکام شریعت اپنی اصلی وحقیقی شکل میں میسر آئے، اسی طرح اس روئے زمین پر آپ ﷺ کے آخری اُمتی تک بھی دین اسلام اور شریعت مصطفوی اپنی اصلی اور حقیقی شکل وصورت میں پہنچ سکے۔ کیوں کہ اتمام حجت کے لیے یہ لازمی امر ہے۔ یہود ونصاریٰ نے اپنے انبیاء علیہم السلام کے بعد ان کی شرائع وتعلیمات میں تغیر وتبدل اور تحریف کے ذریعے ان کا حلیہ بگاڑ دیا اور حقیقی چہرہ مسخ کردیا اور ان کو اپنی من پسندی اور نفسانی خواہشات کے سانچے میں ڈھال لیا، کیوں کہ انبیائے بنی اسرائیل علیہم السلام کے بعد تورات وانجیل کی حفاظت ان کے متبعین اور حواریوں کو سونپی گئی تھی، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ بما استحفظوا من كتاب الله ﴾ [المائدة:٦٦]

لیکن امت مسلمہ کو یہ شرف حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر تکمیل دین کے بعد اس کی بکمالہ حفظ وصیانت کا ذمہ خود اٹھایا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ انا نحن نزلنا الذكر وانا له لحافظون ﴾ [الحجر:٩]

(ہم نے ہی ذکر (قرآن وحدیث) کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔)

وحی الٰہی (قرآن وحدیث) کی حفاظت کا بندوبست اور انتظام اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے تاکہ قیامت تک آنے والے کسی بھی دور کے متلاشیانِ حق اور جویان صراط مستقیم کو ان کا گوہر مقصود میسر آسکے۔ یہی وجہ ہے کہ آج دنیا میں تورات اور انجیل کا کوئی حافظ موجود نہیں۔ بلکہ وحی الٰہی (قرآن وحدیث) کے علاوہ کسی بھی (آسمانی) کتاب کے حفاظ دنیا کے کسی حصے میں نہیں پائے جاتے۔ لیکن اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے فضل وکرم سے قرآنِ کریم کے حفاظ کرام کی تعداد ہر دور میں ہزاروں نہیں، لاکھوں سے متجاوز رہی ہے اور ان شاء اللہ قیامت تک رہے گی۔ اسی طرح قرآنِ کریم کے بیان وتفسیر (حدیث رسول مقبول ﷺ) کے حفاظ کے تذکارِ جمیل سے بھی تاریخ اسلام بھری پڑی ہے۔ بلکہ اہل حدیث اور محدثین کی اصطلاح میں تو ''الحافظ'' کہا ہی اس بلند پایہ شخصیت کو جاتا ہے جسے نبی اکرم ﷺ کی ایک لاکھ احادیث مبارکہ حفظ ہوں اور جسے تین لاکھ احادیث مبارکہ حفظ ہوں اس ذی وقار شخصیت کو ''الحجۃ'' کے عظیم لقب سے یاد کیا جاتا ہے، اور علوم نبوت کے جس بلند اقبال خادم کو تمام روایات سنداً ومتناً حفظ ہوں اس سعادت مند انسان کو ''الحاکم'' کا قابل فخر اور رفیع الشان لقب دیا جاتا ہے۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں اپنی سند سے یہ دلچسپ تاریخی واقعہ نقل کیا ہے کہ ''عباسی خلیفہ مامون الرشید اپنے عہد خلافت میں اپنے دربار میں ایک علمی مجلس کا انعقاد کیا کرتا تھا۔ ایک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

دفعہ باقی لوگوں کے ساتھ ایک خوش پوشاک، خوب صورت اور عمدہ خوشبو والا یہودی بھی اس کی مجلس میں شریک ہوا، اور اس نے بڑی اچھی گفتگو کی۔ جب مجلس برخاست ہوئی تو مامون الرشید نے اس یہودی کو اپنے پاس بلایا اور اس سے کہا: ''کیا آپ اسرائیلی (یہودی) ہیں؟'' اس نے جواب دیا، جی ہاں! مامون الرشید نے کہا ''آپ اسلام قبول کرلیجیے! ہم آپ کی خاطر خواہ تکریم کریں گے۔'' اس نے جواب دیا: میرا اور میرے آبا واجداد کا دین ہی مجھے پسند ہے۔ ایک سال بعد پھر وہی شخص بحیثیت مسلمان اس مجلس میں شریک ہوا اور اس نے فقہی مسائل پر بہت عمدہ گفتگو کی۔ جب مجلس برخاست ہوگئی تو مامون الرشید نے اسے بلایا اور کہا ''کیا تو وہی شخص نہیں ہے جو پہلے بھی اس مجلس میں شریک ہوا تھا؟'' اس نے کہا جی ہاں وہی ہوں! مامون الرشید نے اس سے اسلام قبول کرنے کی وجہ پوچھی۔ اس نے جواب دیا ''جب میں آپ کی مجلس سے واپس گیا تو میں نے تمام ادیان کے بارے میں تحقیق کرنے کا فیصلہ کیا۔ میں خوش نویس بھی ہوں۔ چناں چہ میں نے تورات کو لکھ کر بیچنے کا ارادہ کیا، اور تورات کے تین نسخے خوب صورت انداز میں لکھے اور ان میں اپنی مرضی سے کانٹ چھانٹ اور کمی بیشی کی۔ پھر وہ نسخے لے کر میں یہودیوں کے معبد میں گیا اور لوگوں نے ہاتھوں ہاتھ مجھ سے تورات کے وہ نسخے خرید لیے۔ پھر میں نے ''انجیل'' کو لکھنے کا ارادہ کیا اور اس کے بھی تین نسخے بڑی عمدگی کے ساتھ تحریر کیے اور ان میں بھی اپنی طرف سے حک واضافہ کیا اور وہ نسخے لے کر عیسائیوں کے گرجا گھر میں فروخت کرنے گیا۔ وہ نسخے بھی لوگوں نے فوراً خرید لیے۔ پھر میں نے قرآنِ کریم لکھا اور الفاظ کی کمی بیشی کے ساتھ تین نسخے تحریر کیے اور کتب فروشوں کے پاس لے گیا۔ انھوں نے اس کے اوراق الٹ پلٹ کر دیکھے اور ان میں کمی بیشی دیکھ کر خریدنے سے انکار کردیا۔ اس سارے معاملے میں میں نے یقین کرلیا کہ یہ کتاب بالکل مامون ومحفوظ ہے۔ چناں چہ میں نے اسلام قبول کرلیا۔'' [تفسیر قرطبی: ۵/ ۳۶۹]

آج بھی مسلمانوں کے ہاں جس قدر حفظ قرآنِ کریم اور حفظ احادیث اور مسابقے کا اہتمام اور اس پر گراں قدر انعامات کا انتظام کیا جاتا ہے، کسی فقہ کی کتاب یا دیگر علوم کی کتابوں کے بارے میں یہ اہتمام نہیں کیا جاتا۔ یہ اس چیز کا بین ثبوت ہے کہ ''قرآنِ کریم'' اور اس کا بیان وتفسیر ''حدیث مصطفیٰ ﷺ'' دونوں ''منزل من اللہ'' اور ''وحی الٰہی'' ہیں اور اللہ تعالیٰ نے دونوں کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے، اور دونوں قیامت تک مصئون ومحفوظ ہیں اور اس عظیم کارنامے کو سرانجام دینے کے لیے اللہ تعالیٰ نے جن خدام کتاب وسنت کا انتخاب کیا اور انھیں وراثت نبوت کا منصب جلیل عطا فرمایا ہے، وہ کائنات کا انتہائی سعادت مند اور بلند اقبال طبقہ ہے۔ ان کی عظمت کا اندازہ نبی اکرم ﷺ کے ارشادات عالیہ سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

"خیر کم من تعلم القرآن وعلمه." [بخاری]

(تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور اس کی تعلیم دے۔"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"قیامت کے دن قرآنِ کریم سیکھنے اور حفظ کرنے والا شخص اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہوگا اور قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کے حضور عرض پرداز ہوگا کہ اے میرے ربّ! اس "حافظ قرآن" کو زینت عطا فرما، تو حافظ قرآن کے سر پر "تاجِ کرامت" رکھا جائے گا۔ قرآنِ کریم پھر درخواست کرے گا "یاربّ زدہ" اے میرے ربّ! اسے اور زیادہ نواز دے۔ تو حافظ قرآن کو "حلۃ الکرامۃ" لباس وقار سے آراستہ کردیا جائے گا۔ قرآنِ کریم پھر سفارش کرے گا کہ "اے میرے ربّ! اسے اپنی رضا سے بہرہ مند فرما" تو اللہ تعالیٰ حافظ قرآن کو اپنی رضوان عطا کرے گا، اور اسے کہا جائے کہ قرآن پڑھتے جاؤ اور جنت کے درجات طے کرتے جاؤ۔ اس طرح ہر آیت پر اس کا درجہ بلند ہوتا جائے گا۔" [الترغیب والترہیب، ح:۱۴۲۵]

اسی طرح حفاظ حدیث کی شان وعظمت بیان کرتے ہوئے نبی رحمت ﷺ نے فرمایا:

"نَضَّرَ اللّٰهُ اِمرأً سَمِعَ مِنَّا حديثًا فَحَفِظَهُ حتى يُبَلِّغَهُ." [ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجه]

(اللہ تعالیٰ اس شخص کو خوش وخرم رکھے جس نے ہماری حدیث سنی اور اسے یاد کیا اور اسے آگے پہنچایا۔)

یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی زبانِ اقدس سے خدام کتاب وسنت کے حق میں بشارت اور گراں قدر انعامات کا مژدۂ جاں فزا سننے والوں نے جس طرح قرآنِ کریم حفظ کیا اور اپنے سینے میں محفوظ کیا اسی طرح حدیث پاک کو بھی یاد کیا اور بکمال امانت ودیانت اسے آگے منتقل کیا۔ کیوں کہ معلم انسانیت، رحمت عالم ﷺ نے اپنے شاگردان با صفا (حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو) اس حقیقت سے آشنا اور اس کی ضرورت واہمیت سے آگاہ فرما دیا تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

"تَسْمَعُونَ وَيُسْمَعُ مِنْكُمْ، وَيُسْمَعُ مِمَّنْ يَسْمَعُ مِنْكُمْ." [ابوداود: ٣٦٤٩]

(آج تم لوگ ہم سے احادیث سنتے ہو اور کل تم سے سنی جائیں گی۔ اور پھر وہ شخص جو تم سے سنے گا، اس سے بھی سماعت کی جائیں گی۔)

اسی طرح قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ اس حدیث پاک میں جہاں دین کو آگے پہنچانے کی ترغیب اور ذمہ داری کا احساس دلایا گیا ہے، وہاں احادیث پاک کو کامل توجہ سے سننے، ان کو سمجھنے اور ازبر کرنے کی بھی ترغیب دلائی گئی ہے تاکہ پوری امانت ودیانت کے ساتھ دین کو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

آگے منتقل کرنے کا سلسلہ جاری رہے۔ حجۃ الوداع کے موقعے پر موجود ایک لاکھ سے متجاوز ان سعادت مند انسانوں کو جنھیں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی صحبت کا شرف عطا فرمایا تھا اور جنھوں نے آپ ﷺ کی زیارت سے مشرف ہو کر اپنے آپ پر جہنم کو حرام کروا لیا اور اللہ تعالیٰ نے انھیں دنیا میں ہی اپنی مغفرت کے تمغے اور دخولِ جنت کے سرٹیفکیٹ عطا فرما دیے تھے (رضی الله عنهم ورضوا عنه)۔

ان سے مخاطب ہو کر نبی اکرم ﷺ نے تبلیغ دین کے بارے میں ان سے شہادت حق طلب کرتے ہوئے فرمایا: "اَلا هَلْ بَلَّغْتُ" کیا میں نے اللہ تعالیٰ کا دین کما حقہ آپ تک پہنچا دیا ہے؟ سب نے بیک زبان گواہی دی تھی "اَللّٰهُمَّ نَعم" جی ہاں! آپ نے مکمل دین ہم تک پہنچا دیا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے اس گواہی پر اللہ تعالیٰ کو شاہد بناتے ہوئے اللہ ربّ العزت کی بارگاہ میں عرض کی "اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ" اے اللہ! اس بات پر گواہ رہیو! آپ نے تین بار یہ کلمات ادا کیے اور پھر وہاں موجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو وصیت کرتے ہوئے سب کو تبلیغ دین کا فریضہ سونپ دیا اور فرمایا "لِيُبَلِّغ الشاهِدُ مِنكُم الغائِبَ" (جو لوگ یہاں موجود نہیں ان تک تبلیغ دین کرنا اور میری شریعت کو آگے پہنچانا آپ کی ذمہ داری ہے جو یہاں موجود ہیں۔) [بخاری]

چناں چہ اس بارگراں سے سبک دوش ہونے اور اس فریضے کی کما حقہ ادائیگی اور اس امانت کو آگے پہنچانے کی خاطر حضرات صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم اجمعین) اور ان کے متبعین اور آج تک اس کارِ خیر میں شریک ہونے والوں نے اپنے تن من دھن کی بازی لگا دی اور اس مقصد جلیل کے لیے اپنی حیاتِ مستعار وقف کر دی۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے دین اسلام کی شمع کو فروزاں رکھا اور ان شاء اللہ قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا، کیوں کہ اس کا محافظ اللہ تعالیٰ ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے بھی یہ پیشین گوئی فرمائی ہے:

" لا تزال طائفة من اُمّتی ظاهرين على الحق ولا يَضُرّهم مَن يَخْذُلُهُم حتى ياتى امر الله . " [ترمذی، ح:٤١٠٠]

(میری اُمت میں سے ایک گروہ قیامت تک حق پر قائم رہے گا اور ان کے مخالف ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔)

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ امام علی بن مدینی نے فرمایا کہ "هم اهل الحديث" وہ جماعت اہل حدیث کی ہے۔ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" ان لم يكونوا اصحاب الحديث فلا ادرِی من هم ؟" [فتح الباری: ١/ ٨٥]

(کہ یہ جماعت، اصحاب حدیث کی نہیں تو پھر مجھے معلوم نہیں کہ وہ اور کون ہوں گے۔)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

علومِ نبوت کی خدمت اور اس امانت کو آگے منتقل کرنے کے لیے جو وسائل اور طریقہ ہائے کار بروئے کار لائے گئے ان کو تین کے عدد میں محصور کیا جاسکتا ہے۔ اس لیے کہ امکانی حد تک کسی علم کو محفوظ کرنے اور آگے منتقل کرنے کے یہی وسائل اور ذرائع ہیں۔

① ..... ضبط صدر (زبانی حفظ کرنا)

② ..... ضبط کتابت (جمع وتدوین)

③ ..... تعامل (اس کے مطابق عمل کرنا۔)

عہد رسالت مآب ﷺ سے ہی دین کی تبلیغ اور نشر واشاعت کے لیے یہ تینوں ذرائع اختیار شدہ اور رواج پذیر ہیں۔ اس کی کچھ تفصیل آئندہ سطور میں ملاحظہ فرمایے۔

(۱)..... ضبط صدر (حفظ کرنا):

وہ عرب جن کو اپنے حافظے پر ناز تھا اور انھیں جاہلیت کے اشعار اور وقائع واحداث حتی کہ اپنے گھوڑوں کے نسب تک ازبر تھے، جب اللہ تعالیٰ نے ان کو نعمت اسلام سے سرفراز کیا تو قرآن وحدیث کی برکت سے ان کی قوتِ حفظ مزید بڑھ گئی اور لوگ ان کے حفظ وضبط پر رشک کرنے لگے۔ وہ قوت حفظ کی بنا پر اپنے تحریری نوشتہ جات اور مسودات کی اصلاح کیا کرتے تھے۔ آیے! ہم تاریخ اسلام کے دریچے سے ان باکمال لوگوں کے سنہری کارناموں، مساعیٔ جلیلہ اور خدمت حدیث پاک کے لیے ان کی قابل قدر کاوشوں کی ایک جھلک دیکھتے ہیں۔

یہ راویۃ الاسلام، خزینہ علم اور حافظ حدیث سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں، جن کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ''ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہم سب سے زیادہ رسولِ اکرم ﷺ کی صحبت میں رہنے والے اور آپ ﷺ کی احادیث مبارکہ کو ہم سب سے زیادہ جاننے والے ہیں۔''

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

'' ابوهريرة احفظ من روى الحديث في دهره .''

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رواتِ حدیث میں سب سے زیادہ حافظے والے ہیں۔)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ ان راویۃ الاسلام رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھتے ہیں: ''الامام، الفقيه، المجتهد، الحافظ صاحب رسول الله ﷺ. ابوهريره الدوسي، اليماني، سيد الحفاظ الاثبات رضی اللہ عنہ ..... ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کی سب سے زیادہ احادیث کے راوی ہیں۔ ان سے مروی احادیث مبارکہ کی تعداد (۵۳۷۴) کے قریب ہے۔

راویِ اسلام حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حفظ وضبط کا اندازہ ابوزرعہ کے بیان سے لگایا جاسکتا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ ابوزعزعہ گورنر مدینہ طیبہ مروان بن الحکم اموی کے کاتب (سیکرٹری) تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ مروان نے سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو ان کے حفظ واتقان کا امتحان لینے کے لیے بلایا اور ان سے درخواست کی کہ آپ حافظ حدیث ہیں۔ آپ ہمیں رسولِ اکرم ﷺ کے ارشادات عالیہ سنائیں۔ مروان نے مجھے پردہ کے پیچھے بٹھا دیا اور حکم دیا کہ حضرت ابوہریرہ جو کچھ بیان کریں اسے تحریر کرتا جاؤں۔ چناں چہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسولِ اکرم ﷺ کی بہت سی احادیث مبارکہ بیان کیں اور میں ترتیب وار انھیں لکھتا رہا۔ پھر ایک سال کے بعد مروان نے حضرت ابوہریرہ کو دوبارہ بلوایا اور ان سے گزارش کی کہ گزشتہ سال آپ نے ہمیں رسولِ اکرم ﷺ کی بہت سی احادیث مبارکہ سنائی تھیں۔ ہماری خواہش ہے کہ وہی احادیث مبارکہ آپ ہمیں ایک مرتبہ پھر سنا دیں، اور مجھے حکم دیا کہ میں پس پردہ بیٹھ کر اپنی گزشتہ سال کی تحریر شدہ احادیث سے ان کا تقابل کروں۔ ابوزعزعہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک سال بعد اسی ترتیب کے ساتھ وہ تمام احادیث دوبارہ سنا دیں: "فما زاد ولا نقص، ولا قدم ولا اخر" نہ ان کی ترتیب میں فرق ڈالا اور نہ ان میں کوئی کمی بیشی کی۔

یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد حافظ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "هكذا فليكن الحفظ" حافظہ ہو تو ایسا ہو۔ [سیر اعلام النبلاء: ٤/٥٩٩ وكتاب الكنى للبخاری]

ایسا کیوں نہ ہوتا؟ انھوں نے تو قبولِ اسلام کے بعد رسولِ اکرم ﷺ سے علم سیکھنا اور اسے یاد کرنا اپنا مقصد حیات قرار دے لیا تھا اور اپنے حافظے میں پختگی اور قوت کے لیے رسولِ اکرم ﷺ کی دعا سے مشرف ہوئے تھے۔ ان کا اپنا بیان ہے کہ "ایک مرتبہ مجھے رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: "جس طرح باقی لوگ مالِ غنیمت میں سے مجھ سے طلب کرتے ہیں، آپ نے مجھ سے کبھی کچھ نہیں مانگا؟ تو میں نے عرض کی۔ (اے اللہ کے رسول ﷺ!) میرا آپ سے ایک ہی سوال ہے کہ "آپ کو اللہ تعالیٰ نے جو علم عطا فرمایا ہے اس میں سے مجھے بھی سکھا دیجیے۔" آپ (ﷺ) نے میرے اوپر والی چادر کو کھینچ کر اتارا اور اپنے اور میرے درمیان اسے بچھا دیا اور مجھے احادیث مبارکہ بیان کرنا شروع کیں، حتی کہ جب میں نے آپ کی بیان فرمودہ تمام احادیث یاد کرلیں تو فرمایا "اس چادر کو اکٹھا کرکے اپنے سینے سے لگا لو۔" (حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ) بیان کرتے ہیں کہ میں آپ کی تعلیم کی اس برکت سے ان احادیث میں سے ایک حرف بھی نہیں بھول پایا۔" زہے نصیب.....!

ایک مرتبہ ایک شخص حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس ایک مسئلہ دریافت کرنے آیا تو انھوں نے اسے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس جانے کی ہدایت کی اور ساتھ ہی یہ واقعہ سنایا کہ ایک دفعہ میں، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور ایک تیسرا ساتھی مسجد میں بیٹھے دعا کررہے تھے کہ اسی اثنا میں نبی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اکرم ﷺ تشریف لے آئے اور ہمارے پاس بیٹھ گئے۔ ہم آپ ﷺ کو دیکھ کر خاموش ہوگئے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''آپ لوگ جو کچھ کررہے تھے، وہ کرتے رہیں۔'' یہ سن کر پہلے میں نے دعا کی اور پھر ہمارے دوسرے ساتھی نے دعا کی اور نبی اکرم ﷺ نے ہماری دعا پر آمین کہا۔ پھر آخر میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے دعا کی کہ

" اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ مَا سَأَلَکَ صَاحِبَایَ، وَأَسْأَلُکَ عِلْمًا لَا یُنْسٰی ."

(اے اللہ! میں آپ سے ان تمام چیزوں کا سوال کرتا ہوں جو میرے ساتھیوں نے آپ سے مانگی ہیں، اور ساتھ ہی مجھے ایسا علم بھی عطا فرما جو کبھی نہ بھول پائے۔) نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: آمین۔ (اے اللہ! یہ دعا قبول فرما۔) ہم دونوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم بھی اللہ تعالیٰ سے نہ بھولنے والا علم مانگتے ہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: "سبقکما الغلام الدوسی" (دوس قبیلے کا جوان آپ پر سبقت لے جا چکا ہے۔) [سیر اعلام النبلاء]

جس کی قوت حافظہ کے لیے خود رسول اکرم (ﷺ) دعا فرمائیں اور اس کی دعا پر آمین کہیں اور پھر اس نے حفظ احادیث کو اپنا مقصد حیات بنا رکھا ہو کہ کھانے کے چند لقموں پر قناعت کر کے ہمہ وقت سماعِ حدیث کے لیے رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہے، ہر وقت قرآن وحدیث پڑھنا اور اسے یاد کرنا ہی اس کا مشغلہ ہو تو اس سے بڑھ کر حافظ حدیث اور کون ہوگا؟

اسی طرح دیگر صحابہ کرام اس سلسلے میں جس طرح محنت کرتے تھے خادم رسول مقبول (ﷺ) حضرت انس رضی اللہ عنہ کی زبانی ان کے احوال سنتے ہیں۔ فرماتے ہیں: ہم تقریباً ساٹھ افراد نبی اکرم ﷺ کی مجلس میں حاضر ہوتے تھے اور آپ ﷺ ہمیں احادیث مبارکہ کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ پھر جب آپ تشریف لے جاتے تو ہم آپس میں مذاکرہ کیا کرتے تھے اور جب ہم مذاکرے سے فارغ ہوتے تو وہ احادیث پاک ہمارے دلوں پہ نقش ہو چکی ہوتی تھیں۔ [مجمع الزوائد، الفقیہ والمتفقہ]

اس طرح صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بعد اللہ تعالیٰ نے حفظ دین کے لیے جن قابل قدر لوگوں کو منتخب کیا ان کو بھی بے پناہ قوت حافظہ سے نوازا اور دنیا والوں نے ان کے حفظ واتقان کا واضح الفاظ میں اعتراف کیا۔

امام محمد بن مسلم بن شہاب زہری (متوفی ۱۲۴ھ):

ایک مرتبہ ہشام بن عبدالملک نے امام زہری رحمہ اللہ سے کہا کہ اس کے بیٹوں کو کچھ احادیث املا کروا دیجیے۔ امام زہری نے انھیں چار سو (۴۰۰) احادیث مبارکہ لکھوائیں۔ پھر وہاں سے آ کر انھوں نے اپنے تلامذہ کو بلایا: ''این انتم یا أصحاب الحدیث'' ''اہل حدیث! تم کہاں ہو؟'' جب وہ جمع

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہوئے تو ان کو بھی وہی چار سو احادیث املا کروائیں۔ اس سے ایک مہینا یا کچھ مدت بعد امام زہری کی ملاقات ہشام بن عبدالملک سے ہوئی تو اس نے امام ممدوح سے کہا کہ ''وہی چار سو احادیث ہمیں دوبارہ لکھوا دیجیے کیوں کہ ہمارا وہ رجسٹر جس میں ہم نے احادیث لکھی تھیں، گم ہوگیا ہے۔ چناں چہ امام زہری نے انھیں دوبارہ وہی احادیث املا کروائیں۔ پھر اس نے اپنا پہلا مسودہ (رجسٹر) منگوا کر اس کے ساتھ نئی املا شدہ احادیث پاک کا تقابل کیا تو وہ ہو بہو پہلی مرتبہ تحریر کی گئی احادیث کے عین مطابق تھیں۔ امام صاحب نے دوبارہ املا کرواتے وقت ایک حرف کی بھی کمی بیشی نہیں کی۔ ہشام بن عبدالملک نے امام زہری کے حافظے کا امتحان لینے کی غرض سے ایسا کیا تھا اور امام اس میں سو فی صد کامیاب رہے اور وہ ان کے حفظ وضبط کا پہلے سے بڑھ کر قائل ہوگیا۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ امام زہری کے حافظے کا یہ عالم تھا کہ صرف اسی (۸۰) دنوں میں انھوں نے مکمل قرآنِ پاک حفظ کرلیا تھا۔'' [تذکرۃ الحفاظ]

چوں کہ حفاظ حدیث ایک بہت بڑی ذمہ داری کو سنبھالے ہوئے اور انتہائی گراں بار امانت اٹھائے ہوئے تھے، جس کا تعلق ایمان وعقائد اور اعمال کے ساتھ ہے، اور اخروی کامیابی اسی پر منتج ہوتی ہے، اس لیے ہر دور میں لوگوں نے رواۃ حدیث رسول ﷺ اور حاملین علوم نبوت کے حفظ واتقان اور عمل وکردار کو پرکھا اور ان کا امتحان لیا تاکہ وحی الٰہی کے امین ان سعادت مند شخصیات کی روایت کردہ احادیث مبارکہ میں کسی قسم کے شبہے کی گنجائش باقی نہ رہے۔

حضرت امام بخاری (م ۲۵۶ھ) جن کے بارے میں امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''محمد بن اسماعیل البخاری امام اهل الحدیث کہ امام بخاری رحمہ اللہ اہل حدیث کے امام ہیں اور امام الائمۃ ابن خزیمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

'' ما رأيت تحت اديم السماء اعلم بحديث رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا احفظ له من محمد بن اسماعيل البخاري .''

(میں نے نیل گوں آسمان کی چھت کے نیچے امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ سے بڑھ کر حدیث رسول ﷺ کا عالم اور حافظ کوئی نہیں دیکھا۔)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری علم اور زہد وتقویٰ اور عبادت میں امام تھے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ابو عبدالله البخاري جبل الحفظ وامام الدنيا وثقة الحديث.'' کہ امام ابوعبداللہ بخاری رحمہ اللہ حافظے کا پہاڑ اور امام دنیا اور ثقۃ الحدیث ہیں۔

لوگوں نے امام بخاری رحمہ اللہ کا بھی امتحان لیا۔ چناں چہ حافظ ابن عدی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ ''میں نے اپنے بہت سے اساتذہ کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا ہے کہ امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

جب بغداد تشریف لائے تو وہاں کے اصحاب الحدیث نے امام صاحب کے حافظے کا امتحان لینے کا منصوبہ بنایا۔ انھوں نے سو (۱۰۰) احادیث کا انتخاب کیا اور ان کے متن اور اسانید کو خلط ملط کر دیا (یعنی اس متن کی سند دوسری حدیث کے متن اور اس کی سند پہلی حدیث کے متن کے ساتھ لگا دی) اور دس آدمیوں کو ایسی مخلوط شدہ دس دس احادیث دے کر مجلس میں بٹھا دیا تاکہ وہ باری باری احادیث امام صاحب کو سنائیں اور ان کے متعلق ان کی رائے لیں۔ جب امام صاحب کی سماعِ حدیث کی مجلس منعقد ہوئی اور خلق کثیر سماعِ حدیث پاک کے لیے جمع ہوئی تو ان دس اشخاص نے امام بخاری رحمہ اللہ سے اپنی ان (مخلوط شدہ) دس احادیث میں سے پہلی حدیث کے بارے میں سوال کیا تو امام صاحب نے جواب دیا۔ "لا اعرفه" میں ایسی کوئی روایت نہیں جانتا۔" اس نے پھر دوسری روایت پڑھی تو امام صاحب نے فرمایا "مجھے ایسی کوئی روایت معلوم نہیں۔" حتی کہ اس نے دس کی دس روایات امام صاحب کو سنائیں اور حضرت امام صاحب رحمہ اللہ یہی جواب دیتے رہے کہ "مجھے معلوم نہیں۔" اب مجلس میں چہ میگوئیاں شروع ہوگئیں اور لوگ کہنے لگے کہ "یہ شخص علوم حدیث کا ماہر ہے لیکن اس کو جواب نہیں آیا۔" حتی کہ دوسرے آدمی نے امام صاحب رحمہ اللہ کو مخاطب کیا اور اپنی دس حدیثیں پڑھ کر سنائیں۔ امام صاحب نے اس کو بھی ہر حدیث سننے کے بعد یہی جواب دیا کہ "مجھے معلوم نہیں۔" حتی کہ دس کے دس افراد نے جب مخلوط مقلوب شدہ سو کی سو روایات امام صاحب کو سنا دیں اور اپنی کارروائی سے فارغ ہوئے تو امام صاحب پہلے شخص سے مخاطب ہوئے اور فرمایا: آپ کی پہلی حدیث اس طرح ہے اور دوسری اس طرح، حتی کہ دس کی دس احادیث کو ان کی اصلی اسناد اور متن کے ساتھ ملا دیا۔ اسی طرح باقی افراد میں سے ہر ایک کی حدیث کے متن کو اس کی اصلی سند کے ساتھ جوڑ دیا تو ان لوگوں نے کھلے عام امام صاحب کے حافظے کی پختگی اور ضبط کی بے پناہ صلاحیت کا اعتراف کیا۔

اسی طرح یہ سلسلہ ہر دور میں جاری رہا حتی کہ آج بھی خدام کتاب و سنت کی جماعت سے وابستہ لوگوں میں بے پناہ قوت حافظہ اور حدیث رسولِ مقبول ﷺ کا صحیح فہم اور علوم حدیث میں مہارت تامہ رکھنے والے علمائے کرام ومشائخ عظام موجود ہیں۔ ماضی قریب میں برصغیر پاک وہند کی سرزمین پر مسند حدیث پر جلوہ افروز ہونے والے اور احادیث رسولِ مقبول ﷺ کی تدریس وتعلیم کے ذریعے علوم نبوت کو آگے منتقل کرنے والے مشائخ عظام میں سے چند حضرات کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں۔

شیخ الکل سید میاں نذیر حسین رحمہ اللہ، استاذ پنجاب محدث عبدالمنان وزیر آبادی، حضرت العلام محدث حافظ عبداللہ روپڑی، حضرت العلام حافظ محمد گوندلوی، علامہ عطاء اللہ حنیف بھوجیانی، شیخ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی، شیخ الحدیث مولانا محمد عبدالرحمٰن محدث مبارک پوری، شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ رحمانی، سید بدیع الدین راشدی، محدث مولانا ابراہیم میر سیالکوٹی، شیخ الحدیث مولانا سلطان محمود جلال پور پیر والا اور دیگر شیوخ الحدیث مولانا رئیس احمد ندوی، مولانا شمس الحق سلفی، مولانا عبدالغنی سیفی عمری رحمہم اللہ وہ اساطین علم ہیں جنھوں نے اپنی پوری زندگی علوم نبوت کی شمع کو فروزاں رکھنے میں صرف کی۔

اسی طرح نواب صدیق حسن رحمہ اللہ جنھوں نے تدریس وتصنیف کے علاوہ حفظ حدیث کے مسابقے کا انعقاد کرکے اہل اسلام میں حفظ قرآنِ کریم کے ساتھ ساتھ حفظ حدیث کے جذبے کو بھی مزید اجاگر کیا۔ یہ سب امور خدام حدیث پاک کی خدمات کا تسلسل ہے اور آج بھی تمام اہل حدیث مدارس میں جس اہتمام سے محدثین کرام کا طرزِ تدریس جاری وساری ہے، وہ کسی سے مخفی نہیں۔ یہ المحدث المسند شیخ الحدیث ثناء اللہ مدنی کی مسند ہے تو وہاں شیخ الحدیث حافظ عبدالمنان نور پوری درس حدیث دے رہے ہیں، کہیں شیخ الحدیث مولانا عبدالعزیز علوی شیخ الحدیث کی مسند پہ جلوہ افروز ہیں تو کہیں شیخ الحدیث مولانا محمد عبداللہ امجد نے مجلس علم بپا کر رکھی ہے۔

اسی طرح بنارس (ہندوستان) میں مولانا عبدالسلام مدنی، مالیگاؤں میں ڈاکٹر فضل الرحمٰن مدنی، عمر آباد میں ڈاکٹر عبداللہ جولم مدنی، مدراس میں شیخ الحدیث انیس الرحمٰن اعظمی، میوات میں شیخ الحدیث مولانا محمد اسرائیل سلفی ندوی اپنی مساند بچھائے اور مجالس علم سجائے خدمت حدیث میں مشغول ہیں۔

اسی طرح کہیں محقق اہل حدیث مولانا ارشاد الحق اثری ہمہ وقت حدیث رسولِ مقبول کی تحقیق، نشر واشاعت اور سنت کے دفاع میں مصروف ہیں اور کہیں شیخ الحدیث حافظ عبدالستار حماد، شیخ الحدیث عبداللہ ناصر رحمانی، ڈاکٹر عبدالرحمٰن فریوائی، حافظ ثناء اللہ زاہدی، شیخ صلاح الدین مقبول احمد، ڈاکٹر محمد لقمان سلفی، شیخ عزیر شمس، ڈاکٹر حافظ محمد اسحاق زاہد اور دیگر اصحابِ علم حدیث مصطفےٰ ﷺ کی خدمت میں مصروف نظر آتے ہیں۔

عالم عرب میں بھی جہاں تاریخ کے ہر دور میں بڑے بڑے جہابذہ علما اور محدثین کرام اور خدام الوحی پیدا ہوئے ہیں، وہاں ماضی قریب میں علامہ احمد شاکر، محدث شام علامہ ناصر الدین اور محدث مدینہ الشیخ حماد الانصاری جیسی فرید العصر اور نابغۂ روزگار شخصیات علمی دنیا میں آفتاب بن کر دمکتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ آج بھی حرمین شریفین کی زیارت کرنے والے مسجد نبوی شریف میں محدث مدینہ الشیخ عبدالمحسن العباد حفظہ اللہ کی مجلس حدیث سے مستفید ہو رہے ہیں۔ محدثانہ طرز پر تدریس حدیث پاک کی یہ مجلس قرونِ اولیٰ کی یاد تازہ کرتی ہے۔ مکہ معظمہ کی مجالس حدیث اور ''ریاض'' (سعودی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

عرب) میں منعقد ہونے والی الشیخ عبداللہ العقیل کی سماعِ حدیث کی مجلس اسی تسلسل کا حصہ ہیں۔

کویت میں بھی شیدایانِ کتاب وسنت اور خدام حدیث کی ایک بہت بڑی تعداد موجود ہے جو ہمیشہ ''اسناد عالی'' کی جستجو اور اس کے حصول کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔ بلکہ بعض عرب نوجوانوں نے تو ''اسناد عالی'' کے حصول اور ''اجازۃ الروایۃ'' حاصل کرنے کے لیے پاکستان، ہندوستان، الجزائر، یمن، مصر حتی کہ مغرب تک کا سفر کیا ہے۔ ان میں سعودی عرب کے نوجوان محدث شیخ عبداللہ العبد، کویت کے نوجوان محدث شیخ فیصل العلی اور الشیخ صلاح الشلاحی کے اسمائے گرامی بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

کویت ہی میں خادم السنۃ النبویۃ الشیخ ابوالحارث فیصل العلی اور ان کے یارِ غار نوجوان محدث الشیخ محمد بن ناصر العجمی نے محنت اور کوشش کرکے سرکاری سطح پر وزارۃ الاوقاف والشئون الاسلامیہ کویت کے زیر اہتمام ''سماعِ حدیث'' کی مجالس منعقد کرکے جہاں حدیث مصطفےٰ کے ساتھ اپنی والہانہ عقیدت کا ثبوت دیا، وہاں محدثین کرام کی روایات کو بھی زندہ کیا اور شائقین علوم نبوت کے لیے ''سند عالی'' کے حصول کا موقع بھی فراہم کیا تاکہ رسولِ اکرم ﷺ تک سلسلہ سند متصل کرکے وہ رسولِ اکرم ﷺ کے ساتھ نسبت کے شرف سے بہرہ ور ہوں۔ ہمارے لیے یہ بات بھی قابل صد افتخار ہے کہ ''سماعِ حدیث'' کی ان مجالس کا آغاز وافتتاح استاذنا المکرم المسند المحدث الحافظ ثناء اللہ عیسیٰ خان حفظہ اللہ کی ''مجلس السماع'' سے ہوا۔ ان مجالس میں جن دیگر محدثین کرام کو دعوت دی گئی، ان میں الشیخ المسند مولانا محمد اسرائیل سلفی ندوی، الشیخ المسند عبدالوکیل بن عبدالحق الہاشمی، الشیخ عبدالقیوم بستوی کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ ان مجالس کا اہتمام کرنے والے مشائخ کرام محترم الشیخ فیصل العلی ابوالحارث، ان کے ساتھی شیخ محمد بن ناصر العجمی، اور دیگر احباب اور وزارۃ الاوقاف والشئون الاسلامیہ کویت کے تمام ذمہ داران کو اپنی بہترین جزاؤں سے نوازے، آمین۔

میری معلومات کے مطابق ہمارے محترم بھائی عارف جاوید محمدی حفظہ اللہ (رئیس مرکز دعوۃ الجالیات کویت) کے پاس جس قدر ماضی قریب میں ہونے والے علماء ومشائخ کے خطوط، اور نوادر محفوظ ہیں اور اسی طرح عصر حاضر میں موجود ''عالی سند'' رکھنے والے محدثین وعلما کے بارے میں معلومات ہیں شاید کسی اور کے پاس کم ہوں گی۔ کیوں کہ ان کو ''سند عالی'' کے حصول اور ''نوادر'' جمع کرنے کا خصوصی شغف ہے۔

(۲).....کتابت حدیث (جمع وتدوین):

نازلِ وحی اللہ جل شانہ نے علومِ وحی ''ضبط الصدر'' کے ذریعے سے محفوظ کرنے کی ترغیب

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

دلائی اور ایسے خوش نصیب اور ذی وقار لوگوں کے فضائل اور بلندیٔ درجات کا تذکرہ فرمایا ہے، جیسا کہ ارشاد باری ہے:

﴿ بل هو آيات بينات في صدور الذين اوتوا العلم ﴾ [العنكبوت:٦٩]

(دراصل یہ روشن نشانیاں ان لوگوں کے دلوں میں (محفوظ) ہیں جنھیں علم عطا کیا گیا ہے۔)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" يحفظهُ العلماء ويسّره الله عليهم حفظًا وتلاوةً وتفسيراً ." [ابن كثير]

(یعنی علما ان آیات بینات (قرآنِ کریم) کو اپنے سینوں میں محفوظ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اس کتاب کے یاد کرنے، اور اس کی تلاوت وتفسیر کو آسان بنا دیا ہے۔)

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" اعطيت هذه الامة الحفظ و كان من قبلها لا يقرؤن كتبهم الا نظرا ."

[تفسير القرطبي]

(اللہ تعالیٰ نے اس امت کو ضبط صدر (یعنی حفظ) کی نعمت سے نوازا ہے، جب کہ پہلی امتوں کے لوگ اپنی کتابیں دیکھ کر پڑھتے تھے، ان کی کتب صرف انبیاء علیہم السلام کو حفظ ہوتی تھیں، کسی امتی کو یاد نہیں ہوتی تھیں۔)

جس طرح اللہ ربّ العزت نے "ضبط صدر" کی اہمیت کو واضح کیا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے پہلی وحی میں بطور خاص "قلم" کا تذکرہ کرکے "ضبط کتابت" کی ضرورت واہمیت کو بھی اجاگر کردیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اقرأ باسم ربك الذى خلق o خلق الانسان من علق o اقرأ وربّك الاكرم o الذى علم بالقلم o ﴾ [العلق: ١ تا ٤]

(اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم)! اپنے اس مالک کے نام سے پڑھیے جس نے تمام مخلوقات کو پیدا کیا ہے، اس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے تخلیق کیا ہے۔ اپنے ربّ اکرم کے نام سے پڑھیے، جس نے قلم کے ذریعے (لکھنا) سکھایا ہے۔)

اور ﴿ ن و القلم وما يسطرون ﴾ [القلم:١]

(قلم کی قسم اور جو وہ (فرشتے) لکھتے ہیں اس کی قسم۔)

فرما کر اور "القلم" کے نام پر سورت نازل کرکے قلم کی افادیت اور اہمیت کو اعلیٰ مرتبہ عطا فرما دیا ہے کہ علوم نبوت کو محفوظ کرنے کا ایک انتہائی موزوں، مفید عام اور دیرپا ذریعہ تحریر وتدوین ہے، اسی لیے حفظ اور ضبط صدر کی طرح کتابت وتدوین وحی کا آغاز بھی عہدِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہی میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہو چکا تھا۔ نبی ﷺ نے نزول وحی کے آغاز سے ہی کاتبین وحی مقرر کر دیے تھے۔ (جس کی تفصیل علوم القرآن کی کتابوں میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔) مکہ معظمہ میں سب سے پہلے کتابت وحی کی ذمہ داری شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کو سونپی گئی تھی۔ بعض علما کے نزدیک پہلے کاتب وحی خالد بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا گیا تھا۔ مؤرخین کا اس پر اتفاق ہے کہ مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کے بعد کتابت وحی کا فریضہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو سونپا گیا تھا۔ ابن عبدالبر نے واقدی کے حوالے سے بیان کیا ہے:

"اوّل من کتب لرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الوحی مقدمة المدینة ابی بن کعب فإذا غاب کتب له زید بن ثابت رضی الله عنه."

حضرت معاویہ بن ابی سفیان، خلفائے اربعہ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان ذوالنورین اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم بھی کاتبین وحی میں شامل ہیں۔ بلکہ علامہ نویری کے قول کے مطابق کاتبین وحی کی تعداد چھبیس تھی۔ بعض سیرت نگاروں نے چوالیس (۴۴) کا ذکر کیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ سفر وحضر میں اہتمام کے ساتھ نازل شدہ وحی لکھوایا کرتے تھے۔ اگر ایک کاتب غیر حاضر ہوتا تو دوسرے کو بلوا لیا کرتے تھے۔ اپنے اسفار میں بھی کاتب کو ساتھ لے جایا کرتے تھے، اور جب موقع ملتا اس سے لکھوایا کرتے تھے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن حوالہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ تھے۔ ہم نے ایک مقام پر پڑاؤ کیا تو نبی اکرم ﷺ ایک درخت کے سائے میں تشریف فرما ہوئے۔ آپ نے مجھے آتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: انکتب یا ابن حواله (اے ابن حوالہ! کیا ہم لکھیں۔)

نبی اکرم ﷺ نے نزولِ وحی کے دورِ آغاز میں حدیث پاک کی کتابت سے منع فرما دیا تھا تاکہ قرآنِ کریم اور اس کا بیان وتفسیر (حدیث پاک) ایک ہی جگہ پر لکھنے کی وجہ سے لوگوں پر خلط ملط نہ ہو جائیں، تاہم اس وقت بھی حکم دیا تھا کہ "حدثوا عنی ولا حرج" (میری احادیث کو یاد کر کے زبانی بیان کیا کرو۔) لیکن جب اختلاط کا خدشہ ختم ہوا اور لوگ "وحی متلو" اور "غیر متلو" میں فرق سمجھنے لگے تو نبی ﷺ خود احادیث کی املاء کروایا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے مروی ہے کہ میں نبی اکرم ﷺ کی احادیث مبارکہ لکھا کرتا تھا۔ لوگوں نے مجھ سے کہا کہ نبی اکرم ﷺ کبھی خوشی کی حالت میں ہوتے ہیں اور کبھی غصے کی حالت میں، کیا تم ہر بات تحریر کر لیتے ہو؟ یہ سن کر میں نے لکھنا ترک کر دیا اور نبی ﷺ سے اس بات کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے اپنے دہن مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

"اکتب فو الذی نفسی بیده ما یخرج منه الا الحق." [مسند احمد: ۷/ ۱۶۲]

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

(تم لکھا کرو، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اس منہ سے حق کے سوا کچھ نکلتا ہی نہیں۔)

یہ اس چیز کی بین دلیل ہے کہ نبی اکرم ﷺ بذاتِ خود احادیث پاک لکھوایا کرتے اور تدوین حدیث کا اہتمام کیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں صحابہ کرام کے تقریباً باون (۵۲) صحیفے ضبطِ تحریر میں آ چکے تھے۔ یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ قرآنِ حکیم کی طرح حدیث پاک کی جمع وتدوین کا کام بھی نبی اکرم ﷺ کے مبارک دور ہی سے شروع ہوا۔ ہجرت کے وقت سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ کو امان لکھ کر دینا، شاہانِ عالم کے نام دعوتی خطوط، مبلغین اسلام کو ہدایات، اور پھر حجۃ الوداع کے موقعے پر یمنی باشندے ''ابوشاہ'' کے بارے میں آپ کا فرمان ''اکتبوا لابی شاہ'' (یہ احکام ابوشاہ کے لیے تحریر کردو) یہ تمام دلائل عہد رسالت مآب ﷺ میں تدوین حدیث کا بین ثبوت ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کا تحریر کردہ صحیفہ تدوین حدیث کا اوّلین شاہکار ہے جو ''صحیفہ صادقہ'' کے نام سے مشہور ہے۔ ڈاکٹر حمید اللہ رحمہ اللہ نے تحقیق کرکے اسے شائع کیا ہے، اس میں درج شدہ احادیث مبارکہ کی تعداد (۴۳۶) چار صد چھتیس ہے۔ یہ تمام تر احادیث مبارکہ مسند امام احمد رحمہ اللہ اور سنن اربعہ میں پھیلی ہوئی ہیں۔ مسند امام احمد بن حنبل میں ''مسند عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ'' ص ۱۵۸ سے ۲۲۶ تک ہے۔ اس ''صحیفہ صادقہ'' کی شہرت کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ اس میں باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے صحائف کی نسبت احادیث مبارکہ کی تعداد زیادہ ہے۔ یہ مکمل صحیفہ ایک ہی جگہ پر بالترتیب حضرت امام احمد بن اسماعیل کی کتاب ''السرد والفرد'' کے اندر ایک ہی سند کے ساتھ مروی ہے۔

دوسرا صحیفہ ''صحیفہ صحیحہ'' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا ہے۔ یہ صحیفہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنے شاگرد رشید حضرت ہمام بن منبہ رحمہ اللہ کو املا کروایا تھا۔ ہمام بن منبہ کے روایت کرنے کی وجہ سے یہ صحیفہ ''صحیفہ ہمام بن منبہ'' کے نام سے مشہور ہے اور اس میں تقریباً ایک صد اڑتیس (۱۳۸) احادیث مبارکہ موجود ہیں۔ یہ صحیفہ بھی مسند امام احمد بن حنبل میں موجود ہے۔ مسند کی دوسری جلد میں اس صحیفے کی احادیث اس طرح شروع ہوتی ہیں: ''ھذا ما اخبرنا بہ ابو ھریرۃ رضی اللہ عنہ۔''

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی وفات ۵۹ھ میں ہوئی یعنی یہ صحیفہ اس وقت تحریر کیا جا چکا تھا۔ اس کا ایک نسخہ جو چھٹی صدی ہجری کا کتابت شدہ تھا نامور محقق ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم نے دمشق کے مکتبہ ظاہریہ سے دریافت کیا، جب کہ اس کا دوسرا نسخہ جو کہ بارھویں صدی کا تحریر شدہ ہے اسے ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم نے ''برلن لائبریری'' سے دریافت کیا۔ جب ان دونوں قلمی نسخوں کا تقابل کیا گیا تو ان میں ذرّہ برابر بھی فرق نہیں پایا گیا۔ پھر جب ان نسخوں میں مرقوم احادیث کا مسند احمد اور دیگر کتب

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

حدیث میں مندرج احادیثِ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مقارنہ کیا گیا تو انھیں ہو بہو ایک جیسا پایا گیا جو کہ حدیثِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے مامون ومحفوظ ہونے کا واضح ثبوت ہے۔ یہ صحیفہ بھی ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم نے تحقیق کر کے شائع کیا۔

صحابہ کرام نے اسی طرح اپنے صحائف اپنے شاگردانِ گرامی تابعین عظام اور انھوں نے آگے تبع تابعین کو لکھوائے اور اس طرح تدوین حدیث کا یہ سلسلہ جاری رہا۔

صحابہ کرام کے بعد دورِ تابعین میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا حتی کہ جب مسلمانوں کے پانچویں خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز ۹۹ھ میں خلیفہ مقرر کیے گئے تو انھوں نے سرکاری سطح پر امام زہری رحمہ اللہ اور ابوبکر بن حزم رحمہ اللہ کے نام فرمان جاری کیا:

" انظروا حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم فاكتبوه فإني خفت دورس العلم وذهابه ." [مقدمه سنن الدارمي: ١/١٢٦]

(حدیث مصطفےٰ کی تدوین پر توجہ دو، اگر ایسا نہ کیا گیا تو مجھے خدشہ ہے کہ کہیں علم دین ضائع نہ ہو جائے۔)

اسی طرح امام مالک رحمہ اللہ (م۱۷۹ھ) کی کتاب "الموطا" جو کہ فقہی ابواب پر مرتب شدہ حدیث کی پہلی کتاب شمار کی جاتی ہے، لکھی گئی۔ پھر اس کے بعد کتب ستہ (یعنی صحاح ستہ) معرضِ وجود میں آئیں اور پھر ہر دور میں خدام حدیث پاک نے دین حق لوگوں تک پہنچانے کے لیے آسان اسلوب اور مختلف ترتیبات کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے، جوامع، سنن، مسانید، معاجم اور اجزاء کی شکل میں احادیث پاک کو مدوّن اور مرتب کیا۔ اس طرح ضبط کتابت کے ذریعے حدیث پاک کی حفاظت کی گئی۔

کتابت اور تدوین کی طرح حدیث پاک کو جمع کرنے اور اس علم کے حصول کے لیے محنت اور کاوش کرنے کی کوشش بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک ہی میں شروع ہو چکی تھی۔ چناں چہ حضرت فاروق اعظم عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ "میں نے اور میرے ایک پڑوسی انصاری بھائی نے باری مقرر کر رکھی تھی۔ ایک دن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر احادیث مبارکہ کا سماع کرتا اور وہ کام کاج کرتا۔ میں اسے آج کی سنی ہوئی احادیث پہنچاتا۔ دوسرے دن وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا اور آپ سے احادیث سن کر مجھے پہنچاتا تھا۔" [بخاری، کتاب العلم]

نیت خالص اور طلب صادق ہو تو علم دین کے حصول کی خاطر سفر سے افضل اور بہتر کوئی سفر نہیں ہے۔ کثیر بن قیس رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں مدینہ طیبہ سے سفر کر کے دمشق میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ اس وقت دمشق کی جامع مسجد میں تشریف فرما تھے۔ میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی: اے ابوالدرداء! مجھے اطلاع ملی ہے کہ آپ حدیث رسول (ﷺ) بیان کرتے ہیں، اس لیے میں آپ سے وہ حدیث پاک سننے کے لیے آیا ہوں۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے مجھ سے دریافت کیا آپ صرف حدیث رسول (ﷺ) کی خاطر اتنا لمبا سفر کر کے آئے ہیں؟ آپ نے تجارت یا کسی اور غرض کے لیے تو یہ سفر نہیں کیا؟ میں نے عرض کیا صرف حدیث رسول ﷺ کے لیے میں نے یہ سفر کیا ہے۔ انھوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص علم دین کے لیے سفر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے جنت کی راہ پر چلنے کی توفیق دیتا ہے۔ دین کے طالب علم کی اس کوشش پر خوش ہو کر فرشتے اس کے نیچے اپنے پر بچھاتے ہیں۔ بے شک عالم دین کی فضیلت ایک عبادت گزار پر اس طرح ہے جس طرح کہ چودھویں رات کے بدرِ تام کو تمام ستاروں پر فوقیت حاصل ہے اور علم دین کے طالب کے لیے آسمان وزمین کی تمام مخلوقات حتی کہ سمندر کی تہہ میں مچھلیاں بھی مغفرت کی دعا کرتی ہیں۔ بے شک علمائے دین انبیا علیہم السلام کے وارث ہیں۔ کیوں کہ انبیا علیہم السلام اپنے ورثے میں درہم و دینار چھوڑ کر نہیں جاتے، بلکہ وہ وراثت علم چھوڑ کر جاتے ہیں۔ لہٰذا جس نے دین کا علم حاصل کیا وہ بڑا ہی بلند نصیب ہے۔

[شعب الایمان للبیہقی]

اسی سعادت کے حصول اور نبی اکرم ﷺ کی بشارت کو پانے اور حاصل کرنے کے لیے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے مبارک دور سے لے کر ہر دور میں شیدایانِ علوم نبوت اور والہان سنت اہل حدیث حضرات نے ایک ایک حدیث کے حصول کے لیے انتہائی طویل اور بامشقت سفر اختیار کیے۔

علامہ رامہرمزی رحمہ اللہ اہل حدیث کی شان بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

یدخلون من بلادٍ الی بلادٍ، خائضین فی العلم کلّ واد، شعث الرؤس، خلقان الثیاب، خمص البطون، ذبل الشفاہ، شحب الالوان، نحل الابدان، قد جعلوا لھم ھمّا واحداً، ورضوا بالعلم دلیلاً ورائداً، لا یقطعھم عنہ جوع ولا ظمأ ولا یملّھم منہ صیف ولا شتاء ." [المحدث الفاصل]

(وہ ایک ملک سے دوسرے ملک کا سفر اختیار کرتے، اور تلاش علم میں ہر جگہ پہنچتے، اور سفر کی صعوبتوں سے ان کے بال بکھرے ہوئے، لباس پھٹے پرانے اور بھوکے پیٹ، خشک ہونٹ، چہرے کی رنگت بدلی ہوئی، بھوک اور پیاس کی وجہ سے جسم دبلے پتلے اور ان کا صرف ایک ہی مطمح نظر ہوتا کہ ان کو حدیث مصطفےٰ (ﷺ) میسر آ جائے۔ اس کی جستجو سے ان کو نہ بھوک روک سکتی تھی نہ پیاس اور نہ موسم کی سردی اور گرمی۔)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

امام حفص بن غیاث اور ابوبکر بن عیاش تابعی کا قول ہے کہ ''دنیا میں کوئی قوم اہل حدیث سے افضل نہیں۔'' یہ قول نقل کرنے کے بعد امام حاکم رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''دونوں نے سچ کہا ہے۔ ان کی یہ شان کیوں نہ ہو کہ حدیث کے علاوہ ان کا کوئی مشغلہ نہیں تھا۔ انھوں نے طلب حدیث کی خاطر دنیا کے عیش وآرام کو تج دیا۔ کیوں کہ کتابت حدیث ان کی غذا ہے اور حدیث کا مذاکرہ اور دور کرنا ان کی مجلس شب اور موضوع گفتگو ہے۔ تھکاوٹ دور کرنے کا ذریعہ ان کے لیے حدیث پاک کا دور کرنا ہے۔ کتابت حدیث کی سیاہی ان کا عطر اور خوشبو ہے، حدیث کے لیے شب بے داری ان کی نیند ہے، سردیوں میں ان کی تعلیم وتعلم کے لیے روشن کردہ چراغ سردی دور کرنے والی انگیٹھیاں ہیں۔ ٹیک لگانے کے لیے پتھر ان کے تکیے ہیں، عالی سند اور کم واسطے والی روایت کے حصول کے لیے پیش آمدہ مشکلات ومصائب ان کے لیے باعث راحت ہیں اور اگر کوشش کے باوجود ایسی روایات ان کو نہ ملیں تو ہر عیش ان کے لیے مصیبت ہے۔ ان کے اذہان وعقول لذت احادیث سے اور ان کے دل ہر حال میں اللہ کی رضا پر راضی رہنے سے شاد وآباد رہتے ہیں۔ حدیث پاک کا علم حاصل کرنا ان کی خوشی اور حدیث کی مجالس ان کی زینت ہیں۔'' [معرفۃ علوم الحدیث، ص:۳]

اسی لیے ان باعظمت، باہمت اور پرعزم لوگوں کے لیے الرحلۃ، الرحالۃ، طواف الاقالیم، اور کثیر الاسفار لازمی وصف بن گیا تھا۔ امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی الجامع الصحیح میں باب قائم کیا ہے:

''باب الخروج فی طلب العلم، ورحل جابر بن عبد الله مسيرة شهرٍ الى عبد الله بن انيسٍ فی حديث واحد.'' [بخاری، کتاب العلم]

صحابیٔ رسول ﷺ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ''مجھے ایک صحابیٔ رسول ﷺ کے حوالے سے ایک حدیث پہنچی، جو انھوں نے رسولِ اکرم ﷺ سے سنی تھی اور میں نہیں سماعت کرسکا تھا تو میں نے اس غرض سے اونٹ خریدا اور اس جلیل القدر صحابی کی ملاقات کے لیے پابہ رکاب ہوا، اور ایک مہینے کی مسافت طے کرکے ملک شام پہنچا۔ وہاں جا کر معلوم ہوا کہ وہ صحابی حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ ہیں۔ میں ان کے دروازے پر پہنچا اور چوکیدار سے کہا کہ حضرت سے کہیے کہ جابر بن عبداللہ صحابیٔ رسول ﷺ دروازے پہ کھڑے ہیں اور ملاقات کے متمنی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کو اطلاع ملی تو وہ فوراً باہر تشریف لائے اور میرے ساتھ سلام ومعانقہ کیا۔ میں نے انھیں اپنا مدعا بیان کیا کہ مجھے پتا چلا ہے کہ آپ نے (قیامت کے دن قصاص کے متعلق) ایک حدیث رسول اکرم ﷺ سے سنی ہے جو کہ میں نہیں سن سکا، اور مجھے یہ خوف لاحق ہوا کہ ممکن ہے میری موت کا وقت آجائے یا آپ فوت ہوجائیں اور میں وہ حدیث پاک نہ سن پاؤں۔ اس غرض

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سے میں نے یہ لمبا سفر اختیار کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی کہ میں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ

" یحشر اللّٰہ الناس یوم القیامة عراة، غرلاً، بهماً، قلنا ما بهماً؟ قال (صلی اللہ علیہ وسلم) لیس معهم شیء قال ینادیهم بصوتٍ یسمعه من بعد کما یسمعه من قرب انا الملک، انا الدیان، لا ینبغی لاحد من اهل الجنة ان یدخل الجنة واحد من اهل النار یطلبه بمظلمة حتی اللطمة" قال (رضی الله عنه) قلنا: کیف هو، وانما ناتی اللّٰہ تعالٰی عراةً، غرلاً، بهماً؟ قال بالحسنات والسیئات ." [الأدب المفرد، باب المعانقه، مسند احمد: ۳/ ۴۹۰]

اس واقعہ سے اظہر من الشمس ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سیکھنے اور یاد کرنے کے کس قدر مشتاق تھے اور اس راہ میں سفر کرنے اور اپنا وقت صرف کرنے کو اپنے لیے باعث سعادت سمجھتے تھے۔

عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے ایک حدیث پاک کی خاطر مدینہ طیبہ سے مصر تک کا سفر کیا۔ حضرت ابوایوب انصاری اور چند دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جن میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بھی تھے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ''ستر مومن'' کے بارے میں ایک حدیث سنی تھی۔ باقی تمام صحابہ کرام اللہ کو پیارے ہوگئے تھے، صرف حضرت ابوایوب انصاری اور حضرت عقبہ بن عامر زندہ تھے۔ حضرت عقبہ بن عامر مصر میں تھے اور حضرت ابوایوب انصاری مدینہ طیبہ میں۔ چناں چہ اس حدیث کی تصدیق کے لیے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے مدینہ سے مصر تک کا سفر کیا اور حضرت عقبہ بن عامر کے گھر کا پتا معلوم کرنے کے لیے امیر مصر حضرت مسلمہ بن مخلد انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان پر پہنچے۔ امیر مصر کو حضرت ابوایوب کی آمد کی اطلاع دی گئی تو وہ فوراً باہر آئے اور حضرت ابوایوب سے بغل گیر ہوئے اور آمد کا مقصد دریافت کیا۔ حضرت ابوایوب نے بتایا کہ ہم نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث سنی تھی اور اس حدیث کا سماع کرنے والوں میں اب صرف میں اور عقبہ بن عامر زندہ ہیں۔ میں عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے اس کی تصدیق کرنے اور اس حدیث کے الفاظ سننے کے لیے آیا ہوں۔ مجھے ان کے گھر تک پہنچا دیجیے۔ امیر مصر نے ایک آدمی ان کے ساتھ بھیجا جو ان کو حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کے گھر لے گیا۔ جب حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کی آمد کی اطلاع دی گئی تو وہ باہر تشریف لائے اور بڑی گرم جوشی سے حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ سے ملے اور معانقہ کیا۔ اور ان سے کہا: ''کہو! کیسے آنا ہوا؟'' حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے کہا: ''ہم کئی ساتھیوں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ''ستر مومن'' کے بارے میں ایک حدیث سنی تھی، باقی تمام ساتھی فوت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہو چکے ہیں اور وہ حدیث سننے والوں میں سے اب صرف میں اور آپ بقید حیات ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ کنت ارحل الایام واللیالی فی طلب الحدیث الواحد کہ میں نے ایک ایک حدیث کی تلاش وطلب اور حصول کے لیے کئی کئی دن اور راتوں کی مسافت طے کی ہے۔

جرح وتعدیل کے امام ابوحاتم رازی رحمہ اللہ کے بیٹے بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد گرامی سے یہ بیان کرتے ہوئے سنا، وہ فرماتے ہیں: جب میں پہلی مرتبہ علم حدیث کے حصول کے لیے گھر سے نکلا تو سات سال مسلسل سفر میں رہا۔ میں نے مختلف اساتذہ کی ملاقات کے لیے مختلف علاقوں کی طرف پا پیادہ سفر کو شمار کرنا شروع کیا حتی کہ میرا پیدل سفر ایک ہزار (۱۰۰۰) فرسخ یعنی نو ہزار (۹۰۰۰) میل سے زیادہ ہوگیا تو پھر میں نے شمار کرنا ترک کردیا۔ مجھے یاد نہیں کہ میں نے کتنی مرتبہ کوفہ سے بغداد، مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ، مصر، رملہ، بیت المقدس، عسقلان، اور طبریہ سے دمشق، دمشق سے حمص، وہاں سے انطاکیہ اور انطاکیہ سے طرسوس تک کا سفر کیا۔''

[البداية والنهاية، مقدمه الجرح والتعديل، ص: ۳۰۹ تا ۳۶۰]

ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ میں نے مکحول سے سنا: ''طفت الارض فی طلب العلم'' میں نے علومِ نبوت کے حصول کے لیے پوری دنیا کا چکر لگایا ہے۔ [تذکرۃ الحفاظ، ص:۱۰۸]

اور یہ علم حدیث کے پرعزم اور باہمت طالب علم امام بقی بن مخلد اندلسی ہیں جو مغرب اقصیٰ سے بغداد کے لیے عازم سفر ہوتے ہیں تاکہ مرکز علم میں حاضر ہو کر امام اہل سنت احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے علم حدیث حاصل کریں۔ اپنے اس سفر کی داستان بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''جب میں بغداد کے قریب پہنچا تو مجھے امام احمد رحمہ اللہ پر حکومت وقت کی طرف سے تشدد اور نظر بندی کی اطلاع ملی، یہ خبر مجھ پر بجلی بن کر گری، میں بہت غم زدہ ہوا۔ میں نے بغداد شہر میں پہنچ کر ایک کمرہ کرائے پر لیا اور اس کمرے میں اپنا سامان رکھ کر فوراً جامع مسجد میں پہنچا تاکہ میں وہاں کسی علمی مجالس سے استفادہ کروں۔ چناں چہ مجھے وہاں ایک بہت ہی عمدہ علمی مجلس میسر آ گئی۔ میں نے دیکھا کہ ایک عظیم محدث رواۃ حدیث پر گفتگو کررہے ہیں اور ان کے احوال بیان کرتے ہوئے فرما رہے ہیں کہ فلاں ثقہ ہے۔ فلاں راوی ضعیف ہے۔ میں نے اپنے قریب بیٹھے ہوئے ایک طالب علم سے پوچھا کہ یہ عظیم محدث کون ہیں؟ اس نے جواب دیا: ''امام یحییٰ بن معین''۔ میں نے امام صاحب کے قریب ایک خالی جگہ دیکھی اور اٹھ کر وہاں جا بیٹھا۔ جب مجھے موقع میسر آیا تو میں نے امام صاحب سے درخواست کی ''اے ابوزکریا! میں مسافر ہوں، بہت دور سے آیا ہوں۔ کچھ پوچھنا چاہتا ہوں مجھے اجازت دیجیے کہ میں کچھ عرض کروں۔'' فرمایا: ''ہاں پوچھیے!'' تو میں نے اپنے ان مشائخ کے بارے میں پوچھنا شروع کیا جن سے میری ملاقات ہوچکی تھی۔ انھوں نے بعض کو ثقہ قرار دیا اور ان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

میں سے بعض پر جرح بھی کی۔ میں نے آخری سوال راویٔ حدیث ہشام بن عمار کے بارے میں کیا کہ وہ کیسے ہیں؟ امام صاحب نے فرمایا: ''وہ جو صاحب کتاب الصلوٰۃ دمشقی ہیں؟ وہ ثقہ ہیں بلکہ ان کا درجہ ثقہ سے بھی بلند ہے۔ اہل حلقہ کی آوازیں میری طرف بلند ہوئیں کہ اللہ آپ رحم کرے! اپنے سوالات ختم کیجیے، دوسرے لوگ بھی امام صاحب سے کچھ پوچھنا چاہتے ہیں۔'' میں نے کھڑا ہوتے ہوئے امام صاحب سے پوچھا: ''میں ایک شخصیت کے بارے میں دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے (امام) احمد بن حنبل کے بارے میں بتایئے کہ وہ کیسے ہیں؟'' امام یحییٰ بن معین نے متعجب نگاہوں سے میری طرف دیکھا اور فرمایا: ہم جیسے لوگوں سے امام احمد بن حنبل کے بارے میں سوال کرتے ہو۔ وہ تو مسلمانوں کے امام اور موجودہ دور کے افضل ترین انسان ہیں۔

چناں چہ میں وہاں سے امام احمد بن حنبل کے مکان کی تلاش میں نکلا، جہاں انھیں نظر بند کیا گیا تھا، میں پوچھتے پوچھتے وہاں پہنچ گیا۔ میں نے امام صاحب کے دروازے پر دستک دی۔ امام صاحب نے دروازہ کھولا تو اپنے سامنے ایک اجنبی شخص کو دیکھا، کیوں کہ میری ان سے یہ پہلی ملاقات تھی۔ میں نے عرض کی: ''اے ابوعبداللہ! بہت لمبا سفر کرکے پہلی مرتبہ بغداد آیا ہوں۔ میرا مقصد اہل حدیث کے حالات اور سنت نبوی کو قلم بند کرنا ہے۔ میں نے صرف آپ کی خدمت میں حاضری کے لیے اتنا لمبا سفر کیا ہے۔ امام صاحب نے مجھے اندر ڈیوڑھی میں داخل ہونے کو کہا اور ساتھ ہی فرمایا ذرہ احتیاط کرنا۔ کہیں کوئی حکومت کا جاسوس آپ کو دیکھ نہ لے۔ پھر امام صاحب نے مجھ سے پوچھا: کہاں سے آئے ہو؟ میں نے کہا مغرب اقصیٰ سے۔ امام صاحب نے فرمایا: افریقہ سے؟ میں نے کہا افریقہ سے بھی دور اندلس سے آیا ہوں۔ امام صاحب نے فرمایا: ''آپ جیسے طالب علم سے تعاون کرنا تو میرا حق بنتا ہے، لیکن میں ان دنوں مجبور اور محصور ہوں۔'' میں نے عرض کیا، مجھے اس بات کا علم ہو چکا ہے۔ میں نے عرض کیا میں اس شہر میں اجنبی اور غیر معروف ہوں۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں گداگروں والا لباس پہن کر خیرات مانگنے والوں کے بھیس میں آپ کے دروازے پر صدا لگایا کروں گا، آپ مجھے دروازے کے پیچھے سے ہی چند احادیث املا کروا دیا کریں۔ فرمایا: ''ٹھیک ہے۔ لیکن ایک شرط ہے، وہ یہ کہ آپ علمی حلقوں میں اپنے آپ کو ظاہر نہ ہونے دیں۔'' میں نے عرض کیا مجھے منظور ہے۔ چناں چہ میں فقیرانہ بھیس میں جا کر امام صاحب کے دروازے پر صدا لگاتا اور وہ مجھے اندر سے دو، تین یا بعض اوقات اس سے زیادہ احادیث املا کروا دیتے۔ اس طرح میں نے امام صاحب سے تین سو احادیث لکھیں اور یہ سلسلہ جاری رہا حتی کہ امام صاحب پر سختی کرنے والا خلیفہ فوت ہوگیا اور امام صاحب کو رہائی ملی۔ امام صاحب نے علم حدیث کے حلقے میں حدیث بیان کرنے کا سلسلہ شروع کردیا۔ میں جب امام صاحب کے حلقہ تلمذ

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

میں بیٹھتا تو امام صاحب مجھے اپنے قریب بٹھا کر باقی تلامذہ سے مخاطب ہو کر فرماتے: "هذا يقع عليه اسم الطالب." درحقیقت طالب علم ایسے لوگوں کو کہا جاتا ہے۔ پھر امیرا واقعہ سناتے۔"

[سیر اعلام النبلاء]

امام ابواسحاق سبیعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" ما سمعت بارض فيها علم الا اتيتها ." [الرحلة فی طلب الحديث، ص:۷۰۰]

(مجھے زمین کے جس خطے میں بھی حدیث پاک کا پتا چلا، میں اس کے حصول کے لیے وہاں پہنچا۔)

امام حاکم رحمہ اللہ نے انہی باعظمت اور بلند پایہ شخصیات کے بارے میں کہا ہے:

" قوم سلكوا الحجة الصالحين واتبعوا آثار السلف الماضيين ودمغوا اهل البدع والمخالفين بسنن رسول الله ﷺ وعلى آله أجمعين ."

[معرفة علوم الحديث، ص:۲]

خطیب بغدادی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

" رحم الله ائمة هذا الدين، وعلماء ه المحدثين، لقد كانوا فی الأمم معجزة العلم والتاريخ، رحمهم الله تعالىٰ وسيلة . لانجاز وعده انا نحن نزلنا الذكر وانا له لحافظون ." [الرحلة فی طلب الحديث، ص:۲۲۳]

امام علی بن المدینی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ امام شعبی سے کسی نے سوال کیا: " من اين لک هذا العلم كله؟" انھوں نے جواب دیا:

" بنفی الاعتماد والسير فی البلاد، وصبر كصبر الجماد وبكور كبكور الغراب ." [تذكرة الحفاظ، ص:۸۰]

کہ دوسروں پر تکیہ نہ کرنے کی عادت، علم کی خاطر مختلف علاقوں کے سفر، جمادات کی طرح صبر اور کوے کی طرح جلدی بیدار ہونے کی عادت نے مجھے اس قدر علم کے حصول کے قابل بنایا۔

امام اہل السنۃ احمد بن حنبل، امام یحییٰ بن معین، امام علی بن مدینی، امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری، امام شعبہ بن الحجاج، امام ابوزرعہ رازی، امام مسلم بن حجاج قشیری، امام ابوداؤد سجستانی، امام ابوعیسیٰ ترمذی، امام احمد بن شعیب نسائی، امام ابن ماجہ قزوینی اور دیگر محدثین کرام اور خدام سنت نبویہ کے طلب حدیث کے لیے مبارک اسفار ورحلات کے دلچسپ اور علمی معلومات سے بھر پور واقعات سے تاریخ اسلام کے اوراق کو تابندگی اور درخشندگی نصیب ہوئی ہے اور ان کی قابل فخر جہود ومساعی پر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مسلمان ناز کرتے ہیں کہ امت مسلمہ کے ان محسنین نے کس قدر جہد مسلسل اور محنت وکاوش سے اللہ کے دین کو بحفاظت تام ہم تک پہنچایا۔

اس طائفہ مبارک اور جماعت اہل حدیث کے خلف الرشید اور جانشین آج تک اس امانت کو سنبھالے ہوئے ہیں اور عملاً ونقلاً اس امانت کو آگے پہنچانے اور حدیث مصطفےٰ کی نشر واشاعت اور اس کے دفاع کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔ اور نبی اکرم ﷺ کی اس بشارت کے حصول کے لیے کوشاں اور سرگرم عمل ہیں کہ "نضر الله امرأ سمع منا حديثا فحفظه حتى يبلغه" یعنی اللہ تعالیٰ اس شخص کے چہرے کو پررونق اور تروتازہ رکھے جو ہماری حدیث کو سن کر یاد کرتا ہے اور آگے پہنچاتا ہے۔ [ابوداؤد: ۳۶۶۰، ابن ماجہ: ۲۳۰]

من كان من اهل الحديث فإنه
ذو نضرة في وجهه نور سطع
فان النبي دعا بنضرة وجه من
ادى الحديث كما تحمل واستمع

(اہل حدیث کو یہ سعادت حاصل ہے کہ ان کے چہرے روحانیت کے نور سے تابندہ ہوتے ہیں، کیوں کہ نبی اکرم ﷺ نے اس شخص کے چہرے کی دائمی رونق اور تازگی کے لیے دعا کی ہے جو کہ حدیث رسول (ﷺ) کا علم حاصل کرتا اور اسے آگے منتقل کرتا ہے۔ حدیث پاک کی برکات سے یہ لوگ دنیا وآخرت دونوں میں بہرہ ور ہیں۔)

امام ابوزرعہ رازی کے وراق ابوجعفر بیان کرتے ہیں کہ ہم امام ابوزرعہ کی وفات کے وقت ان کے ہاں موجود تھے۔ وہاں پر موجود محدثین نے تلقین کی غرض سے حدیث تلقین کی سند پڑھنا شروع کی اور ہر کوئی "عن ابی صالح" پر آ کر رک جاتا تو خود امام صاحب نے پھر حدیث پڑھنا شروع کی۔ "حدثنا بندار، حدثنا ابوعاصم، حدثنا عبدالحميد، عن صالح بن ابی عريب عن كثير بن مرة عن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله ﷺ: "من كان آخر كلامه: لا اله الا الله دخل الجنة." ادھر کلمہ زبان سے نکلا ادھر ان کی روح جنت کو پرواز کرگئی، اور برکت حدیث سے اللہ نے حسن خاتمہ نصیب فرما دیا۔ [سیر اعلام النبلاء]

(۳).....حفاظت حدیث بذریعہ تعامل:

علم کو محفوظ کرنے کا ایک انتہائی مفید اور دیرپا ذریعہ اس کا استعمال ہے یعنی اس کے مطابق عمل کرنا، شریعت اسلامی میں تو اعمال کو ایمان کا جزوِ لازم قرار دیا گیا ہے۔ علم کے مطابق عمل نہ کرنے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کی مذمت کی گئی ہے ارشاد باری ہے:

﴿ یایھا الذین آمنوا لم تقولون مالا تفعلون ○ کبر مقتا عند اللّٰہ ان تقولوا مالا تفعلون ﴾ [الصف: ۲، ۳]

(اے اہل ایمان! تم وہ بات کیوں کہتے ہو جس پر خود عمل نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ چیز انتہائی ناراضی کا باعث ہے کہ تم وہ بات کہو جس پر خود عمل نہیں کرتے۔)

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن میدان محشر میں ہر انسان سے ابتدائی طور پر جو سوالات پوچھے جائیں گے ان میں سے ایک سوال یہ بھی ہوگا: ''ماذا عمل فیما علم؟'' اپنے علم کے مطابق عمل بھی کیا تھا کہ نہیں؟ اسی لیے نبی اکرم ﷺ نے احکامِ شریعت صحابہ کرام کو عملی طور پر سکھائے۔ وضو کرکے دکھایا، سب کے سامنے منبر پر کھڑے ہو کر نماز کا طریقہ بتایا اور منبر سے نیچے اتر کر سجدہ کرکے دکھایا اور پھر سب کو مخاطب ہو کر فرمایا: ''صلوا کما رائیتمونی اصلی'' اسی طرح نماز ادا کیا کرو جیسے آپ نے مجھے نماز ادا کرتے ہوئے دیکھا ہے۔'' [بخاری]

اطاعت رسول اور اتباعِ رسول (ﷺ) کا مفہوم بھی یہی ہے کہ ہر عمل نبی اکرم ﷺ کی سنت کے مطابق کیا جائے۔ اسی لیے علمائے حق نے اعمال کی قبولیت کے لیے تین شرطیں بیان کی ہیں:

① ..... ایمان خالص

② ..... خلوص نیت

③ ..... اتباعِ سنت

نبی اکرم ﷺ کے شاگردانِ گرامی حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی احادیث کی روایت وتبلیغ کے ساتھ ساتھ اس کا عملی طریقہ بیان کیا کرتے تھے۔ مثلاً: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے وضو کا طریقہ بتلاتے وقت پانی منگوایا اور مکمل وضو کرکے دکھایا اور اس کے بعد فرمایا: ''توضأ رسول اللہ ﷺ نحو وضوئ ھذا'' نبی اکرم ﷺ بھی اسی طرح وضو کیا کرتے تھے جیسا کہ میں نے آپ کو وضو کرکے دکھایا ہے۔'' [بخاری ومسلم]

حضرت ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہ نے دس صحابہ کرام کی موجودگی میں عملی طور پر نماز پڑھ کے دکھائی جیسے کہ رسولِ اکرم ﷺ نماز ادا کیا کرتے تھے۔ ترمذی شریف میں ہے: ''ابوحمید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو اپنے دونوں ہاتھ کندھوں کے برابر تک اٹھاتے۔ پھر (قیام کے بعد) جب رکوع کو جاتے تب بھی دونوں ہاتھ کندھوں کے برابر تک اٹھایا کرتے تھے، پھر رکوع سے اٹھتے تو اپنے دونوں ہاتھ کندھوں کے برابر تک اٹھاتے اور ''سمع اللہ لمن حمدہ'' کہتے اور بالکل سیدھے کھڑے ہوجاتے۔ پھر ''اللہ اکبر کہتے ہوئے سجدہ میں چلے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

جاتے ..... الخ'' [ترمذی، ۲:۳۰٤]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

'' ما حق امرئ مسلم له شیء یوصی فیه یبیت ثلاث لیال الا وصیته مکتوبة.''

(کسی مسلمان کے پاس اگر کوئی ایسی چیز ہے جس کے بارے میں اسے وصیت کرنی چاہیے تو اس کے لیے وصیت تحریر کیے بغیر تین راتیں گزارنا جائز نہیں۔)

اس حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جب سے میں نے یہ حدیث سنی ہے تب سے مجھ پہ کوئی رات ایسی نہیں گزری جس میں وصیت تحریری شکل میں میرے پاس موجود نہ ہو۔

امام ابوالحسن الاشعری اپنی کتاب ''مقالات الاسلامیین'' میں اہل حدیث کا منہج بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

'' یأخذون بالکتاب والسنة کما قال الله عزوجل ﴿ فان تنازعتم فی شیء فردوه الی الله والرسول ﴾ .''

(وہ کتاب وسنت پر عمل کرتے ہیں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، اگر کسی معاملے میں تم میں نزاع ہوجائے تو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی طرف لوٹاؤ۔ (یعنی کتاب وسنت کے مطابق اس کا فیصلہ کرو۔)

اور سچ ہے ؎

اهل الحدیث هم اهل النبی

وان لم یصحبوا نفسه انفاسهم صحبوا

آج بھی دنیا میں اہل حدیث کا شعار اور امتیاز ''اطیعوا الله واطیعوا الرسول'' ہے۔ کسی اہل حدیث سے آپ اگر پوچھیں گے کہ نماز میں پاؤں کے ساتھ پاؤں اور کندھے کے ساتھ کندھا ملا کر کیوں کھڑے ہوتے ہو؟ نماز میں رکوع کو جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کیوں کرتے ہو؟ اونچی آمین کیوں کہتے ہو؟ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ کیوں پڑھتے ہو؟ آخری تشہد میں تورّک کیوں کرتے ہو؟ رمضان میں گیارہ رکعت قیام اللیل یا تراویح کیوں آپ کا معمول ہے؟ تو وہ فوراً جواب دے گا کہ حدیث پاک میں ایسے ہی آیا ہے۔ یہ میرے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ کی سنت ہے۔ وہ کسی اور کا نام نہیں لے گا۔ آپ اہل حدیث مدارس کا نصابِ تعلیم ملاحظہ کریں، آپ دیکھیں گے کہ محدثانہ طرز پر حدیث پاک کی تعلیم جاری ہے۔ آپ کو تاجرانِ کتب کے پاس فتاوے کی کتب میسر آئیں گی۔ آپ آج بھی اہل حدیث مفتیانِ کرام کے فتاویٰ کا مطالعہ کریں تو ہر فتوے کے جواب میں قرآنِ پاک کی آیات اور احادیث بطور دلائل مذکور ہیں۔ آج بھی وابستگانِ

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

قرآن وسنت دین حق کی نشر واشاعت اور تفہیم سنت کی غرض سے کتب حدیث کی تخریج وتحقیق اور شروح وحواشی لکھ کر جہاں سنت رسول کا صحیح مفہوم لوگوں کے سامنے بیان کررہے ہیں، وہاں سنت کا دفاع بھی کررہے ہیں اور یہی اہل حدیث کا امتیاز ہے کہ سنت کی حفاظت کرنا، اس پہ عمل کرنا، اس کو لوگوں تک پہنچانا، اور کسی قسم کی ملاوٹ اور تحریف سے اس کا دفاع کرنا، ان کا طریقہ اور نقطۂ نظر ہے۔ وہ کتاب وسنت کا علم اس پر عمل کرنے کے ارادے سے حاصل کرتے ہیں نہ کہ اس کی تاویل اور اپنی مرضی کے مطابق اس کی تفسیر اور کتاب وسنت کے دلائل کو ردّ کرنے کے لیے اور اس کا جواب تیار کرنے کے لیے.....!

امام وکیع بن الجراح رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" من طلب الحديث كما جآء فهو صاحب سنة ومن طلب الحديث ليقوّى هواهُ فهو صاحب بدعة ." [جزء رفع اليدين، ص:٥٩]

(جو حدیث رسول کو اس کی اصلی شکل میں سیکھتا ہے وہ سنت کا عامل ہے اور جو اپنے نظریات کی تائید کے لیے حدیث کا سہارا لیتا ہے، وہ بدعتی ہے۔)

غربت اسلام کے دور میں جب آپ ﷺ نے دین حق پر عمل کرنے والوں کے بارے میں خوش خبری سنائی تو آپ ﷺ سے سوال کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ! **من الغرباء؟** "وہ غرباء کون ہوں گے؟" آپ نے فرمایا: **"الذين يحيون سنتي ويعلمونها عباد الله"** (وہ جو سنت کو زندہ رکھیں گے اور اللہ کے بندوں کو میری سنت (حدیث) کی تعلیم دیں گے۔) [مسند الشهاب، ح:١٠٥٣]

یہ شرف بھی اہل حدیث ہی کو حاصل ہے۔ وہ جس قدر نبی اکرم ﷺ پر درود پڑھتے ہیں شاید ہی کسی اور کو یہ سعادت نصیب ہو۔ ..... حدیث پاک کو پڑھتے، پڑھاتے، آگے بیان کرتے، لکھتے اور سنتے کسی بھی وقت جب نبی اکرم (ﷺ) کا اسم گرامی آتا ہے تو یہ کہتے ہیں: "ﷺ" اور اللہ تعالیٰ ہر بار ان کو دس نیکیاں عطا کرتا ہے۔ ان کے دس گناہ معاف کرتا اور دس درجے بلند کرتا ہے۔

سلامي على اهل الحديث فانني
نشأت على حب الاحاديث من معهد
هم نشروا في الكون سنة احمد
بلا صدر منهم فيها ولا ورد

اب کچھ باتیں اس کتاب اور مصنف کے بارے میں!

الحمد للہ! مؤرخ اہل حدیث مولانا محمد اسحاق بھٹی حفظہ اللہ کا نیا قلمی شاہ کار اور سلسلۂ تاریخ اہل حدیث کا چوتھا مجموعہ "گلستانِ حدیث" کے دلکش عنوان سے منظر عام پہ آچکا ہے۔ یہ بڑے سائز کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تقریباً پونے چھ سو صفحات میں پھیلا ہوا اٹھاون (۵۸) مرحومین اور چھبیس موجودین وابستگانِ قرآن وسنت اور خدام حدیث مصطفےٰ ﷺ کے تعارف، خدمات اور سوانح حیات پر مشتمل خوشنما گلدستہ ہے، جس میں عنوان کے اعتبار سے تو چوراسی (۸۴) حضرات کے تذکار بیان کیے گئے ہیں، لیکن ہر عنوان کے تحت ضمناً بہت سے خادمین حدیث کے حالات ضبط تحریر میں آ گئے ہیں۔ اس طرح یہ مجموعہ وسعتِ بیان کی صورت میں سیکڑوں خدامِ حدیث کے زرّیں تذکار کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

سلسلہ تاریخ اہل حدیث کا پہلا مجموعہ ''برصغیر میں اہل حدیث کی آمد'' ہے جو ساڑھے تین سو صفحات پر مشتمل ہے۔ اس سلسلے کا دوسرا مجموعہ ''برصغیر کے اہل حدیث خدام قرآن'' ہے جو سات سو صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ تیسرا مجموعہ ''دبستانِ حدیث'' ہے جو بڑے سائز کے پونے سات سو صفحات پر محیط ہے۔ اس کے علاوہ بھی مؤرخ اہل حدیث کی بڑی جامع اور مفید معلومات کا مرقع کئی تصانیف ہیں جو ان کے علم وادب، تصنیفی ذوق، وسعت معلومات اور حفظ وضبط کا بین ثبوت فراہم کرتی ہیں۔ ان کتابوں میں ان کی خدمت حدیث اور خدمت جماعت اہل حدیث واضح طور سے ہمارے سامنے آ جاتی ہے۔ میرا خیال ہی نہیں بلکہ یقین ہے کہ حدیث اور مسلک حدیث کی خدمت اور وابستگانِ کتاب وسنت کے ساتھ محبت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ انھیں ان شاء اللہ ضرور جزائے خیر سے نوازے گا۔ مؤرخ اہل حدیث اس پیرانہ سالی میں جب کہ ان کی عمر تقریباً (۸۴ سال) کو پہنچ گئی۔ (متعنا اللہ بطول حیاتہ) اکیلے کام کرتے ہیں، اس میں کوئی ان کا معاون نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ ہمت اور توفیق مرحمت فرمائی ہے کہ انھوں نے ''اہل حدیث'' کی تاریخ کو مرتب اور اپنی معلومات کو قلم بند کر کے بہت بڑی مسلکی خدمت سرانجام دی ہے اور ما شاء اللہ دے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی ان مساعیٔ جمیلہ اور مبارک جہود کو شرف قبولیت سے نوازے، آمین۔

مؤرخ اہل حدیث کے دورۂ کویت کے دوران اس خوش کردار شخصیت کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا، اور راقم الحروف ان کی بعض عادات اور خوبیوں سے بہت متاثر ہوا۔ وہ خوش مزاج اور ملنسار تو ہیں ہی لیکن ان کی سب سے بڑی خوبی اوقات نماز کی پابندی اور اہتمام ہے۔ انسان جب کسی پروگرام کے تحت کسی ملک کا دورہ کرتا ہے تو اس کی مصروفیات بہت زیادہ ہوتی ہیں اور تھک بھی جاتا ہے لیکن تمام تر مصروفیات اور تھکن کے باوجود وہ اذان ہوتے ہی بڑے اہتمام کے ساتھ مسجد میں باجماعت نماز ادا کرتے۔ ان کی دوسری خوبی نماز فجر سے پہلے یا بعد بالالتزام قرآنِ پاک کی تلاوت اور پھر لمبی دعا ہے۔ تیسری چیز جو میں نے نوٹ کی وہ کسی کی غیبت اور پس پشت کسی پر تبصرہ کرنے سے گریزاں رہتے۔ جب کوئی بہ اصرار کسی کے بارے میں کچھ معلوم کرنا چاہتا تو وہ معلوم ہونے کے باوجود یہ کہہ کر ٹال دیتے کہ ''میں نے لوگوں کی خوبیاں بیان کرنے کا کام اپنے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ذمے لیا ہے، دوسرا کام کسی اور سے کروا لیں، یا فرماتے بھئی! اگر ہم کسی کی کوئی خوبی بیان نہیں کر سکتے تو برائی کیوں بیان کریں۔'' اور چوتھی چیز ان کا ذوق مطالعہ کہ وہ اکثر وقت مطالعہ کرنے میں گزارتے اور بالخصوص کتب رجال اور تاریخ کی ورق گردانی کرتے اور جہاں کوئی واقعہ یا تاریخ غلط درج ہوتی تو فوراً مجھے مخاطب کر کے فرماتے دیکھو بھئی یہ کیا لکھا ہے۔ یہ ایسے نہیں بلکہ ایسے ہے۔ بعض اوقات اپنے قلم سے وہاں نوٹ لکھ دیتے۔ اس عمر میں بھی اللہ تعالیٰ نے ان کو ماشاء اللہ بے پناہ قوت حافظہ سے نوازا ہے۔ الحمد للہ

لجنۃ القارۃ الہندیہ کے رئیس نے دورانِ ملاقات بعض مرحوم شخصیات کی تواریخ وفات دریافت کیں تو انھوں نے فوراً بتا دیں۔ الحمد للہ

ہم ''گلستانِ حدیث'' کی اشاعت کے پر مسرت موقع پر مؤرخ اہل حدیث کو دل کی گہرائیوں سے مبارک باد پیش کرتے ہیں۔ اسی طرح اس منصوبے (تاریخ اہل حدیث) کی سرپرستی کرنے والے لجنۃ القارۃ الہندیہ کویت کے رئیس شیخ ابوخالد فلاح خالد المطیری حفظہ اللہ اور اس کارِ عظیم کی نگرانی کرنے والے مرکز دعوۃ الجالیات کویت کے رئیس محترم شیخ عارف جاوید محمدی حفظہ اللہ کو بھی مبارک باد پیش کرتے ہیں کہ انھوں نے اس تاریخی اور اہم پروگرام پہ خصوصی توجہ دی اور ہر ممکن تعاون پیش کیا۔ اللہ تعالیٰ مؤرخ اہل حدیث اور ''تاریخ اہل حدیث'' میں کسی طرح سے بھی تعاون کرنے والوں کو اپنی بہترین جزاؤں سے نوازے اور اس کارِ خیر کو سب کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے، آمین!

خادم العلم والعلماء
عبدالخالق محمد صادق المدنی
کویت۔ ۱۹ دسمبر ۲۰۰۹ء

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

حرفے چند

گزشتہ سال خوانندگانِ محترم کی خدمت میں ''دبستانِ حدیث'' کے نام سے بڑے سائز کے پونے سات سو صفحات پر مشتمل کتاب پیش کی گئی تھی، جس میں برصغیر کے ان ساٹھ حضرات کا تذکرہ کیا گیا ہے، جنھوں نے درس وتدریس، تصنیف وتالیف، فتویٰ نویسی اور ترجمہ وتشریح کی صورت میں نبی ﷺ کی احادیث مبارکہ کی خدمت کو اپنا مشغلۂ زندگی قرار دیا۔ خدام حدیث کی اس محفل بابرکت میں حضرت میاں سید نذیر حسین دہلوی بھی شامل تھے اور ان کے عالی قدر بارہ شاگرد بھی تشریف فرما تھے۔ ان کے ساتھ دیگر مرحومین کی بھی خاصی تعداد تھی۔ علاوہ ازیں بیس موجودین خدام حدیث بھی اس مجمعے میں شریک تھے۔

اب ''گلستانِ حدیث'' نذرِ قارئین کی جارہی ہے۔ اس میں چوراسی (۸۴) خادمانِ حدیث کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ بہ ترتیب تواریخ وفات ان میں اوّلیت مندرجہ ذیل چار حضرات کو حاصل ہے۔

① ..... مولانا محمد اسماعیل شہید دہلوی: انھوں نے ۶ مئی ۱۸۳۱ء کو بالاکوٹ کے میدان میں سکھوں کے ساتھ جہاد کرتے ہوئے جامِ شہادت نوش کیا۔

② ..... حضرت شاہ محمد اسحاق دہلوی: ان سے حضرت میاں سید نذیر حسین دہلوی اور دیگر بے شمار علما وطلبا نے اخذ فیض کیا۔ جولائی ۱۸۴۶ء (رجب ۱۲۶۲ھ) کو مکہ معظمہ میں وفات پائی اور جنت المعلیٰ میں دفن کیے گئے۔

③ ..... مولانا خطیب معین الدین انصاری سہسوانی: انھوں نے ۱۸۵۵ء میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ وہ کتاب وسنت کے جرأت مند مبلغ اور انتہائی متبع سنت عالم حدیث تھے۔

④ ..... مولانا غلام العلی قصوری: یہ پہلے عالم دین تھے جنھوں نے امرتسر میں مسلک اہل حدیث کی تبلیغ شروع کی۔ غزنوی علماے کرام ان کے بعد وہاں گئے تھے، بلکہ ایک روایت کے مطابق علماے غزنویہ کو بستی خیر دین سے مولانا غلام العلی ہی امرتسر لے کر گئے تھے۔ اتباعِ شریعت کے سلسلے میں وہ نہایت نازک احساسات رکھتے تھے۔ اس کا اندازہ اس سے کیجیے کہ ان کا نام والدین نے غلام علی رکھا تھا، لیکن انھوں نے اسے غلام العلی میں بدل دیا۔ ''العلی'' کا اطلاق قرآن کی رو سے اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اعلیٰ پر ہوتا ہے۔ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ . (سورہ بقرہ: ۲۵۵)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

(اور وہ بہت بلندی اور بڑی عظمت والا ہے۔)

مولانا غلام العلّی نے امرتسر میں اپنی گرہ سے زمین خرید کر مسجد بنائی۔ اس میں مدرسہ بھی قائم کیا جس میں مولانا احمد اللہ صاحب امرتسری طلبا کو پڑھاتے رہے۔ ان طلبا میں مولانا ثناء اللہ امرتسری بھی شامل تھے۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد خود مولانا ثناء اللہ صاحب بھی اس مدرسے میں کچھ عرصہ مدرس رہے۔ مولانا غلام العلّی کی وفات کے بعد ان کے بعض فارسی رسائل کا اردو ترجمہ اخبار ''اہل حدیث'' (امرتسر) میں شائع ہوا۔ مولانا غلام العلّی کے زمانے میں اور اس کے بعد امرتسر ہمیشہ خدام حدیث کا مرکز رہا۔ وہاں منکر حدیث صرف ایک شخص تھے اور وہ تھے خواجہ احمد الدین۔ علمی حلقوں میں ان کا کوئی اثر نہ تھا۔ مولانا غلام العلّی قصوری نے ۱۷۔ اپریل ۱۸۸۹ء کو وفات پائی۔

ان چار مبلغین حدیث کے بعد اس کتاب میں حضرت میاں سید نذیر حسین دہلوی کے بیس عظیم القدر تلامذہ کے کوائف حیات کی وضاحت کی گئی ہے اور ان کی تصنیفی اور تدریسی مساعی کو اجاگر کیا گیا ہے۔ اس کی تفصیل قارئین کرام کتاب کے آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

پھر چونتیس ان علماے ذی شان کا تذکرہ ہے جنھوں نے حضرت میاں صاحب کے شاگردوں یا ان کے شاگردوں کے شاگردوں یا ان سے بعد کے حضرات سے استفادہ کیا۔

پھر چھبیس موجودین خدام حدیث کے ضروری تراجم ضبط تحریر میں لائے گئے ہیں۔ ان چھبیس میں ایک خاتون بھی شامل ہیں، جن کا نام غزالہ حامد ہے۔ یہ مرکزی جمعیت اہل حدیث کے اوّلیں ناظم اعلیٰ، گورنمنٹ کالج لاہور کے شعبہ عربی کے سابق پروفیسر اور اردو دائرۂ معارف اسلامیہ کے سینئر ایڈیٹر پروفیسر عبدالقیوم مرحوم کی صاحب زادی ہیں۔ اس قابل احترام خاتون نے وہ تحریری کام کیا ہے جو آج تک کسی عالم دین نے نہیں کیا، وہ ہے ''شروح صحیح بخاری'' کی تصنیف۔ یہ نہایت اہم خدمت ہے جو لاہور کے علمی گھرانے کی اس لائق خاتون نے سرانجام دی اور بتایا کہ بخاری شریف کی شروح کا سلسلہ کب شروع ہوا اور ان کی کتاب کی تصنیف تک کتنی شروح لکھی گئیں۔

عنوان کے اعتبار سے ''گلستانِ حدیث'' چوراسی (۸۴) خدام حدیث کے تذکار کو ظاہر کرتی ہے، لیکن ان میں سے ہر خادم حدیث کے تذکرے کے ضمن میں کئی حضرات کا تذکرہ آ جاتا ہے، کسی کا مختصر الفاظ میں، کسی کا قدرے تفصیل سے.....! پھر ہر شخص کے اساتذہ اور تلامذہ کے متعلق بھی تھوڑی بہت معلومات کا پتا چل جاتا ہے۔

ان چوراسی خدام حدیث میں سے مرحومین کا تذکرہ بہ ترتیب تاریخ وفات کیا گیا ہے، یعنی ہر صاحب کے نام کے نیچے تاریخ وفات درج کر دی گئی ہے اور موجودین کا ذکر بہ ترتیب تاریخ ولادت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کیا گیا ہے، یعنی ہر عالم کے نام کے نیچے ان کی تاریخ ولادت لکھی گئی ہے۔

کام کا جو منصوبہ میں نے بنایا تھا اور لکھنے کی جو رفتار اختیار کی تھی، اس کے مطابق یہ کتاب بہت پہلے مکمل ہوجانا چاہیے تھی اور مکمل ہو بھی گئی تھی۔ کافی حصہ کمپوز بھی ہوگیا تھا، لیکن اس اثنا میں کچھ ایسی رکاوٹیں پیش آئیں کہ جن کی وجہ سے تکمیل میں تاخیر کا عمل شروع ہوگیا اور مجھے اس سے سخت پریشانی لاحق ہوئی۔ اس پر میں خوانندگانِ محترم سے معذرت خواہ ہوں۔

اب میں عمر کی اس منزل سے گزر رہا ہوں کہ جی چاہتا ہے تحریر وکتابت کے جو منصوبے ذہن میں گردش کررہے ہیں، وہ جلد از جلد پایۂ تکمیل کو پہنچ جائیں، لیکن میں اکیلا اس کی تکمیل کیسے کرسکتا ہوں۔ اس میں ایک فریق کمپوزر بھی ہے اور اس کے بعد ناشر کا معاملہ ہے۔ ہر فریق کی اپنی اپنی مجبوریاں اور معذوریاں ہیں۔

میں اپنی کتابوں کی پروف ریڈنگ خود ہی کرتا ہوں اور اپنی دانست میں بڑی محنت سے کرتا ہوں۔ لیکن اس کے باوجود بعض غلطیاں رہ جاتی ہیں۔ چھپ جانے کے بعد جو دوست اس طرف توجہ دلاتے ہیں، ان کا بے حد شکر گزار ہوں۔ ''دبستانِ حدیث'' چھپی تو جن عزیز دوستوں نے اس کی چھوٹی بڑی غلطیوں کی نشان دہی کی، ان میں سے ایک جناب عبدالمجید محمد حسین ہیں جو مدینہ یونیورسٹی سے تعلق رکھتے ہیں اور دوسرے ہیں میرے مرحوم دوست مولانا عبدالعزیز سعیدی کے فرزند گرامی پروفیسر سعید مجتبیٰ سعیدی (منکیرہ ضلع بھکر) ان دونوں عزیزوں نے (جن میں سے ایک مدینہ منورہ میں مقیم ہیں اور دوسرے لاہور سے بہت دور ضلع بھکر میں) نہایت توجہ سے کتاب پڑھی اور اس میں جو چھوٹی موٹی غلطیاں نظر آئیں، الگ الگ مجھے لکھ بھیجیں۔ میں نے سوچا کہ کتاب کے آخر میں غلط نامہ (یا صحت نامہ) لگا دیا جائے۔ اس کے لیے کتاب کے ناشر عزیزی عمر فاروق قدوسی سے رابطہ کیا تو معلوم ہوا کہ پوری کتاب کی جلد ہوچکی ہے۔ اب غلط اور صحیح کی نشان دہی کرنے کی کوئی صورت نہیں۔

کوئی زمانہ تھا کہ کتاب کی ایک کاپی چھاپ کر مصنف کو دے دی جاتی تھی تاکہ وہ پڑھ لے اور کہیں کتابت کی غلطیاں رہ گئیں ہیں تو صفحے اور سطور کی نشان دہی کرکے آخر میں صحت نامہ (یا اغلاط نامہ) لگا دیا جائے، لیکن اب اس بہترین طریقے پر عمل نہیں کیا جاتا۔ جو غلطی رہ گئی، وہ ہمیشہ کے لیے کتاب کی ''زینت'' بن گئی۔ پھر جس تعداد میں کتاب چھاپی جاتی ہے، اس کی جلد بھی اسی وقت کرالی جاتی ہے۔ غلطیوں کی ذمہ داری مصنف پر آپڑتی ہے۔

بہرکیف ذیل میں ''دبستانِ حدیث'' کی چند غلطیوں کی نشان دہی کی جاتی ہے۔ جن دوستوں

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

کے پاس یہ کتاب موجود ہے، وہ تصحیح فرمالیں۔

① .....صفحہ ۳۷۔ سطر ۲۴ و ۲۵۔ قرآن کا لفظ یُوْرَثُ (بکسر را یُوْرِثُ) کمپوز ہوگیا جو غلط ہے، اسے یُوْرَثُ بفتحہ را پڑھا جائے۔

② .....صفحہ ۴۳۔ سطر ۱۵۔ قرآن کے الفاظ مَا قدورا اللّٰہَ کمپوز ہوگئے۔ صحیح مَا قَدَرُوا اللّٰہَ ہے۔

③ .....صفحہ ۵۳۔ سطر ۱۸۔ لفظ ''ماثوہ'' غلط ہے، اسے ''ماثورہ'' پڑھیے۔

④ .....صفحہ ۱۲۶۔ سطر ۱۴۔ کتاب کا نام التعلیق المغنی ہے۔

⑤ .....صفحہ ۱۶۲۔ سطر ۲۲۔ سخت مخالف ہو کو ''سخت مخالف ہوں'' پڑھیے۔

⑥ .....صفحہ ۲۵۹۔ سطر ۲۳۔ افغانستا کو افغانستان پڑھیں۔

⑦ .....صفحہ ۳۰۵۔ سطر ۱۸۔ ۱۹۰۵ء غلط ہے۔ صحیح ۲۰۰۵ء ہے۔

⑧ .....صفحہ ۴۱۱۔ آخری سطر۔ مہمان خصوصی مصری عالم دین کو اردنی عالم دین پڑھیں۔

⑨ .....صفحہ ۶۰۱۔ سطر ۱۷۔ شیخ نصیر الدین البانی کو شیخ ناصر الدین البانی پڑھیں۔

⑩ .....صفحہ ۶۵۶۔ سطر ۱۳۔ ڈاکٹر انیس الرحمٰن کمپوز ہوگیا۔ صحیح نام ڈاکٹر انیس طاہر ہے۔

ان کے علاوہ چند اور غلطیاں بھی ہیں جو آسانی سے قارئین کی سمجھ میں آجاتی ہیں اور ان کی تصحیح ہوسکتی ہے۔

''دبستانِ حدیث'' بڑے سائز کے ۶۷۳ صفحات پر محیط ہے۔ اتنی ضخیم کتاب میں یہ غلطیاں اگرچہ زیادہ نہیں ہیں تاہم غلطیاں تو ہیں۔

زیر مطالعہ کتاب ''گلستانِ حدیث'' کی پروف ریڈنگ اپنی دانست میں بڑے غور سے کی گئی ہے۔ میرے دوست ڈاکٹر محمد ظفر اقبال کے بیٹے حافظ ابوبکر ظفر (دارالدعوۃ السلفیہ، لاہور) نے بھی اس میں میری مدد کی ہے۔ اب بھی کوئی غلطی رہ گئی ہو تو قارئین سے گزارش ہے کہ ہمیں ضرور لکھ بھیجیں تاکہ ان کی اصلاح کی کوشش کی جائے۔

''دبستانِ حدیث'' کا مقدمہ مولانا عبدالخالق مدنی (کویت) نے لکھا تھا۔ ''گلستانِ حدیث'' کا مقدمہ بھی انہی نے تحریر فرمایا ہے، جس کا عنوان انھوں نے ''حفاظت حدیث مصطفیٰ ﷺ'' رکھا ہے۔ یہ طویل مقدمہ اپنے موضوع کا نہایت اہم اور پُر از معلومات مقدمہ ہے۔ اس میں حفاظت حدیث کے تمام پہلوؤں کی خوب صورت انداز میں صراحت کی گئی ہے۔ فاضل مقدمہ نگار نے ہر بات با حوالہ سپردِ قلم کی ہے۔ کہیں جھول اور کہیں تشنگی نہیں۔ صاف زبان اور دلکش اسلوبِ نگارش۔

میں ان کا شکر گزار ہوں کہ انھوں نے میری اس معمولی خدمت کو بڑی اہمیت دی اور اس پر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

خالص علمی انداز میں مقدمہ رقم فرمایا۔

برصغیر کے خدامِ حدیث کی تعداد کو شمار میں لانا ممکن نہیں۔ اللہ کے ہزاروں لاکھوں برگزیدہ بندوں نے مساجد و مدارس میں صفوں پر بیٹھ کر حدیث رسول ﷺ کا درس دیا، اس کے احکام بیان کیے اور اس کی شرحیں لکھیں۔ مختلف زبانوں میں احادیث کے ترجمے کیے۔ یہ سلسلہ صدیوں سے جاری ہے اور ان شاء اللہ جاری رہے گا۔

اتنے بڑے خطۂ ارض میں جو تین ملکوں (ہندوستان، پاکستان اور بنگلا دیش) پر محیط ہے، علماے حدیث کی جگہ جگہ مسندیں بچھی ہوئی ہیں اور لاکھوں طالبان حدیث ان سے حصولِ فیض کر رہے ہیں۔ ان سب کے حالات اور نوعیتِ خدمات کے متعلق معلومات حاصل کرنا اور ان کو حیطۂ تحریر میں لانا ممکن نہیں تاہم جو کچھ ہو سکے اپنی ہمت کے مطابق کرنا چاہیے۔ آئندہ ان شاء اللہ بشرطِ زندگی ''چمنستانِ حدیث'' کے نام سے برصغیر کے خدام حدیث کا تذکرہ کیا جائے گا۔ اُس مجموعے میں بھی حضرت میاں سید نذیر حسین دہلوی کے متعدد تلامذہ کا تذکرہ ہوگا اور ان کے علاوہ دیگر مرحومین و موجودین کے تراجم حوالہ قرطاس کیے جائیں گے۔ کام شروع کر دیا گیا ہے، اللہ کو منظور ہوا تو ان شاء اللہ کچھ نہ کچھ ہو ہی جائے گا۔ جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے اہل حدیث میں اپنی نوعیت کی یہ پہلی کوشش ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ اصحابِ علم دوست مجھ سے تعاون فرمائیں گے اور ماہرین و شارحین حدیث کی سرگرمیوں سے مطلع کریں گے۔ یہ تعاون علی البر ہے، جس پر عمل کرنا چاہیے۔

''برصغیر کے اہل حدیث خدام قرآن'' اور دیگر تصانیف کے سلسلے میں بعض اصحاب علم کا ارشاد ہے کہ میں نے ان لوگوں کا تذکرہ بھی کر دیا ہے، جن کا کام بہت معمولی نوعیت کا ہے۔ گزارش یہ ہے کہ ہر شخص اپنی علمی استعداد کے مطابق کام کرتا ہے، اس کی حوصلہ افزائی کرنا چاہیے۔ قرآنِ مجید میں بڑی سورتیں بھی ہیں اور چھوٹی سورتیں بھی.....! مضمون کے اعتبار سے ہر سورت کو خاص اہمیت حاصل ہے، جسے سمجھنا اور پیش نظر رکھنا نہایت ضروری ہے۔ قرآنِ مجید کا ترجمہ و تفسیر کرنے والوں میں بھی بعض بڑے عالم ہیں اور بعض کم درجے کے۔ سب حضرات ہمارے نزدیک قابل احترام ہیں اور ہم ان کی اس خدمت کی قدر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں جزاے خیر سے نوازے۔

''گلستانِ حدیث'' کی تصنیف کے دوران تین اور کتابیں مکمل ہوگئی ہیں۔ ان میں سے ایک ہے ''برصغیر کے اہل حدیث کی تدریسی اور تنظیمی سرگزشت''۔ دوسری کتاب ان استقبالیہ اور صدارتی خطبات پر مشتمل ہے جو جمعیت اہل حدیث مغربی پاکستان (بعد ازاں پاکستان) کی کانفرنسوں میں تحریری صورت میں پڑھے گئے۔ یہ دونوں کتابیں مکتبہ سلفیہ شیش محل روڈ لاہور کی طرف سے شائع

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہورہی ہیں۔

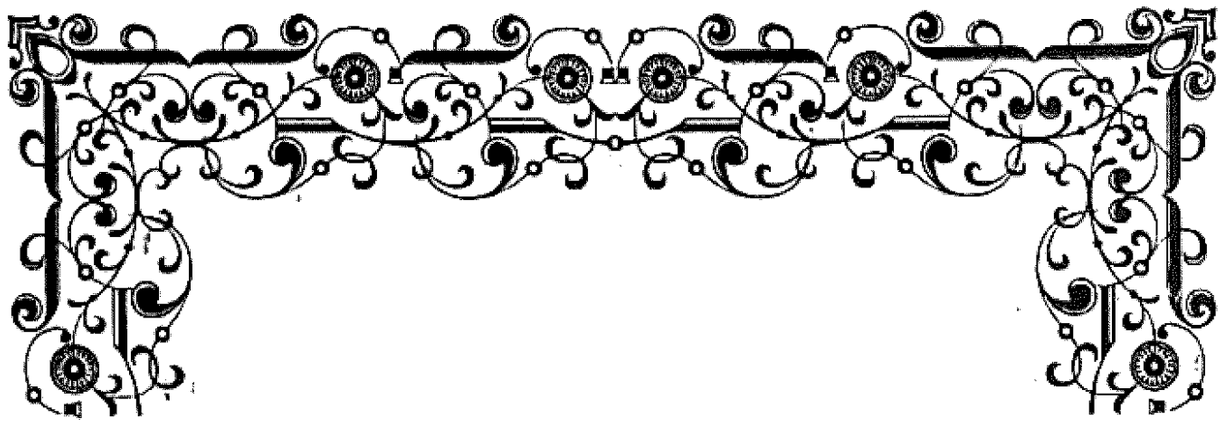
تیسری کتاب کا نام ہے ''تذکرہ حضرت مولانا غلام رسول قلعوی۔'' مولانا ممدوح بہت بڑے عالم، حضرت میاں سید نذیر حسین دہلوی کے شاگرد اور حضرت سید عبداللہ غزنوی کے فیض یافتہ تھے۔ مستجاب الدعوات اور صاحب کرامات بزرگ۔ ان کی زندگی نہایت عجیب وغریب حالات میں گزری اور واقعات کی انتہائی دلکش داستان اپنے پیچھے چھوڑ گئی۔ یہ دلکش داستان ''تذکرہ مولانا غلام رسول قلعوی'' میں بیان کردی گئی ہے۔

دعا ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اعمالِ خیر کی توفیق عطا فرمائے اور قرآن وحدیث کی تبلیغ واشاعت کو ہمارا معمول بنا دے، آمین یا ربّ العالمین

محمد اسحاق بھٹی
اسلامیہ کالونی۔ ساندہ۔ لاہور
ٹیلی فون:042-37143677

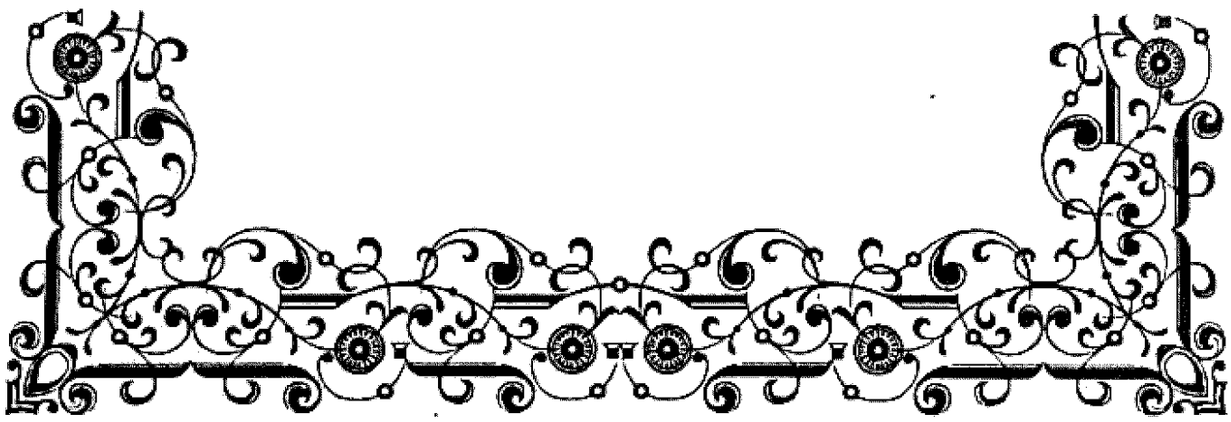
'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



چار عالی قدر

اصحابِ علم



" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مولانا محمد اسماعیل شہید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

(شہادت ۶۔ مئی ۱۸۳۱ء)

مولانا محمد اسماعیل شہید دہلوی علامۂ دہر، عالم کبیر، فقیہ ذی مرتبت اور محدث دوراں تھے۔ شاہ عبدالغنی کے فرزند، شاہ عبدالعزیز، شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر کے بھتیجے، شاہ ولی اللہ محدث کے پوتے اور شاہ عبدالرحیم کے پڑپوتے .....! برصغیر پاک وہند کی اس وسیع وعریض سرزمین میں علم وفضل، وعظ وارشاد، تصنیف وتالیف، درس وتدریس، احیاے اسلام، تجدید دین، اصلاحِ امت اور جہاد فی سبیل اللہ کے جو بلند ترین اوصاف اس عالی قدر خاندان کے لائق احترام ارکان میں پائے جاتے ہیں، اس میں کوئی ان کا مدمقابل نہیں۔ مولانا شاہ محمد اسماعیل نے اپنے اسلاف کے ان اوصاف اور بزرگوں کی اس میراث کی نہ صرف حفاظت کا فریضہ سرانجام دیا بلکہ اپنے بے پناہ عمل وسعی سے ان کے حسن وزیبائی میں انتہائی اضافہ کردیا۔

مولانا شاہ محمد اسماعیل کی ولادت صحیح اور مستند روایت کے مطابق ۱۲۔ ربیع الاوّل ۱۱۹۳ھ (۲۶۔ اپریل ۱۷۷۹ء) کو دہلی میں ہوئی۔ والدہ ماجدہ کا نام نامی بی بی فاطمہ تھا۔ اپنے مرشد امیر المومنین سید احمد شہید دہلوی سے تقریباً سات سال بڑے تھے۔

تعلیم وتربیت:

شاہ اسماعیل نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔ آٹھ سال کی عمر میں قرآنِ مجید حفظ کرلیا تھا۔ ۱۶۔ رجب ۱۲۰۳ھ (۱۲۔ اپریل ۱۷۸۹ء) کو ان کے والد شاہ عبدالغنی کا انتقال ہوا۔ اس وقت بیٹے کی عمر صرف دس برس کی تھی۔ تینوں اعمام کرام (شاہ عبدالعزیز، شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر) یتیم بچے کو آغوشِ محبت میں لینے اور اپنے گھر لے جانے کے لیے تیار تھے، لیکن رسمی طور پر یہ ذمے داری شاہ عبدالقادر نے اٹھالی، جن کی اپنی اولاد صرف ایک لڑکی تھی۔ شاہ اسماعیل نے درسی کتابیں انہی سے پڑھیں اور تمام مروّجہ علوم میں وہ درجہ حاصل کرلیا جو اُن کے عہد میں تعلیم وتدریس کا آخری درجہ سمجھا جاتا تھا۔ شاہ عبدالعزیز سے حدیث کی سند لی اور پندرہ سولہ سال کی عمر میں حصولِ علم سے فارغ ہوگئے۔

سرسید احمد خاں نے آثار الصنادید میں ان کا ذکر نہایت عقیدت واحترام سے کیا ہے۔ وہ ان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کی بے پناہ ذہانت اور بہ درجہ غایت فطانت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ تعلیم کے عہد آغاز میں استغنا کا یہ عالم تھا کہ اس بات کا کوئی خیال نہ رہتا تھا کہ سبق کہاں ختم کیا تھا اور اب کہاں سے شروع ہوگا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ اصل مقام سے بعد کی عبارت پڑھنا شروع کر دیتے۔ شاہ عبدالقادر ٹوکتے تو جواب دیتے کہ پچھلی عبارت کا مطلب آسان تھا، اس لیے پڑھنے کی ضرورت نہ تھی۔ شاہ عبدالقادر اس متروکہ حصے سے کچھ پوچھتے تو جواب میں ایسی تقریر فرماتے کہ سب لوگ حیران رہ جاتے۔ کبھی اصل مقام سے پیشتر سبق کا آغاز کر دیتے۔ شاہ عبدالقادر متنبہ فرماتے تو اسماعیل ایسے شبہات وارد کرتے کہ فاضل استاد کو بھی جواب میں خاص توجہ مبذول کرنا پڑتی۔

دلی کے تمام علمی حلقوں میں ان کی غیر معمولی ذکاوت اور انتہا درجے کی ذہانت کی شہرت تھی۔ فارغ التحصیل ہوئے تو لوگ امتحان کے طور پر برسر راہ روک کر مشکل سوالات شروع کر دیتے۔ سوال کرنے والوں کا یہ خیال ہوتا کہ کتاب اِن کے پاس نہیں ہے، لہٰذا اطمینان بخش جواب نہ دے سکیں گے۔ لیکن شاہ شہید بے توقف جواب میں تقریر شروع کر دیتے اور مسئلے کی ایسی تشریح فرماتے کہ پوچھنے والے حیران ہو جاتے بلکہ اکثر اوقات اپنی جرأتِ سوال پر ندامت محسوس کرتے۔ [1] بلاشبہ وہ متبحر عالم اور انتہائی ذکی وذہین تھے۔ تیس ہزار حدیثیں اُنھیں زبانی یاد تھیں۔ [2]

سید احمد شہید کی بیعت:

حصولِ علم سے فراغت کے بعد شاہ اسماعیل شہید کی فضیلت علمی اور قابلیت کی شہرت ہر حلقے میں پہنچ گئی تھی۔ لیکن ابھی کوئی مستقل کام شروع نہیں کیا تھا اور طبیعت میں کچھ بے پروائی سی پائی جاتی تھی۔ یا تو اس کی یہ وجہ ہوگی کہ خاندان میں جو مشاغل رواج پذیر تھے، ان کے نزدیک وہ اصل مقاصد تک پہنچنے کے لیے کافی نہ تھے اور وہ کوئی نیا قدم اٹھانا چاہتے تھے۔ یا پھر وہ اپنے دل میں ایک لائحہ عمل مرتب کر چکے تھے اور اس کا آغاز کرنے کے لیے رفقا ومعاونین کی تلاش میں تھے۔ کئی سال اِسی حالت میں گزر گئے۔ اس اثنا میں اگرچہ اُنھوں نے اپنے اسلاف کے طریق کار کے مطابق تدریس کا سلسلہ جاری رکھا اور کئی اہم شخصیتوں نے ان سے علم حاصل کیا، لیکن یہ کام ان کے کامل اطمینانِ قلب کا باعث نہ تھا۔

ایک عرصے تک یہی حالت رہی۔ تا آنکہ ۱۲۳۴ھ (۱۸۱۹ء) میں امیر المجاہدین سید احمد بریلوی،

---

[1] آثار الصنادید، ص:۲۷۱، ۲۷۲

[2] مقدمہ بر تقویۃ الایمان (از غلام رسول مہر) ص:۹

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

نواب امی خاں والیٔ ٹونک کی رفاقت وملازمت ترک کرکے راجپوتانہ سے دہلی پہنچے اور اکبر آبادی مسجد میں اقامت گزیں ہوئے۔ وہ بے حد متقی اور پرہیزگار بزرگ تھے۔ جوں ہی اُنھوں نے دہلی میں قدم رکھا، لوگوں نے ان کے حلقۂ بیعت میں شامل ہونا شروع کردیا۔ پہلے مولانا محمد یوسف پھلتی، پھر شاہ عبدالعزیز کے داماد مولانا عبدالحی بڑھانوی اور بعد ازاں شاہ اسماعیل نے ان سے بیعت کی۔ اس وقت سے شاہ اسماعیل کی زندگی کا دھارا بالکل بدل گیا اور ان کے شب وروز پہلے سے کہیں زیادہ لوگوں کی دعوت وارشاد میں بسر ہونے لگے۔ سہ شنبہ اور جمعہ کو بالالتزام بادشاہی مسجد میں وعظ فرماتے۔ سرسید رقم طراز ہیں کہ نمازِ جمعہ کے لیے لوگ اس کثرت سے آنے لگے جیسے عیدین کی نمازوں میں آتے تھے۔ سامعین کا شمار نہ ہوتا تھا۔ وعظ کا طریقہ ایسا تھا کہ جو کچھ فرماتے دلوں میں پیوست ہوجاتا۔ اگر کسی بات پر کوئی خلش پیدا ہوتی تو آگے چل کر بالکل رفع ہوجاتی۔ احیاے سنت اور ردّ شرک وبدعت ان کے وعظوں کا خاص موضوع ہوتا۔ ❶

یہی وہ زمانہ تھا جب اُنھوں نے احیاے دین کا سلسلہ پوری سرگرمی سے شروع کیا۔ مولانا ابوالکلام آزاد ان کی تجدیدی تگ وتاز کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت شاہ ولی اللہ کا مقام بلاشبہ ہر رنگ میں جامع اور کامل ہے۔

''بایں ہمہ یہاں جو کچھ ہوا، تجدید وتدوین علوم ومعارف اور تعلیم وتربیت اصحابِ استعداد تک محدود رہا، اس سے آگے نہ بڑھ سکا۔ فعلاً عمل ونفاذ اور ظہور وشیوع کا پورا کام تو کسی دوسرے ہی مردِ میدان کا منتظر تھا اور معلوم ہے کہ توفیق الٰہی نے یہ معاملہ صرف علامہ ومجدد شہید رحمہ اللہ کے لیے مخصوص کردیا تھا۔ خود حضرت شاہ صاحب کا بھی اس میں حصہ نہ تھا۔

می خواست رست خیز ز عالم بر آورد
آن باغباں کہ تربیتِ ایں نہال کرد

''اگر خود شاہ صاحب بھی اس وقت ہوتے تو انہی کے جھنڈے کے نیچے نظر آتے۔ حضرت پیر انصاری کا قول یاد ہے ''من مریدِ خرقانی ام، لیکن اگر خرقانی دریں وقت می بود، باوجود پیریش مریدی من می کرد۔'' شاہ صاحب نے مزاجِ وقت کے عدم تحمل واستعداد سے مجبور ہوکر بحکم

بہ رمز نکتہ ادامی کنم کہ خلوتیاں
سرِ سبو بکشادند و در فرد بستند

''دعوت واصلاحِ امت کے جو بھید پرانی دہلی کے کھنڈروں اور کوٹلہ کے حجروں میں دفن

---

❶ آثار الصنادید، ص:۲۷۳

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

کردیے گئے تھے، اب اس سلطانِ وقت اور سکندرِ اعظم کی بدولت شاہ جہان آباد کے بازاروں اور جامع مسجد کی سیڑھیوں پر ان کا ہنگامہ مچ گیا اور ہندوستان کے کناروں سے بھی گزر کر نہیں معلوم کہاں کہاں تک چرچے اور افسانے پھیل گئے۔ جن باتوں کے کہنے کی بڑوں بڑوں کو بند حجروں کے اندر بھی تاب نہ تھی، وہ اب برسر بازار کی جارہی اور ہو رہی تھیں، اور خونِ شہادت کے چھینٹے حرف وحکایات کو نقوش وسواد بنا کر صفحہ عالم پر ثبت کررہے تھے۔

آخر تو لائیں گے کوئی آفت فغاں سے ہم
حجت تمام کرتے ہیں آج آسماں سے ہم

''پھر کیا اس وقت ہندوستان علم وعمل سے خالی ہوگیا تھا؟ یا حق پر چلنے والے اور حق کا درد رکھنے والے معدوم ہوگئے تھے؟ کون ہے جو ایسا کہہ سکتا ہے؟ خود اسی خاندان عالی میں کیسے کیسے اکابر واساتذۂ علم وعمل موجود تھے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز کے درس وتدریس کی پادشاہت سمرقند وبخارا اور مصر وشام تک پھیلی ہوئی تھی۔ شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین علم وعمل کے آفتاب تھے۔ خاندان سے باہر اگر ان کے تربیت یافتوں کو دیکھا جائے تو کوئی گوشہ ایسا نہ تھا جہاں ان کا فیضانِ علم کام نہ کررہا ہو۔ بایں ہمہ یہ کیا معاملہ ہے کہ وہ جو وقت کا ایک سب سے بڑا کام تھا، اس کے لیے کسی کے قدم کو جنبش نہ ہوئی۔ سب دوسرے دوسرے کاموں میں الجھ کر رہ گئے۔ یا حجروں کا کام یا مدرسوں کا، لیکن میدان والا معاملہ کسی سے بھی بن نہ آیا۔ وہ گویا ایک خاص پہناوا تھا جو صرف ایک ہی جسم کے لیے تھا اور ایک ہی پر چست آیا۔ دنیا اس کے لیے خلعتِ عظمت اور شرف قبول کاندھے پر ڈالے منتظر کھڑی تھی۔ زمانہ اپنے سارے سامانوں کے ساتھ کب سے اس کی راہ تک رہا تھا۔ امیدواروں پر اُمیدوار یکے بعد دیگرے گزرتے رہے مگر اُس کا مستحق کوئی نہ نکلا۔'' ❶

یعنی مولانا اسماعیل شہید دہلوی کے سوا اس دور میں کوئی دوسرا راہِ حق اور جادۂ شہادت کی طرف قدم نہ بڑھا سکا۔

سفرِ حج:

شوال ۱۲۳۶ھ (جولائی ۱۸۲۱ء) میں امیر المجاہدین سید احمد بریلوی نے حج بیت اللہ کا عزم کیا۔ اس زمانے میں سمندر کے سفر میں خطرۂ ہلاکت کی وجہ سے بعض علماء نے فرضیت حج کے سقوط کا فتویٰ جاری کردیا تھا۔ بلکہ کچھ ایسے اصحابِ علم بھی تھے جو یہاں تک فرمانے لگے تھے کہ ولا تلقوا

---

❶ تذکرہ، ص:۲۹۹، ۳۰۰

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بایدیکم الی التھلکۃ کی رو سے عازمِ حج ہونا (معاذ اللہ) معصیت ہے۔ یہ ایک بہت بڑا فتنہ تھا، جس کے روک تھام کی ایک صورت تو یہ تھی کہ تحریر وتقریر کے ذریعے اس کی تردید کی جائے۔ چناں چہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، سید احمد شہید بریلوی، مولانا اسماعیل دہلوی، مولانا عبدالحی بڑھانوی اور دیگر علماے حق نے نہایت حسن وخوبی سے یہ فریضہ انجام دیا۔ دوسری صورت یہ تھی کہ ایک عملی اقدام کیا جائے اور پورے ملک میں اداے حج کے لیے لوگوں کو تیار کیا جائے۔ چناں چہ مولانا اسماعیل، مولانا عبدالحی، سید احمد بریلوی اور ان کے رفقاے نام دار نے اس کے لیے ایک زور دار مہم شروع کی اور ساڑھے سات سو مسلمانوں کے ایک بڑے قافلے کے ساتھ حج بیت اللہ کا قصد کیا۔ اس قافلے میں مولانا اسماعیل کی والدۂ مکرمہ اور ہمشیر محترمہ بھی شامل تھیں۔ دس جہاز کرائے پر لیے گئے اور ہر جہاز کی جماعت کے لیے ایک امیر مقرر کیا گیا۔ ایک جہاز کی جماعت کے امیر خود مولانا اسماعیل تھے۔ یہ قافلہ کلکتے سے روانہ ہوا، اور فریضۂ حج ادا کرنے کے بعد شعبان ۱۲۳۹ھ (اپریل ۱۸۲۴ء) میں ہندوستان واپس آیا۔

دعوتِ جہاد:

حج بیت اللہ سے واپسی کے بعد مولانا شہید نے اپنے مرشد سید احمد شہید کے تیار کردہ منصوبے کے مطابق اپنے آپ کو دعوتِ جہاد کے لیے وقف کردیا اور وعظ وتبلیغ میں لوگوں کو جہاد کے لیے کمربستہ ہونے کی تلقین فرمانے لگے۔ اس ضمن میں سرسید لکھتے ہیں۔

''بموجب ارشاد سید اصفیا یعنی پیر طریق ہدیٰ اس طرح سے تقریر ووعظ کی بنا ڈالی کہ مسائلِ جہادِ فی سبیل اللہ بیشتر بیان ہوتے اور یہاں تک کہ آپ کی صیقل تقریر سے مسلمانوں کا آئینۂ باطن مصفا ومجلّا ہوگیا، اور وہ اس طرح سے راہِ حق میں سرگرم ہوئے کہ ہر شخص بے اختیار چاہنے لگا، سر اس کا راہِ حق میں فدا اور جان اُس کی اعلاءِ لواءِ دین محمدی میں صرف ہو۔ [1]

مطلب یہ کہ ان کی تقریر کا موضوع اور وعظ کا مقصد فقط یہ ہوتا کہ مسلمان اعلاے کلمۃ اللہ کے لیے میدانِ عمل میں نکل آئیں اور جو غیر ملکی طاقت ان پر مسلط ہوگئی ہے، اس کے خلاف علمِ جہاد بلند کریں۔ اس سلسلے میں اُنھوں نے پورے ملک کا دورہ کیا اور ہر جگہ مختلف پیرائے سے یہ بات بیان فرمائی۔

---

[1] آثار الصنادید، ص: ۲۷۴

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہجرت:

تقریباً پونے دو سال اُنھوں نے لوگوں کو دعوتِ جہاد دی اور ملک کے تمام اہم مقامات پر اپنا نقطہ نظر شریعت کی روشنی میں وضاحت سے بیان کیا۔ جب مختلف شہروں اور قصبوں میں مجاہدین کی جماعتیں قائم ہوگئیں تو کامل سوچ بچار کے بعد سرحد کے علاقے سے آغازِ جہاد کا فیصلہ کیا گیا، کیوں کہ اس زمانے میں پنجاب کی سکھ حکومت مسلمانوں پر بے پناہ مظالم ڈھا رہی تھی اور پہلے قدم پر ان سے نمٹنا ضروری تھا۔

اس بنیادی کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے اُنھوں نے ہندوستان سے ہجرت کرکے سرحد کے آزاد علاقے میں قیام کرنے کا عزم فرمایا۔ چناں چہ وہ ۱۷۔ جمادی الاخریٰ ۱۲۴۱ھ (۱۷۔ جنوری ۱۸۲۶ء) کو سید احمد بریلوی کی معیت میں جہاد کی غرض سے مہاجر ہو کر علاقہ سرحد کی طرف روانہ ہوئے۔ اس وقت صرف چھ سو کے قریب آدمی ان کے ہمراہ تھے۔ ان کا اِرادہ یہ تھا کہ مرکز میں پہنچ کر حالات کا پورا جائزہ لیا جائے گا اور پھر مناسب موقعے پر مجاہدین کی باقی جماعتوں کو بھی ہندوستان کے مختلف مقامات سے بلا لیا جائے گا۔ اس سلسلے کے تمام تنظیمی اور تبلیغی معاملات مولانا محمد اسماعیل ممدوح کے سپرد تھے۔

مجاہدین ومہاجرین کا یہ قافلہ جو کم وبیش چھ سو افراد پر مشتمل تھا، رائے بریلی سے روانہ ہوا، اور بندھیل کھنڈ، گوالیار، ٹونک، اجمیر، صحرائے مارواڑ، عمرکوٹ، حیدرآباد (سندھ) شکارپور، کوئٹہ، قندھار، غزنی اور کابل ہوتا ہوا پشاور پہنچا۔ یہ تقریباً تین ہزار میل کا سفر تھا، جس میں تپتے ہوئے صحرا بھی تھے جہاں میلوں تک پانی کا ایک قطرہ نہ ملتا تھا۔ بڑے بڑے دریا بھی تھے، دشوار گزار پہاڑ اور برفستان بھی تھے۔ اللہ کے ان برگزیدہ بندوں نے دس مہینوں میں یہ مسافت طے کی۔

جہاد فی سبیل اللہ:

اس کاروانِ حق نے ۲۰۔ جمادی الاولیٰ ۱۲۴۲ھ (۲۰۔ دسمبر ۱۸۲۶ء) کو جہاد بالسیف کی طرح ڈالی۔ آغازِ جہاد میں جو خدمات مولانا محمد اسماعیل نے انجام دیں، ان کی نہایت مختصر کیفیت مندرجہ ذیل ہے۔

① ..... باشندگانِ سرحد نے سید احمد بریلوی کے ہاتھ پر امارتِ جہاد کی بیعت انہی کی سعی وکوشش سے کی۔

② ..... جہاد سے متعلق سرحد کے علما واکابر سے جتنی دفعہ بھی گفتگو ہوئی، مولانا شہید نے کی اور اس ضمن میں اُنھوں نے جو علمی، دینی اور سیاسی وضاحتیں طلب کیں، ان سب کا جواب مولانا ہی نے دیا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

③..... علاقہ ہزارہ میں تنظیم جہاد انہی کی تگ ودو سے ہوئی۔

④..... جنگ شنکیاری میں صرف دس گیارہ مجاہد ان کے ساتھ تھے۔ لیکن اُنھوں نے اس درجے بہادری اور استقامت کا ثبوت دیا کہ سکھوں کے ایک بڑے لشکر کو شکست دی۔ اس جنگ میں مولانا کی قبا دشمن کی گولیوں سے چھلنی ہوگئی اور ایک انگلی پر گولی کا زخم لگا۔ بعد میں اس زخمی انگلی کی طرف اشارہ کرکے مزاحاً کہا کرتے تھے کہ یہ ہماری انگشت شہادت ہے۔

⑤..... سرحد میں انہی کی کوششوں سے اقامت شریعت کی بیعت لی گئی اور وہاں کے باشندے پہلی مرتبہ صحیح شرعی حکومت کی برکتوں سے فیض یاب ہوئے۔

⑥..... امب، مردان، عشرہ اور مایار کی لڑائیوں میں جو فتوحات حاصل ہوئیں، وہ انہی کی جرأت اور بہادری کا نتیجہ تھا۔

⑦..... پشاور کی فتح کے بعد سلطان محمد خاں بارک زئی سے گفتگو کے لیے سید صاحب نے انہی کو نامزد فرمایا تھا۔

مولانا محمد اسماعیل نہایت ذکی، انتہائی ذہین اور بے حد معاملہ فہم تھے۔ نواب محمد صدیق حسن خاں فرماتے ہیں۔

جوہر ذکاے او بہ غایت عالی افتادہ بود ..... حکایاتِ ذہانت وفطانت وے ہنوز نقل ہر مجلس وزیب ہر محفل اہل علم است۔ ❶

(ان کی ذکاوت کا جوہر بہت بلند تھا ..... ان کی ذہانت وفطانت کی تیزی کے قصے اب تک اہل علم کی ہر مجلس میں باعث زینت سمجھے جاتے ہیں۔)

سیرت وکردار:

مولانا شہید معقول ومنقول کے ماہر، فروع واُصول کے امام اور ہر فن میں درجۂ اجتہاد پر فائز تھے۔ زندگی کا ہر لمحہ اعلاے کلمۃ اللہ، احیاے سنت رسول اللہ، جہاد فی سبیل اللہ اور ہدایت خلق اللہ میں گزرا۔ نہایت جری اور شجاع تھے۔ وعظ وتقریر میں ان کا کوئی ہم سر نہ تھا، واضح اور مدلل گفتگو کرتے۔ اللہ کے سوا کسی کا ڈر ان کے دل میں نہ تھا۔ خطرناک سے خطرناک مواقع پر بلا جھجک تنہا جا کھڑے ہوتے۔ دبلے پتلے اور لاغر اندام تھے، مگر عزیمت واستقامت میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ ایک تجربہ کار جرنیل کی طرح جنگ کی منصوبہ بندی کرتے اور دشمن کے ہر وار کا کامیابی سے دفاع کرتے۔

---

❶ اتحاف النبلاء، ص:۴۱۶

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سادہ مزاج اور سادہ معیشت تھے۔ کھانے پینے اور لباس میں کسی قسم کا تکلف نہ تھا۔ ملن سار، بلند کردار اور ہم درد خلائق تھے۔ فن مناظرہ کے ماہر تھے، خالص علمی اور تحقیقی انداز میں گفتگو کرتے اور ہر اعتراض کا مسکت جواب دیتے۔

تصانیف:

شاہ اسماعیل شہید جہاں بہت بڑے عالم ومجاہد اور واعظ ومبلغ تھے، وہاں بہترین مصنف بھی تھے۔ ان کی تصانیف مندرجہ ذیل ہیں۔

①..... ردّ الاشراک (عربی): یہ ان کا ایک رسالہ ہے جو عربی زبان میں ہے۔ اس میں شرک کی باریک سے باریک اقسام بیان کی گئی ہیں اور غیر شرعی رسوم وعادات کی تردید فرمائی گئی ہے۔ ہر جگہ آیات قرآنی اور احادیث نبوی سے استدلال کیا گیا ہے۔ ایک مرتبہ یہ رسالہ الگ سے شائع ہوا تھا۔ دوسری دفعہ نواب سید محمد صدیق حسن خاں نے **الادراک لتخریج احادیث ردّ الاشراک** کے نام سے شائع کیا تھا۔ شروع میں نواب صاحب کا رسالہ **قطف الثمر فی بیان عقیدۃ اھل الاثر** ہے۔

②.....تقویۃ الایمان (اُردو) شاہ اسماعیل کی یہ بہت ہی مشہور کتاب ہے اور اُردو زبان میں ہے۔ بے شمار مرتبہ شائع ہوچکی ہے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق اس کی مجموعی تعدادِ اشاعت پچاس لاکھ بتائی جاتی ہے۔ اُردو زبان کی کوئی کتاب اتنی زیادہ تعداد میں شائع نہیں ہوئی۔ یہ اس کی مقبولیت کی بہت بڑی دلیل ہے۔ سب سے زیادہ ہدفِ اعتراض بھی یہی کتاب بنی اور اس کے ردّ میں متعدد کتابیں لکھی گئیں۔ شاہ اسماعیل پر کفر کے فتوے بھی اسی کتاب کی وجہ سے لگائے گئے۔ بعض لوگوں کا تو یہ عقیدہ ہے کہ جس گھر میں یہ کتاب ہو، اس میں فرشتے نہیں آتے۔ [1]

یہ کتاب جہاں تبلیغ دین اور ردّ بدعات کا بہت بڑا ذریعہ بنی وہاں اس کی وجہ سے اردو زبان کی بھی بے حد خدمت ہوئی۔ کیوں کہ اس کے ردّ میں بھی اردو میں کتابیں شائع ہوئیں۔ پھر ان کی تردید بھی اردو میں کی گئی۔ اس طرح اسے اردو کے پھیلاؤ کا بہت بڑا ذریعہ قرار دیا گیا۔ تقویۃ الایمان درحقیقت شاہ اسماعیل شہید کی عربی کتاب ''ردّ الاشراک'' کے پہلے حصے کا ترجمہ ہے جو خود انہی نے کیا تھا اس دور کی زبان کے لحاظ سے یہ نہایت ادیبانہ ترجمہ تھا۔

اس کتاب کا انگریزی ترجمہ بھی شائع ہوچکا ہے جو میر شہامت علی نے کیا تھا۔

---

[1] حیاتِ اسماعیل شہید، ص:۱۷۹

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

③..... تذکیر الاخوان (اردو): یہ شاہ شہید کی عربی تصنیف ''ردّ الاشراک'' کے دوسرے حصے کا ترجمہ ہے جو مولانا سلطان محمد خان نے کیا۔

④..... منصب امامت (فارسی): یہ ایک بلند پایہ اور انتہائی عمدہ کتاب ہے۔ اس کا اردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔

⑤..... تنویر العینین فی اثبات رفع الیدین (عربی): اس میں شاہ صاحب نے رسول اللہ ﷺ کی وہ احادیث جمع کی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز میں رفع یدین کرنا سنت ہے۔

⑥..... صراطِ مستقیم (فارسی): یہ کتاب سید احمد شہید بریلوی کے ارشادات پر مشتمل ہے۔ شاہ اسماعیل شہید نے صرف اس کی ترتیب وتدوین میں حصہ لیا۔ مولانا عبدالحی بڑھانوی اس کی تدوین میں شریک تھے۔ اس کے چار باب ہیں۔ اس کا اُردو ترجمہ بھی چھپ چکا ہے۔

⑦..... العبقات (عربی): یہ کتاب تصوف کے موضوع پر ہے اور بڑی ادق اور مشکل کتاب ہے۔ ان کی دوسری تصانیف کی طرح اِس میں تصوف کے علاوہ بعض دیگر موضوعات بھی زیر بحث آ گئے ہیں۔ اس کا اردو ترجمہ مولانا مناظر احسن گیلانی مرحوم نے کیا تھا جو حیدر آباد (دکن) سے شائع ہوا ہے۔ ترجمہ بھی بہت مشکل ہے۔

⑧..... ایضاح الحق الصریح فی احکام المیت والضریح (فارسی): شاہ صاحب کی یہ ایک معرکہ آرا تصنیف ہے۔ بدعت کیا ہے اور سنت کا اطلاق کس چیز پر ہوتا ہے۔ اس موضوع میں یہ منفرد کتاب ہے۔ اردو ترجمے کے ساتھ یہ کتاب دو یا تین مرتبہ چھپ چکی ہے۔

⑨..... رسالہ در علم منطق (فارسی): سرسید نے ''آثار الصنادید'' میں شاہ صاحب کے اس رسالے کا ذکر کیا ہے جو علم منطق سے متعلق ہے۔ یہ رسالہ اپنے موضوع میں نہایت عالمانہ ہے۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ اس علم پر بھی اُنھیں عبور حاصل تھا اور وہ انتہائی قابلیت اور فطانت کے مالک تھے۔

⑩..... اصول فقہ (عربی): مسائل فقہ سے متعلق یہ ایک مختصر سا رسالہ ہے۔ اس میں ضمناً حدیث متواترہ اور تقلید واجتہاد کے بارے میں بھی گفتگو کی گئی ہے۔ اپنے موضوع کا یہ ایک بہترین رسالہ ہے۔ پہلی مرتبہ ۱۸۹۵ء میں مجتبائی پریس دہلی سے اشاعت پذیر ہوا۔ دائرۃ المعارف لاہور نے بھی اسے شائع کیا تھا۔ یہ رسالہ اسلامی مدارس کے نصاب میں داخل رہا ہے۔

⑪..... یک روزی (فارسی): یہ ایک چھوٹا سا رسالہ ہے اور اس میں تقویۃ الایمان پر مولانا فضل حق خیر آبادی کے بعض اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے۔ ایک دن شاہ اسماعیل نماز کے لیے مسجد کو جا رہے تھے کہ راستے میں ایک شخص نے ان کو مولانا فضل حق خیر آبادی کا ایک رسالہ دیا، جس میں تقویۃ الایمان پر اعتراض کیے گئے تھے اور مسئلۂ امکان نظیر سے متعلق شاہ صاحب کے نقطۂ نظر کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تردید کی گئی تھی۔ شاہ صاحب نماز کے بعد مسجد میں بیٹھ گئے اور ایک ہی نشست میں اس کا جواب لکھ دیا، اسی لیے یہ رسالہ ''یک روزی'' کے نام سے موسوم ہوا۔ یہ رسالہ کئی دفعہ چھپ چکا ہے، اگرچہ مختصر ہے تاہم بہت جامع اور مدلل ہے۔ اب تک اس کا کوئی شخص جواب نہیں دے سکا۔

یہاں ایک اور بات ملاحظہ ہو جو مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی نے اپنی تصنیف ''استاذ الکل مولانا مملوک العلی نانوتوی'' (صفحہ ۲۰۶ تا ۲۰۸) میں تحریر فرمائی ہے:

''حضرت شاہ محمد اسماعیل (ولادت ۱۲/ ربیع الاوّل ۱۱۹۳ھ) نے اپنی معرکہ آرا تالیف ردّالاشراک سنہ ۱۲۱۳ھ میں تالیف کی اور تقویۃ الایمان رمضان المبارک ۱۲۳۳ھ (جولائی ۱۸۱۸ء) میں لکھی گئی، اس کے بعد تحریک سید احمد شہید کا آغاز ہوا، اسی کے حوالہ سے تقویۃ الایمان کا پیام اور دعوت عام ہوئی اور پورے ملک میں پھیل گئی۔ حضرت شاہ عبدالعزیز کی وفات تک حضرت شاہ شہید اور ان کے نظریات کے خلاف کوئی آواز نہیں اٹھی تھی، شاہ عبدالعزیز کی وفات (۷/ شوال ۱۲۳۹ھ ۶/ جون ۱۸۲۴ء) کے سات مہینے کے بعد ۲۹/ ربیع الثانی ۱۲۴۰ھ کو پہلی مرتبہ جامع مسجد دہلی میں دہلی کے چند علماء نے ایک اجتماع کیا تھا، جس میں شاہ محمد اسماعیل کے بعض نظریات پر بحث وگفتگو ہوئی تھی، اس موقع پر شاہ محمد اسماعیل اور مولانا فضل حق بھی موجود تھے، شاہ محمد اسماعیل نے اسی جلسہ میں اعلان کردیا تھا کہ جس کو بھی تقویۃ الایمان پر کوئی اعتراض یا شبہ ہو وہ یہاں میرے سامنے لائے اور پیش ہو تاکہ اس کا جواب دیا جاسکے، مگر مولانا خیرآبادی بالکل خاموش رہے، مولانا خیرآبادی نے نہ اس اختلاف کی تائید کی، نہ تقویۃ الایمان پر کوئی شبہ یا اعتراض کیا۔

''مباحثہ جامع مسجد دہلی کے چھ مہینے کے بعد (آخر شوال ۱۲۴۰ھ جون ۱۸۲۵ء میں) شاہ محمد اسماعیل دہلی سے سفر جہاد کے لیے روانہ ہوگئے، جو دہلی بلکہ ہندوستان سے شاہ شہید کا آخری سفر تھا، اس سفر سے واپسی نہیں ہوئی، مگر اس وقت تک شاہ شہید یا تقویۃ الایمان کی تردید یا اعتراض میں کوئی تحریر مرتب نہیں ہوئی تھی، شاہ محمد اسماعیل کی دہلی سے آخری رخصت کے تقریباً آٹھ مہینے کے بعد جمادی الاخریٰ ۱۲۴۱ھ (جنوری فروری ۱۸۲۶ء) میں مولانا فضل حق نے تقویۃ الایمان پر اعتراض کرتے ہوئے اپنی پہلی تحریر یا مختصر رسالہ ''تقریر اعتراض بر تقویۃ الایمان'' لکھا، جس میں تقویۃ الایمان کی ایک سیدھی سی عبارت پر اعتراض کرتے ہوئے شفاعت اور امکان وامتناع نظیر پر دقیق علمی اور فلسفیانہ بحث کی ابتدا کی۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

''شاہ محمد اسماعیل قافلہ مجاہدین کی رفاقت میں شروع ذی الحجہ ۱۲۴۱ھ (جولائی ۱۸۲۶ء) سے سندھ میں قیام پذیر تھے کہ دس ذی الحجہ کو شاہ شہید کو مولانا خیر آبادی کا یہ رسالہ ملا، شاہ اسماعیل نے اسی وقت اسی مجلس میں اس کا قلم برداشتہ جواب لکھ دیا تھا۔ اسی لیے شاہ محمد اسماعیل کی تالیف اور جواب کو ''رسالہ یک روزی'' کہا جاتا ہے۔

''ادھر مولانا شہید کے ردّ میں مولانا خیر آبادی کے رسالہ کا چرچا ہوا، اِدھر رسالہ یک روزی کی نقلیں عام ہوگئیں۔

''نیز تحریک سید احمد شہید کے ذریعہ سے بدعات ورسوم کے خلاف جس طویل جدوجہد اور مہم کا آغاز ہوا تھا اس کی تائید میں خانوادۂ ولی اللّٰہی کے علماء اور شاگردوں نے مفصل فتویٰ یا رسالہ مرتب کردیا، اس رسالہ یا فتوے کو بھی کثرت سے پڑھا گیا اور اس کی بہت شہرت ہوئی، مولانا خیر آبادی کو رسالہ یک روزی کے جواب کی تو جرأت نہ ہوئی مگر مولانا خیر آبادی نے اس فتوے کے جواب میں (بظاہر جمادی الثانی ۱۲۴۲ھ جنوری ۱۸۲۷ء میں) ''ابطال الطغوی فی تحقیق الفتوی'' لکھی تھی۔

''حضرت سید احمد بریلوی اور شاہ محمد اسماعیل ۲۴ر ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ (۶ر مئی ۱۸۳۱ء) کو بالاکوٹ میں شہید ہوگئے تھے مگر اس وقت مولانا خیر آبادی نے شاہ اسماعیل کے ردّ میں کوئی اور فتویٰ یا کسی قسم کی تحریر نہیں لکھی تھی۔ شاہ اسماعیل کی شہادت کے بعد بھی خاموش رہے، اس حادثہ کے چوبیس پچیس سال بعد ۷۳۔۱۲۷۰ھ (۵۷۔۱۸۵۵ء) میں مولانا فضل حق کے شاگرد مولانا ہدایت علی جون پوری نے مولانا حیدر علی ٹونکی کی ایک اور تالیف کے جواب میں ''امتناع النظیر'' مرتب کی تھی جس کو مولانا فضل حق سے منسوب کیا جاتا ہے، حالاں کہ امتناع النظیر کا مولانا خیر آبادی سے انتساب درست نہیں، امتناع النظیر مولانا ہدایت علی جون پوری کی تالیف ہے۔''

⑫..... حقیقت تصوف (فارسی): یہ کتاب اب نایاب ہے، اِس کا ذکر ''الحیات بعد الممات'' میں کیا گیا ہے۔ اس میں شاہ صاحب نے تصوف اور اس کی حقیقت بیان کی ہے اور سچے اور صحیح صوفی کی تعریف فرمائی ہے۔ تصوف کے نام پر جو غلط باتیں کی جاتی ہیں، ان کی مذمت کی ہے۔ اس کتاب سے طبقۂ صوفیا کی بہت اصلاح ہوئی ہے۔ ❶

بعض حضرات نے اسے ''حقیقت نبوت'' لکھا ہے۔

---

❶ الحیات بعد الممات، ص:۱۹۹

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

⑬..... الاربعین فی احوال المہدیین: شاہ شہید کی یہ وہ کتاب ہے، جس کا ذکر ان کے کسی تذکرہ نگار نے نہیں کیا۔ صرف ''حیات اسماعیل شہید'' میں اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ منقول یہ ہے کہ یہ کتاب صرف ایک مرتبہ ۱۲۶۸ھ میں مصری گنج کلکتہ سے شائع ہوئی تھی۔ اب نایاب ہے۔ آکسفورڈ یونیورسٹی لائبریری میں اس کا ایک نسخہ محفوظ ہے۔ اس کا موضوع جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، اِمام مہدی کا نزول ہے اور اس میں مصنف شہیر نے وہ احادیث جمع کردی ہیں جن سے امام مہدی کے نزول کا ثبوت ملتا ہے۔ کتاب کا کچھ حصہ عربی میں ہے اور بین السطور میں اُردو ترجمہ دیا گیا ہے۔ آخر میں شاہ نعمت اللہ ولی کا فارسی قصیدہ ہے۔ [1] یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ یہ قصیدہ کس شخص نے کتاب کے آخر میں درج کیا ہے۔

⑭.....قصیدہ در مدح آنحضرت ﷺ: اس کا ذکر نواب صدیق حسن خاں نے کیا ہے۔ [2]

⑮.....فتویٰ تیموری: (استفتاء امیر تیمور درباب نہب شہر دہلی) اس کا ذکر مرزا حیرت دہلوی نے حیات طیبہ میں کیا ہے۔ [3]

⑯.....قصیدہ در مدح سید احمد شہید:

⑰..... کلام شاہ اسماعیل شہید: یہ مولانا شہید کے اردو اور فارسی کے وہ اشعار ہیں جو مولانا محمد خالد سیف نے مختلف کتابوں سے لے کر کتابی شکل میں جمع کردیے ہیں۔ یہ مجموعۂ کلام طارق اکیڈمی فیصل آباد نے شائع کیا۔

⑱.....مثنوی سلک نور (فارسی)

⑲.....مثنوی سلک نور (اردو)

⑳.....مثنوی نظم الحدیث: (اس کی تفصیل آئندہ سطور میں دی جارہی ہے۔)

㉑..... مجموعہ خطب دوازدہ ماہی مترجم اردو: پورے سال کے جمعہ وعیدین کے خطبات۔ فارسی خطبات کا اردو ترجمہ کیا گیا ہے۔ [4]

㉒.....مکاتیب سید احمد شہید: (مرتبہ مولانا اسماعیل شہید)

㉓.....مکاتیب شاہ اسماعیل شہید:

---

[1] حیات اسماعیل شہید، ص:۱۹۲

[2] اتحاف النبلاء، ص:۴۱۸

[3] دیکھیے حیاتِ طیبہ، ص:۳۸۲

[4] اخبار ''اہل حدیث'' امرتسر۔ ۱۳۔ اکتوبر ۱۹۲۴ء

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

㉔..... آداب زیارۃ القبور:

㉕..... امکان النظیر وامتناع النظیر (فارسی)

㉖..... تنقید الجواب در اثبات رفع الیدین (فارسی) ❶

㉗..... نسخہ قوت ایمان (اردو)

㉘..... رسالہ توحید: ❷

㉙..... رسالہ بے نمازاں (اردو منظوم) یہ رسالہ کسی زمانے میں فاروقی کتب خانہ ملتان نے شائع کیا تھا۔

خوانندگانِ گرامی نے مولانا شہید کی تصانیف کے نام پڑھ لیے۔ ان تصانیف کے (نمبر ۲۰) میں ''مثنوی نظم الحدیث'' کا ذکر ہوا ہے۔ یہ مثنوی کیا ہے؟ اس کے متعلق ضروری تفصیل ہمارے صاحب تحقیق دوست جناب محمد عالم مختار حق نے ایک مقالے میں درج کی ہے جو پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج، لاہور کے شعبہ اردو کے مجلّہ ''بازیافت'' کے جنوری ۲۰۰۳ء کے شمارے میں چھپا ہے۔ اس مقالے میں فاضل مقالہ نگار نے پوری ''مثنوی نظم الحدیث'' درج کردی ہے۔ پہلے انھوں نے بتایا ہے کہ یہ مثنوی انھیں کہاں سے ملی۔ اپنے قارئین کے مطالعہ کے لیے ہم اسے ذیل میں درج کررہے ہیں۔ ملاحظہ فرمایے:

''اس مثنوی کا نام شاہ صاحب نے نظم الحدیث لکھا ہے، جو صرف ۲۷ اشعار پر مشتمل ہے۔ اس پر بطورِ مصنف مولانا اسماعیل شہید کا نام ثبت ہے مگر کاتب کا نام اور سنہ تحریر نہیں ہے۔ کاغذ کی قدامت اور کہنگی اس بات کی شاہد عدل ہے کہ یہ مثنوی مولانا کی شہادت (۶ رمئی ۱۸۳۱ء) سے قریب العہد میں نقل کی گئی۔ اس مثنوی کا ذکر ان کے کسی تذکرہ نگار نے نہیں کیا، البتہ مولانا غلام رسول مہر نے مقدمۂ تقویۃ الایمان (مطبوعہ ادارہ اشاعت السنہ، جمعیت اہل حدیث، مغربی پاکستان، لاہور ۱۹۵۵ء) میں سید صاحب کی تصانیف کے ضمن میں شاہ صاحب کی ایک مثنوی کی طرف اس طرح اشارہ کیا ہے:

''ایک مثنوی بزبانِ فارسی، ایک حدیث کی شرح میں''

ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ یہ وہی مثنوی ہے، جس کی طرف مولانا مہر نے اشارہ کیا، کیوں کہ یہ ایک حدیث ہی کی شرح میں ہے، جسے مولانا شاہ اسماعیل شہید نے مثنوی کی ابتدا میں نقل بھی کردیا ہے۔

---

❶ اتحاف النبلاء، ص: ۴۱۸

❷ تذکرہ علمائے ہند از رحمان علی، ص: ۱۷۹

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

راقم کو یہ یک ورقی نسخہ مولانا غلام رسول مہر مرحوم کے کتب خانہ ہی سے دست یاب ہوا، اور وہ اس طرح کہ مولانا مہر کی ۱۶ر نومبر ۱۹۷۱ء کو رحلت کے بعد ان کا کتب خانہ عجائب گھر لاہور کی تحویل میں دینے کی خاطر کتابوں کی فہرست سازی کا کام راقم کے سپرد کیا گیا۔ تکمیل فہرست کتب کے بعد مرحوم کے فرزند اکبر جناب عبدالسلام اسلام صاحب (متوفی ۱۵ر مارچ ۲۰۰۰ء) نے میری خواہش پر جو کتابیں اور رسائل، بالخصوص جن کے سرورق منشی عبدالمجید پرویں رقم کے کتابت کردہ تھے، مؤرخہ ۸ر مئی ۱۹۷۲ء کو مجھے عنایت فرمائے۔ ان میں مذکورہ ورق بھی شامل تھا، جس کا متن پہلی مرتبہ ہدیۂ قارئین کیا جارہا ہے۔

علمی آثار قوم کی امانت ہیں اور اس بارِ امانت کو ''فلاں نماند'' کا آوازہ قوتِ سماعت سے ٹکرانے سے پیشتر قوم کو لوٹا دینا چاہیے۔ پاسدارانِ علمی نوادرات کے لیے صلاے عام ہے کہ وہ ایسے علمی شہ پاروں کو اہل علم کے استفادہ واستفاضہ کے لیے عام کردیں۔ اب میں نہایت فرحت وانبساط کے ساتھ یہ تحفہ بہیہ صاحبان اولوا العلم کی خدمت میں بالعموم اور شاہ اسماعیل شہید کی فکر سے منتسبین کی خدمت میں بالخصوص پیش کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہوں اور زبان پر یہ مصرع جاری ہے:

شادم از زندگیٔ خویش کہ کارے کردم

نظم الحدیث

عن ابی امامة قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم ان اللّٰہ تعالٰی بعثنی رحمة للعٰلمین وهدی للعٰلمین وامرنی عزوجل بمحق المعازف والمزامیر والاوثان والصلیب وامرنی مثالاً له وحلف ربی بعزتی وجلالی لا یشرب عبد من عبیدی جرعة خمر الا سقیته من الصدید مثلها لا یترکها من مخافتی الا سقیته من حیاض القدس . [رواه احمد]

(حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے سب جہانوں کے لیے رحمت اور سب جہانوں کے لیے ہدایت بنا کر مبعوث کیا، اور اس بزرگ وبرتر نے مجھے حکم دیا کہ آلاتِ لہو ولعب، بانسریوں، بتوں، صلیب اور ان جیسی دوسروں چیزوں کو ملیا میٹ کردوں، اور میرے ربّ نے اپنی عزت وجلال کی قسم کھا کر کہا کہ میرے بندوں میں سے کوئی بندہ شراب کا ایک گھونٹ تک نہ پیے، ورنہ میں اسے اس شراب کی مقدار میں پیپ پلاؤں گا، اور جو شخص میرے خوف سے اس (شراب) کو چھوڑ دے، میں اسے پاک حوضوں سے پلاؤں گا۔)

نوٹ: اس مقام پر اس بات کی وضاحت کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مسند الامام احمد بن

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

حنبل (المجلد الخامس) طبع دار الفکر بیروت (س ن) میں مذکورہ حدیث کے متن میں بعض لفظی اختلافات کے علاوہ قدرے اضافہ بھی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ نظم الحدیث کے ناقل کی بے احتیاطی کے سبب ایسا ہوا۔ قارئین کرام کی دلچسپی کی خاطر ہم حدیث کا درست متن مسند احمد سے، ذیل میں درج کر رہے ہیں:

عن ابی امامة عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال ان اللّٰہ عزوجل بعثنی رحمة وهدی للعٰلمین وأمرنی ان أمحق المزامیر والکفارات یعنی البرابط والمعازف والاوثان التی کانت تعبد فی الجاهلیة وأقسم ربی عزوجل بعزته لا یشرب عبد من عبیدی جرعة من خمر الا سقیته مکانها من حمیم جهنم معذبا أو مغفورا له ولا یسقیها صبیا صغیرا الا سقیته مکانها من حمیم جهنم معذبا أو مغفورا له ولا یدعها عبد من عبیدی من مخافتی الا سقیتها ایاه من حظیرة القدس ولا یحل بیعهن ولا شراؤهن ولا تعلیمهن ولا تجارة فیهن وأثمانهن حرام للمغنیات قال یزید الکفارات البرابط .

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

۱ در حدیث احمد آمد ایں خبر — بو امامہ گفت کاں خیر البشر
۲ گفت بالتحقیق آں ربِّ قدیم — بخشتِ ما کرد از لطفِ عمیم
۳ باعثِ رحمت جہانے را تمام — ہمچنیں در رہنمائی لا کلام
۴ ربِّ حکم دادتا باطل کنم — خود بکاہانید پس عاطل کنم
۵ معزف و مزمار و اوثان و صلیب — رسمہائے جاہلیت اے حبیب
۶ ربِّ من خورداست ایں سوگند پیش — ہست سو گندم بعز و قدرِ خویش
۷ شوکت و قدرت کہ باشد آں مرا — خود بآں قدرت خورم سوگند را
۸ بندۂ از بندگانِ من تمام — خود نہ نوشد جرعہ از خمرِ حرام
۹ لیک نوشانم زدردابش ضرور — مثلِ مقدارے کہ خوردآں پُر غرور
۱۰ کس نہ بگزارد ز خوفِ من شراب — لیک نوشانم ورا روزِ حساب
۱۱ از حیاضِ قدس یعنی حوضہا — آں کہ در جنت بود اے ذی لقا
۱۲ معزف و مزمار و اوثان و صلیب — چوں ندانی معنیش را اے حبیب
۱۳ باتو گویم شرح تا آگہ شوی — باز مانی از طریق کجروی
۱۴ خواں معازف را بعین مہملہ — جمع معزف داں ورا قل جیعلہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

۱۵ آلتے بہر سرودش گفتہ اند — ہست ایں ظاہر بکس نہ نہفتہ اند
۱۶ صاحب قاموس ایں واضح نمود — کاں ملاہی ہست چوں طنبور و عود
۱۷ بشنو از طیبی معازف را چہ خواند — از دفوف و غیرہا زاں نام راند
۱۸ در نہایہ مختصر گفت ایں چنیں — مختصر داں ہست چوں زائد بریں
۱۹ آلتے بہر غنا مزمار داں — جمع آں باشد مزامیر اے جواں
۲۰ بالقصب کردن غنا تزمیر خواں — آلتش را نام زمارہ بداں
۲۱ عود را لہو و لعب داں الغرض — محقِ آں واجب شد از اہل مرض
۲۲ طبلہ و سارنگی و طنبور را — نیز مردنک و ستار و مثلہا
۲۳ در معازف ایں ہمہ معدود کن — ہر کہ گوید عکس آں مردود کن
۲۴ می سراید ہر کہ از لہو الحدیث — کس نباشد ایں چنیں غیر از خبیث
۲۵ ہر کہ از لہو و غنایش دور شد — وصفِ او لا یشہدون الزور شد
۲۶ گر بہ تفصیلش سرایم اے جواں — از طوالت بس شود طولِ بیاں
۲۷ پس بروں از پردہا افتند راز — مختصر گفتم بریں معنی بساز

مکتوبات:

شاہ شہید رحمہ اللہ زندگی کے ہر قدم پر ہمیشہ انتہائی سرگرم اور فعال رہے۔ مخالفین اسلام کے ساتھ جہاں ان کی مجاہدانہ تگ وتاز تاریخ کا ایک بہت بڑا باب ہے اور ان کی تصنیفی جدوجہد خاص اہمیت کی حامل ہے، وہاں ان کے مکتوبات کو بھی نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ اُنھوں نے اپنے دوستوں، مخالفوں، معاصروں، مختلف علاقوں کے سرداروں اور اہل علم کو بہت سے مکتوبات تحریر کیے۔ فقہی اور علمی مسائل دریافت کرنے والوں کے نام بھی اُنھوں نے خطوط لکھے۔ پھر اپنے مرشد امیر المجاہدین سید احمد شہید بریلوی کی خدمت میں بھی مکتوبات ارسال کیے۔ ان مکتوبات سے اس زمانے کے معاشرتی، دینی اور سیاسی کوائف کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے، اور پتا چلتا ہے کہ مجاہدین کن حالات سے دوچار تھے اور خدمت اسلام کا جذبہ ان کے اندر کس طرح کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ پھر صوبہ سرحد کے عوام وخواص کا ان کے بارے میں کیا نقطہ نظر تھا۔ شاہ شہید کے مکتوبات سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ ان کے علم وفکر کے حدود کس درجہ وسیع تھے اور ان کی سیاسی بصیرت کتنی گہری تھی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

شہادت:

اس عالم نبیل، فاضل بے بدل، مجاہد اعظم، مصلح وقت، مجدد دوراں، بہادر جرنیل اور عظیم مصنف وشاعر نے اپنے متعدد رفقاے عالی قدر کے ساتھ ۲۴ر ذیقعدہ ۱۲۴۶ھ (۶۔مئی ۱۸۳۱ء) کو بالا کوٹ کے میدان میں کفار سے جنگ کرتے ہوئے جامِ شہادت نوش کیا۔ اس وقت ان کی عمر ۵۳ سال تھی۔

شاہ محمد عمر:

جیسا کہ ابتدا میں بتایا گیا شاہ محمد اسماعیل کی تعلیم وتربیت کی منزلیں ان کے چچا شاہ عبدالقادر کی آغوش محبت میں طے ہوئی تھیں۔ شاہ عبدالقادر کی ایک ہی صاحب زادی تھیں جن کی شادی ان کے بھتیجے مولانا مصطفیٰ سے ہوئی تھی۔ ان کی بھی ایک ہی بیٹی تھیں، جو شاہ محمد اسماعیل کے عقد میں آئیں۔ شاہ محمد اسماعیل کے ہاں بھی ایک ہی لڑکا پیدا ہوا جس کا نام محمد عمر رکھا گیا۔

شاہ محمد عمر مزاجاً وطبعاً دنیا اور اہل دنیا سے اسی طرح بے نیاز اور مستغنی تھے، جس طرح کہ ان کے جد امجد شاہ عبدالغنی تھے۔ تمام عمر گوشہ نشین اور لوگوں سے الگ تھلگ رہے۔ اپنے خاندانی مدرسے میں تعلیم پائی۔ اساتذہ میں صرف شاہ محمد اسحاق دہلوی کے اسم گرامی کا پتا چل سکا ہے۔ بہت ہی متقی اور خدا رسیدہ عالم تھے۔ مفتی صدر الدین خاں آزردہ کا بیان ہے کہ شاہ محمد عمر کو رسول اللہ ﷺ کی زیارت کثرت سے ہوتی تھی۔ ❶

شاہ محمد عمر اپنے دور کے درویش آدمی تھے اور بعض دفعہ ان پر جذب کا غلبہ ہوجاتا تھا۔ امور مشتبہ سے پرہیز کرتے اور ممنوعات سے دامن کشاں رہتے۔ کسی ایسی جگہ نہ جاتے جہاں کسی شکل میں بھی برائی کا ارتکاب ہوتا ہو۔ اس سلسلے میں نواب مصطفیٰ خاں کا بیان ہے کہ ہم چند احباب جن میں مرزا غالب بھی تھے، اپنے بالا خانے میں بیٹھے ہوئے تھے اور مزامیر کے بغیر گانا ہورہا تھا۔ اتفاق سے مومن خاں مومن کہیں سے شاہ محمد عمر صاحب کو پکڑ کر وہاں لے آئے۔ وہ برابر یہ کہتے جاتے تھے کہ ''مجھے چھوڑ دو، مجھے چھوڑ دو''۔ مگر مومن خاں نہیں مانتے تھے، آخر اُن کو لا کر اس مجلس میں بٹھا دیا۔ گانا برابر ہوتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد شاہ محمد عمر صاحب نے جسم کو ایک بہت ہی معمولی سی حرکت دی، اس کے اثر سے سارا مکان ہل گیا۔ اس پر حاضرین مجلس کچھ پریشان سے ہوئے۔ یہ بھی خیال ہوا کہ شاید شاہ صاحب کی جنبش کا اثر ہو۔ یہ بھی کہا جانے لگا کہ ممکن ہے زلزلے کا جھٹکا ہو۔ مگر سب کی توجہ شاہ محمد عمر کی طرف ہوگئی۔ تھوڑی دیر بعد اُنھوں نے دوبارہ جسم کو حرکت دی جو پہلی حرکت سے

---

❶ ارواحِ ثلاثہ، ص:۱۷۴

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

زیادہ تھی۔ اس سے پھر مکان ہلا اور پہلے کی نسبت زور سے ہلا۔ اب سب کو یقین ہوگیا کہ یہ سب شاہ محمد عمر کی حرکت کا اثر ہے۔ تھوڑی دیر بعد ذرا اور زور سے جسم کو حرکت دی تو اس سے مکان کو اور زور سے حرکت ہوئی، یہاں تک کہ کڑیاں بھی بول گئیں اور طاقوں وغیرہ میں جو شیشے اور آلات وغیرہ پڑے تھے وہ کھن کھن کر کے گرنے لگے۔ اس پر کسی نے شاہ محمد عمر سے کہا ''یہ کیا؟'' فرمایا ''میں تو پہلے کہتا تھا کہ ''مجھے چھوڑ دو، مجھے مت بٹھاؤ۔'' یہ الفاظ کہے اور اٹھ کر چلے گئے۔ ❶

شاہ محمد عمر نماز نہایت خشوع وخضوع سے پڑھتے تھے۔ میاں سید نذیر حسین دہلوی فرماتے ہیں کہ مولوی محمد عمر کے زہد وعبادت کا یہ حال تھا اور نماز اس طرح اطمینان سے پڑھتے تھے کہ رکوع وسجود اس قدر طویل ہوتے کہ اس اثنا میں عام آدمی **سبحان ربی العظیم** اور **سبحان ربی الاعلی** ستائیس اٹھائیس مرتبہ پڑھ لیتا۔ ❷

استغنا اور خودداری کا یہ عالم تھا کہ دہلی کے مغل بادشاہ نے اکثر ان سے ملاقات کی تمنا کی اور ارکانِ دولت کو پیغامِ ملاقات دے کر ان کی خدمت میں بھیجا، مگر آپ نہیں گئے اور ہمیشہ جواب میں یہی کہا کہ جس باپ کی نسبت سے بادشاہ میری ملاقات کے خواہش مند ہیں، ان کی بزرگی مجھ میں نہیں ہے، اور اسی عذر پر کبھی ملاقات نہیں کی۔ ❸

شاہ محمد عمر علم وفضل اور تقویٰ وتدین میں اپنے دور کی بے نظیر شخصیت تھے۔ ان کے اوصاف وکمالات کی وجہ سے لوگ اِن کا بے حد احترام کرتے تھے اور ہر حلقے میں ان کو لائق تکریم گردانا جاتا تھا۔ اُنھوں نے دو مغل بادشاہوں کا زمانہ پایا، اکبر بادشاہ ثانی کا اور بہادر شاہ ظفر کا۔ اِن دونوں باپ بیٹے کے دِل میں ان کی انتہائی عزت تھی۔ اُنھوں نے اپنے امرا کی وساطت سے ان کو بارہا اپنے ہاں تشریف لانے کی دعوت دی مگر یہ نہیں گئے اور ہر دعوت کے جواب میں نہایت انکسار سے یہ کہلا بھیجا کہ نیکی اور پرہیزگاری میں میرا وہ مقام نہیں ہے جو میرے باپ یا دیگر اسلاف کا تھا۔

شاہ محمد عمر نے ۲۲ر جمادی الاخریٰ ۱۲۶۸ھ (۱۳۔ اپریل ۱۸۵۲ء) کو وفات پائی۔ ''مرگ شیخ زمان'' سے ان کی تاریخ وفات نکالی گئی۔ شاہ محمد عمر کی کوئی اولاد نہ تھی۔ یہ اس خاندانِ عالی قدر کے آخری فرد تھے۔ ان کی وفات کے ساتھ ہی دودمانِ ولی اللّٰہی کی صلبی اولاد کا سلسلہ ختم ہوگیا۔ البتہ روحانی اولاد بے حد وحساب ہے۔ پاکستان اور ہندوستان کا کوئی ایسا عالم دین نہیں جس کی سند ان

---

❶ ارواحِ ثلاثہ، ص:۱۷۵

❷ الحیات بعد الممات (حاشیہ)، ص:۲۰۶

❸ الحیات بعد الممات، ص:۲۰۶

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بزرگوں تک نہ پہنچتی ہو اور جس نے کسی نہ کسی صورت میں ان سے استفادہ اور استفاضہ نہ کیا ہو۔ خود صاحبِ ترجمہ مولانا محمد اسماعیل شہید رحمہ اللہ کے علم وفضل، عمل وکردار، تصنیف وتالیف اور افکار ونظریات سے مستفید ومتاثر ہونے والوں کی تعداد لاکھوں تک پہنچتی ہے۔ یہ لوگ انھیں ملت اسلامیہ کا محسن عظیم قرار دیتے اور اپنا رہنما وقائد مانتے ہیں۔ رحمهم الله تعالى اجمعين

ہمارے قابل احترام دوست مولانا محمد خالد سیف نے ۱۹۸۳ء میں حضرت مولانا اسماعیل شہید دہلوی کے حالات میں ''امام محمد اسماعیل شہید'' کے نام سے کتاب تصنیف کی جو طارق اکیڈمی فیصل آباد کی طرف سے معرضِ اشاعت میں آئی۔ یہ کتاب مولانا شہید سے متعلق بہت سی معلومات پر مشتمل ہے۔ اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والے اصحابِ علم میں اس کتاب نے بڑی مقبولیت حاصل کی اور دو تین دفعہ شائع ہوئی۔ اس پر مقدمہ مولانا محمد حنیف ندوی نے تحریر فرمایا۔ مولانا ندوی کا ایک خاص اسلوبِ نگارش ہے جو خالص علمی اور تحقیقی اسلوب ہے۔ اللہ نے ان کو ادبیت سے بھرپور زبان عطا فرمائی ہے۔ میں نے اس عالم اجل کے واقعاتِ زندگی پر ایک مستقل کتاب ''ارمغانِ حنیف'' کے نام سے لکھی جو کم وبیش چار سو صفحات پر محیط ہے۔ علاوہ ازیں ''قافلہ حدیث'' میں ان پر ایک طویل مضمون لکھا۔ ''برصغیر کے اہل حدیث خدامِ قرآن'' میں ان کی مساعی جلیلہ کا تذکرہ کیا جو انھوں نے قرآن سے متعلق سرانجام دیں۔ اس کے علاوہ بھی متعدد مقامات پر ان کے حالات بیان کیے۔

ذیل میں ان کا وہ مقدمہ درج کیا جارہا ہے جو انھوں نے ہمارے فاضل دوست مولانا محمد خالد سیف (اسلامی نظریاتی کونسل) کی تصنیف ''امام محمد اسماعیل شہید'' پر تحریر فرمایا۔ ملاحظہ فرمایئے:

اسلامی ہندوستان میں تحریک احیائے اسلام کی نشاط آفرینیوں کو اگر کسی مرکز وسرچشمہ کا کرشمہ قرار دیا جاسکتا ہے، تو اس کا دوسرا نام خاندان ولی اللّٰہی ہے۔ اس خاندان کا ہر فرد اصلاح وتجدید کے افق پر آفتاب وماہتاب بن کر چمکا ہے۔ علم وبصیرت اور ذوق واجتہاد سے سرشار یہی وہ گھرانا ہے جس کے فیوض وبرکات سے آج بھی اذہان وقلوب تابندہ وروشن ہیں اور آئندہ بھی جب کوئی قدم فکری وعملی نوعیت کا اسلام کی سربلندی کے لیے اٹھے گا تو ضرور ہے کہ وہ انہی خطوط کی روشنی میں اٹھے، جن کی نشان دہی ان بزرگوں نے اپنے علم وکردار سے کی ہے۔

عزیزم مولانا محمد خالد سیف ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انھوں نے اس قافلۂ عشق ووفا کی تمام سرگرمیوں کو ایک سلک میں پرو دیا ہے اور خاص سلیقے اور سلجھاؤ سے اس تمام مواد کو اپنی تصنیف ''تذکرۂ شہید رحمہ اللہ'' کے دامن میں سمیٹ لینے میں کامیابی حاصل کی ہے، جو مختلف متون وکتب میں بکھرا پڑا تھا، بلکہ اس کے ساتھ اس یگانۂ روزگار اور اس نابغۂ عصر کے سوانح وحالات پر بھی تفصیل

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سے روشنی ڈالی ہے، جن کو تاریخ کے اوراق میں مولانا شہید رحمہ اللہ کے نامِ نامی سے یاد کیا جاتا ہے اور یہی دراصل اس کتاب کا موضوع بھی ہے کہ حضرت شہید رحمہ اللہ کی عظمت فکر وعمل کو قارئین کرام کے سامنے پیش کیا جائے اور بتایا جائے کہ جس شخص کے خلاف عناد ومخالفت کے طوفان اٹھائے گئے، جس کو کفر والحاد کا ہدف قرار دیا گیا جس کے عقائد وافکار پر بحث ومناظرہ کی مجالس آراستہ کی گئیں اور جس سے متعلق عوام میں ناحق یہ تاثر پھیلایا گیا کہ اس نے اپنی تصنیفات میں ملحدانہ شوخیوں کا اظہار کیا ہے، تاریخ کی نظر میں اس گرامی قدر شخصیت کا مقام کتنا اونچا ہے، اسلام سے اس کی وابستگی کس درجہ استوار ہے۔ اللہ کا عشق کس طرح اس کی رگ رگ میں جاری وساری ہے۔ توحید کے انوار وتجلیات اس پر کس درجہ واضح ہیں۔ علم وادراک کے دریچے اس کے سامنے کس طرح وا ہیں، اور اس کے جذبۂ عشق ووفا اور حمیت وغیرت دین نے کیوں کر ''بخاک وخون غلطیدن'' کی روایت پارینہ کو زندہ رکھا ہے۔

ہمیں خوشی ہے کہ فاضل مصنف نے حضرت شہید رحمہ اللہ کی شخصیت کے بارے میں ان تمام گوشوں کو اجاگر کرنے میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا جو ایک عرصے سے استخوانِ نزاع بنے ہوئے تھے۔

''فرزندانِ توحید'' یا ''فرزند توحید'' کی ترکیب ہمیشہ ہمارے ذہن وفکر کے لیے اُلجھن کا باعث رہی۔ ہم نے جب بھی اس پر غور کیا، اس میں اور نظریۂ توحید میں ایک طرح کا تضاد محسوس کیا، کیوں کہ جو ذات صمدیت خود شان ''لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ'' سے اتصاف پذیر ہے، وہ بھلا صفت توحید میں فرزند کے تصور کو کب برداشت کر سکے گی؟ لیکن حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ کے سیاق میں جب اس ترکیب پر غور کیا تو یہ عقدہ کھلا کہ اگر ہم ایک لفظ سے حضرت الامام رحمہ اللہ کی بھرپور شخصیت کی شگفتہ اور رواں دواں انداز میں تصویر کھینچ سکتے ہیں، تو وہ یہی لفظ ''فرزند توحید'' ہے۔ ترکیب کے ظاہری اور لفظی اطلاق سے قطع نظر اگر معاملہ مجاز وتشبیہ کا ہے، اور ادب ومحاورہ کی دنیا میں اس کی پوری پوری گنجائش پائی جاتی ہے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ مولانا شہید رحمہ اللہ کے قلب وذہن کی نگرانی میں اپنے کردار وعمل کی تابانیوں اور اللہ تعالیٰ سے ان کی والہانہ محبت وسرمستی میں براہِ راست نظریہ توحید کی فیض رسانی کا دخل ہے، گویا خود توحید نے ان کو پالا پوسا اور پروان چڑھایا۔ توحید نے ہی ان کی تربیت کی اور توحید ہی نے ان کے ذہن وفکر اور کردار وعمل کے سانچوں کو ڈھالا ہے۔

اس مجاز میں توحید کا یہ پہلو نکھر کر سامنے آیا کہ یہ عقیدہ کہ خدا تعالیٰ ایک ہے صرف ریاضیاتی سچائی نہیں، بلکہ بجائے خود ایسی روشنی، ایسا نور، ایسی قوت، اور قوتِ محرکہ ہے جو انسانی زندگی کو یکسر بدل کر رکھ دیتی ہے۔

توحید اور ''فرزند توحید'' کی اس وضاحت کے بعد حضرت شہید رحمہ اللہ کی تمام علمی وعملی زندگی کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

جائزہ لیجیے۔ آپ کو ان سب میں یہی روح، یہی جذبہ اور یہی روشنی کار فرما نظر آئے گی اور آپ دیکھیں گے کہ ''تقویۃ الایمان''، ''ردّ الاشراک''، ''صراطِ مستقیم'' اور بالاکوٹ کی معرکہ آرائیوں کے ڈانڈے اسی اصول سے ملے ہوئے ہیں۔ یہی جذبۂ توحید تھا جس نے آپ کو مجبور کیا کہ لومۃ لائم کی پروا کیے بغیر شرک وبدعات کے قلعوں پر حملہ آور ہوں۔ یہ بھی توحید ہی کی کارفرمائی تھی کہ ان کو سکھوں کے خلاف صف آرا ہونا پڑا۔ یوں بھی اسلامی نقطۂ نظر سے توحید ہی اصلاح وتجدید کی وہ پہلی اینٹ ہے جس پر اصلاح وتجدید کے غرفے تعمیر کیے جاسکتے ہیں۔ اس لیے اگر انھوں نے اس مسئلے پر خصوصیت سے توجہ فرمائی ہے تو ان کا یہ اندازِ فکر عین اس خواب کی تعبیر کے مطابق ہے، جو شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی چشم بصیرت نے اصلاح وتجدید کے سلسلے میں دیکھا تھا۔

قارئین کرام اور اصل کتاب کے درمیان ہم زیادہ دیر تک حائل رہنا نہیں چاہتے، بس صرف دو باتیں کہہ کر مقدمہ نگاری کی ذمہ داریوں سے عہدہ برأ ہوجانا چاہتے ہیں۔ ان میں سے ایک کا تعلق مسئلۂ امکانِ نظیر سے ہے، جس کا ایک عرصے تک علم وفن کے حلقوں میں چرچا رہا۔ مولانا فضل حق خیر آبادی نے خصوصیت سے جس کو ہوا دی اور پورے زور کے ساتھ اس کی تردید میں عقل وخرد کے خزف ریزوں کو بنا سنوار کر پیش کیا۔ آخر آخر ان کو اپنے اس طرزِ عمل پر افسوس بھی ہوا، لیکن اس سے کیا ہوتا ہے؟ تیر کمان سے نکل چکا تھا اور وہ جن مغالطات کو پھیلا چکے تھے وہ اہل بدعت کے دائروں میں سند کی حیثیت سے مقبول ہوچکے تھے۔ دوسری چیز جس کی طرف ہم توجہ دلانا چاہتے ہیں، وہ ان کی مشہور کتاب ''صبقات'' کی اہمیت ہے۔

جہاں تک امکانِ نظیر کے مسئلے کا تعلق ہے، یہ صرف اتنی سی بات تھی کہ مولانا شہید رحمہ اللہ جو توحید کی سرمستیوں سے سرشار تھے اور امکان کے کسی گوشے میں بھی اللہ تعالیٰ کو عاجز ماننے کے لیے تیار نہیں تھے، غیر منطقی اسلوب میں اللہ تعالیٰ کے دائرۂ قدرت کی بے پناہیوں کو بیان کرنا چاہتے تھے اور وہ بھی صرف تکوین وآفرینش کی حد تک۔ ان کے نزدیک یہ مسئلہ سراسر حدودِ عشق میں شمار ہونے کے لائق تھا۔ منطق یا فلسفہ کی موشگافیوں سے نہ صرف اسے کوئی سروکار نہ تھا، بلکہ انھیں اندیشہ تھا کہ اس کو اگر منطق کی اصطلاحوں میں بیان کیا گیا، تو یہ ایمان وذوق کی اس لطافت کو کھو بیٹھے گا جو اظہار کے اس پیرایۂ بیان سے جھلک رہی ہے۔ مولانا خیر آبادی چوں کہ ذوقِ توحید کی فراوانیوں سے ناآشنا تھے، اس لیے خواہ مخواہ اس کو گھسیٹ کر منطق وکلام کے دائرے میں لے آئے۔

دوسری زیادتی اس بارے میں یہ ہوئی کہ اس کے ڈانڈے اس سوال سے ملا دیے گئے کہ کیا اللہ تعالیٰ محالات پر قادر ہے یا نہیں؟ حالاں کہ یہاں استحالے کا کوئی سوال ہی نہ تھا۔ سوال ایک امر تکوینی کے بارے میں تھا جس میں امکان پہلے سے مقدر تھا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تیسری غلطی جس کا جان بوجھ کر ارتکاب کیا گیا، وہ اس تاثر کو پھیلانا تھا کہ گویا مولانا شہیدؒ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے دائروں کو محالات تک وسعت پذیر مانتے ہیں، حالاں کہ معمولی ذہن کا انسان بھی جانتا ہے کہ قدرت محالات سے متعرض ہی نہیں ہوتی، چہ جائیکہ اس کے بعد امکان کذب وغیرہ کی لغو بحثوں کو چھیڑا اور طول دیا جائے۔

''عبقات'' مولانا شہید رحمہ اللہ کا وہ علمی وفکری شاہ کار ہے جس کے متعلق نہایت اختصار کے ساتھ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس میں ہمیں علم ومعرفت کے ایسے ان مول موتی اور خزائن مخفی نظر آتے ہیں کہ جن کو اگر تفصیل سے بیان کیا جائے، تو کلام، تصوف اور کائنات سے متعلق متعدد غوامض کا حل نکل آئے۔ اس میں خصوصیت سے تجلی کی بحث ایسی ہے کہ جس سے نہ صرف خالق ومخلوق کے مابین استوار رشتوں کی تشریح ہوتی ہے، بلکہ ایک خاص انداز میں سیما طلوعیا (Sematolagy) کی بنیادوں کا پتا چلتا ہے، جس کا موضوع بحث فلسفۂ لسانیات میں یہ اہم سوال ہے کہ لفظ ومعنی میں ربط وتعلق کا اسلوب کیا ہے؟ یعنی الفاظ کس حد تک معانی کے حقائق کی تجلیات کا تحمل رکھتے ہیں۔ اس سلسلے میں ہمیں صرف یہ کہنا ہے کہ اہل حدیث کے نوجوان علماء خدارا خصوصیت سے ادھر متوجہ ہوں اور مولانا شہید رحمہ اللہ کی علمی وفکری عظمتوں کو منظر عام پر لائیں اور دنیا کو بتائیں کہ وہ شخص جس نے اپنے خون سے اسلام کے دبستان کو سینچنے کی سعادت حاصل کی، اس نے اپنے کمالِ علم سے فکر وادراک کی بلندیوں کو بھی چھونے میں کسی دوں ہمتی کا ثبوت نہیں دیا۔

مولانا محمد حنیف ندوی کے افکار عالیہ ختم ہوئے۔ اس کے ساتھ مولانا شہید کے متعلق ہماری گزارشات بھی اختتام کو پہنچیں۔



" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

شاہ محمد اسحاق دہلوی رحمہ اللہ

(وفات جولائی ۱۸۴۶ء)

دیارِ ہند کی عظیم المرتبت شخصیتوں میں حضرت شاہ محمد اسحاق دہلوی کا اسم گرامی صفحاتِ تاریخ میں ہمیشہ نقش رہے گا۔ وہ شیخ وقت، امام عصر، محدثِ عالی قدر اور فقیہ نام دار تھے۔ زہد وتقویٰ، اتباعِ سنت اور ورع وعبادت میں بھی یگانہ روزگار تھے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے نواسے اور خلیفہ۔ نسباً فاروقی۔ سلسلۂ نسب یہ ہے: محمد اسحاق بن محمد افضل بن احمد بن محمد بن اسماعیل بن منصور بن احمد بن محمد بن قوام الدین فاروقی دہلوی۔

شاہ عبدالعزیز دہلوی کی دو صاحب زادیاں تھیں۔ ایک مولانا عبدالحی صدیقی بڑھانوی کے عقد میں آئیں اور ایک مولانا محمد افضل فاروقی دہلوی کے.....! مولانا محمد افضل کی زوجۂ محترمہ سے صاحبِ ترجمہ حضرت شاہ محمد اسحاق ظہور میں آئے جو آگے چل کر علم وعمل اور فضل وکمال میں فرید الدہر قرار پائے۔

شاہ محمد اسحاق کی ولادت ۸۔ ذی الحجہ ۱۱۹۶ھ (۱۳۔ نومبر ۱۷۸۲ء) کو اور ایک روایت کے مطابق ۸۔ ذی الحجہ ۱۱۹۷ھ (۴۔ نومبر ۱۷۸۳ء) کو دہلی میں ہوئی۔ نشوونما اور تربیت اپنے جلیل القدر نانا حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی نگرانی میں پائی۔ کتبِ صرف اور کافیہ تک علم نحو کی کتابیں مولانا عبدالحی بڑھانوی سے پڑھیں۔ باقی درسی کتابوں کی تکمیل شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین کے حلقۂ درس میں کی۔ علم حدیث کے لیے ان دونوں بزرگوں کے علاوہ شاہ عبدالعزیز کے سامنے بھی زانوئے شاگردی تہ کیا اور فارغ التحصیل ہونے کے بعد حدیث کی سند ان سے لی۔ شاہ عبدالعزیز صاحب کے نرینہ اولاد نہ تھی، وہ اپنے اس نواسے پر انتہائی شفقت فرماتے اور اسے بیٹے کی حیثیت دیتے تھے۔ کتابوں، مسودوں اور متاعِ علمی کی صورت میں جو کچھ بھی ان کے پاس تھا نواسے کے حوالے کردیا تھا۔ پھر شاہ صاحب کی وفات کے بعد یہی ان کی مسند پر بیٹھے اور شائقین علم حدیث کی کثیر تعداد کو مستفید فرمایا۔ شاہ صاحب نے اپنی زندگی ہی میں ان کو تدریسِ علمِ حدیث پر مامور فرما دیا تھا۔ چناں چہ پورے بیس سال اُنھوں نے شاہ صاحب کے سامنے اور ان کی نگرانی میں یہ اہم خدمت انجام دی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اس محدثِ جلیل نے ۱۲۴۰ھ میں ارضِ حجاز کا عزم کیا اور حج وزیارت کی سعادت حاصل کی۔ اس زمانے میں مکہ مکرمہ میں شیخ عمر بن عبدالکریم (متوفی ۱۲۴۷ھ) کا سلسلۂ درسِ حدیث جاری تھا، ان سے ۱۲۴۱ھ میں سند حدیث لی۔

بعد ازاں اپنے وطن ہندوستان کو مراجعت فرمائی اور پہلے کی طرح دہلی میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی مسندِ درسِ حدیث پر رونق افروز ہوئے۔ حج سے واپسی کے بعد پورے سولہ سال یہ عظیم الشان خدمت انجام دیتے رہے۔ اس اثنا میں بے شمار حضرات نے ان سے استفادہ کیا اور حصولِ علمِ حدیث سے مشرف ہوئے۔

پھر ۱۲۵۸ھ (۱۸۴۲ء) میں اپنے بڑے بھائی مولانا محمد یعقوب اور دیگر افرادِ خانہ کے ساتھ ہندوستان سے ہجرت کرکے مکہ معظّمہ کے لیے رختِ سفر باندھا اور فریضۂ حج ادا کرنے کے بعد مستقل طور پر وہیں سکونت اختیار کرلی۔

اس زمانے میں مغلوں کا آخری حکمران بہادر شاہ ظفر ہندوستان کا بادشاہ تھا۔ اس کی بادشاہت برائے نام تھی، اصل حکومت انگریزوں کی ایسٹ انڈیا کمپنی کی تھی۔ بہادر شاہ، اس کے امرا ووزرا، دہلی کے علما اور وہاں کے سرکردہ لوگوں نے ان کو ہجرت سے روکنے کی کوشش کی اور دہلی میں سکونت پذیر رہنے پر زور دیا، لیکن وہ نہیں مانے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہندوستان پر عملاً انگریزوں کا قبضہ ہوچکا تھا اور شاہ عبدالعزیز ایک فتوے کے ذریعے اس ملک کو دارالحرب قرار دے چکے تھے۔ علاوہ ازیں شعائرِ اسلام میں اضمحلال وضعف واقع ہوچکا تھا، بدعات میں روز بروز اضافہ ہورہا تھا اور رسومِ کفر نئی نئی شکلوں میں سامنے آرہی تھیں۔ ان حالات میں ان کے لیے اس ملک میں سکونت اختیار کیے رکھنا ممکن نہ رہا تھا۔ چناں چہ انھوں نے مع اہل وعیال دہلی سے کوچ کیا اور مکہ معظّمہ جاکر متوطن ہوگئے۔

شاہ صاحب ممدوح علمی اعتبار سے ہندوستان کی آبرو اور فضل وکمال میں اپنی مثال آپ تھے۔ نہایت متبع سنت، انتہائی پرہیزگار، فرشتہ سیرت، بلند اخلاق اور بہ درجہ غایت عمدہ کردار کے مالک تھے۔ قامع بدعت اور ماحی سنت نبوی تھے۔ زبدۃ المحدثین اور فخر علماے دین تھے۔ دن رات تدریسِ حدیث اور عبادتِ الٰہی میں مصروف رہتے۔ نیکی اور تدین کا یہ عالم کہ شاہ عبدالعزیز نے ان کو اپنا امامِ جماعت مقرر کررکھا تھا اور وہ عین سنت کے مطابق نماز پڑھاتے تھے۔

شاہ صاحب اپنے بلند مرتبت بھتیجے مولانا محمد اسماعیل اور عالی قدر نواسے شاہ محمد اسحاق سے بے انتہا مشفقانہ برتاؤ کرتے اور انھیں دیکھ کر قرآنِ مجید کی یہ آیت تلاوت فرماتے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَی الْكِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ ؕ [1] [ابراھیم:۳۹]

(سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحاق عطا فرمائے۔)

شاہ صاحب اپنے اس نواسے کے زہد وعبادت پر انتہائی خوش ہوتے اور عالم مسرت میں فرمایا کرتے: میری تقریر اسماعیل نے اور تحریر رشید الدین نے لے لی اور تقویٰ اسحاق کے حصے میں آیا۔ [2]

دستِ سخا اس قدر وسیع تھا کہ جو کچھ پاس ہوتا مستحقین اور اہلِ حوائج میں تقسیم فرما دیتے۔

ہندوستان میں بھی یہی حال رہا اور سرزمین حجاز میں بھی غربا ومساکین اور بیوہ عورتوں کی امداد فرماتے رہے۔ ہندوستان سے جانے والے حجاج کی ضرورتیں پوری کرتے اور ان کو اپنے ہاں مہمان ٹھہراتے۔ نہایت متوکل علی اللہ تھے۔ دنیا کے مال ودولت سے کبھی تعلق نہ رکھا۔ اس سلسلے کا ایک واقعہ قابل بیان ہے جو ارواحِ ثلاثہ میں مرقوم ہے اور وہ یہ ہے:

تحصیل سکندر آباد میں ایک بہت بڑا گاؤں ''حسن پور'' تھا۔ کسی زمانے میں یہ گاؤں شاہ محمد اسحاق اور مولانا محمد یعقوب کی ملکیت تھا۔ یہ دونوں بھائی انتہا درجے کے سخی اور فراخ حوصلہ تھے، اور اسی وجہ سے اکثر تنگ دست رہتے تھے۔ تنگ دستی کی وجہ سے بعض دفعہ ملول ومغموم بھی ہوجاتے تھے۔ واقعہ کے راوی مظفر حسین بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں نے دیکھا کہ دونوں بھائی نہایت ہشاش بشاش اور خوش وخرم ہیں۔ سوچا کہ خوشی کی وجہ پوچھوں، لیکن جرأت نہ ہوئی۔ بالآخر شاہ محمد اسحاق سے پوچھ ہی لیا۔ متعجبانہ لہجے میں فرمایا: ''تمھیں نہیں معلوم؟'' عرض کیا ''نہیں مجھے کچھ علم نہیں۔'' فرمایا: ''ہمارا گاؤں حسن پور ضبط ہوگیا ہے۔ یہ خوشی اسی کی ہے۔ جب تک گاؤں ہمارے قبضے میں تھا، اللہ پر پورا توکل نہ تھا، اب صرف اسی پر توکل اور اسی پر بھروسا ہے۔'' [3]

شانِ عزیمت اور توکل الٰہی کی یہ بہت بڑی مثال ہے۔ اس مادی دور میں اس قسم کی مثال پیش کرنا مشکل ہی نہیں، ناممکن ہے۔

شاہ اسحاق صاحب کوئی مقرر یا خطیب نہ تھے۔ لیکن کلمۂ حق کہنے میں انتہائی جری اور پر جوش تھے۔ اس کا اندازہ اس واقعے سے ہوسکتا ہے کہ ایک مرتبہ ایک انگریز پادری دلّی آیا جو بہت لسّان تھا۔ اس نے آتے ہی ہنگامہ بپا کر دیا اور دلّی کے علما کو مناظرے کی دعوت دی۔ اس دور کے جو علما خاندانِ شاہ عبدالعزیز اور شاہ محمد اسحاق کے مخالف تھے، اُنھوں نے اس پادری سے کہا کہ شاہ محمد اسحاق

---

[1] الحیات بعد الممات، ص:۴۶

[2] ایضاً، ص:۴۷

[3] ارواحِ ثلاثہ، ص:۱۲۳

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

کو مناظرے کی دعوت دی جائے۔ نہ تو وہ شاطرانہ اینچ پینچ جانتے تھے، نہ اُنھیں بحث ومجادلے کی عادت تھی، نہ زیادہ باتیں کرتے تھے اور پھر زبان میں کچھ لکنت بھی تھی، اس لیے ان کے مخالف علما کا خیال تھا کہ یہ چرب زبان اور لسان پادری ان کو ضرور مات دے گا اور اس طرح ان کی سبکی ہوگی۔

پادری نے ان کو دعوتِ مناظرہ دی تو اُنھوں نے فوراً قبول فرمالی۔ مولانا فرید الدین مراد آبادی، مولانا محمد یعقوب اور نواب رشید الدین خاں نے ان کو مشورہ دیا کہ خود مناظرہ نہ کریں، ہم میں سے کسی کو اپنا نمائندہ یا وکیل مقرر کرلیں جو آپ کی طرف سے مناظرہ کرے۔ فرمایا پادری نے مجھے دعوتِ مناظرہ دی ہے، لہٰذا میں ہی مناظرہ کروں گا، کسی کو وکیل یا نمائندہ بنانے کی ضرورت نہیں۔

اس کے بعد مناظرے کی تاریخ اور وقت مقرر ہوگیا اور دلّی کے لال قلعے میں مناظرہ کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ وقت مقررہ پر بے شمار لوگ قلعے میں پہنچ گئے اور مجلس مناظرہ منعقد ہوئی۔ پادری صاحب سامنے آئے تو حواس باختہ ہو کر کانپنے لگے۔ اسلام یا حضرت شاہ صاحب کے خلاف ایک لفظ بھی زبان سے نہ نکال سکے۔ کچھ دیر یہی صورتِ حال رہی اور پادری صاحب نے کوئی بات نہ کی تو شاہ صاحب نے پادری سے فرمایا:

''آپ کچھ فرمائیں گے یا میں عرض کروں؟'' اس نے کہا ''آپ ہی فرمایئے۔'' شاہ صاحب نے اسلام کی حقانیت پر دلائل دیے اور عیسائیت کی تردید فرمائی۔ ان کی تقریر ختم ہوگئی، لیکن پادری خاموش رہا۔ نہ اس نے عیسائیت کا دفاع کیا، نہ اسلام کی مخالفت کی اور نہ شاہ صاحب کے دلائل کے بارے میں کوئی لفظ زبان سے نکالا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے قوتِ گویائی چھین لی ہے۔ اس کے سکوت سے ان لوگوں کو سخت تکلیف ہوئی جو شاہ صاحب کے خلاف تھے اور ان کو شکست دلانے کے خواہاں تھے۔

تقریر ختم کرکے شاہ صاحب نے مخالف اور موافق حاضرین کو مخاطب ہو کر فرمایا کہ میں نے باقاعدہ بائبل پڑھی ہے۔ اگر پادری میدانِ مناظرہ میں اُتر آتا اور سلسلۂ کلام آگے بڑھتا تو اللہ تعالیٰ اس کے مقابلے میں ضرور میری مدد فرماتا۔ یہ بھی فرمایا کہ ''اگر پادری کے مقابلے میں اسحاق کو شکست ہوجاتی تو کوئی افسوس کی بات نہ تھی۔ مجھ کو علم کا دعویٰ ہی کب ہے، لیکن اسلام تو سب کا ہے۔ میرا بھی اور میرے مخالفوں کا بھی۔ اگر اس موقعے پر میں شکست کھا جاتا تو یہ تنہا میری شکست نہ ہوتی بلکہ اِسے دلّی کے تمام مسلمانوں کی شکست سمجھا جاتا۔'' فرمایا ''اللہ تعالیٰ اپنے دین کی ضرور مدد فرماتا ہے۔ آج بھی اس نے پادری کے مقابلے میں اسلام کی مدد فرمائی۔ پادری کا خاموش رہنا اسلام کی مدد ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرمائی۔'' ❶

---

❶ ارواحِ ثلاثہ، ص: ۱۳۲، ۱۳۳

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

شاہ محمد اسحاق کے تلامذہ کا حلقہ نہایت وسیع تھا۔ دہلی میں بھی ان سے بے شمار حضرات نے استفادہ کیا۔ اس زمانے میں ہندوستان اور عرب وعجم کے بہت سے علما وطلبا ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تحصیلِ علمِ حدیث کی۔ قیامِ حجاز کے دور میں بھی ان کا دائرہ تدریس وسعت پذیر تھا۔ اس میں افریقہ، مصر، عرب، ترکی، ہندوستان اور افغانستان کے علاقوں کے تشنگانِ علم شامل ہوئے اور ان سے اخذ فیض کیا۔

علم کا یہ دریا دہلی سے جاری ہوا اور بحر ہند میں جا گرا، پھر اس کی موجیں بحر عرب سے ہم آغوش ہو کر مکہ معظمہ تک پہنچیں اور چار سال تک صحرائے عرب کو سیراب کرتی رہیں۔ ہند اور عرب کے جو تشنہ لب اس سے سیراب ہوئے ان کی وسیع فہرست میں مندرجہ ذیل حضرات کے اسمائے گرامی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

مولانا محمد یعقوب، مولانا محمد عمر بن مولانا محمد اسماعیل شہید دہلوی، شیخ محمد انصاری، مولانا کرامت علی اسرائیلی، مولانا عبدالخالق دہلوی، مولانا صفت اللہ پانی پتی، حضرت میاں سید نذیر حسین دہلوی، مولانا محمد تھانوی، مولانا عبدالغنی مجددی دہلوی، مولانا محمد ابراہیم نگرنہسوی، مولانا علی احمد ٹونکی، نواب قطب الدین خاں دہلوی، شاہ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی، مولانا عالم علی مراد آبادی، مفتی عنایت احمد، مولانا محمد حازمی عربی، مولانا سبحان بخش شکارپوری، مولانا عبید اللہ سندھی، مولانا مفتی عبدالقیوم بھوپالی، مولانا قاری کرم اللہ دہلوی، حافظ محمد فاضل سورتی، مولانا احمد علی سہارن پوری، قاری عبدالرحمٰن پانی پتی، مولانا نور الحسن کاندھلوی، حافظ محمد جون پوری دہلوی، مولانا رستم علی خاں دہلوی، مولانا بہاء الدین دکھنی۔

یہ چند بزرگوں کے اسمائے گرامی ہیں، سب کا شمار حد امکان سے باہر ہے۔ ان کے تلامذہ نے بھی آگے چل کر اصحابِ علم کو خوب مستفید فرمایا اور جگہ جگہ درس وتدریس کے حلقے قائم کیے۔ ان میں دو بزرگ وہ ہیں جو ان کے صحیح جانشین ہوئے اور جن کے چشمۂ فیض سے لاتعداد حضرات نے اپنی علمی پیاس بجھائی، وہ ہیں مولانا عبدالغنی مجددی دہلوی اور میاں سید نذیر حسین دہلوی .....! مولانا عبدالغنی تو دہلی سے ہجرت کر کے حجاز چلے گئے تھے، لیکن سید نذیر حسین نے دہلی ہی کو اپنا مسکن قرار دیے رکھا۔ سید نذیر حسین نے اس فتوے پر بھی دستخط کیے جس میں ۱۸۵۷ء کی جنگ کو انگریزوں کے خلاف جہاد قرار دیا گیا تھا۔ پھر اس کے نتیجے میں قید وبند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔ ان کا حلقۂ درسِ حدیث نہایت وسیع تھا اور ان سے استفادہ کرنے والوں کی تعداد حدِ شمار سے باہر ہے۔ عرب وعجم اور ہندوستان کے لاتعداد اہلِ علم نے ان سے مستفید ہونے کا شرف حاصل کیا۔ اسی طرح مولانا عبدالغنی مجددی دہلوی کے تلامذہ کی تعداد کا تعین کرنا بھی ممکن نہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شاہ محمد اسحاق دہلوی کے یوں تو تمام شاگرد اپنی اپنی جگہ ایک خاص مقام ومرتبہ رکھتے ہیں، لیکن ان دونوں ..... مولانا عبدالغنی مجددی اور سید نذیر حسین دہلوی ..... نے جو خدمات انجام دیں ان میں کوئی ان کا حریف نہیں۔ ان کو اللہ نے اس درجے شرف عطا فرمایا کہ برصغیر کے تمام اہل علم کا سلسلۂ سند ان کی وساطت سے شاہ محمد اسحاق اور پھر شاہ عبدالعزیز اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی تک منتہی ہوتا ہے۔

شاہ محمد اسحاق دہلوی کی جلالتِ علم اور حدیث وفقہ میں ان کی دِقّتِ نظر کا یہ عالم تھا کہ ان کے استاد شیخ عمر بن عبدالکریم مکی فرمایا کرتے تھے۔

قد حلت فيه بركة جده الشيخ عبدالعزيز الدهلوي . ❶

(ان میں ان کے نانا شیخ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ کی برکتِ علمی حلول کرگئی ہے۔)

مکہ مکرمہ کے اس دور کے ممتاز عالم شیخ عبداللہ سراج مکی (متوفی ۱۲۶۴ھ) نے ان کو غسل دیا۔ وہ غسل دیتے ہوئے فرماتے تھے۔

والله انه لو عاش وقرأت عليه الحديث طول عمري ما نلت ما ناله . ❷

(بخدا اگر یہ زندہ رہتے اور میں تمام عمر ان سے حدیث پڑھنے میں صرف کردیتا تو اس مرتبے کو نہ پہنچ پاتا جس کو یہ پہنچ چکے تھے۔)

ان کی پوری زندگی علم حدیث کی تدریس میں گزری۔ لکھنے کا موقع بہت کم ملا۔ انھوں نے مختلف سوالوں کے جواب میں فقہی نوعیت کے جو فتوے تحریر کیے، ان کے علاوہ ان کی مندرجہ ذیل کتابوں کا پتا چل سکا ہے۔

① ..... مائۃ مسائل

② ..... مسائل اربعین

③ ..... تذکرۃ الصوم

حضرت شاہ محمد اسحاق دہلوی نے ستر برس کی عمر پاکر ماہِ رجب ۱۲۶۲ھ (جولائی ۱۸۴۶ء) کو مکہ معظمہ میں انتقال کیا اور جنت المعلیٰ میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی قبر کے قریب دفن کیے گئے۔ ❸

---

❶ الحیات بعد الممات، ص:۴۶

❷ الحیات بعد الممات، ص:۴۶

❸ آثار الصنادید، ص:۲۷۵

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مولانا خطیب محمد معین الدین انصاری سہسوانی

(وفات ۱۸۵۵ء)

ہندوستان کے صوبہ یوپی کے مختلف مقامات میں بے شمار علما وصلحاء پیدا ہوئے، جنھوں نے کتاب وسنت کی بے حد خدمات سرانجام دیں، تعلیم وتدریس کی صورت میں بھی، تصنیف وتالیف کے ذریعے سے بھی اور وعظ وتبلیغ کے رنگ میں بھی۔ ان مقامات میں ایک مقام کا نام سہسوان ہے جو ضلع بدایوں کا ایک مشہور قصبہ ہے۔ کسی زمانے میں یہ نہایت مردم خیز قصبہ تھا، جس میں لا تعداد اہل علم اور اصحابِ فضل نے جنم لیا اور ان کی کوششوں سے اللہ اور رسول (ﷺ) کے احکام دور دراز علاقوں تک پہنچے۔

بارھویں صدی ہجری کے اوائل (۱۷۸۸ء) کے پس وپیش سہسوان میں ایک بچہ پیدا ہوا، جس کے باپ کا نام خطیب بخش الدین انصاری تھا۔ اس خاندان کے افراد کے اصل نام سے پہلے ''خطیب'' کا لفظ لگایا جاتا تھا، اس لیے کہ چوتھے مغل حکمران نور الدین جہاں گیر کے عہد حکومت سے وہاں کی جامع مسجد کی خطابت اس خاندان کے سپرد تھی اور ان لوگوں کو خطیب کہا جانے لگا تھا۔ خطیب بخش الدین نے اپنے اس بیٹے کا نام خطیب محمد معین الدین رکھا۔

یہ بچہ شروع ہی سے ذہانت کے جوہر سے بہرہ ور اور تحصیل علم کا شائق تھا۔ باپ نے بھی اس سلسلے میں بیٹے کی بے حد حوصلہ افزائی کی، چناں چہ اس کے لیے اس نے رام پور، لکھنؤ اور دہلی کا سفر کیا اور تفسیر، حدیث، فقہ، اصولِ فقہ وغیرہ تمام علوم کی تحصیل کی اور جن عالی قدر اساتذہ سے کی، وہ تھے مولانا عبدالحی بڈھانوی، مولانا محمد اسماعیل شہید دہلوی اور حضرت شاہ محمد اسحاق دہلوی رحمۃ اللہ علیہم۔

اب وہ مولانا خطیب محمد معین الدین انصاری کے نام سے متعارف ہوئے۔ تحصیل علم کے بعد ان عظیم المرتبت اساتذہ کی رفاقت میں انھوں نے درس وتدریس کی مسند بھی آراستہ کی اور وعظ وتبلیغ کے لیے بھی مختلف مقامات کے دورے کیے۔ اپنے مسکن سہسوان اور اس کے قرب وجوار میں مولانا خطیب محمد معین الدین انصاری نے تبلیغ دین کے لیے بالخصوص انتہائی تگ وتاز کی۔

ان کا وعظ نہایت مؤثر ہوتا تھا۔ قرآن وحدیث کے حوالوں سے شرک وبدعات اور غلط رسوم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہندوانہ کا سخت الفاظ میں ردّ کرتے۔ غمی اور شادی کے مواقع پر جن حرکات کا ارتکاب کیا جاتا ہے، ان سے زور دار انداز میں لوگوں کو روکتے اور احکامِ شریعت پر عمل کرنے کی تلقین فرماتے۔ نذر و نیاز، قبر پرستی، مزاروں پر حاضری اور پیروں فقیروں سے طلب امداد سے منع فرماتے۔ نماز، روزے، حج، زکوۃ وغیرہ فرائض کے لیے قرآن وحدیث میں جو احکام دیے گئے ہیں، انھیں انتہائی جوش وجذبے کے ساتھ بیان کرتے۔ نماز نہ پڑھنے والے کے ساتھ نہایت سختی کا برتاؤ کرتے۔ اس سلسلے میں ان کے بعض واقعات بھی مشہور ہیں۔

ایک مرتبہ ایک مسجد میں نماز پڑھنے گئے جو تحصیل دار کے دفتر کے قریب تھی۔ اذان ہوئی، نمازی آئے لیکن تحصیل دار صاحب نماز کے لیے نہیں آئے۔ مولانا خطیب معین الدین اس کے دفتر پہنچ گئے۔ اس سے مخاطب ہو کر فرمایا نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں کیوں نہیں گئے؟ اٹھو مسجد میں آؤ اور نماز پڑھو۔ تحصیل دار نے کچھ پس وپیش کیا تو اسے نماز پڑھنے کا شرعی حکم سنایا۔ پھر بھی نہ اٹھا تو آگے بڑھ کر اسے پکڑ لیا اور کھینچ کر کرسی سے اتارا۔ وہ ڈر گیا۔ مولانا گھسیٹتے ہوئے اسے مسجد میں لے آئے اور نماز پڑھائی۔ اس کے بعد وہ پکا نمازی ہو گیا۔ اپنے عملے اور دوسرے لوگوں کو بھی نماز کی تلقین کرنے لگا۔

نماز پڑھنے کا حکم سنانے کے لیے وہ لوگوں کے گھروں میں جاتے، گلیوں میں گھومتے اور بچوں، جوانوں اور بوڑھوں کو اس کی تاکید کرتے۔ ان کی تبلیغ کا نتیجہ یہ ہوا کہ قصبے کے تمام مسلمان نماز کی پابندی کرنے لگے، بدعات سے دست کش ہو گئے اور غمی شادی کے مواقع کی تمام رسوم ترک کر دیں۔

ایک مرتبہ ایک گاؤں میں گئے جس کا نام سید پور تھا۔ وہاں ایک شخص سے نماز پڑھنے کے لیے کہا تو وہ بھاگ گیا۔ مولانا بھی اس کے پیچھے بھاگے۔ وہ مارے ڈر کے درخت پر چڑھ گیا۔ یہ بھی درخت پر چڑھ گئے۔ اس نے درخت سے چھلانگ لگا دی تو انھوں نے بھی لگا دی، کچھ زخمی تو ہوئے مگر کوئی پروا نہ کی۔ وہ وہاں سے بھاگا، آگے کنواں تھا اس میں گر گیا۔ مولانا بھی اسے پکڑنے کے لیے کنوئیں میں کود گئے۔ اتنے میں لوگ جمع ہو گئے اور دونوں کو کنویں سے نکالا۔

یہ واقعہ مولانا سید عبدالباقی سہسوانی نے اپنی کتاب ''حیاۃ العلماء'' میں بیان کیا ہے جو سہسوان کے علماے کرام کے حالات پر مشتمل ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ میں نے اس شخص کو اس کے گاؤں سید پور میں ۱۲۹۶ھ (۱۸۷۹ء) میں دیکھا۔ وہ اس وقت بوڑھا ہو چکا تھا اور کم زوری اس پر غالب آ گئی تھی۔ اس سے واقعہ کے متعلق پوچھا تو اس نے اس کی تصدیق کی۔ اس نے بتایا کہ اس کے بعد وہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

نماز کا پابند ہوگیا تھا اور اپنے خاندان کے تمام افراد اور ملنے والوں کو نماز کی تلقین کرنا اس نے اپنے آپ پر ضروری ٹھہرالیا تھا اور اس کے کہنے پر لوگ باقاعدگی سے نماز پڑھتے تھے۔

مولانا خطیب معین الدین انصاری کی خصوصیات میں ایک خصوصیت یہ بیان کی جاتی ہے کہ وہ کسی غیر مسلم بلکہ کسی غیر متشرع حاکم کی تکریم نہ کرتے اور جس گاؤں میں وعظ وتبلیغ کے لیے جاتے وہاں کے باشندوں کی دعوتِ طعام قبول نہ فرماتے۔ اگر وعظ کے سلسلے میں کہیں چند روز قیام کرنا پڑتا تو محنت مزدوری کرکے گزر اوقات کرتے۔ مساکین وبیوگان اور یتامیٰ کی خود بھی مدد فرماتے، مال دار لوگوں کو بھی اس کی ترغیب دیتے۔

وہ بارعب شخصیت کے مالک تھے۔ احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کے معاملے میں کسی سے نہ خوف زدہ ہوتے، نہ کسی کی رعایت کرتے۔ صاف گو عالم تھے۔

زندگی کے آخری دور میں دینی مسائل کی تعلیم اور مسلمانوں کی اصلاح کے لیے زیادہ تر ضلع بلند شہر کے ایک قصبے ''ڈبائی'' میں رہنے لگے تھے۔ اردگرد کے دیہات میں تبلیغ کے لیے جاتے اور پھر وہیں آجاتے۔ وہیں کسی بدبخت نے ان کے رات کے کھانے میں زہر ملا دیا اور اس کے اثر سے نماز فجر سے پہلے وفات پاگئے۔ یہ ۱۲۷۲ھ کے اوائل کی بات ہے۔ عیسوی حساب سے ۱۸۵۵ء کے اکتوبر کا مہینا تھا۔ یعنی ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سے تقریباً ڈیڑھ سال قبل ان کا انتقال ہوا۔

جنازہ ہوا تو لوگوں نے دیکھا کہ قصبہ ڈبائی کی کل آبادی سے تین گنا زیادہ لوگ اس میں شامل تھے۔ حاضرین کا یہ انبوہِ کثیر دیکھ کر وہاں کے لوگ حیران تھے کہ یہ اتنے لوگ کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں۔ اس کے بعد ان کی میت سہسوان لائی گئی اور وہاں دوسری دفعہ جنازہ پڑھا گیا تو وہاں بھی بے شمار لوگ جنازے میں شریک تھے۔ ڈبائی اور سہسوان کے بزرگوں کا خیال تھا کہ جنازے میں اتنا بڑا اجتماع ملائکہ رحمت کا تھا۔

کتاب ''حیاۃ العلماء'' کے مصنف مولانا سید محمد عبدالباقی سہسوانی رقم طراز ہیں کہ میرے والد مولانا سید سراج احمد سہسوانی نے اسی رات خواب میں دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ وفات پاگئے ہیں۔ یہ خواب انھوں نے مولانا بزرگ علی مارہروی کو سنایا تو انھوں نے فرمایا کہ کسی عالم دین اور ہادیٔ برحق کا انتقال ہوگیا ہے۔ پھر لوگوں نے دیکھا کہ اسی دن شام کو مولانا خطیب محمد معین الدین انصاری کی نعش مبارک سہسوان آئی۔

ان کی تاریخ وفات اُس دور کے ایک مؤرخ معجز نے ان اشعار سے نکالی۔

مقتدائے دین معین الدین خطیب
بود مردِ متقی نیکو سرشت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بہر تاریخ وفاتِ آں بزرگ
گفت معجز باد جانش در بہشت ❶

۱۲۷۲ھ

مولانا خطیب معین الدین کے بیٹے مولوی محمد اسماعیل خطیب انصاری تھے۔ ۱۲۶۵ھ (۱۸۴۹ء) میں پیدا ہوئے۔ باپ کی وفات کے وقت صرف آٹھ سال کے تھے۔ مولانا سید امیر حسن سہسوانی اور مولانا محمد بشیر سہسوانی نے ان کی تربیت کی اور تفسیر، حدیث، فقہ وغیرہ علوم کی کتابیں پڑھائیں۔ نہایت صالح، متقی اور واعظ تھے۔ اپنے مواعظ میں لوگوں کو احکام شریعت پر عمل کرنے کی تلقین فرماتے۔ بے شمار لوگ ان کے وعظوں سے متاثر ہو کر عامل کتاب وسنت ہوئے۔ اس عالم دین نے ۱۹۱۹ء (۱۳۳۷ھ) میں وفات پائی۔ ❷

---

❶ حیات العلماء (از مولانا سید عبدالباقی سہسوانی) ص: ۳۵ تا ۳۷۔ مطبع منشی نول کشور لکھنؤ ۱۹۲۲ء۔ ۱۳۴۰ھ

❷ حیات العلماء ص: ۱۱۵، ۱۱۶

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مولانا غلام العلّی قصوری

(وفات ۱۷۔ اپریل ۱۸۸۹ء)

مولانا غلام العلّی کی دو کتابوں کا تذکرہ جو قرآن سے متعلق ہیں ''برصغیر کے اہل حدیث خدام قرآن'' میں کیا گیا ہے۔ اسی کتاب میں ان کے مختصر حالات بیان کیے گئے ہیں۔ اب ذیل میں حدیث کے بارے میں ان کی خدمات ملاحظہ ہوں۔

متحدہ پنجاب کے جن حضرات نے کتاب وسنت کی اشاعت اور توحید کی تبلیغ کو اپنا مقصد حیات قرار دیا، ان میں ایک بزرگ یہی مولانا غلام العلّی قصوری تھے، جو تقریباً ۱۸۲۶ء (۱۲۴۱ھ) کو قصور میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام حافظ محمد داؤد تھا۔ کئی پشتوں سے اس خاندان میں پیری مریدی کا سلسلہ چلا آ رہا تھا۔

مولانا غلام العلّی نے ابتدائی تعلیم اپنے والد اور قصور کے بعض حضرات سے حاصل کی۔ اس وقت موضع بگہ (ضلع جھنگ) کے دو معروف علمائے دین مولانا غلام محی الدین بگوی اور مولانا احمد الدین بگوی کا لاہور میں سلسلہ درس جاری تھا۔ غلام العلّی ان کی خدمت میں گئے اور ان سے قرآن وحدیث اور دیگر علوم کی تحصیل کی۔

مولانا حافظ غلام محی الدین اور مولانا احمد الدین دونوں حقیقی بھائی تھے اور دونوں نے دہلی جا کر حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب سے کتب حدیث پڑھی تھیں۔ حافظ غلام محی الدین کو حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب کے کہنے پر حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے سند حدیث عطا فرمائی تھی اور مولانا احمد الدین کو حضرت شاہ محمد اسحاق نے سند سے نوازا تھا۔

مولانا غلام العلّی کو پیری مریدی کے سلسلے سے کوئی دلچسپی نہ تھی جو ایک عرصے سے ان کے خاندان میں چلا آ رہا تھا، اس لیے وہ قصور کی سکونت ترک کر کے فیروزپور چلے گئے اور فوج میں خطابت کا فریضہ انجام دینے لگے۔

اس زمانے میں ان کے بڑے بھائی مولوی غلام رسول امرتسر کے ایک مدرسے میں دینیات کے مدرس تھے۔ ۱۸۵۳ء میں انھوں نے مولانا غلام العلّی کو بھی وہیں بلا لیا اور نائب مدرس کے طور پر ان کا تقرر اس مدرسے میں ہوا۔ ۱۸۶۱ء تک یعنی آٹھ سال وہ بہ طور نائب مدرس فریضہ تدریس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

انجام دیتے رہے۔

اب انھوں نے اپنی پوری زندگی تبلیغ دین اور اشاعت توحید کے لیے وقف کرنے کا عزم کرلیا۔ ملازمت چھوڑ دی اور ہمہ تن رشد وہدایت میں مصروف ہوگئے۔ امرتسر میں ''مسجد سرکی بنداں'' سالہا سال سے غیر آباد تھی۔ انھوں نے اس مسجد کو اپنا مرکز بنایا اور وعظ وتبلیغ کے لیے کمر ہمت باندھی۔ ان کے وعظ خالص قرآن وحدیث کے مسائل پر مشتمل ہوتے تھے۔ والدین نے ان کا نام غلام علی رکھا تھا، لیکن انھوں نے اسے ''غلام العلی'' میں بدل دیا (یعنی اللہ کا غلام)۔ مسلمانوں میں جو خلاف اسلام رسوم پھیل گئی تھیں، ان کی مخالفت کرنے اور تقلید کے بجائے براہِ راست قرآن وحدیث پر عمل کی تلقین کو اپنا شعار بنا لیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ امرتسر میں تقلید اور عدم تقلید کے موضوع پر بحثیں ہونے لگیں۔ قرآن وحدیث کے جن مسائل سے وہاں کے لوگ آگاہ نہ تھے، مولانا غلام العلی اپنے وعظوں میں ان مسائل کو صراحت سے بیان کرنے لگے۔ امرتسر میں اس وقت ان کی یہ پہلی آواز تھی اور لوگوں کے لیے بالکل نئی آواز .....! اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مولانا غلام العلی کے خلاف ایک محاذ قائم ہوگیا۔ مسجد سرکی بنداں کے متولی بھی ان کے مخالف ہوگئے۔ اب مولانا نے ایک نئی مسجد بنانے کا عزم کیا، جس کے وہ خود ہی متولی اور خود ہی امام وخطیب ہوں۔ لیکن اس کے لیے سرمایہ کی ضرورت تھی جو ان کے پاس نہ تھا۔ اس کا حل انھوں نے یہ نکالا کہ قصور جا کر اپنا ذاتی مکان فروخت کیا اور اس سے جو سرمایہ حاصل ہوا، اس کی امرتسر میں جگہ خریدی اور مسجد تعمیر کی۔

مولانا غلام العلی کی اپنی زمین اور اپنے خرچ سے تعمیر کردہ یہ مسجد اہل حدیث کا مرکز قرار پائی۔ اس مسجد میں انھوں نے ایک مدرسہ قائم کیا، جس کا نام ''مدرسہ تائید الاسلام'' رکھا۔ اس مدرسے میں انھوں نے خود ہی قرآن وحدیث کی تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ مولانا احمد اللہ رئیس امرتسری نے اس مدرسے میں ان سے تعلیم حاصل کی۔ پھر وہ کچھ عرصہ اس مدرسے میں پڑھاتے بھی رہے۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری نے اسی مدرسے میں ابتدائی تعلیم حاصل کی اور مروّجہ علوم کی تکمیل کے بعد کچھ مدت اس میں درس وتدریس کی خدمت پر مامور رہے۔

بہرحال امرتسر میں عمل بالحدیث کا چرچا مولانا غلام العلی قصوری کی کوششوں سے ہوا۔ حضرت سید عبداللہ غزنوی اس کے بعد غزنی سے امرتسر تشریف لائے تھے۔ ایک روایت کے مطابق امرتسر میں ان کے قیام کا باعث مولانا غلام العلی ہی تھے۔

مولانا غلام العلی قصوری اور مولانا سید عبداللہ غزنوی کے باہمی تعلقات بے حد مخلصانہ تھے۔ تاہم بعض مسائل میں علمی نوعیت کا اختلاف بھی تھا۔ مثلاً حضرت سید عبداللہ غزنوی الہام اور بیعت کے نہ صرف قائل تھے بلکہ کوئی ان سے بیعت کرنا چاہتا تو اس سے بیعت لیتے بھی تھے، جب کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مولانا غلام العلی قصوری پیری مریدی کے اس سلسلے سے اختلاف کرتے تھے۔ اس موضوع پر انھوں نے تحقیق الکلام فی البیعۃ والالہام کے نام سے کتاب لکھی۔ اس کتاب کا جواب حضرت سید عبداللہ غزنوی کے صاحب زادۂ عالی قدر حضرت الامام سید عبدالجبار غزنوی نے لکھا۔ جواب کا لہجہ کچھ تلخ تھا، جسے حضرت سید عبداللہ غزنوی نے پسند نہیں فرمایا۔ اختلاف کے باوجود مولانا عبداللہ غزنوی عیدگاہ میں ان کی امامت میں عیدین کی نمازیں ادا فرماتے رہے۔

امرتسر سے تعلق رکھنے والے ایک اہل قلم محمد حسن عرشی ایک مضمون میں (جو ۱۷۔ جون ۱۹۶۲ء کے روزنامہ ''امروز'' لاہور میں شائع ہوا تھا) لکھتے ہیں کہ امرتسر کے ایک بزرگ نے مولانا غلام العلی سے کہا کہ میں آپ کی اور حضرت سید عبداللہ غزنوی کی اپنے گھر میں دعوت کرنا چاہتا ہوں۔ اس دعوت سے یہ معلوم کرنا مقصود ہے کہ بیعت وغیرہ کے سلسلے میں آپ دونوں حضرات کا کیا موقف ہے۔ حضرت عبداللہ غزنوی صاحب سے گفتگو کا آغاز آپ کی طرف سے ہونا چاہیے۔ مولانا غلام العلی قصوری نے ان کی درخواست قبول کی اور جو کچھ وہ حضرت سید صاحب سے پوچھنا چاہتے تھے، اسے ذہن میں مستحضر کرلیا۔ چناں چہ ان صاحب کی طرف سے دعوت کا انتظام کیا گیا اور دونوں بزرگ تشریف لے آئے۔ خور و نوش سے فارغ ہو چکے تو مولانا غلام العلی قصوری نے حضرت سید عبداللہ غزنوی سے مخاطب ہو کر کہا:

''ازشما چیزے پُرسیدن خواہم۔''

(آپ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں)

حضرت سید صاحب نے فرمایا:

''بلے اگر نیت بخیر باشد۔''

(ہاں! اگر نیت بخیر ہو)

یہ الفاظ سن کر مولانا غلام العلی قصوری خاموش ہوگئے۔ بات آگے نہ بڑھی اور مجلس برخاست ہوگئی۔

یہ ان دونوں بزرگوں کے اخلاص اور تعلق باللہ کی بہت بڑی علامت ہے۔

مولانا غلام العلی قصوری جہاں قرآن وحدیث کے درس وتدریس میں مصروف رہتے تھے، وہاں تصنیف وتالیف میں بھی اپنا ایک مقام رکھتے تھے۔ ان کی دو کتابوں کا تذکرہ ہم اپنی کتاب ''برصغیر کے اہل حدیث خدامِ قرآن'' میں کر چکے ہیں جو قرآن کے موضوع سے تعلق رکھتی ہیں۔ ایک کتاب کا نام ''تحریق القرآن'' ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ قرآنِ مجید کے بوسیدہ اوراق کی بے ادبی ہوتی ہو تو انھیں جلایا جاسکتا ہے۔ دوسری کتاب ''تفسیر القرآن'' ہے جس میں قرآنِ مجید کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

چند سورتوں کی تفسیر بیان کی گئی ہے۔

اب ان کی وہ کتابیں ملاحظہ فرمایے جو انھوں نے حدیث رسول (ﷺ) اور اسلامی احکام کے متعلق تصنیف فرمائیں۔

①..... جواب الاستفسار فی التعامل مع الکفار: یہ مولانا کا فارسی زبان میں ایک رسالہ ہے جو انھوں نے کفار اور مشرکین کی ملازمت کے جواز میں لکھا۔ مولانا کے پوتے مولانا محمد داؤد ایڈووکیٹ نے اس کا اردو ترجمہ ''کفار کی نوکری'' کے نام سے کیا جو اخبار ''اہل حدیث'' (امرتسر) کی تین اشاعتوں (۱۴ جولائی تا ۲۸ جولائی ۱۹۳۹ء) میں چھپا۔

②..... تحقیق الکلام فی البیعۃ والالہام: اس میں بیعت اور الہام کے مسئلے پر بحث کی گئی ہے۔ اس کا تعلق حضرت سید عبداللہ غزنوی رحمہ اللہ کے نقطہ نظر سے ہے۔

③..... رسالہ اثنا عشریہ: اس میں وظیفہ یا شیخ عبدالقادر، استمداد لغیر اللہ اور ندائے غیب جیسے مسائل پر گفتگو کی گئی ہے اور انھیں ناجائز قرار دیا گیا ہے۔

④..... تذکرۃ الحق: یہ رسالہ حدیث قرطاس سے متعلق ہے۔

⑤..... القول المبین: یہ مولانا غلام العلی قصوری کا عربی رسالہ ہے اور ردّ تقلیدِ شخصی کے موضوع پر ہے۔ اس کا اردو ترجمہ ان کے صاحب زادے عبدالرحمٰن نے ''القول المبین فی عدم وجوب التقلید'' کے نام سے ۱۹۲۶ء میں شائع کیا۔

⑥..... الشافیہ ترجمہ اردو حمویہ فی الرد علی الجہمیہ: یہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ کی تالیف کا ترجمہ ہے جو لاہور سے شوال ۱۲۹۱ھ میں طبع ہوا۔

⑦..... التسویہ فی ترقیمۃ القول السرمدیہ: (اردو)

⑧..... اظہار المحذور فی شہادۃ الزور: (اردو)

⑨..... تائید الاسلام: (اردو) یہ مسیحی مبلغوں کے ان اعتراضات کا جواب ہے جو انھوں نے قرآنِ مجید اور نبی ﷺ کے معجزات پر کیے۔

حضرت میاں سید نذیر حسین دہلوی نے مولانا ارشاد حسین کی کتاب ''انتصار الحق'' کے جواب میں ''معیار الحق'' تصنیف فرمائی، اس پر حضرت میاں صاحب کے معاصر علماے کرام اور تلامذہ نے عربی میں تقاریظ لکھیں۔ ان حضرات میں مولانا غلام العلی قصوری، ان کے شاگرد مولانا احمد اللہ امرتسری، حافظ محمد لکھوی، مولانا حافظ عمر الدین ہوشیار پوری، مولانا عظیم الدین حسین انصاری عظیم آبادی اور متعدد دوسرے علما شامل ہیں۔

مولانا غلام العلی قصوری شعری ذوق بھی رکھتے تھے۔ کبھی کبھی خود بھی شعر کہتے تھے۔ لیکن ان کے اشعار میں ان کا مسلکی رنگ غالب ہوتا تھا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مولانا ممدوح استقسا کے مرض میں مبتلا ہوگئے تھے۔ اسی مرض سے انھوں نے ۱۶۔ شعبان ۱۳۰۶ھ (۱۷۔ اپریل ۱۸۸۹ء) کو امرتسر میں وفات پائی۔

مولانا غلام العلی قصوری کا ایک ''قصیدہ علیا نعتیہ'' ۴۔ دسمبر ۱۹۳۱ء کے اخبار ''اہل حدیث'' (امرتسر) میں شائع ہوا تھا۔ اس پر مولانا امرتسری لکھتے ہیں:

''امرتسر میں توحید وسنت کے اوّل مبلغ مولانا ابوعبداللہ غلام العلی تھے۔ ..... امرا و رؤسا کے دروازوں پر نہیں جاتے تھے۔ بڑے صابر وشاکر۔ روز وشب قرآن وحدیث کے درس میں مشغول..... قصیدہ علیا ان کے اخلاص واعتقاد کا پورا مظہر ..... اللھم اغفرله وارفع منزلته۔''

مولانا غلام العلی قصوری کے دو بیٹے تھے، خلیفہ عبدالرحمٰن اور خلیفہ عبدالرحیم ..... مولانا کی وفات کے بعد امرتسر میں اہل حدیث کی عیدگاہ کی امامت خلیفہ عبدالرحمٰن کے سپرد ہوئی۔

اب چند اور باتیں ملاحظہ فرمایئے، جن کا تعلق مولانا غلام العلی سے بھی ہے اور منکرین حدیث سے بھی۔

ہمارے فاضل دوست ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر (ڈائریکٹر سیرت چیئر اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور) نے مولانا غلام العلی قصوری کا شمار برصغیر کے منکرین حدیث میں کیا ہے، حالاں کہ جیسا کہ گزشتہ سطور میں عرض کیا گیا وہ پختہ فکر عالم حدیث تھے اور یہی ان کا مسلک تھا۔ اس مسلک کے لیے انھوں نے اپنے قریبی رشتے داروں سے علیحدگی اختیار کی اور اس کی ترویج واشاعت کی خاطر اپنی جائداد بیچ کر امرتسر میں مسجد تعمیر کرائی جو اس دور کے امرتسر میں اہل حدیث کی پہلی مسجد تھی۔ میرے خیال میں مولانا غلام العلی قصوری واحد عالم دین ہیں، جنھوں نے اتنی بڑی قربانی دی۔ اس مسجد میں تائید الاسلام کے نام سے دینی مدرسہ قائم کیا، جس میں ان کے شاگرد حضرت مولانا احمد اللہ صاحب فریضہ تدریس انجام دیتے رہے۔ اسی مدرسے میں مولانا ثناء اللہ امرتسری نے ابتدائی تعلیم حاصل کی اور فارغ التحصیل ہونے کے بعد وہ کچھ عرصہ اس مدرسے میں طلبا کو پڑھاتے بھی رہے۔

ڈاکٹر صاحب ممدوح نے برصغیر میں منکرین حدیث کے پانچ مراکز بتائے ہیں:

①..... امرتسر۔ ②..... دہلی۔ ③..... علی گڑھ۔ ④..... کراچی اور ⑤..... لاہور [1]

ڈاکٹر صاحب کے اس فرمان کے سلسلے میں گزارش ہے کہ امرتسر میں منکر حدیث صرف ایک شخص تھے اور وہ تھے خواجہ احمد الدین۔ انھوں نے کچھ تعلیم مولانا غلام العلی سے ضرور حاصل کی تھی، لیکن ان کا وہاں کوئی قابل ذکر اثر نہ تھا۔ اتنے بڑے شہر میں ایک یا دو چار آدمیوں کو مرکز نہیں قرار

---

[1] ملاحظہ ہو علوم الحدیث۔ فنی فکری اور تاریخی مطالعہ۔ ص: ۸۱۲۔ نیز ص: ۸۳۰، ۸۳۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

دیا جاسکتا۔ وہ مولانا ثناء اللہ صاحب کا شہر تھا، جنھوں نے تفسیر، حدیث، فقہ وفتاویٰ، درس وتدریس میں نہ صرف برصغیر بلکہ پوری دنیا کے علمی حلقوں میں شہرت پائی اور منکرین حدیث، مرزائیت، عیسائیت، آریہ سماج وغیرہ کو تحریری، تقریری اور مناظراتی صورت میں شکست دی۔ مولانا ممدوح ذاتی طور پر اس شہر میں خدمت حدیث کا رفیع المنزلت ادارہ اور عظیم الشان مرکز تھے۔

امرتسر ہی میں اہل حدیث کا مدرسہ غزنویہ جاری تھا، جس میں حضرت سید عبداللہ غزنوی سے لے کر حضرت مولانا محمد داؤد غزنوی تک بے شمار حضرات خدمت درس سر انجام دیتے رہے اور لاتعداد حضرات نے ان سے علم حدیث پڑھا اور پھر آگے اس کی تعلیم دی۔ اسی شہر میں حضرت حافظ عبداللہ روپڑی کتب حدیث پڑھاتے رہے۔ اسی شہر میں دیوبندی عالم مفتی محمد حسن کا مدرسہ جاری تھا۔ اسی شہر میں مولانا نور احمد کا سلسلہ تدریس قائم تھا۔ ان کے علاوہ بھی کئی مدارس تھے، جن میں علمائے کرام تعلیم دیتے تھے۔ اس شہر میں اشاعت حدیث کے متعدد مراکز تھے اور بہت سی مسجدیں تھیں۔ یہ شہر منکرین حدیث کا مرکز نہیں تھا، معلّمین سنت رسول (ﷺ) اور مبلغین حدیث کا مرکز تھا۔

ان مدارس وشخصیات کی موجودگی میں وہاں کسی منکر حدیث کا چراغ نہیں جل سکتا تھا اور نہیں جلا، جیسا کہ ہمارے دوست ڈاکٹر صاحب ممدوح نے آخر میں خود ہی فرما دیا کہ امرتسر میں انکارِ حدیث کو فروغ حاصل نہ ہوسکا اور عام مسلمان اس بادِ سموم سے محفوظ رہے۔ ❶

امرتسر کو ''مرکز انکارِ حدیث'' قرار دے کر پہلے تو ڈاکٹر صاحب نے ہمیں گھبراہٹ میں ڈالا، پھر اطمینان دلا دیا۔ شکریہ.....!

دہلی بھی منکرین حدیث کا مرکز نہیں تھا۔ وہاں ایک شخص غلام احمد پرویز تھے، جنھوں نے ''طلوعِ اسلام'' کے نام سے ایک رسالہ جاری کیا اور انکارِ حدیث کی مہم چلائی۔ دوسرے حافظ محمد اسلم جیراج پوری تھے جو جامعہ ملیہ میں پڑھاتے تھے۔ وہ کئی کتابوں کے مصنف تھے، لیکن خاص انکار حدیث کے موضوع پر ان کی کوئی قابل ذکر تصنیف نہیں ہے، نہ ان سے کوئی متاثر ہوا۔ خود جامعہ ملیہ میں ان کے افکار کا نہ کسی استاد پر کوئی اثر پڑا، نہ کسی شاگرد پر۔ دو یا دس پانچ آدمیوں کی وجہ سے دہلی کو منکرین حدیث کا مرکز نہیں قرار دیا جاسکتا۔ یہ شہر حضرت شاہ ولی اللہ محدث سے لے کر ہمیشہ تدریس حدیث کا مرکز رہا۔ یہاں حضرت میاں سید نذیر حسین دہلوی، حضرت شاہ عبدالغنی مجددی، مفتی صدر الدین آزردہ، مولانا محمد بشیر سہسوانی کی مساند درسِ حدیث بچھی رہیں۔ مولانا عبدالوہاب کا مدرسہ دارالکتاب والسنۃ، مولانا احمد اللہ صاحب کا مدرسہ زبیدیہ، مولانا محمد جونا گڑھی کا مدرسہ محمدیہ، مولانا عبدالسلام کا مدرسہ ریاض الاسلام، حافظ حمید اللہ کا مدرسہ حمیدیہ، شیخ عبدالرحمٰن عطاء الرحمٰن کا

---

❶ علوم الحدیث، ص: ۸۳۰

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

جاری کردہ مدرسہ رحمانیہ، یہ سب مدارس اسی شہر میں تھے۔ مدرسہ رحمانیہ میں مولانا عبدالسلام مبارک پوری، مولانا عبید اللہ رحمانی مبارک پوری، مولانا نذیر احمد املوی رحمانی شائقین علوم حدیث کو درسِ حدیث دیتے رہے۔

دہلی ہی میں مولانا شرف الدین کا مدرسہ سعیدیہ تھا، اسی شہر کے بعض مدارس میں مولانا سید تقریظ احمد سہسوانی کا سلسلۂ درس جاری رہا۔ اسی شہر میں مفتی کفایت اللہ کا مدرسہ امینیہ تھا اور اسی شہر میں مدرسہ فتح پوری تھا۔ ان مدارس اور بے شمار علماے حدیث کی سکونت وتدریس کی بنا پر اس شہر کو ہر دور میں بہت بڑے مرکز حدیث کی حیثیت حاصل رہی اور اللہ کے فضل سے یہ شہر اب بھی مرکز حدیث ہے۔ انکارِ حدیث کے جراثیم یہاں پھیل نہیں سکے۔

علی گڑھ بھی کبھی الحاد یا انکارِ حدیث کا مرکز نہیں رہا۔ بے شک ایک زمانے میں سرسید احمد خاں کے بعض مذہبی افکار میں تبدیلی آ گئی تھی لیکن ان کے مذہبی افکار سے چند افراد ہی متاثر ہوئے۔ خود ان کے سوانح نگار مولانا حالی (مصنف حیات جاوید) پر ان کے مذہبی افکار کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ انھوں نے علی گڑھ کالج (پھر مسلم یونیورسٹی) قائم کرکے ہندوستانی مسلمانوں کی بے حد خدمت کی، اس پر کسی کو اعتراض نہیں، بلکہ سب اسے ان کا عظیم کارنامہ قرار دیتے ہیں۔ مذہبی اعتبار سے علی گڑھ مولانا عبدالجلیل شہید کا شہر تھا، جنھوں نے ۱۸۵۷ء میں انگریزوں سے لڑتے ہوئے اسی شہر میں شہادت پائی، ان کے بیٹے مولانا محمد اسماعیل کا شہر تھا۔ مولانا عبدالتواب غزنوی علی گڑھی کا شہر تھا، جنھیں ہزاروں حدیثیں زبانی یاد تھیں۔ اس شہر میں ہمیشہ علمائے حدیث کا اثر رہا۔ اب بھی یہی حالت ہے۔ وہاں کے لوگ منکرین حدیث سے متاثر نہیں ہیں۔ وہ حدیث کو ماننے والے اور اس پر عمل کرنے والے مسلمانوں کا مرکز تھا اور مرکز ہے۔

کراچی کے متعلق ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں: ''کراچی بھی منکرین حدیث کا ایک اہم مرکز رہا ہے اور ہے۔'' گزارش ہے کہ کراچی منکرین حدیث کا کبھی اہم مرکز نہیں تھا اور نہ ہے۔ غلام احمد پرویز یا تمنا عمادی یا کسی ایک آدھ اور منکر حدیث کے کراچی آجانے سے اتنا بڑا شہر ان کا مرکز نہیں بن سکتا۔ کراچی اشاعت حدیث کا مرکز ہے، جہاں حافظ عبدالستار دہلوی کے نام کا بہت بڑا تدریسی ادارہ جامعہ ستاریہ قائم ہے۔ اس جامعہ کے اصحاب انتظام نے تفسیر، حدیث اور علوم دینیہ کی چھوٹی بڑی بے شمار کتابیں شائع کی ہیں اور کررہے ہیں۔ کراچی میں مولانا محمد یوسف بنوری کا بہت بڑا دارالعلوم قائم ہے اور کراچی ہی میں مفتی محمد شفیع کا دارالعلوم جاری ہے۔ کراچی سے متبعین حدیث کے متعدد رسائل وجرائد باقاعدگی سے شائع ہورہے ہیں۔ منکرین حدیث کا نہ وہاں کوئی ہفت روزہ جریدہ ہے نہ ماہنامہ رسالہ۔ نہ انکار حدیث کی تبلیغ کرنے والا کوئی مدرسہ ہے، نہ وہاں ان کا اس قسم کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کوئی ادارہ ہے۔ دو چار آدمیوں پر مرکز کے لفظ کا اطلاق نہیں ہوتا۔ وہ دو چار آدمی بھی مر گئے ہیں۔ ان کے نام بھی کوئی نہیں جانتا۔

لاہور کے متعلق ڈاکٹر صاحب کا ارشاد ہے: ''جوں ہی بیسویں صدی کا آغاز ہوا۔ فتنہ انکار حدیث کی وبا نے لاہور جیسے علمی اور تحریکی مرکز کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ گزشتہ صدی میں امرتسر اور علی گڑھ ان کے مراکز تھے۔ لیکن اب لاہور ان کا تیسرا اور سب سے اہم مرکز بنا۔''

اس سے آگے ڈاکٹر صاحب نے عبداللہ چکڑالوی، غلام احمد پرویز اور علامہ عنایت اللہ مشرقی کے نام لکھے ہیں کہ ان کی وجہ سے لاہور انکارِ حدیث کا مرکز قرار پایا۔

یہاں بھی میرے فاضل دوست کو سہو ہوگیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ برصغیر کے دوسرے شہروں کی طرح لاہور منکرین حدیث کا کبھی مرکز نہیں رہا۔ چھ سات منکرین حدیث کی وجہ سے یا ان کی چند کتابوں اور دو ایک ماہانہ رسالوں کی بنا پر یا ہفتے میں ایک مرتبہ دس پندرہ آدمیوں کو کسی کے گھر میں درس وغیرہ دینے کے باعث اسے مرکز سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔ لاہور ہمیشہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے عالموں اور عاملوں کا مرکز رہا ہے۔ اہل حدیث، حنفی، دیوبندی، بریلوی وغیرہ تمام مسالک کے بڑے بڑے مدارس یہاں قائم رہے ہیں اور قائم ہیں۔ پہلے بریلوی حضرات کے مدارس سنیے۔ مفتی محمد حسین نعیمی کی جامعہ نعیمیہ اور مفتی عبدالقیوم ہزاروی کی جامعہ رضویہ اسی شہر میں قائم ہیں اور یہ دینی علوم کے قابل ذکر مراکز ہیں۔ دیوبندی اہل علم کی جامعہ اشرفیہ اور جامعہ مدنیہ بھی اسی شہر میں ہیں، جہاں سیکڑوں طلبا تعلیم حاصل کرتے ہیں۔

اب اہل حدیث کی طرف آیئے! مولانا سید محمد داؤد غزنوی کا جاری کردہ دارالعلوم تقویۃ الاسلام (مدرسہ غزنویہ)، حضرت حافظ عبداللہ روپڑی کی جامعہ قدس، حافظ عبدالرحمٰن مدنی کی جامعہ رحمانیہ، میاں محمد جمیل کا کلیہ ابوہریرہ، جامعہ احسان الٰہی ظہیر۔ مرید کے کو بھی لاہور ہی میں شامل سمجھیے۔ وہاں جماعت الدعوۃ کا مدرسہ۔ لاہور شہر ہی میں حافظ ثناء اللہ خاں مدنی کا مدرسہ، مولانا عبدالرشید مجاہد آبادی کی جامعہ الدراسات الاسلامیہ، جامعہ ابن تیمیہ۔ یہ جماعت اہل حدیث کے چند جامعات ومدارس ہیں، جن میں دن رات قرآن وحدیث کی تعلیم دی جاتی ہے۔ شیعہ حضرات کی جامعہ المنتظر بھی لاہور میں ہے۔ لاہور میں بریلویوں، دیوبندیوں، شیعوں اور اہل حدیث کے یہ تمام مدارس کامیابی سے جاری ہیں اور ان میں سے ہر مدرسے اور ہر جامعہ کو علوم دینیہ کے مرکز کی حیثیت حاصل ہے۔ یاد رہے منکرین حدیث کا لاہور یا برصغیر کے کسی شہر، کسی قصبے اور کسی گاؤں میں چھوٹا بڑا ایک بھی مدرسہ نہیں ہے، جس میں انکارِ حدیث کی تعلیم دی جاتی ہو۔ برصغیر کے مسلمان انکارِ حدیث کے نظریے کو برداشت ہی نہیں کرسکتے۔ تعجب ہے ڈاکٹر صاحب کو دہلی، امرتسر، کراچی اور لاہور کے یہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بڑے بڑے مراکز حدیث نظر نہیں آئے، اور چند ناکام و نامراد منکرین حدیث انھیں بہ طور مرکز دکھائی دینے لگے۔

یہ بھی عجیب بات ہے کہ منکرین حدیث خود کو اہل قرآن کہلاتے ہیں، لیکن ان کا قرآن کی تعلیم کے سلسلے کا بھی پورے برصغیر میں کوئی مدرسہ نہیں ہے، جب کہ اہل حدیث اور دیگر حضرات کے برصغیر کے مختلف مقامات میں بے شمار مدارس قائم ہیں، جن میں حفظ قرآن اور قرأت وتجوید کی باقاعدہ تعلیم دی جاتی ہے اور قرآن کے معانی ومطالب کی وضاحت کی جاتی ہے۔ لاہور میں قرآن کی قرأت وتجوید اور تحفیظ کا ایک بہت بڑا مدرسہ اندرون شیراں والا گیٹ جناب قاری محمد ادریس عاصم کا مدرسہ عالیہ تجوید القرآن ہے اور وہ مسلک کے اعتبار سے اہل حدیث ہیں۔ منکرین حدیث تو وہ ''اہل قرآن'' ہیں جو قرأت وتجوید کو پسند ہی نہیں کرتے اور نہیں چاہتے کہ الف اور عین، قاف اور کاف، ثا اور صاد اور ہا اور حا میں فرق کیا جائے۔ گزارش کا مقصد یہ ہے کہ لاہور انکارِ حدیث کا مرکز نہیں بلکہ اتباعِ حدیث کا مرکز ہے، تدریس حدیث کا مرکز ہے اور صحیح ترین انداز کی تعلیم قرآن کا مرکز ہے۔

اب لاہور کے رسائل وجرائد کی طرف آیئے:

لاہور میں اس وقت منکرین حدیث کا صرف ایک ماہانہ رسالہ ہے، لیکن متبعین قرآن وحدیث کے متعدد رسائل وجرائد جاری ہیں، جن میں جماعت اسلامی کا ماہنامہ ترجمان القرآن ہفت روزہ ایشیا۔ اہل حدیث کا ہفت روزہ الاعتصام ہفت روزہ اہل حدیث ہفت روزہ تنظیم اہل حدیث، ماہنامہ الاخوہ، ماہنامہ الدعوہ، ماہنامہ محدث، ماہنامہ رشد اور دیگر متعدد ماہنامے اور ہفت روزے شامل ہیں، جو دیوبندی، بریلوی، شیعہ حضرات شائع کر رہے ہیں۔

یہاں میرا خود اپنا نام لینے کو بھی جی چاہتا ہے۔ منکرین حدیث کے خلاف اور حدیث کی حمایت میں ہفت روزہ ''الاعتصام'' کا ''حجیت حدیث نمبر'' اپنے دورِ ادارت (فروری ۱۹۵۶ء) میں اس فقیر نے شائع کیا جو بڑے سائز کے ایک سو صفحات پر محیط تھا۔ ہر مقالہ نگار کے ضروری حالات بھی مقالے کے آغاز میں تحریر کیے گئے تھے۔ اس ضخیم نمبر میں اہل حدیث اصحابِ قلم کے علاوہ علماے احناف کے مضامین بھی شامل تھے۔ اس کی اشاعت پر پچپن (۵۵) برس کا طویل عرصہ گزر چکا ہے، لیکن اس کے مندرجات کا لاہور یا برصغیر کا کوئی منکر حدیث جواب نہیں دے سکا۔ ڈاکٹر صاحب کے بیان کردہ منکرین حدیث کے ''پانچوں مراکز'' خاموش رہے۔

لاہور میں منکرین حدیث کا ایک بھی قابل تذکرہ اشاعتی ادارہ نہیں ہے۔ مگر دیوبندیوں، بریلویوں اور اہل حدیث کے بے شمار ادارے قائم ہیں اور ان میں سے بعض تقسیم ملک سے پہلے سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

قائم ہیں۔

لاہور منکرین حدیث کا مرکز یا شہر ہرگز نہیں ہے۔ یہ کن لوگوں کا شہر ہے؟ یہاں میں صرف مرحومین کا ذکر کروں گا۔ یہ شیعہ عالم حافظ کفایت حسین کا شہر ہے۔ یہ مولانا ابوالحسنات قادری کا شہر ہے، مفتی محمد حسین نعیمی کا شہر ہے، مولانا احمد علی کا شہر ہے، مفتی محمد حسن کا شہر ہے، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کا شہر ہے، مولانا عبدالواحد غزنوی کا شہر ہے، مولانا داؤد غزنوی کا شہر ہے، حافظ عبداللہ روپڑی کا شہر ہے، مولانا محمد حنیف ندوی کا شہر ہے، مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی کا شہر ہے، علامہ احسان الٰہی ظہیر کا شہر ہے۔ مولانا عبدالخالق قدوسی کا شہر ہے۔ یہ وہ حضرات ہیں، جنھوں نے اپنے عہد میں قرآن وحدیث کی بے حد تبلیغ کی ہے۔

میرے فاضل دوست ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر کو پوری تلاش کے بعد برصغیر میں صرف دس منکرین حدیث ملے ہیں۔ وہ ہیں: ① مولانا غلام العلّی قصوری۔ ② سر سید احمد خان۔ ③ مولوی چراغ علی۔ ④ خواجہ احمد دین۔ ⑤ علامہ عنایت اللہ مشرقی۔ ⑥ حافظ محمد اسلم جیراج پوری۔ ⑦ عبداللہ چکڑالوی۔ ⑧ غلام احمد پرویز۔ ⑨ نیاز فتح پوری اور ⑩ تمنا عمادی ..... ۔ ان میں سے عبداللہ چکڑالوی وہ شخص ہے، جس کے موقف کو اس کے بیٹے (مولانا محمد ابراہیم) نے بھی تسلیم نہیں کیا۔ بلکہ اس کی سختی سے تردید کی۔ ان دس میں سے مولانا غلام العلّی قصوری منکر حدیث نہیں بلکہ بہت بڑے مبلغ حدیث تھے۔

برصغیر کے جن پانچ شہروں (دہلی، امرتسر، کراچی، علی گڑھ اور لاہور) کو ڈاکٹر صاحب نے منکرین حدیث کے مرکز قرار دیا ہے، ان میں مسلمانوں کی تعداد کم از کم تین کروڑ ہوگی۔ ان تین کروڑ میں سے منکرین حدیث دو سو بھی نہیں ہوں گے۔ اگر ہیں بھی تو ان میں سے کوئی شخص صاف لفظوں میں انکارِ حدیث کی جرأت نہیں کرتا۔

مذہبی اور دینی جماعتوں میں سے لاہور میں جماعت اسلامی کا دفتر ہے، جمعیت اہل حدیث کا دفتر ہے، مجلس احرار کا دفتر ہے، جمعیت علمائے اسلام کا دفتر ہے، جمعیت علمائے پاکستان کا دفتر ہے۔ لیکن اس شہر کے کسی کونے کھدرے میں منکرین حدیث کا کوئی دفتر نہیں ہے۔ جب صورت حال یہ ہے تو یہ شہر منکرین حدیث کا مرکز کیسے ہوگیا.....؟

برصغیر میں لاکھوں علماے حدیث پیدا ہوئے، جنھوں نے تحریری اور تدریسی رنگ میں حدیث اور علومِ حدیث کی بے حد اشاعت کی اور کررہے ہیں۔ کم وبیش چار ہزار بزرگوں کے حالات تو یہ فقیر ہی اپنی مختلف کتابوں میں لکھ چکا ہے۔ ان میں ایک جلیل القدر عالم ومصنف ہمارے دوست ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر کے نانا اور ہمارے نہایت قابل تکریم بزرگ عالم دین محترم المقام مولانا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عبدالقادر حصاروی مرحوم ومغفور کا اسم گرامی بھی شامل ہے۔ یہ فقیر پہلا شخص ہے جس نے ان کے کوائف حیات اپنی کتاب ''کاروانِ سلف'' میں لکھے۔ اب ان شاء اللہ ''چمنستانِ حدیث'' میں خود ڈاکٹر صاحب کے حالات معرضِ کتابت میں لائے جائیں گے اور ان کی خدماتِ گوناگوں کا تفصیل سے تذکرہ کیا جائے گا۔ ڈاکٹر صاحب نہ خود گھبرائیں نہ ہمیں گھبراہٹ میں ڈالیں۔ اللہ کے فضل سے برصغیر میں کہیں بھی منکرین حدیث کا کوئی چھوٹا بڑا مرکز نہ کبھی تھا، نہ ہے۔ برصغیر کی شخصیات کے موضوع پر میں نے بہت کتابیں پڑھی ہیں اور بے شمار حضرات کے متعلق لکھا بھی ہے، مجھے کہیں بھی ان کے کسی مرکز کا سراغ نہیں ملا۔

مولانا غلام العلی قصوری بھی (جیسا کہ گزشتہ سطور میں عرض کیا گیا) بہت بڑے مبلغ حدیث تھے۔ ان کی کنیت ابوعبداللہ تھی۔ امرتسر کے بریلوی مسلک کے ایک مشہور اہل علم حکیم محمد موسیٰ امرتسری نے ''مولانا ابوعبداللہ غلام العلی قصوری ثم امرتسری'' کے عنوان سے سہ ماہی ''بصائر'' (کراچی) میں ایک مضمون لکھا ہے۔ یہ مضمون مجھے جناب محمد عالم مختار حق نے عطا فرمایا ہے جو ''بصائر'' کے صفحہ ۳۷ سے شروع ہو کر صفحہ ۵۶ پر ختم ہوتا ہے۔ یہ مضمون بہت سی معلومات پر مشتمل ہے اور بہت عمدہ ہے۔ حکیم محمد موسیٰ اس کا آغاز ان الفاظ سے کرتے ہیں:

''امرتسر کے علماے کرام میں سے اہل حدیث مسلک کے مبلغ اوّل مولانا ابوعبداللہ غلام العلی قصوریؒ تھے۔ ان ہی کی تحریک پر مولانا سید محمد داؤد غزنوی کے جد امجد مولانا سید عبداللہ غزنویؒ کا امرتسر میں ورود ہوا۔ مولانا قصوری نہایت متقی اور زاہد وعابد انسان تھے۔ ارشاد خداوندی ﴿لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ﴾ کے پابند رہتے ہوئے وعظ ونصیحت کا فریضہ سرانجام دیتے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کو اپنے مقصد میں بہت زیادہ کامیابی نصیب ہوئی۔ مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ مرحوم امرتسری، مولانا قصوریؒ کے شاگردِ ارشد مولانا میر احمد اللہ رحمہ اللہ کے تلمیذ رشید تھے۔''

میں نے یہ الفاظ اسی طرح یہاں لکھے ہیں، جس طرح مضمون نگار حکیم محمد موسیٰ مرحوم نے تحریر کیے ہیں۔ انھوں نے مولانا غلام العلی پر ''رح'' لکھا ہے جو رحمہ اللہ کا مخفف ہے اور فوت شدہ بزرگان دین کے اسماے گرامی پر لکھا جاتا ہے۔

اس کے بعد حکیم صاحب مرحوم مولانا ثناء اللہ امرتسری مرحوم کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں: ''انھوں نے اپنی تصنیف ''شمع توحید'' مطبوعہ ۱۹۳۸ء کے آخر میں ''امرتسر کی بالاجمال تاریخ اہل حدیث'' کے زیرعنوان لکھا ہے'':

''امرتسر میں مسلم آبادی غیر مسلم آبادی (ہندو سکھ) کے مساوی ہے۔ اسّی (۸۰) سال پہلے قریباً سب مسلمان اسی خیال کے تھے، جن کو آج کل بریلوی حنفی خیال کیا جاتا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

عنایت ایزدی سے ایک صاحب امرتسر میں بصیغہ ملازمت سرکاری سکول میں آئے، ان کا نام نامی مولوی غلام علی قصوری تھا۔ مرحوم پہلے اسی خیال کے تھے، مگر عنایت الٰہی سے توحید کی سمجھ آئی۔ آپ نے تبلیغ کا سلسلہ بہ صورتِ وعظ شروع کیا۔ سرکاری مدرسے کی ملازمت چھوڑ کر کڑہ سفید کی مسجد میں متوکلاً بیٹھ گئے۔ آپ کے توکل کی یہ شان تھی کہ کبھی کسی حاکم یا رئیس سے ملنے کو نہیں گئے۔ تبلیغ توحید کا اثر اور غلغلہ شہر میں بلند ہوا۔ عوام مسلمان خاص کر رؤسائے شہر آپ پر غیظ وغضب کی نظر ڈالنے لگے۔ ایک مقدمہ توہین ''چائے گیارھویں'' کا بنایا گیا۔ ادھر حاکم کے کان بھرے گئے کہ ان کو چھوڑ دیا گیا تو شہر میں امن نہیں رہے گا۔ بہ صد کوشش دو سو روپیہ جرمانہ کرایا۔ مگر اس جرمانے نے مرحوم کے جوشِ توحید پر وہی اثر کیا جو کسی شاعر نے کہا ہے۔

تعزیر جرم عشق ہے بے صرفہ محتسب
بڑھتا ہے اور ذوق گنہ یاں سزا کے بعد

آپ نے پہلے سے زیادہ اشاعت توحید پر کمر باندھ لی۔ آپ کی تقریر پنجابی زبان میں ہوتی تھی، جس میں خدا نے خاص اثر رکھا تھا۔ (ص:۵۲)

اس سے آگے مولانا فرماتے ہیں:

''مولوی غلام علی صاحب نے درس ترجمہ قرآن جاری کیا، جس میں بہت سے لوگ شریک ہوتے۔ چوں کہ یہ ابتدائی تحریک تھی، اس لیے مخالف اپنی مخالفت کے ساتھ آتے مگر خاص اثر لے کر جاتے۔ مولوی صاحب کا عقیدہ محدثانہ اور انداز بیان متکلمانہ تھا، عموماً تفسیر کبیر کو مدنظر رکھتے تھے۔'' (شمع توحید، ص:۵۳)

حکیم محمد موسیٰ امرتسری فرماتے ہیں کہ مولانا غلام علی نے اپنا نام بدل کر غلام العلی رکھ لیا تھا، ''مگر آپ آج تک مولانا غلام علی کے نام سے مشہور ہیں۔ اور تو اور مولانا ثناء اللہ مرحوم بھی جو آپ کے پوتے شاگرد تھے، آپ کو غلام علی ہی لکھتے رہے ہیں۔''

حکیم صاحب ممدوح رقم فرماتے ہیں کہ ''مولانا قصوری اور مولانا (عبداللہ) غزنوی کے درمیان (مسئلہ بیعت وغیرہ سے متعلق) جو اختلافات تھے، وہ احقاقِ حق ہی کے لیے تھے، کوئی ذاتی جھگڑا نہ تھا۔ مولانا غزنوی جب تک زندہ رہے، مولانا قصوری کی اقتدا میں عیدین کی نمازیں ادا کرتے رہے اور تبلیغی کاموں میں ایک دوسرے کے معاون ومددگار رہے۔''

۱۴۔ جولائی تا ۲۸ جولائی ۱۹۳۹ء کے اخبار ''اہل حدیث'' (امرتسر) میں مولانا غلام العلی قصوری مرحوم کے ایک فارسی رسالے ''جواب الاستفسار فی التعامل بمنع الکفار'' کا اردو ترجمہ شائع ہوا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تھا۔ مضمون کے شروع میں مولانا ثناء اللہ مرحوم نے یہ نوٹ لکھا:

''امرتسر میں توحید وسنت کے اوّل مبلغ حضرت مولوی غلام علی قصوری مرحوم ہوئے ہیں۔ آپ ہی نے درس ترجمہ قرآن کی ابتدا کی تھی۔ آپ کے انتقال پر پچاس سال سے زائد ہوئے ہیں مگر اہل امرتسر آج تک ان کا نام اسی عزت سے لیتے ہیں، جس کے وہ حق دار تھے، اعلی اللہ مقامہ۔ آپ کے نبیرہ مولوی داؤد صاحب وکیل قصور نے مرحوم کے ایک فارسی رسالہ ''جواب الاستفسار فی التعامل مع الکفار'' کا اردو ترجمہ بہ غرض اشاعت بھیجا ہے جو بہ عزت واحترام درج کیا جاتا ہے۔''

مولانا غلام العلی قصوری نے پچاس فارسی اشعار پر مشتمل حمد خدا اور نعت مصطفیٰ ﷺ پر مشتمل ایک قصیدہ لکھا تھا جو ۴۔ دسمبر ۱۹۳۱ء کے اخبار ''اہل حدیث'' (امرتسر) میں شائع ہوا تھا۔

مولانا احمد اللہ امرتسری جو مولانا ثناء اللہ امرتسری کے استاذ تھے، انہی مولانا غلام العلی قصوری کے شاگرد تھے۔

حکیم محمد موسیٰ مرحوم اپنے مضمون مطبوعہ سہ ماہی ''بصائر'' میں مولانا غلام العلی قصوری کے ایک قلمی رجسٹر (صفحہ ۴۹) کے حوالے سے ''مرزا صاحب کے متعلق پیش گوئی'' کا عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے ''براہین احمدیہ'' کی پہلی جلد شائع کی تو اس کا ایک نسخہ مولانا قصوری کے پاس بہ غرضِ تقریظ بھیجا۔ مولانا نے اسے اوّل سے آخر تک پوری توجہ سے پڑھا اور خطبۂ جمعہ میں اعلان فرمایا:

''عنقریب یہ شخص دعوائے مسیحیت کرے گا اور مخلوقِ الٰہی کے لیے فتنۂ عظیم سے کم نہ ہوگا۔ پس اے لوگو! اس سے بچنا اور اس کے دامن تزویر میں نہ پھنسنا۔''

مولانا غلام العلی قصوری رحمہ اللہ نے وصیت فرمائی تھی کہ میری قبر پختہ نہ بنائی جائے اور مجھے عام قبروں میں دفن کیا جائے۔

حکیم محمد موسیٰ امرتسری لکھتے ہیں: مولانا غلام العلی کی نمازِ جنازہ قلعہ کے میدان میں پڑھی گئی۔ ہزاروں آدمی شریک جنازہ ہوئے۔ دور دراز کے علاقوں سے لوگ اس نیک انسان کو الوداع کہنے کے لیے امرتسر پہنچ رہے تھے، اسی لیے تین بار نماز جنازہ ہوئی۔

مولانا قصوری ۱۷۔ اپریل ۱۸۸۹ء کو فوت ہوئے۔ عیسوی حساب سے ان کی وفات پر ایک سو بائیس برس کی مدت گزر چکی ہے۔ ان کے تمام معاصرین انھیں مبلغ حدیث، متبع سنت اور امرتسر میں مسلک اہل حدیث کے اوّلیں مبلغ قرار دیتے ہیں، جن میں حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری کا اسم گرامی خاص طور سے قابل ذکر ہے۔ اتنے لمبے عرصے کے بعد معلوم نہیں ہمارے محقق دوست ڈاکٹر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

عبدالرؤف ظفر کو ان کے انکارِ حدیث کا انکشاف کہاں سے ہوا اور کیسے ہوا.....؟

مولانا غلام العلی قصوری کا تذکرہ پروفیسر ڈاکٹر اختر راہی نے اپنی کتاب ''تذکرہ علماے پنجاب'' کی پہلی جلد میں کیا ہے (صفحہ ۴۰۴ تا ۴۰۶) انھوں نے بھی ان کو ''امرتسر میں پہلے معروف عامل بالحدیث'' لکھا ہے۔ تین صفحات کے مضمون میں ان کے ''انکار حدیث'' کی طرف کہیں اشارہ نہیں کیا۔

بات دراصل یہ ہے کہ حدیث کے متعلق ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر کے احساسات بہت نازک ہیں، انھوں نے کہیں سے مولانا غلام العلی کے بارے میں کوئی ایسی بات سنی اور اسے حقیقت قرار دے لیا، حالاں کہ اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ راقم نے اس سلسلے میں گزشتہ سطور میں جو کچھ لکھا ہے، اس کا اصل مقصد یہی ہے۔



'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

حضرت میاں سید نذیر حسین دہلوی رحمہ اللہ کے

بیس تلامذہ کرام کا تذکرہ

بہ ترتیب وفات

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

حکیم عبداللہ جیراج پوری

(وفات ۲۸ مارچ ۱۸۹۰ء)

ضلع اعظم گڑھ کے قصبہ جیراج پور کے علماء میں سے ایک عالم دین کا اسم گرامی حکیم عبداللہ جیراج پوری تھا۔ ان کا سالِ ولادت ۱۲۶۲ھ (۱۸۴۸ء) ہے۔ وہ رشتے میں مولانا سلامت اللہ جیراج پوری کے چچا تھے۔ حکیم عبداللہ کے والد کا نام مولوی بہادر علی تھا۔ فقہی مسلک کی رو سے ان حضرات کا تعلق حنفیت سے تھا۔ عبداللہ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد مکرم مولوی بہادر علی سے پائی۔ اس کے بعد جون پور پہنچے جو اس وقت اس عہد کا مرکز علم تھا۔ وہاں جس مدرسے میں داخل ہوئے، اس کے صدر مدرس مفتی محمد یوسف فرنگی محلی تھے۔ انہی دنوں مولانا سلامت اللہ جیراج پوری وہاں گئے تھے۔ دونوں نہایت ذہین طالب علم تھے، جن کے بارے میں مفتی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میرے مدرسے میں دو نوعمر طالب علم آئے ہیں جو آپس میں چچا بھتیجا ہیں اور بے حد ذہین اور فہیم طالب علم ہیں۔

عبداللہ کئی سال اس مدرسے میں رہے اور نصابی کتابیں پڑھیں۔ وہاں سے دیوبند گئے اور مولانا محمد قاسم نانوتوی سے عربی ادبیات اور کتب حدیث کا درس لیا۔ انھوں نے ضلع بلیا کے ایک مقام نوانگر میں بھی کچھ عرصہ گزارا، وہاں ایک بزرگ مولانا شکر اللہ سے اخذ فیض کیا۔

جون پور، دیوبند اور نوانگر کے بعد وہ دہلی گئے اور حضرت میاں سید نذیر حسین سے حدیث کی کتابیں پڑھیں اور ان سے سند حدیث لی۔ اس وقت مولانا سلامت اللہ جیراج پوری اور حضرت حافظ عبداللہ غازی پوری بھی ان کے شریک درس تھے۔

تعلیم مکمل کرنے کے بعد وطن پہنچے اور عمل بالحدیث اور خالص کتاب وسنت کی تبلیغ کا سلسلہ شروع کیا تو سب سے پہلے جو مخالفانہ آواز اٹھی، وہ ان کے والد محترم مولوی بہادر علی کی تھی۔ باپ کے لیے یہ بالکل نیا کام تھا جو بیٹے نے شروع کر رکھا تھا۔ لیکن آہستہ آہستہ معاملات ٹھیک ہوگئے اور مولوی بہادر علی سمجھ گئے کہ جو کچھ ان کا بیٹا کر رہا ہے، وہی اصل اسلام ہے اور یہی ذریعۂ نجات ہے۔

حکیم عبداللہ جیراج پوری اپنے وطن سے ایک جگہ ''رسڑا'' چلے گئے تھے جو ضلع بلیا کا ایک مشہور قصبہ تھا۔ وہاں وہ وعظ وارشاد اور درس وتدریس کے ساتھ طبابت بھی کرتے تھے، لیکن یہاں کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

لوگ بھی مخالفت پر اتر آئے۔ ۱۲۹۲ھ (۱۸۷۵ء) میں مجسٹریٹ کی موجودگی میں ان سے وہاں تحریری مناظرہ شروع ہوگیا۔ بارہ روز تک مناظرہ ہوتا رہا، جس سے لوگ نہایت متاثر ہوئے۔ لیکن مخالفین نے اپنی شکست دیکھ کر پرچے تلف کردیے، جس کا لوگوں پر الٹا اثر ہوا اور وہ اہل حدیث کو صحیح قرار دینے لگے۔

رسٹرا میں حکیم عبداللہ جیراج پوری کا شغل تدریس بھی جاری تھا۔ وہاں جن حضرات نے ان سے کسب علم کیا، ان میں مولانا عبداللہ ندوی، مولانا حبیب اللہ، مولوی عبداللہ چاند پاری، مولوی حیدر علی (سابق ہیڈ مولوی مشن سکول اعظم گڑھ) اور مولانا شبلی نعمانی قابل ذکر ہیں۔

حکیم عبداللہ جیراج پوری یوں تو تمام متداول علوم میں مہارت رکھتے تھے، لیکن علم تفسیر میں انھیں خاص طور سے درک حاصل تھا۔ نبی ﷺ سے ان کی محبت اور قلبی تعلق کا یہ عالم تھا کہ تیرہ مرتبہ خواب میں نبی ﷺ کی زیارت کے شرف سے سعادت اندوز ہوئے۔

تفسیر وحدیث کی تدریس اور وعظ وخطابت کا کسی سے کوئی پیسا وصول نہیں کرتے تھے۔ ذریعہ آمدنی طبابت تھا۔ طبابت کی کمائی سے حج بیت اللہ کیا۔ حج بیت اللہ میں حضرت حافظ عبداللہ غازی پوری، مولانا محمد سعید بنارسی اور مولانا اسد اللہ ان کے رفقاے سفر تھے۔ حجاز مقدس کے متعدد مشائخ سے سند واجازہ حاصل ہوا۔ اسی اثنا میں وہاں امام شوکانی رحمہ اللہ کے ایک شاگرد سے گفتگو ہوئی تو وہ ان کی فراوانیٔ علم سے بے حد متاثر ہوئے۔

حکیم عبداللہ جیراج پوری رحمہ اللہ نے ۲۸۔ مارچ ۱۸۹۰ء (۶۔ شعبان ۱۳۰۷ھ) کو وفات پائی۔

ان کی اولاد میں صرف ایک بیٹے تھے، جن کا نام مولوی عبدالسلام تھا جو باپ کے بہترین جانشین تھے۔ مولوی عبدالسلام کے صاحب زادے مولوی عبدالحفیظ ندوی تھے۔ ❶

---

❶ نزہۃ الخواطر، ج:۸، ص:۳۰۷۔ تراجم علمائے حدیث ہند، ص:۳۸۴ تا ۳۸۶

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

قاضی طلا محمد طلاؔ پشاوری

(وفات ۱۸۹۲ء)

ان کا سلسلۂ نسب یہ ہے: قاضی طلا محمد بن قاضی محمد حسن (خان علماء) بن قاضی محمد اکبر بن محمد غوث اخوند ترکمان بن تاج خاں۔

قاضی طلا محمد کے مورث اعلیٰ اخوند ترکمان بن تاج خاں چھٹے مغل حکمران اورنگ زیب عالم گیر کے عہد حکومت میں جنوب مشرقی قندھار کے مقام ''غوڑہ مرغہ'' سے پشاور کے علاقہ یوسف زئی میں بمقام ''آمازئی'' آ کر آباد ہوئے۔ یہ ایک علمی خاندان تھا، اس لیے علاقے میں اس خاندان کو احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ قاضی طلا محمد اسی دودمانِ عالی قدر کے لائق فرزند تھے جو ۱۲۲۷ھ (۱۸۱۲ء) کو آمازئی میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد گرامی قاضی محمد حسن اس عہد اور علاقے کے بڑے عالم تھے، اس لیے انھیں ''خاں علماء'' کہا جاتا تھا۔ ان کے پڑدادا اخوند محمد غوث کو احمد شاہ ابدالی نے پشاور کا قاضی القضاۃ مقرر کر دیا تھا۔

قاضی محمد غوث کے دو بیٹے تھے۔ ایک کا نام قاضی محمد اکبر تھا اور دوسرے کا قاضی داد اللہ۔ دونوں عالم وفاضل تھے۔ قاضی محمد اکبر کے ایک فرزند قاضی محمد حسن تھے۔ یہ بھی اپنے اسلاف کی طرح علم وفضل کی نعمت سے آراستہ تھے۔ بادشاہ شجاعؒ ان پر بہت اعتماد کرتا تھا اور ان کی سیاست وتدبر کا اس پر بے حد اثر تھا۔ ان کا زیادہ وقت شجاعؒ کی رفاقت میں گزرا۔ لدھیانہ، سندھ اور پشاور وغیرہ کے سفروں میں اس نے ان کو اپنے ساتھ رکھا۔ انھیں اپنا امام سفر اور مدار المہام بنایا۔ ان کے علم اور فہم وفراست کی وجہ سے انھیں ''خاں علماء'' کا لقب عطا کیا۔ [1]

قاضی محمد حسن خان علماء کے چار بیٹے تھے، قاضی فضل قادر، قاضی غلام قادر، عبدالکریم اور قاضی طلا محمد۔ اوّل الذکر دونوں بیٹے (یعنی قاضی فضل قادر اور قاضی غلام قادر) اگرچہ اصحابِ علم وفضل تھے، لیکن ان کی دلچسپیوں کا زیادہ محور سیاست رہی اور انھوں نے حکمرانوں سے تعلقات استوار کیے۔

قاضی طلا محمد نے پشاور میں سکونت اختیار کیے رکھی اور درس وتدریس اور تصنیف وتالیف سے تعلق رکھا۔

---

[1] تذکرہ علما ومشائخ سرحد، ص: ۱۶۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

قاضی طلا محمد نے ابتدائی تعلیم اپنے گھر میں یا اپنے علاقے کے اہل علم سے حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے دہلی گئے اور حضرت میاں سید نذیر حسین کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ علومِ تفسیر وحدیث اور فقہ کے لیے ان کے سامنے زانوئے شاگردی تہہ کیے۔ نہایت فہیم تھے۔ حضرت میاں صاحب سے سند حدیث لی۔ بعد ازاں حضرت سید عبداللہ غزنوی کی خدمت میں حاضری دی اور ان سے حصولِ فیض کیا۔

حکیم عبدالحی حسنی لکھنوی لکھتے ہیں:

قاضی طلا محمد بلادِ ہند کے مشہور علماء میں سے تھے۔ ان کے دادا افغانستان کے قاضی القضاۃ تھے۔ اسی طرح ان کے بھائی عبدالکریم اور بھتیجے عبدالقادر کا شمار معروف علماء میں ہوتا تھا۔ قاضی طلا محمد بہت بڑے شاعر وادیب اور انشا پرداز تھے۔ علمی خانوادے کے عالم وفاضل فرد۔ علومِ عربیہ کی مہارت میں ان کے زمانے میں کوئی ان کا ہم سر نہ تھا۔ وہ کلکتہ کے دفتر علم وانشا میں بھی خدمت انجام دیتے رہے۔ ❶

مشاہیر علمائے سرحد کے مصنف لکھتے ہیں:

قاضی طلا محمد علم وادب اور شعر وشاعری میں بلند مرتبے پر فائز تھے اور طلا تخلص کرتے تھے۔ انھوں نے تمام عمر علم وادب کی خدمت میں گزاری۔ حدیث، فقہ اور منطق وادب کی کتابیں مع حواشی کے چھپواتے جو کہ ایک بہت بڑی دینی خدمت تھی۔ ❷

حضرت میاں سید نذیر حسین دہلوی کے سوانح نگار ان کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''قاضی طلا محمد خاں پشاوری جو بڑے ادیب اور فاضل بے مثل، نہایت عالی شان بزرگ تھے، احمد شاہ ابدالی کی اولاد سے تھے اور خود وائسرائے کے سیکرٹری۔ ان کے بھائی مولانا عبدالکریم قاضی القضاۃ افغانستان، اور ان کے بھتیجے عبدالقادر، شیر علی خاں والیٔ کامل کے وزیر تھے، اور ان کے صاحب زادے مولوی محمد اسلم صاحب پنجاب میں ڈپٹی کمشنر تھے (یہ عہدہ مماثل ہے بنگال کے کلکٹر کے عہدے کے) اور اب ڈسٹرکٹ جج اور سیشن جج ہیں۔

''مرحوم قاضی طلا محمد خاں نے میاں صاحب کی مدح میں کئی قصیدے عربی اور فارسی میں لکھے۔ ❸

قاضی طلا محمد طلا کو عربی، فارسی، انگریزی تینوں زبانوں پر عبور تھا۔

---

❶ نزہۃ الخواطر، ج:۸، ص:۲۱۴

❷ مشاہیر علمائے سرحد (مطبوعہ مجلس نشریات اسلام، کراچی)، ص:۴۱

❸ الحیات بعد الممات (مطبوعہ کراچی) ص:۴۵۸۔ یہ تحریر آج سے کم وبیش ایک سو سال پہلے کی ہے۔ اس وقت قاضی طلا محمد تو وفات پا گئے تھے، لیکن دیگر حضرات میں سے بعض زندہ تھے۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

انه صاحب فضيلة وعلم يعرف اللغات الفارسية والعربية والا نكليزية وانه ليس له مثل في الشعر والادب في بلدة پشاور. ❶

یعنی وہ صاحب فضیلت بزرگ تھے جو فارسی، عربی اور انگریزی کے عالم تھے اور شعر وادب میں معرفت کے اعتبار سے پشاور میں کوئی ان کا مدمقابل نہ تھا۔

عربی اور فارسی میں تو بالخصوص اس وقت ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔ آقا عبدالحی حبیبی کے بقول

درعلوم عربیہ وادب عربی وفارسی ودرحسن خط وانشا وشعر ہر دو زبان آیتے بود۔ ❷

یعنی عربی اور فارسی علوم وادب، حسن خط وانشا اور فارسی وعربی کی شاعری میں انھیں سند مانا جاتا تھا۔

سیاسی معاملات سے انھوں نے علیحدگی اختیار کرلی تھی اور اپنی تمام سرگرمیاں علم وادب، خدمت قرآن وحدیث اور تصنیف وتالیف کے لیے وقف کردی تھیں۔

نہایت بلند اخلاق، شائستہ اطوار، حلیم الطبع اور منکسر المزاج تھے۔ اپنے ہم عصر اصحابِ علم سے بے حد محبت اور اخلاص سے پیش آتے تھے۔ پشاور شہر اور اس علاقے کے عوام وخواص ان کا انتہائی احترام کرتے تھے۔ وہ بھی سب سے مروّت ومودّت سے ملتے تھے۔

قاضی طلا محمد پشاوری نے مندرجہ ذیل کتابیں اپنی یادگار چھوڑیں:

① ..... دیوانِ فارسی

② ..... دیوانِ عربی

③ ..... جواہر النظر

④ ..... صلوٰۃ التقریر فی ترجمۃ التحریر

⑤ ..... تحفۃ المسک

⑥ ..... تسلیۃ العقوق فی تحطۃ الفضول

⑦ ..... صلوٰۃ الکسیب لمن لا یحضرہ الحبیب

⑧ ..... قصیدہ بائیہ عربی درعمل بالحدیث

⑨ ..... نشاء الطرب فی اشواق العرب

⑩ ..... قصائد غراء فی نصر السنہ

⑪ ..... ایک مختصر کتابچہ جو چند قصائد اور منظوم شجرہ ہائے طریقت پر مشتمل ہے۔

---

❶ پاکستان میں فروغِ عربی، ص: ۵۴

❷ تذکرہ علما ومشائخ سرحد (از محمد امیر شاہ قادری)، ص: ۱۶۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

⑫..... قصائد

حضرت میاں سید نذیر حسین دہلوی پر نظم ونثر میں بہت سے حضرات نے بہت کچھ لکھا۔ قاضی صاحب مرحوم ومغفور نے بھی عربی اور فارسی میں بہ صورت اشعار ان کے اوصاف بیان کیے۔ چند عربی شعر یہاں درج کیے جاتے ہیں:

كريم جميل الخلق و الخلق مكرم من النجباء الصالحين الاماثل
عفيف لطيف راحم متعطف فهيم وسيم كامل اے كامل
مطاع مطيع ماله من مساهم جليل جميل ماله من مماثل

یہ پورا قصیدہ تیس بیتوں کا ہے جو حضرت میاں صاحب کے متعلق ہے۔ ❶

ایک اور عربی قصیدہ ایک سو بارہ اشعار پر مشتمل ہے۔ ❷

دوسرا عربی قصیدہ ایک سو بارہ شعروں کا ہے۔

تیسرا قصیدہ فارسی کا ہے جو ایک سو انہتر (۱۶۹) اشعار پر مشتمل ہے۔ ❸

اس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

اہل حدیثیم دغا رانہ شناسیم باب الحیل اہل فقہارانہ شناسیم
داریم باخلاص سرے برخط تسلیم باقول نبیؐ چون و چرا نہ شناسیم
داریم نشاطے بہ احادیث پیغمبر نیرنگ قیاس فقہارانہ شناسیم

قصیدہ فارسی چار سو آٹھ اشعار پر محیط ہے۔ ❹

حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری کے اخبار ''اہل حدیث'' کی پیشانی پر جو شعر مرقوم تھا، وہ قاضی صاحب ممدوح ہی کا ہے۔

اصل دیں آمد کلام اللہ معظم داشتن
پس حدیث مصطفیٰ بر جان مسلّم داشتن

قاضی ملا محمد ملا پشاوری نے ۱۳۱۰ھ (۹۳-۱۸۹۲ء) کو مکہ مکرمہ میں وفات پائی اور قبرستان جنت المعلیٰ میں دفن کیے گئے۔

---

❶ الحیات بعد الممات، ص: ۴۶۱
❷ ایضاً
❸ ایضاً، ص: ۴۶۵
❹ ایضاً، ص: ۴۷۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مولانا محمد بن ہاشم سامرودی سورتی

(۱۷۔ جنوری ۱۸۹۸ء)

ہندوستان کے صوبہ گجرات کے علاقہ سورت میں ایک قصبہ ''سامرود'' کے نام سے موسوم ہے۔ وہاں کے علماے اہل حدیث میں سے ایک عالم دین کا اسم گرامی محمد اور ان کے والد کا نام نامی ہاشم تھا۔ مولانا محمد بن ہاشم سامرودی حدیث، فقہ، تجوید، ادب عربی وغیرہ تمام علوم میں ممتاز حیثیت کے مالک تھے۔ خط بھی عمدہ تھا اور تحریر وانشا میں بھی اپنا ایک مقام رکھتے تھے۔ ۲۰۔ رجب ۱۲۵۶ھ (۱۶۔ ستمبر ۱۸۴۰ء) کو پیدا ہوئے۔ اساتذہ کرام کی جماعت میں شیخ رحیم الدین المعروف فقیر اللہ شاہ، شیخ عبداللہ سورتی، شیخ حسین بن محسن یمانی، سید علی احمد سوندی، قاضی محمد بن علی شوکانی سے سند یافتہ شیخ منصور الرحمٰن، شیخ نصیر الدین المشہور غلام علی اور حضرت میاں سید نذیر حسین دہلوی شامل ہیں۔

تحصیل علم کے بعد مولانا محمد بن ہاشم سورتی نے تین کام شروع کیے اور پھر عمر بھر انہی کاموں میں مصروف رہے۔ وہ کام یہ تھے:

⊙ درس وتدریس، ⊙ متقدمین کی نادر ونایاب کتابوں کی تلاش، ⊙ تصنیف وتخریج۔

یہ تینوں کام نہایت اہم تھے اور ان کی دلچسپی کا اصل محور۔

ان کی تصانیف وتراجم کی فہرست میں جو کتابیں شامل ہیں، وہ ہیں:

⊙..... نیل المنی فی تقصیر الصلوٰۃ بمنی۔

⊙..... الاقوال الایمانیہ فی شرح اربعین السلیمانیہ (اردو نثر)

⊙..... الاقوال الایمانیہ فی شرح احادیث السلیمانیہ (اردو نظم)

⊙..... ترجمہ صحیح بخاری (سات اجزا)

⊙..... جواہر النظم فی الفرائض

⊙..... اسی طرح علم میراث میں ایک مفصل کتاب اردو میں تصنیف کی۔

⊙..... ایک کتاب علم صرف کے موضوع سے متعلق لکھی۔

⊙..... علامہ ابوبکر مقری واعظ کے قصیدہ تائیہ کا اردو میں ترجمہ کیا۔

⊙..... قصیدہ فی مدح خیر النساء

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

⊙.....علم نحو کے بارے میں ایک رسالہ سپرد قلم کیا۔

⊙.....مصباح المجالس فی مدح النبی ﷺ

⊙.....اپنے استاذ شیخ جمال الدین موسیٰ سورتی کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا۔

⊙.....اپنے عالی قدر استاذ حضرت میاں سید نذیر حسین دہلوی کا عربی میں طویل قصیدہ لکھا۔

مولانا محمد بن ہاشم سامرودی سورتی بے شبہ جلیل القدر عالم، اپنے عہد کے معروف مدرس ومصنف، عربی اور اردو کے بہت بڑے شاعر تھے۔ ان کے اساتذہ کا حلقہ بھی وسیع تھا اور تلامذہ کی جماعت بھی بہت بڑی تھی۔

چند شعر ملاحظہ ہوں جن میں انھوں نے اپنی عمر کے لہو ولعب اور غفلت میں ضائع ہونے کا ذکر کیا ہے۔

لما بلغت الاربعين بغفلة وابيض راسي شيبة كثغام
انا غافل متكاسل متساهل مسترهل مستامل لملام
فصرفت في لعب و لهو كلها وبنوم او شرب و اكل طعام
نفسي جموح سرحة امارة بالسوء لا تلوى بغير حرام
حتى تسود وافتسي لذنوبها قلبي بسود نكاتها كسخام

حضرت میاں سید نذیر حسین کے بارے میں جو قصیدہ کہا اس کے چند اشعار

السيد العلامة السند التقي شيخ المشائخ مقتد الاعيان
من الحق الاحفاد بالاجداد من تقليه الاسناد في الحسبان
اعني نذير حسين متبع الهدى بتتبع يكفي به الثقلان [1]

مولانا محمد بن ہاشم سامرودی سورتی نے ۲۳ شعبان ۱۳۱۵ھ (۱۷۔ جنوری ۱۸۹۸ء) کو طاعون کی بیماری سے وفات پائی۔ [2]

---

[1] الحیات بعد المات، مطبوعہ کراچی، ص: ۴۸۱ تا ۴۸۴

[2] نزہۃ الخواطر، ج:۸، ص: ۴۲۷، ۴۲۸

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مولانا محمد شبلی جون پوری

(وفات ۱۲ جنوری ۱۹۰۱ء)

جون پور ہندوستان کا ایک مشہور شہر ہے۔ اس شہر اور اس کے اردگرد کے قصبات و دیہات میں بے شمار علماے دین پیدا ہوئے جنھوں نے درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کی صورت میں بے انتہا خدمات سرانجام دیں۔ ان علماے ذی شان کی وسیع فہرست میں ایک عالم دین مولانا محمد شبلی جون پوری تھے جو وہاں کے معروف عالم دین مولانا سخاوت علی جون پوری (متوفی ۱۲۷۴ھ) کے فرزند گرامی قدر تھے۔

مولانا محمد شبلی ۱۰۔ شعبان ۱۲۶۳ھ (۲۴۔ جولائی ۱۸۴۷ء) کو پیدا ہوئے۔ گیارہ سال کی عمر کو پہنچے تھے کہ والد وفات پاگئے۔ اس لیے اپنے نانا قاضی ضیاء الدین خاں صدر الصدور کے ہاں تعلیم وتربیت کی منزلیں طے کیں۔ پہلے حافظ نعمت اللہ اور حافظ الٰہی بخش سے قرآنِ مجید حفظ کیا۔ پھر بعض علماء سے عربی اور فارسی کی کتب متداولہ پڑھیں۔ متوسط اور انتہائی کتابوں کی تکمیل مفتی محمد یوسف فرنگی محلی سے کی۔

مولانا محمد شبلی نے حدیث دہلی میں حضرت میاں سید نذیر حسین دہلوی سے پڑھی۔ انھیں حضرت میاں صاحب کے ارشد تلامذہ میں شمار کیا جاتا تھا۔ اس وقت مولانا محمد حسین بٹالوی ان کے ہم درس تھے۔

۱۲۸۶ھ (۱۸۷۰ء) میں مولانا محمد شبلی جون پوری حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے۔ تمام مروّجہ علوم وفنون میں مہارت رکھتے تھے۔ علم نحو میں رسالہ وسیلۃ النحو ان کی تصنیف ہے۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد حکومت نے ان کو محکمہ اوقاف کی مسجدوں کے متولی مقرر کردیا تھا۔

مولانا محمد شبلی جون پوری نے حضرت میاں صاحب سے سند حدیث لینے کے بعد درس وتدریس کو اپنا مشغلہ قرار دے لیا تھا۔ تلامذہ کی جماعت میں ان کے بھائی مولانا محمد مکی شامل ہیں۔

مولانا شبلی عالی کردار، بلند اخلاق، حلیم الطبع اور متواضع عالم دین تھے۔ ۲۱۔ رمضان المبارک ۱۳۱۸ھ (۱۲۔ جنوری ۱۹۰۱ء) کو جون پور کے نواح میں ایک گاؤں ''ہنڈیا ہو'' میں وفات پائی۔ ❶

---

❶ تاریخ شیراز ہند جون پور (از سید اقبال احمد) ص:۵۵۷..... نزہۃ الخواطر، ج:۸، ص:۱۹۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مولانا سلامت اللہ جیراج پوری

(وفات ۱۵۔ جون ۱۹۰۴ء)

کسی زمانے میں ہندوستان کے صوبہ یوپی کا ضلع اعظم گڑھ علم وعمل کے اعتبار سے پُر ثروت ضلع تھا۔ اب بھی بہت حد تک اس میں یہ امتیاز پایا جاتا ہے۔ اس ضلعے کے ایک گاؤں کا نام جیراج پور ہے۔ یہیں ہمارے ممدوح مولانا سلامت اللہ صاحب پیدا ہوئے۔

ان کی پیدائش کی صحیح تاریخ کا تو علم نہیں ہوسکا، لیکن ان کے فرزند گرامی حافظ محمد اسلم جیراج پوری کا بیان ہے کہ میں نے ایک مرتبہ اپنے والد کی ''زبان سے سنا تھا کہ غدر ۱۸۵۷ء میں وہ سات سال کے تھے۔'' اس حساب سے ان کا سال ولادت ۱۸۵۰ء ہوا۔ ان کے والد کا نام شیخ رجب علی تھا جو درویش صفت آدمی تھے اور انھیں میاں صاحب کہا جاتا تھا۔ یہ ایک غریب گھرانا تھا۔ سلامت اللہ کی عمر دس سال کی ہوئی تو والد وفات پاگئے۔ اب یہ گھرانا چھوٹے بڑے چار افراد پر مشتمل تھا۔ ایک خود دس سالہ سلامت اللہ، دو ان کی چھوٹی بہنیں اور ایک والدہ۔ والد کی وفات کے بعد غربت کے سائے مزید دراز ہوگئے۔ والدہ کے سوا کوئی سرپرست نہ تھا۔ سلامت اللہ لوگوں کی بکریاں چراتے تھے۔ اس کی جو مزدوری ملتی اسی سے روٹی پانی کا سلسلہ چلتا تھا۔ لیکن غربت ومفلسی کے جال میں گھرے ہونے کے باوجود دل میں حصولِ علم کا جذبہ کارفرما تھا۔ بالآخر یہی جذبہ انھیں گیارہ بارہ سال کی عمر میں جون پور لے گیا جہاں اس عہد میں درس وتدریس کی کئی مسندیں آراستہ تھیں۔

سلامت اللہ نے بہت چھوٹی عمر میں اپنے والد مکرم میاں رجب علی سے کچھ ابتدائی تعلیم حاصل کرلی تھی۔ جون پور کے جس مدرسے میں وہ داخل ہوئے، اسے مولوی حیدر حسین کا مدرسہ کہا جاتا تھا۔ اس مدرسے کے صدر مدرس مفتی محمد یوسف انصاری فرنگی محلی تھے۔ مدرسے کی نصابی کتابوں کا آغاز کرتے ہی استاذ اور طلبا پر سلامت اللہ کی ذہانت کے جوہر کھلنے لگے اور ان کی قابلیت کی شہرت پھیل گئی۔ وہ اس مدرسے کے ذہین اور محنتی طالب علم تھے اور ہر مضمون کے امتحان میں امتیازی درجے میں کامیابی حاصل کرتے تھے۔ انھوں نے دس سال جون پور کے مدرسہ مولوی حیدر حسین میں تعلیم حاصل کی اور معقولات ومنقولات کی کتابیں اس مدرسے میں مفتی محمد یوسف فرنگی محلی سے پڑھیں۔

وہاں سے دیوبند گئے اور مولانا محمد قاسم نانوتوی کے پاس ایک سال رہے۔ حافظ محمد اسلم جیراج پوری

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کے بقول مولانا محمد قاسم سے وعظ وارشاد کا طریقہ سیکھا۔

دیوبند سے دہلی کی طرف شد رحال کیا اور حضرت میاں سید نذیر حسین کے حلقہ درس میں شامل ہوئے۔ دو سال ان کی خدمت میں رہے۔ ان سے حدیث کی کتابیں پڑھیں اور پھر عمل بالحدیث میں انہی کا انداز اختیار کرلیا۔

حضرت میاں صاحب سے سند حدیث لینے کے بعد مولانا سلامت اللہ اپنے آبائی مسکن جیراج پور تشریف لے گئے۔ وہاں انھوں نے دو کام شروع کیے۔ ایک درس وتدریس کا اور دوسرا وعظ وتبلیغ کا۔ وعظ وتبلیغ کے ذریعے سے انھوں نے اس علاقے میں کتاب وسنت کی بے حد تبلیغ کی۔ ان کی تبلیغ سے متاثر ہوکر بے شمار لوگ شرکیہ رسوم اور بدعات سے تائب ہوئے۔ تعزیہ پرستی، قبر پرستی اور پیر پرستی وغیرہ کو ترک کیا اور اس کے بجائے گھر گھر اللہ کی وحدانیت کی ترویج ہوئی۔ بہت سے دیہات میں اہل حدیث کی مسجدیں تعمیر ہوئیں، جن میں قال اللہ وقال الرسول کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ جن مواضع ومقامات میں اہل حدیث کا لفظ کسی نے نہیں سنا تھا، وہاں اہل حدیث مسلک پہنچا اور لوگوں نے اسے قبول کیا۔

اپنے مسکن جیراج پور میں مولانا نے مدرسہ قائم کیا، جس میں مختلف مقامات کے طلبائے علم ان سے تعلیم حاصل کرنے لگے۔ حضرت مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری بھی کچھ عرصہ جیراج پور میں ان سے تحصیل علم کرتے رہے۔ جیراج پور کے قریب ہی ایک گاؤں ''رواں'' تھا۔ وہاں کے ایک طالب علم مولانا اسد اللہ نے ان سے کتب حدیث پڑھیں۔ مولانا شبلی نعمانی کا گاؤں ''بندول'' بھی جیراج پور کے نواح میں تھا۔ شبلی تکمیل علم کے بعد وہاں گئے تو ان پر حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید کا غلبہ تھا۔ اس موضوع پر انھوں نے مولانا سلامت اللہ سے بحث کرنا چاہی تو مولانا کے شاگرد مولانا اسد اللہ مقابلے میں اترے اور انھوں نے مسئلہ تقلید سے متعلق مولانا شبلی کی تحریروں کے جوابات تحریری صورت میں دیے۔

جیراج پور میں مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری اور مولانا اسد اللہ کے علاوہ بعض دیگر حضرات نے بھی مولانا سلامت اللہ جیراج پوری کی بارگاہ فضیلت میں حاضری دی اور ان کی شاگردی کا شرف حاصل کیا۔ دو سال مولانا سلامت اللہ اپنے گاؤں رہے۔

اس کے بعد ان سے بنارس کے اہل حدیث حضرات نے بنارس تشریف لانے کی درخواست کی۔ چناں چہ وہ بنارس چلے گئے اور وہاں کے محلہ تلوچن کے مدرسے میں پڑھانے لگے۔ وہاں ان سے جن حضرات نے کسب فیض کیا ان میں شمس العلماء مولانا حفیظ اللہ (سابق مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء) اور مولانا حبیب اللہ چاند پاری شامل ہیں۔ آٹھ سال بنارس میں ان کا ہنگامہ درس جاری

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

رہا۔ ظاہر ہے اس اثنا میں ان سے بہت سے علما وطلبا نے استفادہ کیا ہوگا، لیکن افسوس ہے، اس کی تفصیل کا علم نہ ہوسکا۔ مولانا سلامت اللہ جیراج پوری کی طرح اور بھی بہت سے اصحابِ تدریس ہیں، جن کے تلامذہ کے ناموں اور تعداد سے ہم بے خبر ہیں۔ اور اس اعتبار سے ہماری علمی ودرسی تاریخ ادھوری ہے۔ مولانا حفیظ اللہ کا شمار مولانا سلامت اللہ کے رشتے داروں میں ہوتا تھا۔

بنارس اور اس کے اردگرد کے علاقے میں ہندوؤں کی اکثریت ہے اور پنڈت اس نواح کے مختلف مقامات میں کثیر تعداد میں موجود ہیں، جن کا اسلوبِ گفتگو اور نہج کلام ہندی الفاظ اور ہندی اصطلاحات کا عجیب وغریب مرکب ہوتا ہے۔ قیام بنارس کے زمانے میں مولانا سلامت اللہ جیراج پوری کا پنڈتوں سے میل ملاقات کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا، جس کی وجہ سے ان کو ہندو مذہب، ان کے طریق عبادت اور بھگتی وغیرہ کے بارے میں بہت سی باتوں کا پتا چلا۔

مولانا سلامت اللہ جیراج پوری آٹھ سال بنارس کے مدرسے میں درس وتدریس اور وعظ وتدریس میں مشغول رہے۔ وہاں سے حج بیت اللہ کے لیے گئے۔

اس کے بعد نواب صدیق حسن خاں نے مولانا سلامت اللہ کو بھوپال آنے کی دعوت دی۔ وہ نواب صاحب کی دعوت پر وہاں پہنچے تو انھیں مدرسہ وقفیہ کا مہتمم مقرر کردیا گیا۔ تھوڑے عرصے بعد انھیں مدرسہ سلیمانیہ کے نائب مہتمم بنا دیا گیا۔ اس وقت مدرسہ سلیمانیہ کے مہتمم مولانا محمد بشیر سہسوانی تھے۔ پھر جب مولانا محمد بشیر سہسوانی پنشن پاگئے تو مولانا سلامت اللہ کو ان کی جگہ مدرسہ سلیمانیہ اور ریاست بھوپال کے محکمہ تعلیمات کے منصب اہتمام پر فائز کردیا گیا۔ مولانا شیریں بیان واعظ اور اپنے وقت کے نامور خطیب تھے۔ اس لیے واعظِ شہر بھی وہی تھے اور شہر کی جامع مسجد میں وہی وعظ فرماتے تھے۔ وہ اپنی اہلیہ اور بیٹے محمد اسلم کو بھی وہیں لے گئے تھے اور سرکار کی طرف سے رہائش کے لیے انھیں نواب قدسیہ بیگم کا محل دیا گیا تھا۔ ان کا گھر مقامی اور بیرونی علماے اہل حدیث کا مرجع تھا۔

مولانا سلامت اللہ بڑے خوب صورت اور وجیہ تھے۔ ہندو بھی ان کی خدمت میں آتے بلکہ ان کی زیارت کا شوق انھیں کھینچ کر ان کے پاس لے آتا تھا۔ شکل وصورت اور صالحیت کی بنا پر ہندو انھیں دیوتا قرار دیتے تھے۔

پنڈتوں کی بھی ان کے گھر آمد ورفت رہتی تھی۔ بھوپال میں ہر جمعرات کی شام کو ان کے پاس شہر کے بڑے بڑے پنڈت آتے تھے۔ پنڈت روپ رام اور کنھیا لال وہاں کے مشہور پنڈت تھے جو مولانا کی مجلس میں حاضری دیتے تھے۔ نیز جب کوئی نیا پنڈت پراگ یا اجودھیا وغیرہ سے بھوپال آتا تو مولانا سلامت اللہ اس کو اپنے ہاں ضرور بلاتے اور اس کی آمد پر شہر کے پنڈتوں کو بھی دعوت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

دیتے۔ پھر اچھی خاصی علمی محفل جمتی جو کافی دیر جاری رہتی۔

مولانا سلامت اللہ جیراج پوری ہر جمعے کو بھوپال کی جامع مسجد میں وعظ کہتے تھے۔ وہ اہل حدیث تھے اور شہر کے زیادہ تر لوگ حنفی تھے۔ لیکن کبھی کسی کو مولانا سے شکایت پیدا نہیں ہوئی۔ ہر حلقے میں ان کا وعظ مقبول تھا اور ان کی شخصیت محبوب تھی۔

مولانا ممدوح کی زندگی کا آغاز غربت کے ماحول میں ہوا تھا اور غربت کی حالت ہی میں انھوں نے تعلیم حاصل کی تھی۔ اس لحاظ سے ان کے نزدیک روپے کی بہت قدر ہونی چاہیے تھی۔ لیکن وہ روپے کو کوئی اہمیت نہ دیتے تھے۔ ان کے بیٹے حافظ محمد اسلم جیراج پوری لکھتے ہیں:

''جب سے میں نے ہوش سنبھالا، ہمیشہ ان کی تنخواہ میں خود ہی لا کر اپنے پاس رکھتا تھا اور خانگی ضروریات میں خرچ کرتا تھا۔ انھوں نے کبھی حساب نہیں پوچھا۔ ان کی تمام تر توجہ اسی پر مبذول رہتی تھی کہ خالق اور مخلوق دونوں کے ساتھ معاملے کو صاف رکھیں تاکہ حساب کے دن باز پرس نہ ہو۔ جب کبھی ان کو بخار آتا تو گھر کے تمام افراد کو اپنے گرد جمع کر کے وصیت کرنے لگتے، جس کا ماحصل یہی ہوتا تھا کہ وہ ظاہر اور باطن میں اللہ کا کوئی گناہ نہ ہونے پائے اور کسی بندے کا کوئی حق سر پر نہ رہ جائے۔ کیوں کہ اللہ غفور ورحیم ہونے کے باوجود حقوقِ عباد کو معاف نہیں کرے گا۔''

مولانا سلامت اللہ نے بھوپال میں مختلف مصروفیات کے ہجوم میں بھی تدریس حدیث کا سلسلہ جاری رکھا۔ حدیث رسول (ﷺ) سے انھیں انتہائی محبت تھی اور اس کا اظہار وہ درس وتدریس کی صورت میں بھی کرتے تھے اور وعظ وخطابت کے رنگ میں بھی۔

نواب صدیق حسن خاں کی ذات اور نواب شاہ جہاں بیگم کی قدر دانی کی بدولت بھوپال اس زمانے میں اہل علم اور اصحاب فضل کا مرکز تھا۔ اقطاعِ ہند کے ان علماے کرام میں سے جو کتاب وسنت کی اشاعت میں سرگرم رہتے، اکثر علماء بھوپال سے رابطہ رکھتے تھے۔ بلکہ نواب صاحب کی عربی تصانیف کی وجہ سے عراق، شام اور نجد وغیرہ کے اہل علم بھی بعض اوقات وہاں تشریف لاتے تھے۔ ان حضرات سے سرکاری طور پر گفتگو زیادہ تر مولانا سلامت اللہ صاحب ہی کرتے تھے۔

مولانا ممدوح بحث ومباحثہ سے بالعموم گریز فرماتے تھے۔ بھوپال میں مولانا محمد بشیر سہوانی نے اعلان فرمایا تھا کہ قربانی ذی الحجہ کی آخری تاریخ تک کی جاسکتی ہے۔ اس کا ذکر بعض لوگوں نے مولانا سلامت اللہ صاحب سے کیا تو انھوں نے ان لوگوں کو کوئی جواب نہیں دیا۔ اپنے صاحب زادے حافظ محمد اسلم کو کچھ پیسے دیے اور فرمایا کہ یہ پیسے مولانا محمد بشیر کی خدمت میں پیش کرو اور ان سے کہو کہ جس دن آپ قربانی کریں، اس میں ہمارا حصہ بھی ڈال لیں۔ یہ معلوم نہ ہوسکا کہ یہ پیسے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

طنز یا مذاق کے طور پر ان کی خدمت میں بھیجے تھے یا ان کا بھی اس مسئلے میں وہی نقطہ نظر تھا جو مولانا سہسوانی کا تھا۔

اب ایک واقعہ سنیے جو حافظ محمد اسلم جیراج پوری اپنے متعلق اپنے والد اور والدہ کی قبولیتِ دعا کے بارے میں بیان کرتے ہیں۔

''مجھے چوبیس مہینے یعنی دو سال پورا قرآن حفظ کرنے میں لگے، جن میں سے تقریباً تین مہینے بیماری میں گزرے۔

''یہ بیماری تپ محرقہ تھی۔ حکیم بھی تھے اور ڈاکٹر بھی، مگر کسی کی دوا سے کوئی فائدہ نہ ہوا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ سر کے بال جھڑ گئے اور کبھی کبھی غفلت کا غلبہ ہونے لگا۔ ایک دن سرِ شام ہی سے بالکل ہوش جاتا رہا اور آنکھیں بند ہوگئیں۔ رات بھر والدہ میرے سرھانے بیٹھی رہیں اور والد اضطراب میں چارپائی کے سامنے صحن میں ٹہلتے رہے۔ پریشانی کی وجہ سے گھر میں کھانا بھی نہیں پکا۔ فجر کے وقت جب کہ والد مسجد میں نماز پڑھانے گئے تھے، میں ایک دم اٹھ بیٹھا اور لوٹے میں پانی مانگا۔ والدہ نل میں سے لوٹا بھر رہی تھیں کہ سیڑھیوں پر والد کے آنے کی آہٹ معلوم ہوئی۔ لپک کر گئیں اور کہا کہ لڑکا اٹھ بیٹھا۔ والد الٹے پاؤں مسجد کو لوٹ گئے اور مقتدیوں کو جن کے ساتھ مل کر میری صحت کی دعا مانگی تھی، یہ خبر سنائی۔ پھر گھر میں آئے۔ میں بشاش تھا اور مرض سے نجات پاچکا تھا۔

''والدہ نے مجھ سے ایک بار کہا کہ ایسی کوئی بات نہ کرنا جس سے تمھارے حق میں تمھارے ابا کی زبان سے کوئی برا کلمہ نکل جائے۔ کیوں کہ اللہ ان کی بات سنتا ہے۔ میں نے کہا کیا ہماری بات نہیں سنتا؟ کہنے لگیں سنتا تو سب کی ہے مگر ان کی جلد مان لیتا ہے جو اس کے ولی ہوتے ہیں۔ غالباً ٹھیک وہی وقت تھا جب کہ والد اُدھر نماز کے بعد دعا مانگ رہے تھے کہ ادھر اللہ نے مجھ کو دوبارہ زندہ کردیا، اس لیے مجھے والدہ کی بات کا یقین آ گیا۔

''مجھے ہمیشہ وطن سے باہر غربت ہی میں رہنا پڑا۔ اس بیماری کے بعد کبھی کسی سخت بیماری میں اللہ نے مبتلا نہیں کیا۔ اتفاقیہ طور پر کبھی کوئی معمولی شکایت ہوجاتی ہے تو دوا کرتا ہوں مگر فوراً اطلاعی خط والدہ کو لکھ دیتا ہوں۔ جہاں خط پہنچا۔ ادھر والدہ دونوں ہاتھ اٹھا کر اللہ کے سامنے کھڑی ہوئیں اور اِدھر میں اچھا ہوا۔''

حافظ محمد اسلم ۱۹۰۳ء میں مروّجہ تعلیم سے فارغ ہو کر بہ طور مترجم ''پیسہ اخبار'' (لاہور) سے

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

منسلک ہوگئے تھے۔ ۱۹۰۴ء کے ماہِ جون میں ان کو بھوپال سے اپنے والد مولانا سلامت اللہ کی بیماری کی اطلاع بذریعہ تار پہنچی۔ انھیں ذات الجنب کا عارضہ تھا۔ اطلاع ملتے ہی وہ بھوپال کو روانہ ہوگئے۔ ان کے جانے کے دوسرے دن ان کی طبیعت زیادہ خراب ہوگئی۔ ان کے آخری وقت کے متعلق حافظ محمد اسلم کے الفاظ پڑھیے۔

''عشاء کے وقت چارپائی سائبان میں تھی۔ دو ملازم پنکھا جھل رہے تھے۔ خیال تھا کہ نیند آ گئی ہے۔ میں ان کے قریب ہی نماز پڑھنے لگا۔ یکا یک انھوں نے زور کا سانس لیا۔ نوکروں کو احساس بھی نہ ہوا، مگر میرا دل کھٹکا۔ سلام پھیرنے کے بعد دیکھا تو وہی آخری سانس تھا۔ ان کے سرھانے صحن میں ایک چارپائی پر بیٹھ گیا۔ اللہ کا احسان ہے جس نے رنج کے پہلے ہی حملے میں دل پر صبر انڈیل دیا۔ جہاں تک ہوسکا قرآن پڑھتا رہا۔ تاہم وہ رات میرے اوپر سخت گزر گئی۔ وہ میری زندگی میں انقلاب کی رات تھی۔ والد کے چہرے کے ساتھ دنیا جس قدر مجھ کو خوش نما نظر آتی تھی، ان کے بعد پھر کبھی ویسی نظر نہ آئی۔

''ان کا انتقال ۳۰۔ ربیع الاوّل ۱۳۲۲ھ مطابق ۱۵۔ جون ۱۹۰۴ء کو ہوا۔ نماز فجر کے بعد شیخ حسین عرب آئے۔ انھوں نے اپنے ہاتھوں سے غسل دیا۔ جب جنازہ لے کر نکلے تو باہر بڑا ہجوم تھا۔ محبت شاہ کے تکیہ میں جو نواب صدیق حسن خاں کے مقبرہ کے مشرقی جانب سڑک سے ملا ہوا ہے، لے جا کر دفن کیا۔ آنے والوں کا تانتا نہیں ٹوٹتا تھا۔ تین بار جنازہ کی جماعت ہوئی۔''

اس سے تیرہ سال بعد ۱۹۱۷ء میں حافظ محمد اسلم جیراج پوری بھوپال گئے۔ اپنے والد مولانا سلامت اللہ کی قبر پر حاضری دی تو دیکھا کہ تکیہ محبت شاہ کے متصل گوجروں کا محلّہ آباد ہوگیا ہے جس کی وجہ سے قبرستان میں گندگی پھیل گئی ہے۔ اس سے انھیں بے حد تکلیف پہنچی۔ اس کا اظہار ایک فارسی نظم میں کیا اور یہ نظم والیہ بھوپال کی خدمت میں بھجوائی۔ نظم پڑھ کر والیۂ بھوپال نہایت متاثر ہوئیں۔ انھوں نے اسی وقت قبرستان کی صفائی کا حکم دیا اور آئندہ کے لیے اس کی صفائی کا بندوبست کیا گیا۔

مولانا سلامت اللہ جیراج پوری کی خدمات کا تعلق قرآن وحدیث اور دیگر اسلامی علوم کی تدریس اور وعظ وتبلیغ سے ہے، جس کی تفصیل گزشتہ سطور میں بیان کی گئی ہے۔ انھوں نے تحریر وکتابت کی طرف توجہ نہیں فرمائی۔ صرف ایک رسالہ تصوف کے بارے میں لکھا اور کچھ باتیں بیعت کے سلسلے میں تحریر فرمائیں۔ ان کی یہ مختصر سی تحریریں تھیں۔ یہ بھی دست بردِ زمانہ کی نذر ہوگئیں۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

مولانا سلامت اللہ جیراج پوری کے ایک ہی بیٹے تھے، حافظ محمد اسلم جیراج پوری، جن کا ذکر گزشتہ سطور میں ہوا۔ وہ بھی عالم دین تھے۔ تاریخ ان کا خاص موضوع تھا۔ متعدد کتابوں کے مصنف تھے۔ تاریخ القرآن، تاریخ الامت اور تاریخ نجد وغیرہ کتابیں ان کی تصانیف میں شامل ہیں۔ عمر کے ابتدائی دور میں وہ سلسلۂ اہل حدیث سے وابستہ تھے۔ لیکن بعد میں انھوں نے اس سلسلے سے وابستگی ختم کرلی تھی۔ ان کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ انسان کی ہدایت کے لیے قرآن کافی ہے، حدیث کی ضرورت نہیں۔ حدیثوں کا تعلق دین سے نہیں بلکہ یہ دین کی تاریخ ہیں۔

واضح لفظوں میں یوں سمجھیے کہ حافظ محمد اسلم جیراج پوری حدیث کی حجیت کے قائل نہیں تھے اور ان کے نزدیک حدیث کا شریعت سے کوئی علاقہ نہ تھا۔ وہ اگرچہ اپنے آپ کو منکر حدیث نہیں کہلاتے تھے، لیکن درحقیقت ان کا شمار اسی گروہ میں ہوتا ہے، جن کے نزدیک نبی ﷺ کی احادیث مبارکہ کو کوئی اہمیت حاصل نہیں ہے۔ میرے ہفت روزہ ''الاعتصام'' کے زمانۂ ادارت میں ان کا ایک طویل خط مجھے آیا تھا۔ میں نے کسی مضمون میں انھیں منکر حدیث لکھا تھا۔ یہ خط میرے اسی قسم کے الفاظ کا جواب تھا۔ انھوں نے اس سے انکار کیا تھا کہ ان کا تعلق منکرین حدیث سے ہے، لیکن انکار سے کیا ہوتا ہے۔ معاملہ وہی تھا جو بیان کردیا گیا۔

ان کا آخری خط مجھے ۱۷۔ نومبر ۱۹۵۵ء کو ملا، جب میں اخبار ''الاعتصام'' کی خدمت ادارت پر مامور تھا۔ ہم نے اعلان کیا تھا کہ فروری ۱۹۵۶ء میں ''الاعتصام'' کا حجیت حدیث نمبر شائع کیا جائے گا۔ اس نمبر کا حافظ محمد اسلم جیراج پوری کو شدید انتظار تھا۔ یہ ایک سو صفحات کا ضخیم نمبر میری ادارت میں ۱۷۔ فروری ۱۹۵۶ء کو چھپا، لیکن حافظ صاحب اس کا مطالعہ نہیں کرسکے۔ اس لیے کہ وہ اس کی اشاعت سے پونے دو مہینے پہلے وفات پاگئے تھے۔ وہ ۲۷۔ جنوری ۱۸۸۲ء (۷۔ ربیع الاوّل ۱۲۹۹ھ) کو جمعے کے دن اپنے وطن جیراج پور (ضلع اعظم گڑھ) میں پیدا ہوئے اور ۷۳ سال کی عمر میں، ۲۸۔ دسمبر ۱۹۵۵ء کو دہلی میں ان کا انتقال ہوا۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ (دہلی) کے قبرستان میں سپردِ خاک کیے گئے۔ وہ جامعہ ملیہ میں خدمت تدریس سرانجام دیتے تھے۔ لیکن وہ اپنے مسلک انکارِ حدیث سے جامعہ ملیہ یا کسی اور جگہ کے ایک شخص کو بھی متاثر نہ کرسکے۔

انھوں نے کئی کتابیں تصنیف کیں جو اصحابِ علم کے مطالعہ میں آئیں۔ ان کی وفات سے ستائیس برس بعد ۱۹۸۲ء میں جامعہ ملیہ کے اربابِ اختیار نے اپنے ماہانہ مجلّے ''جامعہ'' کا حافظ محمد اسلم جیراج پوری نمبر شائع کیا جو ۱۸۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ نمبر مارچ، اپریل اور مئی ۱۹۸۲ء کا مشترکہ شمارہ ہے۔ اس میں متعدد حضرات کے مضامین شائع ہوئے ہیں۔ لیکن حافظ صاحب کے انکارِ حدیث کے نقطۂ نظر کی تائید میں کوئی مضمون نہیں ہے۔ اس نمبر میں ایک مضمون خود حافظ محمد اسلم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

جیراج پوری کا ہے، جس کا عنوان ہے ''میری طالب العلمی''۔ یہ طویل مضمون ہے جو اس رسالے کے صفحہ ۹ سے لے کر صفحہ ۶۷ تک پھیلا ہوا ہے۔ یہ مضمون انھوں نے ۱۹۳۷ء میں لکھا تھا جو ان کے مجموعۂ مضامین ''نوادرات'' میں شامل ہے۔ ادارہ ''جامعہ'' نے وہیں سے اس خاص نمبر میں یہ مضمون درج کیا ہے۔ اس مضمون میں حافظ محمد اسلم جیراج پوری نے اپنے والد مکرم مولانا سلامت اللہ جیراج پوری کے حالات خاصی تفصیل سے لکھے ہیں۔ ان کے علاوہ ان علماے کرام کا تذکرہ بھی حافظ صاحب نے اس مضمون میں کیا ہے جن کی بھوپال میں مولانا سلامت اللہ یا نواب صدیق حسن خاں کے ہاں آمد ورفت رہتی تھی۔

میں نے مولانا سلامت اللہ جیراج پوری سے متعلق جو کچھ لکھا ہے، وہ اسی مضمون سے مستفاد ہے۔ مولانا سلامت اللہ کا تذکرہ مولانا ابویحییٰ امام خاں نوشہروی نے بھی اپنی کتاب ''تراجم علماے حدیث ہند'' میں کیا ہے جو صرف دو صفحات پر مشتمل ہے۔

مولانا سلامت اللہ جیراج پوری کا ذکر نزہۃ الخواطر کی آٹھویں جلد میں حکیم سید عبدالحی حسنی نے بھی فرمایا ہے۔ ذیل میں اس کا اردو ترجمہ درج کیا جارہا ہے۔ اس سے مولانا جیراج پوری کے بعض ان اساتذہ کا پتا چلتا ہے، جن کا ذکر کسی اور نے نہیں کیا۔ صاحب نزہۃ الخواطر لکھتے ہیں۔

''شیخ، عالم، محدث سلامت اللہ بن رجب علی جیراج پوری جو بھوپال میں قیام پذیر ہوئے اور وہیں دفن کیے گئے، وہ اعمالِ اعظم گڑھ کے ایک گاؤں جیراج پور میں پیدا ہوئے اور وہیں پلے بڑھے۔ انھوں نے بعض درسی کتابیں مولوی عبداللہ جیراج پوری اور مولوی عبدالغنی بن شاہ میر فرخ آبادی سے پڑھیں۔ پھر جون پور گئے اور وہاں مفتی محمد یوسف بن محمد اصغر انصاری فرنگی محلی لکھنوی سے استفادہ کیا۔ اس کے بعد سہارن پور کا قصد کیا۔ وہاں اس وقت مولانا احمد علی حنفی سہارن پوری کی مسند درس آراستہ تھی۔ ان سے مولانا سلامت اللہ نے درسِ حدیث لیا۔

''سہارن پور سے عازمِ دہلی ہوئے۔ وہاں ہمارے شیخ محدث نذیر حسین دہلوی کا سلسلۂ درس جاری تھا، اس میں شامل ہوئے اور ان سے سند حدیث لی۔

''پھر بھوپال تشریف لے گئے اور وہاں کے مدرسہ سلیمانیہ کی مسند تدریس پر متمکن ہوئے۔ ایک عرصے تک وہاں خدمت تدریس سرانجام دیتے رہے۔ بعد ازاں ریاست بھوپال کے محکمہ تعلیم کے افسر اعلیٰ مقرر کیے گئے۔ ایک مدت تک اس منصب پر فائز رہے۔ والیہ بھوپال کی وفات کے بعد بھی انھیں ریاست میں اعزاز کا مقام حاصل رہا۔

''مولانا سلامت اللہ جیراج پوری کا شمار کبار علماء میں سے ہوتا تھا۔ وہ ہمیشہ درس وافادہ میں مشغول رہے۔''

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

حکیم سید عبدالحی حسنی رقم فرماتے ہیں کہ ''میں نے بعض ثقہ حضرات سے سنا ہے کہ مولانا سلامت اللہ اپنا انتساب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طرف کرتے تھے (یعنی فاروقی کہلاتے تھے۔)

''انھوں نے بھوپال آنے کے بعد ہمارے شیخ حسین بن محسن انصاری یمنی سے بھی حدیث پڑھی اور شیخ حسین انصاری نے ان کو صحاح ستہ کی اجازتِ خاصہ اور باقی کتابوں کی اجازتِ عامہ دی۔''

مولانا سلامت اللہ جیراج پوری نے یکم ربیع الثانی ۱۳۲۲ھ کو وفات پائی۔'' [1] عیسوی حساب سے یہ ۱۵۔ جون ۱۹۰۴ء تاریخ بنتی ہے۔

حکیم سید عبدالحی حسنی کے اس اندراج سے پتا چلتا ہے کہ مولانا سلامت اللہ جیراج پوری نے مولانا احمد علی سہارن پوری سے بھی حصولِ فیض کیا تھا اور ان سے حدیث پڑھی تھی۔ لیکن سید عبدالحی حسنی نے یہ نہیں بتایا کہ وہ کتنا عرصہ مولانا احمد علی سہارن پوری کے پاس رہے اور ان سے حدیث کی کون کون سی کتابیں پڑھیں۔

بہرکیف اس عبارت سے ہمیں یہ ضرور معلوم ہوا کہ مولانا سلامت اللہ جیراج پوری نے اپنے وقت کے دونوں سرچشموں سے سیراب ہونے کی سعادت حاصل کی۔ مولانا احمد علی سہارن پوری کے سرچشمہ حدیث سے بھی اور حضرت میاں سید نذیر حسین دہلوی کے عظیم الشان سرچشمۂ قرآن وحدیث سے بھی۔ اس سے قبل ہمیں یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ انھوں نے دیوبند جا کر مولانا محمد قاسم نانوتوی سے بھی استفادہ کیا تھا۔ لیکن وہ متاثر حضرت میاں صاحب ہی سے ہوئے اور عمل بالحدیث کے سلسلے میں وہی اسلوب اختیار کیا جو حضرت میاں صاحب کا تھا۔ ان کے نزدیک یہی اصل اسلوب تھا اور اسی کا نام صبغۃ اللہ ہے۔ یعنی اللہ کی اطاعت کا رنگ۔ رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ

---

[1] نزہۃ الخواطر، جلد: ۸، صفحہ ۱۷۳، ۱۷۴

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مولانا محمد سعید بنارسی

(وفات ۲۷۔ نومبر ۱۹۰۴ء)

متحدہ ہندوستان کے جن حضرات نے کسی غیر مذہب سے نکل کر اسلام قبول کیا اور ایک عظیم عالم دین کی حیثیت سے شہرت پائی، ان میں ایک عالی قدر شخصیت کو مولانا محمد سعید کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔ ان کا خاندانی تعلق پنجاب کے ضلع گجرات کے قصبہ کنجاہ سے تھا جو فارسی کے مشہور شاعر غنیمت کنجاہی کا مسکن تھا۔

مولانا محمد سعید کنجاہ کے ایک امیر ہندو گھرانے میں پیدا ہوئے، جنھیں کھتری کہا جاتا تھا۔ ان کے والد کا نام کھڑک سنگھ تھا، جسے علاقے کے معززین میں گردانا جاتا تھا اور بیٹے کا پیدائشی نام مول سنگھ تھا۔ مول سنگھ ماں باپ کا نہایت پیارا بیٹا تھا۔ تعلیم حاصل کرنے کے بعد اس نے محکمہ ڈاک میں ملازمت اختیار کرلی تھی اور سرکار نے گوجراں والا میں اسے پوسٹ ماسٹر مقرر کردیا تھا۔ محکمانہ سلسلے میں مول سنگھ کی لاہور آمد ورفت رہتی تھی۔ ایک مرتبہ لاہور میں ان کی ملاقات مولانا عبید اللہ سے ہوئی جو اصلاً مشرقی پنجاب کی ریاست پٹیالہ کے قصبہ ''پائل'' کے رہنے والے تھے اور پیدائشی طور سے ہندو تھے۔ ان کا نام ماں باپ نے انت رام رکھا تھا اور انھوں نے ستمبر ۱۸۴۸ء (۱۲۶۴ھ) کو شہر مالیر کوٹلہ میں عید الفطر کی نماز کے مجمع عام میں اپنے قبولِ اسلام کا اعلان کیا تھا۔ علوم دینی کی تحصیل کے بعد مولانا عبید اللہ بہت بڑے عالم دین کی حیثیت سے مشہور ہوئے۔ ''تحفۃ الہند'' کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی، جس میں ہندو دیوتاؤں اور دیویوں کے عجیب وغریب واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ بے شمار ہندو اور سکھ مولانا عبید اللہ کی کوشش سے مسلمان ہوئے، جس کی تفصیل ''تحفۃ الہند'' میں دی گئی ہے۔ اس جلیل القدر عالم نے ۱۸۹۳ء (۱۳۱۰ھ) میں وفات پائی۔

لاہور میں مول سنگھ کی ان سے ملاقات ہوئی اور مختلف مذاہب سے متعلق گفتگو کا سلسلہ شروع ہوا تو مول سنگھ کی ذہنی کیفیت بدل گئی، جس کا ظہور محمد سعید کی صورت میں ہوا۔ یہ کوئی معمولی بات نہ تھی۔ بہت بڑی بات تھی۔ اتنے بڑے گھرانے کے فرد اور ایک اہم سرکاری عہدے پر فائز اہل کار کا اسلام قبول کرنا چھپ نہیں سکتا تھا۔ ان کے والد کھڑک سنگھ کو اس کا پتا چلا تو فوراً گوجراں والا پہنچے اور بیٹے کو پکڑ کر ہر دوار لے گئے۔ جو ہندوؤں کا مرکز ہے۔ چھوٹے بھائی گوپال سنگھ کو ان کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

نگرانی کے لیے بھیج دیا گیا۔ پجاریوں نے بہ طور سزا ان کو مالا جپنے اور گائیں چرانے کا حکم دیا۔ لیکن انھوں نے گائیں چھوٹے بھائی گوپال سنگھ کے سپرد کیں اور خود مالا لے کر ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور سبحان اللہ وبحمدہ وسبحان اللہ العظیم پڑھنا شروع کر دیا۔ یہ عمل کچھ دن جاری رہا۔ پھر کسی طرح وہاں سے بھاگ نکلے اور دوبارہ حلقۂ اسلام میں آ گئے.....!

اس کے بعد والد نے ان کا پیچھا کرنا چھوڑ دیا۔ اب وہ ملازمت سے مستعفی ہو کر دیوبند چلے گئے۔ وہاں باقاعدگی سے حصولِ علم کا آغاز کر دیا اور دار العلوم دیوبند کے اساتذہ سے فنون کی نصابی کتابیں پڑھیں۔ لیکن جب علم حدیث پڑھنے لگے تو دیکھا کہ مختلف احادیث کی جو تشریح کی جا رہی ہے، وہ الفاظ حدیث سے مطابقت نہیں رکھتی۔ اس پر دورانِ درس اساتذہ سے بحث ہونے لگی تو انھیں دارالعلوم سے نکال دیا گیا۔ اب وہ دیوبند سے دہلی پہنچے اور حضرت میاں سید نذیر حسین کے حلقۂ درس میں شامل ہو گئے۔ میاں صاحب سے تفسیر اور حدیث کی کتابیں پڑھیں اور سند حاصل کی۔ اس زمانے میں ان کے والد کھڑک سنگھ نے میاں صاحب کی خدمت میں خط بھیجا جس میں لکھا کہ ''میں نے اپنے لڑکے کو ناز و نعمت سے پالا ہے، اس پر نظر عنایت رکھیے گا۔''

میاں صاحب یہ الفاظ پڑھ کر آب دیدہ ہو گئے۔

مولانا محمد سعید نے جون پور کے مدرسہ امام بخش میں حضرت حافظ عبداللہ غازی پوری کی خدمت میں بھی حاضری دی اور ان سے فقہ و اصول کی بعض کتابیں پڑھیں اس وقت مولانا تلطف حسین بہاری اور مولانا علی نعمت پھلواروی ان کے ہم درس تھے۔

مولانا محمد سعید مکہ معظمہ تشریف لے گئے تو وہاں قاضی شوکانی کے تلمیذ رشید شیخ عباس بن عبدالرحمٰن سے سند و اجازہ حاصل کی۔

تکمیل تعلیم کے بعد مولانا ابو محمد ابراہیم آروی کے اصرار پر مولانا محمد سعید کچھ عرصہ مدرسہ احمدیہ آرہ میں خدمت تدریس انجام دیتے رہے۔ وہاں سے بنارس تشریف لے گئے اور خود ایک مدرسہ جاری کیا اور پھر وہیں کے ہو رہے، اور مولانا محمد سعید بنارسی کی نسبت سے شہرت پائی۔

مولانا محمد سعید بنارسی مصنف بھی تھے۔ انھوں نے احناف کی ایک کتاب کشف الحجاب کے جواب میں ہدایۃ المرتاب کے نام سے کتاب لکھی۔ یہ کتاب حضرت نواب سید صدیق حسن خاں کو پہنچی تو انھوں نے اسے بہت پسند فرمایا اور پچاس روپے ان کا ماہانہ وظیفہ مقرر کر دیا۔

حنفی عالم مولانا ظہیر احسن شوق نیموی سے مولانا محمد سعید بنارسی کا مناظروں کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ شوق کی بعض کتابوں کے جواب میں انھوں نے ''مجموعۃ السکین'' لکھی۔ اس کے علاوہ بھی بعض کتابیں لکھیں۔ وہ اپنے مسلک کی تبلیغ میں بے حد جری تھے۔ اشاعت توحید کی غرض سے انھوں نے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

''نصرۃ السنہ'' کے نام سے اخبار بھی جاری کیا تھا۔

اشاعت کتب کی غرض سے مولانا محمد سعید نے بنارس میں ''سعید المطابع'' کے نام سے ایک مطبع قائم کیا۔ اس مطبعے میں توحید وسنت کی نصرت میں بہت سی کتابیں طبع ہوئیں جو اصحابِ علم کے مطالعہ میں آئیں۔

حضرت میاں سید نذیر حسین دہلوی کے اس رفیع المرتبت شاگرد نے مسلک اہل حدیث کی اشاعت کو اپنا فرض قرار دے لیا تھا۔ یہ فرض انھوں نے مندرجہ ذیل صورتوں میں ادا کیا۔

⊙..... درس وتدریس کی صورت میں: اس کے لیے بنارس میں مدرسہ سعیدیہ قائم کیا، جس میں ان سے بے شمار علما وطلبا نے اکتسابِ علم کیا اور پھر انھوں نے کتاب وسنت کی تبلیغ کی ذمہ داریاں سنبھالیں۔

⊙.....تصنیف وتالیف کی صورت میں: جس شخص نے توحید وسنت پر کوئی اعتراض کیا۔ اس کا انھوں نے تحریری طور پر محققانہ جواب دیا۔

⊙.....مناظروں اور مباحثوں کی صورت میں:

⊙..... وعظ وخطابت کی صورت میں:

⊙..... اپنے مطبع سعید المطابع میں کتابوں کی اشاعت کی صورت میں۔

مولانا محمد سعید بنارسی نے ۲۷۔ نومبر ۱۹۰۴ء (۱۸۔ رمضان المبارک ۱۳۲۲ھ) کو بنارس میں وفات پائی۔

ان کے چھ بیٹے تھے اور سب عالم وبلغ۔ ان کے نام یہ ہیں: ① مولانا محمد ابوالقاسم سیف بنارسی، ② قاری احمد سعید، ③ مولانا ابومسعود محمد بنارسی، ④ مولانا عبدالآخر، ⑤ حافظ عبداللہ، ⑥ مولانا عبدالرحمٰن۔

یہ سطور ۶۔ جون ۲۰۰۸ء کو لکھی جا رہی ہیں۔ اس حساب سے مولانا محمد سعید بنارسی کی وفات پر ایک سو چار برس کا طویل عرصہ گزر چکا ہے۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے، ان کے بارے میں قدرے تفصیل سے سب سے پہلے مولانا ابویحییٰ امام خاں نوشہروی نے لکھا جو ان کی کتاب ''تراجم علمائے حدیث ہند'' میں چھپا۔ یہ کتاب ۱۹۳۸ء میں دہلی سے شائع ہوئی تھی۔ میں نے یہ سطور اسی کتاب کی مدد سے لکھی ہیں۔ [1]

میرے خیال میں ان کے بارے میں اور کسی نے اس سے زیادہ نہیں لکھا۔ اگر لکھا ہے تو مجھے

---

[1] ملاحظہ ہو: تراجم علمائے حدیث ہند، ص: ۳۵۳

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اس کا علم نہیں۔ حکیم سید عبدالحی حسنی نے نزہۃ الخواطر میں ان کا تذکرہ چند سطور میں کیا ہے۔ ❶

ہمارے اہل حدیث حضرات کا معاملہ یہ ہے کہ یہ اپنے بزرگوں کا تذکرہ کرنے میں بے حد مداہنت سے کام لیتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ کسی کو ان کے حالات کا پتا نہیں چلتا۔ اس جماعت کے بہت کم اہل علم ہوں گے جنھوں نے اپنے عالم وفاضل آبا واجداد کے واقعاتِ حیات لکھے ہوں گے۔ ان کا تذکرہ ان کے شاگردوں نے بھی کم ہی کیا ہوگا۔ زیادہ تر ان کے تذکار دوسروں نے لکھے، جن کا نہ ان سے کوئی نسبی تعلق ہے اور نہ استادی شاگردی کا کبھی ان سے رابطہ رہا۔

مولانا محمد سعید بنارسی اور ان کے فرزندانِ گرامی علم وعمل اور فضل وکمال کی دولت سے مالا مال تھے۔ افسوس ہے ہم ان کے تفصیلی حالات سے محروم ہیں۔ بنارس شہر اور اس کے نواح میں بے شمار اصحابِ فضیلت نے جنم لیا ہے، ان کے مفصل حالات کتابی شکل میں لوگوں کے علم میں آنے چاہئیں۔ ❷

مولانا محمد سعید بنارسی جماعت اہل حدیث کی عظیم شخصیت تھے۔ لیکن افسوس ہے نہ ہمیں ان کی تاریخ ولادت کا علم ہے، نہ ان کے قبول اسلام کے سن وسال کا پتا ہے۔ نہ ہمیں یہ معلوم ہے کہ وہ ہردوار کتنا عرصہ رہے اور کس طرح وہاں سے بھاگے۔ نہ اس بات کا سراغ ملتا ہے کہ دارالعلوم دیوبند میں انھوں نے کن اساتذہ سے کون سی کتابیں پڑھیں اور کتنے سال وہاں رہے۔ پھر اس سے بھی ہم نا آشنا ہیں کہ وہ حضرت میاں سید نذیر حسین دہلوی کی خدمت میں کب آئے، ان سے حدیث کی کون کون سی کتابیں پڑھنے کی سعادت حاصل کی اور کس سال ان سے سند حدیث لی۔ یہ بات بھی ہمارے علم میں نہیں آتی کہ وہ بنارس کب گئے، مدرسہ سعیدیہ کب جاری کیا اور کون کون لوگ ان کے حلقۂ شاگردی میں شامل ہوئے اور کس نے ان سے کس طرح استفادہ کیا۔ ان کے مطبع سعید المطابع کے قیام کے زمانے کا بھی ہمیں علم نہیں۔

مولانا محمد سعید کے علاوہ بھی بہت سے علمائے کرام ہیں، جن کے مکمل حالات سے ہم محروم ہیں۔ اسے ہماری کوتاہی، اہل علم سے بے تعلقی اور مداہنت سے تعبیر کرنا چاہیے۔

---

❶ نزہۃ الخواطر، ج:۸، ص:۴۵۵

❷ ممکن ہے کسی نے لکھے ہوں اور میرے علم میں نہ آئے ہوں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مولانا تلطف حسین عظیم آبادی

(وفات ۱۹ مئی ۱۹۰۶ء)

حضرت میاں سید نذیر حسین دہلوی رحمہ اللہ کے حالات ''دبستانِ حدیث'' میں خاصی تفصیل سے بیان کیے جا چکے ہیں۔ ان سے فیض حاصل کرنے والوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے، جن میں سے بعض اہم شخصیتوں کا تذکرہ ''دبستانِ حدیث'' میں کیا گیا ہے اور زیرِ مطالعہ کتاب ''گلستانِ حدیث'' میں بھی ان میں سے متعدد حضرات کے حالاتِ زندگی اور ان کی تدریسی و تصنیفی تگ و تاز کے کوائف ضبطِ تحریر میں لائے گئے ہیں۔ ان بزرگانِ کرام میں ایک نہایت اہم نام مولانا تلطف حسین عظیم آبادی کا انیسویں صدی عیسوی کی کتبِ رجال میں مذکور ہے۔

مولانا ممدوح ۱۲۶۴ھ (۱۸۴۸ء) میں موضع محی الدین پور میں پیدا ہوئے جو ضلع پٹنہ (صوبہ بہار) میں واقع ہے۔ انھیں ''عظیم آبادی'' اس لیے کہا جاتا ہے کہ کسی زمانے میں صوبہ بہار کے موجودہ دارالحکومت پٹنہ کا نام ''عظیم آباد'' تھا اور ان کا گاؤں (محی الدین پور) اس شہر کے قرب و جوار میں واقع ہے۔ عظیم آباد اس کا نام اس لیے رکھا گیا تھا کہ چھٹے مغل حکمران اورنگ زیب عالم گیر کے عہدِ حکومت میں اس کے پوتے ''عظیم الشان'' کو اس علاقے کا گورنر مقرر کر کے یہاں بھیجا گیا تھا۔ اس کے نام کی مناسبت سے اس شہر کا نام عظیم آباد رکھ دیا گیا جس کی بنا پر بہت سی علمی شخصیتوں کو اس کی نسبت سے پکارا گیا اور یہ نسبت تاریخ کا ایک حصہ بن گئی۔ لیکن پٹنہ کے ''عظیم آباد'' نام نے زیادہ عمر نہیں پائی، تھوڑے عرصے بعد پھر ''پٹنہ'' ہو گیا۔

مولانا تلطف حسین عظیم آبادی اپنے دور کے مشاہیر اصحابِ علم سے فیض یاب ہوئے۔ حضرت حافظ عبداللہ غازی پوری اور مولانا محمد بشیر قنوجی سے قرآن و حدیث کا درس لیا۔ ممتاز عالم و مصنف مولانا عبدالحی فرنگی محلی انصاری لکھنوی سے فقہ اور اصولِ فقہ کی کتابیں پڑھیں۔ حضرت میاں سید نذیر حسین دہلوی سے حدیث اور علومِ حدیث کی تحصیل کی اور چھبیس برس ان کی خدمت میں رہے۔ علامہ حسین بن محسن انصاری یمانی سے بھی علمِ حدیث میں استفادہ کیا اور سندِ حدیث لی۔

مولانا تلطف حسین برصغیر کے بہت بڑے عالم اور بہت بڑے حاضر جواب مناظر تھے۔ استنباطِ مسائل وراثت میں مہارت رکھتے تھے۔ تدریس اور فتویٰ نویسی میں انھیں خاص شہرت حاصل

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تھی۔ تمام متداول علوم عربیہ پر عبور تھا۔ چھبیس سال کا عرصہ حضرت میاں صاحب کی صحبت وملازمت میں گزارا۔ میاں صاحب کے تذکرہ نگار مولانا فضل حسین بہاری فرماتے ہیں کہ ''زمانہ طالب علمی سے قبر تک ساتھ نہ چھوڑا۔'' ۱۳۰۰ھ میں میاں صاحب حج بیت اللہ کے لیے گئے تو مولانا تلطف حسین ان کے ساتھ تھے۔ وہاں جو ناخوش گوار واقعات پیش آئے، ان میں انھوں نے حضرت میاں صاحب کا پورا دفاع کیا۔ اس وقت سرزمین حرمین پر شریف کی حکومت تھی۔ حکومت اور وہاں کے لوگ وہابیوں کے سخت مخالف تھے۔ ہندوستان کے بعض لوگوں نے بھی وہاں کی حکومت کو میاں صاحب کے متعلق غلط اطلاعات پہنچائیں۔ ''الحیات بعد الممات'' کے مصنف لکھتے ہیں:

حضرت میاں صاحب کے مخالفین کو جب حج کے لیے ان کی روانگی کا علم ہوا تو چند اشخاص کو مختلف مواضع پنجاب، دیوبند، بدایوں اور خود دلی سے چار ورقوں کا ایک پمفلٹ لکھ کر بھیجا جس میں ان پر بعض مذہبی نوعیت کے الزامات عائد کیے گئے تھے۔ پہلے تو یہ لوگ بمبئی پہنچے اور وہاں کے بعض لوگوں سے مل کر میاں صاحب سے کچھ سوالات کیے۔ میاں صاحب نے ان کو ان سوالات کے جواب دیے۔ پھر جب میاں صاحب مکہ مکرمہ پہنچے تو یہ لوگ بھی ان کے ساتھ گئے۔ ان لوگوں کا مقصد یہ تھا کہ حجاز کی حکومت میاں صاحب کو ان الزامات میں یا تو قتل کردے یا انھیں اور ان کے ساتھیوں کو جیل میں ڈال دے۔

منیٰ میں میاں صاحب مسلسل تین دن لوگوں کو اردو، عربی، فارسی تینوں زبانوں میں وعظ فرماتے رہے، جس سے عرب لوگ بھی بہت متاثر ہوئے، افغانستان اور ایران کے حجاج کرام پر بھی ان کا بے حد اثر ہوا اور ہندوستان کے حاجی بھی فیض یاب ہوئے۔ اس اثنا میں ان کے مخالف بہ دستور ان کے خلاف حکام کے کان بھرتے رہے۔

۲۳۔ ذی الحجہ ۱۳۰۰ھ کو میاں صاحب کا پروگرام اپنے رفقاء کے ساتھ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کو روانگی کا تھا۔ لیکن اسی دن ان کے مخالفوں نے مکہ مکرمہ کے گورنر سے ملاقات کی اور چار ورق کا وہ پمفلٹ پیش کیا جو وہ ہندوستان سے چھپوا کر اپنے ساتھ لے گئے تھے، جس میں لکھا تھا کہ یہ وہابی ہیں، معتزلی ہیں، خنزیر کی چربی ان کے نزدیک حلال ہے اور خالہ اور پھوپھی سے نکاح کو یہ لوگ جائز قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ گورنر نے پولیس کے آدمی میاں صاحب کی قیام گاہ پر بھیجے کہ انھیں اور ان کے ساتھیوں کو پکڑ کر ان کے سامنے پیش کیا جائے۔ یہ کل چھ آدمی تھے، جنھیں پکڑنا مقصود تھا۔ اس دن تو کوئی خاص بات نہ ہوئی۔ اس کے بعد ۲۴ ذی الحجہ کو میاں صاحب اور ان کے پانچ ساتھیوں کو ایک تنگ سی کوٹھڑی میں بند کردیا گیا۔ یہ جمعۃ المبارک کا دن تھا، لیکن میاں صاحب اور ان کے ساتھی جمعہ نہیں پڑھ سکے۔ ۲۵ ذی الحجہ کی شب کو گورنر نے میاں صاحب سے مندرجہ ذیل سوالات

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

پوچھے اور میاں صاحب نے ان کے جواب دیے۔ اس وقت مولانا تلطف حسین بھی میاں صاحب کے ساتھ تھے۔

پہلا سوال یہ تھا کہ آپ کے نزدیک مالِ تجارت میں زکوٰۃ دینی چاہیے یا نہیں؟

جواب: میرے نزدیک مالِ تجارت سے زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے اور یہی میرا فتویٰ ہے جو مطبع حنفی دہلی سے شائع ہوا ہے۔

سوال نمبر۲ اور۳ یہ ہے کہ کیا خنزیر کی چربی کو آپ حلال اور پاک سمجھتے ہیں؟ نیز یہ بتایے کہ پھوپھی اور خالہ سے آپ کے نزدیک مناکحت جائز ہے؟

جواب: میں مسلمان ہوں اور فریضۂ حج ادا کرنے آیا ہوں۔ اگر میں خنزیر کی چربی کو حلال اور خالہ اور پھوپھی سے مناکحت کو جو نص قرآنی کی رو سے حرام ہے، جائز سمجھتا تو حج کے لیے کیوں آتا۔ ایسا سوال کسی مسلمان سے کرنا نہایت افسوس ناک اور تعجب انگیز ہے۔

سوال نمبر۴: حنفی مذہب کو آپ کیسا سمجھتے ہیں؟

جواب: ہدایہ جو حنفی مذہب کی ایک مستند کتاب ہے، اس کے جس مقام کا مطلب آپ چاہیں، ہم سے سنیں اور اسی مقام کا مطلب اپنے علماے حرمین سے پڑھوا کر سنیں۔ اس کے بعد خود بخود آپ کو معلوم ہوجائے گا کہ ہم حنفی مذہب کو کیسا سمجھتے ہیں۔

یہ جواب سن کر گورنر کو یقین ہوگیا کہ حضرت میاں صاحب بہت بڑے فاضل ہیں اور جو کچھ کہتے ہیں، صحیح کہتے ہیں۔ ان کے مخالفین کا نقطۂ نظر ان کے متعلق بالکل غلط ہے اور دشمنی اور تعصب پر مبنی ہے۔

میاں صاحب فرماتے ہیں جب گورنر سے میری گفتگو بذریعہ ترجمان ہونے لگی تو میں نے ترجمان سے پوچھا کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ اس نے جواب دیا: نیشا پور کا۔ میں نے کہا صائب نیشاپوری کہتا ہے۔

بے بصیرت چہ شناسد سخن صائب را
تلخ و شیریں بمذاقِ دلِ رنجور یکے ست

آپ کے ہاں میری نسبت جو شکایتیں لوگوں نے کیں، ان کے متعلق ذرا سوچنا تو تھا کہ یہ باتیں کسی مسلمان سے ہوسکتی ہیں؟

میاں صاحب فرماتے ہیں: گورنر نے مجھ سے کہا کہ اگر کوئی امر بے ادبی کا مجھ سے سرزد ہوا ہو تو معاف کردیجیے، میں بنی فاطمہ ہوں۔ میں نے کہا صاحب! میں بھی بنی فاطمہ ہوں۔ آپ بھی اپنا شجرۂ نسب پڑھیں، میں بھی پڑھتا ہوں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اس کے بعد گورنر نے میاں صاحب کو دوسرے کمرے میں بٹھا کر مزید تحقیق کے لیے ان کے شاگرد اور رفیق سفر مولانا تلطف حسین کو بلایا اور ان سے مندرجہ ذیل سوالات کیے۔

سوال: آپ کہاں کے رہنے والے ہیں؟

جواب: نواحِ عظیم آباد (پٹنہ) کے

سوال: اپنے شیخ کے ساتھ کب سے وابستہ ہیں؟

جواب: چھ برس سے۔

سوال: آپ کا بھی وہی مذہب ہے جو ان کا ہے؟

جواب: بے شک میرا وہی مذہب ہے۔

سوال: آپ کے شیخ نے کون کون سی کتابیں تصنیف کیں؟

اس سوال کے جواب میں انھوں نے ان کی تصانیف کے نام لیے۔ چند رسائل بھی بتائے۔

سوال: کیا چار ورق کا وہ پمفلٹ یعنی ''جامع الشواہد فی اخراج الوہابیین عن المساجد''، جس میں شحم خنزیر کو حلال اور خالہ اور پھوپھی سے نکاح کو جائز قرار دیا گیا ہے، آپ کے شیخ کی تالیف نہیں ہے؟

جواب: آپ کے اس سوال پر مجھے سخت تعجب ہوا۔ آپ کو اب تک یہ بھی پتا نہیں کہ اس رسالے کا مؤلف کون ہے؟ اس کا مضمون کیا ہے اور اس میں کس شخص پر اتہامات و بہتانات کا طومار باندھا گیا ہے؟ ملک کے اعلیٰ حکام کی یہ بے خبری نہایت افسوس کا باعث ہے۔ جناب والا یہ رسالہ ہمارے شیخ کے دشمنوں نے تالیف کیا ہے۔ اس میں ہمارے شیخ کی مذمت کی گئی ہے اور ان پر بہتان باندھے گئے ہیں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی شخص خود اپنی ہی تردید اور مذمت میں کتاب تالیف کرے؟

سوال: آپ کے شیخ نے اس پر مہر کیوں کی؟

جواب: بتایے اس پر ان کی مہر کہاں ہے؟

سوال: یہ دیکھو اس رسالے کے صفحہ سات پر ان کی مہر ثبت ہے۔

جواب: یہ محمد نذیر عرف نذیر احمد کی مہر ہے جو دہلی کے ایک مدرسے کا طالب علم ہے۔ ہمارے شیخ کا نام سید نذیر حسین ہے اور وہ ہندوستان کے بہت بڑے محدث ہیں۔ افسوس ہے آپ کو محمد نذیر اور سید محمد نذیر حسین میں نام کا جو فرق ہے، اس کا بھی علم نہیں۔ اس کے بعد انھوں نے سید محمد نذیر حسین کی مہر دکھائی جو معیار الحق اور بعض رسائل پر ثبت تھی۔ کتاب معیار الحق اس وقت گورنر کے سامنے موجود تھی۔

گورنر: بے شک شیخ کے بارے میں ہمیں بہت بڑا دھوکا دیا گیا ہے۔ تاہم ان مسائل کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بارے میں ہم آپ سے پوچھنا چاہتے ہیں جو اس رسالے میں آپ کے شیخ کی طرف منسوب کیے گئے ہیں۔

مولانا تلطف حسین: آپ جو سوال چاہے پوچھیں، میں اپنے شیخ کی طرف سے جواب دوں گا۔

سوال: کیا آپ کے شیخ مالِ تجارت میں زکوٰۃ کو واجب نہیں قرار دیتے؟

جواب: مالِ تجارت میں ہمارے شیخ وجوبِ زکوٰۃ کے قائل ہیں۔ اس کی تفصیل شیخ نے آپ کے سامنے بیان کردی ہے۔

سوال: کیا آپ کے شیخ پھوپھی اور خالہ سے نکاح کو جائز کہتے ہیں اور شحم خنزیر کو حلال؟

جواب: جو شخص مسلمان کہلائے اور حج بیت اللہ کے لیے یہاں آئے وہ ایسی بے ہودہ باتیں ہرگز نہیں کرسکتا۔

اس کے بعد گورنر مکہ سے مولانا تلطف حسین عظیم آبادی نے حسب ذیل سوالات پوچھے:

مولانا تلطف حسین: آپ ہمارے شیخ کے بارے میں کیا جانتے ہیں؟

گورنر: لوگ انھیں وہابی کہتے ہیں۔

مولانا تلطف حسین: کیا وہابی قرآن کو نہیں مانتے؟

گورنر: وہابی قرآن کو مانتے ہیں۔

مولانا: بہت افسوس ہے کہ آپ ہمارے شیخ کو وہابی جانتے ہیں اور وہابیوں کا قرآن کو ماننا بھی تسلیم کرتے ہیں، پھر بھی جس چیز (خالہ اور پھوپھی سے نکاح اور شحم خنزیر) کی حرمت نص قرآن میں موجود ہے، اس کی حلت کو ہمارے شیخ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

گورنر: متعجبانہ لہجے میں، خالہ اور پھوپھی سے نکاح کی حرمت قرآن میں کہاں ہے؟

مولانا: سورۂ نسا کے چوتھے رکوع میں والمحصنٰت سے پہلے **حرمت علیکم امھاتکم وبناتکم وعماتکم وخالاتکم**۔ یہ الفاظ سن کر گورنر دم بخود ہوگیا، لیکن مولانا تلطف حسین نے بہ مصداق ''ہر کہ دست از جاں بشوید ہر چہ در دل آید بگوید۔'' بلند آواز اور ترش لہجے میں کہا بڑے افسوس کی بات ہے کہ ہم لوگوں کو وہابی قرار دے کر اس حرم محترم میں جو مامن خلائق ہے، تکلیفوں اور سختیوں میں مبتلا کیا جائے اور اصل وہابیانِ نجد جو مدعی وہابیت ہیں بے روک ٹوک آئیں، حج کریں اور چلے جائیں، ان سے کسی قسم کا تعرض نہ ہو۔ ان کے علاوہ دوسرے مذاہب کے لوگ شیعہ اور خارجی وغیرہ بے تکلف آئیں اور جائیں۔ حالاں کہ وہ لوگ اصولاً وفروعاً مذہب اہل سنت کے علانیہ مخالف ہیں، ان سے کسی طرح کی باز پرس نہ ہو اور ہم لوگوں پر جو اصولاً وفروعاً اہل سنت ہیں، یہ دار وگیر ہورہی ہے۔ حرم محترم میں محرمات قطعیہ اتفاقیہ کا ارتکاب ہو (جیسے آبِ زمزم کی بیع وغیرہ عین مسجد الحرام

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

میں) اس پر حکام مکہ کی جانب سے سرزنش نہ کی جائے اور ہم لوگوں پر باوجود عدم صدور کسی جرم شرعی کے صرف تہمتوں کے سبب مواخذہ ہو، کیا یہ ظلم نہیں ہے اور ہم مظلوم نہیں ہیں؟

ہندوستان میں اس وقت انگریزی حکومت ہے۔ وہاں ہر مذہب والا آزادی کے ساتھ اپنے شعار مذہب ادا کرنے کا مجاز ہے۔ کسی مسلمان کو نہ جمعہ سے روکا جاتا ہے، نہ جماعت سے، لیکن یہاں اسلامی سرزمین اور مسلمانوں کی حکومت میں ہم لوگوں کے لیے طواف کعبہ اور جمعہ و جماعت کی ادائیگی میں بھی مشکلات پیش آ رہی ہیں۔

اس کے بعد گورنر نے حضرت سید نذیر حسین کو اپنے ہاں طلب فرمایا اور اپنے ہاتھ سے انھیں قہوہ پیش کیا۔ نیز گورنر مدینہ کے نام خط لکھ کر دیا کہ یہ معزز اور قابل احترام شخصیتیں ہیں، ان کی تکریم کی جائے اور خیال رکھا جائے کہ کوئی شخص انھیں تکلیف نہ پہنچائے۔ ❶

حضرت میاں صاحب کو مکہ مکرمہ میں جن اذیتوں سے گزرنا پڑا، اس کا ذکر ''آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی'' میں بھی کیا گیا ہے۔ یہ کتاب مولانا ابوالکلام آزاد سے متعلق ان واقعات پر مشتمل ہے جو انھوں نے اپنے معتمد خاص مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی کو املا کرائے تھے۔ مولانا کی وفات ۲۲۔ فروری ۱۹۵۸ء کو ہوئی تھی اور یہ کتاب پہلی مرتبہ حالی پبلشنگ ہاؤس دہلی کی طرف سے اپریل ۱۹۵۸ء کے شروع میں شائع ہوئی تھی۔ یعنی مولانا کی وفات سے صرف سوا مہینا بعد۔

مولانا ابوالکلام آزاد بیان فرماتے ہیں کہ جب حضرت میاں صاحب مکہ مکرمہ پہنچے، اس وقت ان کے والد (مولوی خیر الدین) بھی وہیں تھے۔ وہ اہل حدیث کے سخت خلاف تھے اور شریف مکہ کے دربار میں انھوں نے میاں صاحب سے بعض مسائل کے سلسلے میں سوالات بھی کیے تھے۔ یہ باتیں مولانا آزاد کو خود ان کے والد نے بتائی تھیں۔ لیکن مولانا چوں کہ اپنے والد کے برعکس اہل حدیث نقطہ نظر کے حامل تھے، اس لیے وہ اپنے والد کے موقف کو غلط اور میاں صاحب کے افکار کو صحیح قرار دیتے ہیں۔

مولانا فرماتے ہیں کہ ان کے والد کے قیام مکہ کے زمانے میں جو واقعات پیش آئے، ان میں ایک واقعہ کا تعلق مولانا سید نذیر حسین صاحب سے ہے۔ ''وہ ہندوستان میں درسِ حدیث کے آخری مرکز تھے۔ ❷ انھوں نے جب سفر حج کا ارادہ کیا تو ان کو خیال پیدا ہوا کہ مخالفین مکہ میں ایذا رسانی کی کوشش کریں گے، اس لیے کہ علمائے وہابیہ کے ساتھ وہاں پہلے جو سلوک ہو چکا تھا، اس سے وہ

---

❶ الحیات بعد الممات، ص:۱۵۱ تا ۱۶۲۔ مطبوعہ کراچی ۱۹۵۹ء

❷ مولانا آزاد کے ان الفاظ پر مرتب کتاب مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی لکھتے ہیں: ''ہندوستان ہی نہیں تقریباً تمام دنیائے اسلام کے شیخ حدیث تھے۔ دہلی میں اسی برس درسِ حدیث دیا۔'' [حاشیہ آزاد کی کہانی آزاد کی زبانی، ص:۱۱۹]

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

باخبر تھے۔ اور اب حجاز کی یہ حالت ہورہی تھی کہ بلا تقیہ کوئی وہابی محفوظ طور پر نہیں رہ سکتا تھا۔ شیعہ وخوارج تو علانیہ جاتے اور حج کرتے۔ کوئی روک نہ پیش آتی مگر وہابیہ کے لیے یہ موقع نہ تھا۔''

اس سے آگے مولانا آزاد ارشاد فرماتے ہیں:

''ہندوستان میں چوں کہ اس وقت تقلید اور عدم تقلید کا فتنہ زور پر تھا اور مولانا نذیر حسین، غیر مقلدین کے سب سے بڑے شیخ سمجھے جاتے تھے۔ اس لیے فوراً مکے میں اطلاع دے دی گئی کہ وہابیہ کا سب سے بڑا سرغنہ آرہا ہے۔ اگر یہاں کوئی کارروائی نہ کی گئی تو اس بات کو وہابی، حجاز میں اپنی فتح سے تعبیر کریں گے اور عوام کو اس سے بہت فتنہ ہوگا۔ ساتھ ہی مولانا نذیر حسین کی کتابوں اور فتاویٰ کے بعض مطالب کا عربی میں ترجمہ کرکے پیش کیا گیا۔ ان میں بعض چیزیں تو واقعی ان کی کتاب معیار الحق سے لی گئی تھیں اور اکثر ایسے الزامات تھے جو ایسے موقعوں پر فریقین ایک دوسرے سے فریقانہ جذبات کے ماتحت منسوب کردیتے تھے۔

''اس زمانے میں ہندوستان میں ایک فتویٰ ''جامع الشواہد فی اخراج الوہابیین عن المساجد'' کے نام سے مرتب ہوا تھا۔ اس میں چند عقائد تو واقعی اس جماعت کے تھے اور بڑا حصہ منسوبات کا تھا۔ یا خود الزامی طور پر ان کے عقائد کا استخراج کیا گیا تھا مثلاً شحم خنزیر کی حلت، بول طفل صغیر کی طہارت، مادۂ انسانی کا پاک اور قابل اکل ہونا، خالہ سے مناکحت کا جواز اور جواز کذبِ باری تعالیٰ وغیرہ وغیرہ۔

''والد مرحوم نے مولانا نذیر حسین مرحوم کے عقائد کی فہرست زیادہ تر اسی جامع الشواہد سے اخذ کی تھی۔ البتہ معیار الحق سے تقلید شخصی کے عدم وجوب اور التزام وتعین تقلید شخصی کے مفاسد اور امام صاحب کی تابعیت سے تاریخی طور پر انکار اور تحدید دَہ در دَہ کی عدمِ صحت اور تحدید ظل مثلین کی عدمِ صحت، اور بعض دیگر مسائل مختلف فیہ میں مذہب محدثین کی توثیق وغیرہ کو لے کر بہت رنگ آمیزی کے ساتھ ترجمہ کیا گیا تھا اور یہ استدلال کیا گیا تھا کہ ان سے امام صاحب کی تحقیر وتوہین مقصود ہے۔

''بہرحال نتیجہ یہ ہوا کہ مولانا نذیر حسین اور مولانا تلطف حسین عظیم آبادی مع ایک اور رفیق کے گرفتار کرلیے گئے اور ایک نہایت ہی تنگ وتاریک محبس میں قید کردیے گئے۔ چند دن بعد ان کو شریف نے بلایا اور جب انھوں نے اپنی گرفتاری کی وجہ پوچھی تو کہا، تمھیں وہابی عقائد رکھنے کی وجہ سے گرفتار کیا گیا ہے۔ مکہ معظمہ، اسلام کا اصلی مرکز ہے، اس لیے ہمارے لیے ضروری ہے کہ فاسد عقائد رکھنے والوں کا احتساب کریں تاکہ وہ مسلمانوں کو گمراہ نہ کرسکیں! دوسرے دن شریف کے یہاں ایک مجلس منعقد ہوئی اور اس میں والد مرحوم سے کہا گیا کہ ان کے عقائد کی فہرست پیش کریں۔ فہرست میں سب سے پہلا الزام امام صاحب کی توہین کا تھا اور باقی مذکورہ الزامات تھے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مولانا نذیر حسین مرحوم کی طرف سے مولوی تلطف حسین تقریر کرتے تھے۔ سب سے پہلے انھوں نے اس حالت پر افسوس کا اظہار کیا کہ ہم ایک ایسے ملک میں رہتے ہیں جہاں کفار کی سلطنت ہے۔ لیکن وہاں ہمارے عقاید کی وجہ سے ہمیں کوئی گزند نہیں پہنچایا جاتا۔ یہاں اسلامی حکومت ہے اور دارالامن ہے اور بلا کسی وجہ کے ہم کو گرفتار کر کے مبتلاے محن کیا جاتا ہے۔ پھر کہا کہ ہم پر یہ جو الزام ہے کہ ہم وہابی ہیں اور محمد بن عبدالوہاب کی جماعت سے ہیں، بالکل غلط ہے۔ ہم قرآن وحدیث کو مانتے ہیں اور اُسی پر عمل کرتے ہیں۔

''اس پر والد مرحوم نے کہا کہ اجماع وقیاس کو بھی مانتے ہو؟ مولانا نذیر حسین نے کہا کہ ہاں ہم اجماع وقیاس کو اسی طرح مانتے ہیں، جس طرح ائمہ مجتہدین مانتے تھے۔ اس پر گفت گو ہوئی اور بہت قیل وقال ہوئی۔ اس کے بعد کہا گیا کہ ائمہ اربعہ کی نسبت تمھارا کیا عقیدہ ہے؟ انھوں نے کہا ہم انھیں اپنا سرتاج وپیشوا اور برسرحق سمجھتے ہیں اور ان میں امام ابوحنیفہ کو سب سے زیادہ قابل احترام سمجھتے ہیں۔ اس پر معیار الحق پیش کی گئی۔ انھوں نے کہا کہ اگر اس طرح کے مباحث، امام صاحب کی توہین ہے تو وہ تمام کتابیں بھی توہین پر مبنی ہوں گی، جن میں مسائل مختلف فیہ پر بحث کی گئی ہے اور خود سلف نے لکھی ہیں۔ پھر ایک ایک کر کے تمام الزامات سنائے گئے۔ انھوں نے بڑے جوش سے ان سے اپنی برأت ظاہر کی۔ اس پر ثبوت میں جامع الشواہد پیش کی گئی۔ انھوں نے کہا کہ یہ مخالفین کی چیز ہے اور ہم اس کے ذمہ دار نہیں۔ اس پر کسی پشاوری کا ایک رسالہ پیش کیا گیا، مگر انھوں نے اس سے بھی اپنی بے تعلقی ظاہر کی۔

''معلوم ہوتا ہے مولانا نذیر حسین مرحوم، مجمل ومختصر بیان دے کر معاملے کو ختم کرنا چاہتے تھے، کیوں کہ سمجھتے تھے کہ تفصیلات میں پڑنا یا مباحثہ کرنا، طاقت کے مقابلے میں بے کار ہے۔ آخر میں انھوں نے اس بیان پر اکتفا کی کہ ہمارا عقیدہ اہل سنت کا ہے۔ ائمہ اربعہ کو ہم مانتے ہیں۔ چاروں کو ہم حق پر سمجھتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ کو اپنا پیشوا جانتے ہیں۔ ان سے بغض کو خلافِ شیوۂ ایمان سمجھتے ہیں اور کتب فقہ پر عمل کرنا، جب تک قرآن وحدیث کے خلاف نہ ہو، خود ہمارا شیوہ ہے۔

''یہ بیان علماے حجاز کے لیے ایک حد تک تشفی بخش ہو جاتا لیکن جیسا کہ والد مرحوم کہا کرتے تھے، وہ ان باتوں کو وہابیوں کے ''مکائد'' تصور کرتے تھے۔ کہتے تھے کہ میں نے یہ مکائد چلنے نہ دیے اور کہا تفصیلاً بتاؤ کہ ائمہ اربعہ میں کس امام کی تقلید کرتے ہو؟ اور فلاں فلاں مسائل میں تمھارا کیا اعتقاد ہے؟ اس پر انھوں نے تیسری مجلس میں ایک تحریر پیش کی، جس میں لکھا تھا کہ میں ائمہ اربعہ کی تقلید کو فرائض وواجباتِ شرعیہ کی طرح فرض نہیں سمجھتا، لیکن عوام کے لیے اور ان کے لیے جو فقہ وحدیث میں نظر نہیں رکھتے ہیں، جب تک کہ قرآن وحدیث کے خلاف کوئی صریح بات پیش نہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

آئے، کتب فقہ متداولہ پر عمل کرنے کو مستحسن سمجھتا ہوں۔ اس کے علاوہ فلاں فلاں عقائد اور الزامات جو میری طرف منسوب کیے گئے ہیں، میں ان سے بری ہوں اور حلفیہ کہتا ہوں کہ میرے عقائد وہ نہیں ہیں۔

''یہ بات بالکل واضح ہے کہ مولانا نذیر حسین مرحوم نے اس تحریر میں ان اصولوں کے خلاف کوئی بات نہیں کہی جو اہل حدیث کے اصول سمجھے جاتے ہیں۔ نہ تقلید شخصی کے وجوب کو مانا ہے، نہ کتب حدیث پر کتب فقہ کی ترجیح کو۔'' ❶

اس مضمون کا اصل تعلق تو مولانا تلطف حسین عظیم آبادی سے ہے، لیکن چوں کہ حج بیت اللہ میں وہ حضرت میاں صاحب کے ساتھ تھے اور میاں صاحب کو وہاں جو ایذا پہنچائی گئی، اس میں انھیں بھی مبتلا کیا گیا تھا، اس لیے حضرت میاں صاحب کا ذکر بھی اس مضمون میں آ گیا۔

مولانا تلطف حسین کی تمام زندگی قرآن وحدیث کی خدمت میں گزری اور وہ تحریر وتقریر کے ذریعے ہمیشہ اس اہم کام میں مشغول رہے۔ علاوہ ازیں انھوں نے بہت سی کتابیں اپنے اہتمام میں شائع کیں۔ ان کتابوں میں مندرجہ ذیل کتابیں ہمارے دوست مولانا محمد ابراہیم خلیل کی لائبریری (حجرہ شاہ مقیم ضلع اوکاڑہ) میں موجود ہیں، جن کا ذکر انھوں نے اپنے ایک مضمون مطبوعہ ہفت روزہ ''الاعتصام'' (مؤرخہ ۲۲ تا ۲۸ اپریل ۲۰۰۵ء) میں کیا ہے۔

⊙..... معیار الحق: یہ حضرت میاں صاحب کی وہ تصنیف ہے جو انھوں نے ''تنویر الحق'' کے جواب میں لکھی۔ یہ کتاب پہلی دفعہ ۱۲۸۳ھ میں مطبع نامی لاہور میں چھپی تھی۔ اس کے بعد دوسری دفعہ ۱۲۹۷ھ میں مولانا تلطف حسین نے اپنے مطبع فاروقی دہلی سے شائع کی۔ پھر مولانا تلطف حسین کے صاحب زادے مولوی عبدالحلیم کی کوششوں سے ۱۳۳۷ھ (۱۹۱۹ء) میں مطبع رحمانی دہلی سے شائع کی گئی۔ سرورق پر یہ الفاظ درج ہیں: حسب فرمائش مولوی عبدالحلیم بن مولوی تلطف حسین صاحب تاجر کتب دہلی۔

⊙..... مجمع الزوائد: یہ کتاب مولانا تلطف حسین کی زیر نگرانی شائع ہوئی۔ اس پر حضرت میاں صاحب کی تقریظ ہے۔ اس کے آخر میں کئی رسائل ہیں، ایک حضرت مولانا شمس الحق عظیم آبادی کا رسالہ اعلام اہل العصر باحکام رکعتی الفجر ہے۔ دوسرا امام بخاری کا ہے خلق افعال العباد۔ تیسرا محمد بن احمد الذہبی کا کتاب العلوّ ہے۔ اس میں استواء علی العرش کے بارے میں اہل سنت کے عقیدے کی وضاحت کی گئی ہے۔ چوتھا مولانا شمس الحق عظیم آبادی کا ایک مضمون ہے بہ عنوان خصاء بہائم۔

⊙..... سنن الدارقطنی مع التعلیق المغنی: یعنی سنن دارقطنی پر عربی میں مولانا شمس الحق

---

❶ آزاد کی کہانی آزاد کی زبانی، ص: ۱۲۰ تا ۱۲۳

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

عظیم آبادی کے حواشی بنام "التعلیق المغنی"۔ اس کے آخر میں بھی دو رسالے ہیں، ایک مولانا عظیم آبادی کا۔ دوسرا شیخ حسین بن محسن انصاری کا۔

⊙.....تلخیص الحبیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر: یہ حافظ ابن حجر عسقلانی کی کتاب ہے۔

⊙.....صحاح ستہ کے کئی متون مولانا تلطف حسین عظیم آبادی کے اہتمام میں طبع ہوئے۔

⊙..... الاعتصام التام بسنة خير الانام فی قرأة الفاتحة خلف الامام: یہ موضع مگھووال (ضلع گجرات پنجاب) کے ایک عالم دین عبدالباسط کی تصنیف ہے جو حضرت میاں سید نذیر حسین دہلوی کے شاگرد تھے۔ اس کتاب میں نبی ﷺ کی وہ احادیث درج کی گئی ہیں، جو فاتحہ خلف الامام، رفع الیدین اور آمین بالجہر وغیرہ مسائل پر مشتمل ہیں۔ احادیث کا ترجمہ کرکے پنجابی اشعار میں ان کی تشریح کی گئی ہے۔ کتاب کے سرورق پر حسب فرمائش تلطف حسین کے الفاظ مرقوم ہیں۔ حضرت میاں سید نذیر حسین کی تقریظ کے علاوہ اس پر پنجاب کے جن علماے کرام کی تقاریظ درج ہیں، ان میں حضرت حافظ محمد لکھوی اور مولانا عبدالقادر لکھوی کے اسماے گرامی شامل ہیں۔ یہ کتاب ۱۲۹۸ھ میں مطبع حنفی کوچہ دائمان دہلی سے شائع ہوئی۔

⊙..... المکتوب اللطیف الی المحدث الشریف: حضرت میاں سید نذیر حسین دہلوی کے بعض حاسد معاصرین نے یہ مہم شروع کر رکھی تھی کہ میاں صاحب نے حضرت شاہ محمد اسحاق دہلوی سے نہ سند حدیث لی اور نہ ان کے جانشین مقرر کیے گئے۔ اس کی وضاحت کے لیے میاں صاحب کے شاگرد رشید مولانا شمس الحق عظیم آبادی نے میاں صاحب کی خدمت میں ایک خط ارسال فرمایا۔ اس خط کا جواب میاں صاحب نے ان کو بذریعہ خط تفصیل کے ساتھ دیا۔ یہ خط بہ صورتِ کتاب مولانا تلطف حسین نے ۱۳۱۴ھ (۱۸۹۷ء) میں مطبع انصاری دہلی سے شائع کیا۔ اس کے ساتھ بعض اور چیزیں بھی ہیں۔

⊙..... نظم البیان فی ابطال البدع والطغیان: یہ مولانا عبدالعزیز نگرنہسوی کی کتاب ہے جو اردو نظم اور نثر پر مشتمل ہے۔ مولانا تلطف حسین کی نگرانی میں ۱۳۱۴ھ میں دہلی کے مطبع فاروقی سے طبع ہوئی۔

اب ایک اور کتاب کے متعلق سنیے جو مولانا تلطف حسین عظیم آبادی نے شائع کی۔ اس کا ذکر مولانا ابویحییٰ امام خاں نوشہروی نے بھی "تراجم علماے حدیث ہند" میں کیا ہے۔ (صفحہ ۵۲۹) اور مولانا ابوعلی اثری نے بھی "چند رجال اہل حدیث" میں اس کا تذکرہ فرمایا ہے۔ یہ کتاب نجد کے مشہور مصلح وامام شیخ محمد بن عبدالوہاب کی تصنیف "کتاب التوحید" ہے۔ اس کا اردو ترجمہ سب سے پہلے حضرت میاں سید نذیر حسین دہلوی کے شاگرد معروف مؤرخ اور ناول نگار ۸۰ کتابوں کے مصنف

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مولانا عبدالحلیم شرر لکھنوی (ولادت ۱۸۵۰ / وفات ۱۹۲۶ء) نے کیا تھا۔

شیخ محمد بن عبدالوہاب کی ''کتاب التوحید'' کے اس ترجمے کے آخر میں عجیب وغریب بات لکھی ہے جو ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

''بدایوں (یو پی) کے ایک عالم نے عربی کی ایک کتاب تصنیف کی اور مشہور کیا کہ یہ شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کی کتاب التوحید ہے اور پھر اپنے ہی قلم سے علماے حرمین کی طرف سے اس کا جواب بھی لکھا جس کا نام ''رجم الشبہات'' رکھا۔ بدایونی عالم کی دونوں کتابیں پڑھ کر مولانا بشیر الدین قنوجی مرحوم نے اصل حقیقت کی نقاب کشائی کی کہ نفس کتاب اور اس کا جواب جو علماے حرمین کی طرف منسوب کیا گیا ہے، سب جعلی ہے۔ اس کا دور وقریب کا کوئی تعلق اصل کتاب التوحید سے نہیں ہے، جس کے مصنف شیخ محمد بن عبدالوہاب ہیں۔ اس کے بعد عظیم آباد (پٹنہ) کے ایک اہل حدیث بزرگ مولانا تلطف حسین صاحب کو شیخ ممدوح کی کتاب التوحید چھپوانے کا خیال آیا اور انھوں نے اس کی تلاش شروع کردی۔ چناں چہ ان کو اس کتاب کے کئی نسخے دست یاب ہوگئے، ان میں ایک نسخہ شیخ محمد بن عبدالوہاب کی پوتی کے نسخے کی نقل اور اسی سے تصحیح کیا ہوا ملا۔ انھوں نے اس کو مع ترجمہ چھپوانے کا ارادہ کیا۔ چناں چہ مولانا عبدالحلیم شرر لکھنوی سے جو اس وقت دہلی میں حضرت میاں سید نذیر حسین محدث سے کتب حدیث پڑھ رہے تھے اور اعلیٰ درجے کا علمی وادبی ذوق رکھتے تھے، اس کا اردو میں ترجمہ کرایا جو نہایت فصیح وبلیغ ترجمہ تھا۔ یہ ترجمہ مولانا تلطف حسین عظیم آبادی نے حضرت میاں صاحب کے پوتے سید عبدالسلام کے مطبع فاروقی دہلی سے نہایت اہتمام سے چھپوا کر شائع کیا۔ اس میں اصل عربی عبارت الگ ہے اور اس کا اردو ترجمہ الگ ہے تاکہ عربی دان اور اردو دان (دونوں طبقے) اس سے بہ یک وقت استفادہ کرسکیں۔ یہ برصغیر پاک وہند میں کتاب التوحید کا پہلا ترجمہ اور پہلا لیتھو ایڈیشن ہے۔ عربی متن کے صفحات چھتیس ہیں اور اردو ترجمے کے پچاس۔ یہ ترجمہ ایک ہی مرتبہ چھپا، اب نایاب ہے۔ [1]

مولانا تلطف حسین عظیم آبادی نے ۲۶ ربیع الاوّل ۱۳۲۴ھ (۱۹ مئی ۱۹۰۶ء) کو وفات پائی۔ [2]

---

[1] چند رجال حدیث (شائع کردہ ندوۃ المصنفین گوجراں والا) ص: ۸۶، ۸۷

[2] مولانا تلطف حسین کا ذکر نزہۃ الخواطر میں بھی کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو جلد: ۸، صفحہ: ۱۰۴

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

مولانا عبدالاوّل غزنوی

(وفات ۱۹۱۳ء)

امرتسر کے غزنوی علماے کرام کی زرّیں فہرست میں مولانا عبدالاوّل غزنوی کا اسم گرامی خاص اہمیت رکھتا ہے۔ وہ مولانا سید محمد غزنوی کے بیٹے اور حضرت سید عبداللہ غزنوی کے پوتے تھے۔ ان کی تاریخ ولادت کا علم نہیں ہوسکا۔ حصولِ تعلیم کے لیے وہ ضلع فیروزپور کے مشہور گاؤں لکھو کے گئے۔ وہاں حضرت حافظ محمد لکھوی (متوفی ۱۳۱۱ھ) اور ان کے فرزند گرامی مولانا محی الدین عبدالرحمٰن لکھوی (متوفی ۱۳۱۲ھ) سے اخذِ علم کیا۔ اپنے آبائی مدرسہ غزنویہ (امرتسر) میں اپنے عالی قدر والد مولانا محمد غزنوی اور اعمامِ ذی احترام مولانا عبداللہ بن عبداللہ غزنوی اور مولانا الامام سید عبدالجبار غزنوی سے مستفید ہوئے۔ بعد ازاں دہلی جا کر حضرت میاں سید نذیر حسین دہلوی سے کتب حدیث پڑھیں اور ان سے سند فراغت لی۔

فارغ التحصیل ہونے کے بعد مدرسہ غزنویہ میں درس وتدریس کا سلسلہ بھی شروع کیا اور اپنے برادرِ صغیر مولانا عبدالغفور غزنوی کی رفاقت میں مطبع القرآن والسنہ کے نام سے پریس بھی قائم کیا اور ان عربی اور اردو کتابوں کی نشر واشاعت کرنے لگے جن کا تعلق مسلک اہل حدیث سے تھا۔ خود بھی کتابیں تصنیف کیں۔ ان کی تصانیف مندرجہ ذیل ہیں۔

①.....حمائل غزنویہ: یہ وہ حمائل غزنویہ ہے جس کا ترجمہ حضرت شاہ رفیع الدین دہلوی کا ہے اور ''فوائد سلفیہ'' کے نام سے حواشی مولانا عبدالاوّل غزنوی کے تحریر فرمودہ ہیں۔ یہ حمائل سب سے پہلے امرتسر کے غزنوی علماء نے شائع کی اور پھر کئی دفعہ چھپی۔ اس حمائل غزنویہ نے بڑی شہرت پائی اور بہت مقبول ہوئی۔

②.....ترجمہ مشکوٰۃ المصابیح: پوری مشکوٰۃ شریف کا ترجمہ مولانا عبدالاوّل غزنوی نے کیا۔ اس ترجمے کو بے حد قبولیت حاصل ہوئی اور یہ کئی دفعہ چھپا۔

③.....نصرۃ الباری ترجمہ صحیح بخاری: مولانا عبدالاوّل غزنوی نے نصرۃ الباری کے نام سے صحیح بخاری کا ترجمہ مع حواشی کے شروع کیا تھا۔ صرف آٹھ پارے مکمل ہوسکے تھے۔

④.....انعام المنعم ترجمہ صحیح مسلم: مولانا عبدالاوّل غزنوی نے ''انعام المنعم'' کے نام سے صحیح

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مسلم کے اردو ترجمے کا آغاز فرمایا۔ ترجمے کا صرف ایک پارہ چھپا تھا۔ یہ معلوم نہ ہوسکا کہ ترجمہ مکمل ہوگیا تھا یا نہیں۔

اب ذیل میں ان کتابوں کا تذکرہ جو مولانا عبدالاوّل غزنوی اور مولانا عبدالغفور غزنوی نے اپنے اہتمام میں ''مطبع القرآن والسنہ'' سے شائع کیں۔

① ..... حمائل: نواب وحید الزمان کے ترجمہ وحواشی والی حمائل۔

② ..... اجتماع الجیوش الاسلامیہ علی غزو المعطلات الجہمیہ: یہ امام ابن قیم کی تصنیف ہے۔ پہلی مرتبہ مولانا عبدالاوّل ومولانا عبدالغفور غزنوی نے اپنے قائم کردہ مطبع القرآن والسنہ (امرتسر) سے شائع کی۔

③ ..... رسالۃ الحقیقۃ والمجاز: یہ امام ابن تیمیہ کا رسالہ ہے جو پہلی دفعہ مولانا عبدالاوّل غزنوی اور مولانا عبدالغفور غزنوی نے شائع کیا۔

④ ..... جلاء الافہام فی الصلوٰۃ والسلام علیٰ خیر الانام: یہ امام ابن قیم کی تصنیف ہے جو مولانا عبدالاوّل غزنوی اور مولانا عبدالغفور غزنوی نے اپنے عم مکرم مولانا عبدالقدوس بن حضرت عبداللہ غزنوی کی کوشش سے پہلی مرتبہ مطبع القرآن والسنہ (امرتسر) سے شائع کی۔

⑤ ..... شرح حدیث النزول: تصنیف امام ابن تیمیہ اسے بھی ان دونوں غزنوی برادران نے پہلی مرتبہ اپنے پریس سے شائع کیا۔

⑥ ..... شرح خمسین: یہ امام ابن رجب حنبلی کی تصنیف ہے جسے پہلی دفعہ ان غزنوی حضرات نے شائع کیا۔

⑦ ..... تحفۃ العراقیہ فی الاعمال القلبیہ: امام ابن تیمیہ کی یہ تالیف بھی اوّلیں مرتبہ انہی عالی قدر بھائیوں نے شائع کی۔

⑧ ..... فتویٰ الحمویہ: اس کے مصنف بھی امام ابن تیمیہ ہیں۔ اسے بھی پہلی مرتبہ انہی حضرات نے امرتسر سے شائع کیا۔

⑨ ..... مجموعۃ البیان المبدی لشناعۃ القول المجدی: علامہ سلیمان بن سحمان نجدی اس کے مصنف ہیں۔ اسے بھی انہی بزرگانِ عالی قدر نے پہلی مرتبہ امرتسر سے شائع کیا۔

⑩ ..... مجموعۃ التوحید النجدیہ ومجموعۃ الحدیث النجدیہ: اسے بھی پہلی دفعہ علمائے غزنویہ نے مطبع انصاری دہلی سے شائع کیا۔

⑪ ..... فتح المجید شرح کتاب التوحید: یہ کتاب بھی پہلی دفعہ ان دونوں غزنوی علمائے کرام نے شائع کی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

⑫..... فتح الحمید المجید شرح کتاب التوحید: اس کی اشاعت بھی پہلی مرتبہ مطبع القرآن والسنہ سے انہی حضرات نے کی۔

علمائے غزنویہ نے امام ابن تیمیہ، امام ابن قیم اور دیگر حضرات کی متعدد کتابیں شائع کیں۔ خود حضرت الامام سید عبدالجبار غزنوی اور مولانا عبدالواحد غزنوی نے بھی بعض کتابیں تصنیف کیں۔ حضرت سید عبداللہ غزنوی کے حکم سے پہلی دفعہ لاہور سے امام نووی رحمہ اللہ کی مشہور کتاب ریاض الصالحین شائع ہوئی اور اس کا اردو ترجمہ حضرت ممدوح کے ایک ارادت مند عالم دین مولانا احمد الدین کوموی نے کیا جو موضع کوم کلاں (ضلع لدھیانہ مشرقی پنجاب) کے رہنے والے تھے۔ یہ اس کتاب کا پہلا اردو ترجمہ ہے۔

مولانا عبدالاوّل غزنوی نے ۱۹۱۳ء (۱۳۳۱ھ) کو امرتسر میں وفات پائی۔ مولانا ابویحییٰ امام خاں نوشہروی کی کتاب ''ہندوستان میں اہل حدیث کی علمی خدمات'' میں ان کی تاریخ وفات ۱۳۱۳ھ مرقوم ہے ❶ جو صحیح نہیں۔ معلوم ہوتا ہے یہ کتابت یا پروف ریڈنگ کی غلطی ہے۔ یا تو غلطی سے ۱۹۱۳ء کو ۱۳۱۳ھ بنا دیا گیا یا ۱۳۳۱ھ کو ۱۳۱۳ھ بنا دیا۔ یہ غلطی اب تک چلی آ رہی ہے۔ کسی لکھنے والے نے تقویم دیکھنے کی زحمت نہیں فرمائی۔

مولانا عبدالاوّل غزنوی کے لائق تکریم تلامذہ کی وسیع فہرست میں حافظ عبداللہ روپڑی، حضرت حافظ محمد گوندلوی، مولانا محمد علی لکھوی، مولانا سید محمد داؤد غزنوی، مولانا محمد حسین ہزاروی اور دیگر بہت سے حضرات شامل ہیں۔ ان میں حضرت حافظ محمد گوندلوی سب سے کم عمر ہیں۔ ان کی تاریخ ولادت عیسوی حساب سے ۲۷۔ جنوری ۱۸۹۸ء ہے۔ حافظ صاحب خود فرماتے ہیں کہ جب مولانا عبدالاوّل غزنوی کا انتقال ہوا، اس وقت وہ امرتسر میں ان سے ترمذی شریف پڑھ رہے تھے۔

تقویم کی رو سے ۱۳۱۳ھ کے تقریباً چھ مہینے ۱۸۹۵ء میں آتے ہیں اور چھ مہینے ۱۸۹۶ء میں، اور حضرت حافظ صاحب اس سے دو ڈھائی سال بعد پیدا ہوئے۔ جب ۱۳۱۳ھ میں حافظ صاحب دنیا میں موجود ہی نہیں تھے تو ان سے پڑھ کیسے لیا؟

کتابت اور پروف ریڈنگ کی غلطیاں عام طور سے ہوجاتی ہیں۔ میں اپنی کتابوں کی خود پروف ریڈنگ کرتا ہوں اور اپنی دانست میں نہایت احتیاط سے کرتا ہوں، لیکن غلطیاں رہ جاتی ہیں۔ سنین کی دو غلطیاں عرض کرتا ہوں۔

مولانا محمد حنیف ندوی کی تاریخ وفات ۱۲۔ جولائی ۱۹۸۷ء ہے۔ لیکن میری کتاب ''قافلہ حدیث''

---

❶ ہندوستان میں اہل حدیث کی علمی خدمات (مکتبہ نذیریہ چیچہ وطنی ۱۳۹۱ھ)، ص: ۴۰

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کے صفحہ ۲۷۲ پر بہ صورت عنوان ۱۲۔ جولائی ۱۹۷۸ء چھپا ہے جو غلط ہے۔

اسی طرح بعض دوستوں نے ''دبستانِ حدیث'' کی متعدد غلطیوں کی نشان دہی فرمائی۔ میں ان کا بے حد شکر گزار ہوں۔ ''دبستانِ حدیث'' کے صفحہ ۳۰۵ سے مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی کا تذکرہ شروع ہوتا ہے۔ اس صفحے کی سطر ۱۷ میں یہ الفاظ چھپے ہیں: ''آج ۱۸۔ جولائی ۱۹۰۵ء ہے۔'' یہ بالکل غلط ہے۔ صحیح یہ ہے: ''آج ۱۸۔ جولائی ۲۰۰۵ء ہے۔''

عرض کرنے کا مطلب یہ ہے کہ بے حد کوشش کے باوجود بسا اوقات غلطیاں رہ جاتی ہیں اور بعض غلطیاں اتنی سنگین ہوتی ہیں کہ مصنف کے لیے ندامت کا باعث بن جاتی ہیں۔

بہر حال مولانا عبدالاوّل غزنوی کی تاریخ وفات ۱۹۱۳ء (۱۳۳۱ھ) ہے۔



" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری

(وفات ۲۶۔نومبر ۱۹۱۸ء)

برصغیر پاک وہند کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس میں لا تعداد عظیم شخصیات عالم وجود میں آئیں، جن میں ایک عالی مرتبت شخصیت حضرت حافظ عبداللہ غازی پوری کے نام سے موسوم ہے۔ درس وتدریس میں وہ اپنے دور کے ہندوستان میں بے حد شہرت رکھتے تھے۔ ۱۲۶۱ھ (۱۸۴۵ء) میں ضلع اعظم گڑھ کے شہر مئو میں پیدا ہوئے۔ یہ علاقہ ہندوستان کے صوبہ یوپی میں واقع ہے۔ والد کا نام عبدالرحیم اور دادا کا دانیال تھا۔

حضرت حافظ عبداللہ غازی پوری غریب خاندان کے غریب فرد تھے۔ پڑھتے بھی تھے اور ساتھ ساتھ مزدوری بھی کرتے تھے۔ سب سے پہلے بارہ سال کی عمر میں قرآنِ مجید حفظ کیا۔ اسی زمانے (۱۸۵۷ء) میں انگریزوں کے خلاف جنگ آزادی شروع ہوگئی، جسے انگریزی حکومت نے غدر کا نام دیا۔ یہ نہایت اذیت ناک زمانہ تھا، اور لوگ اپنے آبائی علاقوں سے نکل کر مختلف مقامات میں بکھر گئے تھے۔ حافظ صاحب کے خاندان کو اپنے اصل مسکن مئو سے نکلنا پڑا۔ یہ لوگ وہاں کی سکونت ترک کرکے غازی پور آ گئے۔ حافظ صاحب نے غازی پور کے ''مدرسہ چشمہ رحمت'' میں مولوی رحمت اللہ لکھنوی اور ان کے بڑے بھائی مفتی نعمت اللہ سے ابتدائی درسی اور بعض متوسط درجات کی کتابیں پڑھیں۔ یعنی شرح جامی، قطبی اور اصولِ فقہ کی کتابوں کے بعض حصوں کا درس لیا۔

غازی پور کے مدرسہ ''چشمہ رحمت'' سے نکل کر جون پور پہنچے۔ وہاں کے ''مدرسہ امام بخش'' کی مسند درس پر مفتی محمد یوسف فرنگی محلی لکھنوی متمکن تھے۔ حافظ صاحب نے ان سے درسی کتابیں پڑھیں۔ استاذِ مکرم اپنے اس شاگرد کی ذہانت پر نہایت خوش تھے۔ چشمہ رحمت احناف کا مدرسہ تھا اور حافظ صاحب بھی اسی مسلک کے پابند تھے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد اسی مدرسے میں بہ طور مدرس ان کا تقرر ہوا۔ ان کے زمانۂ تدریس میں حنفی طلبا بھی ان کی خدمت میں آتے اور اہل حدیث طلبا بھی حاضر ہوتے تھے۔ اہل حدیث طلبا میں سید علی نعمت عظیم آبادی، مولانا محمد سعید بنارسی، مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری، مولانا عبدالسلام مبارک پوری اور بعض دیگر طلبا شامل تھے جو حصولِ علم کے لیے حافظ صاحب کے درس میں شریک ہوئے۔ بعض مسائل کی تحقیق میں اہل حدیث طلبا سے بھی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سوال وجواب کا سلسلہ بھی شروع ہوجاتا۔ یہ سلسلہ کچھ آگے بڑھا تو حضرت حافظ صاحب کو تقلیدی مسائل پر غور کرنے کا موقع ملا۔ اس کا ذکر مولانا ابویحییٰ امام خاں نوشہروی اخبار ''اہل حدیث'' (امرتسر) کے حوالے سے بہ روایت مولانا عبدالسلام مبارک پوری، ''تراجم علماے حدیث ہند'' میں مندرجہ ذیل الفاظ میں کرتے ہیں۔

''مولانا حافظ عبداللہ صاحب غازی پوری فرماتے ہیں۔ یہ لوگ (اہل حدیث طلبا) فقہ حنفی پر مناقشات کرتے اور تحقیق کا پہلو ڈھونڈتے۔ میں اس سے پہلے کئی بار فقہ واصولِ فقہ پڑھا چکا تھا۔ پہلے تو میں اسی قدیم روش کے مطابق، جیسے کوئی ادھار کھائے بیٹھا ہو، خواہ مخواہ ہر ایک مسئلہ، ہر ایک بات، ہر ایک اصول کا، اگرچہ وہ تحقیق سے گرا ہوا ہو، جواب دیتا رہا۔ پھر میں نے سوچا کہ جو بات تحقیق سے گری ہوئی ہے، خواہ مخواہ اس کی تائید کرنا تو عدل وعقل دونوں سے بعید ہے، اور احادیث سے متعلق یہ کہہ دینا کہ یہ شوافع کے موافق ہیں اور یہ حنفیوں کے جیسا کہ عام دستور ہے، نہایت غلط طریق ہے، اور یہ اصولی لوگ بھی ہمارے جیسے ہی انسان تھے، اور انہی نصوص سے جو ہمارے سامنے موجود ہیں، ان اصول کو مستنبط کرتے تھے، علاوہ بریں یہ اصول بھی اس لیے بنائے گئے ہیں کہ ان سے کام لیا جائے۔ پس ان خیالات کی وجہ سے خود بخود تقلید سے کنارہ کشی اور علم حدیث کی طرف توجہ ہوتی گئی۔'' ❶

مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری مزید فرماتے ہیں۔

''انہی دنوں میں نے یہ خواب دیکھا کہ ایک مقام میں ازدحام کثیر ہے۔ لوگ بہ کثرت چلے جارہے ہیں اور مصافحہ کے لیے کوشش کررہے ہیں۔ کسی نے کہا کہ سیدنا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ تشریف رکھتے ہیں۔ لوگ آپ سے شرفِ مصافحہ حاصل کررہے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ ایک شخص ازدحام سے باہر نکلا۔ میں نے پوچھا کیا تم نے شرفِ مصافحہ حاصل کرلیا ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ میں نے کہا مہربانی سے وہ اپنا ہاتھ مجھے دے دو، میں بھی مشرف ہوجاؤں اور برکت حاصل کرلوں۔ اس نے ہمت دلائی اور کہا کہ واسطے کی کیا ضرورت ہے۔ تم خود ہمت کرکے آگے بڑھو اور ازدحام سے دل میں کچھ بھی ہراس نہ لاؤ، بلاواسطہ شرف مصافحہ حاصل کرو۔ چناں چہ اس کے ہمت دلانے پر میں آگے بڑھا اور جناب سیدنا محمد ﷺ سے بلاواسطہ مصافحہ اور برکت حاصل کی۔ اس

---

❶ اخبار اہل حدیث (امرتسر) ج:۱۷، ص:۱۶۷۔ بروایت مولانا عبدالسلام مبارک پوری

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پر میں نے اس شخص کا جس نے ہمت دلائی تھی، شکریہ ادا کیا اور مجھے نہایت مسرت حاصل ہوئی۔ بیدار ہوا تو وہی مسرت، وہی سماں دل میں باقی تھا۔

''اس خواب کی تعبیر میں نے یہ سوچی کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مجھے بذریعہ اس خواب کے متنبہ فرمایا ہے کہ عمل بالسنہ اور علم حدیث اور تحقیق مسائل کی طرف متوجہ ہونا چاہیے اور خواہ مخواہ کی تقلید سے پرہیز کرنا چاہیے۔''

پھر جب تقلید کو ترک کر کے حضرت حافظ صاحب نے براہِ راست قرآن وحدیث پر عمل کرنے کا عزم فرمایا اور اس کا آغاز بھی کر دیا تو انھیں کن حالات کا سامنا کرنا پڑا؟ اس کا جواب خود حضرت حافظ صاحب ہی کی زبانِ مبارک سے سنیے، فرماتے ہیں:

''جب عمل بالسنہ شروع کیا تو میں ان دنوں (غازی پور میں) کوتوالی کی مسجد کا امام تھا۔ شہر میں بڑی عزت تھی کہ مدرسہ ''چشمۂ رحمت'' میں مدرس تھا۔ مغرب کی نماز میں مسجد بازار کے اندر واقع ہونے سے بڑا ازدحام ہوا کرتا۔ میں نے نماز میں بلند آواز سے آمین پکاری۔ تمام مقتدی میرے پیچھے سے ہٹ گئے اور مجھے سخت سست بولنے لگے، مگر میں نے اپنی نماز اسی اطمینان سے ختم کی۔ اگرچہ لوگوں نے زبان درازیاں کیں، مگر کوئی ضرر نہ پہنچا سکا۔

''جناب مولوی رحمت اللہ صاحب بانی مدرسہ ''چشمۂ رحمت'' بڑے سنجیدہ اور تجربہ کار آدمی تھے۔ جب تک وہ حیات رہے، برابر میری تائید فرماتے رہے۔''

معلوم ہوا کہ مدرسہ چشمۂ رحمت کی تدریس کے زمانے ہی میں حضرت حافظ صاحب نے عمل بالسنہ کا سلسلہ شروع فرما دیا تھا اور اس مدرسے کے بانی مولوی رحمت اللہ اسے صحیح قرار دیتے اور حضرت حافظ صاحب کے اس ضمن میں موید تھے۔

پھر وقت آیا کہ حضرت حافظ صاحب مدرسہ چشمۂ رحمت کی تدریس سے علیحدہ ہو گئے اور دہلی جا کر حضرت میاں سید نذیر حسین رحمہ اللہ کے حلقۂ درس میں شمولیت فرمائی۔ میاں صاحب سے تفسیر وحدیث کی کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد پھر غازی پور کے اسی مدرسہ چشمۂ رحمت میں تشریف لائے، جہاں سے دہلی گئے تھے۔ اب وہ اس مدرسے کے مدرس اعلیٰ کے منصب پر فائز تھے اور طلبا کی کثیر تعداد ان سے مصروفِ استفادہ تھی۔

مولانا عبدالحی فرنگی محلی اس دور کے بہت بڑے حنفی عالم تھے، جن سے حضرت حافظ عبداللہ غازی پوری کے مراسم قائم تھے۔ ان دونوں بزرگوں کے درمیان ایک مرتبہ نماز میں رفع الیدین کے متعلق گفتگو ہوئی، اس کا ذکر سید سلیمان ندوی اپنے بھائی کے حوالے سے ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

''میرے برادرِ معظم حافظ صاحب کے تلامذہ میں ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ فاضل لکھنوی مولانا عبدالحی فرنگی محلی نے ایک بار جناب حافظ صاحب سے پوچھا کہ آپ نے رفع الیدین عندالرکوع وعند رفع الراس من الرکوع کیوں اختیار کیا؟ جناب حافظ صاحب نے آب دیدہ ہو کر فرمایا مولانا آپ بھی پوچھتے ہیں۔ یہ سن کر مولانا عبدالحی خاموش ہو گئے۔'' ❶

علما وطلبا کے حلقوں میں حضرت حافظ صاحب کے سلسلۂ درس اور طریق تدریس کی بڑی شہرت تھی۔ نہایت انہماک اور لگن سے پڑھاتے تھے۔ اگر کسی طالب علم کا دن کو کسی وجہ سے ناغہ ہو جاتا تو رات کو پڑھا دیتے یا کسی اور وقت میں یہ کمی پوری فرما دیتے۔ تفسیر، حدیث، عربی ادبیات اور اصولِ حدیث وغیرہ علوم پر تو عبور تھا ہی، منطق اور دیگر علوم میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ اس کی دو مثالیں ذیل میں بیان کی جاتی ہیں۔

①..... مولانا ابوالنعمان عبدالرحمٰن مئوی بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ حافظ صاحب سے عرض کیا کہ جناب نے صدرا، قاضی مبارک اور ہدایہ کتنی مرتبہ پڑھائی ہوں گی؟ فرمایا صحیح طور سے تو یاد نہیں، مگر تیس چالیس مرتبہ سے کم کیا پڑھائی ہوں گی۔

②..... صاحب عون المعبود علامہ شمس الحق نے چند علماء کے سامنے یہ واقعہ بیان فرمایا کہ میرے کتب خانے میں منطق کی ایک بہت پرانی کتاب تھی۔ عبارت کی پیچیدگی کے ساتھ مسائل منطقیہ کا بیان کچھ ایسا تھا کہ کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ جناب حافظ صاحب اتفاق سے ڈیانواں تشریف لائے۔ میں نے وہ کتاب دکھا کر کہا کہ یہ چیستان معلوم ہوتی ہے۔ حافظ صاحب نے کتاب کے چند اوراق الٹ پلٹ کر دیکھے تو فرمایا۔ کوئی ایسی بات نہیں۔ مسائل وہی ہیں، عبارت ذرہ پیچیدہ ہے۔ اس کے ساتھ ہی مضامین کا مطلب عام فہم الفاظ میں بیان فرما دیا۔ ❷

حافظ صاحب کئی برس غازی پور کے مدرسہ چشمۂ رحمت میں درس دیتے رہے۔ اس وقت اس شہر میں تقلید کے دلدادہ احناف کا غلبہ تھا۔ البتہ مولوی رحمت اللہ (بانی مدرسہ) اعتدال پسند تھے۔ ایک بزرگ وہاں شاہ امانت اللہ صاحب اقامت فرما تھے، وہ توحید کے نام لیواؤں اور متبعین سنت کے سخت مخالف تھے۔ ان کی وجہ سے حافظ صاحب کو بہت سی اذیتوں میں مبتلا کیا گیا۔ وہاں کی مسجد اہل حدیث پر بھی ان لوگوں نے قبضہ کر لیا۔ بالآخر مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی اور مولانا ابومحمد ابراہیم آروی

---

❶ تراجم علمائے حدیث ہند، ص:۴۶۰۔ بحوالہ اخبار اہل حدیث (امرتسر) ج:۱۷، ص:۱۶۸

❷ تراجم علمائے حدیث ہند، ص:۴۶۰، ۴۶۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے اصرار پر حافظ صاحب نے مدرسہ احمدیہ آرہ کی مسند درس سنبھال لی۔ بیس سال وہاں ان کا سلسلۂ درس جاری رہا۔

مولانا ابومحمد ابراہیم آروی سفر آخرت پر روانہ ہوگئے تو حضرت حافظ صاحب کو دہلی کے اصحابِ علم نے اپنے ہاں بلا لیا۔ یہ حضرت مولانا محمد بشیر سہسوانی کی وفات کے بعد کا واقعہ ہے۔ وہ آٹھ سال دہلی رہے۔ وہاں ان کے معمولات مولانا ابویحییٰ امام خاں نوشہروی کے بقول یہ تھے۔

⊙..... صبح حوض والی مسجد (نئی سڑک) میں درس قرآن دیتے، جس میں بے شمار لوگ شامل ہوتے اہل حدیث بھی اور احناف بھی۔ وہاں بعض شائقین علم ان سے درسی کتابیں بھی پڑھتے۔

⊙..... اس کے بعد نمازِ ظہر تک مدرسہ ریاض العلوم (نزد جامع مسجد) میں طلبا کو مستفید فرماتے۔

⊙..... نماز ظہر کے بعد مدرسہ علی جان (متصل گھنٹا گھر) میں سلسلۂ تدریس شروع ہوجاتا۔ ترجمے کے وقت تلاوتِ قرآن کی سعادت مولانا محمد یونس دہلوی پرتاپ گڑھی کو حاصل ہوتی۔

دہلی میں یہ سلسلہ آٹھ سال تک نہایت باقاعدگی کے ساتھ جاری رہا۔ لیکن اس کے بعد یہ ہوا کہ لکھنؤ میں ان کے ایک قریبی عزیز خان بہادر ڈاکٹر عبدالرحیم وفات پاگئے۔ ان کی تعزیت کے لیے لکھنؤ تشریف لے گئے۔ لیکن ڈاکٹر صاحب کے چھوٹے چھوٹے یتیم بچے تھے۔ ان کی نگرانی اور تعلیم وتربیت کے لیے وہ وہیں کے ہو رہے۔ لیکن وہاں بھی دارالعلوم ندوۃ العلماء کے اونچے درجوں کے طلبا ان سے تحصیل علم کرتے رہے۔

یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ ۲۲، ۲۳ دسمبر ۱۹۰۶ء کو ہندوستان کے صوبہ بہار کے شہر آرہ میں وہاں کے مدرسہ احمدیہ کا سالانہ جلسہ منعقد ہوا تھا، جس میں ملک کی جماعت اہل حدیث کے بہت سے علمائے کرام شامل ہوئے تھے۔ اسی موقعے پر جماعت کو منظم کرنے کی غرض سے آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کا قیام عمل میں آیا تھا۔ یہ جماعت اہل حدیث کی پہلی ملک گیر تنظیم تھی۔ اس کے صدر حضرت حافظ عبداللہ غازی پوری کو بنایا گیا تھا اور ناظم اعلیٰ مولانا ثناء اللہ امرتسری تھے۔

حضرت حافظ صاحب نے طویل عرصے تک خدمت تدریس انجام دی۔ ان کے تلامذہ کی فہرست بہت وسیع ہے، جس میں برصغیر کے مشاہیر علمائے عظام شامل ہیں، جنھوں نے آگے چل کر درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کے مختلف زاویوں میں بے پناہ خدمات سرانجام دیں۔ ان میں سے چند حضرات کے اسمائے گرامی یہاں درج کیے جاتے ہیں۔

مولانا محمد سعید بنارسی، شاہ عین الحق پھلواروی، سید علی نعمت پھلواروی، مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری، مولانا عبدالسلام مبارک پوری، مولانا محمد اسماعیل جون پوری، مولانا عبدالوہاب پیغمبر پوری، مولانا ابوبکر محمد شیث جون پوری (سابق استاذ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) مولانا سید محمد داؤد

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

غزنوی، مولانا فضل الرحمٰن (سابق پروفیسر مدرسہ عالیہ کلکتہ) مولانا محمد اسحاق آروی۔

حضرت حافظ صاحب نے مختلف موضوعات پر کتابیں بھی تصنیف کیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

① ..... ابراء اہل الحدیث والقرآن۔

② ..... مقدمہ صحیح مسلم: یہ مقدمہ عربی زبان میں ہے۔

③ ..... تسہیل الفرائض: یہ کتاب علم میراث کے موضوع پر ہے۔

④ ..... منطق: یہ ایک رسالہ ہے جو اردو زبان میں ہے۔

⑤ ..... فصول احمدی: یہ علم صرف میں ہے۔

⑥ ..... النحو: علم نحو میں۔

⑦ ..... مسئلہ زکوٰۃ: اردو میں

⑧ ..... ایک رسالہ رکعت تراویح کے متعلق لکھا۔

حضرت حافظ عبداللہ صاحب غازی پوری نے ۲۱۔صفر ۱۳۳۷ھ (۲۶۔نومبر ۱۹۱۸ء) کو لکھنؤ میں رحلت فرمائی۔ قمری حساب سے تقریباً ۷۷ برس عمر پائی۔ اس زمانے کے اخبار اہل حدیث (امرتسر) میں ان کے متعلق بہت کچھ شائع ہوا ہوگا، لیکن وہ ہمارے سامنے نہیں ہے۔

حافظ صاحب غازی پوری کا ذکر نزہۃ الخواطر میں حکیم سید عبدالحی حسنی نے بھی کیا ہے۔ ان کے عربی الفاظ کا اردو ترجمہ ملاحظہ ہو۔

''شیخ، صالح، علامہ عبداللہ بن عبدالرحیم بن دانیال مؤی اعظم گڑھی ثم غازی پوری۔ حدیث وفقہ کے ماہر علما میں سے تھے۔ ۱۲۶۱ھ میں مئو میں پیدا ہوئے جو ضلع اعظم گڑھ کا ایک شہر ہے۔ پہلے قرآن حفظ کیا۔ پھر حصولِ علم کے لیے غازی پور گئے۔ وہاں مولوی رحمت اللہ لکھنوی اور ان کے بڑے بھائی مفتی نعمت اللہ سے بعض درسی کتابیں پڑھیں۔ پھر جون پور کو روانہ ہوئے، وہاں مدرسہ امامیہ حنفیہ میں مفتی محمد یوسف بن محمد اصغر لکھنوی سے استفادہ کیا۔ بعد ازاں دہلی جا کر ہمارے شیخ سید نذیر حسین محدث دہلوی سے کتب حدیث پڑھیں اور ان سے خوب اخذ فیض کیا۔ ۱۲۹۷ھ میں سرزمین حجاز کا سفر کیا اور حج وزیارت سے بہرہ ور ہوئے۔ وہاں قاضی محمد بن علی شوکانی کے تلمیذ شیخ معمر عباس بن عبدالرحمٰن یمنی سے ملاقات ہوئی اور ان سے سند حدیث لی۔ پھر واپس ہندوستان تشریف لائے اور غازی پور میں سکونت اختیار کی۔ پچیس سال سے زیادہ عرصہ غازی پور اور عظیم آباد کے قریب کے ایک گاؤں دیانواں اور آرہ میں مشغولِ درس وتدریس رہے۔ اس اثنا میں ان سے لاتعداد تشنگانِ علوم نے تفسیر وحدیث اور مختلف علوم کی تحصیل کی۔

''فراوانیٔ علم اور کثرتِ درس وافادہ کے ساتھ ساتھ، فقاہت اور زہد وتقویٰ کی دولت سے مالا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مال تھے۔ دنیا اور اس کے مال ومتاع سے کوئی رغبت نہ تھی۔ براہِ راست حدیث پر عامل تھے۔ کسی امام کی تقلید نہیں کرتے تھے۔ اللہ کی سیدھی راہ پر گامزن ہونے کی بنا پر انھیں لوگوں کی طرف سے تکلیفیں پہنچائی گئیں اور اپنے شہر غازی پور سے انھیں نکال دیا گیا۔ پھر وہ صوبہ بہار کے شہر آرہ چلے گئے اور وہاں درس وتدریس کی خدمت انجام دینے لگے۔ مولانا محمد بشیر سہسوانی کی وفات کے بعد انھیں دہلی کے لوگوں نے دہلی بلا لیا۔ وہاں بھی مدت تک ان کا سلسلۂ درس جاری رہا۔

حکیم سید عبدالحی حسنی مزید فرماتے ہیں:

''بعد ازاں حافظ صاحب لکھنؤ تشریف لے گئے اور اپنے یتیم عزیزوں کی تعلیم وتربیت کی غرض سے اسی شہر میں مقیم ہوگئے۔ وہ مجھ سے بے حد محبت کرتے تھے اور ہفتے میں ایک یا دو مرتبہ میرے پاس تشریف لاتے تھے۔ میری اقتدا میں نمازِ جمعہ پڑھتے تھے۔ ان کی زندگی کی آخری بیماری میں، میں ان کا معالج تھا۔ بارگاہِ الٰہی سے ان کی برکات ہمارے لیے نفع بخش ہوں، آمین۔

''انھوں نے متعدد کتابیں تصنیف کیں، جن میں سے ایک علم صرف میں، ایک علم نحو میں، ایک منطق میں، ایک وراثت میں اور ایک مسئلۂ تراویح کی تحقیق کے بارے میں ہے۔

''انھوں نے منگل کے روز دن کے آخری حصے میں ۲۱۔صفر ۱۳۳۷ھ کو لکھنؤ میں وفات پائی اور نماز عشا کے بعد قبرستان عیش باغ میں انھیں دفن کیا گیا۔'' ❶

علامہ سید سلیمان ندوی نے دسمبر ۱۹۱۸ء کے ''معارف'' (اعظم گڑھ) میں ''مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری'' کے عنوان سے ان کی وفات پر تعزیتی شذرہ لکھا جو بعد میں ان کی کتاب ''یادِ رفتگاں'' میں چھپا۔ یہ شذرہ ذیل میں درج کیا جارہا ہے۔

''جناب مولانا عبداللہ صاحب غازی پوری کا واقعۂ وفات علما کے طبقے میں خاص حیثیت سے اثر انگیز ہے۔ مولانائے مرحوم نے گو طبعی عمر پائی، لیکن اس خیال سے کہ وہ اس عہد میں اگلی صحبتوں کی تنہا یادگار تھے، ہم ان کے لیے اس سے دراز عمر کے متوقع تھے۔ مولانا اتباعِ سنت، طہارت وتقویٰ، زہد وورع، تبحر علم، وسعت نظر اور کتاب وسنت کی تفسیر وتعبیر میں یگانۂ عہد تھے۔ اپنی عمر کا بڑا حصہ انھوں نے علوم دینیہ خصوصاً قرآنِ مجید اور حدیث شریف کے درس وتدریس میں گزارا اور سیکڑوں طلبا ان کے فیض تربیت سے علما بن کر نکلے۔ ابتداءً چشمۂ رحمت غازی پور میں، پھر مدرسہ احمدیہ آرہ میں اپنی مسند درس بچھائی۔ آخر عمر میں دہلی کے دارالحدیث میں قیام فرمایا، لیکن خانگی حوادث کے باعث پریشان حال رہے۔ اب افسوس کہ یہ شمع نور وہدایت ۲۱۔صفر ۱۳۳۷ھ مطابق

---

❶ نزہۃ الخواطر، ج:۸، ص:۳۰۶، ۳۰۷

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

۲۶۔ نومبر ۱۹۱۸ء کو ہمیشہ کے لیے بجھ گئی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ

''مجھے لکھنؤ میں مولانا سید عبدالحی صاحب ناظم ندوہ کی قیام گاہ پر مولانا سے ملاقات کی سعادت ایک دو دفعہ حاصل ہوئی۔ دبلے پتلے، نحیف، داڑھی کے بال خفیف، سادی وضع، صورت سے متواضع اور حلیم معلوم ہوتے تھے۔

''مرحوم کا اصلی وطن گومئو ضلع اعظم گڑھ تھا۔ مگر قیام بیشتر غازی پور میں رہا، اس لیے غازی پوری کے نام سے شہرت پائی۔ ابتدائی تعلیم چشمۂ رحمت غازی پور میں ہوئی۔ یہاں مولوی رحمت اللہ صاحب غازی پوری اور مولوی فاروق صاحب چریا کوٹی سے پڑھا۔ پھر جون پور جا کر مدرسہ امام بخش میں مفتی محمد یوسف صاحب فرنگی محلی سے درسیات پڑھیں اور آخر میں حدیث کی کتابیں مولانا سید نذیر حسین دہلوی سے پڑھیں اور مسلک میں انہی کی تعلیم کا اثر ان پر غالب ہوا۔'' ❶

---

❶ یادِ رفتگاں، ص: ۳۸، ۳۹

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مولانا محمد ابراہیم چکڑالوی

(وفات ۱۷۔ اگست ۱۹۱۹ء)

چکڑالہ، ضلع میاں والی کا ایک مشہور قصبہ ہے۔ یہاں ایک شخص غلام نبی پیدا ہوا، جس نے دہلی میں تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد اس نے اپنا نام عبداللہ رکھ لیا اور اس نے عبداللہ چکڑالوی کے نام سے شہرت پائی۔ مولانا رحیم بخش لاہوری (مصنف اسلام کی کتاب جلد اوّل تا جلد ۱۴) کی وفات کے بعد اسے لاہور کی چینیاں والی مسجد کا امام مقرر کیا گیا۔ پھر ایک وقت آیا کہ اس نے نبی ﷺ کی احادیث کو ماننے سے انکار کر دیا۔ اس کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ مسلمانوں کو قرآن پر عمل کرنا چاہیے۔ حدیث پر عمل کرنے کی ضرورت نہیں۔ چناں چہ اس نے اپنے آپ کو اہل قرآن کہلانا شروع کیا اور وہی اس فرقے کا بانی ہوا۔ انکارِ حدیث کی بنا پر اسے چینیاں والی مسجد سے نکال دیا گیا اور اس کی جگہ ۱۹۱۰ء میں حضرت مولانا عبدالواحد غزنوی کو اس مسجد کے خطیب اور امام بنا لیا گیا۔ عبداللہ چکڑالوی ٹانگوں سے معذور ہوگیا تھا اور وہ لکڑی کے تخت پر بیٹھا رہتا تھا۔ اس نے ۱۹۱۵ء کے پس وپیش وفات پائی۔

عبداللہ چکڑالوی کے ایک بیٹے ابراہیم تھے جو ۱۲۸۷ھ (۷۱۔۱۸۷۰ء) میں بمقام چکڑالہ پیدا ہوئے۔ انھوں نے علاقہ ہزارہ کے مدارس ومساجد میں مختلف اساتذہ سے دینی تعلیم حاصل کی، لیکن ان کے اساتذہ کے اسمائے گرامی کا علم نہیں ہوسکا۔ اس کے بعد دہلی کا قصد کیا اور حضرت میاں سید نذیر حسین دہلوی کے حلقۂ درس میں شرکت کی اور ان سے سند حدیث لی۔

فارغ التحصیل ہونے کے بعد وہ خان گڑھ (ضلع مظفر گڑھ) آ گئے۔ چند ماہ یہاں رہے۔ پھر ضلع ملتان کے ایک مقام غازی پور کے قریب ایک بستی میں چلے گئے جہاں اس نواح کی ایک برادری آباد ہے جسے ''کھاکھی'' کہا جاتا ہے اور یہی اس بستی کا نام ہے۔ یہ بستی سڑک کے بالکل قریب ہے۔ مولانا ابراہیم نے وہاں وعظ وتبلیغ کا سلسلہ شروع کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہاں کے لوگوں نے مسلک اہل حدیث اختیار کرلیا اور اب یہ پوری بستی عمل بالحدیث کی داعی ہے۔ جو لوگ سب سے پہلے مولانا ابراہیم کی دعوت سے متاثر ہوئے ان میں حافظ عبدالرحمٰن اور احمد حسن بھی شامل تھے جو موضع کھاکھی کے نمبردار تھے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مولانا ابراہیم چکڑالوی کچھ عرصہ جلال پور پیر والا کی مسجد اہل حدیث مولوی جندوڑہ میں خطیب وامام رہے۔ اس وقت مولانا جندوڑہ کے مکان میں ان کی رہائش تھی۔ خطابت وامامت کا فریضہ وہ فی سبیل اللہ انجام دیتے تھے۔ اس کا کسی سے کوئی پیسا وصول نہیں کرتے تھے۔

مولانا ابراہیم کا درس وتدریس کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ ان کے شاگردوں میں ایک عالم دین مولانا عبدالکریم تھے جو لودھراں کے رہنے والے تھے۔ لودھراں کے حافظ محمد عیسیٰ، محمد یحییٰ اور مولانا عبدالرحمٰن حماد جو دارالحدیث محمدیہ جلال پور پیر والا کے سند یافتہ ہیں، انہی مولانا عبدالکریم مرحوم ومغفور کے فرزندانِ گرامی ہیں۔ مولانا عبدالکریم نے درسیات کی تمام کتابیں مولانا ابراہیم سے پڑھیں۔ مولانا ابراہیم کے بیٹے مولانا محمد اسماعیل تھے۔ انھوں نے بھی علومِ دینیہ کی تکمیل اپنے والد مکرم سے کی۔

مولانا ابراہیم چوں کہ اپنے باپ عبداللہ چکڑالوی کے مسلک (انکارِ حدیث) کو نہیں مانتے تھے، اس لیے اس نے ان کو عاق قرار دے کر انھیں جائداد سے محروم کردیا تھا۔ ایک مرتبہ وہ جائداد میں سے اپنا حصہ لینے کے لیے لاہور (باپ کے پاس) گئے اور حدیث کے یہ الفاظ مشکوٰۃ شریف کے حوالے سے سنائے:

من قطع میراث وارثه قطع الله میراثه من الجنة یوم القیمة.

(جس شخص نے اپنے وارث کا حصہ نہ دیا، اللہ تعالیٰ قیامت کے روز جنت میں سے اس کا حصہ نہیں دے گا۔)

عبداللہ چکڑالوی نے جواب دیا کہ میں حدیث کو نہیں مانتا۔ اگر قرآنِ مجید میں کہیں یہ الفاظ ہوں تو دکھاؤ۔

مولانا ابراہیم نے یہ سن کر فرمایا مجھے کبھی کبھی خیال گزرتا تھا کہ شاید میرے والد حق پر ہوں، لیکن آج ان کی بات سن کر یقین ہوگیا کہ میں حق پر ہوں، میرا باپ غلط راستے پر چل رہا ہے۔ کیوں کہ نبی ﷺ نے تیرہ سو سال پہلے ایک پیش گوئی فرمائی تھی جو لفظ بہ لفظ میرے سامنے سچ ثابت ہورہی ہے۔ پھر انھوں نے یہ دو حدیثیں پڑھیں:

عن ابی رافع رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا الفین احدکم متکئا علٰی اریکته یاتیه الامر من امری مما امرت او نهیت عنه فیقول لا ادری ما وجدنا فی کتاب الله اتبعناه.

[رواه احمد وابوداؤد والترمذی وابن ماجه والبیهقی]

(حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایسا آدمی نہ ہو کہ میرا حکم جو میں نے دیا یا میری نہی اسے پہنچے اور وہ تخت پر تکیہ لگائے ہوئے کہے کہ میں نہیں جانتا۔ ہم تو اس کی اتباع کریں گے جو اللہ کی کتاب میں پائیں گے۔)

عن المقدام رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الا انی اوتیت القرآن ومثلہ الا یوشک رجل شعبان علٰی اریکتہ یقول علیکم بھذا القرآن فما وجدتم فیہ من حلال فاحلوہ فما وجدتم فیہ من حرام فحرموہ وان ما حرم رسول اللّٰہ کما حرم اللّٰہ . الحدیث [رواہ ابوداؤد والدارمی]

(حضرت مقدام رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے قرآن اور اس کی مثل دیا گیا ہے۔ سنو! قریب ہے کہ ایک پیٹ بھرا آدمی تخت پر بیٹھا ہوگا۔ کہے گا اس قرآن ہی کو مانو۔ جو اس میں حلال ہے اسے حلال جانو اور جو اس میں حرام ہے اسے حرام سمجھو۔ حالاں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن چیزوں کو حرام (وحلال) قرار دیا ہے، اسی طرح ہے گویا کہ اللہ نے حرام (وحلال) قرار دیا ہے۔)

مولانا ابراہیم یہ منظر دیکھ کر اور حدیثیں سنا کر اپنے باپ سے لاتعلق ہوگئے اور واپس چلے آئے۔

مولانا ممدوح حافظ قرآن اور ماہر طبیب تھے۔ طبابت ہی ان کا ذریعہ معاش تھا۔ تعلیم وتدریس اور تبلیغ وغیرہ کی خدمات فی سبیل اللہ انجام دیتے تھے۔

مولانا ابراہیم کے شاگردوں میں ایک صاحب مولانا محمد شریف تھے۔ یہ بچپن ہی میں یتیم ہوگئے تھے اور تحصیل علم کے شائق تھے۔ چناں چہ چکڑالہ میں عبداللہ چکڑالوی کے حلقۂ شاگردی میں داخل ہوگئے۔ جب اس نے نئے فرقے کی بنیاد رکھی تو وہ مولوی ابراہیم کے ساتھ وہاں سے نکلے اور ضلع ملتان میں جلال پور پیر والا آگئے۔ کچھ عرصہ انجمن حمایت اسلام (لاہور) کے مدرسے میں پڑھتے بھی رہے۔ اس زمانے میں محدث پنجاب حافظ عبدالمنان وزیرآبادی کا بہت شہرہ تھا۔ محمد شریف ۱۹۰۲ء میں وزیرآباد حضرت حافظ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت ان کے درس میں صحیح بخاری کا ۵۳ واں دور چل رہا تھا، جس میں محمد شریف نے شرکت کی۔ ۱۹۰۳ء میں وہ درس وتدریس اور فتویٰ نویسی کی سند لے کر واپس گھر آئے۔ پھر انھوں نے سرکاری ملازمت اختیار کرلی۔ فارغ وقت تبلیغ دین کے لیے وقف کرکے اللہ کے اس فرمان پر عمل پیرا ہوئے۔

فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۝ وَاِلٰی رَبِّکَ فَارْغَبْ ۝ [الم نشرح: ۷،۸]

(تو جب تم فارغ ہوا کرو تو (عبادت میں) محنت کیا کرو اور اپنے پروردگار کی طرف متوجہ ہوجایا کرو۔)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مولانا محمد شریف کا شمار مولانا ابراہیم چکڑالوی کے شاگردوں میں ہوتا تھا۔ انھوں نے ۵ جولائی ۱۹۷۰ء کو ۹۵ سال کی عمر میں وفات پائی۔

مولانا ابراہیم کے شاگردوں میں ایک بزرگ مولانا عبدالکریم منگلا تھے جو منگلا برادری سے تعلق رکھتے تھے اور شہر لودھراں سے جنوب مغرب میں تین میل کے فاصلے پر سکونت پذیر تھے۔ عالم وفاضل شخص تھے۔ مولانا ابراہیم چکڑالوی سے علوم متداولہ کی تحصیل کے بعد احمد پور شرقیہ کے مولانا عبدالحق ہاشمی سے کتب حدیث کی سند لی۔ صالح وزاہد اور تہجد گزار بزرگ تھے۔ خوش اخلاق اور ملنسار۔ مولانا محمد رفیق اثری فرماتے ہیں کہ ان کے زہد وتقویٰ کے عینی شاہد اب بھی ان کے اس علاقے میں موجود ہیں۔

مولانا محمد رفیق اثری مزید فرماتے ہیں: ''راقم بچپن میں ان کی زیارت سے سرفراز ہوا۔ ان کے گھر کے قریب ہی فارسی کتابیں مدرسہ سبل السلام براتیوالا میں پڑھیں۔ سفید لباس پہننے کے عادی تھے اور منگلا برادری سے ان کا تعلق تھا۔

مولانا ابراہیم چکڑالوی کی وفات ۱۷۔ اگست ۱۹۱۹ء کو ہوئی۔ ان کے بیٹے مولانا محمد اسماعیل تھے جو بہت بڑے مبلغ اور نہایت متقی بزرگ تھے۔

مولانا محمد اسماعیل نے متداولہ علوم وفنون کی تعلیم اپنے والد مکرم مولانا ابراہیم سے پائی اور ان کی وفات کے بعد دعوت وارشاد کا منصب سنبھالا۔ ان کے مواعظ حسنہ سننے اور ان سے متاثر ہونے والے لوگ جلال پور پیروالا اور لودھراں کے علاقے میں اب بھی کثیر تعداد میں موجود ہیں۔ وہ ان کی نیکی، پارسائی، زہد وعبادت اور تقویٰ شعاری کے بہت سے واقعات بیان کرتے ہیں۔ ان کا نکاح مولانا عبدالکریم منگلا کی بہن زینب بی بی سے ہوا تھا، ان کے بطن سے تین بیٹیاں پیدا ہوئیں اور ایک بیٹا، لیکن بیٹا اڑھائی سال کی عمر میں فوت ہوگیا تھا۔

مولانا اسماعیل کی اہلیہ زینب بی بی بڑی سمجھ دار اور نیک خاتون تھیں۔ شوہر کی وفات کے بعد انھوں نے اپنی بیٹیوں کی نہایت اچھی طرح تربیت کی۔ انھیں قرآنِ مجید کا ترجمہ پڑھایا اور مولانا رحیم بخش لاہوری کا مرتب کردہ سلسلہ ''اسلام کی کتاب'' کے چودہ حصے پڑھائے۔ اس زمانے میں ان کتابوں کو بہت مفید سمجھا جاتا تھا اور گھروں میں باقاعدہ یہ کتابیں پڑھائی جاتی تھیں۔ زینب بی بی نے تینوں بیٹیوں کی شادیاں اپنے بھتیجوں سے کیں۔ ان کی اولاد میں ماشاء اللہ حفاظِ قرآن اور علماے دین پیدا ہوئے جو دارالحدیث جلال پور پیر والا اور دارالحدیث محمدیہ لودھراں کے فیض یافتہ ہیں۔ ان حضرات نے دین کی بے حد خدمت کی اور ایک خاص دائرے میں رہ کر اِس خدمت میں مصروف ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مولانا محمد اسماعیل کی وفات کے بارے میں ان کے بہنوئی صوفی کریم بخش لکھتے ہیں: ''برادرم مولوی محمد اسماعیل مرحوم بتاریخ ۲۳۔ مارچ ۱۹۴۴ء بوقت بارہ بجے دوپہر بروز خمیس اس دارفانی سے عالم جاودانی کو رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

''مرحوم اتوار کے دن چاہ عبداللہ (مقام رہائش مولانا عبدالکریم رحمہ اللہ) سے روانہ ہو کر سوڈھل والا پہنچے۔ وہاں لسی نوش فرمائی اور ایک گھنٹا آرام کیا۔ جب بیدار ہوئے تو ہلکا سا بخار محسوس ہوا۔ اسی حالت میں پا پیادہ سفر کرتے رہے۔ راستے میں کہیں کہیں سو جاتے۔ آخر سوموار کو دس بجے رات موضع جھانبو میں ملک غلام حیدر کے مکان پر پہنچے۔ وہاں دو دن شدید بیمار رہے۔ کسی سے گفتگو نہ کر سکتے تھے، البتہ پہچان تھی۔ مرحوم برادرم کو سرسام اور ڈبل نمونیا ہوگیا تھا۔ اس کی شدت سے بہت تکلیف رہی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے برادرم کو جنت الفردوس نصیب فرمائے۔ آمین''

مولانا محمد رفیق اثری تحریر فرماتے ہیں:

''مولانا محمد اسماعیل رحمہ اللہ کی زندگی کے آخری برسوں میں اس علاقے میں فضیلۃ الشیخ مولانا سلطان محمود محدث رحمہ اللہ تدریسی سلسلہ شروع کر چکے تھے اور دعوت وارشاد کا کام دونوں اہم شخصیات کے اتفاق اور باہمی مودت ومحبت کے ساتھ جاری رہا.....

''مولانا محمد اسماعیل رحمہ اللہ انجمن اہل حدیث جلال پور پیر والا کے رکن تھے اور بہ طور خزانچی کام کرتے رہے۔ ۱۹۳۸ء میں انجمن کے اجلاس میں ان کو خزانچی مقرر کیا گیا اور وفات تک وہ اس عہدے پر فائز رہے۔''

وہ ذمہ دارانِ جماعت کو کام کرنے کا شوق دلاتے رہتے تھے۔ اس کا اندازہ انجمن کے اجلاس کی کارروائی سے ہوتا ہے۔ جماعت کی خدمت کے سلسلے میں وہ ہمیشہ مستعد رہتے اور محنت سے کام کرتے۔ باقی ارکانِ انجمن سے بھی یہی توقع رکھتے تھے۔ ❶

---

❶ مولانا ابراہیم چکڑالوی اور ان کے فرزند گرامی مولانا اسماعیل کے حالات کے لیے ملاحظہ ہو، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد رفیق اثری کی تصنیف ''مولانا سلطان محمود محدث جلال پوری'' صفحہ ۶۶ تا ۷۲۔ نیز دیکھئے تذکرہ علماے پنجاب (مؤلفہ اختر راہی) جلد:۱، صفحہ:۴۱، ہفت روزہ الاعتصام، یکم رجب ۱۴۱۱ھ جلد:۳۴، شمارہ نمبر:۳

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

حافظ عبدالوہاب نابینا

(وفات مارچ ۱۹۲۰ء)

حضرت سید میاں نذیر حسین دہلوی رحمہ اللہ کے تلامذہ کی طویل فہرست میں ایک عظیم شخصیت حافظ عبدالوہاب نابینا کی تھی جو ہندوستان کے صوبہ یوپی کے ضلع ایٹہ کے ایک قصبے ''سہاور'' میں پیدا ہوئے اور وہیں نشوونما پائی۔ وہ حافظ قرآن بھی تھے اور حافظ حدیث بھی۔ لیکن یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ انھوں نے ابتدائی تعلیم کہاں سے حاصل کی اور کن اساتذہ سے کی۔

ان کا تذکرہ مولانا ابویحییٰ امام خاں نوشہروی نے اپنی کتاب ''تراجم علماے حدیث ہند'' میں کیا ہے، وہ بھی چند سطروں میں۔ [1] میں نے بہت کوشش کی، لیکن ان کے حالات معلوم کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔

حافظ عبدالوہاب نابینا نے تفسیر، حدیث اور فقہ کی تعلیم حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ سے حاصل کی ..... تیز فہم اور اخاذ ذہن کے مالک تھے۔ بے شمار حدیثیں نوکِ زبان تھیں۔ اللہ کی قدرتِ کاملہ دیکھیے کہ ان سے بصارت چھین لی اور اس کی جگہ بصیرت کی دولت فراوانی سے عطا فرما دی۔

حضرت میاں صاحب کے علاوہ انھوں نے مولانا کفایت اللہ شاہ جہان پوری سے بھی علومِ فقہ وحدیث میں استفادہ کیا۔ شیخ حسین یمنی سے بھی بعض کتب حدیث پڑھیں۔ لیکن اس کی تفصیل کا پتا نہیں چل سکا۔

مولانا محمد اسحاق منطقی دہلوی اور مولانا محمد بشیر سہوانی سے معقولات پڑھیں۔ حکیم عبدالمجید خاں دہلوی سے علم طب پڑھا۔ حکیم صاحب ان کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ باوجودیکہ وہابی ہے مگر اس کی طباعی اور ذہانت کی وجہ سے مجھے اس سے خاص محبت ہے۔

اگرچہ تمام علومِ منقول ومعقول فراخ دلی سے طلبا کو پڑھاتے تھے۔ لیکن حدیث پڑھانے کا طریقہ اس سے بہت مختلف تھا۔ نماز فجر کے بعد مسند درس پر بیٹھ جاتے اور پھر عشا تک درسِ حدیث کا سلسلہ جاری رہتا۔ تہجد کے وقت بھی کوئی طالب علم حدیث پڑھنے کا خواہاں ہوتا تو پڑھانا شروع

---

[1] دیکھیے تراجم علماے حدیث ہند، ص: ۱۷۰، ۱۷۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کر دیتے۔ حدیث کے الفاظ اور اس کی تشریح وتفسیر کا ملکہ اللہ نے ان کو خوب ودیعت فرمایا تھا۔

طبیعت مناظرانہ تھی۔ مطلب کہ تہہ تک فوراً پہنچ جاتے تھے اور بڑے حاضر جواب تھے۔ حریف کے اعتراض اور سوال کا ایسا جچا تلا جواب دیتے کہ سننے والے حیران رہ جاتے۔ باعمل عالم۔ دین سے محبت کا عمدہ ترین نمونہ اور مذہب کی حمیت کا مجسمہ۔

نہایت مؤثر وعظ کہتے تھے اور وعظ میں آیاتِ قرآن اور احادیث رسول (ﷺ) بہ کثرت پڑھتے۔ مولانا ابویحییٰ امام خاں نوشہروی فرماتے ہیں کہ انھوں نے بھی آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کے دو جلسوں میں ان کے وعظ سنے۔ پرتاثیر وعظ تھے۔

دہلی میں گھنٹا گھر کے قریب کوچہ نٹواں میں سکونت پذیر تھے۔

اواخر جمادی الاخریٰ ۱۳۳۸ھ (مارچ ۱۹۲۰ء) میں فوت ہوئے۔ اولاد سے محروم تھے۔

معلوم نہیں اس طرح کے کتنے لوگ ہوں گے جو عمر بھر اللہ کے دین کی خدمت کرتے رہے، لیکن ہم ان کے حالات سے بے خبر رہے۔ اگر ان کے حالات معلوم ہوجاتے اور لوگوں تک پہنچ جاتے تو وہ ان سے مستفید ہوتے۔ کاش ہمارے علماے کرام اپنے کوائف حیات کو اجاگر کرنے کی کوشش فرمائیں تاکہ بعد میں آنے والے ان سے سبق حاصل کریں۔



www.kitabosunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مولانا عبدالسلام مبارک پوری

(وفات ۲۴۔فروری ۱۹۲۴ء)

ہندوستان کے صوبہ یوپی کے جن خاندانوں نے تصنیف وتالیف، درس وتدریس اور علم وعمل میں بے حد شہرت حاصل کی ان میں ایک خاندان کا تعلق ضلع اعظم گڑھ کے قصبہ مبارک پور سے ہے۔ یہ قصبہ کسی زمانے میں ریشمی کپڑے کی صنعت کے سلسلے میں مشہور تھا، لیکن پھر علمی میدان کی شہرت اس کے حصے میں آئی جو ریشمی صنعت کے کپڑے کی شہرت سے بازی لے گئی۔

اس خاندان کے ایک رفیع القدر عالم ومصنف مولانا عبدالسلام مبارک پوری تھے جن کے والد گرامی کا نام خان محمد، دادا کا امان اللہ اور پڑدادا کا حسام الدین تھا۔ یہ تمام حضرات اپنے اپنے عہد کے معروف اہل توحید تھے۔ اتباعِ سنت ان کا شیوہ، تقویٰ شعاری ان کا پیشہ، صالحیت ان کی پہچان اور قرآن وحدیث سے قلبی تعلق ان کا تعارف.....!

مولانا عبدالسلام مبارک پوری نے اسی فضا میں نشوونما پائی اور اسی ماحول میں شعور کی منزل کو پہنچے۔ اردو اور فارسی کی ضروری تعلیم کے بعد عربی کی ابتدائی کتابیں اور صرف ونحو کی کتابیں شافیہ اور کافیہ وغیرہ حضرت مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری کے والد محترم حافظ حکیم عبدالرحیم مبارک پوری اور دیگر مقامی علماء سے پڑھیں۔ فقہ کی شرح وقایہ مولانا حسام الدین مئوی سے پڑھی اور باقی درسی کتابیں مولانا عبدالحق ولایتی مدرس مدرسہ فتح پوری دہلی، مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری، حضرت حافظ عبداللہ غازی پوری، اور حضرت میاں سید نذیر حسین دہلوی سے پڑھیں۔ سند واجازۂ حدیث کا حصول میاں صاحب سے بھی ہوا اور شیخ حسین عرب یمنی سے بھی۔ اجازتِ حدیث مسلسل بالاوّلیہ وبلوغ المرام حضرت قاضی محمد مچھلی شہری سے حاصل کی۔ علم طب حکیم عبدالولی بن حکیم عبدالعلی لکھنوی اور بعض دیگر اساتذۂ طب سے پڑھا۔

تکمیل علوم کے بعد زندگی کے آخری دم تک مختلف درس گاہوں میں تعلیم وتدریس کا سلسلہ جاری رہا مثلاً مدرسہ احمدیہ آرہ اور مدرسہ صادق پور پٹنہ میں پندرہ سال، مدرسہ عالیہ مئوناتھ بھنجن میں تین سال، مدرسہ سراج العلوم بونڈیہار میں چار سال علما وطلبا کو پڑھاتے رہے اور آخر میں دارالحدیث رحمانیہ میں تشریف لائے اور تادمِ زیست اسی سے وابستگی اختیار کیے رکھی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مولانا عبدالسلام مبارک پوری مطالعۂ کتب کے بے حد شائق تھے۔ کسی تاجر کتب کے پاس کوئی نئی کتاب آتی اور انھیں اس کتاب کا پتا چل جاتا تو ہر قیمت پر اسے خریدنے کی کوشش کرتے۔ کتابوں سے یہی دلچسپی اور محبت ان کی موت کا باعث بنی۔ ایک روز دہلی کی جامع مسجد کے علاقے میں دارالحدیث رحمانیہ سے ایک کتاب خریدنے کے لیے گئے۔ کتاب خرید کر چاندنی چوک گھنٹا گھر کے قریب سڑک عبور کر رہے تھے کہ اچانک ایک تیز رفتار گھوڑا گاڑی آئی، جس پر کوئی سوار اور کوچوان نہیں تھا۔ گھوڑا جو نہایت تیزی سے دوڑ رہا تھا مولانا کے اوپر سے گزر گیا اور وہ اسی وقت وفات پاگئے۔ وہ تازہ خریدی ہوئی کتاب ان کے ہاتھ میں تھی، جس کا سبز رنگ کا ٹائیٹل ان کے خون سے سرخ ہوگیا تھا۔ سنا ہے کہ یہ کتاب اب تک ان کے کتب خانے میں اپنے سبز وسرخ رنگ کے ٹائٹل کے ساتھ محفوظ ہے۔

مولانا مرحوم کی فن تدریس میں مہارت کا ذکر حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری مرحوم نے ان کی وفات کے بعد اپنے اخبار ''اہل حدیث'' ۷۔ مارچ ۱۹۲۴ء کی اشاعت میں ''آہ! مولانا عبدالسلام صاحب مرحوم'' کے عنوان سے مندرجہ ذیل الفاظ میں کیا تھا۔

> ''مولانا موصوف صحیح معنوں میں ایک عالم، علوم کے مدرس تھے۔ مدرسین کی تلاش میں جب نظر پڑتی تو آپ پر ہی پہلے پڑتی۔ خدا کی شان آپ کا بڑا لڑکا مولوی عبدالعزیز بنگالہ میں خوب کام کر رہا تھا۔ کچھ مدت پہلے فوت ہوگیا۔ اب آپ کی باری آئی۔ آپ مدرسہ رحمانیہ میں مدرس تھے۔ بازار کو نکلے تھے۔ کیا معلوم تھا، قضا لے جارہی ہے۔ سامنے سے گھوڑا گاڑی بے تحاشا بھاگی آرہی تھی، کوچ مین بھی نہ تھا۔ بس گھوڑی کی صورت میں عزرائیل تھا۔ گاڑی کے نیچے دب کر علم اور دین کا یہ آفتاب ۲۴۔ فروری ۱۹۲۴ء کو غروب ہوگیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔''

مولانا عبدالسلام مبارک پوری عام جماعتی کاموں میں بھی پوری دلچسپی لیتے بلکہ اس سلسلے میں پیش پیش رہتے تھے۔ علمائے کرام کے حالات سے بالخصوص انھیں لگاؤ تھا۔ اخبار ''اہل حدیث'' امرتسر میں تراجم علمائے اہل حدیث کا ایک سلسلہ ۳۰۔ اگست ۱۹۱۸ء کو شروع ہوا تھا جو ۱۷۔ اگست ۱۹۲۲ء تک جاری رہا تھا۔ اس اثنا میں ۸۲ علمائے کرام کے حالات شائع ہوئے تھے، جن میں ایک تہائی کے قریب مولانا عبدالسلام مبارک پوری کی مساعیٔ جمیلہ کا نتیجہ تھے۔

مولانا ممدوح نے مضامین کے علاوہ کتابیں بھی تصنیف کیں۔ ان کی تصانیف میں سیرۃ البخاری، کتاب التمدن اور ایک رسالہ تصوف کے بارے میں ہے۔ یہ رسالہ غیر مطبوع ہے۔

سیرۃ البخاری ان کی نہایت اہم کتاب ہے۔ اردو زبان میں یہ پہلی کتاب ہے جس میں تفصیل

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کے ساتھ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کے حالات بیان کیے گئے ہیں اور ان کی محدثانہ شان کے مختلف گوشوں کی وضاحت فرمائی گئی ہے۔ اس کتاب کو اصحابِ علم میں بے حد پذیرائی ہوئی۔ اس موضوع سے متعلق عربی کی بھی کوئی کتاب اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔

علامہ سید سلیمان ندوی نے مئی ۱۹۱۸ء کے ''معارف'' (اعظم گڑھ) میں اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا۔

''امام بخاری کو عالم اسلامی میں جو اہمیت حاصل ہے، محتاجِ بیان نہیں۔ ضرورت تھی کہ امام ممدوح کی سیرت، تصنیفات اور اجتہادات پر ہماری زبان میں کوئی مستقل کتاب لکھی جائے۔ ہم نہایت خوش ہیں کہ جناب مولانا عبدالسلام صاحب مبارک پوری نے اس فرض کو نہایت عمدگی اور خوبی کے ساتھ ادا کیا ہے۔ سلاست بیان، طرز استدلال، استقصائے واقعات، تحقیق مسائل، تفصیل مطالب، ہر چیز میں ان کے قلم نے اردو کے حکیمانہ مذہبی لٹریچر کی بہترین تقلید کی ہے۔

''ہم اس کو اپنے معیارِ تصنیف کے مطابق سمجھتے ہیں۔ سوانح نگار نے حصہ اوّل میں امام صاحب کے حالات وواقعات جمع کیے ہیں اور دوسرے حصے میں ان کی تصنیفات واجتہادات پر نقد وتقریظ لکھی ہے۔''

سیرۃ البخاری پہلی مرتبہ ۱۳۲۹ (۱۹۱۱ء) میں چھپی تھی۔ اس کے بعد کئی مرتبہ چھپی۔ پاکستان کے بھی دو مختلف اداروں نے اسے شائع کیا۔

سید سلیمان ندوی مرحوم نے ۱۹۰۶ء کے ''الندوہ'' میں ایک مضمون امام بخاری پر لکھا تھا، جس کی اس وقت کے بہت سے اکابر نے انھیں داد دی تھی، ان میں ایک مولانا حالی بھی تھے، جن کو یہ مضمون سب سے زیادہ پسند آیا اور انھوں نے سید صاحب کو بذریعہ خط اس کی داد دی۔ لیکن اس ایک مضمون کے علاوہ سید صاحب نے امام بخاری پر اور کچھ نہیں لکھا۔ بلکہ جہاں تک اس فقیر کو یاد پڑتا ہے، دارالمصنفین (اعظم گڑھ) میں نہ امام بخاری کے حالات میں کوئی چھوٹی موٹی کتاب لکھی گئی اور نہ ''معارف'' میں آج تک اس موضوع پر کوئی قابل ذکر مفصل مضمون شائع ہوا۔ بس اس موضوع کی اردو میں ایک ہی کتاب ہے، جس میں امام کے تمام محدثانہ پہلوؤں اور ان کی ذاتی وخاندانی زندگی کے تمام گوشوں کا احاطہ کیا گیا ہے، وہ ہے مولانا عبید اللہ رحمانی مبارک پوری کے والد ذی شان حضرت مولانا عبدالسلام مبارک پوری کی تصنیف ''سیرۃ البخاری''۔

ہندوستان کے مشہور مصنف ومترجم ڈاکٹر عبدالعلیم عبدالعظیم بستوی نے ''سیرۃ البخاری'' کا عربی میں ترجمہ کردیا ہے جو تحقیق وتخریج کے ساتھ چھپ چکا ہے اور عرب اہل علم اس سے استفادہ کررہے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہیں۔ اب ''سیرۃ البخاری'' کتاب سرائے اردو بازار لاہور نے اس طرح چھاپ دی ہے کہ اس کا اردو متن وہی ہے لیکن تحقیق وتخریج کا اردو ترجمہ خود فاضل مترجم ڈاکٹر عبدالعلیم عبدالعظیم بستوی نے کردیا ہے۔ کتاب نہایت خوب صورت انداز میں چھپی ہے۔ کمپوزنگ، کاغذ، طباعت، جلد دیدہ زیب ہے۔

سید سلیمان ندوی مرحوم نے اس کتاب پر ''معارف'' میں جو تبصرہ کیا، وہ قارئین کرام نے پڑھ لیا۔ مولانا ابوعلی اثری ایک مضمون میں لکھتے ہیں کہ مولانا عبدالسلام مبارک پوری سے سید صاحب کے بڑے گہرے تعلقات تھے۔ دارالمصنفین کے قیام کے بعد وہ ایک مرتبہ سید صاحب سے ملنے آئے تو اس وقت ان (سید صاحب) کی خوشی دیکھنے کے قابل تھی۔ ان کو دیکھتے تھے اور بار بار یہ شعر پڑھتے تھے:

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم ان کو، کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

مولانا ابوعلی اثری فرماتے ہیں: تعلق کا ایک سبب تو ہم ذوقی تھی کہ دونوں اعلیٰ درجے کے صاحب علم، اہل قلم اور مصنف تھے۔ دوسرے سیرۃ البخاری کی تالیف کے سلسلے میں خدا بخش خاں کی اورینٹل لائبریری سے استفادے کے لیے وہ پٹنہ گئے۔ پٹنہ کی آمد ورفت میں دونوں حضرات ایک دوسرے سے ملتے تھے اور باہم لطف صحبت اٹھاتے تھے۔ سید صاحب ان کو بھی میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی کے اجلۂ تلامذہ میں شمار کرتے تھے اور ان کی بڑی قدر کرتے تھے۔ ❶

مولانا عبدالسلام مبارک پوری کی کتاب التمدن کے جو مدنیت اسلام کے موضوع کا احاطہ کیے ہوئے ہے، دو حصے آزادیٔ برصغیر سے بہت پہلے شائع ہوگئے تھے۔ ایک حصہ غالباً ابھی تک شائع نہیں ہوا۔

بہرحال مولانا مرحوم جہاں درس وتدریس میں اپنا ایک مقام رکھتے تھے، وہاں تصنیف وتالیف میں بھی اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑی مہارت سے نوازا تھا۔

افسوس ہے مولانا کے مفصل حالات سے ہم آگاہ نہیں ہوسکے۔ جو کچھ ملا نذرِ قارئین کردیا گیا۔ ان کے ورثا کو ان کے حالات تفصیل سے لکھنے چاہئیں۔

مولانا کی اولادِ نرینہ چار بیٹے تھے:

①..... حافظ عبدالعزیز، ②..... علامہ عبید اللہ رحمانی

---

❶ چند رجال اہل حدیث، ص:۷۶، ۷۷۔ شائع کردہ ندوۃ المحدثین گوجراں والا۔ مولانا ابوعلی اثری اہل حدیث تھے اور دارالمصنفین اعظم گڑھ کے پروف ریڈر اور لائبریرین تھے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

③..... ڈاکٹر محمد عزیر اور ④.....مولانا عبید الرحمٰن طالب مظاہری رحمانی۔

ان میں سے حافظ عبدالعزیز عالی قدر باپ کی زندگی ہی میں وفات پاگئے تھے۔ باقی تینوں باپ کی وفات کے بعد سفر آخرت پر روانہ ہوئے۔ رحمهم الله تعالى [1]

مولانا عبید اللہ رحمانی اور مولانا عبید الرحمٰن رحمانی کے حالات آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرمایئے۔

---

[1] تراجم علماے حدیث ہند، ص:۳۹۹۔ مقدمہ سیرۃ البخاری بہ عنوان ''کچھ مؤلف کتاب کے بارے میں'' از مولانا عبدالرحمٰن عبید اللہ رحمانی، ص:۱۸ تا ۲۰ (مکتبہ قدوسیہ، اردو بازار لاہور۔ نومبر ۲۰۰۰ء)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مولانا عبدالغفور غزنوی

(وفات ۲۸۔ جون ۱۹۳۵ء)

مولانا عبدالغفور غزنوی بن مولانا محمد غزنوی بن حضرت سید عبداللہ غزنوی رحمہم اللہ۔

مولانا عبدالغفور غزنوی کی تاریخ ولادت کا پتا نہیں چل سکا۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم مولانا محمد غزنوی اور عم مکرم حضرت الامام سید عبدالجبار غزنوی اور مولانا عبدالرحیم غزنوی سے اپنے آبائی مدرسے مدرسہ غزنویہ (امرتسر) میں حاصل کی۔ حدیث کی انتہائی کتابیں دہلی جا کر حضرت میاں سید نذیر حسین دہلوی سے پڑھیں اور ان سے سند فراغ لی۔

فارغ التحصیل ہونے کے بعد اپنے خاندانی بزرگوں کی طرح مدرسہ غزنویہ میں تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ ان کے شاگردوں میں حضرت حافظ محمد گوندلوی، مولانا محمد اسماعیل سلفی، مولانا فقیر اللہ مدراسی، مولانا عبدالکریم گرنتھی فیروزپوری اور حکیم عبدالرحمٰن (طبیہ کالج دہلی) کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔

مولانا عبدالغفور غزنوی، مولانا عبدالاوّل غزنوی کے چھوٹے بھائی تھے۔ ان دونوں جلیل القدر عالم بھائیوں نے تدریس کے ساتھ ساتھ ''مطبع القرآن والسنہ'' کے نام سے، پریس بھی قائم کیا، جس میں بہت سی اہم کتابیں شائع کیں۔ اس کی تفصیل گزشتہ صفحات میں مولانا عبدالاوّل غزنوی سے متعلق حالات میں بیان کی جا چکی ہے۔

مولانا عبدالغفور غزنوی نے امرتسر میں خود بھی ایک پریس قائم کیا تھا، جس کا نام ''مطبع نورالاسلام'' تھا۔ اس پریس میں انھوں نے بہت سی دینی کتابیں شائع کیں۔ وہ خود بھی صاحب قلم بزرگ تھے۔

انھوں نے ۲۸۔ جون ۱۹۳۵ء کو امرتسر میں وفات پائی۔



" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سید ابوالحسن بلتستانی

(وفات ۱۹۳۹ء)

پاکستان کے علاقۂ بلتستان میں جن علماے کرام نے درس وتدریس کے میدان میں نمایاں طور سے خدمات سرانجام دیں، ان میں ایک ابھرا ہوا نام ہمارے سامنے سید ابوالحسن مرحوم ومغفور کا آتا ہے۔ ان کے سلسلۂ نسب کے ایک بزرگ میر شمس الدین عراقی ہیں۔ وہ اس خاندان کے اوّلیں شخص ہیں جو ۹۱۱ھ (۱۵۰۵ء) کے پس وپیش بلتستان کے ایک مقام سکردو تشریف لائے۔ بلتستان کے سادات خاندانوں کا سلسلہ نسب اسی میر شمس الدین عراقی تک پہنچتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ سید ابوالحسن کے خاندان میں طویل عرصے سے علم وعمل کی سرگرمیاں جاری تھیں۔ چناں چہ ان کے ایک بزرگ میر محمد نورانی نے دہلی جا کر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے تحصیل علم کی تھی۔ سید ابوالحسن کے والد کا نام سید محمد شاہ تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے علاقے کے معروف اہل علم تھے۔

سید ابوالحسن بلتستانی ۱۸۸۰ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے خسر سید مہدی سے حاصل کی۔ پھر بلغار جا کر اخوند سودے اخونی سے کسب فیض کیا۔ بعد ازاں وزیر آباد گئے۔ وزیر آباد میں اس وقت محدثِ پنجاب حضرت حافظ عبدالمنان کی مسند درس آراستہ تھی۔ سید ابوالحسن اس میں شامل ہوئے اور حضرت حافظ صاحب سے استفادہ فرمایا۔ وزیر آباد سے دہلی کا قصد کیا اور شیخ الکل حضرت میاں سید نذیر حسین رحمہ اللہ کے حلقۂ درس میں شمولیت کی اور ان سے سند واجازۂ حدیث حاصل کیا۔

دہلی سے اپنے گاؤں کریس آئے اور وہاں تعلیم وتعلم اور دعوت وتبلیغ میں مصروف ہوگئے۔ ان کا حلقۂ تبلیغ بہت وسیع تھا اور اس پہاڑی علاقے کا سفر کرنا اس وقت بے حد مشکل تھا۔ لیکن یہ مردِ ہمت پیشہ اپنے گاؤں میں طلبا کو قرآن وحدیث کا درس دیتے اور تبلیغ دین کے لیے اس نواح کے مختلف دیہات وقصبات کا سفر کرتے۔

وہ جہاں بہت اچھے مدرس تھے، وہاں انھیں وعظ وخطابت میں بھی شہرت حاصل تھی۔ نیز مناظرے میں بھی وہ ایک مقام رکھتے تھے۔

مولانا محمد حسین بٹالوی سے ان کے مراسم قائم تھے۔ چناں چہ ان کی رفاقت میں انھوں نے مرزائیت کی شدید مخالفت کی اور مرزائی مبلغین سے ان کے مناظرے ہوئے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بلتستان میں غواڑی کا دارالعلوم اہل حدیث کا معروف دارالعلوم ہے، جہاں بہت سے طلبا دینی علوم حاصل کرتے ہیں۔ سید ابوالحسن کی وہاں بھی آمد و رفت رہتی تھی اور وہاں کی جامع مسجد میں وہ کبھی کبھی خطبۂ جمعہ بھی ارشاد فرمایا کرتے تھے۔

اپنے گاؤں کریس میں وہ جس مدرسے میں خدمت تدریس سرانجام دیتے تھے، اس کا نام مدرسہ نصرۃ الاسلام تھا، جس کی بنیاد ۱۹۰۲ء (۱۳۱۹ھ) میں ان کے خسر سید مہدی نے رکھی تھی۔ سید مہدی کی وفات کے بعد اس کی زمامِ اہتمام انہی سید ابوالحسن بلتستانی کے سپرد ہوئی۔ مدرسے سے متصل جامع مسجد تھی، جس میں امامت وخطابت کا فریضہ یہی انجام دیتے تھے۔ اس مدرسے سے بہت سے طلبا نے تعلیم حاصل کی اور حصولِ تعلیم کے بعد وہ اس علاقے میں تبلیغ دین میں مصروف ہوئے۔

اپنے علاقے کے اجتماعی مسائل میں بھی سید ابوالحسن دلچسپی رکھتے تھے۔ کشمیر کی بعض تحریکوں میں انھوں نے بے حد کردار ادا کیا۔ آزادیٔ ملک سے پیشتر ڈوگرہ راج میں ان کی مساعیٔ آزادی جاری رہیں۔ وہ مجاہد صفت اور بے خوف عالم دین تھے۔ مسلمانوں کے باہمی اتحاد کے لیے ہمیشہ سرگرم رہے۔ ۱۹۳۸ء میں ''انجمن اسلامیہ بلتستان'' قائم کی گئی، جس کے منصب صدارت پر انہی سید ابوالحسن کو فائز کیا گیا۔ اس زمانے میں اس انجمن کا قیام نہایت ضروری تھا اور اس کی وجہ سے اس علاقے کے مسلمانوں میں مضبوط یک جہتی پیدا ہوئی۔

سید ابوالحسن کا حلیہ یہ تھا: رنگ گندمی، قد چھوٹا، بدن سڈول۔ داڑھی گھنی اور چہرہ نورانی۔ تقریر بڑے جذبہ وجوش سے کرتے تھے اور آواز گرج دار تھی۔ سامعین ان کی تقریر میں بے دار رہتے تھے اور ہمہ تن گوش ہو کر ان کے ارشادات سنتے تھے۔

سید ابوالحسن نے ۵۹ برس کی عمر پا کر ۱۹۳۹ء کو سفر آخرت اختیار کیا۔

سید ابوالحسن کی نرینہ اولاد تین بیٹے ہیں۔ سید یحییٰ، سید بشیر اور سید عبید اللہ۔ پھر آگے ان کی اولاد کا سلسلہ چلتا ہے۔ یہ لوگ مختلف مقامات میں اقامت گزیں ہیں۔ [1]

---

[1] مستفاد از مضمون عبدالرحیم روزی۔ مطبوعہ مجلّہ ''التراث'' غواڑی۔ بابت جنوری تا جون ۲۰۰۵ء

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مولانا احمد اللہ پرتاپ گڑھی دہلوی

(وفات ۱۹۔ مارچ ۱۹۴۳ء)

جن حضرات نے تمام عمر گلستانِ علم میں بسر کی اور درس وتدریس کے ہنگامے جاری رکھے، ان کی وسعت پذیر فہرست میں مولانا احمد اللہ صاحب کا اسم گرامی پوری آب وتاب کے ساتھ درج نظر آتا ہے۔ مولانا ممدوح کا مولد اور آبائی مسکن موضع مبارک پور (ضلع پرتاپ گڑھ یو پی) ہے۔ ان کے والد کا نام نامی مولانا امیر اللہ تھا جو حضرت شاہ محمد یعقوب دہلوی مہاجر مکی اور مولانا سخاوت علی جون پوری کے فیض یافتہ تھے۔ شاہ محمد یعقوب کی ہجرت کے بعد وہ حج بیت اللہ کے لیے گئے تو مکہ معظمہ میں شاہ صاحب کے داماد امیر بیگ سے علم حدیث میں استفادہ کیا۔

مولانا امیر اللہ کے چار بیٹے تھے، لیکن علم کی نعمت نہایت فراوانی کے ساتھ ان کے جس بیٹے کے حصے میں آئی وہ ہمارے ممدوح مولانا احمد اللہ ہیں، جنھیں پرتاپ گڑھی کی نسبت سے بھی پکارا جاتا ہے اور دہلوی کی نسبت سے بھی۔ پرتاپ گڑھی کی نسبت سے اس لیے کہ ان کا خاندانی تعلق اسی ضلع سے تھا اور دہلوی کی نسبت کا اطلاق ان پر اس بنا پر ہوتا ہے کہ تحصیل علم کے بعد انھوں نے عمر بھر دہلی کے مرکز علم میں مسند درس آراستہ کیے رکھی۔

قرآنِ مجید اور اردو کی ابتدائی تعلیم کے بعد ان کا سلسلۂ حصولِ علم ذیل کی ترتیب سے چلا۔

⊙.....ایک بزرگ میاں پیر محمد تھے، ان سے گلستاں وغیرہ فارسی کی کتابیں پڑھیں۔

⊙.....سید محمد امین نصیر آبادی سے (جو رائے بریلی سے تعلق رکھتے تھے) صرف ونحو کی کتابیں پڑھیں۔ قرآنِ مجید بھی انہی سے حفظ کیا۔

⊙..... مولانا ہدایت اللہ خاں جون پوری سے علم فقہ کی شرح وقایہ پڑھی اور ان کے ایک شاگرد سے منطق کی قطبی اور میر قطبی پڑھیں۔

⊙.....مولانا زین العابدین جون پوری وکیل سے تفسیر جلالین کا درس لیا۔

اس کے بعد بھوپال کو روانہ ہوئے۔ اس وقت نواب صدیق حسن خاں تو انتقال فرما چکے تھے، لیکن وہ بساطِ علم بچھی ہوئی تھی جو نواب صاحب نے اپنی زندگی میں پوری ریاست میں بچھا دی تھی۔ وہاں کے زمانۂ قیام میں مندرجہ ذیل حضرات سے حصولِ فیض کیا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

⊙..... مولانا لطف الرحمٰن بردوانی سے مطول، میر زاہد اور ملا حسن وغیرہ کتابیں مکمل کیں۔

⊙..... شیخ حسین یمنی سے حدیث میں استفادہ کیا یعنی صحیح بخاری، صحیح مسلم، ترمذی اور نسائی کے لیے ان کے حضور زانوئے شاگردی تہ کیے۔

⊙..... مولانا سلامت اللہ جیراج پوری بھی اس وقت بھوپال میں قیام فرما تھے۔ ان سے کتب حدیث میں سے صحیح بخاری اور ابن ماجہ پڑھیں اور اصولِ حدیث کی شرح نخبۃ الفکر پڑھی۔

⊙..... بھوپال میں ان دنوں ایک عالم دین مولانا احمد سندھی فروکش تھے جو مفتی عبدالقیوم بن مولانا عبدالحی بڈھانوی کے شاگرد تھے۔ ان سے مولانا احمد اللہ نے صحیح بخاری کا ثلث اوّل اور صحیح مسلم کے ابتدا کے کچھ حصے پڑھے۔

⊙..... قاضی ایوب بھوپالی بھی مفتی عبدالقیوم بڈھانوی کے شاگرد تھے، ان سے مولانا احمد اللہ کو سنن نسائی اور جامع ترمذی کے کچھ حصے پڑھنے کا موقع ملا۔

⊙..... بھوپال سے الٰہ آباد گئے، وہاں مولانا منیر الدین خاں سے جن کتابوں کے پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی، وہ ہیں میر زاہد، ملا جلال اور مطول کے چند اوراق۔

مندرجہ بالا اساتذہ سے فیض یاب ہونے کے بعد وہ دہلی تشریف لے گئے۔ وہاں

⊙..... مولانا محمد اسحاق منطقی رام پوری سے قاضی مبارک پڑھی۔

⊙..... ڈپٹی نذیر احمد سے عربی ادبیات کی چار کتابیں پڑھیں۔ سبعہ معلقہ، متنبّی، مقامات حریری اور حماسہ۔

⊙..... مولانا تلطف حسین بہاری (شاگرد حضرت میاں صاحب) سے کتب فرائض پڑھیں۔

⊙..... مولانا عبدالرشید رام پوری (پروفیسر طبیہ کالج دہلی) سے حمد اللہ، ہدایہ اخیرین، میر زاہد اور رسالہ غلام یحییٰ پڑھے۔

⊙..... مولانا نظام الدین مدرس مدرسہ حسین بخش سے جو کتابیں پڑھیں وہ ہیں شمس بازغہ، صدرا، مسلم الثبوت، تصریح، شرح عقائد اور خیالی۔

⊙..... اب مولانا احمد اللہ صاحب، حضرت میاں سید نذیر حسین دہلوی کے حلقۂ درس میں شرکت فرماتے ہیں۔ یہ میاں صاحب کا آخری دور ہے۔ وہاں وہ حضرت کے درس صحیحین اور بعض دیگر کتب صحاح کے درس میں شامل ہوئے اور ان سے سند واجازۂ حدیث کا شرف حاصل کیا۔

⊙..... دہلی میں مولانا محمد بشیر سہسوانی سے میر زاہد، امور عامہ اور شرح اشارات پڑھنے کا موقع ملا۔

⊙..... سند واجازۂ حدیث کا شرف مولانا شمس الحق ڈیانوی سے بھی حاصل ہوا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

⊙..... قیامِ بھوپال کے زمانے میں وہ قاضی محمد مچھلی شہری سے سند مسلسل بالاوّلیہ کے حصول کی سعادت سے بہرہ یاب ہوئے۔

⊙..... ۱۳۴۵ھ (۱۹۲۷ء) میں مولانا احمد اللہ نے حج بیت اللہ کا عزم کیا۔ وہاں شیخ محمد بن عبداللطیف بن ابراہیم بن حسن نجدی محدث سے کتب حدیث کی سند واجازہ سے سعادت اندوز ہوئے۔ اس طرح انھوں نے اپنے عہد کے بیس اصحابِ فضل سے حصولِ فیض کیا اور مرتبۂ کمال کو پہنچے۔ بعض کتابیں مختلف اساتذہ سے کئی کئی مرتبہ پڑھیں۔ اس کے بعد وہ دہلی آئے اور پھر دہلی کو اپنا مستقل وطن بنالیا۔

مولانا احمد اللہ صاحب نے مولانا محمد بشیر سہسوانی سے بہت استفادہ کیا۔ مولانا محمد بشیر نے دہلی کی حوض والی مسجد میں بہ صورت درس متواتر ایک مہینا فرضیت خلف الامام کے موضوع پر تقریر کی۔ یہ تقریر انھوں نے ''البرہان العجائب فی فرضیۃ ام الکتاب'' کے نام سے کتابی شکل میں شائع کی۔

تکمیل تعلیم کے بعد مولانا احمد اللہ دہلوی نے تمام زندگی درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ پورے بیس سال دہلی کے مدرسہ حاجی علی جان میں شائقین علم کو تفسیر وحدیث اور دیگر علوم کی تعلیم دیتے رہے۔ ۱۹۲۱ء میں شیخ عبدالرحمٰن اور شیخ عطاء الرحمٰن نے دہلی میں دارالحدیث رحمانیہ کی تاسیس کی تو اس کی مسند تدریس پر متمکن ہوئے اور کئی سال وہاں یہ خدمت سرانجام دی۔ سالہا سال مدرسہ زبیدیہ میں ان کا سلسلۂ تدریس جاری رہا۔

ایک مرتبہ ''تبلیغ السنہ'' کے نام سے مولانا احمد اللہ دہلوی نے ایک ماہانہ رسالہ بھی جاری فرمایا تھا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب وہ مدرسہ علی جان میں فریضۂ تدریس کی انجام دہی پر مامور تھے۔ لیکن یہ رسالہ جلد ہی بند ہوگیا تھا، کیوں کہ ان کا اصل کام بہ صورتِ درس خدمت حدیث تھا اور یہ رسالہ اس میں رکاوٹ کا باعث تھا، لہٰذا قدرتی طور پر اس کے اجرا کے امکانات ختم اور بندش کے اسباب ظہور میں آگئے۔ اصل بات یہ ہے کہ لکل فن رجال کے اصول کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا ہی تفسیر وحدیث اور فقہ واصول کی تدریس کے لیے تھا۔

آخر میں ان کی خدمات دہلی کے مدرسہ زبیدیہ نے حاصل کرلی تھیں۔ پہلے مدارس کی طرح مدرسہ زبیدیہ میں بھی ان سے بے شمار علما وطلبا فیض یاب ہوئے۔

اہل حدیث علما میں تو ان کو بے حد اعزاز کا مستحق گردانا ہی جاتا تھا، احناف اصحابِ علم بھی انھیں نہایت تکریم کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ مولانا کے شاگرد حاجی محمد رفیق زبیدی نے (جو میرے ہم وطن بھی تھے اور گہرے دوست بھی) مجھے بتایا کہ دہلی کے معروف دیوبندی نقطۂ فکر کے عالم مفتی کفایت اللہ صاحب بعض فقہی مسائل کے سلسلے میں مولانا کی خدمت میں آیا کرتے تھے اور نہایت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ادب کے ساتھ دو زانو ہو کر ان کے سامنے بیٹھتے تھے۔ خود مولانا بھی ان کا بہت احترام کرتے تھے۔

مولانا کے شاگردوں کو حیطۂ شمار میں لانا ممکن نہیں۔ لاتعداد حضرات نے ان سے تفسیر وحدیث اور دیگر علوم متداولہ کی کتابیں پڑھیں اور آگے پڑھائیں۔ ان کے شاگردوں کے شاگرد بھی استاذ الاساتذہ ہوئے.....!

اس عالی قدر استاذ کے شاگردوں میں حضرت مولانا عبدالجبار شکراوی، مولانا عبدالسلام بستوی، مولانا محمد یونس دہلوی، شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ مبارک پوری اور مولانا نذیر احمد املوی رحمانی شامل ہیں اور یہ وہ حضرات ہیں جنھیں علم وعمل اور تصنیف وتدریس میں یگانۂ روزگار سمجھا جاتا ہے۔ رحمہم اللہ

حضرت مولانا احمد اللہ دہلوی نے ۱۹۔ مارچ ۱۹۴۳ء کو دہلی میں وفات پائی۔ ❶

---

❶ ان سطور کے مآخذ مندرجہ ذیل ہیں:

- حضرت مولانا سے متعلق بعض علمائے کرام کے بیان کردہ واقعات۔
- مولانا ابویحییٰ امام خاں نوشہروی کی تصنیف ''تراجم علمائے حدیث ہند''
- مولانا محمد اسرائیل سلفی ندوی کی تالیف ''تراجم علمائے حدیث میوات''
- ہفت روزہ اخبار ''اہل حدیث'' (امرتسر) مارچ ۱۹۴۳ء

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شمس العلماء مولانا حفیظ اللہ

(وفات ۵۔ دسمبر ۱۹۴۳ء)

ہندوستان کے صوبہ یوپی کا ضلع اعظم گڑھ علم وعمل اور فضل وکمال کے اعتبار سے طویل مدت سے خاص شہرت کا حامل چلا آ رہا ہے۔ اس شہر اور اس کے قصبات ودیہات میں لاتعداد اصحابِ فضیلت کا ظہور ہوا، جنھوں نے درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کے میدانوں میں بے پناہ خدمات سرانجام دیں اور بے شمار لوگوں نے ان سے کسب فیض کیا۔ اسی ضلع کے ایک گاؤں کا نام ''بندی'' ہے۔ صاحب ترجمہ مولانا حفیظ اللہ صاحب کا مولد یہی گاؤں ہے۔ وہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سے (جسے انگریز حکومت نے غدر قرار دیا) چھ ماہ قبل پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم، قرآنِ مجید اور فارسی کی بعض کتابوں تک اپنے والد ماجد سے پائی۔ پھر بنارس جا کر کچھ درسی کتابیں پڑھیں۔ وہاں سے اپنے عزیز مولانا سلامت اللہ جیراج پوری کے ساتھ غازی پور چلے گئے۔ وہاں مدرسہ چشمۂ رحمت میں مولانا احمد حسین صاحب سے فارسی کی انتہائی کتابوں کی تکمیل کی۔ علاوہ ازیں عربی صرف ونحو، منطق وفلسفہ، ادبیات اور فقہ واصول وغیرہ کی کتابیں مختلف اساتذہ سے پڑھیں۔ وہیں مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی کے شاگرد مولانا غلام جیلانی کا سلسلۂ درس جاری تھا، ان سے عربی کی متعدد کتابوں کا درس لیا۔ پھر انہی کے مشورے سے لکھنؤ جا کر مدرسہ فرنگی محل میں داخلہ لیا اور مولانا عبدالحی فرنگی محلی سے علومِ مروّجہ کی انتہائی کتابیں پڑھیں۔ اس طرح معقولات ومنقولات کی تمام کتابیں مکمل کرلیں۔ کتب حدیث دہلی جا کر حضرت میاں سید نذیر حسین دہلوی سے پڑھیں اور ان سے سند حدیث لی۔

سید سلیمان ندوی ان کے عامل بالحدیث ہونے کے متعلق فرماتے ہیں:

''مولانا عبدالحی مرحوم کی شاگردی کے باوجود مرحوم آخر میں عامل بالحدیث ہوگئے تھے۔ عدم تقلید کا میلان پہلے سے رکھتے تھے جو شاید مولوی سلامت اللہ صاحب کی ابتدائی صحبت کا اثر رہا ہو۔'' ❶

بے شک ترکِ تقلید کے باب میں وہ مولانا سلامت اللہ جیراج پوری کی صحبت سے متاثر ہوئے

---

❶ یادِ رفتگاں، ص:۳۰۹

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہوں گے، لیکن حضرت میاں صاحب کے حلقۂ درس میں بھی تو رہے تھے اور ان سے حدیث کی سند لی تھی۔ اس کا نتیجہ بھی تو آخر نکلنا ہی تھا۔

جس زمانے میں انھوں نے مروّجہ تعلیم سے فراغت پائی، اس زمانے میں ضلع لکھنؤ کے ایک مقام کاکوری میں ایک مدرسہ جاری تھا، اس میں انھیں مدرس مقرر کر لیا گیا۔ وہاں کچھ عرصہ فریضۂ تدریس انجام دیتے رہے۔ پھر جب مولانا عبدالحی فرنگی محلی مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو انھوں نے ان کو کاکوری سے بلا کر اپنی جگہ مدرسہ فرنگی محل میں مامور فرمایا تاکہ وہ اس قدیم مدرسے میں پڑھنے والے طلبا اور مولانا کے قریبی عزیز مفتی محمد یوسف کو درسی کتابوں کی تعلیم دیں۔ چناں چہ استاد کے حکم کے مطابق وہ وہاں تعلیم دیتے رہے۔ اس مدرسے میں ان سے متعدد علما وطلبا نے استفادہ کیا۔ اس پر دو برس کا عرصہ گزرا تھا اور مولانا عبدالحی فرنگی محلی بھی انتقال کر گئے تو انھیں ریاست رام پور کے سرکاری مدرسے میں تشریف لانے کی دعوت دی گئی۔ اس کا نام ''مدرسہ عالیہ'' تھا۔ اس مدرسے کے وہ اوّل مدرس اور پرنسپل مقرر ہوئے۔ نو برس وہاں ان کا سلسلۂ تدریس جاری رہا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب رام پور اہل علم کا مرکز تھا اور تمام ہندوستان کے مدارس میں اس کی شہرت تھی۔ یہی وہ عہد تھا، جب وہاں مولانا عبدالحق خیر آبادی کا طوطی بولتا تھا اور انھیں پورے ملک میں معقولات کے ماہر سمجھا جاتا تھا۔ اس وقت کسی اہل علم کا مدرس کی حیثیت سے مدرسہ عالیہ میں جانا اور وہاں کے اہل علم میں پُروقار جگہ پیدا کرنا بہت مشکل تھا۔ مولانا عبدالحق کے علاوہ مولانا حفیظ اللہ کو بھی منطق اور فلسفے میں مہارت حاصل تھی۔ سید سلیمان ندوی رقم فرماتے ہیں ''دونوں میں نواب صاحب رام پور کے سامنے ایک دفعہ کسی فلسفیانہ مسئلے پر مناظرہ بھی ہوا۔'' بہرحال مولانا حفیظ اللہ رام پور کے مدرسہ عالیہ میں بڑے وقار سے رہے اور بے شمار لوگوں نے ان کے دائرۂ شاگردی میں داخل ہونے کا شرف حاصل کیا۔

جون ۱۸۹۸ء میں لکھنؤ میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کا قیام عمل میں آیا۔ مولانا حفیظ اللہ اس کے ابتدائی ارکان میں شامل تھے۔ ندوۃ العلماء کی مجلس انتظامیہ نے ان سے مدرسہ عالیہ رام پور کی تدریس کا سلسلہ ختم کر کے ندوہ میں تشریف لانے کی درخواست کی۔ چناں چہ انھوں نے اپنی خدمات ندوہ کے سپرد کر دیں اور انھیں اس دارالعلوم کے مہتمم اور اوّل مدرس بنا دیا گیا۔ ۱۹۰۸ء تک وہ ندوہ میں اس منصب پر فائز رہے۔ سید سلیمان ندوی نے اسی زمانے میں ان سے منقولات ومعقولات کی کتابیں پڑھیں۔

مولانا شبلی کے وہ معاصر تھے۔ سید صاحب کے بقول ''اس لیے جب صحبت ہوتی تو دونوں میں خوب نوک جھونک ہوتی۔ گفتگو کا موضوع کوئی فلسفے کا مسئلہ یا عقل ونقل کی تطبیق کی معرکہ آرائی ہوتی۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

۱۹۰۹ء میں حکومت نے ان کو ڈھاکا یونیورسٹی میں عربی کے پروفیسر مقرر کردیا اور وہ ندوہ سے وہاں چلے گئے۔ ۱۹۲۱ء میں یونیورسٹی سے پنشن یاب ہوئے تو اسی سال حج بیت اللہ کا قصد کیا۔ ۲۸۔ اپریل ۱۹۲۱ء کو بمبئی سے بذریعہ سمندری جہاز روانہ ہوئے تھے۔ عدن پہنچے تو رمضان کا چاند ہوگیا۔ اوائل رمضان میں مکہ معظمہ میں داخل ہوئے۔ ایک مہینا وہاں قیام رہا۔ ۱۰ شوال کو مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کو روانگی ہوئی۔ پندرھویں دن مسجد نبوی میں داخل ہوئے۔

حسن اتفاق سے قیام کا انتظام مسجد نبوی کے قریب ہی ہوگیا۔ کچھ عرصہ وہاں رہے۔ پھر مکہ معظمہ کو واپسی ہوئی۔ کئی روز وہاں قیام کیا۔ حج کے دن آئے تو احرام باندھ کر منیٰ اور مزدلفہ سے گزرتے ہوئے عرفات کے میدان میں داخل ہوئے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے فریضہ حج ادا کرنے کی سعادت بخشی۔

واپس آئے تو دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ناظم اور مجلس انتظامیہ کے ارکان نے دوبارہ ندوہ تشریف لانے اور اس کی صدر مدرسی قبول کرنے پر اصرار کیا۔ اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ دارالعلوم کی تدریسی حالت بہت بگڑ چکی تھی اور صدر مدرسی کے لیے کوئی قابل اور تجربہ کار معلم نہیں مل رہا تھا۔ ادھر ڈھاکا یونیورسٹی میں بھی ان کی دوبارہ طلبی کے لیے زور دیا جارہا تھا اور اس کے لیے مسلسل تار اور خطوط آرہے تھے۔ اس یونیورسٹی کو بھی عربی کا کوئی لائق پروفیسر میسر نہیں آرہا تھا۔ وہاں آج سے ۹۰ برس پہلے ماہانہ تنخواہ چار سو روپے تھی جو موجودہ دور کے حساب سے پچاس ہزار سے بھی زیادہ ہوگی۔ لیکن اِدھر ندوۃ العلماء میں تنخواہ ایک سو پچاس روپے تھی۔ مولانا حفیظ اللہ کا ایثار ملاحظہ ہو کہ انھوں نے چار سو پر ڈیڑھ سو کو ترجیح دی اور ندوہ کی مسند درس سنبھال کی۔ ندوہ کے اجرا پر بھی وہ اسی مسند پر متمکن ہوئے تھے اور اس کے اوّلیں صدر مدرس اور پرنسپل تھے۔

مولانا حفیظ اللہ کے دوبارہ ندوہ آنے کے بعد اس کے تعلیمی معاملات بالکل بدل گئے اور وہ روز بروز ارتقا کی منزلیں طے کرنے لگا۔ مولانا کا حلقہ تلامذہ بہت وسیع تھا۔ ان کے پہلے دورِ مدرسی کے شاگردوں میں سید سلیمان ندوی اور دوسرے دور کے تلامذہ میں مولانا محمد حنیف ندوی شامل ہیں۔

ان کے علم وفضل کی بنا پر حکومت نے ان کو شمس العلماء کا خطاب دیا۔ ان کے استاذ مولانا عبدالحی لکھنوی کی کنیت ابوالحسنات تھی۔ انھوں نے ان کے حالات عربی زبان میں ''کنز البرکات لمولانا ابی الحسنات'' کے نام سے لکھے۔ نیز ''تصریح الافلاک'' کا حاشیہ لکھا جو مطبع مجتبائی میں چھپا۔

مولانا حفیظ اللہ نہایت خوش مزاج عالم دین تھے۔ شکار کا بھی انھیں بہت شوق تھا۔ دوسری مرتبہ ۱۹۲۱ء سے ۱۹۳۰ء تک نو سال انھوں نے ندوۃ العلما میں خدمت درس انجام دی۔ پہلی دفعہ بھی وہ نو سال اس منصب پر فائز رہے تھے۔ اس طرح اٹھارہ انیس سال ندوہ کی صدر مدرسی کی مسند ان کے سپرد رہی۔ جب ان پر ضعف کا غلبہ ہوگیا اور بصارت بھی متاثر ہوئی تو وہ تدریس چھوڑ کر اپنے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

وطن ''بندی'' چلے گئے تھے۔ وہیں ستاسی سال کی عمر پا کر ۷۔ ذی الحجہ ۱۳۶۲ھ (۵۔ دسمبر ۱۹۴۳ء) کو وفات پائی۔ ❶

اس قسم کے رجالِ ایثارِ پیشہ اور مدرسین عظمت نشان سے اب دنیا خالی ہوتی جارہی ہے۔ حالات نے ایسی کروٹ لی ہے کہ روز بروز مادیت کا غلبہ بڑھ رہا ہے اور قدیم آثار تیزی سے ختم ہورہے ہیں۔ اللہ ہی ہم سب کا حافظ وناصر ہے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

---

❶ نزہۃ الخواطر، ج:۸، ص:۱۳۴

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مولانا عبدالتواب ملتانی

(وفات ۲۹۔ مئی ۱۹۴۷ء)

حضرت مولانا عبدالتواب ملتانی مرحوم ومغفور کے جو حالات اس فقیر کے علم میں آئے، وہ ''برصغیر کے اہل حدیث خدامِ قرآن'' میں بیان کردیے گئے ہیں۔ ان کا خاندانی پس منظر بھی اس میں آ گیا ہے اور ان کے اساتذہ اور بعض ان تلامذہ کے اسماے گرامی بھی اس میں آ گئے ہیں، جن کا مجھے پتا چل سکا۔ قرآن سے متعلق ان کی گراں قدر خدمات کا ذکر بھی اس کتاب میں کردیا گیا ہے۔

مولانا مرحوم ۳۱۔ اگست ۱۸۷۱ء (۱۴۔ جمادی الاخریٰ ۱۲۸۸ھ) کو ملتان میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد مکرم مولانا قمر الدین ملتانی سے حاصل کی اور کتب حدیث کی تکمیل حضرت میاں سید نذیر حسین دہلوی سے کی اور ان سے سند فراغت لی۔ اب کتاب کے موضوع کی مناسبت سے مندرجہ ذیل سطور میں اس عالم اجل کی ان خدمات کا تذکرہ کیا جاتا ہے جو انھوں نے نبی ﷺ کی احادیث مبارکہ کے سلسلے میں اشاعت یا ترجمہ وتحشیہ کی صورت میں انجام دیں۔ لیکن اس سے قبل اس عالی قدر شخصیت کی حیاتِ طیبہ کے بارے میں چند باتیں بیان کرنا ضروری ہے جو ان کے ایک مرحوم شاگرد مولانا عزیز زبیدی نے ان کی مترجمہ کتاب بلوغ المرام کے آغاز میں بہ طور مقدمہ تحریر فرمائی ہیں۔

ان کا حلیہ اور لباس یہ تھا، دبلے پتلے، رنگ گندمی، قد وقامت درمیانہ۔ ڈاڑھی پتلی، چہرہ مبارک تھوڑا سا لمبا۔ لباس بہت مختصر اور بہت سادہ۔ سر پر تنکوں کی ٹوپی۔ تہبند عموماً موٹی پنڈلی تک اور ایک سادہ سی واسکٹ زیب تن۔ مزاج حد درجہ منکسرانہ مگر باوقار۔ سنت رسول (ﷺ) کے سلسلے میں انتہائی حساس۔

مولانا مرحوم درس وتدریس کے ساتھ ساتھ کتب حدیث کی اشاعت کے بارے میں خاص طور سے دلچسپی رکھتے تھے۔ جو کتابیں خود شائع کرسکتے، وہ تو اپنے مکتبہ سلفیہ کی طرف سے کرتے ہی تھے، ان کے علاوہ بھی ملک اور بیرونِ ملک سے کتابوں کے حصول کی کوشش فرماتے۔ امام ابن تیمیہ، امام ابن قیم اور حافظ ابن حجر عسقلانی کی تالیفات سے انھیں بے حد شغف تھا۔ ان حضرات کی کتابوں کا خود بھی مطالعہ کرتے اور علما وطلبا کو بھی ان کے مطالعہ کی ترغیب دیتے۔ مستحقین اور شائقینِ مطالعہ کو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بسا اوقات ان کی ضرورت کی کتابیں مفت مرحمت فرما دیتے۔ بعض ایسی کتابیں جو ابھی تک چھپی نہیں تھیں یا چھپیں مگر بعد میں نایاب ہوگئیں، انھیں حاصل کر کے خود لکھتے یا کسی سے لکھواتے۔ اس وقت فوٹو سٹیٹ قسم کی مشینیں ایجاد نہیں ہوئی تھیں یا برصغیر میں نہیں آئی تھیں، کتابوں کی نقل قلم سے کرنا پڑتی تھی۔

کتابوں کے جو شائق کتاب یک مشت خریدنے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے، ان کے ساتھ مولانا کی شفقت کا انداز یہ تھا کہ اسے کتاب دے کر اس کی مالی استطاعت کے مطابق اسے قیمت ادا کرنے کی مہلت دیتے۔ چناں چہ مولانا عزیز زبیدی نے ملتان کے ایک کتاب دوست علامہ عتیق فکری کا یہ بیان تحریر کیا ہے کہ مولانا کو کتابوں کے متعلق ان کے شوق کا پتا چلا تو انھیں کتاب مرحمت فرما دیتے اور وہ آٹھ آنے ہفتے کے حساب سے اس کی قیمت ادا کرتے۔ اس طرح انھوں نے ان سے بے شمار کتابیں خریدیں۔ چناں چہ وہ کہتے ہیں کہ ''آج میری لائبریری میں بحمد اللہ اتنی کتابیں جمع ہیں جو شاید ملتان میں کسی اور شخص کی لائبریری میں نہ ہوں، اور یہ سب مولانا کی تشویق وترغیب اور حوصلہ افزائی کا نتیجہ ہے۔''

کتابوں کے خریداروں کے ساتھ ان کی شفقت کا دوسرا پہلو یہ تھا کہ انھوں نے کبھی کسی کتاب کا حساب نہیں لکھا تھا، وہ اس معاملے کو کتابوں کے شائقین کی مرضی اور صواب دید پر چھوڑ دیتے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا کہ جب انھیں کوئی شخص کسی کتاب کی قیمت ادا کرتا تو وہ فرماتے کہ مجھے تو یاد نہیں رہا، تمھیں یاد ہے تو ٹھیک ہے۔

ایسا بھی ہوتا کہ بعض لوگوں پر اعتماد کر کے بغیر کسی واقفیت کے کتابیں دے دیتے۔ اللہ نے ان کے اعتماد کو کبھی ضائع نہیں فرمایا۔ عزیز زبیدی مرحوم نے منڈی تاندلیاں والا (ضلع فیصل آباد) کے قریب کے ایک گاؤں کے ایک شخص کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ مولانا سے ادھار کتابیں لایا۔ کافی عرصے کے بعد مولانا اس کے پاس وصولی کے لیے گئے تو اس نے کہا میں تو کتابیں آپ سے ادھار لایا ہی نہیں۔ مولانا اسے یہ فرما کر واپس آ گئے کہ اچھا میاں اگر رقم میری ہوئی تو مجھے ضرور ملے گی۔ تھوڑی دیر بعد وہ موضع جھوک دادو میاں محمد باقر کے پاس تشریف لے گئے۔ ابھی آ کر بیٹھے ہی تھے کہ اس شخص کا فرستادہ ہانپتا کانپتا ہوا مولانا کی خدمت میں پہنچا اور کہا یہ لیجیے کتابوں کی قیمت۔ خدا کے لیے اسے معاف فرما دیجیے اور اس کے لیے دعا کیجیے۔ اس کے پیٹ میں اچانک شدید درد اٹھا اور اس کا برا حال ہوگیا۔ مولانا نے اس کے لیے دعا فرمائی اور اس کی تکلیف رفع ہوگئی۔

مزاج کی سادگی کا یہ عالم تھا کہ ریلوے اسٹیشن سے کتابوں کے پارسل خود اپنے سر پر اٹھا کر لاتے۔ ان کا گھر قدیر آباد، ریلوے اسٹیشن سے ڈیڑھ دو میل کے فاصلے پر ہوگا۔ کسی کے زیر بار

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

احسان نہیں ہوتے تھے۔ کوئی واقف کار راستے میں مل جاتا اور وہ ان کا بوجھ اٹھانے کی کوشش کرتا تو فرماتے اب تو میرا بوجھ تم اٹھا لو گے، قیامت کے روز کون اٹھائے گا۔

عسرت کے دنوں میں استغنا کے متعلق مولانا کے ایک شاگرد مولانا عبداللطیف کی روایت سے عزیز زبیدی صاحب بیان کرتے ہیں کہ جب ہم مولانا کے حلقۂ درس میں شامل تھے، گوبھی کے پتے ابال کر ساگ بنایا جاتا۔ وہ ساگ خود مولانا بھی کھاتے اور ہم بھی ان کے ساتھ کھانے میں شامل ہوجاتے۔ اس تنگی کے دنوں میں بھی زکوٰۃ یا عشر وغیرہ قسم کی رقم کسی سے نہ لیتے۔ مدرسے کے طلبا کی وجہ سے لوگ کبھی کچھ دینے کی کوشش کرتے تو مولانا انکار فرما دیتے۔ اکثر طلبا کا کھانا بھی ان کے گھر سے آتا تھا اور وہ بھی اسی قسم کا ہوتا تھا۔

شیخ عبدالرشید صدیقی مرحوم بیان کرتے ہیں کہ مکان اور مسجد کی تعمیر کے موقعے پر بارہا مولانا کو معمار کے ساتھ مزدور کی طرح کام کرتے دیکھا گیا۔

بہت کم گو تھے اور اتنے آہستہ کلام کہ بسا اوقات سننے والوں کو کان قریب کرکے بات سننا پڑتی تھی۔ جمعۃ المبارک کا خطبہ بھی اسی انداز میں ارشاد فرماتے۔ لیکن جب اذان دیتے تو اتنی بلند آواز سے کہ سننے والے حیران ہوتے۔

انتہائی مہمان نواز تھے۔ علما وطلبا کو بالعموم کھانا گھر سے خود لا کر کھلاتے۔ اگر کسی کتاب کے بارے میں کوئی بات پوچھی جاتی تو تفصیل سے بتاتے اور مناسب مشورہ دیتے۔

نمازِ تہجد ان کا ہمیشہ معمول رہا۔ نماز نہایت خشوع وخضوع سے پڑھتے۔ دعا وثنا میں الحاح وزاری کا انداز بے حد دلگداز اور پرسوز ہوتا۔ شیخ عبدالرشید صدیقی مرحوم ایک مضمون میں بیان کرتے ہیں کہ ان کے لائق اور جوان عمر بیٹے مولانا عبدالصبور فوت ہوئے تو خود ان کا جنازہ پڑھایا۔ جنازے میں ان پرسوز وگداز کی ایسی کیفیت طاری تھی کہ لوگ خواہش کررہے تھے کہ کاش یہ ہمارا جنازہ ہوتا۔

صحیح حدیث کے خلاف فقہی درایت کا جو سلسلہ ایک مدت سے چلا آرہا ہے، مولانا عبدالتواب ملتانی اسے سخت ناپسند فرماتے تھے۔ مولانا عزیز زبیدی مرحوم کے بقول ایک طالب علم نے دورانِ سبق ایک حدیث کے متعلق کہا کہ یہ حدیث درایت کی رو سے صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ مولانا اس سے بے حد ناراض ہوئے اور کافی دیر ان کے چہرے پر خفگی کا رنگ طاری رہا۔

مولانا ممدوح عربی روانی سے بولتے اور لکھتے تھے۔ انھوں نے اپنے مکتبے کی طرف سے بعض عربی کتابیں شائع کیں۔ بعض کتابوں کے اردو ترجمے کیے اور بعض پر عربی میں تعلیقات وحواشی رقم فرمائے۔ تعلیقات وحواشی والی کتابیں مندرجہ ذیل ہیں:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

①.....مصنف ابن ابی شیبہ: یہ کتاب مشہور محدث ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ (متوفی محرم ۲۳۵ھ) کی تصنیف ہے۔ اس کے جو اجزا مولانا نے شائع کیے، ان میں سے اکثر پر انھوں نے مختصر مگر جامع تعلیقات وحواشی تحریر فرمائے۔

②.....شرح حدیث ما ذئبان جائعان: یہ ابن رجب حنبلی بغدادی کا رسالہ ہے۔ اس پر مولانا نے تعلیق لکھی۔

③..... الاشارات الی بیان اسماء المبہمات: لامام محی الدین یحییٰ بن شرف نووی۔ مولانا نے اس پر حواشی وتعلیقات سپردِ قلم فرمائے۔

④.....حواشی علیٰ حاشیہ شیخ ابی الحسن سندی علیٰ صحیح مسلم۔

⑤.....حواشی علیٰ مسند عمر بن عبدالعزیز الاموی۔

⑥.....حواشی المسارعۃ الی المصارعۃ (لامام سیوطی)

⑦.....حواشی وتعلیقات علیٰ قیام اللیل وقیام رمضان وکتاب الوتر (از امام مروزی)

⑧.....تعلیقات علیٰ کتاب القبل والمعانقۃ والمصافحۃ (لابن الاعرابی)

⑨.....حواشی وتعلیقات علیٰ تحفۃ المولود باحکام المولود (لامام ابن قیم)

⑩.....صرف بہائی علم صرف کی ابتدائی درجے کی مشہور کتاب ہے۔ اس پر حاشیہ

⑪.....شرح مائۃ عامل: یہ علم نحو کی درسی کتاب ہے۔ اس پر حاشیہ

⑫.....حواشی تفسیر عزیزی (سورۂ مؤمنون)

اب ان کتابوں کی طرف آیے جن کا انھوں نے اردو ترجمہ کیا اور ان پر حواشی لکھے:

①.....ترجمہ صحیح بخاری: صرف آٹھ پارے

②.....ترجمہ وحواشی مشکوٰۃ شریف

③..... ترجمہ وحواشی بلوغ المرام: اس ترجمہ وحواشی سے مولانا یکم جمادی الاخریٰ ۱۳۴۴ھ کو فارغ ہوئے اور ان کے صاحب زادے مولانا عبدالواسع نے اسے ۱۱۔ رمضان المبارک ۱۳۴۴ھ (۲۶ مارچ ۱۹۲۶ء) کو پہلی دفعہ اپنے مکتبہ سلفیہ کی طرف سے شائع کیا۔ یہ ترجمہ اتنا مقبول ہوا کہ ۲۰۰۴ء میں اس کا تیسواں ایڈیشن مولانا عبدالمنعم نے فاروقی کتب خانہ ملتان کی طرف سے طبع کرایا۔

④.....حواشی وترجمہ الحزب المقبول

⑤:.....ترجمہ وحواشی الحزب الاعظم

مولانا عبدالتواب ملتانی عمر بھر مندرجہ ذیل خدمات سرانجام دیتے رہے۔

⊙.....قرآن وحدیث اور دیگر علوم متداولہ کی تدریس۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

⊙..... اپنی مسجد کی خطابت وامامت۔

⊙..... اپنے قائم کردہ مکتبہ سلفیہ کی طرف سے وہ اپنے ترجمہ اور حواشی وتعلیقات والی کتابیں بھی شائع کرتے تھے اور دیگر اہم کتابیں بھی جو ان کے تحقیقی اور علمی ذوق سے ہم آہنگ ہوتیں شائع فرماتے۔

⊙..... اصحابِ علم سے مراسم اور ان کا احترام۔

مولانا ممدوح نے طویل عرصے تک قرآن وحدیث کی تدریس اور نشر واشاعت کی خدمت سرانجام دی اور تین مہینے کی بیماری کے بعد ۲۹۔ مئی ۱۹۴۷ء (۹۔ رجب ۱۳۶۶ھ) کو اس دنیائے دوں سے عالم جاودانی کو روانہ ہوئے۔ انھوں نے قمری حساب سے ۷۸ سال ۲۵ دن اور عیسوی حساب سے ۷۵ سال نو مہینے عمر پائی۔ اور ان کی حیات مستعار کا ہر لمحہ علم وعمل کی فضاؤں میں بسر ہوا۔

اللهم اغفر له وارحمه وعافه واعف عنه .

مولانا عبدالتواب ملتانی کے تین صاحب زادے تھے۔ حافظ عبدالواسع، مولانا عبدالودود اور حافظ عبدالصبور۔ تینوں کو اللہ تعالیٰ نے علم وفضل کی نعمت سے نوازا۔ عبدالصبور جو سب سے چھوٹے تھے، بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔ ۱۵۔ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۰ھ (یکم جون ۱۹۱۲ء) کو پیدا ہوئے۔ قرآنِ مجید حفظ کیا اور علوم دینیہ کی تعلیم اپنے والد محترم اور بعض دیگر حضرات سے حاصل کی۔ نہایت لائق اور صاحب عزم عالم تھے۔ صرف اٹھارہ انیس سال عمر پائی۔ ۱۳۴۹ھ (۳۱۔ ۱۹۳۰ء) میں وفات پاگئے۔ ان کی خدمات مندرجہ ذیل ہیں:

① ..... **انعام المنعم الباری بشرح ثلاثیات البخاری:** امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں بائیس احادیث وہ درج فرمائی ہیں جن کی سند میں امام صاحب سے لے کر نبی ﷺ تک صرف تین واسطے ہیں۔ ان احادیث کو ''ثلاثیات بخاری'' کہا جاتا ہے۔ حافظ عبدالصبور نے یہ تمام احادیث ترتیب وار مع شرح کے ایک رسالے کی صورت میں جمع کردی ہیں اور آخر میں ان اشخاص کے حالات بیان کیے ہیں جن کے نام ان احادیث میں آئے ہیں۔

② ..... **جزء کتاب الیقین:** یہ حافظ ابوبکر عبداللہ بن محمد قرشی کا مختصر سا رسالہ ہے جس کا مولانا عبدالصبور نے ایک اور قلمی نسخے کے ساتھ مقابلہ کیا اور صحت ونظر ثانی کے بعد اس کی اشاعت کی۔

③ ..... **غایة النفع فی شرح تمثیل المومن بخامة الزرع:** اس رسالے کے متعلق مولانا محمد ابراہیم خلیل (ہفت روزہ الاعتصام مؤرخہ ۲۳ جون ۲۰۰۶ء) میں تحریر فرماتے ہیں کہ یہ رسالہ ابوالفرج زین الدین عبدالرحمٰن بن رجب بغدادی کا ہے۔ اس کا نسخہ مولانا عبدالتواب نے مکہ مکرمہ میں حج کے دوران ۱۶۔ ذوالحجہ ۱۳۴۴ھ (۲۷۔ جون ۱۹۲۶ء) کو شیخ محمد کامل کردی کے ہاں سے نقل

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کیا۔ یہ سلطان عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن آلِ سعود کے آغاز کا دور تھا۔

④..... **فضائل ابی بکر الصدیق**: از ابوطالب محمد بن علی بن الفتح الحربی العشاری۔

مندرجہ بالا تمام رسائل اکٹھے ایک جلد میں شائع ہوئے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ہفت روزہ ''الاعتصام''۔ ۲۳ تا ۲۹ جون ۲۰۰۶ء۔ مضمون نگار مولانا محمد ابراہیم خلیل)

مولانا کے صاحب زادے مولانا عبدالواسع باپ کی علمی سرگرمیوں میں ان کے معاون رہے اور ان کی وفات کے بعد مکتبے کا سلسلہ جاری رکھا۔ انھوں نے ۱۳۔ نومبر ۱۹۶۲ء کو وفات پائی۔

مولانا عبدالودود کی تاریخ ولادت ووفات کا علم نہیں ہوسکا۔ نہ ان کے حالات کا پتا چل سکا ہے۔



" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی

(وفات ۲۵۔نومبر ۱۹۴۹ء)

مولانا محمد سعید بنارسی کے سب سے بڑے بیٹے مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی تھے جو یکم شوال ۱۳۰۷ھ (۲۱۔مئی ۱۸۹۰ء) کو بنارس میں پیدا ہوئے۔ تاریخی نام ''محمد فاضل قادر'' (۱۳۰۷ھ) تھا۔ سات سال کی عمر میں ناظرہ قرآنِ مجید ختم کیا۔ پھر قرآنِ مجید حفظ کرنے کی سعادت حاصل کی۔ اسی سال قاضی محمد مچھلی شہری کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے سند مسلسل بالاولیۃ حاصل کی۔ پھر علی الترتیب مندرجہ ذیل حضرات سے اخذ علم کیا۔

① ..... مولانا سید عبدالکبیر بہاری سے فارسی اور صرف ونحو کی کتابیں پڑھیں۔

② ..... مولانا سید نذیر الدین احمد جعفری ہاشمی سے عربی ادبیات ومعانی میں استفادہ کیا۔

③ ..... مولانا حکیم عبدالمجید بنارسی سے فقہ، اصول فقہ، منطق وفلسفہ وغیرہ علوم کی تکمیل فرمائی۔

④ ..... اپنے والد گرامی مولانا محمد سعید بنارسی سے تفسیر اور حدیث کے علوم سے بہرہ ور ہوئے۔

⑤ ..... مولانا شمس الحق ڈیانوی (شارح ابوداؤد) سے بعض کتب حدیث پڑھیں۔

⑥ ..... شیخ حسین بن محسن یمنی سے بھی مستفیض ہوئے۔

⑦ ..... محدثِ پنجاب حضرت حافظ عبدالمنان وزیرآبادی کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے اور ان سے اکتسابِ فیض کیا۔

⑧ ..... حضرت میاں سید نذیر حسین دہلوی کے آستانۂ فضیلت کا رخ بھی کیا اور ان سے مستفید ہوئے۔

اس طرح انھوں نے وقت کے متعدد مشاہیر رجالِ علم کی طرف رجوع کیا اور ان سے فیض یاب ہوئے۔ سولہ برس کی عمر میں فارغ التحصیل ہو کر اپنے والد مکرم کے قائم کردہ مدرسہ سعیدیہ (بنارس) کی مسند درس پر متمکن ہوئے اور طلبا کو مختلف درسی کتابیں پڑھانا شروع کیں۔ تدریس کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف کا آغاز بھی کردیا۔ نہایت ذہین اور لائق تریں مدرس ومصنف کی حیثیت سے شہرت پائی۔

ایک ماہانہ رسالہ ''السعید'' جاری کیا، جو علومِ قرآن وحدیث کی ترویج کا بہت بڑا ذریعہ تھا لیکن

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

۱۳۳۰ھ (۱۹۱۲ء) میں وہ رسالہ بند ہوگیا۔

۱۳۳۱ھ (۱۹۱۳ء) میں مولانا ابوالقاسم کو مدرسہ سعیدیہ کے صدر مدرس مقرر کیا گیا۔ تمام علوم وفنون کی درسی کتابیں وہ طلبا کو خود پڑھاتے تھے۔ مولانا ابویحییٰ امام نوشہروی کے بقول ۱۳۵۳ھ تک وہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم ۲۵ مرتبہ پڑھا چکے تھے۔ اس وقت ان کی عمر ۵۶ برس کی تھی اور سلسلۂ تدریس جاری تھا۔

مطبع سعید المطابع جو ان کے والد مکرم مولانا محمد سعید نے جاری فرمایا تھا، اس کی ذمہ داری بھی ان کے سپرد تھی۔ وہ متحدہ ہندوستان کا زمانہ تھا۔ مختلف مقامات میں جماعت اہل حدیث کے اصلاحی اور تبلیغی جلسے اس عہد میں کثرت سے منعقد کیے جاتے تھے۔ جن جلسوں میں مولانا ابوالقاسم بنارسی کو دعوت دی جاتی تھی، ان جلسوں میں وہ شرکت فرماتے تھے۔ وہ اپنے دور کے بہت بڑے مقرر تھے۔ مناظرے میں بھی انھیں مہارت حاصل تھی اور تقلید وغیرہ مختلف موضوعات پر علماے احناف سے ان کے مناظروں کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس سے بھی ان کا تعلق تھا۔ اس کے جلسوں میں وہ ضرور شرکت فرماتے تھے۔ کانفرنس کے بعض سالانہ جلسوں کی انھوں نے صدارت بھی کی مثلاً اس کا سترھواں سالانہ جلسہ ۶، ۷، ۸ نومبر ۱۹۳۱ء کو پٹنہ میں ان کے زیر صدارت ہوا۔ اسی طرح تئیسویں سالانہ جلسے کا انعقاد ۲، ۳، ۴ اپریل ۱۹۴۳ء کو مئو آئمہ (ضلع اعظم گڑھ) میں ان کی صدارت میں کیا گیا۔

ملک کی سیاسی تحریکوں میں بھی وہ حصہ لیتے تھے۔ اس کی پاداش میں انھیں قید وبند کے مراحل سے بھی گزرنا پڑا۔ ان کا سیاسی تعلق کانگرسی نقطہ نظر سے تھا۔ وہ کھدر کا لباس پہنتے تھے۔

تدریسی، تقریری اور مناظراتی سرگرمیوں کے علاوہ ان کی تصنیفی سرگرمیاں بھی ہمیشہ زوروں پر رہیں۔ ایک حنفی عالم مولانا عمر کریم نے کتاب ''الجرح علی البخاری'' لکھی تو مولانا ابوالقاسم بنارسی نے اس کے جواب میں ''حل مشکلات البخاری'' کے نام سے کتاب تصنیف کی جو اس موضوع کی نہایت محققانہ کتاب ہے۔

ایک کتاب انھوں نے ''جمع القرآن والحدیث'' کے نام سے تصنیف فرمائی۔ اس کتاب میں قرآنِ مجید اور حدیث رسول (ﷺ) کی جمع وتدوین کی وضاحت کی گئی ہے۔ اس کا ذکر ہم اپنی کتاب ''برصغیر کے اہل حدیث خدام قرآن'' کے اس مضمون میں کر چکے ہیں جو ان کی خدمت قرآن سے متعلق لکھا گیا ہے۔

اس کے علاوہ ان کی تصنیفات مندرجہ ذیل ہیں، جن میں ایک حنفی مصنف مولانا عمر کریم کی بعض کتابوں کے جواب میں لکھی گئی کتابیں بھی شامل ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

① الامر المبرم لابطال الکریم المحکم، ② ماء حمیم للمولوی عمر کریم، ③ صراطِ مستقیم لہدایۃ عمر کریم، ④ الریح العقیم لحسم بناء عمر کریم، ⑤ الارجون القدیم فی افشاء ہفوات عمر کریم، ⑥ الرای العظیم للمولوی عمر کریم، ⑦ التنقید فی ردّ التقلید، ⑧ رمی الجمرتین علیٰ شاک کلمۃ الشہادتین۔ مشتمل بر دو جلد، ⑨ ذکر اہل الذکر، ⑩ تحریر الطرفین فی صلوٰۃ التراویح والعیدین، ⑪ حکم الحاکم فی کنیۃ ابی القاسم، ⑫ اللوء لوء والمرجان فی تکلم المرأۃ بآیات القرآن، ⑬ لوء لوء الشرع، ⑭ تذکرۃ السعید، ⑮ حل مشکلات بخاری، ⑯ جوابات بارہ سوالات، ⑰ الفصول الشدید، ⑱ علاج درماندہ، ⑲ صخور المنجنیق، ⑳ البرذج، ㉑ تحفۃ الصبور، ㉒ الافکار، ㉓ ایضاح المنہج، ㉔ سفر بیت اللہ، ㉕ دفع بہتان، ㉖ عید الاضحیٰ، ㉗ السیر الحثیث فی برأۃ اہل الحدیث، ㉘ اربعین محمدی، ㉙ جمع الرسالتین، ㉚ زبان عرب، ㉛ اظہارِ حقیقت، ㉜ ثنائے ربانی، ㉝ جواب دعوت، ㉞ معیار نبوت، ㉟ نورِ اسلام، ㊱ الزہر الباسم، ㊲ الجوائز، ㊳ اجتلاب المنفعہ۔ ان کے علاوہ چند کتابیں اور بھی ہیں جو انھوں نے تصنیف کیں۔ ان میں سے بعض کتابیں انھوں نے اپنے استاذِ محترم مولانا شمس الحق ڈیانوی کے حکم سے لکھیں۔

مولانا ابوالقاسم بنارسی (جیسا کہ پہلے بتایا گیا) مناظر بھی تھے۔ چناں چہ انھوں نے پٹنہ اور الٰہ آباد میں آریہ سماجیوں کے بعض پرچارکوں سے مناظرے کیے۔ احناف سے ٹانڈہ ضلع فیض آباد میں مناظرہ کیا جو علاج درماندہ کے نام سے کتابی شکل میں چھپا۔

مولانا ابوالقاسم بنارسی نے ۲۵۔ نومبر ۱۹۴۹ء (۳۔ صفر ۱۳۶۹ھ) کو جمعۃ المبارک کے روز وفات پائی۔ نمازِ جمعہ کے لیے مسجد میں وضو کر رہے تھے کہ ان پر فالج کا شدید حملہ ہوا اور ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

ان کی وفات پر مولانا محمد حنیف ندوی نے ''آہ مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی'' کے عنوان سے ہفت روزہ ''الاعتصام'' کے ۹۔ دسمبر ۱۹۴۹ء کے شمارے میں حسب ذیل تعزیتی شذرہ لکھا۔

جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں
کہیں سے آبِ بقائے دوام لے ساقی

فما کان قیس ھلکہ ھلک واحد
ولکنہ بنیان قوم تھدما
الی اللّٰہ اشکو لا الی الناس انني
اری الارض تبقی والاخلاء تذھب

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اخلاء لو غیر الحمام اصابکم
عتبت ولکن ما علی الموت معتب

قیس کی موت تنہا ایک آدمی کی موت نہیں۔ اس کے مرنے سے تو پوری قوم کی عمارت گر پڑی۔

شکوہ اللہ سے ہے، لوگوں سے نہیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ زمین کی آبادیاں جوں کی توں قائم ہیں اور دوست ہیں کہ چلے جارہے ہیں۔

دوستو! موت کے سوا کوئی اور مصیبت ہوتی تو اس کا گلہ اور چارہ سازی بھی ہوتی، موت پر کیا گلہ ہے۔

علمی حلقوں میں بالعموم اور جماعت اہل حدیث میں بالخصوص یہ خبر بڑے حزن وملال سے سنی جائے گی کہ حضرت مولانا ابوالقاسم صاحب بنارسی ۲۵۔ نومبر کو جمعہ کے روز بارہ بجے فالج کے شدید حملے سے چل بسے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

''مرحوم یگانہ روز گار عالم، شیوہ بیان مقرر اور نکتہ سنج مناظر تھے۔ حدیث وفقہ کے جزئیات پر بڑی گہری نظر رکھتے تھے۔ اسلامی تاریخ جس سے علماے عربی کو بہت کم لگاؤ ہوتا ہے مولانا کا خاص موضوع تھی اور پھر اسلامی تاریخ کا وہ حصہ جس کا تعلق محدثین کے سیر وسوانح سے ہے وہ تو گویا انھیں ازبر تھا۔ وقت کی تمام علمی وسیاسی تحریکوں میں نمایاں حصہ لیا۔ ابتدا ہی سے جمعیت علماے ہند کے ساتھ رہے اور متعدد بار جیل بھی گئے۔

''علمی خوبیوں کے ساتھ ساتھ نہایت محبوب شخصیت رکھتے تھے۔ جس دوست سے ایک مرتبہ ملے اُسے ہمیشہ کے لیے گرویدہ بنا لیا۔ آخری بار مرحوم سے مئو ائمہ اعظم گڑھ میں ملاقات ہوئی۔ کتنا اخلاص، کتنی اپنائیت اور کس درجہ تواضع کے مناظر دیکھنے میں آئے! اللہ اللہ، اب یہ مواقع کہاں ملیں گے؟

''نظریۂ اہل حدیث سے تو مرحوم کو عشق تھا۔ جب تک زندہ رہے اس کی اشاعت وتبلیغ میں کوشاں رہے۔

''مرحوم غنیمت کنجاہی کے تاریخی گاؤں کنجاہ، گجرات (پاکستان) کے ایک غیر مسلم خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے والد کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی نعمت سے نوازا اور صلاح وتقویٰ کی بہت بڑی مقدار سے مالا مال کیا۔ ان پر اللہ کا دوگونہ فضل تھا۔ یعنی عقیدہ وعمل کی صحت کے ساتھ علم وفضل کی برکتیں بھی ارزانی ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمتوں کی بارش فرمائے، آمین۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مولانا عبدالتواب غزنوی علی گڑھی

(وفات ۱۹۵۰ء کے پس وپیش)

برصغیر کے جن حضرات نے احادیث رسول (ﷺ) کی حفظ وصیانت کو اپنا مقصد حیات قرار دیا، ان میں ایک عالم دین مولانا عبدالتواب غزنوی تھے۔ انھیں علی گڑھی کی نسبت سے بھی پکارا جاتا ہے، اس لیے کہ انھوں نے علی گڑھ کو اپنا مسکن قرار دے لیا تھا۔ ان کے والد کا اسم گرامی عبدالوہاب تھا۔ کلمۂ توحید بلند کرنے کے نتیجے میں حضرت سید عبداللہ غزنوی اور ان کے اہل وعیال کو جب افغانستان کی حکومت نے شدید سزائیں دینے کے بعد اپنے ملک سے نکال دیا تو عبدالوہاب بھی انھی کے ساتھ وہاں سے رخصت ہوئے، اس لیے کہ وہ بھی تبلیغ توحید کے بارے میں وہی نقطۂ نظر رکھتے تھے جو سید عبداللہ غزنوی کا تھا۔

عبدالتواب کی ولادت ۱۲۸۸ھ (۱۸۷۱ء) میں ہوئی۔ غزنی (یعنی افغانستان) سے ہجرت کے وقت ان کی عمر دس سال کی تھی۔ غزنی سے امرتسر آئے تو حصولِ علم کی ابتدا حضرت الامام سید عبدالجبار غزنوی سے کی۔ ان سے قرآنِ مجید پڑھا اور فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ پھر قرآنِ مجید حفظ کرنا شروع کیا تو دس گیارہ برس کی عمر میں صرف ایک مہینے میں قرآن حفظ کر لیا۔ لیکن لوگ یہ ماننے میں متامل تھے۔ اس کا یقین انھیں اس وقت ہوا جب چند روز بعد رمضان المبارک کا مہینا آیا اور عبدالتواب نے نماز تراویح میں پورا قرآنِ مجید سنا دیا۔

اس کے بعد تحصیل علم کے لیے امرتسر سے باہر نکلے اور حصولِ علم کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ مولانا حمیداللہ میرٹھی (سراوہ) سے حدیث پڑھی اور سند واجازہ مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا محمد بشیر سہسوانی، شیخ حسین یمنی اور حضرت میاں سید نذیر حسین دہلوی سے حاصل کیا۔ اس زمانے میں ایک بزرگ شیخ شعیب مکی قسطنطنیہ میں شیخ الحدیث کے منصب عالی پر فائز تھے۔ سفر حجاز کے دوران میں مولانا عبدالتواب غزنوی ان سے بھی سند واجازہ کے حصول سے مفتخر ہوئے۔

حضرت نواب سید صدیق حسن خاں مرحوم کو حدیث اور علومِ حدیث سے جو قلبی محبت تھی، اس کی تفصیل سے اصحابِ علم خوب آگاہ ہیں۔ انھوں نے اعلان فرمایا کہ جو شخص کتب حدیث حفظ کرے گا اسے انعام دیا جائے گا۔ صحیح بخاری کے حفظ پر انھوں نے ایک ہزار روپے انعام مقرر کیا۔ اس اعلان کے بعد مولانا عبدالتواب غزنوی نے صحیح بخاری حفظ کرنا شروع کر دی۔ تین پارے حفظ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہوگئے تو نواب صاحب کو اطلاع دی۔ نواب صاحب نے تا اختتام بخاری تیس روپے ماہانہ وظیفہ مقرر کردیا۔ لیکن افسوس کہ اعلان کے پندرہ روز بعد نواب صاحب وفات پاگئے۔ تاہم مولانا عبدالتواب نے اپنا کام جاری رکھا اور بے شمار حدیثیں انھیں حفظ ہوگئیں۔ وعظ فرماتے تو حدیثیں سنانے کا طویل سلسلہ شروع ہوجاتا۔

وہ اہل حدیث کی مختلف مساجد و مدارس میں مدرس اور خطیب رہے۔ موضع گنور (ضلع بدایوں) میں دس سال، دانا پور (ضلع پٹنہ) میں دس سال اور علی گڑھ میں بیس سال خدمت درس وخطابت سرانجام دی۔ انھوں نے علی گڑھ کو مستقل طور سے اپنا وطن بنا لیا تھا۔

ان سطور کے راقم کو ۱۹۴۹ء میں ان کی زیارت کا شرف حاصل ہوا تھا۔ وہ لاہور تشریف لائے تھے اور چینیاں والی مسجد میں خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا تھا۔ ان کا حلیہ اب بھی میری آنکھوں میں محفوظ ہے۔

قدرے لمبا قد، درمیانہ جسم نہ موٹے نہ زیادہ پتلے دبلے۔ گورا رنگ۔ چہرے کے نقوش خوب صورت۔ سر پر عمامہ۔ شیروانی پہنے ہوئے۔ مولانا سید داؤد غزنوی نے لوگوں سے ان کا تعارف کرایا اور ان کی ذہانت اور علمیت کے متعلق چند باتیں بیان فرمائیں۔

اوپر کی سطور میں ان کے جو حالات بیان کیے گئے ہیں، وہ مولانا ابویحییٰ امام خاں نوشہروی کی کتاب ''تراجم علماے ہند'' (مطبوعہ مکتبہ اہل حدیث ٹرسٹ کورٹ روڈ کراچی صفحہ ۲۳۴) سے لیے گئے ہیں۔ تلاش کے باوجود مجھے اتنے بڑے حافظ حدیث اور مدرس وخطیب کے حالات کہیں سے نہیں مل سکے۔ ان کی تاریخ وفات کا بھی صحیح طور سے علم نہ ہوسکا۔ وہ ۱۹۴۹ء میں لاہور تشریف لائے تھے۔ اس سے کچھ عرصہ بعد ان کی وفات کی اطلاع آئی۔ میرا خیال ہے یہ ۱۹۵۰ء کی بات ہے۔

مولانا ابویحییٰ امام خاں نوشہروی کی کتاب کے اگرچہ ایک ہی صفحے میں ان کے متعلق چند باتیں مرقوم ہیں، تاہم نہ ہونے سے بہتر ہے۔

ان کے اخلاف کے متعلق بھی کچھ پتا نہ چل سکا۔

دعا ہے اللہ تعالیٰ اس جلیل القدر عالم ومدرس، ممتاز خطیب ومقرر اور حافظِ حدیث کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین



" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مولانا محمد حیات لاشاری سندھی

(وفات ۱۰۔اپریل ۲۰۰۶ء)

پاکستان کے صوبہ سندھ کے مختلف مقامات میں مختلف ادوار میں لاتعداد اصحابِ علم پیدا ہوئے، جنھوں نے اسلام کی بے حد خدمت کی، تصنیف وتالیف کی صورت میں بھی، وعظ وتقریر کی صورت میں بھی اور درس وتدریس کی صورت میں بھی.....!

سندھی اصحاب علم کی اس وسیع فہرست میں حضرت مولانا محمد حیات لاشاری کا اسم گرامی خاص طور سے قابل ذکر ہے۔ میں نے اپنی متعدد کتابوں میں برصغیر کے ہزاروں اہل علم کا تذکرہ کیا۔ تین ہزار کے لگ بھگ علما کے حالات تو فقہائے ہند کی دس جلدوں میں بیان کیے گئے ہیں۔ دوسری کتابوں میں بھی سیکڑوں علما کا تذکرہ ضبط تحریر میں آ گیا ہے۔ ان میں سندھی علماء بھی کثیر تعداد میں موجود ہیں۔ لیکن مجھے واضح الفاظ میں اعتراف کرلینا چاہیے کہ مولانا محمد حیات لاشاری کے نام، کام اور حالات سے میں آگاہ نہیں تھا۔ ان کے متعلق مجھے حیدر آباد (سندھ) کے مؤقر ماہنامہ ''دعوت اہل حدیث'' سے معلومات حاصل ہوئیں۔ یہ جماعت اہل حدیث کا ایک وقیع ماہنامہ ہے جو مولانا عبداللہ ناصر کی سرپرستی، ڈاکٹر عبدالرقیب کی نگرانی اور حافظ عبدالحمید گوندل کی ادارت میں حیدرآباد (سندھ) سے باقاعدگی کے ساتھ شائع ہورہا ہے۔ گزشتہ تھوڑے عرصے میں ''دعوتِ اہل حدیث'' کے کئی اہم اور ضخیم خاص نمبر معرضِ اشاعت میں آچکے ہیں۔ اس مجلّے کی مجلس انتظامیہ کے معزز ارکان اور اس کے ایڈیٹر حافظ عبدالحمید گوندل جماعت اہل حدیث کے بہت بڑے خادم اور کتاب وسنت کے لائق احترام مبلغ ہیں، جنھوں نے اس کے خاص نمبر شائع کیے ہیں اور اس نامساعد دور میں قرآن وحدیث کی خدمت کو اپنے آپ پر فرض قرار دے رکھا ہے۔ اللہ ان حضرات کا حامی وناصر ہو اور ہم بے عملوں کو بھی خدمت دین کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

مولانا محمد حیات لاشاری ۱۸۷۶ء میں پیدا ہوئے اور قمری حساب سے ایک سو چونتیس برس عمر پاکر ۲۰۰۶ء میں ان کا انتقال ہوا۔ وہ پہلے حنفی تھے اور صوبہ سندھ کے مختلف حنفی مدارس میں طلبا کو پڑھاتے رہے۔ ساٹھ برس کی عمر کو پہنچ کر مسلک اہل حدیث قبول کیا۔ ان کا شمار حضرت میاں سید نذیر حسین دہلوی رحمہ اللہ کے شاگردوں میں ہوتا ہے۔ والد کا نام قیصر خاں لاشاری تھا۔ ''دعوت اہل حدیث''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کے جون ۲۰۰۶ء کے شمارے میں مولانا محمد حیات لاشاری کے حالات خاصی تفصیل سے شائع ہوئے ہیں۔ اس اعتبار سے اس شمارے کو ''مولانا محمد حیات لاشاری نمبر'' کہنا چاہیے۔

اب آئندہ سطور میں مولانا محمد حیات لاشاری کے حالات قدرے تفصیل سے ملاحظہ فرمایئے۔

مولانا لاشاری نے ایک انٹرویو میں فرمایا ہے کہ وہ ۱۲۹۳ھ میں تحصیل کندھ کوٹ کے ایک گاؤں واحد بخش بجارانی میں پیدا ہوئے۔ تقویم پر نگاہ ڈالیں تو ۱۲۹۳ھ کے ماہِ محرم سے ۱۸۷۶ء شروع ہوتا ہے۔ یعنی ہجری اور عیسوی سال ایک ساتھ چلتے ہیں۔ بہ الفاظ دیگر عیسوی حساب سے مولانا لاشاری کی ولادت ۱۸۷۶ء میں ہوئی۔

عمر کی کچھ منزلیں طے کیں تو حصولِ علم کی راہ پر گامزن ہوئے۔ اس وقت شکارپور میں دیوبندی مسلک کے مولانا فقیر اللہ کا مدرسہ جاری تھا، اس مدرسے کا نام ''مدرسہ فقیریہ'' تھا۔ مولانا محمد حیات لاشاری نے اس مدرسے میں داخلہ لیا۔ مولانا فقیر اللہ سے انھوں نے علم فقہ کی سب سے اونچے درجے کی کتاب ''ہدایہ'' پڑھی۔ علم حدیث کی مشکوٰۃ، علم منطق کی ایساغوجی، میر قطبی اور علم نحو کی شرح جامی جیسی کتابیں بھی ان سے پڑھیں۔ اس مدرسے کی طرف سے انھیں ہاتھ سے لکھی ہوئی سند ملی۔

ایک اور حنفی عالم مولانا فقیر محمد تھے۔ ان کا مدرسہ کندھ کوٹ میں جاری تھا، جس کا نام ''دارالعلوم فقیریہ'' تھا۔ اس دارالعلوم میں مولانا لاشاری نے اصول فقہ کی کتابیں پڑھیں۔

تفسیر بیضاوی اور تفسیر جلالین انھوں نے مولانا تاج محمد امروٹی کے حلقہ درس میں پڑھیں۔

مولانا لاشاری تحصیل علم کے بے حد شائق تھے۔ وہ مسلکاً حنفی تھے، لیکن حنفی ہونے کے باوجود اہل حدیث اصحابِ علم سے بھی انھوں نے استفادہ کیا، مثلاً حضرت مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری کی خدمت میں مبارک پور گئے۔ وہاں ان سے ترمذی کی شرح ''تحفۃ الاحوذی'' کی ایک جلد پڑھی۔

وہ مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی کے حلقہ درس میں سیالکوٹ بھی پہنچے۔ ان سے سنن ابی داؤد پڑھنے کی سعادت سے بہرہ مند ہوئے۔ مولانا سیالکوٹی ہی سے حضرت میاں سید نذیر حسین دہلوی کی طرف سے علماے عصر کے لیے اجازتِ عامہ کا علم ہوا تو ان کی طرف سے اجازت حاصل ہوئی۔ چناں چہ مولانا سیالکوٹی نے اپنی کتاب ''تاریخ اہل حدیث'' میں ان کا اسم گرامی حضرت میاں صاحب کے شاگردوں کی فہرست میں لکھا ہے۔ یہ فہرست ان کے صرف اٹھائیس شاگردوں پر مشتمل ہے۔ [1]

فارغ التحصیل ہونے کے بعد مولانا محمد حیات لاشاری مختلف مدارس میں خدمت درس سرانجام

---

(۱) ملاحظہ ہو تاریخ اہل حدیث، ص: ۴۸۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

دیتے رہے۔ یہ تمام مدارس صوبہ سندھ کے ہیں اور ان کی تدریسی سرگرمیاں صوبہ سندھ تک ہی محدود رہیں۔ سندھ کے علما وطلبا نے ان سے بہت استفادہ کیا۔ جن مدارس سے ان کا تعلق تدریس رہا، وہ مندرجہ ذیل ہیں:

①..... مدرسہ حمادیہ: یہ مدرسہ ایک حنفی عالم مولانا حماد اللہ کے معتقدین نے شکار پور میں جاری کیا تھا۔ اس مدرسے میں مولانا لاشاری نے طلبا کو مشکوٰۃ المصابیح، ہدایہ، شرح وقایہ، قدوری اور شرح جامی جیسی کتابیں پڑھائیں۔

②..... مدرسہ حیات العلوم: یہ مدرسہ ضلع جیکب آباد کی تحصیل کندھ کوٹ کے ایک گاؤں ''وگی'' میں تھا۔ اس میں مولانا لاشاری نے چند نصابی کتابوں کے علاوہ جن کتب حدیث کا درس دیا وہ ہیں ابوداؤد، صحیح مسلم اور نصف صحیح بخاری۔

③..... مدرسہ محمدیہ: یہ مدرسہ ایک بزرگ محمد شاہ نے گڑھی یاسین میں جاری کیا تھا۔ یہاں مولانا لاشاری نے صحیح بخاری پڑھائی۔ (اسی مدرسے کی تدریس کے زمانے میں ان کا ذہن بدلا اور وہ حنفیت کے دائرے سے نکل کر اہل حدیث کے حلقے میں داخل ہوئے۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔)

④..... مدرسہ موضع مستوئی: ضلع لاڑکانہ کی تحصیل قنبر علی خاں میں ایک گاؤں کا نام مستوئی ہے، جہاں بلوچوں کی ایک گوت ''رند'' برادری کے لوگ مقیم ہیں۔ مولانا لاشاری وہاں کی ایک مسجد کے مدرسے میں طلبا کو پڑھاتے رہے۔

⑤..... ضلع لاڑکانہ ہی میں ارائیں برادری کے ایک گاؤں کی مسجد میں دینیات کا مدرسہ جاری تھا۔ وہاں کچھ عرصہ مولانا لاشاری کا سلسلہ تدریس جاری رہا۔

⑥..... ضلع لاڑکانہ کے ایک گاؤں میں مولانا حاجی علی محمد سیال مقیم تھے، ان کی مسجد میں بھی انھوں نے کچھ عرصہ درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔

⑦..... جامعہ محمدیہ: یہ کسی دور میں صوبہ سندھ کے موضع گوٹھ حاجی سلطان احمد ٹنڈو غلام علی کا مشہور مدرسہ تھا۔ وہاں مولانا لاشاری دو سال خدمت درس میں مصروف رہے۔ وہاں انھوں نے پوری صحیح بخاری طلبا کو پڑھائی۔

⑧..... مدرسہ تعلیم القرآن والحدیث ڈیپلو: ضلع تھرپارکر کے موضع ڈیپلو کے مدرسہ دارالقرآن والحدیث میں آٹھ سال ان کا سلسلۂ درس جاری رہا۔ اس مدرسے میں ان سے علاقہ سندھ کے متعدد علماء نے استفادہ کیا۔ یہ مدرسہ ایک خاتون اماں مریم نے جاری کیا تھا۔

⑨..... ضلع سانگھڑ کی تحصیل شہداد پور کی ''گوٹھ بہادر کلوئی'' کے مدرسے میں چھ سال پڑھاتے رہے۔

⑩..... ضلع سانگھڑ کی تحصیل شہداد پور ہی کے گاؤں ملدسی میں پانچ سال انھوں نے تدریس کی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

⑪..... مدرسہ تعلیم القرآن: ضلع داؤد کے موضع میٹر کے اس مدرسے میں وہ تین سال پڑھاتے رہے ہیں۔

⑫..... نیو سعید آباد کے مدرسے میں بھی انھیں تدریس کا موقع ملا۔

⑬..... جامعہ بحر العلوم السلفیہ: یہ جامعہ میر پور خاص میں طویل عرصے سے جاری ہے۔ یہاں وہ دو سال پڑھاتے رہے۔ وہاں ان سے جن حضرات نے استفادہ کیا، ان میں مولانا افتخار احمد ازہری بھی شامل ہیں جو جامعہ ازہر (مصر) کے فارغ التحصیل ہیں اور ایک مدت سے جامعہ بحر العلوم السلفیہ کے مہتمم و شیخ الحدیث ہیں۔ مولانا ازہری صوبہ سندھ کے نامور عالم ہیں اور ان کا شمار مولانا لاشاری کے فیض یافتہ حضرات میں ہوتا ہے۔

⑭..... مدرسہ تعلیم القرآن والحدیث گھسن آباد: آخر میں مولانا لاشاری نے اپنی تدریسی خدمات حیدر آباد (گھسن آباد) کے مدرسہ تعلیم القرآن والحدیث کے لیے وقف کر دی تھیں اور پھر آخر دم تک انھوں نے اسی مدرسے سے وابستگی اختیار کیے رکھی۔

مذکورہ بالا تمام مدارس میں مولانا لاشاری کو ہمیشہ بہ درجہ غایت احترام کا مقام حاصل رہا۔ کسی مدرسے کے وہ صدر مدرس رہے اور کسی میں ان کو شیخ الحدیث کا منصب حاصل ہوا۔ درسیات پر انھیں عبور حاصل تھا۔ وہ محنت اور دلچسپی سے طلبا کو پڑھاتے تھے۔ وہ صحیح معنوں میں عالم باعمل تھے۔

اب دیکھتے ہیں، انھوں نے حنفیت کیوں ترک کی اور اہل حدیث مسلک اختیار کرنے کی اصل وجہ کیا ہوئی.....؟ سنیے!

۱۳۹۳ھ (۱۹۷۳ء) کی بات ہے کہ موضع قنبر علی خاں میں سید بدیع الدین شاہ راشدی اور ایک حنفی عالم مولانا عبدالکریم (بیر والے) کے درمیان ''فاتحہ خلف الامام'' کے موضوع پر مناظرہ طے پایا۔ اس وقت مولانا محمد حیات لاشاری حنفی المسلک تھے۔ حنفی علماء نے ان کو بھی مناظرے میں شرکت کی دعوت دی اور یہ مناظرہ سننے کے لیے وہاں پہنچ گئے۔ چوں کہ حنفی ہونے کی وجہ سے مناظرے سے متعلق حنفی علماء کی باہمی گفتگو ان کی موجودگی میں ہوئی تھی، اس لیے یہ اس سلسلے کی تمام صورتِ حال سے باخبر تھے۔ فرماتے ہیں پہلے تو حنفی مناظر مولانا عبدالکریم نے اپنے تلامذہ بھیج کر شاہ بدیع الدین صاحب سے شرائط مناظرہ طے کرنے کا مطالبہ کیا۔ شاہ صاحب نے فرمایا ایک دورانیہ (ٹرم) آپ کا ہوگا اور ایک ہمارا۔ ایک منصف آپ کی طرف سے ہوگا اور ایک ہماری طرف سے۔ مناظرے کے سامعین دونوں جانب کے علماے کرام ہوں گے۔ مطلب یہ کہ مناظرہ بند کمرے میں ہوگا، کھلے میدان میں نہیں ہوگا۔

بعد ازاں خود حنفی مناظر مولانا عبدالکریم اور ایک اور حنفی عالم مولانا عبداللہ چانڈیو نے شاہ بدیع الدین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

صاحب سے ملاقات کی۔ شاہ صاحب سے ملاقات کے بعد مولانا عبداللہ چانڈیو نے مولانا عبدالکریم سے کہا کہ تم شاہ صاحب سے مناظرہ نہیں کرسکتے، بہتر یہ ہے کہ مناظرے سے بچنے کی کوشش کی جائے۔

بچنے کی تجویز مولانا عبدالکریم نے یہ پیش کی کہ شاہ صاحب نے بند کمرے میں مناظرے کے لیے کہا ہے، ہم ان سے یہ کہیں کہ مناظرہ بند کمرے میں نہیں بلکہ کھلے میدان میں ہوگا۔ یہ تجویز شاہ صاحب نہیں مانیں گے اور مناظرے کا معاملہ ختم ہوجائے گا۔ لیکن جب شاہ صاحب کی خدمت میں یہ تجویز پیش کی گئی تو انھوں نے فوراً مان لی اور فرمایا بالکل ٹھیک ہے۔ آیے کھلے میدان میں مناظرہ کرتے ہیں۔ پھر مولانا عبدالکریم نے حیلے بہانے کرکے اس سے بھی انکار کردیا۔ ان حنفی علماے کرام کے حیلے بہانوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ مولانا محمد حیات لاشاری نے مسلک حنفیت ترک کرکے اہل حدیث مسلک اختیار کرلیا۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے لوگ اہل حدیث ہوگئے۔ ان حضرات کو یہ یقین ہوگیا تھا کہ مولانا عبدالکریم اور دیگر احناف کا موقف صحیح نہیں اور یہ مناظرے سے گریز کررہے ہیں۔ اگر ان کا موقف صحیح ہوتا تو ضرور میدانِ مناظرہ میں اترتے۔

اہل حدیث مسلک اختیار کرنے کے بعد مولانا محمد حیات لاشاری نے کتاب وسنت کی بہت خدمت کی۔ وہ فرماتے ہیں کہ ''مجھے اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی۔''

وہ بہت اچھے مقرر اور بہت اچھے مدرس تھے۔ انھوں نے تمام عمر خدمت تدریس میں صرف کردی۔ سندھ کے حلقۂ اہل حدیث میں انھیں نہایت احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

مولانا محمد حیات لاشاری کا حلیہ جو ماہنامہ ''دعوتِ اہل حدیث'' میں بیان کیا گیا ہے یہ تھا: طویل قامت، مضبوط جسم، سرخ وسفید رنگت، نورانی چہرہ، سر اور داڑھی کے بال بالکل سفید۔ قمیص تہبند ان کا لباس تھا۔ وہ عابد وزاہد، تہجد گزار، نہایت متقی اور نمونۂ سلف عالم تھے۔ انھوں نے پوری ایک صدی درس وتدریس میں گزاری۔ انھیں حضرت میاں سید نذیر حسین دہلوی کی طرف سے روایت حدیث میں اجازۂ عامہ حاصل تھا۔ حضرت میاں صاحب نے اپنے زمانے کے تمام علما کو اپنی روایات بیان کرنے کی اجازت دے دی تھی۔ میاں صاحب کی وفات ۱۳۔ اکتوبر ۱۹۰۲ء کو ہوئی۔ اس وقت مولانا لاشاری کی عمر چھبیس ستائیس برس کی تھی۔ وہ میاں صاحب سے بلاواسطہ حدیث بیان کرنے کے مجاز تھے۔

ان کی صحت آخر عمر تک بہت اچھی رہی۔ خوراک وغیرہ کا سلسلہ بھی ٹھیک تھا۔ لیکن وفات سے چند سال پیشتر وہ ایک حادثے کی زد میں آگئے تھے اور پاؤں کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی، جس کی وجہ سے چلنے پھرنے سے معذور تھے۔

وہ حج بیت اللہ کے ہمیشہ شائق رہے اور انھوں نے کئی حج کیے۔ قیام پاکستان سے قبل ایک حج

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

پیدل چل کر بھی کیا تھا۔

ان کا انتقال ۱۱۔ ربیع الاوّل ۱۴۲۷ھ (۱۰۔ اپریل ۲۰۰۶ء) کو مدرسہ دارالقرآن والحدیث گھمن آباد (حیدر آباد) میں ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

اس جلیل القدر عالم دین نے قمری حساب سے ۱۳۴ سال اور عیسوی حساب سے ۱۳۰ برس عمر پائی۔ ان کا جنازہ مشہور عالم دین مولانا عبداللہ ناصر رحمانی نے پڑھایا، جس میں ہزاروں لوگوں نے شرکت کی۔ انھوں نے اپنے پیچھے بے شمار شاگرد اور اصحابِ عقیدت چھوڑے۔ ان کی صلبی اولاد ان کے ایک بیٹے ہیں۔

اللھم اغفرله وارحمه وعافه واعف عنه.

واکرم نزله ووسع مدخله وادخله جنت الفردوس .



" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

دیگر چونتیس خدّام حدیث

بہ ترتیب تواریخ وفات

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مولانا سعد اللہ لکھوی

(وفات ۱۹۱۸ء کے پس وپیش)

حضرت مولانا عطاء اللہ لکھوی کے بڑے بھائی مولانا سعد اللہ لکھوی تھے۔ انھوں نے تمام علومِ متداولہ کی تکمیل اپنے والد محترم حضرت مولانا عبدالقادر لکھوی سے کی۔ تفسیر، حدیث، فقہ، صرف ونحو، منطق وفلسفہ، معانی وبیان اور عربی ادبیات کی جو کتابیں اس زمانے کے مدارس میں پڑھائی جاتی تھیں، وہ سب کتابیں انھوں نے بے حد محنت اور انہماک سے پڑھیں۔ اور ایک ہی استاذ یعنی اپنے والد عالی قدر (مولانا عبدالقادر لکھوی) سے پڑھیں۔ اکتسابِ علم کے لیے وہ اپنے گاؤں (لکھو کے) سے باہر نہیں گئے۔ لیکن فارغ التحصیل ہونے کے بعد انھوں نے درس وتدریس کا سلسلہ شروع نہیں کیا، نہ تصنیف وتالیف کی طرف راغب ہوئے، بس کتابیں پڑھیں اور گھر میں بیٹھ گئے۔ اس عالم کبیر نے اپنے آبائی مسکن لکھو کے میں وفات پائی اور وہیں دفن کیے گئے۔

مولانا سعد اللہ لکھوی کے ایک ہی بیٹے تھے اور وہ تھے مولانا قدرت اللہ لکھوی۔ بہت منکسر اور متواضع عالم تھے۔ ان کی شادی مولانا محمد علی لکھوی کی صاحب زادی سے ہوئی تھی۔ تقسیم ملک سے قبل اپنے گاؤں کے مڈل سکول میں ٹیچر تھے۔ قیام پاکستان کے بعد اپنے خاندان کے ساتھ پاکستان آ گئے تھے۔ اور خاندان کے ساتھ ہی چک نمبر ۱۸ (تحصیل رینالہ خورد، ضلع اوکاڑہ) میں مقیم ہوئے۔ اپنے انداز میں تبلیغ دین میں مصروف رہتے تھے۔ ''ترکیب القرآن'' کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ چک نمبر ۱۸ میں وفات پائی۔

مولانا قدرت اللہ لکھوی کی اولادِ نرینہ تین بیٹے ہیں، مولانا منیر الدین، حکیم اسیر الدین اور ڈاکٹر نجم الدین.....!

مولانا منیر الدین لکھوی طویل عرصے تک جامعہ محمدیہ اوکاڑہ میں خدمت تدریس انجام دیتے رہے۔ ان کے شاگردوں کا حلقہ بڑا وسیع ہے۔ ان کی شادی مولانا محی الدین لکھوی کی صاحب زادی سے ہوئی۔ ماشاء اللہ ان کے بچے بڑے لائق ہیں۔

دعا ہے اللہ تعالیٰ اس گھرانے کے مرحومین کی مغفرت فرمائے اور موجودین کو اپنے دین کی خدمت کے مواقع عطا فرمائے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مولانا عبداللہ (ساکن کھپیاں والی)

(شہادت ۲۴۔ اگست ۱۹۴۷ء)

تقسیم ملک سے قبل صوبہ پنجاب بڑے بڑے انتیس اضلاع پر مشتمل تھا، جن میں ایک ضلع فیروز پور تھا۔ یہ ضلع پانچ تحصیلوں پر محیط تھا: ① تحصیل فیروز پور، ② تحصیل فاضلکا بنگلا، ③ تحصیل مکتسر، ④ تحصیل موگا اور ⑤ تحصیل زیرہ ..... ان تحصیلوں میں سے کسی تحصیل میں مسلمان زیادہ تعداد میں تھے اور کسی میں غیر مسلم۔ لیکن مجموعی طور سے اس ضلع میں مسلمانوں کی اکثریت تھی اور مسلمانوں میں زیادہ تعداد اہل حدیث حضرات کی تھی۔ پنجاب میں اہل حدیث کا پہلا دینی مدرسہ ۱۸۵۷ء سے کئی سال قبل ''مدرسہ محمدیہ'' کے نام سے اسی ضلع کی تحصیل فیروزپور کے ایک چھوٹے سے گاؤں ''لکھوکے'' میں جاری ہوا تھا۔ یہ پورا گاؤں کچی اینٹوں کا تھا اور اس کی چھوٹی چھوٹی تنگ سی گلیاں تھیں۔ صرف گاؤں کی مسجد پختہ اینٹوں کی تھی۔ اسی مسجد میں مدرسہ جاری کیا گیا تھا، جس میں حضرت حافظ بارک اللہ لکھوی (متوفی ۱۸۷۱ء) اور ان کے صاحب زادۂ گرامی قدر حضرت حافظ محمد لکھوی (متوفی ۲۶۔ اگست ۱۸۹۳ء) طلبا کو قرآن وحدیث اور دیگر دینی علوم کی تعلیم دیتے تھے۔ لکھوکے کے مدرسے سے فراغت پانے والے ضلع فیروزپور کے علماے کرام نے ضلع کے مختلف مقامات میں کتنے ہی مدرسے قائم کیے۔

پنجاب کے انتیس ضلعوں میں تقسیم کے نتیجے میں بارہ ضلعے ہندوستان کو ملے اور سترہ ضلعے پاکستان کے حصے میں آئے۔ اس وقت بارہ اضلاع کے مجموعے کو مشرقی پنجاب اور سترہ اضلاع کو مغربی پنجاب کہا جاتا تھا۔ مشرقی پنجاب میں صرف اہل حدیث کے ۳۰ دینی مدارس تھے (احناف کے مدارس اس کے علاوہ تھے)۔ جب کہ مغربی پنجاب میں اہل حدیث کے صرف گیارہ مدرسے تھے۔ قیامِ پاکستان کا اعلان ہوتے ہی مشرقی پنجاب کے تمام مدرسوں اور مسجدوں کا خاتمہ ہوگیا اور مسلمانوں کا کہیں نام ونشان باقی نہ رہا۔

مشرقی پنجاب کے اضلاع فیروزپور، امرتسر، گورداس پور، حصار وغیرہ میں کثیر تعداد میں علماے دین پیدا ہوئے، جنھوں نے تدریسی، تصنیفی اور تقریری صورت میں اللہ کے دین کی بے پناہ خدمات سرانجام دیں۔ الگ الگ ہر ضلعے کے علماے دین کے حالات لکھے جائیں تو یہ بہت بڑی خدمت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہوگی۔ کاش ان اضلاع سے تعلق رکھنے والے اہل قلم میں سے کوئی صاحب ہمت کرکے اس طرف توجہ مبذول فرمائیں۔ ضلع فیروزپور کے علمائے کرام کے حالات ہمارے دوست مولانا محمد ابراہیم خلیل فیروزپوری (ساکن حجرہ شاہ مقیم ضلع اوکاڑہ) کو لکھنا چاہئیں۔ اسی طرح ضلع امرتسر اور دیگر اضلاع کے اصحابِ علم حضرات کو یہ اہم خدمت سرانجام دینے کی کوشش کرنی چاہیے۔ جتنا کچھ میسر آسکے محفوظ ہوجانا چاہیے۔

ان سطور میں حضرت مولانا عبداللہ مرحوم ومغفور (موضع کھیاں والی، تحصیل مکتسر ضلع فیروز پور مشرقی پنجاب) کے بارے میں چند گزارشات پیش کرنا مقصود ہے۔ ان کا مختصر سلسلۂ نسب یہ ہے:

عبداللہ بن نور احمد بن قطب الدین بن رحمت اللہ۔

مولانا محمد ابراہیم خلیل فیروزپوری نے ہفت روزہ ''الاعتصام'' (مؤرخہ ۲۳ فروری تا یکم مارچ ۲۰۰۷ء) میں ''مولانا محمد عبداللہ اور ان کا خاندان'' کے عنوان سے ایک مضمون لکھا تھا، جس سے پتا چلتا ہے کہ مولانا عبداللہ کے آبا واجداد علم دین سے بہرہ ور تھے اور راجپوت برادری سے تعلق رکھتے تھے۔ مولانا ممدوح کے پڑدادا مولانا رحمت اللہ اپنے دور کے عالم وفاضل اور صاحب تقویٰ بزرگ تھے۔ وہ مصنف بھی تھے۔ ان کی تصانیف میں ایک کتاب کا نام ''رحمت باری'' ہے جو فارسی لغت کی کتاب ہے۔

مولانا رحمت اللہ نے دہلی کے بعض اساتذہ سے تحصیل علم کی اور شاہ غلام علی دہلوی کے حلقہ بیعت میں شامل ہوئے۔ حضرت حافظ بارک اللہ لکھوی (متوفی ۱۸۷۱ء) نے بھی ان کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ شاہ غلام علی دراصل بٹالہ (ضلع گورداس پور مشرقی پنجاب) کے رہنے والے تھے اور دہلی چلے گئے تھے۔ وہیں ۲۲۔ صفر ۱۲۴۰ھ (۱۶۔ اکتوبر ۱۸۲۴ء) کو وفات پائی۔ انھیں حضرت میرزا مظہر جانِ جاناں کی ارادت وخلافت کا شرف حاصل تھا۔

مولوی رحمت اللہ نے درس وتدریس اور وعظ وتقریر کی صورت میں اپنے علاقے میں توحید وسنت کی بے حد اشاعت کی۔ اس عالم دین نے ۱۲۷۷ھ (۱۸۶۱ء) میں بمقام بھائی کوٹ تحصیل مکتسر (ضلع فیروزپور) وفات پائی۔

مولانا رحمت اللہ کے بیٹے مولانا قطب الدین تھے۔ انھوں نے اپنے والد گرامی سے علوم مروّجہ حاصل کیے اور کتاب وسنت کی ترویج وتبلیغ کے سلسلے میں عالی قدر باپ کے صحیح جانشین ثابت ہوئے۔

مولانا قطب الدین کے فرزند گرامی مولوی نور احمد تھے۔ انھوں نے بھی اپنے اسلاف کی روایت کو قائم رکھا اور اپنے انداز میں خدمت دین میں مصروف رہے اور اپنے بیٹوں مولانا عبداللہ اور مولانا محمد کو علم دین کی تعلیم کے لیے وقف کردیا۔ مندرجہ ذیل سطور میں مولانا عبداللہ کے متعلق اپنی معلومات کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

روشنی میں چند باتیں بیان کرنا مقصود ہے۔

مولانا عبداللہ صاحب ۱۸۹۰ء میں بمقام کھپیاں والی پیدا ہوئے۔ قرآنِ مجید ناظرہ اپنے والد محترم (مولوی نور احمد) سے پڑھا۔ ابتدائی درسی کتابیں بھی انہی سے پڑھیں۔ اس وقت موضع لکھوکے میں حضرت مولانا عطاء اللہ لکھوی کے والد مکرم حضرت مولانا عبدالقادر لکھوی کا سلسلۂ درس جاری تھا۔ والد سے ابتدائی کتابیں پڑھنے کے بعد مولانا عبداللہ نے لکھوکے کا عزم کیا اور وہاں مولانا عبدالقادر لکھوی کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے۔ ان سے علوم متداولہ کی چھوٹی بڑی بعض کتابیں پڑھیں۔ ❶

لکھوکے سے وہ حضرت حافظ عبداللہ غازی پوری کی خدمت میں گئے جن کا شمار حضرت میاں سید نذیر حسین دہلوی کے لائق ترین شاگردوں میں ہوتا ہے۔ ان سے انھوں نے خوب استفادہ کیا۔

بعد ازاں حضرت میاں صاحب کے ایک اور شاگرد محدث پنجاب حضرت حافظ عبدالمنان وزیر آبادی کے حلقۂ شاگردی میں شامل ہوئے۔ ان کا مدرسہ وزیر آباد (ضلع گوجراں والا) میں قائم تھا۔

فارغ التحصیل ہونے کے بعد مولانا عبداللہ صاحب نے اپنے آبائی گاؤں موضع کھپیاں والی میں ''نصرت الاسلام'' کے نام سے مدرسہ جاری کیا۔ اس مدرسے میں خود مولانا ممدوح اور ان کے چھوٹے بھائی مولانا محمد خدمت تدریس سرانجام دیتے تھے۔ تھوڑے ہی عرصے میں یہ مدرسہ اس علاقے میں دینی تعلیم کا مرکز بن گیا۔ وہاں تعلیم حاصل کرنے والے حضرات میں مولانا محمد عبدہٗ الفلاح، مولانا محمد کنگن پوری، مولانا ولی محمد اور دیگر بے شمار علما وطلبا شامل ہیں۔

مولانا عبداللہ حدیث اور علومِ حدیث پر ماہرانہ نظر رکھتے تھے۔ ان کے کتب خانے کا شمار اس دور میں ملک کے مشہور کتب خانوں میں ہوتا تھا۔ مولانا کو مطالعۂ کتب کا انتہائی شوق تھا اور کتابیں خریدنا اور پڑھنا ان کا اہم مشغلہ تھا۔ دوسروں کو مطالعے کے لیے کتابیں دینے میں بھی وہ بے حد فراخ حوصلہ تھے۔ بعض کتابیں بڑے بڑے کتب خانوں سے نہیں ملتی تھیں لیکن مولانا عبداللہ صاحب کے کتب خانے میں موجود تھیں۔ حضرت مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری رحمہ اللہ نے جامع ترمذی کی شرح تحفۃ الاحوذی لکھنا شروع کی تو انھیں بعض ایسی کتابوں کی ضرورت پیش آئی جو کہیں سے نہیں ملتی تھیں۔ مولانا عبداللہ صاحب سے رابطہ قائم کیا گیا تو ان کے کتب خانے میں موجود تھیں۔ وہ کتابیں انھوں نے اپنے مسکن کھپیاں والی سے اونٹوں پر لاد کر مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری کی خدمت میں

---

❶ مولانا عبدالقادر لکھوی ۱۸۳۴ء میں پیدا اور ۱۹۲۴ء میں فوت ہوئے۔ ان کے حالات کے لیے ملاحظہ ہو راقم کی کتاب ''دبستانِ حدیث''۔ شائع کردہ مکتبہ قدوسیہ اردو بازار۔ لاہور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مبارک پور بھیجیں اور پھر کئی سال بعد واپس آئیں۔

تقسیم ملک کے وقت پنجاب کے علمائے کرام کے کتب خانے غیر مسلموں نے پھاڑ کر ادھر ادھر پھینک دیے تھے اور بہت سے جلا دیے تھے، لیکن مولانا عبداللہ کے کتب خانہ کا پتا کسی معقول قسم کے فوجی افسر کو چلا تو اس نے کوشش کر کے نہایت حفاظت کے ساتھ اسے ہیڈ سلیمان کی پہنچا دیا اور وہاں سے ان کے فرزند گرامی حافظ عبدالمنان نے وصول کیا اور وہ اسے ساہی وال لے گئے۔

مولانا عبداللہ کا بنیادی کام تو درس وتدریس تھا۔ لیکن انھوں نے چند کتابیں بھی تصنیف کیں، جن میں سے دو کتابوں کا ذکر مولانا محمد ابراہیم خلیل نے کیا ہے اور وہ کتابیں ان کے کتب خانے میں موجود ہیں۔

① ..... ہدایت المسلمین فی جواب المقلدین: یہ کتاب انھوں نے ایک حنفی عالم مولانا عبدالعزیز فیض پوری کی ایک کتاب ''غیر مقلدوں کی منہ مانگی مراد'' کے جواب میں لکھی۔ مولانا عبدالعزیز نے فاتحہ خلف الامام، رفع الیدین، آمین بالجہر، وضع الیدین علی الصدر وغیرہ مسائل کی تردید کی تھی۔ نیز لکھا تھا کہ دیہات میں جمعہ نہیں پڑھنا چاہیے۔ مولانا عبداللہ نے ''ہدایت المسلمین فی جواب المقلدین'' میں صحیح احادیث سے ثابت کیا ہے کہ ان تمام مسائل پر عمل کرنے کا نبی ﷺ نے حکم دیا ہے۔ اس کتاب پر مولانا عبدالقادر لکھوی، مولانا عبدالغنی بڈھیمالوی، مولانا عبدالواحد بڈھیمالوی اور مولانا محمد ابوالقاسم (کھپیاں والی) نے تقریظات تحریر فرمائیں۔ یہ کتاب ۱۳۴۳ھ (۱۹۲۵ء) میں مطبع اسلامیہ سٹیم پریس لاہور سے طبع ہوئی۔

② ..... نیزہ محمدی: مولانا عبداللہ مرحوم کی یہ دوسری کتاب ہے جس میں احناف کی طرف سے اہل حدیث پر عائد کردہ تیرہ اتہامات کے جوابات دیے گئے ہیں۔ اس کے بعد احناف سے اٹھارہ سوالات کیے گئے ہیں اور ایک انعامی اشتہار شائع کیا گیا ہے۔ یہ کتاب مولانا ممدوح کے مدرسہ نصرت الاسلام کے ایک طالب علم امیر الدین کی کوشش سے کریمی پریس لاہور سے طبع ہوئی۔

ہفت روزہ ''تنظیم اہل حدیث'' (روپڑ) کی جلد۳ کے شمارہ نمبر۹ (مورخہ ۲۶۔ اپریل ۱۹۳۴ء) میں مولانا عبداللہ کا ایک مضمون شائع ہوا ہے جس میں احناف کے ان بعض الزامات کا تفصیل سے جواب دیا گیا ہے جو انھوں نے اہل حدیث پر لگائے۔

یہ سطور ۱۴۔ اکتوبر ۲۰۰۸ء کو لکھی جا رہی ہیں۔ مجھے مولانا ممدوح کی زیارت کا شرف مارچ ۱۹۳۷ء میں مرکز الاسلام میں اپنے زمانۂ طالب علمی میں حاصل ہوا تھا۔ وقت کی رفتار بھی کتنی تیز ہے۔ یہ آج سے ۷۱ سال چھ مہینے قبل کی بات ہے۔ یہی ان کی پہلی زیارت تھی اور یہی آخری۔ قدرے لمبا قد، اکہرا بدن، سرخی مائل گندمی سی رنگت، تیکھی ناک۔ سفید اور سیاہ بالوں کا مجموعہ داڑھی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سر پر سفید عمامہ اور سفید قمیص اور تہبند زیب بدن۔ میں نے ان کو مرکز الاسلام میں وضو کرتے ہوئے دیکھا۔ کئی مرتبہ انھوں نے ہاتھ دھوئے اور کئی مرتبہ منھ دھویا۔ اس طرح وضو پر کافی دیر لگائی۔ مجھے خیال گزرا کہ انھیں شبہ پڑ جاتا ہے کہ ہاتھ دھوئے ہیں یا نہیں یا منھ کتنی مرتبہ دھویا ہے۔ اس شبہے کی بنا پر وہ دوبارہ سہ بارہ پھر وہی عمل شروع کر دیتے ہیں۔ ایک صاحب سے میں نے اس کا ذکر کیا تو انھوں نے میرے اس خیال کی تائید کی اور فرمایا کہ واقعی مولانا کو یہ شبہ پڑ جاتا ہے۔

اس واقعہ کے آٹھ سال بعد ۱۹۴۵ء میں ملک میں عام انتخابات کا اعلان ہوا تو مختلف سیاسی جماعتیں اپنے اپنے امیدواروں کو ٹکٹ دینے پر غور کرنے لگیں۔ مولانا محی الدین لکھوی نے مجلس احرار کے ٹکٹ پر مسلم لیگی امیدوار نواب افتخار حسین خاں آف ممدوٹ کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ فرمایا اور انتخابی مہم شروع کر دی گئی۔ میں اس وقت مرکز الاسلام میں خدمت تدریس انجام دیتا تھا۔ میں اور مولانا معین الدین لکھوی، مولانا محی الدین لکھوی کے حلقۂ انتخاب کے دورے پر روانہ ہوئے۔ تحصیل مکتسر کے موضع کھیاں والی بھی گئے جو مولانا عبداللہ صاحب کا گاؤں تھا۔ مولانا تو اس وقت وہاں تشریف فرما نہیں تھے۔ البتہ ان کے صاحب زادے حافظ عبدالمنان سے ملاقات ہوئی۔ یہ اکتوبر ۱۹۴۵ء کی بات ہے۔ اس واقعہ سے دو سال بعد اگست ۱۹۴۷ء میں ملک تقسیم ہوا اور پاکستان معرضِ قیام میں آیا۔ مولانا عبداللہ صاحب ایک قافلے کے ساتھ پاکستان کو روانہ ہوئے۔ وہ ہیڈ سلیمان کی طرف سے پاکستان میں داخل ہونا چاہتے تھے۔ فاضلکا بنگلا پہنچے تو سکھوں نے ان کے قافلے پر حملہ کر دیا اور مولانا اور ان کے بھائی مولانا محمد شہید ہو گئے۔ ان کے علاوہ قافلے کے بہت سے لوگ جامِ شہادت نوش کر گئے۔ یہ حادثہ ۲۴۔ اگست ۱۹۴۷ء کو پیش آیا۔

مولانا عبداللہ صاحب کے ایک ہی بیٹے تھے، جن کا نام انھوں نے اپنے استاذِ ذی مرتبت حضرت حافظ عبدالمنان وزیر آبادی کے اسم گرامی کی مناسبت سے عبدالمنان رکھا۔ قرآن حفظ کرنے کے بعد انھیں حافظ عبدالمنان کہا جانے لگا۔ میں نے ان کو ایک ہی مرتبہ اس وقت دیکھا تھا جب میں اور مولانا معین الدین لکھوی ۱۹۴۵ء میں انتخابی دورے کے سلسلے میں ان کے گاؤں کھیاں والی گئے تھے۔

حافظ عبدالمنان ۱۹۲۱ء میں پیدا ہوئے۔ پہلے اپنے والد مکرم کے قائم کردہ مدرسہ نصرت الاسلام میں قرآنِ مجید حفظ کیا۔ پھر اسی مدرسے میں اپنے والد اور چچا مولانا محمد سے درسی کتابیں پڑھیں۔ ۱۹۳۵ء میں (گوجراں والا میں) حضرت حافظ محمد گوندلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان سے حدیث اور علوم حدیث کے سلسلے کی کتابوں کا درس لیا۔ وہیں حضرت مولانا محمد اسماعیل سلفی سے استفادہ کیا۔ ایک سال گوجراں والا میں ان کا قیام رہا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۱۹۳۷ء میں حافظ عبدالمنان دہلی گئے اور مدرسہ فتح پوری میں داخلہ لیا۔ وہاں مولانا محمد اشفاق کاندھلوی، مولانا سلطان محمود اور مولانا عبدالرحمٰن سے معقولات کی کتابیں پڑھیں۔ ایک سال وہاں رہے۔

اس کے بعد وطن لوٹے اور اپنے آبائی ''مدرسہ نصرت الاسلام'' کی مسند درس پر متمکن ہوئے۔ کم وبیش دس سال اس مدرسے میں فریضۂ تدریس سرانجام دیا۔ پھر ملک تقسیم ہوگیا اور ساہی وال آ گئے۔ یہاں انھوں نے ''تعلیم الاسلام'' کے نام سے مدرسہ جاری کیا، جس میں وہ درس وتدریس کا فریضہ انجام دینے لگے۔ طویل عرصے تک اس خدمت میں مصروف رہے۔ اس اثنا میں ساہی وال کے محلہ فرید گنج کی جامع مسجد اہل حدیث میں خطبہ جمعہ بھی ارشاد فرماتے رہے۔

۲۷۔ دسمبر ۲۰۰۰ء (۳۰ رمضان المبارک ۱۴۲۱ھ) کو ان کی اہلیہ کا انتقال ہوگیا۔ یہ ان کے لیے بہت بڑا صدمہ تھا۔ اس سے کچھ عرصہ بعد ان کے فرزند کبیر عبداللہ خالد ایڈووکیٹ کو کینسر کا مرض لاحق ہوگیا اور وہ یکم مارچ ۲۰۰۱ء (۵۔ ذی الحجہ ۱۴۲۱ھ) کو انتقال کر گئے۔ یہ ان کے لیے ایک اور صدمہ تھا جو پہلے صدمے سے بھی بڑا تھا۔

حافظ عبدالمنان بہت بڑے عالم کے بہت بڑے عالم اور بہت بڑے مدرس بیٹے تھے۔ وہ ۲۱۔ جولائی ۲۰۰۴ء (۳۔ رجب ۱۴۲۵ھ) کو بہ عارضہ قلب اس جہانِ فانی سے رخصت ہوگئے۔

انا للّٰہ وانا الیہ راجعون .

مولانا عبداللہ (کھپیاں والی) کا پورا کتب خانہ (جس کا پہلے ذکر کیا گیا) ان کے صاحب زادے حافظ عبدالمنان نے وفات سے قبل مولانا محمد یوسف کے دارالحدیث (راجووال) بھیج دیا تھا۔ کتب خانہ میں نے دیکھا ہے، بہت سی نایاب ونادر کتابوں پر مشتمل ہے۔ اس میں حضرت مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری اور بعض دیگر حضراتِ علماء کے چند مکتوب بھی موجود ہیں جو انھوں نے مختلف اوقات میں مختلف علمائے کرام کے نام تحریر فرمائے۔ ان مکتوبات کو بھی ایک اہم تاریخی اور علمی حیثیت حاصل ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مولانا اسماعیل غزنوی

(وفات ۱۳ جون ۱۹۶۰ء)

میں نے مولانا اسماعیل غزنوی کو تقسیم ملک کے بعد دیکھا۔ پہلی زیارت ماہِ اپریل میں ہوئی۔ غالباً یہ ۱۹۵۱ء کی بات ہے۔ امرتسر سے وہ لاہور آئے اور لوہاری دروازے کے اندر چوک متی کی ایک بلڈنگ ''جنج گھر'' کو اپنا مسکن بنایا۔ یہ خاصی وسیع بلڈنگ تھی اور دو منزلہ تھی جو ہندوؤں نے باراتوں کے ٹھہرانے کے لیے بنائی تھی۔

اس وقت مولانا ممدوح کی جوانی ختم ہوچکی تھی۔ دورِ کہولت بھی زوال کی زد میں تھا اور وہ بڑھاپے کی منزل کو پہنچ گئے تھے۔ لیکن انھیں دیکھ کر ان کے عہد شباب کا اندازہ آسانی سے لگایا جاسکتا تھا، جو بہت سال پہلے انھیں داغِ مفارقت دیا گیا تھا۔ لمبا قد، خوب رو، مناسب نقش ونگار، کھلی پیشانی، آنکھوں پر نظر کی عینک، کھچڑی داڑھی۔ صاف اسلوب کلام۔ کھلے پائنچے کا سفید لٹھے کا پاجامہ۔ ململ کا کرتہ۔ سر پر ٹوپی اور ہاتھ میں چھڑی۔ یہ ان کا اس وقت کا حلیہ اور لباس تھا۔

مولانا اسماعیل غزنوی، خاندانِ غزنویہ کے صاحب عزم فرزند تھے اور ان کا نسبی تعلق ان نفوس قدسیہ سے تھا جن کی بدولت (بالخصوص) پنجاب میں توحید وسنت کا پرچم لہرایا اور اس نواح کے لوگوں کے دلوں میں اسلام کی جڑیں مضبوط ہوئیں اور ان کے ذہنوں میں قرآن وحدیث کے احکام نے رسوخ حاصل کیا۔

یہاں یہ یاد رہے کہ برصغیر میں اسلام مسلمان بادشاہوں کی تلوار کے ذریعے سے نہیں پھیلا، بلکہ یہ بوریانشینوں اور مسجدوں کی چٹائیوں پر اللہ کی وحدانیت کا درس دینے والوں کے فیوض وبرکات کے سایہ میں پھیلا اور عوام کے قلوب واذہان کی گہرائیوں میں اترا۔ خاندانِ غزنویہ کے بزرگ اسی طائفہ مقدسہ میں شامل تھے اور مولانا اسماعیل غزنوی اسی پاک باز خانوادے کے ایک اہم رکن تھے۔

وہ عارف باللہ حضرت سید عبداللہ غزنوی کے پوتے، مولانا عبدالواحد غزنوی کے بیٹے، حضرت الامام سید عبدالجبار غزنوی کے بھتیجے اور مولانا سید محمد داؤد غزنوی کے چچا زاد بھائی تھے۔ امرتسر میں پیدا ہوئے اور وہاں کے مدرسہ غزنویہ میں تعلیم حاصل کی جو ان کے آبا واجداد نے جاری کیا تھا اور جس سے بے شمار علما وطلبا نے اخذ فیض کیا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مولانا اسماعیل غزنوی کی زندگی گوناگوں خصوصیات کی حامل تھی۔ وہ برصغیر کی ان شخصیات میں شامل تھے جن پر موجودہ خادم حرمین شریفین شاہ عبداللہ کے والد مکرم جلالۃ الملک عبدالعزیز ابن سعود پورا اعتماد کرتے اور ان سے گہرے مراسم رکھتے تھے۔ شاہ عبدالعزیز کے زمانے میں ان کی حیثیت ہندوستان میں سعودی عرب کے وزیر حج کی تھی۔ تقسیم ملک سے بہت عرصہ پہلے سفری موانع اور بعض دیگر وجوہ کی بنا پر حج کے لیے جانا نہایت مشکل تھا۔ مولانا اسماعیل غزنوی نے سعودی حکومت کی طرف سے ہندوستان میں متعدد نمائندے مقرر کر رکھے تھے جو لوگوں کو وعظ ونصیحت کے ذریعے حج پر جانے کی ترغیب دیتے تھے۔ مولانا خود بھی ہر سال یہ سعادت حاصل کرتے تھے۔

مولانا ممدوح طبیعت کے فیاض تھے۔ اس سلسلے میں ان کا دل بھی کھلا تھا اور ہاتھ بھی کھلا تھا۔ وہ غربا کے مددگار تھے اور مستحقین کی مالی اعانت ان کا شیوہ تھا۔ عازمین حج کی وہ خاص طور سے مدد کرتے تھے۔ اگر انھیں کسی نادار حاجی کا پتا چل جاتا تو اس کی اعانت کو فرض سمجھتے تھے۔ اس قسم کے حاجی انھیں حجاز میں مل جاتے یا کراچی کے حج کیمپ میں ملاقات ہوجاتی تو ان سے ضرور تعاون فرماتے۔

سیاسی میدان میں بھی انھوں نے بڑی خدمات انجام دیں۔ آزادیٔ ملک کے لیے کانگرس اور خلافت کی تحریکوں میں حصہ لیا اور قید وبند کی صعوبتیں جھیلیں۔ لیکن جب حصولِ پاکستان کی تحریک نے زور پکڑا تو مسلم لیگ میں شامل ہوگئے اور اپنی سیاسی دلچسپیوں کا مرکز اسی تحریک کو قرار دے لیا۔

وہ بہت اچھے مقرر اور بہت اچھے خطیب تھے۔ علاوہ ازیں وہ بہت اچھے مصنف اور مقالہ نویس بھی تھے۔ انھوں نے سعودی عرب کے حالات کے متعلق ایک کتاب لکھی۔ پھر امرتسر سے ''خادم کعبہ'' کے نام سے ایک ہفت روزہ اخبار جاری کیا جو ایک عرصے تک جاری رہا۔

اپریل ۱۹۵۵ء میں مرکزی جمعیت اہل حدیث کی تیسری سالانہ کانفرنس لائل پور (موجودہ فیصل آباد) میں ہوئی تھی۔ اسی کانفرنس کے موقعے پر جامعہ سلفیہ کا قیام عمل میں آیا تھا۔ کانفرنس کی صدارت مولانا اسماعیل غزنوی نے کی تھی اور صدر استقبالیہ مولانا محمد صدیق لائل پوری تھے۔

مولانا ممدوح وفات سے کئی سال پہلے شوگر کی بیماری میں مبتلا ہوگئے تھے اور اس بیماری نے ان کو اندر سے کھوکھلا کر دیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ان پر فالج کا حملہ ہوگیا تھا وہ چارپائی پر لیٹے رہتے تھے۔ کچھ افاقہ ہوتا تو کسی کے سہارے یا از خود ٹہلنے کی کوشش کرتے۔ بعض اوقات اپنے کسی بیٹے کے ساتھ انارکلی بازار کی سیر کے لیے بھی آجاتے تھے۔ میں نے ان کو چلتے ہوئے بارہا اس حالت میں دیکھا کہ ان کی ٹانگیں ان کے جسم کا بوجھ اٹھانے سے قاصر رہتی تھیں اور وہ قدم اٹھاتے تھے تو ٹانگیں لڑکھڑاتی تھیں۔

۱۳۔ جون ۱۹۶۰ء کی رات شروع ہوئی اور گھڑی کی سوئیاں شب کے ساڑھے نو بجے تک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

پہنچیں تو دفعۃً ان کے قلب پر حملہ ہوا اور روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

ان کی وفات کے موقعے پر سنا گیا تھا کہ وہ ۱۹۲۷ء سے ۱۹۵۹ء تک یعنی پورے تیس برس برابر ہر سال حج بیت اللہ کے لیے جاتے رہے۔ یہ بہت بڑا اعزاز تھا جو انھیں بارگاہِ الٰہی سے ہر برس حاصل ہوتا رہا۔ ۱۹۶۰ء میں بھی انھوں نے مرض وضعف کی شدت کے باوجود رخت سفر باندھ لیا اور کراچی پہنچ گئے۔ مگر بیماری اور کمزوری کے ایک ساتھ حملوں کی وجہ سے کراچی سے آگے جانے کی طاقت ختم ہوگئی اور وہ واپس لاہور آ گئے۔ اس کا انھیں شدید صدمہ پہنچا اور صدمے نے ان کے دل پر اثر ڈالا اور وہ وفات پا گئے۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ

مولانا مرحوم کی وفات کے وقت ان کے کئی بیٹے تھے۔ اب بھی ما شاء اللہ ان کے بیٹے موجود ہیں۔ البتہ بڑے بیٹے ڈاکٹر خالد غزنوی وفات پا گئے ہیں جو طب کے موضوع کی بعض کتابوں کے مصنف تھے۔ ان سے چھوٹے جناب ابراہیم غزنوی صاحب بھی قلم وقرطاس سے رابطہ رکھتے ہیں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ درس وتدریس، علم وعمل اور تصنیف وتالیف کی جو روایت اس خاندان کے اکابر سے وابستہ تھی، اب وہ ختم ہوگئی ہے۔

ہم عاجز بندوں کی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس خاندان کے وفات شدگان کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور موجودین کو اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق سے نوازے۔

اب مولانا اسماعیل غزنوی کا ایک خط پڑھیے جو انھوں نے مکہ مکرمہ سے مولانا غلام ربانی صاحب کے نام تحریر فرمایا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مکۃ المکرمہ

۱۶۔ دسمبر

مکرم مولانا غلام ربانی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ..... آپ کا عنایت نامہ ملا۔ کاشف احوال ہوا۔ آپ نے کبھی یہ غور بھی فرمایا کہ اگر آپ کا دوسروں پر حق ہے اور آپ توقع کرتے ہیں کہ لوگ آپ سے اچھا سلوک کریں، تو بالکل اسی طرح لوگوں کے ساتھ بھی آپ اُن کا حق ادا کریں۔ آپ نے خواتین برائے سلم کے ساتھ سختی کر کے خشکی اور لڑائی کو عادت ثانیہ بنا لیا۔ محترم پرنسپل صاحب کو آپ پر بھروسہ تھا۔ اعتماد تھا اور ہر معاملے میں اُن کے مشورے میں آپ شریک تھے۔ مگر جب قضائے الٰہی سے اُن کی مرحوم ومغفور والدہ صاحبہ جو حقیقت میں ولی اللہ تھیں، اچانک فوت ہوگئیں اور پرنسپل صاحب نے مجھ کو نہیں بلکہ صرف آپ کو بلایا۔ آپ نہ آئے اور مزید برآں صبح عازم وطن ہوگئے۔ یہ بے لحاظی اور بے تعلقی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اور قساوتِ قلب کا ایسا کریہہ منظر تھا، جس سے ساری توقعات ختم ہوجاتی ہیں۔ اور جب لوگوں سے آپ ایسا برتاؤ کریں تو آپ کو جواب میں اِسی قسم کی توقع رکھنی چاہیے۔

عبادت گزار لوگوں میں عُجب ایک مقام ہے جو اعمال صالح کو بھسم کردیتا ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ آپ کو اور ہر مسلمان کو محفوظ رکھے آمین۔ میں سال گزشتہ شدید بیمار رہا اور شدید بیماری سے حجاز میں دوچار رہا۔ آپ نے عیادت کی زحمت گوارا نہ فرمائی، اور میں ان قدیمی تعلقات کی وجہ سے متوقع ضرور تھا۔ مگر محض اس لیے ناراض نہ ہوا کہ بعض لوگ جب وہ اللہ تعالیٰ کے حقوق وفرائض ادا کرتے ہیں تو اُن کو دنیا کے حقوق معاف کردینے چاہئیں۔

مگر بھائی صاحب ہر جگہ ایسا نہیں ہوگا۔ آپ کو اُس رات آنا چاہیے تھا۔ سفر ملتوی کرنا چاہیے تھا۔ اور تین روز کے بعد سفر پر جانا چاہیے تھا۔ جب آپ کا یہ خط جائز ہوسکتا تھا۔ میرا مقصد آپ کو ناراض کرنا نہیں بلکہ خیر خواہی ہے۔

والسلام

اسماعیل غزنوی

مولانا غلام ربانی صاحب کے حالات معلوم نہ ہوسکے۔ بس یہ خط ہمیں کہیں سے مل گیا اور ہم نے مولانا اسماعیل غزنوی کی ایک نشانی سمجھ کر اسے یہاں درج کردیا۔



" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

حافظ سلیمان غزنوی

(وفات ۲۹ دسمبر ۱۹۶۱ء)

میانہ قد، گداز جسم، گورا رنگ، گول چوڑا چہرہ، حلیم الطبع۔ سر پر قراقلی ٹوپی۔ شلوار قمیص میں ملبوس۔ یہ تھے حافظ سلیمان غزنوی۔ حضرت سید عبداللہ غزنوی کے پوتے، حضرت الامام سید عبدالجبار غزنوی کے فرزند اور مولانا سید محمد داؤد غزنوی کے چھوٹے بھائی۔ ۱۹۰۵ء کے پس وپیش امرتسر میں پیدا ہوئے۔ اپنے باپ دادا کے جاری کردہ دارالعلوم میں تعلیم حاصل کی، جو مدرسہ غزنویہ کے نام سے معروف تھا۔ وہیں قرآنِ مجید حفظ کیا۔ اصحابِ تقویٰ خاندان کے صالح فرزند تھے اور اپنے بزرگوں کی بہترین یادگار۔

جوانی کی منزل میں داخل ہوئے تو کاروبار کو ذریعہ معاش بنایا اور اس میں کامیاب رہے۔

امرتسر ان کے زمانے میں مختلف سیاسی تحریکوں کا مرکز تھا اور اس شہر میں جہاں تمام مسالک فقہ سے تعلق رکھنے والے بہت سے جلیل القدر علما قیام فرما تھے اور ان کی تدریسی، خطابتی اور تصنیفی سرگرمیوں کا سلسلہ جاری تھا، وہاں بڑے بڑے سیاسی رہنما بھی موجود تھے اور ان کی سیاسی تگ وتاز کی بڑی شہرت تھی۔ لوگ ان سے متاثر ہوتے اور سیاسیات میں حصہ لیتے تھے۔ خود غزنوی خاندان میں مولانا سید محمد داؤد غزنوی اور مولانا اسماعیل غزنوی اور مولانا عبدالغفار غزنوی سیاسی میدان میں پیش پیش رہتے تھے بلکہ مولانا داؤد غزنوی کا شمار تو اس وقت انگریز دشمن سیاست کے قائدین میں ہوتا تھا۔ ان سے متاثر ہو کر حافظ سلیمان غزنوی نے بھی سیاست میں اپنا کردار ادا کیا اور کانگرس اور خلافت کی تحریکوں میں حصہ لے کر جیلوں میں گئے۔ انگریز کے سخت ترین دورِ اقتدار میں برصغیر کی آزادی کے لیے قید وبند کی منزل سے گزرنا بہت مشکل تھا، جس سے وہ بے حد مسرت کے ساتھ گزرے۔ یہی وہ عالی ہمت اور بلند بخت لوگ ہیں، جن کی بے پناہ قربانیوں سے برصغیر آزاد ہوا اور پاکستان کے نام سے مسلمانوں کی اکثریت کا ملک نقشۂ عالم پر ابھرا۔

قیامِ پاکستان کے بعد حافظ سلیمان غزنوی اپنے اہل وعیال سمیت لاہور آ گئے تھے۔ یہاں بیڈن روڈ پر انھوں نے رہائش اختیار کی اور انارکلی میں کپڑے کی تجارت کا سلسلہ شروع کیا۔ ان کے بڑے صاحب زادے عثمان غزنوی مرحوم بھی اسی دکان میں ان کے ساتھ کام کرتے تھے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

حافظ صاحب کی صحت اچھی تھی لیکن ۱۹۵۵ء میں ان پر دل کا حملہ ہوا، جس نے فوراً ہی شدت اختیار کرلی۔ امراض قلب کے متعدد ماہر ڈاکٹروں سے علاج کرایا، لیکن صحت یاب نہ ہوئے۔ ۲۷۔ دسمبر ۱۹۶۱ء کو دورہ پڑا تو انھیں مسو ہسپتال میں داخل کرا دیا گیا۔ یہ دورہ اتنا شدید تھا کہ ڈاکٹر نے معائنے کے بعد سخت پریشانی کا اظہار کیا اور گھر جا کر شب کو ہسپتال کے عملے سے کئی مرتبہ ٹیلی فون کر کے دریافت کیا کہ حافظ صاحب ابھی زندہ ہیں۔ دوسرے دن ۲۸۔ دسمبر کو دورے کی شدت کم ہوئی تو ڈاکٹر کی پریشانی میں کمی آئی۔

۲۹۔ دسمبر ۱۹۶۱ء کو چار بجے تک حافظ صاحب خیریت سے رہے اور نہایت ہشاش بشاش۔ عصر کی نماز سکون اور خشوع وخضوع سے پڑھی۔ پھر یہ ہوا کہ اِدھر نماز سے فارغ ہوئے اور اُدھر جان جانِ آفریں کے سپرد کردی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

حافظ صاحب متقی، مخلص اور خداترس شخص تھے۔ عمر بھی زیادہ نہ تھی۔ زیادہ سے زیادہ ۵۵/ ۵۶ برس ہوگی۔ امور خیر میں خوب حصہ لیتے تھے۔ گفتگو میں محتاط۔ عادات کے لحاظ سے بے حد متین اور مرنجانِ مرنج طبیعت کے مالک۔ چھوٹے بڑے کے مراتب کا خیال رکھنے والے۔ اہل علم کے قدر دان۔ نیک لوگوں کی مجلس میں حاضری کا اہتمام کرتے۔ غرض ان تمام خوبیوں سے بہرہ ور اور ان تمام اوصاف سے متصف تھے، جن کا ایک متدین وصالح آدمی میں پایا جانا ضروری ہے۔

ان میں یہ خوبی بہت نمایاں تھی کہ اپنی کاروباری مصروفیات کے باوجود جماعتی کاموں میں دلچسپی رکھتے تھے۔ با مروت، با اخلاق، نیک خصال اور عمدہ اوصاف کے حامل۔

خاندانِ غزنویہ کے بزرگ اوصافِ حمیدہ اور اخلاقِ فاضلہ کی جس دولت بے بہا سے مالا مال تھے، اس کا ہر اس شخص کو علم ہے جو علماے دین کی تاریخ سے تھوڑا بہت تعلق رکھتا ہے۔ ان حضرات کے زہد واتقا کی ضوفشانیوں اور علم وفضل کی فراوانیوں سے ایک دنیا مستنیر ہوئی اور ایک عالم بقعۂ نور بنا۔ ان میں سے بعض بزرگوں کی زیارت اور بعض بڑی شخصیتوں کی رفاقت میں طویل عرصے تک رہنے کی سعادت اس فقیر کو حاصل ہوئی ہے۔ ان کی باتیں سن کر اور انھیں دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ ان کے اکابر کی ادائے تقویٰ کس قدر اثر آفریں ہوں گی، ان کی شب وروز کی عبادات کا کیا انداز ہوگا اور لوگوں سے میل جول کے کیا طریقے ہوں گے۔ حافظ سلیمان غزنوی میں اپنے اسلاف کے کردار کی کچھ جھلکیاں موجود تھیں۔

میں نے دیکھا کہ حافظ صاحب اپنے بڑے بھائی مولانا سید داؤد غزنوی کا بے حد احترام کرتے تھے اور گھریلو معاملات اور دارالعلوم تقویۃ الاسلام کے امور میں وہ مولانا کے مشیر بھی تھے۔ مولانا غزنوی عصر کے بعد کبھی کبھی ان کی کپڑے کی دکان پر انارکلی جایا کرتے تھے۔ بعض اوقات یہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

فقیر بھی مولانا کے ساتھ ہوتا تھا۔ حافظ صاحب اور ان کے بڑے صاحب زادے عثمان غزنوی صاحب مولانا کو دیکھ کر انتہائی خوشی کا اظہار کرتے۔ اس دکان میں مولانا کی نشست کا انھوں نے خاص انتظام کر رکھا تھا۔ مولانا سے ملنے والے بھی بعض دفعہ وہاں پہنچ جاتے تھے۔ حافظ صاحب مولانا کا مضبوط بازو تھے، اس لیے مولانا کو ان کی وفات سے شدید دکھ پہنچا تھا۔

چھوٹے بھائی کی وفات کے بعد ان کے بڑے بیٹے سید عثمان غزنوی کا مولانا سے انتہائی اکرام کا برتاؤ رہا۔ عثمان غزنوی مرحوم مجھ سے بھی مخلصانہ مراسم رکھتے تھے اور ہم آپس میں کبھی غزنوی علماے کرام کے واقعات بیان کرتے تو بعض واقعات کی وہ مجھ سے تفصیل پوچھتے اور حیران ہوتے کہ مجھے یہ واقعات کہاں سے معلوم ہوئے۔ میں انھیں مولانا غزنوی یا کسی اور بزرگ کا حوالہ دیتا۔ وہ مجھے کہا کرتے تھے کہ تم بھی دراصل غزنوی ہو اور تمھیں اس خاندان کے اکابر واصاغر کی ایسی باتوں کا علم ہے جن کا موجودہ دور کے کسی غزنوی کو نہیں ہے۔

مولانا داؤد غزنوی کی وفات کے بعد سید ابوبکر غزنوی دارالعلوم تقویۃ الاسلام کے مہتمم ہوئے۔ ان کے بعد یہ منصب ان کے بڑے بھائی سید عمر فاروق غزنوی کے حصے میں آیا۔ سید عمر فاروق کا انتقال ہوا تو ان کی جگہ حافظ سلیمان غزنوی کے صاحب زادے اور مولانا سید محمد داؤد غزنوی کے بھتیجے سید عثمان غزنوی نے لی۔ کئی سال وہ اس مسند پر متمکن رہے۔ ان کی وفات ۲۴۔ جولائی ۲۰۰۱ء کو ہوئی۔ یہ سب حضرات اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں۔ رحمہم اللہ تعالیٰ

حافظ سلیمان غزنوی نے ۲۹۔ دسمبر ۱۹۶۱ء کو وفات پائی۔ ان سے دو سال بعد ۱۶۔ دسمبر ۱۹۶۳ء کو مولانا داؤد غزنوی فوت ہوئے۔ پھر ۲۴۔ اپریل ۱۹۷۶ء کو سید ابوبکر غزنوی کا سانحہ ارتحال پیش آیا۔ بعد ازاں یکے بعد دیگر سید عمر فاروق غزنوی اور عثمان غزنوی نے سفر آخرت اختیار کیا۔ رہے نام اللہ کا۔

www.kitabosunnat.com



" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مولانا عبدالغفور جیراج پوری

(وفات ۱۹۶۵ء کے پس وپیش)

موضع جیراج پور صوبہ یوپی کے ضلع اعظم گڑھ کا مشہور گاؤں (یا قصبہ) ہے، جسے اعظم گڑھ کے شمالی حصے میں اہل حدیث کے مرکز کی حیثیت حاصل ہے۔ اس کے قرب وجوار میں جو دیہات آباد ہیں وہ ہیں چاند بار، چاند پٹی، ملنا پور، شاہ پور وغیرہ۔ ان سب دیہات میں طویل مدت سے اہل حدیث بہت بڑی اکثریت میں فروکش ہیں اور بڑے اثر ورسوخ کے مالک ہیں۔ افرادی اعتبار سے بھی اور علم وعمل کے اعتبار سے بھی۔ لیکن ان تمام مقامات کا مرکزی مقام جیراج پور ہے۔

اس کتاب میں جیراج پور کے دو ممتاز اہل حدیث علماے کرام کا تذکرہ کیا جاچکا ہے، وہ ہیں حکیم عبداللہ جیراج پوری (وفات ۲۸۔ مارچ ۱۸۹۰ء) اور مولانا سلامت اللہ جیراج پوری (وفات ۱۵۔ جون ۱۹۰۴ء) اب تیسرے عالم کا ترجمہ ملاحظہ ہو، جن کا اسم گرامی ہے مولانا عبدالغفور جیراج پوری.....!

ان کے حالات ہم نے مولانا ابوعلی اثری کی کتاب ''چند رجال اہل حدیث'' سے لیے ہیں۔ یہ کتاب ہمارے دوست جناب ضیاء اللہ کھوکھر نے اپنے اشاعتی ادارہ (ندوۃ المحدثین گوجراں والا) کی طرف سے ۱۹۸۶ء میں شائع کی تھی۔ مولانا ابوعلی اثری پر مستقل مضمون لکھنا چاہیے۔ ان کا تعلق دارالمصنفین اعظم گڑھ سے تھا اور اصل نام عبدالباری تھا۔ ابوعلی اثری ان کا قلمی نام ہے۔ میرے ''الاعتصام'' کے زمانۂ ادارت میں شخصیات سے متعلق ان کے مضامین ''الاعتصام'' میں شائع ہوتے رہے۔ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے اخبار ''ترجمان'' (دہلی) میں بھی اس موضوع پر ان کے مضامین کی اشاعت کا سلسلہ جاری رہا۔ ان کے مطبوعہ اور غیر مطبوعہ جو مضامین ضیاء اللہ کھوکھر صاحب کو ملے انھوں نے کتابی صورت میں شائع کردیے۔ یہ کتاب ۱۹۲ صفحات پر محیط ہے اور رجالِ اہل حدیث کے بارے میں معلومات کا دلچسپ مجموعہ ہے۔

مولانا عبدالغفور جیراج پوری اپنے دور میں درسِ نظامیہ کے مشہور اساتذہ میں سے تھے۔ شمس العلماء مولانا حفیظ اللہ کے شاگرد تھے، جنھیں دارالعلوم ندوۃ العلماء کے اوّلیں صدر مدرس ہونے کا امتیاز حاصل تھا۔ تمام درسی علوم کی تکمیل انہی سے کی اور اپنے عالی قدر استاذ کا اس قدر احترام کرتے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تھے کہ مولانا ابوعلی اثری کے بقول ''اس کی تصویر الفاظ میں نہیں کھینچی جاسکتی۔''

ہمارے موجودہ دور کے طلبا کو مولانا ابوعلی اثری کے ان الفاظ کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیے جو انھوں نے استاذ کے احترام کے بارے میں تحریر فرمائے ہیں:

''استاد شاگرد میں عمر کا کیا تفاوت تھا؟ یہ تو صحیح طور پر معلوم نہیں، لیکن ہم کو جس قدر ان بزرگوں کا نیاز حاصل ہوا ہے، بہت بوڑھے ہو چکے تھے۔ لیکن عمر کی اس منزل میں پہنچ جانے کے باوجود مولانا عبدالغفور صاحب استاد کی خدمت ایک سعادت مند نوجوان شاگرد کی طرح کرتے تھے۔ ان کو نہلاتے۔ ان کے بدن کی مالش کرتے، ان کا سر دابتے تھے۔ ان کے کپڑے دھوتے۔ ان کے لیے کنوئیں سے پانی کھینچتے۔ ان کے جوتے اٹھاتے اور یہ تمام خدمات اس ذوق وشوق اور والہانہ انداز سے کرتے کہ دیکھنے والے حیران رہ جاتے۔ یہ استاد شاگرد ہم مسلک اور درسِ نظامیہ کے شہرۂ آفاق مدرس تو تھے ہی، ہم مذاق بھی تھے۔ سیر وشکار کا دونوں کو شوق تھا۔ شکار بھی نیل گاؤ اور ہرن کا نہیں، ہاتھی، شیر اور دوسرے درندہ جانوروں کا۔ رام پور اور راجپوتانہ کی ریاستوں میں ان کی صیدافگنی کی بڑی دھوم تھی۔ وہاں کے راجاؤں اور نوابوں کا بھی کبھی کبھی ساتھ ہوجاتا تھا۔'' ❶

مولانا عبدالغفور جیراج پوری کا تقرر بہ طور مدرس ایک زمانے میں مدرسۃ الاصلاح سرائے میر میں ہوگیا تھا۔ وہاں مولانا حمید الدین فراہی کے مرتب کردہ نصاب تعلیم کے مطابق طلبا کو تعلیم دی جاتی تھی اور اس میں بھی ہمیشہ ترمیم وتنسیخ کا عمل جاری رہتا تھا۔ آج ایک کتاب نصاب سے نکال دی ہے تو اس کی جگہ دوسری داخل کردی گئی ہے۔ دوسری نکال دی تو تیسری کو اس کی جگہ لے آئے ہیں۔ ترمیم وتبدیلی کے اس سلسلے کو مولانا عبدالغفور جیراج پوری پسند نہیں فرماتے تھے۔ ان کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ اس غیر درسی اور جدید نصاب سے طلبا میں وہ صلاحیت پیدا نہیں ہوسکتی جو قدیم درسی کتابوں کی تعلیم سے پیدا ہوتی ہے۔ صرف ونحو کا نصاب تو ان کے نزدیک بالکل ہی ناقص تھا جو اس مدرسے میں جاری کیا گیا تھا۔ مولانا حمید الدین فراہی کے عربی ریڈروں کو تو وہ صرف ونحو کی تعلیم کے لیے بالکل ہی ناکافی قرار دیتے تھے۔ چناں چہ مدرسے کے وقت کے بعد جو طالب علم ان سے متقدمین کی تصنیف کردہ صرف ونحو کی کتابیں پڑھنے کا خواہاں ہوتا، اسے وہ نہایت شوق اور اہتمام سے پڑھاتے۔

مولانا ابوعلی اثری بھی ان کے شاگردوں میں شامل تھے اور مولانا حمید الدین فراہی کے مدرسۃ الاصلاح میں پڑھتے تھے۔ ان کی ابتدائی تعلیم قدیم طریقے کے مطابق ہوئی تھی۔ یہ بھی ان طلبا میں

---

❶ چند رجال اہل حدیث، ص: ۱۵۴، ۱۵۵

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

شامل ہوگئے جو اوقاتِ مدرسہ کے بعد ان سے قدیم دور کی صرف ونحو کی کتابیں پڑھتے تھے۔ انھوں نے علم صرف کی انتہائی کتاب شافیہ پڑھنا چاہی، لیکن نہ وہ مدرسے کی لائبریری سے ملی نہ کسی اور لائبریری سے دست یاب ہوئی۔ البتہ علم نحو کی کتاب کافیہ عام مل جاتی تھی۔ اب بعض حضرات کے مشورے سے انھوں نے کافیہ پڑھنے کا فیصلہ کیا لیکن مدرسۃ الاصلاح کی لائبریری میں کافیہ بھی نہ مل سکی۔ اعظم گڑھ کے ایک عالم مولوی خدا بخش تھے جو وفات پاچکے تھے۔ ابوعلی اثری صاحب نے اپنے والد کو خط لکھا کہ مولوی خدا بخش کے صاحب زادے سے پوچھیں اگر ان کے والد کی لائبریری میں کافیہ (کتاب) ہو تو مہربانی فرما کر چند روز کے لیے وہ انھیں عنایت فرما دیں۔ چناں چہ ان کا خط لے کر وہ ان کے پاس کافیہ لینے کے لیے گئے۔ مولوی خدا بخش کے صاحب زادے عطار تھے اور وہ ہر وقت اپنی عطاری کی دکان میں دواؤں کی دیکھ بھال میں لگے رہتے تھے۔ اس کے علاوہ انھیں کسی کام سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔

اب لطیفہ سنیے! انھوں نے خط پڑھا تو خیال کیا کہ ''کافیہ'' کسی دوا کا نام ہے۔ چناں چہ اس کی تلاش میں مصروف ہوگئے۔ دکان میں دواؤں کی تمام ہانڈیوں، کنستروں، ڈبوں اور الماری کے سب خانوں کو دیکھ ڈالا۔ لیکن کافیہ نام کی دوا نہ ملی۔ اس کے بعد طب کی کتاب ''دبستان المفردات'' پکڑی اور اس کی ورق گردانی کرنے لگے۔ اس کی ایک ایک سطر دیکھ ڈالی، مگر کافیہ دوا انھیں یہاں بھی نہ ملی۔ فرمایا یہ دوا نہ تو میری دکان میں ہے، نہ طب کی کسی کتاب سے اس کا پتا چل سکا ہے۔ ابوعلی اثری صاحب کے والد یہ سارا تماشا دیکھ رہے تھے، لیکن خاموش تھے۔ انھوں نے سمجھا کہ واقعی کوئی دوا تلاش کررہے ہیں۔ دوا تلاش کرنے کے بعد مجھے کافیہ عنایت فرمائیں گے۔ لیکن جب انھیں بتایا گیا کہ تلاش کے یہ مراحل اس دوا کی تلاش کے لیے طے کیے جارہے تھے، جس کا نام ''کافیہ'' ہے تو وہ بے اختیار ہنس پڑے۔

سرائے میر کے مدرسۃ الاصلاح کے تدریسی عملے میں اس وقت مولانا عبدالرحمٰن نگرامی ندوی بھی شامل تھے جو نصاب کے سلسلے میں مولانا شبلی نعمانی اور مولانا حمید الدین فراہی کے مکتب فکر کے پرجوش حامی تھے۔ وہ تفسیر، حدیث، فقہ، ادب، خطابت میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ مسلکاً اہل حدیث تھے اور مولانا ابوعلی اثری کے اساتذہ میں سے تھے۔ انھوں نے چھوٹی عمر ہی میں لآلی الحِکَم کے نام سے احادیث کا ایک مجموعہ مرتب کیا تھا۔ عربی اردو پر یکساں عبور تھا اور ان زبانوں میں بے تکلفی سے گفتگو کرتے تھے۔ دارالعلوم ندوۃ العلما لکھنؤ میں پڑھاتے رہے۔

ایک دن دستر خوان پر مدرسۃ الاصلاح کے جدید وقدیم نصاب کے حامی سب اساتذہ بیٹھے تھے۔ کھانا کھاتے ہوئے نصابِ تعلیم کے متعلق گفتگو ہونے لگی تو مولانا عبدالرحمٰن نگرامی ندوی نے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

فرمایا کہ فارسی کے نصاب میں سعدی کی گلستاں کے بجائے اگر مولانا شبلی نعمانی کے فارسی کلام کے مطبوعہ اجزا دستۂ گل، برگِ گل اور بوئے گل یا مولانا حمید الدین فراہی کا فارسی کلام شامل کرلیا جائے تو کیا حرج ہے۔ یہ بات سنتے ہی مولانا عبدالغفور جیراج پوری طیش میں آ گئے اور دستر خوان سے اٹھنے لگے۔ فرمایا میں ایسے لوگوں میں نہیں بیٹھ سکتا جو سعدی شیرازی کی گلستاں جیسی کتاب کو نصاب سے خارج کر کے اس کے بجائے ہندی نژاد شعرا کی کتابیں لانا چاہتے ہوں جو فارسی ادب کی پوری ترجمانی کرنے سے قاصر ہیں۔ مولانا سخت اشتعال میں تھے۔ ان کا غصہ اس وقت ختم ہوا جب مولانا عبدالرحمٰن نگرامی نے اپنی غلطی تسلیم کی اور تجویز اور گفتگو سے رجوع کیا۔

مولانا عبدالرحمٰن نگرامی ندوی نے صرف چھبیس ستائیس برس عمر پائی۔ ۶۔ مارچ ۱۹۲۶ء کو عین عالم جوانی میں ان کا انتقال ہوا۔ نہایت لائق اور فاضل اہل علم تھے۔

جدید وقدیم نصاب کی اس بحث سے مولانا عبدالغفور جیراج پوری بہت جلد مدرسۃ الاصلاح سے بے زار ہوگئے اور انھوں نے اس سے علیحدگی اختیار کرلی۔ وہ بہت بڑے مدرس تھے اور قرآن وحدیث اور فقہ واصول کی تمام بڑی چھوٹی کتابوں پر عبور رکھتے تھے۔ اس قسم کے بلند پایہ مدرس اب کہاں ملتے ہیں جنھیں عربی میں بھی مہارت حاصل ہو اور فارسی میں بھی۔ ان کے استاذ شمس العلماء مولانا حفیظ اللہ کا شمار اجلہ علماء اور ممتاز مدرسین کی جماعت میں ہوتا تھا۔ ان کا تذکرہ گزشتہ صفحات میں ہو چکا ہے۔

مولانا عبدالغفور جیراج پوری نے سو سال سے زائد عمر پاکر ۱۹۶۵ء کے پس وپیش اس دنیائے دوں سے عالم جاودانی کی راہ لی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

مولانا ابوعلی اثری نے ان کے اخلاف میں ان کے صاحب زادے مولانا عبدالودود ندوی کا نام لکھا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ان ہی سے ان کا سلسلۂ نسل جاری ہے۔ وہ والد ہی کی طرح حدیث، فقہ اور دوسرے علوم اسلامیہ کے ماہر مدرس تھے۔ آخر عمر میں مدرسۃ الاصلاح سرائے میر میں آ گئے تھے اور پھر وہیں ان کی درس وتدریس کی گراں مایہ عمر ختم ہوگئی۔ خاموش طبع اور مرنجاں مرنج بزرگ تھے۔ شہرت اور ناموری سے کوئی تعلق نہ تھا۔ لیکن درسیات میں بہت تیز تھے۔ استقلال کے ساتھ کسی مدرسے میں نہیں رہے۔ ایک مدرسے سے نکلے تو ان کی مہارت کی بنا پر دوسرے مدرسے نے فوراً انھیں لے لیا۔ دیوبندی اور بریلوی مدارس کے علاوہ ہندوستان کے بہت سے (اہل حدیث) مدارس میں پڑھانے کے مواقع ملے۔ ❶

---

❶ چند رجال اہل حدیث، ص: ۱۵۸، ۱۵۹

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مولانا محمد داؤد ارشد

(وفات ۹۔ مئی ۱۹۶۶ء)

جون ۱۹۵۰ء میں مجھے اخبار ''الاعتصام'' کی توسیع اشاعت کے لیے جنوبی پنجاب کے بعض علاقوں میں جانے کا اتفاق ہوا۔ ان علاقوں میں میاں چنوں بھی شامل ہے جو اس وقت ضلع ملتان میں تھا۔ اب کئی سال سے ضلع خانیوال کا مشہور شہر ہے۔ میاں چنوں کے ان متعدد حضرات سے میرے مراسم تھے جو تقسیم ملک کے زمانے میں ضلع فیروزپور اور ریاست فرید کوٹ سے نقل مکانی کرکے یہاں آباد ہوئے تھے۔ میرے جاننے والوں میں یہاں ایک بزرگ وہ تھے جو مہاجر یا پناہ گزین نہیں تھے بلکہ موجودہ جغرافیائی اعتبار سے ضلع قصور سے تعلق رکھتے تھے اور کچھ عرصے سے اس شہر کی ایک مسجد میں خطابت وتدریس کے فرائض سرانجام دے رہے تھے جس کی بنیاد انھوں نے خود ہی رکھی تھی۔ پورا قد، متوازن جسم، سرخی مائل گورا رنگ، خوب صورت نقش ونگار، شیریں کلام، سفید تہبند اور سفید قمیص پہنے اور کلے پر عمامہ باندھے ہوئے۔ مہمان نواز اور بے حد نرم خو.....! یہ تھے مولانا محمد داؤد ارشد۔ مولانا عبدالرحیم کوٹلوی کے چھوٹے بھائی۔

مولانا ممدوح اپنے آبائی گاؤں کوٹلی رائے ابوبکر میں پیدا ہوئے جو اس وقت ضلع لاہور میں اور اب ضلع قصور میں واقع ہے۔ ان کی تاریخ ولادت کا علم نہیں ہوسکا۔ ان کے شاگرد رشید مولانا محمد یوسف (شیخ الحدیث جامعہ کمالیہ ضلع قصور) کے ایک مختصر سے مضمون سے صرف اتنا پتا چلا ہے کہ ۱۹۲۸ء میں انھوں نے قصور سے مڈل پاس کیا۔ لاہور کے ایک کالج میں بھی داخل ہوئے۔ ۱۹۳۲ء میں گوجراں والا گئے اور حضرت مولانا محمد اسماعیل سلفی کے قائم کردہ مدرسہ محمدیہ میں داخلہ لیا۔ ۱۹۳۶ء میں سند فراغت حاصل کی۔ جن اساتذہ کرام سے تحصیل علم کی وہ تھے: حکیم بدر الدین بدر، مولانا محمد اسماعیل سلفی، حضرت حافظ محمد گوندلوی اور مولانا عبدالرحمٰن بھوجیانی۔

۱۹۳۷ء میں مولوی فاضل کا امتحان اوّل پوزیشن میں پاس کیا۔ اسی سال اپنے مسکن کوٹلی رائے ابوبکر میں اپنے والد محترم حاجی قمر الدین کے نام سے ''مدرسہ قمر الہدیٰ'' کا اجرا کیا، اس میں جو حضرات تحصیل علم کرتے رہے، ان میں مولانا محمد یوسف (راجووال) کا اسم گرامی بھی شامل ہے۔

۱۹۴۰ء میں منڈی عثمان والا (ضلع قصور) چلے گئے اور ۱۹۴۶ء تک وہاں تدریسی خدمات

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سرانجام دیں۔ ۱۹۴۶ء ہی میں فریضہ حج ادا کیا۔

مولانا محمد داؤد ارشد کی شادی موضع بھوجیاں میں مولانا عبدالرحمٰن بھوجیانی کی صاحب زادی سے ہوئی۔ مولانا عبدالرحیم بھوجیانی، مولانا عبداللہ بھوجیانی اور مولانا عبدالرحمٰن بھوجیانی تین بھائی تھے اور تینوں مولانا فیض اللہ بھوجیانی کے فرزندانِ گرامی قدر تھے اور اپنے عہد کے معروف اہل علم میں شمار کیے جاتے تھے۔ اگست ۱۹۴۷ء میں سکھوں نے ان کے گاؤں بھوجیاں پر حملہ کر کے ہزاروں لوگوں کو شہید کر دیا تھا۔ شہدا کی اس جماعت میں یہ تینوں بھائی (مولانا عبدالرحمٰن، مولانا عبداللہ اور مولانا عبدالرحیم) بھی شامل تھے۔ اس خاندان کے جو لوگ سکھوں کے ہاتھوں بچ گئے تھے، وہ خانیوال کے قریب چک نمبر ۷۹ میں آباد ہو گئے تھے۔ مولانا محمد داؤد ارشد بھی وہیں چلے گئے تھے۔

۱۹۴۸ء میں مولانا ممدوح میاں چنوں تشریف لے گئے۔ وہاں کی سبزی منڈی میں انھوں نے مسجد اہل حدیث تعمیر کرائی اور اس کے ساتھ اٹھارہ دکانیں بنوائیں تاکہ مسجد کے لیے آمدنی کا سلسلہ جاری رہے۔ مسجد میں دینی مدرسہ بھی جاری کیا۔ میں جب ان کی خدمت میں میاں چنوں حاضر ہوا اس وقت مسجد میں متعدد بیرونی طلبا ان سے تعلیم حاصل کرتے تھے اور ایک بڑے کاغذ پر ان سب طلبا کے نام مرقوم تھے۔ ہر طالب علم کے نام کے ساتھ اس کی سرکاری سکول کی تعلیم بھی لکھی تھی۔ کوئی مڈل پاس تھا، کسی کی تعلیم میٹرک تک تھی، کسی نے سرکاری سکول میں چھ جماعتیں پڑھی تھیں۔ اسی اثنا میں انھوں نے حفظ قرآن کا مدرسہ جاری کرنے کے لیے جگہ خریدی۔ یہ جگہ بھی انھوں نے مجھے دکھائی تھی۔ میں اخبار ''الاعتصام'' کی توسیع اشاعت کے لیے وہاں گیا تھا۔ انھوں نے اس سلسلے میں میرے ساتھ پورا تعاون کیا اور کئی خریدار بنائے۔

وہ اپنے مدرسے کے واحد مدرس تھے۔ مدرسے سے وہ تنخواہ نہیں لیتے تھے۔ مولانا محمد یوسف صاحب کے بقول ''ان کا ذریعہ معاش فرنیچر'' تھا۔

وہ بارہا لاہور مرکزی جمعیت اہل حدیث اور ''الاعتصام'' کے دفتر تشریف لائے۔ مولانا سید محمد داؤد غزنوی ان سے بے حد شفقت کا برتاؤ فرماتے تھے۔ ان کی تمام زندگی درس وتدریس میں گزری۔ وہ اولاد سے محروم تھے۔ ان کے شاگردوں کی فہرست میں مولانا محمد یوسف، مولانا عبدالغفور شاہ (ساکن کوٹلی رائے ابوبکر)، مولانا محمد شفیع (ساکن پیال کلاں ضلع قصور) مولانا محی الدین (واں رادھا رام)، ان کے بھانجے مولانا قدرت اللہ فوق اور دیگر بہت سے حضرات شامل ہیں۔

مولانا محمد داؤد ارشد نے ۹۔ مئی ۱۹۶۶ء کو وفات پائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مولانا عبدالرحیم کوٹلوی

(وفات ۴ دسمبر ۱۹۶۸ء)

سو سال سے زیادہ عرصہ قبل کی بات ہے کہ ضلع قصور کے ایک گاؤں کوٹلی رائے ابوبکر میں ایک بزرگ حاجی قمر الدین سکونت پذیر تھے، جو گاؤں کی مسجد میں امامت وخطابت کا فریضہ سرانجام دیتے تھے۔ نیک اور پرہیزگار آدمی تھے۔ کوٹلی رائے ابوبکر اور اردگرد کے دیہات میں ان کی پرہیزگاری کی وجہ سے انھیں بے حد احترام کا مقام حاصل تھا۔ ایک دفعہ وہاں ایک حنفی مولوی صاحب تشریف لائے جو اس گاؤں کی مسجد میں امامت کے خواہش مند تھے۔ انھوں نے مسجد میں اعلان کیا کہ حاجی قمر الدین وہابی ہیں اور ان کی اقتدا میں تم لوگوں کی نماز نہیں ہوتی۔

مولوی صاحب سے پوچھا گیا: وہابی کون ہوتا ہے؟

ارشاد ہوا: جو شخص رکوع جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت کانوں یا کندھوں تک دونوں ہاتھ اٹھاتا یعنی رفع یدین کرتا ہے اور مغرب، عشا اور فجر کی نمازوں میں ولا الضالین کے بعد آمین پکارتا ہے، اسے وہابی کہا جاتا ہے۔

حاجی قمر الدین نے فرمایا: نہ میں رفع یدین کرتا ہوں نہ آمین پکارتا ہوں، لہٰذا مجھے وہابی نہیں کہا جاسکتا۔

اب ظہر کا وقت آیا تو حاجی صاحب نے نماز پڑھائی اور رفع یدین نہیں کیا۔ جب نماز ختم ہوئی تو حنفی مولوی صاحب نے شور مچا دیا کہ میں نے کہا تھا یہ شخص پکا وہابی ہے۔ چناں چہ میری بات صحیح ثابت ہوئی اور اس کی وہابیت ظاہر ہوگئی۔

حاجی قمر الدین نے فرمایا: میں نے رفع یدین نہیں کی تو وہابی کیسے ہوگیا؟

مولوی صاحب نے جواب دیا: میں نماز میں تمھیں دیکھتا رہا ہوں، تم نے رفع یدین تو نہیں کی، لیکن نماز وہابیوں والی پڑھائی۔ یعنی چھیتی چھیتی (جلدی جلدی) نہیں پڑھائی، جس کا مطلب یہ ہے کہ تم وہابی ہو۔

حاجی قمر الدین کے دو بیٹے تھے۔ بڑے کا نام عبدالرحیم تھا جو کوٹلی رائے ابوبکر کی آبائی سکونت کی وجہ سے آگے چل کر مولانا عبدالرحیم کوٹلوی کی نسبت سے متعارف ہوئے اور ان سے چھوٹے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مولانا محمد داؤد ارشد تھے۔

عبدالرحیم ضلع قصور کے ایک گاؤں ''بن بودلہ'' میں ۱۹۰۰ء کے لگ بھگ پیدا ہوئے۔ عمر کی چند منزلیں طے کیں تو حصولِ علم کے لیے انھیں ضلع فیروز پور کے ایک مشہور گاؤں ''لکھو کے'' بھیج دیا گیا، جہاں دینی تعلیم کا بہت بڑا مدرسہ قائم تھا اور جلیل القدر علماے کرام وہاں طلبا کو تعلیم دیتے تھے۔ عبدالرحیم نے محنت اور شوق سے علوم دینیہ کے مروّجہ نصاب کی کتابیں لکھوی علماے عظام سے پڑھیں۔ حضرت مولانا محمد علی لکھوی عمر میں مولانا عبدالرحیم سے چار پانچ سال بڑے تھے، ان سے بھی انھوں نے کچھ کتابیں پڑھیں۔ ۱۹۲۸ء میں مولانا محمد علی لکھوی اپنے آبائی مسکن (لکھو کے) سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ گئے تو کچھ عرصے کے بعد ان کی دعوت پر مولانا عبدالرحیم بھی مدینہ منورہ چلے گئے تھے۔

مولانا عبدالرحیم کے مدینہ منورہ جانے کی ایک وجہ یہ بھی تھی جو انھوں نے مجھ سے خود بیان فرمائی تھی کہ وہ ایک بیماری میں مبتلا ہو گئے تھے۔ کافی علاج کے باوجود اس سے افاقہ نہ ہوا۔ حضرت مولانا محمد علی لکھوی کو اس کا پتا چلا تو انھوں نے ان کو مدینہ منورہ آنے کے لیے کہا، چناں چہ وہ وہاں گئے تو تھوڑے عرصے میں اللہ تعالیٰ نے ان کی بیماری رفع فرما دی اور وہ بالکل صحت یاب ہو گئے۔

مولانا محمد علی لکھوی مسجد نبوی میں طلبا کو کتب حدیث کا درس دیا کرتے تھے۔ مولانا عبدالرحیم کوٹلوی بھی ان کے درس میں شامل ہو گئے اور مولانا لکھوی سے انھوں نے مسجد نبوی میں صحیح بخاری، صحیح مسلم اور بعض دیگر کتابیں پڑھیں۔

کچھ عرصہ مولانا عبدالرحیم مدینہ منورہ رہے۔ پھر وطن واپس آ گئے اور منڈی عثمان والا (ضلع قصور) میں سکونت اختیار کر لی۔ وہاں مسجد اہل حدیث میں خطابت و امامت اور درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ مولانا عبدالرحیم کے چھوٹے بھائی مولانا محمد داؤد ارشد بھی وہاں مدرس تھے۔ ان کے تلامذہ کی جماعت میں اس وقت مولانا محمد یوسف (بانی و مہتمم دارالحدیث جامعہ کمالیہ راجووال) بھی شامل تھے۔ مولانا محمد یوسف کے حالات میں نے اپنی کتاب ''قافلہ حدیث'' میں لکھے ہیں۔

قیامِ پاکستان کے بعد مولانا عبدالرحیم منڈی عثمان والا سے پتوکی تشریف لے گئے۔ وہاں وہ محلہ حاجی کوٹ کی مسجد قبا میں خطابت و امامت میں مشغول ہوئے۔ گورا رنگ، لمبا قد، اکہرا بدن، قدرے اونچی ناک، باریک ہونٹ، کھودی سی داڑھی۔ تیز کلام اور پرجوش مقرر۔ سیاسی اعتبار سے مجلس احرار سے تعلق رکھتے تھے۔ احرار مقرروں جیسا انگریز دشمن لہجہ۔ گفتگو میں بے دھڑک۔ احکام شریعت کے مخلص ترین مبلغ اور ان پر سختی سے عامل۔ سفید تہبند، سفید قمیص اور سفید ہی عمامہ ان کا پہناوا۔

مولانا عبدالرحیم جماعت اہل حدیث کی خدمت اور اس کی تنظیم کے لیے ہمیشہ کوشاں رہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اس سلسلے میں ایک مرتبہ ضلع لاہور اور ضلع فیروز پور کے اہل حدیث حضرات کی چند اہم شخصیتوں کی میٹنگ فیروز پور کی جامع مسجد اہل حدیث گنبداں والی میں منعقد ہوئی تو اس میں مولانا عبدالرحیم کوٹلوی نے نہایت دردمندانہ تقریر کی، جس سے حاضرین بہت متاثر ہوئے۔ یہ ۱۹۳۸ء کی بات ہے۔ اس وقت ان کی عمر بھی ۳۸ برس ہی کی ہوگی۔ میں نے پہلی دفعہ ان کی تقریر یہیں سنی تھی۔ پھر ایک مرتبہ ہمارے ہاں کوٹ کپورہ (ریاست فرید کوٹ) میں ان کی تقریر سننے کا اتفاق ہوا۔

۱۹۴۵ء کے انتخابات میں حضرت مولانا سید محمد داؤد غزنوی کے چھوٹے بھائی مولانا عبدالغفار غزنوی چونیاں کے علاقے میں کانگرس کے ٹکٹ پر میاں افتخار الدین کے مقابلے میں پنجاب اسمبلی کا انتخاب لڑ رہے تھے۔ میاں افتخار الدین اس سے تھوڑا عرصہ قبل پنجاب کانگرس کی صدارت سے استعفا دے کر مسلم لیگ میں شامل ہوئے تھے۔ دسمبر کا مہینا تھا کہ ایک دن دوپہر کے وقت ایک کار مرکز الاسلام کے احاطے میں داخل ہوئی۔ اس کار سے جو حضرات باہر نکلے، وہ تھے مولانا عبدالرحیم کوٹلوی، مولانا عبید اللہ احرار اور مولانا عبدالغفار غزنوی۔ اس وقت مولانا معین الدین لکھوی مرکز الاسلام میں نہیں تھے۔ البتہ مولانا محی الدین لکھوی اور ان سطور کا راقم موجود تھے۔ میں ان دنوں مرکز الاسلام میں خدمت تدریس پر مامور تھا۔ مولانا عبدالرحیم اور مولانا عبید اللہ احرار نے آمد کا مقصد بیان کیا اور مولانا سید محمد داؤد غزنوی کا پیغام دیا کہ مولانا محی الدین اور مولانا معین الدین تحصیل چونیاں میں مولانا عبدالرحیم کی رفاقت میں مولانا عبدالغفار غزنوی کی مدد کریں۔ مولانا عبیداللہ احرار تو مرکز الاسلام سے واپس فیروز پور چلے گئے۔ البتہ میں اور مولانا محی الدین لکھوی ان کے ساتھ گئے۔ چھ سات روز ہم اس حلقے میں مولانا عبدالرحیم کوٹلوی کی رفاقت میں مولانا عبدالغفار غزنوی کے حق میں تقریریں کرتے رہے۔ لیکن ۱۹۴۵ء کا زمانہ مسلم لیگ کا زمانہ تھا۔ ان انتخابات میں مسلم لیگ کو اسی طرح کامیابی حاصل ہوئی تھی، جس طرح ۱۹۷۱ء میں مسلم لیگ اور دوسری جماعتوں کے مقابلے میں پیپلز پارٹی کو حاصل ہوئی تھی۔ پورے متحدہ پنجاب میں جو اس وقت انتیس اضلاع پر مشتمل تھا اور دریاے اٹک کی لہروں سے لے کر دہلی کی دیواروں تک پھیلا ہوا تھا، کانگرس کے ٹکٹ پر صرف ایک مسلمان کامیاب ہوا تھا۔ اور وہ تھے مولانا سید محمد داؤد غزنوی.....!

دسمبر ۱۹۴۵ء کے بعد مولانا عبدالرحیم کوٹلوی کو نومبر ۱۹۴۷ء میں جامعہ محمدیہ اوکاڑہ میں دیکھا، جب کہ میں اور چودھری غلام حسین تہاڑیہ (ساکن تلونڈی ضلع قصور) جامعہ محمدیہ میں ایک ٹوٹی اور میلی صف پر ایک پھٹے پرانے لحاف میں لیٹا کرتے تھے، جسے پنجابی میں ''لیف'' کہا جاتا ہے۔ اس صف اور لیف کی بخشیش ہمیں مولانا معین الدین لکھوی نے کی تھی، جس پر ہم ان کے نہایت شکر گزار ہوئے تھے۔ چودھری غلام حسین کا تو پتا نہیں، میں تو اس دور کے واقعات کو یاد کرتا ہوں تو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اب بھی مولانا معین الدین کا شکر گزار ہوتا ہوں۔ مولانا کو یہ دونوں چیزیں کسی خدا ترس بزرگ نے بخشی تھیں جو انھوں نے قرآن کے ارشاد ومما رزقناھم ینفقون پر عمل کرتے ہوئے اپنے خاص انداز میں مسکراتے اور ان کی تہیں کھول کر ہمیں دکھاتے ہوئے ہم مستحقین کو مرحمت فرما دیں۔ اس لیف کے فوائد کثیرہ میں سے ایک بہت بڑا فائدہ یہ تھا کہ ہم اسے اپنے اوپر لے کر باہر کی تمام چیزیں بہ آسانی دیکھ سکتے تھے۔ یعنی لیف میں لیٹے ہوئے، محلے کے پہرے دار کی طرح ''جاگدے رہنا'' کے نعرے لگا سکتے تھے۔ اس صف اور لیف کی وجہ سے تمام رات ہم پر قیام اللیل کی کیفیت طاری رہتی تھی۔

نئی نسل کو کیا معلوم کہ اس وقت لوگ کن حالات سے گزر رہے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس زمانے میں اس قسم کے بستر اور لحاف بسا غنیمت تھے۔

اسی اثنا میں ایک دن مولانا عبدالرحیم کوٹلوی تشریف لے آئے۔ ہماری اوقات ان کے مشاہدے میں آئی تو مجھے اپنے ساتھ پتوکی لے گئے اور مجھے کھدر کا ٹھیکا ہوا لحاف، ایک دو تہی اور تکیہ یعنی پورا بستر عنایت فرمایا اور میں اسے پتوکی سے جامعہ محمدیہ اوکاڑہ لے آیا۔ اس بستر کا میں واحد مالک تھا اور میری یہ بہت بڑی جائداد تھی۔ چودھری غلام حسین تہاڑیہ کا اس میں کوئی حصہ پتی نہ تھا، تاہم مولانا معین الدین کی طرح میں بھی کسی وقت ومما رزقناھم ینفقون پر عمل کرکے چودھری صاحب کو اس بستر میں بٹھا یا لٹا لیا کرتا تھا۔ جامعہ محمدیہ اوکاڑہ میں میرے اور چودھری غلام حسین کے قیام اور مولانا عبدالرحیم کوٹلوی کے عطا فرمودہ بستر وغیرہ کا تذکرہ میں اپنی کتاب ''بزم ارجمنداں'' کے اس مضمون میں کر چکا ہوں جو مولانا معین الدین لکھوی پر لکھا گیا ہے۔

اس سے کچھ عرصہ بعد مرکزی جمعیت اہل حدیث قائم ہوئی اور مجھے اس کا ناظم دفتر (حضرت مولانا محمد اسماعیل سلفی کے بقول ''معین ناظم'') بنایا گیا تو مولانا عبدالرحیم کوٹلوی سے بارہا ملاقات کا موقع ملا۔ پھر ہفت روزہ ''الاعتصام'' جاری ہوا تو میل ملاقات کا سلسلہ مزید بڑھ گیا۔

یکم، ۲، ۳۔ اپریل ۱۹۶۰ء کو مرکزی جمعیت اہل حدیث کی چھٹی سالانہ کانفرنس پتوکی (ضلع قصور) میں بہ صدارت خان بہادر مولوی عبدالعزیز (سابق چیف جسٹس ریاست فرید کوٹ) ہونا قرار پائی۔ یہ ایوب خان کا دورِ حکومت تھا۔ کانفرنس کے انعقاد سے چند گھنٹے پہلے جب کہ تمام انتظامات مکمل ہو چکے تھے، حکومت نے کانفرنس کا انعقاد روک دیا۔ مرکزی جمعیت اہل حدیث اور اخبارات نے حکومت کے اس حکم پر سخت احتجاج کیا۔ مولانا عبدالرحیم کوٹلوی اس کانفرنس کی مجلس استقبالیہ کے سیکرٹری تھے اور انھوں نے کانفرنس کے انعقاد کے سلسلے میں بے حد محنت کی اور موجودہ اضلاع لاہور، قصور، اوکاڑہ، پاک پٹن کے دیہات وقصبات کے دورے کیے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

حضرت مولانا سید محمد داؤد غزنوی کا مولانا عبدالرحیم کوٹلوی بے حد احترام کرتے تھے، مولانا غزنوی بھی ان سے نہایت محبت کا برتاؤ فرماتے تھے۔ مولانا غزنوی ان کی صاف گوئی، اخلاص اور نیکی سے بھی متاثر تھے اور ان سے جماعتی رشتہ بھی بہت مضبوط تھا۔ نیز پرانی احراریت اور فکری یکسانی بھی انھیں ایک دوسرے سے وابستہ رکھتی تھی۔

پرانے لوگوں میں یہ خوبی تھی کہ وہ آپس کے پرانے تعلقات کو یاد رکھتے اور نباھتے تھے۔ اب یہ قدریں ختم ہوگئی ہیں۔ اب تعلقات کی بنیاد مفادات قرار پاگئے ہیں۔ جب تک کسی کا کسی سے کوئی مفاد وابستہ ہے، تعلق قائم ہے، مفاد ختم ہوا تو تعلق کا بھی خاتمہ ہوگیا۔

مولانا عبدالرحیم کوٹلوی دینی اور مسلکی اعتبار سے نہایت باحمیت تھے۔ اس باب میں نہ کسی کی پروا کرتے تھے اور نہ کسی سے خوف زدہ یا مرعوب ہوتے تھے۔ ان کے بڑے بیٹے مولانا عبدالحلیم مرحوم ومغفور نے حکیم محمد یحییٰ ڈاہروی (کوٹ رادھا کشن) کے ذریعے سے اس بارے میں مجھے ان کے مندرجہ ذیل تین واقعات سے مطلع فرمایا۔ آپ بھی یہ واقعات ملاحظہ فرمایئے:

① ..... مولانا محمد عمر اچھروی طالب علمی کے زمانے میں لکھو کے میں مولانا عبدالرحیم کے ہم سبق تھے۔ اس وقت مولانا محمد عمر کا بریلویت سے کوئی تعلق نہ تھا۔ وہ حضرت مولانا عطاء اللہ لکھوی سے تحصیل علم کرتے تھے۔ بعد میں بریلویت کے دائرے میں داخل ہوگئے تھے۔ ان کی ایک تصنیف کا نام ''مقیاس حنفیت'' ہے۔ اس کتاب میں انھوں نے اہل حدیث کی شدید مخالفت کی ہے۔ مولانا عبدالرحیم کوٹلوی نے یہ کتاب پڑھی تو ان کو مناظرے اور مباہلے کا چیلنج دیا اور طے پایا کہ وہ فلاں تاریخ کو اتنے بجے چک نمبر ۱۰ ون آر (تحصیل رینالہ خورد ضلع اوکاڑہ) پہنچ جائیں گے۔ وہاں مناظرہ بھی ہوگا اور مباہلہ بھی ہوگا۔ مولانا عبدالرحیم کوٹلوی اپنے اہل وعیال کے ساتھ تاریخ مقررہ اور وقت متعینہ پر وہاں پہنچ گئے، لیکن مولوی محمد عمر اچھروی نہیں پہنچے۔

② ..... ایک مرتبہ پتوکی کے بازار میں شیعہ حضرات نے ماتمی جلوس نکالنے کا فیصلہ کیا۔ مولانا عبدالرحیم کو پتا چلا تو وہاں پہنچ گئے اور اعلان کیا کہ بازار سے ماتمی جلوس نہیں نکلنے دیا جائے گا۔ شیعہ حضرات نے جلوس نکالنے کی بہت کوشش کی، لیکن مولانا عبدالرحیم نے بازار سے جلوس نہیں گزرنے دیا۔

③ ..... ایک مرتبہ مولانا عبدالرحیم پتوکی سے کہیں باہر گئے تھے کہ ان کے بعد وہاں کے ایک ملنگ کی والدہ فوت ہوگئی۔ ملنگ اور اس کے ساتھیوں نے اسے عیدگاہ میں دفن کردیا جہاں سب لوگ مشترکہ نماز عید پڑھتے تھے۔ مولانا سفر سے واپس آئے اور انھیں اس کا پتا چلا تو بہت افسوس ہوا۔ فرمایا خطرہ ہے کہ یہ لوگ اس قبر پر عرس وغیرہ کا سلسلہ شروع کردیں گے۔ کچھ لوگوں کو ساتھ لیا اور رات کے وقت قبر کھود کر میت کو قبر سے نکالا تاکہ شب کی تاریکی میں اسے قبرستان میں دفن کردیا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

جائے۔ یہ بے حد سنگین اور خطرناک معاملہ تھا۔ ملنگ اور اس کے ساتھیوں کو پتا چلا تو وہ بھی آ گئے۔ معاملہ پولیس تک پہنچا۔ بہت سے لوگ جمع ہو گئے۔ پولیس بھی آ گئی۔ مولانا عبدالرحیم نے فرمایا عید گاہ نماز عید پڑھنے کے لیے ہے۔ یہ قبرستان نہیں ہے۔ یہاں کوئی مردہ دفن نہیں کیا جا سکتا۔ کچھ شور اور ہنگامہ سا ہوا۔ بالآخر اس عورت کو قبرستان میں دفن کر دیا گیا۔

مولانا عبدالرحیم کوٹلوی نے ۴۔ دسمبر ۱۹۶۸ء کو وفات پائی۔

مولانا ممدوح کی نرینہ اولاد تین بیٹے تھے۔

⊙.....مولانا عبدالحلیم: یہ ان کے سب سے بڑے بیٹے تھے جو یکم جنوری ۱۹۴۰ء کو منڈی عثمان والا (ضلع قصور) میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۵۳ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ دینی تعلیم کا آغاز مدرسہ حفظ القرآن میر محمد (ضلع قصور) سے کیا۔ پھر جامعہ محمدیہ اوکاڑہ میں داخلہ لیا۔ بعد ازاں دارالعلوم تقویۃ الاسلام (لاہور) میں داخل ہوئے۔ سند فراغت جامعہ محمدیہ (اوکاڑہ) سے لی۔ ۱۹۵۸ء میں لاہور بورڈ میں فاضل عربی کا امتحان دیا اور کامیاب ہوئے۔ اساتذہ کرام کے اسمائے گرامی یہ ہیں: حضرت العلام حافظ محمد گوندلوی، مولانا حافظ عبداللہ بڈھیمالوی، مولانا حافظ محمد اسحاق حسینوی، مولانا عبدالرشید مجاہد آبادی، حافظ عبدالرشید گوہڑوی، مولانا حبیب الرحمٰن لکھوی، حافظ شفیق الرحمٰن لکھوی، مولانا محمد خاں، حافظ محمد یحییٰ میر محمدی۔

فارغ التحصیل ہونے کے بعد مولانا عبدالحلیم نے موضع شام کوٹ نو (ضلع قصور) میں اقامت اختیار کی اور وہاں کی ایک مسجد اہل حدیث میں خطابت وامامت اور درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ ۱۹۶۵ء میں شام کوٹ نو ہی میں مسجد فردوس اہل حدیث کا سنگ بنیاد رکھا اور ۱۹۷۱ء تک اس مسجد میں خطابت وامامت کے ساتھ ساتھ طلبا کو قرآن وحدیث کی تعلیم دیتے رہے۔ کچھ عرصہ ملتان کے چوک گھنٹا گھر کی مسجد اہل حدیث میں خطبہ جمعہ ارشاد فرماتے رہے۔ جامع مسجد فریدیہ اہل حدیث قصور میں بھی کچھ عرصہ ان کا سلسلۂ خطابت جاری رہا۔

۱۹۷۲ء میں جامعہ محمدیہ (اوکاڑہ) میں بہ طور مدرس تقرر ہوا۔ پہلے عربی ادبیات کے استاد کی حیثیت سے خدمت سرانجام دی۔ پھر ۱۹۷۷ء میں جامعہ کے شیخ الحدیث کی مسند سنبھالی۔

تحریر ونگارش سے مولانا عبدالحلیم کو زمانہ طالب علمی ہی میں دلچسپی پیدا ہو گئی تھی، جب وہ دارالعلوم تقویۃ الاسلام (لاہور) میں زیر تعلیم تھے۔ ان کی اس وقت کی تحریری کاوشیں یہ ہیں: ① فضائل علم وعلما ② امام ابن قیم رحمہ اللہ کی کتاب مفتاح السعادہ کی ایک فصل کا ترجمہ ③ عربی فاضل کے نصاب کی ایک کتاب کے ایک باب کا ترجمہ ④ اسلامی آداب ⑤ مروّجہ میلاد کی شرعی حیثیت ⑥ علامہ نعیم الحمصی کی ایک کتاب اعجاز القرآن کے موضوع سے تعلق رکھتی ہے اور تقریباً دو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سو صفحات پر مشتمل ہے، مولانا عبدالحلیم نے حضرت مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی کی نگرانی میں اس کا ترجمہ کیا جو ماہنامہ ''پیام حق'' کی چالیس قسطوں میں چھپا ⑦ مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی کی نگرانی میں انھوں نے تراجم علمائے اہل حدیث کا سلسلہ شروع کیا۔ معلوم نہیں یہ سلسلہ کہاں تک پہنچا تھا۔ یہ بھی معلوم نہیں کہ انھوں نے کس دور اور کس علاقے کے علمائے اہل حدیث کے متعلق لکھا اور کون کون سے حضراتِ علما کا تذکرہ کیا۔ ان کا ایک کام مشکوٰۃ کا ترجمہ ہے جو مکتبہ رحمانیہ نے شائع کیا اور متداول ہے۔

ستائیس اٹھائیس سال مولانا عبدالحلیم جامعہ محمدیہ (اوکاڑہ) کی مسند شیخ الحدیث پر فائز رہے اور مروّجہ علوم کی چھوٹی بڑی تمام کتابیں متعدد مرتبہ پڑھائیں۔ سیکڑوں کی تعداد میں طلبا نے ان کے حلقہ شاگردی میں رہ کر کتب حدیث کی سندیں لیں۔ مولانا عبدالحلیم کا تذکرہ میں اپنی کتاب ''برصغیر کے اہل حدیث خدام قرآن'' میں بھی کر چکا ہوں۔ انھوں نے ۷۔ دسمبر ۲۰۰۷ء کو اوکاڑہ میں وفات پائی۔

⊙..... مولانا عبدالرحیم کوٹلوی کے دوسرے بیٹے مولانا عبدالعلیم یزدانی ہیں جو جامع مسجد اہل حدیث جھنگ کے منصب خطابت پر متمکن ہیں۔ انھوں نے جامعہ سلفیہ کے اساتذہ سے تعلیم حاصل کی۔ ان کی تقریر وخطابت کی بڑی شہرت ہے۔ مجھے ان سے ملنے کا کئی مرتبہ موقع ملا ہے۔ بہت سال ہوئے ماموں کانجن میں ملاقات ہوئی۔ ازراہِ کرم انھوں نے خود ہی اپنا تعارف کرایا۔ یہ ان سے پہلی ملاقات تھی جو نہایت مختصر تھی۔ چند ساعتی ملاقات۔ دوسری ملاقات اوکاڑہ میں ان کے بڑے بھائی مولانا عبدالحلیم مرحوم کی اہلیہ کی وفات کے موقعے پر قبرستان میں ہوئی۔ یہ ملاقات بھی مختصر سی تھی۔ صرف ایک دوسرے سے سلام کا تبادلہ ہوا۔ تدفین کے بعد میں مولانا عبدالحلیم کے گھر آیا۔ ان سے ملا اور لاہور کو روانہ ہوگیا۔ اس کے بعد دو تین مرتبہ مرکزی جمعیت اہل حدیث کے دفتر (لاہور) میں ان سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ ہر مرتبہ وہ بے حد تپاک سے ملے۔ مولانا عبدالحلیم کی وفات پر بھی اوکاڑہ میں ان سے ملاقات ہوئی اور ان سے اظہارِ افسوس کیا۔

⊙..... مولانا عبدالرحیم کوٹلوی کے تیسرے بیٹے مولانا عبدالحکیم ہیں۔ ان کو میں نے نہیں دیکھا۔ سنا ہے عالم دین ہیں اور کاروبار کرتے ہیں۔ مجھے ان کے کاروبار سے متعلق سن کر بے حد خوشی ہوئی۔ افسوس ہے ان سے کبھی ملاقات کا شرف حاصل نہیں ہوا۔ ظاہر ہے یہ بھی باپ دادا اور دوسرے بھائیوں کی طرح صالح مزاج اور نیک فطرت ہوں گے۔

دعا ہے اللہ تعالیٰ حاجی قمر الدین اور ان کے فرزندانِ گرامی مولانا عبدالرحیم اور مولانا محمد داؤد ارشد کو اور ان کے پوتے عبدالحلیم کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور ان سب کی آل اولاد کو خدمت دین کی توفیق سے بہرہ مند فرمائے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

حافظ احمد پٹوی

(وفات ۱۵۔ مارچ ۱۹۷۰ء)

تقسیم ملک سے قبل ضلع لاہور کے ایک مشہور قصبے کا نام ''پٹی'' تھا جسے اس علاقے میں اہل حدیث کے مرکز کی حیثیت حاصل تھی۔ یہ شہر نما قصبہ متعدد علماے اہل حدیث کا مسکن اور صلحاے عظام کا مرجع تھا۔ یہاں مدرسہ محمدیہ کے نام سے اہل حدیث کا دینی مدرسہ بھی جاری تھا، جس میں اس عہد کے مستند اصحابِ علم فریضۂ تدریس سرانجام دیتے تھے۔ ان حضرات میں استاذ پنجاب حضرت مولانا عطاء اللہ لکھوی کے فرزند گرامی مولانا عبدالرحمٰن لکھوی اور مولانا ہدایت اللہ ندوی ایسے منجھے ہوئے مدرس شامل تھے۔ مولانا محمد علی قصوری ایم اے کینٹب اس مدرسے کے صدر (یا سرپرست) تھے۔ پٹی ہی کے ایک عالم دین حافظ احمد تھے، جنھیں حافظ احمد پٹوی کہا جاتا تھا۔ انھوں نے امرتسر کے مدرسہ غزنویہ میں تعلیم حاصل کی تھی۔ وہ علماے غزنویہ کی صحبت میں رہے تھے اور ان کے علم وفضل اور زہد وتقویٰ سے بہت متاثر تھے۔ حضرت مولانا نیک محمد (شیخ الحدیث مدرسہ غزنویہ) سے سند فراغت لی تھی۔ قرآن وحدیث پر استحضار تھا اور مسائل شرعیہ میں عبور!

حافظ احمد پٹوی عالم دین ہونے کے ساتھ طبیب بھی تھے اور ان کے علاج سے اللہ تعالیٰ مریض کو شفا بخشتا تھا۔ وہ وسیع المطالعہ بزرگ تھے۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے بہت متاثر تھے اور ان کی تصانیف کا مطالعہ جاری رکھتے تھے۔ عام تقریروں اور خطباتِ جمعہ میں امام ابن تیمیہ کے حوالے دیا کرتے تھے۔ فرمایا کرتے فلاں مسئلے میں شیخ الاسلام نے یہ فرمایا اور فلاں مسئلے میں شیخ الاسلام کا یہ نقطۂ نظر ہے۔ فتاویٰ امام ابن تیمیہ یوں سمجھیے کہ انھیں ازبر تھا۔

تقسیم ملک سے کئی سال پہلے وہ لاہور کی چینیاں والی مسجد میں طلباء کو پڑھاتے رہے تھے۔ سنا ہے مولانا سید محمد داؤد غزنوی ان کے طریق تدریس کو بہت پسند فرماتے تھے۔ جس انداز سے وہ فتویٰ تحریر کرتے تھے، اس کی بھی مولانا غزنوی اور دیگر اصحابِ علم تحسین فرماتے تھے۔

اس زمانے میں سالانہ تبلیغی جلسوں کے انعقاد کا عام رواج تھا اور یہ سلسلہ جاری رہتا تھا۔ حافظ احمد پٹوی کو پنجاب کے تقریباً ہر جلسے میں دعوت دی جاتی تھی اور وہ کتاب وسنت کی روشنی میں مؤثر تقریر کرتے تھے۔ صاف بیان مقرر تھے۔ اِدھر اُدھر کے قصے کہانیاں تقریر میں بیان نہیں کرتے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تھے۔ ہمارے ہاں (کوٹ کپورہ) کی انجمن اصلاح المسلمین کے سالانہ تبلیغی جلسے میں حافظ صاحب ضرور تشریف لے جاتے تھے۔ لوگ ان کی تقریر بے حد شوق اور توجہ سے سنتے تھے۔

اپنے شہر پٹی کی جس مسجد میں وہ خطبۂ جمعہ ارشاد فرماتے تھے، اسے کھجور والی مسجد کہا جاتا تھا۔ خطابت کے علاوہ موضع پٹی کے دینی مدرسے میں وہ طلبا کو دینیات کی تعلیم سے بہرہ مند کرتے اور علم طب سے دلچسپی رکھنے والوں کو اپنے مطب میں طب کی کتابیں پڑھاتے تھے۔

ان کا مسکن پٹی جو پہلے ضلع لاہور میں واقع تھا اور مسلمانوں کی اکثریت کا قصبہ تھا، تقسیم ملک کے نتیجے میں ضلع امرتسر میں شامل ہوا اور وہاں کے لوگ اس قصبے سے نکل کر مختلف مقامات میں بکھر گئے۔ حافظ احمد پٹوی ضلع فیصل آباد کے شہر جڑاں والا میں آبسے تھے۔ اس شہر اور اردگرد کے بعض دیہات میں کوٹ کپورہ کے لوگ بھی آ گئے تھے جو اہل حدیث مسلک سے تعلق رکھتے تھے اور حافظ صاحب کو اچھی طرح جانتے تھے اور حافظ صاحب انھیں جانتے تھے۔ جڑاں والا کی غلہ منڈی میں وہاں کی جماعت اہل حدیث نے مسجد تعمیر کی تو حافظ صاحب کو اس کے خطیب مقرر کیا گیا۔ ❶

حافظ صاحب کتاب وسنت کے شیدائی اور عامل بالحدیث تھے۔ ہر وضو میں مسواک کرتے، دائیں ہاتھ سے کسی کو کوئی چیز دیتے اور دائیں ہی سے لیتے۔ سادہ مگر صاف ستھرا لباس پہنتے۔ نماز باجماعت اوّل وقت میں تکبیر اولیٰ کے ساتھ ادا کرنے کی کوشش فرماتے۔ خدا ترس، دینی جذبے سے سرشار، تہجد گزار، اور لوگوں کے ہم درد تھے۔ تمام عمر مسلک اہل حدیث کی خدمت کرتے رہے۔ دینی مسائل کی تحقیق کے سلسلے میں علمائے کرام ان پر اعتماد کرتے تھے اور ان کے فتوے کو اہمیت دی جاتی تھی۔

ان کا حلیہ یہ تھا: قد چھوٹا، رنگ گندمی، چہرہ کچھ لمبا، ناک تیکھی۔ عالمانہ گفتگو۔ لہجہ صاف۔ مہمان نواز۔

جس طرح تقسیم ملک سے پہلے اپنے آبائی وطن پٹی میں ان کا سلسلۂ طبابت جاری تھا، اسی طرح تقسیم ملک کے بعد جڑاں والا میں بھی انھوں نے اپنا مطب قائم کرلیا تھا اور یہی ان کا ذریعہ معاش تھا۔ کسی سے مانگنا اور کسی کے سامنے اپنی کسی دنیوی ضرورت کا اظہار کرنا ان کی فطرت کے خلاف تھا۔ وہ صرف اللہ سے مانگتے تھے اور اسی کے دربار میں اپنی ضرورتیں پیش کرتے تھے۔ وہ غیور اور جرأت مند عالم دین تھے۔ سچ کی حمایت اور باطل کی تردید ہمیشہ ان کی زندگی کا اصول رہا۔

---

❶ بعد ازاں اس مسجد کے منصب خطابت پر مولانا عبداللہ ثانی امرتسری فائز ہوئے۔ وہ بھی پنجاب کے مشہور واعظ اور خطیب تھے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس باب میں وہ نہ کسی مداہنت کے قائل تھے اور نہ کسی سے خوف زدہ ہوتے تھے۔ ان کا مختصر سا سراپا ہمیشہ اللہ کی رضا کا طالب رہا۔

پٹی میں اپنے طور پر انھوں نے درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ جن حضرات نے وہاں ان سے استفادہ کیا ان میں مولانا عبدالعظیم انصاری، حکیم عبدالرحمٰن (گوجراں والا) حافظ عبدالرحمٰن قصوری اور بعض دیگر حضرات شامل تھے۔ یہ سب حضرات اپنی اپنی باری سے سفر آخرت پر روانہ ہو چکے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

حافظ صاحب کا ان سطور کے راقم کے لیے ہمیشہ شفقت کا سلوک رہا۔ میں وہاں جاتا تو ان کی خدمت میں ضرور حاضری دیتا اور وہ موسم کے مطابق چائے یا شربت پلاتے۔ میرے ہفت روزہ ''الاعتصام'' کے دورِ ادارت میں بارہا انھوں نے مختلف موضوعات پر مضامین ارسال فرمائے جو میں نے اس اخبار میں شائع کیے۔ وہ ہمارے پرانے دور کے بزرگوں کی خوب صورت نشانی اور ان کے علم وتحقیق کے سچے وارث تھے۔ انھوں نے اپنے پیچھے تحریری سرمایہ تو زیادہ نہیں چھوڑا البتہ ان کی تدریسی اور تبلیغی خدمات کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ وہ صحیح معنوں میں کتاب وسنت کے خادم اور مخلص ترین مبلغ تھے۔

گفتار وکردار کے اس پیکر پرخلوص نے ۱۵۔ مارچ ۱۹۷۰ء کو جڑاں والا میں وفات پائی اور وہیں انھیں دفن کیا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

ان کی وفات کے بعد ان کے سعادت مند بیٹوں نے بھی اپنے انداز سے کتاب وسنت کی خدمت کا سلسلہ جاری رکھا۔ مگر باپ کے سے اوصاف کسی میں نہیں ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مولانا محمد یوسف کلکتوی

(وفات ۱۱۔ستمبر ۱۹۷۰ء)

پورا قد، گداز جسم، چوڑا چہرہ، کشادہ پیشانی، کھنک دار آواز۔ سر پر اونچی دیوار کی سیاہ رنگ کی قراقلی ٹوپی۔ لمبی داڑھی جو تقریباً سفید ہو چکی تھی۔ کھلے پائنچے کا پاجامہ اور شیروانی زیب تن۔ یہ تھے مولانا محمد یوسف کلکتوی جن کو میں نے پہلی دفعہ دارالعلوم تقویۃ الاسلام (لاہور) میں مولانا سید محمد داؤد غزنوی سے گفتگو کرتے ہوئے دیکھا۔ یہ ۱۹۵۵ء کی بات ہے۔ سردیوں کے دن تھے۔ وہ جماعتی سلسلے میں لاہور تشریف لائے تھے اور چند روز یہاں رہے تھے۔ مجھے کچھ ایسا یاد پڑتا ہے کہ ان کا قیام ان دنوں مغل پورہ میں حافظ حکیم ثناء اللہ مرحوم کے مکان پر رہا تھا۔ حکیم صاحب کا مطب آسٹریلیا بلڈنگ میں تھا میں نے اور مولانا محمد حنیف ندوی نے ایک روز نمازِ عصر کے بعد ان سے وہیں ملاقات کی تھی۔ جماعتی تنظیم کے متعلق ان سے پہلی میٹنگ نمازِ عشا کے بعد شیش محل روڈ پر مرکزی جمعیت اہل حدیث کے دفتر میں ہوئی تھی۔ اس میٹنگ میں مولانا غزنوی کے علاوہ مولانا محمد اسماعیل سلفی، مولانا محمد حنیف ندوی، مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی، مولانا محی الدین احمد قصوری، مولانا محمد علی قصوری ایم اے کینٹب اور ان سطور کا راقم شامل تھے۔

مولانا محمد یوسف کا اصل وطن موجودہ مشرقی پنجاب کے ضلع گورداس پور کا قصبہ دینا نگر تھا۔ ان کی ولادت وہیں ۱۹۰۰ء میں ہوئی۔ یہ چار بھائی تھے۔ سب سے بڑے مولانا عبدالمجید دینا نگری اور سب سے چھوٹے مولانا عبدالحمید۔ محمد یوسف منجھلے تھے۔ مولانا عبدالمجید نے فارغ التحصیل ہونے کے بعد زندگی کا بہت بڑا حصہ جہلم کی جامع مسجد اہل حدیث میں خطابت وتدریس میں گزارا۔ نہایت شریف النفس اور مہمان نواز عالم تھے۔ مولانا عبدالحمید نے ضلع فیصل آباد کے ایک قصبے دسوہہ کو اپنا مسکن بنایا۔

مولانا محمد یوسف نے ابتدائی تعلیم گھر ہی میں اپنے والد مکرم سے حاصل کی۔ پھر امرتسر کے مدرسہ غزنویہ میں داخلہ لیا اور وہیں کے اساتذہ سے تحصیل علم کی اور سند لی۔ حضرت مولانا نیک محمد مرحوم سے بالخصوص کسب فیض کیا۔

اس زمانے میں انھیں محمد یوسف دینا نگری کہا جاتا تھا۔ پڑھنے میں تیز تھے اور ان کا شمار

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مدرسے کے ذہین طلبا میں ہوتا تھا۔ چناں چہ طالب علمی کے دور ہی میں اساتذہ نے انھیں ابتدائی درجے کے طلبا کو پڑھانے پر مامور کردیا تھا اور یہ بڑی محنت اور شوق سے طلبا کو پڑھاتے تھے۔ طلبا بھی ان کی تدریس پر مطمئن تھے۔

تقریر وخطابت کا سلسلہ بھی انھوں نے طالب علمی کے زمانے میں شروع کردیا تھا۔ وہ مختلف مذاہب کے اہل علم کے درمیان مناظروں کا دور تھا اور مولانا محمد یوسف مناظروں سے دلچسپی رکھتے تھے۔ ابتدا میں انھوں نے یہ سلسلہ طلبا کی باہمی مشق سے شروع کیا۔ پھر دیگر مسالک ومذاہب کے لوگوں سے مناظرے کرنے لگے۔ مناظرے کے لیے جہاں علم ومطالعہ کی ضرورت ہے، وہاں مناظر کے لیے حاضر جواب ہونا اور اپنا نقطۂ نظر پورے زور سے پیش کرنے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہونا بھی ضروری ہے، اور مولانا محمد یوسف میں یہ خوبی پائی جاتی تھی۔

کچھ عرصہ وہ پنجاب میں رہے۔ اس کے بعد بنگال چلے گئے۔ لیکن بنگال کب گئے اور کس کے کہنے سے گئے، اس کا پتا نہیں چل سکا۔ یہ بھی معلوم نہیں ہوسکا کہ انھوں نے مدرسہ غزنویہ سے سند فراغ کب لی۔ بہرحال بنگال میں انھوں نے جماعت اہل حدیث کے جلسوں میں شرکت کرنا اپنے آپ پر ضروری قرار دے لیا۔ وہ جلسوں کے علاوہ اہل حدیث کی مختلف مسجدوں میں قرآن وحدیث کا درس بھی دیتے تھے۔ اب ان کا مسکن کلکتہ تھا اور انھوں نے اس نواح میں مولانا محمد یوسف کلکتوی کی نسبت سے شہرت پائی۔

کلکتہ میں انھوں نے عطریات اور سنو وغیرہ کا کاروبار بھی اے ایل جوزف اینڈ سنز کے نام سے شروع کیا تھا۔ ''اے ایل'' کا مطلب عبداللطیف ہے جو ان کے برادرِ نسبتی تھے اور ''جوزف'' وہ خود ہوئے (یعنی یوسف)۔ ان کا یہ کاروبار بہت وسیع ہوگیا تھا، لیکن اس اثنا میں تحریک پاکستان شروع ہوگئی اور مولانا محمد یوسف کلکتوی اس میں حصہ لینے لگے۔ پھر ملک تقسیم ہوگیا اور وہ اپنے اہل وعیال سمیت کراچی آگئے۔ یہ ان کے لیے بالکل نئی جگہ تھی۔ یہاں بھی انھوں نے وہی کلکتے والا کاروبار شروع کیا۔ ابتدا میں کافی مشکلات پیش آئیں، لیکن آہستہ آہستہ کام چل پڑا۔

کاروبار کے ساتھ ساتھ انھوں نے کراچی کی مسجدوں میں وعظ وتبلیغ کا آغاز بھی کردیا تھا۔ دہلی اور ہندوستان کے مختلف علاقوں سے بہت بڑی تعداد میں اہل حدیث کراچی آبسے تھے، ان سے تعارف ہوا تو کام کی رفتار آگے بڑھی اور وعظ وتبلیغ کا دائرہ پھیل گیا، یہاں انھوں نے جماعت اہل حدیث کی تنظیم بھی قائم کی۔

پھر حالات کچھ سازگار ہوئے تو کراچی کی جماعت اہل حدیث اور سندھ کے کچھ لوگوں کے مالی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تعاون سے جگہ خریدی اور اس میں ایک دینی مدرسہ جاری کیا، جس میں تدریس کے لیے مولانا حاکم علی دہلوی کی خدمات حاصل کیں۔ وہ شیخ الحدیث کی حیثیت سے طلبا کو صحیح بخاری پڑھاتے تھے اور خود مولانا محمد یوسف تفسیر بیضاوی کا درس دیتے تھے۔ مدرسہ تیزی سے ترقی کی منزلیں طے کر رہا تھا کہ مولانا محمد یوسف ایک کاروبار کے سلسلے میں ضلع ساہی وال کے ایک قصبے چیچا وطنی چلے گئے۔ لیکن وہ کاروبار نہ چل سکا۔ وہاں مولانا سخت پریشانی میں مبتلا تھے۔ میاں فضل حق مرحوم کو اس کا پتا چلا تو وہ ان کو حافظ آباد لے گئے۔ اس وقت میاں صاحب حافظ آباد میں مقیم تھے۔ وہاں انھوں نے مدرسہ جاری کیا اور مولانا ممدوح اس میں فریضۂ تدریس سرانجام دینے لگے۔ یہ مدرسہ کچھ عرصہ جاری رہا۔ لیکن مولانا کراچی کی جماعت کے اصرار پر کراچی تشریف لے گئے۔ طلبا بھی ان کے ساتھ کراچی چلے گئے۔ کراچی کا مدرسہ جو تقریباً ختم ہوگیا تھا، پھر آباد ہوگیا۔ اس مدرسے کو مولانا محمد یوسف کے علاوہ دیگر مدرسین کی خدمات بھی حاصل تھیں۔

کراچی سے مولانا نے ''الارشاد'' کے نام سے ایک ماہانہ رسالہ جاری کیا جو مسلک اہل حدیث کی اشاعت کا باعث ہوا۔ مولانا وہاں بالکل مطمئن تھے۔ ان کے مواعظ کا سلسلہ بھی جاری تھا، مدرسے میں تعلیم و تعلم کی بھی گہما گہمی تھی اور ماہنامہ ''الارشاد'' بھی دین کی خدمت کا ایک ذریعہ تھا۔

اس زمانے میں پاکستان کا دارالحکومت کراچی تھا اور مولانا محمد یوسف میل جول کے آدمی تھے اور لوگوں سے تعلقات استوار کرنے میں مہارت رکھتے تھے۔ انھوں نے سعودی عرب کے سفیر سے ملاقات کی جو باہمی دوستی میں بدل گئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انھیں ایک وفد کے ساتھ سعودی عرب کے دورے کی دعوت موصول ہوئی جو انھوں نے قبول کی۔ اس وقت سعودی عرب کے حکمران سعود بن عبدالعزیز تھے۔ مولانا اور ارکانِ وفد شاہی مہمان تھے۔ وہ کئی دن وہاں رہے۔ بادشاہ سے ملاقاتیں ہوئیں۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے علاوہ ریاض، طائف، جدہ وغیرہ شہروں کی سیاحت کی۔

۱۹۵۳ء میں تحریک تحفظ ختم نبوت شروع ہوئی تو اس میں جماعت اہل حدیث نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور پورے ملک میں اس کے بے شمار لوگ قید ہوئے۔ مولانا محمد یوسف کو بھی گرفتار کرلیا گیا۔ وہ گیارہ مہینے کراچی جیل میں رہے۔ جیل میں بھی ان کا سلسلۂ وعظ وارشاد جاری رہا۔ جیل میں ہندوستان کا ایک مشہور ڈاکو بھی قید تھا جو بھوبت سنگھ ڈاکو کے نام سے مشہور تھا۔ جیل میں اس کا تعلق مولانا محمد یوسف سے ہوا تو اس نے ان کی تبلیغ سے متاثر ہو کر اسلام قبول کرلیا۔ اس کا اسلامی نام مولانا نے امین یوسف رکھا۔ رہائی کے بعد اس نے کراچی میں کاروبار شروع کردیا تھا۔

مولانا ممدوح کو جیل میں بی کلاس ملی تھی اور انھیں جیل حکام کی طرف سے خوراک کے لیے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

روزانہ سات روپے ملتے تھے جو آج سے پچپن چھپن سال پہلے بڑی اہمیت رکھتے تھے۔ مولانا جیل میں بھوبت سنگھ کی بھی مدد کرتے تھے۔

وہ فطری طور پر بہت خراج تھے۔ خود سبزی پسند کرتے تھے۔ گوشت میں بھی کوئی سبزی ڈلواتے۔ اچھا مگر سادہ لباس پہنتے تھے۔ مہمان نواز تھے۔ ضرورت مند کی مدد کرتے تھے۔ طلبا پر بڑے مہربان تھے۔ ان کی ضروریات کا پورا خیال رکھتے تھے۔ نادار طلبا کی مالی امداد کرتے۔ بعض غریب گھرانے کے طلبا کے والدین کو نقد روپے بھجواتے۔ کسی طالب علم کے پھٹے پرانے کپڑے دیکھتے تو اسے کپڑے عنایت فرماتے۔ بسا اوقات جوتے تک طلبا کو خرید کر دیتے۔ کوئی مقروض ان کے پاس آتا تو اس کی ضرور مدد کرتے۔ مریض کی عیادت کرتے۔ اس طرح کے بہت سے اوصاف ان میں پائے جاتے تھے۔

بہت اچھے مدرس، بہت اچھے خطیب، بہت اچھے واعظ تھے۔ خوش اخلاق، خوش مزاج اور خوش گفتار۔

مولانا موصوف سے کراچی، سندھ، بنگال، پنجاب اور بلتستان وغیرہ کے بہت سے حضرات تحصیل علم کرتے رہے، ان کے چند شاگردوں کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

مولانا عبدالعزیز حنیف، خطیب جامع مسجد اہل حدیث۔ اسلام آباد (سابق ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان)

حافظ عبدالحق صدیقی۔ ساہی وال

حافظ محمد جمیل۔ ڈھاکہ (بنگلا دیش)

قاری محمد یحییٰ رسول نگری۔

ملک بشیر احمد۔ چھانگا مانگا۔ ضلع قصور

ہارون رشید۔ اسلام آباد

حاکم دین رحمانی۔ کراچی

مولانا محمد یوسف کلکتوی نے ۱۱۔ ستمبر ۱۹۷۰ء کو کراچی میں وفات پائی۔ ان کے فرزند گرامی شعیب نے ارکانِ جماعت کے ساتھ ان کی تجہیز و تکفین کی۔ واقعہ یہ ہے کہ وہ ہر دل عزیز عالم، مشہور مدرس، طلبا کے ہم درد استاد، غریبوں کے معاون اور بہترین خطیب تھے جو اللہ کو پیارے ہوگئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا ممدوح کی اولاد میں کوئی بھی ان کی جگہ نہ لے سکا۔ نہ علم و عمل میں، نہ وعظ و تقریر میں،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

نہ اثر ورسوخ میں۔ ان کے حالات لکھنے کی بھی ان کے خاندان کے کسی شخص کو توفیق نہ ہوئی۔ ان کے ایک شاگرد ملک بشیر احمد نے ان پر ایک طویل مضمون لکھا جو لاہور کی مشہور درس گاہ جامعہ ابن تیمیہ کے ترجمان سہ ماہی ''نداء الجامعہ'' میں قسط وار چھپا۔ میں نے اسی مضمون سے یہ سطور اخذ کی ہیں جو قارئین کرام کے مطالعہ میں آئیں۔

اللهم اغفرله وارحمه وعافه واعف عنه .



" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مولانا سید تقریظ احمد سہسوانی

(وفات ستمبر ۱۹۷۱ء)

۱۹۴۵ء کے ماہِ اکتوبر کی کوئی تاریخ تھی کہ مجھے جمعیت علماے ہند (دہلی) کے مرکزی دفتر سے جمعیت کی ایک میٹنگ میں شرکت کا دعوت نامہ موصول ہوا۔ میں اس زمانے میں مرکز الاسلام (ضلع فیروز پور) میں خدمت تدریس انجام دیتا تھا اور حضرت مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی فیروزپور کی گنبداں والی مسجد اہل حدیث میں خطابت وتدریس کے منصب پر فائز تھے۔ انھیں بھی اس میٹنگ میں دعوتِ شرکت دی گئی تھی۔ وہ ضلع فیروزپور کی جمعیت علماے ہند شاخ کے صدر بھی تھے۔ ہم دونوں مقررہ تاریخ پر اس میٹنگ میں شرکت کے لیے دہلی گئے تھے۔ میٹنگ دو دن جاری رہی تھی۔ لیکن ہمارا قیام دہلی میں پانچ یا چھ دن رہا۔

اک دن مولانا ممدوح مجھے باڑہ ہندو راؤ میں حضرت مولانا محمد جونا گڑھی کی کوٹھی پر لے گئے۔ مولانا جونا گڑھی تو اس سے ساڑھے چار سال پیشتر مارچ ۱۹۴۱ء میں وفات پاگئے تھے، لیکن ان کا مکتبہ محمدی موجود تھا اور ''اخبار محمدی'' جاری تھا۔ یہ سطور ۲۳۔ اگست ۲۰۰۸ء کو لکھی جارہی ہیں۔ اس حساب سے میں آج سے ۶۳ برس پہلے کی بات کررہا ہوں۔

مولانا محمد جونا گڑھی کی کوٹھی یعنی مکتبہ محمدی اور اخبار محمدی کے دفتر میں جس شخص سے ہم ملے اور مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی نے جن سے کچھ دیر باتیں کیں، ان کا جو حلیہ اور قد کاٹھ میرے ذہن میں رہا اور آنکھوں کے سامنے گھوم رہا ہے، وہ کچھ اس قسم کا تھا۔ قدرے طویل قامت، جسم مائل بہ فربہی۔ گندمی رنگ، کتابی چہرہ، تیکھی ناک، خندہ رو، خوش گو۔ آنکھوں پر نظر کی عینک۔ ڈاڑھی سفید اور سیاہ بالوں کا مجموعہ۔ کرتا پاجامہ پہنے ہوئے۔ سر پر سفید کپڑے کی ٹوپی۔ یہ تھے مولانا سید تقریظ احمد سہسوانی۔ میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ جو کچھ میں نے لکھا ہے، وہ بالکل صحیح ہے، لیکن میرے ذہن میں ان کے حلیے اور لباس وغیرہ کا نقش کچھ اسی قسم کا سمایا ہوا ہے۔ ہر بات انسان کو یاد بھی نہیں رہتی اور ہر بات بھولتی بھی نہیں۔ عین ممکن ہے کوئی بات ذہن سے نکل گئی ہو۔ ظاہر ہے اتنے لمبے عرصے کی تمام باتیں پوری طرح تو یاد نہیں رہتیں۔

آدھ پون گھنٹا ہم ان کے پاس رہے، پھر دارالحدیث رحمانیہ چلے گئے۔ وہاں حضرت مولانا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

عبید اللہ رحمانی اور مولانا نذیر احمد املوی سے ملاقات ہوئی۔

اب آئندہ سطور میں مولانا سید تقریظ احمد سہسوانی کے حالات ان کے فرزند گرامی قدر سید ابن احمد نقوی کی ایک تحریر کی روشنی میں خوانندگانِ محترم کی خدمت میں پیش کیے جاتے ہیں۔ یہ وہی سید ابن احمد نقوی ہیں جو کسی زمانے میں دہلی کے ماہنامہ ''التوعیہ'' میں لکھا کرتے تھے اور ان کے رقم فرمودہ مضامین نہایت شوق اور دلچسپی سے پڑھے جاتے تھے۔ آج کل مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے اخبار پندرہ روزہ ''ترجمان'' (دہلی) میں ان کے افکارِ عالیہ قارئین کے مطالعہ میں آتے ہیں، کبھی اداریے کی شکل میں اور کبھی کتابوں پر تبصرے کی صورت میں۔

مولانا سید تقریظ احمد سہسوانی ہندوستان کے صوبہ یوپی کے قصبہ سہسوان (ضلع بدایوں) میں ۱۹۰۲ء میں پیدا ہوئے۔ یہ ایک مردم خیز قصبہ ہے جس میں بے شمار علماء وصلحا نے جنم لیا اور ان میں سے بعض نے بے حد علمی اور تدریسی کارنامے سرانجام دیے۔ اس زریں فہرست میں شمس العلماء مولانا سید امیر حسن، ان کے فرزند گرامی شمس العلماء مولانا سید امیر احمد اور حضرت مولانا محمد بشیر جیسے نابغۂ روزگار اصحابِ علم شامل ہیں۔ یہ بزرگانِ عالی قدر حضرت میاں سید نذیر حسین دہلوی کے ارشد تلامذہ میں سے تھے اور ان کی دینی خدمات کا دائرہ بہت وسیع تھا۔

سید تقریظ احمد کی ابتدائی تعلیم اپنے آبائی مسکن سہسوان میں ہوئی۔ اس وقت ان کے بڑے بھائی حافظ سید محمد عزیر مراد آباد میں مقیم تھے، مزید تعلیم کے لیے وہ ان کے پاس مراد آباد چلے گئے۔ مروّجہ دینی علوم کے علاوہ انگریزی کی ابتدائی تعلیم بھی انھوں نے وہیں پائی۔ مراد آباد سے دہلی آئے اور مولانا محمد جونا گڑھی کے مدرسہ محمدیہ (واقع اجمیری گیٹ) میں داخلہ لیا۔ وہیں قرآنِ مجید حفظ کیا اور وہیں سے سند فضیلت لی۔

بعد ازاں مولانا شرف الدین دہلوی کے مدرسہ سعیدیہ میں داخل ہوئے جو پل بنگش میں قائم تھا۔ ان سے حدیث اور دیگر علوم کی بعض کتابیں پڑھیں اور سند حاصل کی۔ دینیات کی تعلیم سے فارغ ہو کر مسیح الملک حکیم اجمل خاں کے طبیہ کالج میں داخلہ لیا اور کامل الطب والجراحت کی ڈگری سے سرفراز ہوئے۔ لیکن طبابت کو پیشہ نہیں بنایا اور تدریس سے وابستہ ہو گئے۔ ان کا اصل تعلق مولانا محمد جونا گڑھی سے رہا۔ مولانا جونا گڑھی ان کی علمی صلاحیتوں سے آگاہ تھے، اس لیے انھوں نے مکتبہ محمدی اور اخبارِ محمدی کے لیے ان کی خدمات حاصل کرلیں۔ اس کے علاوہ ان کے مدرسہ محمدی میں وہ خدمت تدریس بھی سرانجام دینے لگے۔

۱۹۳۰ء میں سید تقریظ احمد سہسوانی کی شادی شمس العلماء مولانا سید امیر احمد سہسوانی کی پوتی سیدہ فاخرہ سے ہوئی۔ سید ابن احمد نقوی اسی نیک بخت خاتون کے بطن سے پیدا ہوئے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مارچ ۱۹۴۱ء میں مولانا جوناگڑھی اچانک اپنے وطن جوناگڑھ میں وفات پاگئے تو ان کی وصیت کے مطابق اخبار محمدی کی ادارت اور مکتبہ محمدی کی دیکھ بھال کی ذمہ داری سید تقریظ احمد سہسوانی کے سپرد کی گئی۔ ''اخبارِ محمدی'' میں یوں تو مختلف حضرات کے مضامین شائع ہوتے تھے، لیکن زیادہ تر مولانا جوناگڑھی کی تصانیف کے اقتباسات معرضِ اشاعت میں آتے تھے۔ اس کا حلقۂ اشاعت علماے کرام اور دینی مدارس سے تعلق رکھنے والے لوگوں تک محدود تھا۔ بعض اصحابِ ثروت مالی تعاون بھی کرتے تھے۔

۱۹۴۷ء کے پر آشوب دور میں ہندوستان کے مسلمانوں کے بڑے بڑے ستون گر گئے تھے۔ مدارس بند ہوگئے تھے اور مسلمانوں کے اخبارات کی اشاعت کا دائرہ بہت سمٹ گیا تھا۔ اس کی زد اخبار محمدی پر بھی پڑی اور وہ بند ہوگیا۔ تاہم مکتبہ محمدی باقی رہا۔ اس وقت سید تقریظ احمد سہسوانی مدرسہ سعیدیہ پل بنگش میں قیام پذیر تھے۔ حالات زیادہ سنگین ہوئے تو اپنے بھائی حافظ سید محمد عزیر کے پاس مراد آباد چلے گئے۔

پھر جب وقت کا دھارا بدلا یعنی دلّی والوں کے بقول شہر میں امّی جمّی ہوئی تو سید تقریظ احمد مراد آباد سے واپس دلّی آگئے اور بکھرے ہوئے کاروبار کو سنبھالنا شروع کیا۔ اب صورتِ حال یکسر بدل چکی تھی۔ دلّی کے بااثر مسلمانوں کا بڑا طبقہ ترکِ وطن کر چکا تھا اور جو لوگ رہ گئے تھے، وہ طوفانی حالات کے تھپیڑے کھا رہے تھے۔ مدارس بند، علماء منتشر، مساجد ویران، ایسے میں اخبار محمدی یا مکتبہ محمدی کی پذیرائی کہاں ہوتی۔

۱۹۵۰ء میں حافظ حمید اللہ مرحوم نے مولانا سید تقریظ احمد سہسوانی کو حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری کے ہفت روزہ اخبار ''اہل حدیث'' کے زندہ کرنے کا مشورہ دیا۔ حافظ صاحب ممدوح جماعت اہل حدیث کے انتہائی مخلص رہنما اور اس کے بہت بڑے معاون تھے۔ جماعتی سلسلے میں ان کے بے پناہ مالی ایثار کی وجہ سے لوگ انھیں ''حاتم جماعت'' کہا کرتے تھے اور یہ ان کے لیے بالکل صحیح لقب تھا۔ سخاوت ان کی پہچان اور جودت ان کی علامت تھی۔ جہاں اور جس وقت ضرورت پڑی، حافظ صاحب نے اپنی مالی خدمات حاضر کردیں۔ اس سلسلے میں وہ نہایت فراخ حوصلہ اور کشادہ دست تھے۔ اب بھی ایسا ہی ہوا۔ اخبار ''اہل حدیث'' کے اجرا کے لیے انھوں نے اچھی خاصی رقم مخصوص کردی۔ چناں چہ دہلی سے مولانا سید تقریظ احمد سہسوانی کی ادارت میں اخبار جاری کردیا گیا۔ اس کا دفتر وہی تھا جو مولانا محمد جوناگڑھی کے ''اخبارِ محمدی'' کا تھا۔ یعنی مولانا جوناگڑھی کی کوٹھی۔

اخبار ''اہل حدیث'' کے معاون مدیر اس وقت حکیم عبدالشکور شکراوی کو بنایا گیا تھا۔ لیکن کوشش

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کے باوجود دہلی کا اخبار ''اہل حدیث'' امرتسر کے اخبار ''اہل حدیث'' کا نقش ثانی نہ بن سکا۔ اس لیے کہ وقت کی رفتار بالکل بدل گئی تھی اور حالات نے ایسا رخ اختیار کرلیا تھا کہ اس تغیر شدہ ماحول اور انقلاب زدہ فضا میں خود مولانا ثناء اللہ امرتسری بھی اسی پہلے انداز میں اخبار جاری رکھنا چاہتے تو نہ رکھ سکتے۔ کیوں کہ مذہبی معاملات بھی بدل گئے تھے اور سیاسی کوائف بھی منقلب ہوگئے تھے اور لوگوں کے ذہنوں میں بھی تغیر رونما ہوگیا تھا۔ تاہم شدید نامساعد دور میں بھی وہ اخبار کافی عرصہ دہلی سے شائع ہوتا رہا۔ اس اثنا میں ایک حادثہ یہ پیش آیا کہ مولانا محمد جونا گڑھی کی وہ بلڈنگ جس سے اخبار شائع ہوتا تھا، کسٹوڈین کے قبضے میں چلی گئی اور اس کے بعد کسی طرح سیالکوٹ کے ایک سکھ نے اپنے نام الاٹ کرالی۔ پھر عدالت کی طرف سے اس کے حق میں فیصلہ ہوگیا اور اس نے اس پر قبضہ کرلیا۔

چلتے چلتے یہاں یہ بھی سنتے جایے کہ دہلی کے دارالحدیث رحمانیہ کی عمارت بھی خالی قرار دے دی گئی تھی اور کسٹوڈین کے قبضے میں آ گئی تھی۔ مولانا ابوالکلام آزاد کو اس کا پتا چلا تو انھوں نے دہلی کی جماعت اہل حدیث کے بعض ارکان سے رابطہ کرکے فرمایا کہ اگر جماعت اہل حدیث اس عمارت کو اپنی تحویل میں لینا چاہتی ہے تو وہ اس کا قبضہ اسے دلا سکتے ہیں۔ ابتدائی طور پر مولانا کے کہنے سے اس کا ایک کمرہ مولانا تقریظ احمد سہسوانی کے حوالے کردیا گیا کہ وہ اس میں تدریس کا سلسلہ شروع کردیں۔ چند طلبا بھی آ گئے اور تدریس کا آغاز بھی ہوگیا۔ لیکن دہلی کی جماعت اہل حدیث اس وقت شدید انتشار کا شکار تھی اور آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کے ارکان سخت پریشانی کی کیفیت سے دوچار تھے۔ اس لیے کوئی پیش رفت نہ ہوسکی اور دارالحدیث رحمانیہ کی عمارت شفیق الرحمٰن قدوائی میموریل ٹرسٹ کو دے دی گئی۔ اب اس عمارت میں شفیق میموریل سینئر سیکنڈری اسکول قائم ہے۔ اس طرح دہلی کی جماعت اہل حدیث اپنے اس تاریخی اور علمی ورثے کو دوبارہ قبضے میں نہ لے سکی۔ تنہا مولانا تقریظ احمد سہسوانی اتنا بڑا کام ہرگز نہیں کرسکتے تھے۔ جس کمرے میں انھوں نے تدریس کا سلسلہ شروع کیا تھا، وہ بھی انھیں خالی کرنا پڑا۔

اب مولانا سید تقریظ احمد سہسوانی کے بارے میں چند اور باتیں سنیے، جن کا تعلق ان کی تدریسی زندگی سے بھی ہے، معاشرتی اور معاشی زندگی سے بھی ہے اور حالات کے مطابق ان کی سخاوت اور وسعت قلبی سے بھی ہے!

⊙..... انھوں نے ساری عمر دلّی کی مسجدوں میں گزار دی۔ مکان خریدنا تو کجا کبھی کرایے پر بھی مکان نہیں لیا، حالاں کہ اس زمانے کی دلّی میں اچھا خاصا مکان پانچ سات روپے ماہانہ کرایے پر مل جاتا تھا۔ لیکن ان کی رات مسجد میں تہجد پڑھتے یا مطالعۂ کتب میں بسر ہوتی تھی اور دن کسی نہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کسی مدرسے میں طلبا کو پڑھاتے ہوئے گزرتا تھا۔

⊙..... وہ اپنی ذات اور گھر میں خرچ کرنے کے بجائے، دوسروں کی مدد میں ہمیشہ پیش پیش رہے۔ اپنے عزیزوں کی انھوں نے بے حد مالی مدد کی۔ بہت سوں کو قرض کے طور پر روپے دیے جو کبھی واپس نہ ملے۔ ان کی صلہ رحمی کی وجہ سے کئی عزیز مستقل طور سے ان پر بوجھ بن گئے۔ وہ ہمیشہ ان سے مطالبے اور تقاضے کرتے رہے اور وہ ان کے مطالبے اور تقاضے پورے کرتے رہے۔

⊙..... صبح سے شام تک سائل ان کے پاس آتے اور وہ ہر ایک کو کچھ نہ کچھ ضرور دیتے۔ بعض اوقات خود بھوکے رہتے اور مانگنے والے کو خالی ہاتھ نہ لوٹاتے۔

⊙..... ہندوستان میں گانے بجانے اور موسیقی نوازوں کے کئی گھرانے ہیں مثلاً جے پور گھرانا، بڑودہ گھرانا، رام پور گھرانا۔ اسی طرح سہسوان گھرانا بھی ہے جو گویّوں کا خاصا بڑا گھرانا ہے۔

مولانا ممدوح اپنے وطن سہسوان آتے تو بہت سے گانے والے انھیں سلام کرنے کے لیے حاضر ہوجاتے اور مولانا سب کو کچھ نہ کچھ دیتے۔ جب لوگ اعتراض کرتے کہ آپ ان گویّوں کو کیوں دیتے ہیں تو فرماتے یہ لوگ آس لگا کر آتے ہیں، انھیں مایوس نہیں کرنا چاہیے۔

⊙..... ان کی اس بخشش اور عطا نے جہاں کچھ لوگوں کو سہارا دیا تو کچھ لوگوں کو نقصان بھی پہنچایا۔ جب انھوں نے دیکھا کہ بغیر محنت کے مل جاتا ہے تو ہاتھ توڑ کر بیٹھ گئے اور مولانا ان کی مدد فرماتے رہے۔ اس زمانے میں ایک دو روپے کی مدد بھی بہت بڑی مدد تھی۔ بلکہ دو چار آنے بھی بڑی اہمیت رکھتے تھے۔

⊙..... مولانا ممدوح کا اصل مشغلہ درس وتدریس تھا۔ قرآن وحدیث اور دیگر علوم وہ نہایت شوق اور دلجمعی سے پڑھاتے تھے۔ علم منطق سے انھیں خاص طور پر دلچسپی تھی۔ دہلی کے جن مدارس میں ان کا سلسلۂ تدریس جاری رہا، وہ تھے مدرسہ فیاضیہ، مدرسہ سعیدیہ اور مدرسہ ریاض العلوم۔ مدرسہ ریاض العلوم میں انھوں نے طویل مدت تک خدمت تدریس سرانجام دی۔ جس زمانے میں وہ اخبارِ محمدی اور اخبار اہل حدیث کے منصب ادارت پر فائز تھے، اس زمانے میں بھی نمازِ ظہر اور نماز عصر کے بعد منتہی طلبا کو قرآن وحدیث کا درس دیتے تھے۔ بعض طلبا تحصیل علم کے لیے ان کے دفتر آجاتے اور وہ دفتری کام چھوڑ کر ان کو پڑھانا شروع کردیتے۔

⊙..... آخر عمر میں شیخ الحدیث مولانا عبدالسلام بستوی مرحوم کے مدرسہ ریاض العلوم میں پڑھانے لگے تھے۔ مولانا عبدالسلام فرمایا کرتے تھے کہ دہلی میں وہ مولانا سید تقریظ احمد کی کوشش سے آئے۔ مدرسہ ریاض العلوم سے مولانا سہسوانی تدریس کا کوئی معاوضہ نہیں لیتے تھے۔ البتہ دوپہر کا کھانا مولانا عبدالسلام کے ساتھ کھاتے تھے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

⊙..... مطالعہ کا انھیں انتہائی شوق تھا۔ جب تک نظر کام کرتی رہی رات کو بلب کی روشنی میں اخباروں اور کتابوں کا مطالعہ ان کا معمول رہا۔ جب بینائی سے معذور ہوگئے تو ایک طالب علم کو جزوقتی ملازم رکھ لیا تھا۔ وہ ظہر کے بعد آتا اور انھیں اخبار پڑھ کر سناتا۔ اخبار ''اہل حدیث'' کی ادارت کے زمانے میں جو رسائل وجرائد اس کے تبادلے میں آتے تھے، ان کے مضامین بھی پڑھوا کر سنتے۔

⊙..... سیاست میں بے حد دلچسپی لیتے تھے، لیکن عملی سیاست سے ہمیشہ دامن کشاں رہے۔ جمعیت علماے ہند کے آخر تک ابتدائی رکن رہے۔ ہر مہینے جمعیت کے دفتر سے اس کا محصل آتا اور ان سے ماہانہ چندہ وصول کرکے اس کی رسید دیتا۔

⊙..... مولانا ابوالکلام آزاد کے بہ درجہ غایت عقیدت مند تھے اور ان کا سیاسی نقطۂ نظر وہی تھا جو مولانا آزاد کا تھا۔ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی سے گہرے دوستانہ مراسم تھے۔ مولانا سیوہاروی جب بھی قرولباغ آتے واپسی پر مولانا تقریظ احمد کے پاس ضرور تشریف لاتے۔ بعض دفعہ گھنٹوں وہاں ٹھہرتے اور مختلف سیاسی اور علمی مسائل پر دونوں کے درمیان سلسلۂ گفتگو جاری رہتا۔

⊙..... باڑہ ہندوراؤ جہاں اخبار محمدی کا دفتر تھا، مسلکی اعتبار سے بریلوی اکثریت کا علاقہ ہے اور وہ لوگ اپنے مسلک میں نہایت متشدد ہیں، لیکن مولانا تقریظ احمد سہسوانی کا وہ انتہائی احترام کرتے تھے۔

⊙..... مولانا سہسوانی کم گو اور کم آمیز تھے۔ زہد وورع کا پیکر۔ عبادت گزار، جھگڑوں سے نفور۔ مسلکی اختلاف کے باوجود اس علاقے کے لوگ ان کی بے حد قدر کرتے تھے۔ بعض لوگ تو انھیں زندہ ولی قرار دیتے تھے۔ وہ نرم خو اور عالی ظرف تھے۔ مثبت انداز سے اپنا نقطہ نظر پیش کرتے تھے۔ فقہی اختلاف کو کفر وشرک کی حدوں تک نہیں پہنچاتے تھے۔ متحمل مزاج اور خوش اخلاق تھے۔

⊙..... درویشی اور خاک ساری کا یہ عالم تھا کہ نہ کبھی اپنے آپ کو نمایاں کرنے کی کوشش کی، نہ آگے بڑھنے اور قیادت کا لبادہ اوڑھنے کا کبھی خیال آیا۔ رقابت، حسد، دشمنی اور بغض کے جراثیم سے ان کا ذہن پاک تھا اور سب سے حسن سلوک ان کا طرۂ امتیاز۔ کبیر بھگت کے الفاظ میں کہنا چاہیے۔

کبیرا کھڑا بازار میں مانگے سب کی خیر
نا کاہو کی دوستی نا کاہو سے بیر

⊙..... تقسیم ملک کے بعد ہندوستان کی تبدیل شدہ فضا میں مولانا تقریظ احمد نے جماعت اہل حدیث کو بیدار کرنے اور آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کے ذمہ داروں کو میدانِ عمل میں لانے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے لیے اخبار ''اہل حدیث'' کے صفحات وقف کر دیے تھے۔ اس موضوع پر جو مضامین آئے، وہ بہ طورِ خاص شائع کیے گئے۔ حکیم عبدالشکور شکراوی کے بعد مولانا عبدالحکیم مجاز اعظمی کو اخبار ''اہل حدیث'' کا معاون مدیر بنایا گیا تھا۔ وہ دارالحدیث رحمانیہ کے فارغ التحصیل اور معروف صحافی ہیں۔ شاعر اور ادیب ہیں۔ وہ کانفرنس کے جمود کو توڑنے کے لیے سرگرم ہوئے۔ اس اخبار کے صفحات میں انھوں نے ''ساقی نامہ'' کے عنوان سے ایک مشاعرے کا سلسلہ شروع کیا۔ جماعت کے شعراء نے نہایت شوق اور خوشی سے اپنی نظمیں ارسال کیں جو بڑے اہتمام سے شائع کی گئیں۔ اس سے جماعت میں ایک حرکت پیدا ہوئی اور کام کے لیے ارکانِ جماعت کے دلوں میں ایک جذبہ ابھرا۔ جماعت کے لیے یہ بیداری کی مہم تھی اور عمل کا پیغام، جس سے کانفرنس کے کرتا دھرتا میدان عمل میں آئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹ نومبر ۱۹۶۱ء کو ''نوگڑھ'' میں مولانا عبدالوہاب آروی کے زیر صدارت کانفرنس کا عظیم الشان اجتماع ہوا۔ ۷، ۸، ۹، مارچ ۱۹۴۴ء کو دہلی میں بصدارت مولانا ثناء اللہ امرتسری کانفرنس کا جلسہ منعقد ہوا تھا جو متحدہ ہندوستان میں جماعت اہل حدیث کی اس تنظیم کا آخری جلسہ تھا۔ اس سے سترہ سال بعد کانفرنس کا نوگڑھ اجلاس آزاد ہندوستان میں پہلا اجلاسِ عام تھا۔ اس اجلاس کو ہندوستان کی جماعت اہل حدیث کی نشأۃِ ثانیہ سے تعبیر کرنا چاہیے۔ اس سے قبل ۱۸، ۱۹، ۲۰ جنوری ۱۹۵۷ء کو پھاٹک حبش خاں (دہلی) میں کانفرنس کی مجلس عاملہ کا اجلاس منعقد ہوا تھا، جس میں آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کا نام ''مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند'' رکھا گیا۔ اور پھر پوری ہمت اور توانائی کے ساتھ جماعت سے تعلق رکھنے والے لوگ میدان کار میں اتر پڑے، جس کی تفصیل میں جانے کا یہ محل نہیں۔ یہاں صرف یہ عرض کرنا مقصود ہے کہ اس سلسلے میں عمل کا آغاز مولانا سید تقریظ احمد سہسوانی نے دہلی کے اخبار ''اہل حدیث'' سے کیا، جس کے وہ مدیر اعلیٰ تھے۔ اس اعتبار سے وہ ہندوستان کی جماعت کے بہت بڑے محسن تھے۔

یہاں یہ یاد رہے کہ آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کے قیام میں مولانا ثناء اللہ امرتسری کی کوششوں کا بہت بڑا دخل تھا۔ انھوں نے بار بار اپنے اخبار ''اہل حدیث'' میں جماعت کے علما وزعما سے جماعت کی تنظیم کے لیے اپیل کی اور متحدہ ہندوستان کے اصحابِ علم اور ارباب فکر کے نام لے لے کر درخواست کی کہ جماعت کو منظم کیا جائے۔ بالآخر مولانا کی اپیل رنگ لائی اور مدرسہ احمدیہ آرہ (صوبہ بہار) کے سالانہ ''مذاکرہ علمیہ'' کے اجتماع منعقدہ ۲۲، ۲۳ دسمبر ۱۹۰۶ء میں ''آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس'' کے نام سے جماعت کی تنظیم قائم کی گئی۔ لیکن اس سے اکتالیس برس بعد ملک آزاد ہوا تو جماعت کی اس تنظیم کا ڈھانچا بکھر گیا اور وہی امرتسر کا اخبار ''اہل حدیث'' دہلی سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جاری کیا گیا تو اگرچہ اس اخبار کا اب اکتالیس سال قبل کا انداز نہیں رہا تھا اور اس کے ایڈیٹر مولانا ثناء اللہ امرتسری نہیں تھے، تاہم یہ اخبار کسی نہ کسی صورت میں اسی اخبار کا پرتو تھا اور اس کے ایڈیٹر مولانا ثناء اللہ امرتسری کے بجائے مولانا سید تقریظ احمد سہسوانی تھے جو مولانا ثناء اللہ امرتسری کے بے حد معتقد تھے۔ انھوں نے جماعت کی اس تنظیم کے منتشر علما وزعما سے اس اخبار میں نہایت درد مندی سے بار بار اپیل کی اور آخر کار یہ اپیل مؤثر ثابت ہوئی اور جماعت نے ''مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند'' کے نام سے تنظیم کی شکل اختیار کرلی۔ ۳،۴/ اکتوبر ۱۹۵۶ء کو پریوا نارائن پور میں ہندوستان کی جماعت کا اجلاس مولانا سید تقریظ احمد سہسوانی کی صدارت میں منعقد ہوا تھا۔ یہ ہمیں معلوم نہیں کہ ہندوستان کی اس جمعیت کے موجودہ علما وزعما مولانا سید تقریظ احمد سہسوانی کی کوششوں سے آگاہ ہیں یا نہیں اور اگر آگاہ ہیں تو انھیں کبھی یاد بھی فرماتے ہیں یا بھول گئے ہیں۔ ہماری جماعت کے لوگ اپنے اوّلیں محسنوں کو عام طور سے بھول جاتے ہیں۔ میرا خیال ہے اپنی روایت کے مطابق مولانا تقریظ احمد کو بھی بھول گئے ہوں گے۔ کون کسی کو یاد رکھتا ہے اور کس کے پاس اپنے محسنوں کو یاد رکھنے کے لیے وقت پڑا ہے۔ میں بھی اس لیے یاد رکھتا ہوں کہ میرا تعلق پرانے لوگوں سے ہے اور پرانے لوگوں میں مرضِ وضعداری کے کچھ آثار ابھی تک موجود ہیں۔ میں بھی نئی نسل کا کوئی چھوٹا بڑا فرد ہوتا تو گزرے ہوئے دور کے خادمین جماعت اور اپنے محسنوں کو کب کا بھول چکا ہوتا اور پکار اٹھتا خس کم جہاں پاک۔

میں نے مولانا تقریظ احمد کو صرف ایک مرتبہ دیکھا تھا، جس پر ۶۴ برس کا طویل عرصہ بیت چکا ہے۔ اس کے بعد بہت سے انقلاب آئے اور دنیا کہیں سے کہیں پہنچ گئی۔ ملک دو حصوں میں بٹ گیا۔ افسوس ہے علم بھی بٹ گیا۔ اخلاق بھی بٹ گیا۔ حالاں کہ فیصلہ سرحدیں بانٹنے کا ہوا تھا۔ علم اور اخلاق بانٹنے کا نہیں ہوا تھا۔ تقسیم ملک کے بعد نہ میں نے ان کو دیکھا، نہ ان سے کوئی خط وکتابت ہوئی۔ لیکن میں نے ان کو یاد رکھا۔ اس کی وجہ فقط یہ ہے کہ میں پرانے دور کا آدمی ہوں اور پرانے لوگ مجھے یاد رہتے ہیں اور میں پرانے لوگوں کے بارے میں کچھ نہ کچھ لکھتا لکھاتا رہتا ہوں۔ کوئی پڑھے نہ پڑھے، میں اپنا کام اپنی ہمت کے مطابق جاری رکھتا ہوں۔

مولانا ممدوح نے ستمبر ۱۹۷۱ء میں اپنے آبائی وطن سہسوان ضلع بدایوں میں وفات پائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

اب ایک بات اور.....!

ادارہ ثقافت اسلامیہ میں ماہنامہ ''المعارف'' کے تبادلے میں دہلی سے ایک ماہانہ رسالہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

''التوعیہ'' آتا تھا۔ اس کے ایڈیٹر مولانا عبدالحمید رحمانی تھے۔

سید ابن احمد نقوی کا مضمون اس کے تقریباً ہر شمارے میں شائع ہوتا تھا۔ بہت اچھی زبان اور بہت عمدہ اندازِ نگارش۔ عام طور پر وہ ہندوستان کی سیاست کے موضوع پر لکھتے اور وہاں کے مسلمان جن حالات سے گزر رہے ہیں، اس کا خوب صورت اور مؤثر الفاظ میں تجزیہ کرتے تھے۔ ان کے مضامین مولانا محمد حنیف ندوی بھی پڑھتے تھے اور خوش ہوتے تھے۔ ادارے کے دیگر فیلو بھی اس جریدے کے منتظر رہتے تھے۔ پھر ''التوعیہ'' بند ہوگیا اور ہم ابن احمد نقوی کی نگارشات سے محروم ہوگئے۔ لیکن اس سے کچھ عرصہ بعد ان کا اسم گرامی ''ترجمان'' دہلی کے صفحات پر نظر نواز ہونے لگا۔ انھوں نے اس فقیر کی کتاب ''نقوشِ عظمت رفتہ'' پر تبصرہ کیا۔ پھر ''بزم ارجمندان'' پر کیا۔ اس کے بعد دوسری کتابوں پر کیا۔ اس طرح انھوں نے میری ان کتابوں پر نہایت محبت سے تبصرہ کیا جو ہندوستان میں چھپیں اور ان کے مطالعہ میں آئیں۔ میرے متعلق ان کی ایک نظم بھی ''ترجمان'' میں چھپی۔ پاکستان کے لوگ ہندوستان کے رسائل وجرائد بڑے شوق سے پڑھتے ہیں اور وہاں کے مسلمانوں کے حالات سے خاص طور پر واقفیت حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ میرا بھی یہی حال ہے۔ ہندوستان کی چھپی ہوئی جو چھوٹی بڑی کتاب مجھے ملتی ہے اور وہاں کا جو اخبار یا رسالہ میرے ہاتھ آتا ہے تمام کام چھوڑ کر اسے پڑھتا ہوں۔ وہاں کی جماعت اہل حدیث کے جو رسائل وجرائد میرے پاس آتے ہیں، ان کا مطالعہ تو یوں سمجھیے کہ میرے فرائض میں شامل ہے۔

چند مہینے پیشتر دہلی سے مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے سابق ناظم اعلیٰ مولانا عبدالوہاب خلجی لاہور تشریف لائے۔ کئی دن ان کا قیام یہاں رہا اور کئی دفعہ ان سے ملاقات ہوئی۔ میرے غریب خانے پر بھی ازراہِ کرم دو تین مرتبہ تشریف لائے۔ ان سے میں نے عرض کیا کہ میں مولانا سید تقریظ احمد سہسوانی پر مضمون لکھنا چاہتا ہوں۔ آپ کی وساطت سے ان کے بارے میں کچھ معلومات حاصل ہوجائیں تو شکر گزار ہوں گا۔ انھوں نے بتایا کہ ابن احمد نقوی صاحب جن کی نگارشات ''ترجمان'' (دہلی) میں چھپتی رہتی ہیں اور جنھوں نے تمہاری تصانیف پر تبصرے کیے ہیں، وہ مولانا تقریظ احمد سہسوانی کے فرزند گرامی ہیں۔ پھر انھوں نے ان کی علمی حیثیت کی وضاحت کی۔ اس سے مجھے نہایت مسرت ہوئی۔ چند روز بعد میں نے ان کو خط لکھا۔ اس کا جواب نہیں آیا تو دوسرا خط لکھا۔ اس کا جواب بھی نہیں آیا تو میں نے خیال کیا کہ شاید میرے خطوط انھیں نہیں ملے ہوں گے۔ مل جاتے تو ضرور جواب دیتے۔ اب میں نے ڈاکٹر عبدالوہاب انصاری کو کاسگنج خط لکھا جو صوبہ یوپی کا ایک شہر ہے۔ ان سے عرض کیا کہ وہ سید ابن احمد نقوی سے رابطہ کرکے ان سے کہیں کہ وہ مجھے اپنے والد

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

محترم مولانا سید تقریظ احمد سہسوانی کے حالات سے مطلع فرمائیں۔ اس تگ ودو کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابن احمد نقوی صاحب نے مجھے کچھ معلومات ارسال فرمائیں۔ ان کا نام نامی تو سید عبدالقدوس ہے، لیکن غالباً اپنے والد گرامی تقریظ احمد کی نسبت سے ''ابن احمد'' کہلاتے ہیں اور اسی نام سے لکھتے ہیں۔ گویا ان کا یہ قلمی نام ہے۔

ذیل میں ان کا مکتوبِ گرامی ملاحظہ فرمایئے جو انھوں نے ۵۔ جولائی ۲۰۰۸ء کو مجھے لکھا۔ اس سے ان کے علم وکمال کا بھی پتا چلے گا اور ہم ان کی تصنیفی سرگرمیوں سے بھی آگاہ ہوں گے۔ مکتوب کے بعض ابتدائی الفاظ قلم زد کردیے گئے ہیں۔

''قبلہ محترم بھٹی صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

''آپ کے دو گرامی نامے جو مارچ اور مئی ۲۰۰۸ء میں ارسال کیے گئے، کل یعنی ۴ جولائی کو مجھے دفتر ''ترجمان'' سے موصول ہوئے۔ ۲ جولائی کو کانسبخ سے جناب ڈاکٹر عبدالوہاب صاحب کا فون آیا تھا جس سے معلوم ہوا کہ آں محترم نے اس خاکسار کو مراسلے سے نوازا ہے۔ والد مرحوم کے بارے میں جو کچھ مجھے معلوم ہے، وہ میں نے لکھ دیا ہے اور ارسال خدمت ہے۔ اس سے قبل مولانا عبدالوہاب خلجی صاحب نے بھی آپ کا پیغام پہنچایا تھا۔ میں اس پس وپیش میں تھا کہ ان کے بارے میں کیا لکھوں۔ ان کی کوئی تصنیفی خدمات نہیں ہیں۔ بہرحال آں جناب کے حکم کی تعمیل میں قلم برداشتہ کچھ لکھ دیا ہے۔ اسے آپ اپنے سحر نگار قلم سے نیا رنگ عطا کرسکتے ہیں۔

''آپ کے مراسلے میرے لیے عزت واعزاز کا باعث ہوئے۔ آپ کی کتابیں پڑھ کر ہر قاری کی طرح میں بھی آپ کا عقیدت مند ہوں اور آپ کے اسلوب سے کچھ اخذ کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ میں آپ کا پرانا قاری ہوں۔ یہ بات میرے لیے باعث صد افتخار ہے کہ آپ جیسا دیدہ ور گرامی مرتبت عالم وادیب میری حقیر نگارشات کی تحسین کرتا ہے۔ ہم نے آپ جیسے بلند پایہ اہل قلم کے خوانِ ادب سے زلہ ربائی کر کے قلم پکڑنا سیکھا ہے۔

''دراصل ہم نے مضمون نگاری فرار کے طور پر اختیار کی۔ مجھے دِلّی میونسپل کارپوریشن میں ملازمت کرنا پڑی جو میری افتادِ طبع کے بالکل خلاف تھی۔ میونسپل ادارے عوامی نمائندوں اور افسروں کی کرپشن، جوڑ توڑ، تعصب، مغائرت، بیگانگی کا مرکز ہیں۔ کیا ہے جو ان اداروں میں نہیں ہوتا۔ میں بھی اپنے باپ کی طرح انتظامی امور میں مغفل ہوں۔ لیکن ملازمت کی ذمہ داریوں نے کئی دہائیوں تک اس آگ کے دریا میں غوطے کھانے پر مجبور کیا۔ اس ذہنی کوفت سے بچنے کے لیے میں نے قلم کا سہارا لیا۔ والد مرحوم کے اخبار ''اہل حدیث'' کو تختہ مشق بنایا۔ وہیں سے کچھ سیکھا۔ ۱۹۹۳ء میں ملازمت سے سبک دوشی ہوئی تو صرف پانچ ماہ کے بعد ہی میرا سب سے بڑا بیٹا سید محمد عارف

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

نقوی سڑک کے ایک حادثے میں شہادت پا گیا اور زندگی بکھر گئی۔ اب زندگی ۷۳ سال پورے کر رہی ہے۔ گویا کہ آفتابِ عمر لب بام آ گیا ہے۔ والد صاحب سے ضعف بصارت ورثے میں ملی ہے۔ اس وقت عالم یہ ہے کہ آنکھیں کم وبیش بینائی سے محروم ہو چکی ہیں۔ بس اللہ کی رحمت کے سہارے گاڑی چل رہی ہے۔ لکھنا پڑھنا مشکل سے مشکل تر ہو گیا ہے، لیکن جس طرح کسی کو نشے کی لت ہو جاتی ہے اور وہ ہر حال میں نشہ کرتا ہے، اسی طرح قلم ہاتھ سے نہیں چھوٹتا۔ سوچتا ہوں کہ اب چراغ گل ہونے کو ہے جب تک کچھ کام ہو سکے کر لیا جائے۔

''اب تک خاک سار کی پانچ انگریزی، پانچ منظوم اور تین نثر میں کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ The salafies کے نام سے تاریخ اہل حدیث اور Tarch hears of pristine faith کے عنوان سے انگریزی نظمیں اور فکر اقبال کے عنوان سے علامہ کے فارسی کلام پر تبصرہ (جس کی چودہ قسطیں ''التوعیہ'' میں شائع ہو گئی تھیں) کتابی شکل میں آ چکا ہے۔

''میں آں محترم کی کتاب ''اسلام کی بیٹیاں'' کے کچھ حصے (امہات المومنین اور آنحضرت ﷺ کی صاحب زادیوں) کو انگریزی میں منتقل کرنا چاہتا ہوں، اگر آں جناب اجازت مرحمت فرمائیں۔ نیز آپ کے وقیع مضمون ''گیانی ذیل سنگھ'' کے انگریزی ترجمے کا ارادہ ہے۔

گزشتہ اپریل میں میرے دل کا بند آپریشن (انجیو پلاسٹی) ہوا تھا، ابھی تک نقاہت کا عالم ہے۔ اگر صحت اور عمر نے ساتھ دیا تو یہ کام ہو سکے گا۔ سیرت نبوی ﷺ پر بھی انگریزی مسودہ تیار ہے۔ اس کے بعد خلفائے راشدین کے سوانحی خاکے مرتب کرنے کی آرزو ہے۔ اللہ یہ کام پورے کرادے تاکہ بقول شبلی خاتمہ بالخیر ہو۔

''کراچی گلشن اقبال میں میرے خالہ زاد بھائی سید عبدالنصیر رضوی رہتے تھے جو انگریزی کے صحافی تھے۔ فرنٹیر پوسٹ میں ان کے مضامین شائع ہوتے تھے۔ دو سال پہلے ان کا انتقال ہو گیا۔ وہ مجھ پر بہت شفقت فرماتے تھے اور میرے لیے بہت بڑا جذباتی سہارا تھے۔ ان کی وفات نے بھی ذہنی اور جذباتی طور پر مجھے ہلا کر رکھ دیا۔ اسی احساس سے کچھ تسکین ملتی ہے کہ ہم بھی جلد ان سے ملنے والے ہیں۔ آج وہ، کل ہماری باری ہے۔

''آپ جس خاموشی سے کام کر رہے ہیں، اسے دیکھ کر حسرت ہوتی ہے کہ ایک تنہا شخص وہ کام کر رہا ہے جو اکیڈیمیوں اور اداروں میں جماعتیں کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت وعافیت سے رکھے کہ آپ کی ذات والا صفات نواب صدیق حسن خاں اور علامہ امرتسری جیسے عظیم المرتبت کثیر التصانیف عبقری علماء کی یاد دلاتی ہے۔

''مراسلہ طویل ہو گیا۔ حکایت لذیذ نہیں تھی، پھر بھی دراز تر ہو گئی۔ میں ایک بار پھر آں محترم کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے خاک سار کو اپنے مراسلات سے سرفراز فرمایا۔ سب کو سلام پیش کردیں۔ امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوگا۔ والسلام"

نیاز مند

ابن احمد نقوی

۵۔ جون ۲۰۰۸ء

فاضل مکتوب نگار نے اس فقیر کے متعلق جو الفاظ تحریر فرمائے ہیں، ان کی وجہ سے اس کی اشاعت میں مجھے کچھ جھجک محسوس ہوئی۔ لیکن اسے اس لیے شائع کیا گیا ہے کہ ان کی تصنیفی کاوشیں قارئین کے علم میں آجائیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا پاکستان کی جماعت اہل حدیث میں بھی ایسے اہل علم ہیں جنھوں نے انگریزی زبان میں کوئی علمی کام کیا ہو یا کرنے کی صلاحیت یا آرزو رکھتے ہوں؟ ہمارے خیال میں جواب نفی میں ہے۔ ہم میں سے اکثر کا معاملہ یہ ہے کہ **یحبون ان یحمدوا بما لم یفعلوا**

مولانا سید تقریظ احمد سہسوانی کے متعلق ان کے فرزند گرامی قدر سید ابن احمد نقوی کی ارسال کردہ تحریر کی روشنی میں اس فقیر کی گزارشات قارئین کرام کے مطالعہ میں آئیں۔ اس کے بعد اس ضمن میں مزید معلومات ملاحظہ فرمایئے۔

اس وقت ہفت روزہ "الاعتصام" کے دو شمارے میرے پیش نگاہ ہیں۔ ایک ۱۱۔ اکتوبر ۱۹۷۳ء کا جس میں حاجی محمد صالح آف علی جان اور مولانا تقریظ احمد کے بارے میں ہندوستان کے اخبار "ترجمان" کے حوالے سے ملتان کے شیخ عبدالرشید صدیقی مرحوم کی چند تعزیتی سطور مرقوم ہیں۔ مولانا سہسوانی کے متعلق صدیقی صاحب لکھتے ہیں:

> "معلوم ہوا ہے کہ ہفت روزہ "اہل حدیث" (دہلی) کے مدیر حضرت مولانا سید تقریظ احمد سہسوانی انتقال فرما گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مولانا سید تقریظ احمد مرحوم کے اداریے اور مقالے بارہا اخبار "اہل حدیث" کے کالموں میں مطالعہ سے گزرے ہیں۔ ان سے ذاتی تعارف تو نہیں تھا مگر ان کے مضامین کے مطالعہ سے پتا چلتا تھا کہ وہ ہندوستان بھر میں مسلک اہل حدیث کے پر جوش داعی اور کتاب وسنت کی اشاعت کے لیے سرشار ہیں اور دیوانگی سے اپنے فرائض کی ادائیگی کرتے رہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ حضرت مولانا محمد بشیر سہسوانی رحمہ اللہ مصنف کتاب "البرہان العجاب فی فرضیۃ فاتحۃ الکتاب" کے قریبی عزیزوں میں سے تھے اور ان کو محدث شہیر کا فیضان نصیب تھا۔ ایسے بزرگانِ جماعت کی وفات ہندوستان اور پاکستان کے برادران اہل حدیث کے لیے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

واقعی صدمۂ عظیمہ ہے۔"

یہ سطور "ترجمان" دہلی کے حوالے سے مولانا تقریظ احمد سہسوانی کی وفات سے تقریباً دو سال بعد "الاعتصام" میں شائع ہوئیں۔ "ترجمان" کا یہ شمارہ بھی مولانا عبدالرشید لداخی ندوی مرحوم کی معرفت ملا جو اس وقت جامعہ تعلیماتِ اسلامیہ (فیصل آباد) میں خدمت تدریس سرانجام دیتے تھے۔ افسوس ہے مولانا تقریظ احمد سہسوانی کے بعد مولانا عبدالرشید لداخی ندوی بھی وفات پاگئے اور شیخ عبدالرشید صدیقی بھی سفر آخرت پر روانہ ہوگئے۔

الاعتصام کا دوسرا شمارہ ۸۔ نومبر ۱۹۷۴ء کا ہے یعنی مولانا سہسوانی کی وفات سے تین سال بعد کا۔ اس میں "آفتابِ علم آغوشِ رضوان میں" کے عنوان سے مولانا عبدالسلام بستوی دہلوی کا مختصر مضمون (شائع شدہ ماہنامہ "الاسلام" دہلی بابت ماہ اکتوبر ۱۹۷۱ء) مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی کے نوٹ کے ساتھ چھپا ہے۔ نوٹ میں مولانا عطاء اللہ صاحب نے بیان فرمایا ہے کہ کسی نہ کسی طریقے سے ۱۹۲۶ء سے ۱۹۷۰ء تک ان کی مولانا تقریظ احمد سے "راہ ورسم رہی۔" یہ بھی بتایا ہے کہ وہ ایک مرتبہ پاکستان بھی تشریف لائے تھے۔ اس سے آگے مولانا عطاء اللہ حنیف اپنے ادارتی نوٹ میں تحریر فرماتے ہیں: "افسوس ہے ان کے تفصیلی سوانح حیات کا علم نہیں۔ مکرم دوست مولانا ثروت کمال صاحب نقوی سہسوانی ایم اے کراچی سے (جو حضرت الفاضل العلام مولانا سید اقتدار احمد سہسوانی کے خلف الرشید اور مولانا سید تقریظ احمد کے عزیز ہوتے ہیں) سے درخواست ہے کہ پہلی ممکن فرصت میں مرحوم کے حالات پر روشنی ڈالیں تاکہ الاعتصام میں اشاعت پذیر ہوسکیں۔" لیکن اس کے بعد الاعتصام کی کسی اشاعت میں مولانا تقریظ احمد کے بارے میں چھوٹی بڑی کوئی بات مجھے نہیں ملی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی نے مولانا ثروت کمال نقوی سہسوانی سے جو "درخواست" کی تھی، اس پر وہ عمل نہیں کرسکے۔

یہ بھی عجیب بات ہے کہ مولانا عطاء اللہ صاحب کے بقول "برسہا برس" (از ۱۹۲۶ء تا ۱۹۷۰ء) تقریباً پچاس سال ان سے ان کی راہ ورسم رہی اور وہ ان پر شفقت بھی فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ پاکستان بھی تشریف لائے۔ لیکن ان کے بارے میں ان کے پاس اتنے معلومات نہیں تھے کہ وہ ان پر مضمون لکھ سکیں۔

اب ذیل میں مولانا سہسوانی کے متعلق مولانا عبدالسلام بستوی کے مضمون کا مطالعہ کیجیے!

"گزشتہ ماہ کا سب سے اندوہناک اور روح فرسا حادثہ جامع المنقول والمعقول حضرت مولانا سید تقریظ احمد سہسوانی کی وفات حسرت آیات ہے۔ مرحوم کافی دنوں سے بیمار تھے۔ کون جانتا تھا کہ یہ بیماری جان لیوا ثابت ہوگی اور موت کے بے رحم ہاتھ ہم سے انھیں چھین لیں گے۔ آپ کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

وفات کی خبر بجلی بن کر گری۔

لعمرک ما الرزیة فقد مال
ولا فرس یموت ولا بعیر
ولکن الرزیة فقد حر
یموت لموته خلق کثیر

(یعنی مال ومتاع اور زر وجواہرات کا کھو جانا افسوس ناک بات نہیں ہے۔ افسوس ناک بات یہ ہے کہ ایسی شخصیت موت کا لقمہ بن جائے جس کے غم میں خلق کثیر پر موت طاری ہوجائے۔)

''بلاشبہ مولانا مرحوم کے اچانک چلے جانے سے ایسی جگہ خالی ہوئی ہے، جس کا پُر ہونا محال نظر آتا ہے۔ آپ کی ذات جن خوبیوں کی جامع تھی، انھیں دائرۂ تحریر میں نہیں لایا جاسکتا۔ برسوں آپ مدرسہ ریاض العلوم میں حسبۃ لِلّٰہ درس وتدریس کا فریضہ انجام دیتے رہے اور انتہائی ضعف وپیری کے باوجود صدر بازار سے مدرسے تک (تقریباً تین میل) پیدل آتے۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ آپ کے ہر کام میں خلوص کارفرما ہوتا۔ قناعت واستغنا آپ کی فطرت ثانیہ تھی۔ زہد وورع، خشیت وللّٰہیت اور تقویٰ وراست بازی میں اپنی مثال آپ تھے۔ درس وتدریس کا صحیح معنوں میں حق ادا کرتے تھے۔ موصوف آنکھوں سے معذور ہوچکے تھے لیکن درس وتدریس کے وقت طلبا کسی کتاب کی عبارت ان کے سامنے غلط نہیں پڑھ سکتے تھے۔ قرآن وحدیث کی تطبیق میں آپ کو خاص ملکہ حاصل تھا۔ عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق مسائل کے استنباط واستدلال میں مہارتِ تامہ رکھتے تھے۔ اگر تفسیر وحدیث اور فقہ میں دُرِّ یکتا تھے تو منطق وفلسفہ اور دیگر علومِ عقلیہ میں ہم عصر علما پر برتری حاصل تھی۔ اثنائے درس میں ایسے ایسے نکات بیان کرتے کہ طلبا ان کے گرویدہ ہوجاتے۔ آپ کی دلی تمنا یہ تھی کہ کوئی شخص صحیح معنوں میں آپ کا شاگرد ہو اور جملہ علوم جو خدا کی طرف سے انھیں عطا ہوئے تھے حتی الامکان اس کے ذہن ودماغ میں منتقل کردیں لیکن افسوس ایسا نہ ہوسکا۔

''آپ کی جماعتی خدمات بھی بہت اہم اور وقیع ہیں، جنھیں جماعت کبھی فراموش نہیں کرسکتی۔ حضرت مولانا محمد جونا گڑھی مرحوم کے بعد ان کے ''اخبارِ محمدی'' کو آپ نے کافی مدت تک سنبھالا اور اخبار ''اہل حدیث'' جو علامہ ثناء اللہ امرتسری مرحوم کی یادگار ہے، اسے آپ نے حادثاتِ دہر کی نذر ہونے سے بچایا اور اس وقت تک بحسن وخوبی چلاتے رہے جب تک ہمت اور مالی حالات نے ساتھ دیا۔ کافی عرصے تک وہ میرے شریک کار اور مشیر رہے۔ بے شک آپ کی شخصیت اللہ کی زمین پر کسی معجزہ سے کم نہ تھی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

''آپ کی زندگی اہل نظر کے لیے سراپا عبرت وموعظت تھی۔ ہمیشہ باوضو رہنا آپ کی خاص عادت تھی۔ اعلیٰ اخلاق اور پاکیزہ کردار کے لحاظ سے آپ اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ سادگی، ضبط وتحمل، خلوص ووفا جیسے صفات آپ کے اندر کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے تھے۔ آپ کی ذات مجسمہ صبر وشکیب تھی۔

''تکفین وتدفین میں شریک کار ایک معتبر عالم دین اور خدا ترس کا بیان ہے کہ آپ کی طبیعت مسلسل خراب چلی آ رہی تھی۔ لیکن ہوش وخرد نے ساتھ نہیں چھوڑا تھا۔ البتہ موت سے تھوڑی دیر پہلے گفتگو پر قادر نہیں تھے۔ مگر بہ وقت نزع نہایت مسرت اور ہوش وحواس کے ساتھ آپ نے ''وعلیکم السلام'' اور ''مزاج شریف'' کا لفظ ادا کیا اور پھر ہمیشہ کے لیے خاموش ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

''اور جس جگہ آپ کو غسل دیا گیا تھا، وہاں مسلسل چار یوم تک عطر بیز خوشبو آتی رہی۔ وفات کے بعد آپ کا چہرہ روشن اور نورانی ہوگیا تھا، اور قبر میں اتارنے والوں کا بیان ہے کہ مرحوم باوجودے کہ قوی الجثہ تھے لیکن اس وقت ان کا جسم اس قدر ہلکا محسوس ہوا جیسے کہ وہ ایک نوعمر بچے کو قبر میں اتار رہے ہوں۔ سچ ہے علم کا خزانہ بہ ظاہر ہلکا ہی ہوتا ہے۔

''دعا ہے اللہ تعالیٰ مرحوم کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا کرے اور اخلاف کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق بخشے۔ **اللھم اغفرله وارحمه وعافه واعف عنه واکرم نزله ووسع مدخله وادخله الجنة الفردوس، آمین۔**''

مولانا عبدالسلام بستوی نے مولانا سید تقریظ احمد سہسوانی کا تذکرہ اگرچہ مختصر الفاظ میں کیا ہے، لیکن اس اختصار میں بہت کچھ آ گیا ہے اور وہ جن خصوصیات کے حامل تھے، وہ اس میں بیان کردی گئی ہیں۔

محترم المقام سید ابن احمد نقوی نے میری ایک کتاب ''اسلام کی بیٹیاں'' کے بعض حصوں کے انگریزی ترجمے کے لیے اس فقیر سے اجازت چاہی ہے۔ نیز میری کتاب ''نقوشِ عظمت رفتہ'' میں گیانی ذیل سنگھ سے متعلق میرا جو مضمون شائع ہوا ہے، اس کا بھی وہ انگریزی ترجمہ کرنا چاہتے ہیں، میری طرف سے انھیں مکمل اختیار ہے، جس کتاب کا جس زبان میں جی چاہے ترجمہ کریں۔ گیانی ذیل سنگھ میرے دوست اور ہم وطن تھے جو ہندوستان کے منصب صدارت پر فائز ہوئے۔

میری متعدد کتابیں جو پاکستان میں چھپیں، ہندوستان کے بعض ناشروں نے شائع کردی ہیں۔ اس طرح وہ میرے افکار کو اپنے ملک میں پھیلانے کا باعث بنے ہیں۔

میرے ایک ہندوستانی دوست ڈاکٹر عبدالوہاب انصاری کے ایک خط سے معلوم ہوا تھا کہ میری کتاب ''برصغیر میں اسلام کے اوّلیں نقوش'' دیوبند کے ایک ناشر نے شائع کی ہے۔ اس سے قبل

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کاندھلہ (ضلع مظفر نگر) کے ایک دیوبندی عالم مولانا نور الحسن راشد نے بھی مجھے دیوبند میں اس کتاب کی اشاعت کی اطلاع دی تھی۔ انھوں نے یہ بھی لکھا تھا کہ اس کتاب کا ہندی ترجمہ بھی ہوگیا ہے، لیکن یہ معلوم نہیں کہ یہ ترجمہ چھپا بھی یا نہیں جو صاحب چھاپنا چاہتے ہیں، چھاپ لیں۔ میری طرف سے اجازت ہے۔ لیکن ناشر صاحب اگر مجھے اس کتاب کی ایک دو کاپیاں ارسال فرما دیں تو شکر گزار ہوں گا۔



" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مولانا عبدالجلیل سامرودی

(وفات ۱۹۷۳ء)

ہندوستان کے علاقہ گجرات کو کسی زمانے میں علم وعلماء کے بہت بڑے مرکز کی حیثیت حاصل تھی۔ متعدد مقامات میں اپنے عہد کے ممتاز علمائے کرام آباد تھے۔ متحدہ ہندوستان میں عربی کے تین ادیبوں نے بڑی شہرت پائی۔ وہ تھے مولانا عبدالعزیز میمن، مولانا محمد سورتی اور مولانا عبدالمجید حریری۔ حسن اتفاق سے یہ تینوں اہل حدیث تھے اور ان میں سے دو (مولانا عبدالعزیز میمن اور مولانا محمد سورتی) کا وطنی تعلق علاقہ گجرات سے تھا۔ گجرات ہی میں ایک گاؤں ''سامرود'' کے نام سے موسوم ہے۔ سامرود کے رہنے والے ایک عالم دین مولانا محمد سامرودی تھے جو اس علاقے میں علومِ حدیث میں عبور رکھتے تھے۔ ان کا انتقال ۱۵۔۱۳۱۴ھ (۹۸۔۱۸۹۷ء) میں طاعون کی بیماری سے ہوا۔ مولانا محمد سامرودی کے بیٹے مولانا ابوالسعادات علی احمد سامرودی تھے۔ یہ دونوں باپ بیٹا علم وعمل میں اپنا ایک مقام رکھتے تھے۔ مولانا عبدالجلیل سامرودی، انہی مولانا محمد کے پوتے اور مولانا ابوالسعادات علی احمد کے فرزند تھے۔

مولانا عبدالجلیل سامرودی متعدد کتابوں کے مصنف تھے۔ ان میں سے بعض کتابیں اردو میں ہیں، بعض عربی میں اور بعض گجراتی زبان میں۔ ان کی ایک کتاب کا نام ''زہرۃ ریاض الابرار'' ہے۔ اس کا نام عربی قسم کا ہے، لیکن یہ کتاب اردو زبان میں ہے۔ اس کے ابتدا میں انھوں نے ''تعارف مؤلف کتاب بقلم مؤلف زہرۃ ریاض الابرار'' کے عنوان سے اپنے حالات تحریر فرمائے ہیں۔ اس کا آغاز وہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> ''دوستو! اگر میں بذاتِ خود اپنا قدرے تعارف کراؤں تو معیوب نہ ہوگا۔ اس لیے کہ قدیم زمانے سے تاایں زمان علمائے اسلام برابر اپنی اپنی تالیف میں اپنا تعارف وتراجم لکھتے چلے آئے ہیں۔ نمونے کے لیے الفوائد البہیہ علامہ لکھنوی اور البدر الطالع امام شوکانی، تاریخ مصر وغیرہ سیوطی، تصانیف حافظ ابن حجر عسقلانی اور نواب والا جاہ بھوپالی وغیرہ وغیرہ۔ حسب ارشاد واما بنعمة ربک فحدث۔ نعمت خداوندی کا بلاافراط وتفریط ظاہر کرنا شرعاً معیوب نہیں۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مولانا سامرودی کا یہ ارشاد بے حد لائق تحسین ہے۔ اپنا تعارف خود کرانا چاہیے اور اپنے حالات سے لوگوں کو مطلع کرنا چاہیے۔ ہم کسی محکمے میں ملازمت کے لیے درخواست دیں تو اس میں اپنے تعلیمی کوائف لکھتے اور اپنی ڈگریوں سے متعلقہ محکمے کو مطلع کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہمیں اسلامی تاریخ بتاتی ہے کہ نبی ﷺ نے اپنے حالات سے لوگوں کو آگاہ فرمایا۔ صحابہ کرام نے اپنے واقعاتِ زندگی بیان فرمائے۔ ائمہ سلف نے اپنے تراجم کی تفصیلات لوگوں کے سامنے رکھیں۔ ان کے جن واقعات سے ہمیں شناسائی ہوئی ہے، وہ ہم تک کیسے پہنچے؟ ان میں سے بعض انھوں نے خود بتائے اور بعض دوسرے لوگوں نے بیان کیے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو تاریخ منجمد ہوجاتی اور ہم اپنے اسلاف کی تاریخ سے محروم رہ جاتے۔ اسی خدشے کے پیش نظر متعدد حضرات نے اپنے واقعاتِ حیات خود بیان کرنا ضروری سمجھا ہے، تاکہ ان کے بعد ان کے حالات لکھنے والوں کو پریشانی نہ ہو، اور نہ ان کے حالات میں افراط وتفریط سے کام لیا جائے۔

مولانا عبدالجلیل سامرودی ۱۰۔ ۱۳۰۹ھ (۹۳۔۱۸۹۲ء) کو بمقام سامرود پیدا ہوئے جو ان کا آبائی گاؤں تھا۔ ان کی ولادت سے چھ سات سال بعد ۱۸۹۷ء کے پس وپیش ان کے گاؤں میں طاعون کی وبا پھیلی، جس سے بے شمار لوگ وفات پاگئے اور مولانا کے بقول اس ''ہمہ گیر طاعون نے قریہ سامرود کے اکثر گھروں کو تالے لگوادیے تھے۔''

طاعون کی بیماری سے مولانا ممدوح کے خاندان کی اولاد نرینہ میں سے تین فرد زندہ بچے۔ ایک مولانا خود جو اس وقت چھ سات سال کے بچے تھے، دوسرے ان کے چچا کا ایک لڑکا اور تیسرے ان کے چچا۔ چار عورتیں موت سے محفوظ رہیں۔ ایک ان کی پھوپھی، ایک ان کے مرحوم چچا کی بیٹی اور دو مولانا کی بہنیں۔ بقول ان کے ''اللہ عزوجل نے اس طاعون میں اس گھرانے کا اختتام کردیا۔''

۱۳۲۲ھ (۵۔۱۹۰۴ء) میں مولانا عبدالجلیل سامرودی تحصیل علم کے لیے کسی نہ کسی طرح دہلی پہنچے اور حضرت میاں سید نذیر حسین رحمہ اللہ کے مدرسے میں قیام کیا۔ اس وقت ان کی عمر بارہ تیرہ سال کی تھی۔ مدرسے کے مہتمم نے یہ کہہ کر انھیں اس مدرسے میں داخل کرنے سے انکار کردیا کہ ہم کم سن بچوں کو اپنے مدرسے میں داخل نہیں کرتے۔ اس وقت وہاں مولانا عبدالعزیز میمن موجود تھے۔ انھوں نے مشورہ دیا کہ انھیں صدر میں مولوی عبدالوہاب صاحب کے مدرسے میں پہنچا دیا جائے، وہ ہر عمر کے طالب علم کو داخل کرلیتے ہیں۔ ان کے چچا یا ماموں مولانا محمد سورتی بھی وہیں مقیم تھے۔ انھیں مولانا عبدالوہاب صاحب کے مدرسے میں داخل کرا دیا گیا۔

مولانا عبدالجلیل سامرودی کی علمی حالت اس وقت یہ تھی کہ صرف ناظرہ قرآنِ مجید پڑھا تھا اور اردو کی دوسری اور تیسری دو کتابیں پڑھی تھیں۔ اردو اچھی طرح نہ بول سکتے تھے، نہ سمجھ سکتے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تھے۔ مولانا عبدالوہاب صاحب نے انھیں مدرسے میں داخل کر کے دوسرے طلبا کے ساتھ قرآنِ مجید کا ترجمہ شروع کرادیا اور ساتھ ہی ابواب الصرف شروع کرا دی۔ ترجمہ قرآن لفظی حرف بحرف پڑھایا جاتا تھا اور صیغے بھی پوچھے جاتے تھے۔

مولانا سامرودی فرماتے ہیں کہ ایک روز پڑھنے کی میری باری آئی۔ استاذ مرحوم نے ترجمہ اچھی طرح حرف بحرف سمجھایا اور پھر فرمایا: ''اب آگے چلو۔'' یعنی آگے کے الفاظ پڑھو۔ لیکن میں نے استاذ کے ساتھ وہی الفاظ زبان سے ادا کیے اور کہا: ''اب آگے چلو۔'' فرماتے ہیں: ''یہ تھی میری لیاقت۔''

خود فرماتے ہیں کہ وہ لکھنا نہیں جانتے تھے۔ ''بہ مشکل بس ٹوٹا پھوٹا سا لکھتے تھے۔''

وہ مناظروں کا دور تھا۔ غیر مسلموں سے بھی مناظروں کا سلسلہ چلتا تھا اور آپس میں بھی علم کا یہ دنگل جاری رہتا تھا۔ ایک مرتبہ مولانا سامرودی کے زمانہ طالب علمی میں دہلی میں آریہ سماج سے مناظرہ ہوا۔ مسلمانوں کی طرف سے حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری اور مولانا عبدالحق حقانی مناظر تھے۔ لیکن مناظرہ حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری نے کیا تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ مولانا عبدالجلیل سامرودی نے مولانا امرتسری کو دیکھا۔ اس مجمعے میں تقریر کرتے ہوئے مولانا امرتسری نے طلباء کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ طلباء کو ہر علم میں اونچے معیار پر پہنچنے کا عزم کرنا چاہیے۔ علم الاجتہاد میں وہ امام اعظم سے بھی آگے بڑھنے کا جذبہ اپنے اندر پیدا کریں۔ علم الحدیث میں امام بخاری سے اونچے درجے تک رسائی حاصل کرنے کا ارادہ رکھیں۔ طالب علم اگر آگے بڑھنے کا عزم کریں گے اور اس کے لیے کوشاں ہوں گے تو زندگی کے ہر مرحلے میں اللہ کی مہربانی سے کامیابی حاصل ہوگی۔ لیکن اگر ابتدا ہی میں انسان پست ہمت ہو تو وہ کچھ بھی حاصل نہیں کر سکے گا۔ مولانا سامرودی فرماتے ہیں ''مولانا ثناء اللہ امرتسری کی یہ بات میرے دماغ میں اچھی طرح رچ گئی۔'' ۱۳۳۰ھ (۱۹۱۲ء) میں انھیں حج بیت اللہ کی سعادت سے بہرہ مند ہونے کا موقع ملا۔ اس وقت ان کی عمر تقریباً بیس برس کی تھی۔ وہاں انھوں نے آبِ زمزم پیتے ہوئے اور ملتزم میں اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے باری تعالیٰ مجھے علم حدیث میں امام بخاری کے درجے تک پہنچا دے اور تحقیقات میں حافظ ابن حجر عسقلانی سے فوقیت عطا فرما۔ بقول ان کے ''یہ اس عاجز کی دلی دعا تھی یا ایک قسم کا جنون تھا۔ مگر اللہ عزوجل نے اس احقر پر تحقیقات میں وہ کرم فرمایا کہ اس کا شکریہ ادا کرنے سے قاصر ہوں۔''

مولانا ممدوح فرماتے ہیں بہت سے اہم مسائل میں میری تحقیق حافظ ابن حجر کی تحقیق سے ہم آہنگ ہوتی ہے۔ بارہا ایسا ہوا کہ میں نے کسی مسئلے پر غور کیا اور ایک نتیجے پر پہنچا۔ پھر فتح الباری کی طرف رجوع کیا تو اس میں وہی بات ملی جو مجھے اپنے غور وفکر سے معلوم ہوئی تھی۔ یعنی ''میری تحقیق

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

حافظ کی تحقیق سے موافقت کرتی ہے۔ جو میری تحقیق ہوتی ہے وہی حافظ کی ہوتی ہے۔ گو میں نے حافظ کی فتح الباری کی عبارات کا اس سلسلے میں مطالعہ نہیں کیا ہوتا۔ یہ اس احقر پر خدا کی عظیم مہربانی ہے۔''

مولانا مزید فرماتے ہیں: ''بعض ایسی چیزیں مجھے مل جاتی ہیں جو بعد جستجو کے حافظ ابن حجر کو نہیں ملیں۔''

وہ آگے فرماتے ہیں:

''مجھے اس پر فخر نہیں۔ نہ میرا یہ دعویٰ ہے کہ میں ان سے زیادہ لیاقت کا آدمی ہوں۔ نہیں نہیں۔ وہ مجھ سے لاکھوں درجات اعلیٰ وافضل اور بڑے ہیں۔ میں ان کی جوتی کی خاک کے برابر بھی نہیں۔ الفضل للمتقدم۔ یہ ناچیز ان کے برابر ہرگز اپنے آپ کو تصور نہیں کرسکتا، چہ جائے کہ ان سے افضل کے خواب دیکھے۔ ہاں البتہ دوسروں کی طرح آنکھیں بند کرکے ان کی تحقیق کو نہیں مان سکتا۔''

مختلف علمائے کرام کے نزدیک مولانا عبدالجلیل سامرودی کو جو قدر ومنزلت حاصل تھی، اس کا تذکرہ وہ اما بنعمة ربک فحدث کے پیش نظر فرماتے ہیں۔

①..... ۶۔ اپریل ۱۹۴۷ء کو حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری نے ان کو خط لکھا کہ آپ اور مولانا عبدالعزیز میمن امرتسر آکر اس علمی نزاع کا فیصلہ کردیں جو ان کے اور مولانا حافظ عبداللہ روپڑی کے درمیان چل رہا ہے۔ اسے مولانا امرتسری کی طرف سے ان کے علم وفضل اور فہم وفراست کا اعتراف قرار دینا چاہیے۔

②..... کسی معاملے میں کچھ باتیں مولانا ابوالقاسم بنارسی نے بھی لکھنا تھیں اور مولانا عبدالجلیل سامرودی نے بھی۔ مولانا سامرودی نے وہ باتیں لکھ کر مولانا ابوالقاسم کو بھیج دیں، لیکن مولانا ابوالقاسم بنارسی فوری طور پر نہ لکھ سکے۔ مولانا سامرودی کی تحریر پڑھ کر انھوں نے مولانا سامرودی کو لکھا کہ ''قدوتی ومولائی آپ کا مضمون پہنچا۔ بے ساختہ ہزاروں دعائیں زبان سے جناب کی شان میں نکلیں۔ میں ڈیڑھ ماہ سے مواد تلاش کررہا ہوں اور آپ نے چند روز میں پورا جواب لکھ ڈالا۔ پڑھ کر عقل دنگ رہ گئی کہ کہاں سے مواد جمع کیا اور کس خوب صورتی سے مرتب کردیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا آپ پر خاص فضل ہے، جس سے ہم محروم ہیں۔''

③..... مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری ۲۲۔ اگست ۱۹۵۷ء کے ایک خط میں مولانا سامرودی کو لکھتے ہیں:

''سیف بنارسی کے بعد صرف آپ کے دم سے جماعت کا بھرم وقار قائم ہے۔ ایسے وسیع النظر عالم، امام الوقت کہاں ملتے ہیں۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

④..... علامہ مہاشہ سکسینہ مولانا عبدالرحیم فیروزآبادی ضلع آگرہ اپنے خط (مؤرخہ ۲۹ جولائی ۱۹۶۳ء) میں مولانا سامرودی کو لکھتے ہیں:

''جلسۂ اہل حدیث فیروزآباد کے موقعے پر میں نے آپ کے متعلق پوچھا۔ میں نے علماء سے کہا کہ ہندوستان اور پاکستان میں قرآن وحدیث وفقہ کا صرف ایک عالم ہے، جس کے علم اور معلومات کا کنارہ نہیں ہے۔ فروعات میں ان کا میل نہ اہل حدیث کی طرف ہے، نہ حنفیوں کی طرف، وہ ہے مولانا عبدالجلیل سامرودی۔''

⑤..... قصبہ لاج پور میں ایک دیوبندی عالم مولانا مرغوب احمد اقامت گزیں تھے۔ وہ مولانا عبدالجلیل سامرودی کے شدید مخالف تھے۔ رمی جمار کے متعلق انھوں نے مولانا سامرودی سے بعض استفسارات کیے۔ مولانا نے فوراً حدیث وفقہ کی دس کتابوں کے حوالوں سے انھیں جواب دیا۔ انھوں نے ۲۳۔ جنوری ۱۹۵۷ء کو مولانا سامرودی کو خط لکھا کہ ''جناب محترم نے بہت قلیل وقت میں دس کتابوں کے حوالے سے جواب تحریر فرمایا۔ اس سے جناب کی وسعت نظری اور مذاہب غیر کے بارے میں معلومات کا پتا چلتا ہے۔ رب زد ایماناً ویقینا وفقھاً۔''

مولانا عبدالجلیل سامرودی نے تفسیر، حدیث، فقہ، عربی ادبیات، صرف ونحو اور منطق وفلسفہ وغیرہ اس دور کے تمام نصابی علوم کی تحصیل مولانا عبدالوہاب دہلوی سے کی اور انہی سے سند فراغت لی۔ اس دور کے ایک مشہور عالم علامہ سید محمد بدر الدین دمشقی تھے جن کا دمشق کے مدرسہ دارالحدیث نبویہ میں سلسلۂ درس جاری تھا۔ انھیں مولانا سامرودی کی بعض عربی تحریریں پہنچیں تو وہ ان سے متاثر ہوئے اور مولانا نے ان سے اجازۂ حدیث طلب کیا۔ انھوں نے محدثین کے طریقے کے مطابق سند اجازۂ حدیث ارسال فرمائی جس میں تحریر فرمایا:

''منهم مولانا الفاضل المدقق الشيخ المحقق العلامة ابى عبدالكبير الشهير بعبد الجليل السامرودى ادام الله نفعه آمين.''

مولانا عبدالجلیل سامرودی فرماتے ہیں ان کے متعلق ان کے عہد کے یہ چند علماے کرام کے تاثرات ہیں جن کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان کے علاوہ اور بہت سے حضرات کے خطوط ان کے پاس موجود ہیں، جن میں اس قسم کے تاثرات کا اظہار کیا گیا ہے۔

مولانا عبدالجلیل سامرودی ائمہ عظام اور علماے کرام کا ذکر بے حد احترام سے کرتے ہیں۔ مثلاً حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا نام نہیں لکھتے بلکہ ان کے لیے ''امامِ اعظم'' کے الفاظ تحریر فرماتے ہیں۔ مولانا عبدالحی فرنگی محلی لکھنوی کو جو مشہور حنفی عالم ومصنف تھے، ''علامہ لکھنوی'' اور اہل حدیث عالم ومفسر نواب صدیق حسن خاں کے لیے ''نواب والا جاہ بھوپالی'' کے الفاظ رقم فرماتے ہیں، ان کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اصل نام نہیں لکھتے۔ اسی طرح مولانا ثناء اللہ امرتسری کو ''علامہ امرتسری'' مولانا حافظ عبداللہ روپڑی کو ''مولانا روپڑی''، مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی کو ''مولانا کھنڈیلوی''، مولانا عبدالرؤف جھنڈانگری کو ''خطیب العلماء''، مولانا عبدالعزیز میمن کو ''ادیب الہند علامہ عبدالعزیز میمن'' لکھتے ہیں۔ اپنے دور سے قبل کے اصحابِ علم کا بھی اور اپنے معاصر علماء کا بھی وہ نہایت تکریم سے ذکر فرماتے ہیں۔ اپنے سخت مخالف دیوبندی عالم مولانا مرغوب احمد کا نام بڑے احترام سے ''مولانا مرغوب احمد'' تحریر کرتے ہیں اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ وہ ''ہمارے مخالفین'' میں سے ہیں۔

مولانا سید عبداللہ غزنوی کے لیے ان کے یہ الفاظ ہیں: ''حضرت مولانا عارف باللہ عبداللہ غزنوی رحمہ اللہ''۔

اس وقت میرے سامنے مولانا سامرودی کی ۲۰۔ جولائی ۱۹۶۴ء کی ایک تحریر ہے جو ان کی کتاب زہرۃ ریاض الابرار کا مقدمہ ہے۔ اس میں انھوں نے اپنی تصانیف کے نام یہ الفاظ لکھ کر تحریر کیے ہیں۔ ''اس ناچیز کی چند تصانیف کے نام۔''

① ..... وسیلة النجات فی اتباع سنة نبینا سیدنا السادات (عربی، اردو)

② ..... اعتقاد الاکابر فی اجراء الصفات علی الظواهر. (عربی)

③ ..... الباعث الحثیث فی فضل علم الحدیث واهله الاحیث (عربی)

④ ..... زهرة ریاض الابرار

⑤ ..... اعلام سنن الغنی فی تلخیص الضعفاء والمتروکین من کتاب ابی الحسن الدار قطنی (عربی)

⑥ ..... الدلیل الاظهر فی تحقیق معنی الله اکبر (عربی)

⑦ ..... الغمغمه فی سنیة التسمیة عند الاطعمة وغیرها دون البسملة. (عربی)

⑧ ..... ارسال البرید لقطع لغادید اهل التقلید والتردید لمن عزّی اهل الحدیث الی القول الجدید.

⑨ ..... الغمغه مع ترجمة الجمجمه.

⑩ ..... الفاکهة الفریضه فی جواز رفع الایدی بعد الفریضه.

⑪ ..... صمصام الموحدین.

⑫ ..... الانصاف فی ان مارده اللاجبوری رد لمذهب الاحناف.

⑬ ..... اصلاح الجرح المتین فی تثلیث التامین.

⑭ ..... بوئے غسلین از قطرات عشرین.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

⑮..... نسیم الریاحین من ریاض الصالحین شرح ریاض الصالحین امام نووی .

⑯..... الخزی الوجیل لمن صنف الجرح الجمیل .

⑰..... العذاب المهین لقاطع الوتین عند ربّ العالمین المقلب به اظهار الحق المبین برد تلبیسات المقلدین الشهیر به فقہ احناف کے اسراری گر

⑱..... انتباء النائمین بمجرد وصول روائح خرافات المقلدین .

⑲..... نیل المرام بازالة الاوهام عن اسنان ما یضحی من بهیمة الانعام .

⑳..... تعلیم الدین المعروف به قوانین شرع محمدی .

㉑..... احقاق الحق الحقیق .

㉒..... تحذیر الانام عن وساوس ما نعی القرأة خلف الامام .

㉓..... اظهار آئینۂ حقیقت

㉔..... الحق الصحیح الصریح فی التراویح .

㉕..... اللمس العین فی رد دلائل عدم رفع الیدین .

یہ پچیس کتابیں ہیں۔ ان میں سے بعض عربی میں ہیں، بعض اردو میں اور بعض عربی اور اردو دونوں زبانوں میں ہیں۔

ان کے علاوہ انھوں نے متعدد کتابیں اور بھی تصنیف کیں۔ کئی کتابیں گجراتی زبان میں تالیف کیں۔ مشکوٰۃ شریف کا عربی میں حاشیہ لکھا۔ امام بیہقی کی کتاب القرأت کا ترجمہ بھی انھوں نے کیا۔ اہل حدیث کے نزدیک اس کتاب کی اہمیت یہ ہے کہ امام بیہقی امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کا ثبوت احادیث نبویہ وآثار صحابہ سے دیتے ہیں اور ادلۂ صحیحہ سے مانعین فاتحہ خلف الامام کا ردّ کرتے ہیں۔

مولانا عبدالجلیل سامرودی نے ''الامر الرشاد'' کے نام سے تفسیر ثنائی اور ترجمے کے بارے میں بھی کتاب لکھی جو چھپ چکی ہے۔

میرے زمانۂ ادارت میں ہفت روزہ ''الاعتصام'' میں ان کے مضامین شائع ہوتے رہے ہیں۔ مولانا سامرودی تیز نویس مصنف اور مشہور محقق تھے۔ انھوں نے ۱۹۷۳ء میں وفات پائی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مولانا حبیب الرحمٰن لکھوی

(وفات ۲۰ مئی ۱۹۷۳ء)

ترتیب کے اعتبار سے مولانا عطاء اللہ لکھوی کے دوسرے بیٹے مولانا حبیب الرحمٰن لکھوی تھے جو ۱۹۱۵ء میں بمقام لکھوکے پیدا ہوئے۔ وہاں کے گورنمنٹ مڈل سکول میں تعلیم کا آغاز کیا۔ مڈل پاس کرنے کے بعد اپنے خاندانی مدرسے میں اپنے والد محترم سے دینی علوم کے حصول کی ابتدا کی۔ بعض کتابیں ان سے پڑھیں۔ پھر موضع بڈھیمال میں مولانا حافظ عبداللہ بڈھیمالوی کی خدمت میں حاضری دی۔ کچھ عرصہ ان سے مستفید ہوتے رہے۔ فیروزپور کی مسجد گنبداں والی میں مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی کی مسند درس آراستہ تھی، غالباً ایک سال ان سے بھی استفادے کا موقع ملا۔ مدرسہ تعلیم الاسلام اوڈاں والا (ضلع فیصل آباد) کے بعض اساتذہ سے بھی اکتساب علم کیا۔

فارغ التحصیل ہونے کے بعد مولانا حبیب الرحمٰن لکھوی نے اپنے والد مکرم کی زیر نگرانی موضع لکھوکے میں تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ کچھ عرصہ یہاں پڑھایا۔ پھر مدرس کی حیثیت سے اوڈاں والا کے مدرسہ تعلیم الاسلام میں چلے گئے۔ یہ قیامِ پاکستان سے قبل کی بات ہے۔

قیام پاکستان کے بعد ڈھلیانہ (ضلع اوکاڑہ) کے دارالعلوم میں خدمت تدریس پر مامور ہوئے۔ وہاں پانچ سال ان کا قیام رہا۔ اس کے بعد ۱۹۵۵ء میں جامعہ محمدیہ (اوکاڑہ) کی مسند درس پر متمکن ہوئے۔ ۱۹۶۱ء میں اپنے برادرِ صغیر حافظ عزیز الرحمٰن لکھوی کی دعوت پر رینالہ خورد کے مدرسہ محمدیہ میں خدمت تدریس سرانجام دینے لگے۔ مسلسل تیرہ سال وہاں طلبا کو مختلف درسی کتابیں پڑھائیں۔ لائق اور فاضل مدرس تھے۔ بے حد شوق اور محنت سے تعلیم دیتے تھے۔ دورانِ تدریس طلبا کے سوالات سے خوش ہوتے اور ان کی علمی تربیت فرماتے۔ صرف ونحو سے خاص طور پر لگاؤ تھا۔

اس موضوع کے مسائل وضاحت سے بیان کرتے۔ یہ ان کا خاندانی ورثہ تھا، اس کی حفاظت ان کے نزدیک ضروری تھی۔ طلبا کو اس کے حصول کی طرف توجہ دلاتے اور اس میں مہارت کو ضروری قرار دیتے۔

مولانا موصوف بے حد سادگی پسند، منکسر المزاج اور متواضع عالم دین تھے۔ مہمان نواز، خوش اطوار، طلبا کے خیر خواہ اور ان کے دلی ہم درد۔ صالحیت اور تدین کی نعمت بزرگوں سے وراثت میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ملی تھی اور یہ اللہ کا ان کے لیے خاص عطیہ تھا۔ تدریس کے علاوہ زیادہ تر وقت یادِ الٰہی اور ذکر اذکار میں گزرتا۔

ان کی نرینہ اولاد مندرجہ ذیل تین بیٹے ہیں:

①..... مولانا حفیظ الرحمٰن لکھوی: فاضل مدینہ یونیورسٹی۔ مدیر جامعہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ۔ صالح اور متحرک عالم دین۔ بہت اچھے مدرس تو ہیں ہی، علاوہ ازیں تصنیف وتالیف سے بھی دلچسپی رکھتے ہیں۔ جامعہ ابن تیمیہ کی طرف سے ''نداء الجامعہ'' کے نام سے انھوں نے سہ ماہی رسالہ جاری کیا ہے جسے مختلف تحقیقی مضامین کا مجموعہ کہنا چاہیے۔ اس جامعہ میں کئی اساتذہ طلبا کو تعلیم دینے پر متعین ہیں۔ ان سطور کے راقم کو بھی جامعہ ابن تیمیہ میں حاضری کا شرف حاصل ہوا ہے۔

②..... مولانا خلیل الرحمٰن لکھوی: فاضل مدینہ یونیورسٹی۔ مدیر معہد القرآن الکریم کراچی۔

③..... ڈاکٹر مجیب الرحمٰن لکھوی: ایم بی بی ایس (کے ای) پی، ایم، ڈی، سی سابق ہاؤس فزیشن ناک، کان، حلق میو ہسپتال لاہور۔ سابق میڈیکل آفیسر آرتھو پیڈک وجنرل سرجری السلام سعودی ہسپتال کوئٹہ۔ آج کل رائے ونڈ میں رحمان میڈیکل ہسپتال چلا رہے ہیں۔

مولانا حبیب الرحمٰن لکھوی کے تینوں بیٹے ماشاء اللہ اپنے اپنے فن اور کام میں بہت لائق ہیں اور باپ کے لیے ان کی حیثیت صدقہ جاریہ کی ہے۔ مولانا ممدوح طویل علالت کے بعد ۲۰۔ مئی ۱۹۷۳ء (۱۶۔ ربیع الاوّل ۱۳۹۳ھ) کو میو ہسپتال لاہور میں فوت ہوئے۔ صرف ۵۸ برس عمر پائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

ان کے بڑے بھائی مولانا عبدالرحمٰن لکھوی کی طرح ان کے اساتذہ اور تلامذہ کی تفصیل کا بھی علم نہیں ہوسکا۔ اس قدر پڑھے لکھے خاندان کے اہل علم پتا نہیں کیوں اس کا اہتمام نہیں کرتے۔ کسی عالم اور مدرس کی تدریسی اور علمی خدمات کا اندازہ یا اس کی تصانیف سے ہوتا ہے یا اس کے اساتذہ اور تلامذہ کی فہرست سے! افسوس ہے ہمارے علمائے کرام کو اس کا احساس نہیں ہے۔

پنجاب میں اہل حدیث کا سب سے پہلا باقاعدہ دینی مدرسہ جس میں دینیات کی تعلیم کا آغاز کیا گیا، لکھوکے کا مدرسہ محمدیہ ہے، امرتسر کا مدرسہ غزنویہ اس سے بہت بعد میں قائم ہوا۔ پھر تدریس میں مولانا عطاء اللہ لکھوی کو بے حد شہرت حاصل ہوئی۔ ان کے تلامذہ کی بہت بڑی فہرست سے تو ہم بہت حد تک آگاہ ہیں، مگر ان کے فرزندانِ گرامی قدر کے تلامذہ کی تفصیل ہمارے سامنے نہیں ہے۔ حالاں کہ عالی مرتبت باپ کی طرح ان کا سلسلہ تدریس بھی بہت وسیع ہے۔ معلوم نہیں حضرت مولانا لکھوی کے اصحابِ فضل پوتوں مولانا حفیظ الرحمٰن لکھوی اور مولانا خلیل الرحمٰن لکھوی یا کسی اور صاحب علم کی نظر سے اس فقیر کی یہ سطور گزریں گی یا نہیں۔ اگر ان میں سے کسی صاحب کو یہ سطور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

پڑھنے کا موقع ملے تو انھیں اس پر ضرور غور فرمانا چاہیے۔ بلکہ کسی ہفت روزے یا ماہنامے میں اپنے بزرگوں کے حالات قسط وار ضبط تحریر میں لانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ تاریخ کا یہ ضروری عمل ہے جسے آگے بڑھانا چاہیے، اسے جامد نہیں کر دینا چاہیے۔

لکھوی خاندان کی ایک خاص تصنیفی اور تدریسی تاریخ ہے، جس کا اصل سفر ہمارے نزدیک حافظ بارک اللہ لکھوی سے شروع ہوا اور اللہ کے فضل سے اب تک پوری شان وشوکت سے جاری ہے۔ ہمیں حافظ بارک اللہ کے شاگردوں کا بھی کسی حد تک پتا ہے۔ ان کے فرزند گرامی حافظ محمد لکھوی کے شاگردوں کا بھی کافی حد تک علم ہے۔ ان کے بیٹے مولانا محی الدین عبدالرحمٰن لکھوی کے شاگردوں کی ایک تعداد سے بھی ہم باخبر ہیں، مولانا عبدالقادر لکھوی، مولانا محمد علی لکھوی اور مولانا عطاء اللہ لکھوی کے شاگردانِ کرام سے بھی ہم کسی حد تک آگاہی رکھتے ہیں۔ لیکن افسوس ہے استاذ پنجاب مولانا عطاء اللہ لکھوی کے صاحب زادگانِ ذی مرتبت کے شاگردوں کی کوئی چھوٹی بڑی فہرست اس فقیر کے علم میں نہیں ہے، جب کہ یہ تحریر وکتابت کا دور ہے اور اس دور کی ہر علمی کوشش لوگوں کے علم میں آنی چاہیے۔ پھر یہ بھی واقعہ ہے کہ ان کی تدریسی مساعی دور تک پھیلی ہوئی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اس پھیلاؤ کو حوالہ قرطاس کیوں نہیں کیا گیا؟ اور کیوں نہیں کیا جاتا؟ کیا یہ بھی بعض اطبا کے طبی صدری نسخوں کی طرح چھپانے کی چیز ہے.....؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سید مولا بخش کوموی

(وفات جون ۱۹۷۵ء)

جماعت اہل حدیث کے ایک بہت بڑے بزرگ سید مولا بخش کوموی تھے۔ تقسیم ملک سے پہلے ان کا تعلق مشرقی پنجاب کے ضلع لدھیانہ کے ایک گاؤں موضع کوم کلاں سے تھا۔ یہ راجپوت برادری کا گاؤں تھا۔ علامہ قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری کے استاذِ محترم مولانا عبدالعزیز کوموی اسی گاؤں کے رہنے والے تھے۔ اسی گاؤں کے ایک عالم دین مولانا احمد الدین تھے جنھوں نے حدیث کی مشہور کتاب ریاض الصالحین کا اردو ترجمہ کیا تھا جو امرتسر کے غزنوی علمائے کرام نے شائع کیا۔ اس کتاب کا یہ پہلا اردو ترجمہ ہے۔

سید مولا بخش کوموی عابد وزاہد اور متقی بزرگ تھے۔ وہ کچھ بڑی عمر کو پہنچ کر حصولِ علم کی طرف راغب ہوئے تھے۔ اس کے لیے انھوں نے ضلع فیروزپور کے موضع لکھو کے کا عزم کیا جو اس زمانے کے پنجاب میں درس وتدریس کا بہت بڑا مرکز تھا۔ وہاں انھوں نے حضرت مولانا عبدالقادر لکھوی اور ان کے فرزند گرامی مولانا عطاء اللہ لکھوی سے درسی کتابیں پڑھیں۔ ضلع فیروزپور کی تحصیل مکتسر میں ایک گاؤں ''کھپیاں والی'' کے نام سے موسوم تھا۔ وہاں مولانا عبداللہ کا سلسلۂ درس جاری تھا، سید مولا بخش کوموی ان کی خدمت میں بھی پہنچے اور ان سے استفادہ کیا۔ (مولانا عبداللہ ممدوح کا تذکرہ اس کتاب کے گزشتہ صفحات میں ہو چکا ہے۔)

تحصیل علم کے بعد سید مولا بخش کوموی نے اپنے گاؤں کوم میں مدرسہ جاری کیا۔ اس مدرسے میں بہت سے شائقین علم نے تحصیل علم کی جو آگے چل کر اسلام کے صحیح ترین مبلغ ثابت ہوئے۔ وعظ وتقریر کی صورت میں بھی اپنے علاقے میں سید صاحب ممدوح نے دین کی بے حد خدمت کی۔ وہ قناعت پیشہ مبلغ اور درویش صفت معلم تھے۔ ان کی تھوڑی سی اپنی زمین تھی جسے ان کا ذریعہ معاش کہنا چاہیے۔ اسی کی آمدنی سے وہ گزر اوقات کرتے تھے۔ کسی پر بوجھ نہیں بنتے تھے۔

ان کی زبان میں اثر تھا اور لوگ ان کے مواعظ اور سیدھی سادی گفتگو سے متاثر ہوتے تھے۔ ان کی مجلس غیبت اور غیر ذمہ دارانہ گفتگو سے پاک ہوتی تھی۔

وہ قرآنِ مجید کی تلاوت کی طرح روزانہ صحیح بخاری کا بھی کچھ حصہ پڑھتے تھے۔ سال میں ایک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مرتبہ بہ صورتِ درس صحیح بخاری ختم کرتے تھے۔ ان کے شب وروز ذکر اذکار اور قرآن وحدیث کے مطالعہ میں گزرتے۔

قیام پاکستان کے بعد وہ ٹوبہ ٹیک سنگھ آ گئے تھے، جو اُس وقت ضلع لائل پور کی تحصیل تھا۔ اب یہ ایک مستقل ضلع ہے۔ ٹوبہ ٹیک سنگھ اور اس کے قرب وجوار کے لوگ ان کی تقویٰ شعاری اور صالحیت سے بے حد فیض یاب ہوئے۔

مجھے ان کی زیارت کا شرف ۴۔ اپریل ۱۹۵۵ء کو اس وقت حاصل ہوا، جب لائل پور (فیصل آباد) میں جامعہ سلفیہ کا سنگ بنیاد رکھا جارہا تھا۔ یہی ان کی پہلی زیارت تھی اور یہی آخری۔ ان کے قد کاٹھ، حلیے اور لباس وغیرہ کا کوئی تصور میرے ذہن میں نہیں آ رہا۔ بس یہ مدھم سا نقشہ آنکھوں کے سامنے گھوم رہا ہے کہ انھوں نے سفید چادر اوڑھ رکھی تھی اور وہ مولانا سید محمد داؤد غزنوی کے قریب بیٹھے تھے۔ مجھے یاد نہیں کہ میں نے ان کو بولتے اور باتیں کرتے سنا ہے یا نہیں۔

ان کی پرہیزگاری اور قبولیت دعا کے متعلق لوگوں سے بہت کچھ سنا، لیکن افسوس ہے، ان کی خدمت میں حاضر ہو کر براہِ راست ان کے ارشادات کی سماعت سے محروم رہا۔ وہ عالم دین اور متقی بزرگ تھے، اور انہی اوصاف کے حامل لوگوں سے ان کے مراسم تھے۔ میں ان کی خدمت میں حاضر بھی ہوتا تو اپنی بے عملی کے باعث شاید اخذ فیض نہ کرسکتا۔

سید مولا بخش کوموی نے جون ۱۹۷۵ء میں وفات پائی۔ افسوس اب دنیا متقی لوگوں سے خالی ہورہی ہے۔ اللہ ہی ہم پر رحم کرنے والا ہے، ورنہ ہماری جو عملی حالت ہے، وہ ہم پر عیاں ہے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

حافظ محمد زکریا غزنوی

(وفات ۳۰۔ دسمبر ۱۹۸۰ء)

حضرت سید عبداللہ غزنوی رحمہ اللہ کے بارہ بیٹے تھے۔ ان میں سب سے چھوٹے مولانا عبدالرحیم غزنوی تھے۔ نہایت وجیہ اور با رعب شخصیت کے مالک۔ آگے مولانا عبدالرحیم غزنوی کے سات بیٹے تھے۔ ان کے نام یہ ہیں:

①.....مولانا یحییٰ، ②.....مولانا ہارون، ③.....مولانا عیسیٰ، ④.....حافظ محمد زکریا

⑤.....مولانا محمد موسیٰ، ⑥.....مولانا احمد اور ⑦.....مولانا نوح.....!

جس زمانے میں امیر عبدالرحمٰن (آلِ سعود) اور ان کے فرزند گرامی سلطان عبدالعزیز کویت میں جلا وطنی کی زندگی بسر کر رہے تھے اور نجد پر حملے کے لیے کمر بستہ تھے، اس زمانے میں مولانا عبدالواحد غزنوی اور مولانا عبدالرحیم غزنوی تجارت کے سلسلے میں بعض عرب علاقوں میں گئے اور ان دونوں بھائیوں کی ملاقات کویت میں امیر عبدالرحمٰن اور سلطان عبدالعزیز سے ہوئی۔ ان باپ بیٹے نے ان سے کچھ تعلیم بھی حاصل کی۔ پھر نجد کی فتح کے بعد انھوں نے ان غزنوی علماے دین کو اس علاقے میں درس وتدریس کا حلقہ قائم کرنے کے لیے کہا۔ یہ حضرات تقریباً پانچ سال اس نواح میں مقیم رہے اور پھر واپس ہندوستان آ گئے۔ اسی زمانے میں ریاست بہاول پور کے اس وقت کے حکمران نے مولانا عبدالرحیم غزنوی کو اپنی ریاست کے ایک شہر صادق گنج کی شاہی مسجد کے منصب خطابت پر متمکن کیا۔ وہ طویل عرصے تک اس علاقے میں توحید وسنت کی تبلیغ فرماتے رہے۔

اوپر کی سطور میں مولانا عبدالرحیم غزنوی کے سات بیٹوں میں ایک بیٹے حافظ محمد زکریا غزنوی کا نام آیا ہے۔ ترتیب کے اعتبار سے یہ مولانا عبدالرحیم غزنوی کے چوتھے بیٹے تھے۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم اپنے والد گرامی سے حاصل کی۔ پھر اپنے آبا واجداد کے قائم کردہ مدرسہ غزنویہ (امرتسر) میں اپنے عالی قدر بزرگوں سے حصول فیض کیا۔

حافظ محمد زکریا غزنوی جوانی کو پہنچے اور فارغ التحصیل ہو گئے تو مولانا عبدالرحیم غزنوی نے بیٹے کے لیے مولانا فیض اللہ خاں بھوجیانی سے ان کی بیٹی کا رشتہ طلب کیا اور انھوں نے مولانا غزنوی کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے نہایت خوشی سے اپنی بیٹی حافظ محمد زکریا کے عقد میں دے دی۔ مولانا فیض اللہ خان بھوجیانی، حضرت مولانا عبدالجبار غزنوی کے ارادت مند اور ان کے فیض یافتہ تھے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حافظ محمد زکریا غزنوی اپنے والد گرامی مولانا عبدالرحیم غزنوی کی وفات کے بعد ان کے جانشین ہوئے اور صادق گنج کی شاہی مسجد کی خطابت کا منصب ان کے سپرد کیا گیا۔ وہاں انھوں نے دینی مدرسہ بھی جاری کیا، جس میں وہ طلبا کو قرآن وحدیث اور دیگر علوم مروّجہ کی تعلیم دیتے تھے۔ وہ اپنے دور کے معروف مدرس، مشہور خطیب وواعظ اور اس نواح کے مفتی تھے۔ متدین اور عبادت گزار بزرگ۔

ہماری ہوش سے پہلے کی بات ہے کہ ہمارے ہاں (کوٹ کپورہ میں) مولانا سید محمد داؤد غزنوی اور مولانا حافظ محمد زکریا غزنوی انجمن اصلاح المسلمین کے ایک سالانہ جلسے میں تشریف لے گئے۔ ان کی یہ جوانی کا زمانہ تھا۔ دونوں چچا زاد بھائی تھے اور بے حد خوب صورت۔ دونوں نے جلسے میں تقریریں کیں۔ ان کی تقریروں سے لوگ نہایت متاثر ہوئے۔ اس سے کچھ عرصہ بعد ہمارے قریبی رشتے کی دو حقیقی بہنوں کے ہاں دو بیٹے پیدا ہوئے تو ان میں سے ایک نے اپنے بیٹے کا نام محمد زکریا اور ایک نے محمد داؤد رکھا۔

میں نے حافظ محمد زکریا غزنوی کو پہلی مرتبہ ۱۹۵۱ء میں دیکھا تھا۔ اس وقت میں اخبار ''الاعتصام'' سے وابستہ تھا اور مرکزی جمعیت اہل حدیث کا ناظم دفتر تھا۔ مرکزی جمعیت کا دفتر شیش محل روڈ پر دارالعلوم تقویۃ الاسلام کی بلڈنگ میں تھا۔ حافظ محمد زکریا غزنوی اپنے تایا زاد بھائی مولانا سید محمد داؤد غزنوی سے ملاقات کے لیے لاہور تشریف لائے تھے۔ پورا قد، متوازن جسم، گول چہرہ، سرخی مائل گورا رنگ، ابھری ہوئی ناک، کشادہ پیشانی، چمک دار موٹی آنکھیں۔ خوش گفتار، لبوں پر مسکراہٹ۔ صاف ستھرا لباس۔ غزنویت اپنے سب اوصاف کے ساتھ ان کے تمام پیکر پر چھائی ہوئی۔ میں نے نہایت ادب سے ان کو سلام عرض کیا اور انھوں نے بے حد شفقت سے میرے مؤدبانہ سلام کا جواب دیا۔ یہ ان سے اس فقیر کی پہلی ملاقات تھی۔ اس کے بعد وہ کئی مرتبہ لاہور تشریف لائے اور انھیں سلام عرض کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ مجھ سے ان کا ہمیشہ مہربانی کا سلوک رہا۔ ان کے فرزندانِ گرامی لاہور آتے تو وہ بھی بے حد خندہ روئی سے پیش آتے اور ان سے بات چیت کا سلسلہ جاری رہتا۔

یہ اونچے خاندان کے بلند اخلاق ارکان تھے، جس کا اظہار ان کی گفتگو اور میل جول سے ہوتا تھا۔

غزنوی خاندان کے اس جلیل القدر رکن نے جو حضرت سید عبداللہ غزنوی کے پوتے اور مولانا سید عبدالرحیم غزنوی کے فرزند ارجمند تھے، ۳۰۔ دسمبر ۱۹۸۰ء کو صادق گنج (ضلع بہاول نگر) میں وفات پائی۔

انا للّٰہ وانا الیہ راجعون

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مفتی عبدالقادر یوگوی بلتستانی

(وفات ۳۰۔ مارچ ۱۹۸۳ء)

بلتستان کے جن علماے کرام کا تذکرہ اس کتاب میں کیا گیا ہے، ان کے حالات دارالعلوم غواڑی کے ترجمان مجلّہ ''التراث'' کے مختلف شماروں سے لیے گئے ہیں۔ مولانا مفتی عبدالقادر یوگوی بلتستانی کے واقعاتِ زندگی کا ماخذ بھی یہی مجلّہ ہے۔ (شمارہ جولائی تا دسمبر ۲۰۰۴ء)۔ اس میں مولانا عبدالرحیم روزی نے ان کے سوانح حیات تحریر کیے ہیں، جن سے ہم ان سطور میں استفادہ کررہے ہیں۔

مفتی عبدالقادر ۱۹۱۳ء کے پس وپیش بلتستان کے ایک گاؤں ''یوگو'' میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام محمد ابراہیم تھا۔ ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں میں حاصل کی۔ اس کے بعد غواڑی آئے اور وہاں کے مدرسہ دارالحدیث میں داخل ہوئے۔ یہ مدرسہ اس نواح کے ایک عالم دین مولانا محمد موسیٰ نے جاری کیا تھا، جس میں اس علاقے کے بہت سے لوگوں نے حصولِ علم کیا۔

عبدالقادر ابتداے عمر ہی سے ذہین اور پڑھنے لکھنے میں تیز تھے۔ ان کے استاذ مولانا محمد موسیٰ بڑے فخر سے کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا مجھ پر یہ خاص کرم ہے کہ مجھے تین قابل تریں شاگرد ملے۔ تدریس کے دورِ آغاز میں عبدالصمد بلغاری۔ درمیانی عرصے میں مولوی کریم بخش اور آخری دور میں عبدالقادر.....!

مولانا محمد موسیٰ سے استفادہ کرنے کے بعد عبدالقادر بلتستان سے نکلے اور پنجاب آئے۔ پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ پھر دہلی جا کر وہاں کے مدرسہ فتح پوری میں داخلہ لیا۔ لیکن یہ معلوم نہ ہوسکا کہ انھوں نے کن کن اساتذۂ گرامی سے کون کون سی کتابیں پڑھیں۔ بہرحال انھوں نے دہلی میں تعلیم مکمل کی۔

اس وقت آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس برصغیر کے اہل حدیث حضرات کی مضبوط تنظیم تھی۔ اس کا دفتر دہلی میں تھا اور ملک کے مختلف علاقوں میں اس کی طرف سے مبلغ مقرر کیے گئے تھے جو کتاب وسنت کی دعوت کا فریضہ انجام دیتے تھے۔ ان مبلغوں کی مالی خدمت کی جاتی تھی۔ علاقہ بلتستان میں بھی کانفرنس کے مبلغ مقرر تھے، جن میں مولانا عبدالقادر بھی شامل تھے۔ ان کو کانفرنس کے تبلیغی فنڈ سے اس خدمت کے دس روپے ماہانہ پیش کیے جاتے تھے۔ اس سستے زمانے میں دس روپے بہت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مناسب تنخواہ تھی۔ یہ سلسلہ اگست ۱۹۴۷ء یعنی تقسیم ملک تک جاری رہا۔

تقسیم ملک کے بعد مولانا عبدالقادر نے حکومت کے ایک تدریسی ادارے ''مکتب ادارہ علوم شرقیہ'' میں ملازمت اختیار کرلی جو ان کے مسکن یوگو کے قریب تھا۔ اس مکتب سے انھیں ۸۰ روپے ماہانہ تنخواہ ملتی تھی اور وہ معاشی اعتبار سے مطمئن تھے۔

۱۹۵۸ء کی بات ہے کہ دارالعلوم غواڑی کے لیے قابل مدرسین کی ضرورت پڑی۔ اس وقت دارالعلوم کے ناظم حاجی خلیل الرحمٰن (متوفی ۱۹۷۶ء) تھے اور مدرسین کی جماعت میں ہمارے دیرینہ دوست مولانا عبدالباقی شامل تھے جو دارالعلوم تقویۃ الاسلام لاہور کے فارغ التحصیل ہیں۔ وہ حاجی خلیل الرحمٰن کے مشورے سے بلتستان کے بعض اصحابِ علم کی خدمت میں گئے۔ مگر اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوسکے۔ اسی اثنا میں مولانا عبدالقادر کے پاس یوگو پہنچے۔ ان سے آمد کا مقصد بیان کیا۔ وہ مولانا عبدالباقی کی بات سن کر کچھ سوچنے لگے۔ یہاں انھیں ۸۰ روپے مل رہے تھے، لیکن دارالعلوم غواڑی کی طرف سے اتنا مشاہرہ نہیں مل سکتا تھا۔ ان کی اہلیہ شوہر کی ذہنی کیفیت سے آگاہ تھیں۔ انھوں نے کہا ۸۰ روپے کی اس تنخواہ کا خیال دل سے نکال دیجیے اور غواڑی جا کر اللہ کے دین کی خدمت کیجیے۔ اس دارالعلوم سے جو کچھ ہمیں ملے گا، وہ ہمارے گزارے کے لیے کافی ہوگا۔ چناں چہ وہ ۱۹۵۸ء میں غواڑی تشریف لے گئے اور دارالعلوم میں درس وتدریس کا سلسلہ شروع کردیا۔ تدریس کے علاوہ افتا کا شعبہ بھی انہی کے سپرد تھا۔ لوگوں کے چھوٹے موٹے جھگڑے نمٹانے کے لیے دارالعلوم میں ایک شعبہ دارالقضاء کے نام سے قائم کیا گیا تھا۔ دارالقضاء کے فیصلوں کو اس علاقے میں بڑی اہمیت دی جاتی تھی۔ یہ ذمہ داری بھی مولانا عبدالقادر کو سونپ دی گئی تھی۔

اب وہ دارالعلوم کے طلبا کو قرآن وحدیث اور دیگر علوم کا درس بھی دیتے تھے۔ شرعی مسائل سے متعلق فتوے لینے والوں کے لیے روزانہ فتوے بھی لکھتے تھے۔ دارالقضاء میں لوگوں کے فیصلے بھی کرتے تھے۔ اردگرد کے دیہات میں وعظ وتقریر کے لیے بھی انھیں بلایا جاتا تھا اور وہ انتہائی خوشی سے وہاں جاتے اور تقریریں کرتے تھے۔ یعنی وہ کئی قسم کے دینی فرائض انجام دیتے تھے۔ یہ اللہ کا ان پر بہت بڑا احسان تھا۔ وہ ہر وقت امورِ خیر کی بجا آوری میں مصروف رہتے تھے۔ شیخ الحدیث کی حیثیت سے وہ جس کمرے میں صحیح بخاری پڑھاتے تھے، وہی ان کا دارالقضا تھا اور وہیں بہ طور قاضی وہ لوگوں کے فیصلے فرماتے تھے۔

وہ نہایت مشفق استاد، خوش بیان خطیب، منجھے ہوئے مدرس تھے، اور صاحب تحقیق مفتی ..... علاوہ ازیں تواضع، انکسار اور لینتِ کلام ان کا طرۂ امتیاز تھا۔ جہاں جاتے، اپنا اثر چھوڑ کر آتے۔ لیکن اس کے باوجود بعض مقامات میں ان سے شدید عداوت رکھنے والے لوگ بھی موجود تھے جو ان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کو تکلیف پہنچانے کے لیے موقع ومحل کی تلاش میں رہتے تھے۔

مولانا عبدالقادر سے بے شمار علما وطلبا نے کسب فیض کیا۔ ان کی صحیح تعداد بتانا تو ممکن نہیں البتہ اس علاقے سے تعلق رکھنے والے ان کے مشہور تلامذہ کی جماعت میں مولانا عبدالواحد عبداللہ ناظم جامعہ دارالعلوم غواڑی، مولانا محمد حسن اثری، مولانا محمد حسین آزاد، مولانا رستم علی سرموی، مولوی عبدالغفور، مولوی احمد علی، مولوی محمد حسین سلفی، مولوی عبدالسلام ظفر اور مولوی محمود اسماعیل شامل ہیں۔

مولانا عبدالقادر کا حلیہ یہ تھا: میانہ قد، بھاری بھرکم بدن، دراز ریش اور ستواں ناک۔ زیادہ تر سیاہ اچکن زیب تن کرتے۔ ان کی وفات کے بعد یہ اچکن غالباً ان کے تلمیذ خاص مولوی محمد حسن اثری کے حصے میں آئی۔

اب مولانا عبدالقادر کی وفات کے متعلق سنیے۔ انھوں نے جامع مسجد غلوکھور غواڑی میں خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا۔ اسی ہفتے موضع براہ کے ایک مقدمے میں شرعی فیصلے کے لیے تشریف لے گئے۔ وہیں ایسے حالات پیدا ہوئے کہ طبیعت سخت خراب ہوگئی۔ ۳۰۔ مارچ ۱۹۸۳ء کو جمعے کے روز یوگو سے سکردو کے ہسپتال انھیں لے جایا جارہا تھا، سکردو کے قریب ''تھورگو'' گاؤں پہنچے تو وفات پاگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان کی عمر اس وقت ۷۰ برس کی تھی۔

ان کی نرینہ اولاد دو بیٹے تھے۔ بڑے حاجی ثناء اللہ اور چھوٹے پروفیسر ڈاکٹر حمید اللہ (شعبہ اسلامیات پنجاب یونیورسٹی۔ لاہور) انھیں ڈاکٹر حمید اللہ عبدالقادر کہا جاتا ہے۔ حلیم الطبع اور خوش اخلاق عالم دین ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

حافظ فتح محمد فتحی

(وفات ۲۹۔ اکتوبر ۱۹۸۴ء)

صحیح طور سے تاریخ یاد نہیں۔ مکہ مکرمہ سے حافظ فتحی صاحب کا خط موصول ہوا کہ آپ حج بیت اللہ کے لیے آئیں تو یہاں میرے مہمان ہوں گے۔ اس سے کچھ عرصہ بعد ان کی طرف سے کسی صاحب کی معرفت ایک کتاب ملی۔ اس کتاب کا نام افسوس ہے میرے ذہن میں نہیں رہا۔ کسی تحقیقی سلسلے کی بہت عمدہ کتاب تھی۔

اس پر ایک مدت گزر گئی۔ ایک دن صبح کے وقت دفتر ''الاعتصام'' سے ٹیلی فون آیا کہ مکہ مکرمہ سے حافظ فتحی صاحب تشریف لائے ہیں اور کئی دفعہ تمھارے متعلق پوچھ چکے ہیں۔ میں اس وقت اپنے دفتر (ادارہ ثقافت اسلامیہ) جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ لیکن ٹیلی فون سنتے ہی دفتر الاعتصام پہنچا اور حافظ صاحب سے ملا۔ اس وقت وہ کھڑے تھے اور کسی سے باتیں کر رہے تھے۔ میں نے ان کو پہلی دفعہ دیکھا تھا۔ بھاری بھرکم جسم۔ میانہ قد۔ چوڑا چہرہ۔ کھلی پیشانی۔ سنت کے مطابق داڑھی اور اس میں سفید بالوں کا غلبہ۔ ابھری ہوئی ناک۔ گندمی رنگ۔ عربوں کا سا چغہ زیب تن۔ سر پر کپڑے کی ٹوپی اور رومال۔ ہاتھ میں لاٹھی۔ نہایت خندہ پیشانی سے ملے۔ تقریباً آدھ گھنٹا ہم دونوں باتیں کرتے رہے۔ وہ کہیں جانا چاہتے تھے۔ افسوس ہے اس کے بعد ان سے ملاقات نہ ہو سکی۔ یہی ان سے پہلی ملاقات تھی اور یہی آخری۔ میں نے ان کو غور سے دیکھا اور ان کا پورا سراپا میرے ذہن میں سما گیا۔

حافظ فتحی کون تھے اور کہاں کے رہنے والے تھے؟ ان کا ماضی کیا تھا؟ وہ کہاں سے چلے اور کہاں تک پہنچے؟ آئندہ سطور میں ان سوالات کا جواب دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ جواب سے پتا چلے گا کہ ان کا کاروانِ حیات کن کن مرحلوں سے گزرتا ہوا کہاں پہنچا۔

پہلا مرحلہ:

حافظ فتحی پنجاب کے ضلع چکوال کے ایک گاؤں بھیر پور کے ایک غریب اور ان پڑھ خاندان میں ۱۹۳۰ء کے پس وپیش پیدا ہوئے۔ والد کا نام محمد تھا۔ والدین نے بیٹے کا نام فتح محمد رکھا۔ مادر زاد نابینا تھے۔ گاؤں اور خاندان کے لوگ پیر پرست اور بدعات میں گھرے ہوئے تھے۔ پیر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

صاحب تشریف لاتے تو گاؤں کے لوگ ایک دوسرے سے بڑھ کر ان کا احترام بجا لاتے۔

اللہ تعالیٰ کے معاملات بھی عجیب قسم کے ہیں۔ کسی کے جسم کا کوئی حصہ کم زور پڑ جاتا ہے یا ختم ہو جاتا ہے تو عام طور سے دیکھا گیا ہے کہ وہ اس کے جسم کے کسی دوسرے حصے کو توانائی بخش دیتا ہے۔ ہم نے بہت سے نابیناؤں کو دیکھا ہے کہ اللہ نے ان کی بصارت ختم کر دی تو انھیں بصیرت کی نعمت عطا فرما دی اور اس خداداد نعمت کے نتیجے میں انھوں نے اپنے عہد کے بہت بڑے اصحاب علم کی حیثیت سے شہرت پائی اور ایسے ایسے علمی کارنامے انجام دیے جو ان کے ہم عصر اور ہر وقت کے ساتھی بینا اہل علم انجام نہ دے سکے۔ حافظ فتحی کے متعلق بھی یہی معاملہ ہمارے مشاہدے میں آتا ہے۔ وہ نہایت ذہین تھے۔ اللہ نے مہربانی فرمائی۔ قرآنِ مجید حفظ کر لیا۔ چند نعتیں بھی یاد کر لیں۔ چوں کہ وہ بدعات کے ماحول میں رہ رہے تھے، اس لیے پیر صاحب کی تعریف کے سلسلے کے بہت سے اشعار ان کے حافظے کی گرفت میں آ گئے۔ آواز بہت رسیلی تھی۔ ترنم سے پڑھتے اور لوگ شوق سے سنتے۔ پیر صاحب گھوڑے پر سوار ہوتے تو حافظ صاحب نابینا ہونے کے باوجود عقیدت میں ڈوب کر پیر کے گھوڑی کی لگام پکڑتے اور اس کی مدح میں شعر پڑھتے ہوئے آگے آگے چلتے۔ لوگ سنتے اور انھیں داد دیتے۔

یہ حافظ فتحی کی زندگی کا ایک دور یا ایک مرحلہ تھا جو یہاں پہنچ کر ختم ہوا۔

دوسرا مرحلہ:

اب دوسرا مرحلہ شروع ہوتا ہے، جب کہ ان کے افق ذہنی پر توحید کی شمع روشن ہوتی اور ان کے ظاہر و باطن کو منور کرتی ہے۔ یہ ان کے کاروانِ حیات کی وہ منزل ہے، جس کا انھیں کبھی خیال بھی نہیں گزرا تھا۔ ان کی زندگی کے شب و روز کا دھارا بالکل بدل گیا اور نبی ﷺ کی حدیث کا وہ عملی نمونہ سامنے صاف دکھائی دینے لگا، جس میں فرمایا گیا ہے کہ انسان کا دل اللہ کی دو انگلیوں کے درمیان ہے، وہ جس طرف چاہے اسے بدل دے۔

حافظ فتحی کو ہدایت کس کے ذریعے سے ہوئی اور وہ توحید الٰہی سے کس طرح آشنا ہوئے؟ اس کے متعلق ہمیں کچھ پتا نہیں۔ بے شک رشد و ہدایت کا معاملہ اللہ کے اختیار میں ہے۔ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ.

بس ہمیں یہی معلوم ہے کہ ان کے دل میں حصولِ علم کا جذبہ ابھرا۔ وہ گھر سے نکلے۔ چلتے پھرتے ضلع امرتسر کی تحصیل اجنالا کے کسی گاؤں میں پہنچے اور ایک دینی مدرسے میں داخل ہوئے، لیکن وہاں وہ زیادہ عرصہ نہیں رہے۔ چند روز قیام کیا اور پھر ضلع فیصل آباد کی تحصیل سمندری کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

گاؤں اوڈاں والا کے مشہور دارالعلوم میں چلے گئے۔ یہ دارالعلوم ایک نہایت نیک دل بزرگ صوفی عبداللہ مرحوم ومغفور نے جاری کیا تھا۔ حافظ فتحی صوفی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے تو صوفی صاحب کو ان کے حالات کا پتا چلا اور انھوں نے فرمایا کہ گھبرایے نہیں، آپ صحیح جگہ پر آئے ہیں۔ خود میں بھی اصلاً یہاں کا رہنے والا نہیں ہوں۔ لیکن اب میرا وطن یہی ہے اور اس دارالعلوم کی خدمت میرا اصل مشغلہ ہے۔ اللہ آپ کا مستقبل بہتر کرے گا اور آپ اللہ کے دین کے خادم کی حیثیت سے شہرت پائیں گے۔

حافظ فتحی دو سال اوڈاں والا کے دارالعلوم میں رہے اور وہاں کے اساتذہ سے بعض نصابی کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد میاں محمد باقر کے قائم کردہ مدرسہ دارالقرآن والحدیث میں جھوک دادو چلے گئے۔ وہاں اس وقت حضرت مولانا شرف الدین دہلوی کا سلسلۂ درس جاری تھا۔ حافظ صاحب نے ان کے اور بعض دیگر اساتذہ کے حضور زانوئے شاگردی تہہ کیے۔ کچھ عرصے کے بعد وہاں سے پھر اوڈاں والا آ گئے۔ ۱۹۵۴ء میں اوڈاں والا کے دارالعلوم سے سند فراغت لی۔ اسی سال قاضی محمد اسلم سیف، مولانا عبدالرشید راشد ہزاروی، مولانا محمد ابراہیم خلیل، مولانا محمد اسماعیل حلیم فیروزپوری، مولانا محمد حسین طور اور پروفیسر غلام نبی عارف اس دارالعلوم سے فارغ التحصیل ہوئے۔ پروفیسر غلام نبی عارف نے بتایا کہ اس وقت حافظ فتحی دبلے پتلے سے تھے۔ فربہی ان پر بہت بعد میں آئی۔

اوڈاں والا میں حافظ فتحی نے مختلف فنون کی چھوٹی بڑی کتابیں اس دور کے اساتذہ پیر محمد یعقوب قریشی، مولانا محمد صادق خلیل، مولانا عبدالصمد رؤف اور مولانا محمد یعقوب ملہوی سے پڑھیں۔

اس کے بعد حافظ فتحی نے گوجراں والا جا کر حضرت حافظ محمد گوندلوی کی خدمت میں حاضری دی اور ان سے دوبارہ بخاری شریف پڑھی۔ اس اثنا میں انھوں نے مولانا ابوالبرکات احمد مدراسی سے بھی استفادہ کیا اور حضرت مولانا محمد اسماعیل سلفی کی خدمت میں بھی حاضر ہوتے رہے۔

تیسرا مرحلہ:

اس زمانے میں موضع چک 41/10-R شانتی نگر (ضلع خانیوال) میں ایک بزرگ حاجی محمد رفیق مرحوم قیام پذیر تھے، جو دراصل کوٹ کپورہ (ریاست فرید کوٹ مشرقی پنجاب) سے تعلق رکھتے تھے۔ میرے ہم شہر بلکہ ہم محلہ تھے اور وہیں سے تقسیم ملک کے وقت یہاں آ کر آباد ہوئے تھے۔ نیک آدمی تھے اور علماے کرام سے دلی انس رکھتے تھے۔ مولانا محمد یحییٰ شرق پوری کے سسر، حافظ مسعود عالم (مدرس جامعہ سلفیہ فیصل آباد) کے نانا اور مولانا عبدالرحمٰن عتیق مرحوم (وزیر آبادی) کے والد تھے۔ حافظ فتحی فارغ التحصیل ہونے کے بعد حاجی صاحب موصوف کے پاس چلے گئے۔ کچھ عرصہ وہاں گزارا۔ اس اثنا میں خانیوال کی جامع مسجد اہل حدیث میں خطابت اور تدریس کی خدمت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بھی سرانجام دیتے رہے۔ کچھ مدت کراچی بھی ان کا قیام رہا..... یہ ان کی زندگی کا تیسرا مرحلہ تھا جو مدارس کی نصابی تعلیم سے سند فراغت کے بعد طے ہوا۔ یہ مرحلہ بہت کم مدت پر مشتمل تھا۔

چوتھا مرحلہ:

اب حافظ فتحی کی زندگی کا چوتھا مرحلہ شروع ہوتا ہے جو بہ درجہ غایت خوش گوار اور انتہائی بابرکت مرحلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے اسباب پیدا فرما دیتا ہے کہ وہ مکہ مکرمہ پہنچ جاتے ہیں۔ یہ وہ مقام ہے جو ہر مسلمان کی امیدوں کا مرکز ہے اور بے عمل سے بے عمل مسلمان کے دل میں بھی ہر وقت یہ تمنا کروٹ لیتی رہتی ہے کہ وہ اس مقدس ترین مقام پر جائے اور حج وعمرہ کی سعادت حاصل کرے۔ حافظ فتحی کو بارگاہِ خداوندی سے یہ سعادت حاصل ہوئی اور وہ مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔ حج کیا اور پھر ریاض چلے گئے۔ وہاں وہ مملکت سعودیہ کے مفتی علامہ شیخ محمد بن ابراہیم اور شیخ عبدالعزیز بن باز کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے حلقۂ درس میں شرکت کی۔ یہ دونوں بزرگ سعودی عرب کے ممتاز ترین اہل علم تھے۔ شیخ محمد بن ابراہیم کا شمار شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب کے خاندان کے مشاہیر میں ہوتا تھا اور شیخ عبدالعزیز بن باز مدینہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر تھے۔ کچھ مدت ریاض میں ان کا قیام رہا۔ انہی دنوں مدینہ منورہ میں مدینہ یونیورسٹی یعنی جامعہ اسلامیہ کا اجرا عمل میں آیا۔ شیخ عبدالعزیز بن باز خاص طور سے حافظ فتحی کو بے حد عزیز گردانتے تھے، چناں چہ انھیں یونیورسٹی میں داخل کرلیا گیا اور وہاں انھوں نے مختلف ملکوں کے جلیل القدر اساتذہ سے یونیورسٹی کے نصاب کی تکمیل کی۔ یہ مرحلہ ۱۳۹۰ھ یا ۱۳۹۱ھ (۱۹۷۰ء یا ۱۹۷۱ء) میں طے ہوا۔

پانچواں مرحلہ:

مدینہ یونیورسٹی سے فارغ ہوتے ہی وہ مکہ مکرمہ آ گئے اور انھیں حرم مکی میں مدرس مقرر کردیا گیا۔ یہ بہت بڑا اعزاز تھا جس کا انھیں سعودی حکومت کی طرف سے مستحق قرار دیا گیا۔ ان کے حلقۂ درس میں جو طلبا شریک ہوئے، بیان کیا جاتا ہے کہ ان میں امام کعبہ شیخ ابن سبیل کے ایک صاحب زادے بھی شامل تھے۔ لیکن تدریس کا یہ سلسلہ زیادہ عرصہ قائم نہیں رہا۔

حافظ فتحی کو مستقل طور پر سعودی عرب کی شہریت حاصل تھی اور وہ روزانہ صبح آٹھ نو بجے سے شام تک کعبۃ اللہ کے باب بلال میں بیٹھتے تھے۔ سعودی عرب کے بعض معروف مشائخ ان کی مجلس میں بھی آتے اور ان کے مکان پر بھی تشریف لے جاتے تھے، جن میں علامہ شیخ عبداللہ بن حمید، شیخ عبداللہ الخلیفی اور شیخ محمد بن عبداللہ سبیّل کے اسمائے گرامی خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

اس زمانے میں حضرت شاہ بدیع الدین راشدی وہیں قیام فرما تھے۔ وہ تقریباً ہر روز حافظ فتحی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کی مجلس میں آتے تھے۔ ان کے علاوہ ہندوستان، پاکستان اور دیگر عرب ممالک کے بہت سے اہل علم وہاں تشریف لاتے۔ یہ خالص علمی اور تحقیقی مجلس ہوتی تھی، جس میں مختلف مسائل زیر بحث آتے اور علماے کرام اس میں حصہ لیتے تھے۔

حافظ فتحی کتابوں کے بے حد شائق تھے۔ ان کا ذاتی کتب خانہ جو ان کے گھر میں تھا، متعدد موضوعات کی ہزاروں کتابوں پر مشتمل تھا۔ نابینا ہونے کی وجہ سے وہ خود تو یہ کتابیں پڑھ نہیں سکتے تھے، لیکن بعض اہل علم سے باقاعدہ ان کی سماعت کرتے تھے۔ وہ بے حد ذہین تھے اور ان کا حافظہ بہت مضبوط تھا۔ جس کتاب کی ایک مرتبہ سماعت کر لیتے، اس کے مندرجات ان کے حافظے کی لوح پر نقش ہو جاتے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو سخاوت کی صفت سے بھی خوب نوازا تھا۔ وہ اہل علم کو کتابیں خرید کر بھی دیتے تھے۔ مستحقین بالخصوص علماء کی مالی امداد بھی کرتے اور انھیں بہ طور مہمان بھی اپنے یہاں ٹھہراتے۔ ان کے ان اوصاف کا تذکرہ بہت سے حضرات فرماتے ہیں۔

حضرت مولانا عبید اللہ رحمانی مبارک پوری کے مکتوبات کا ایک مجموعہ ''مکاتیب حضرت شیخ الحدیث'' کے نام سے ۲۰۰۲ء میں فردوس پبلی کیشنز دہلی نے شائع کیا ہے۔ یہ ۱۲۰ مکاتیب ہیں جو مولانا عبدالسلام رحمانی کو تحریر فرما گئے ہیں۔ اس مجموعے کے فاضل مرتب مولانا رفیق احمد رئیس سلفی (ادارہ علوم الحدیث جامعہ اردو روڈ، علی گڑھ، ہندوستان) نے اس کا ایک نسخہ مارچ ۲۰۰۳ء میں اس فقیر کو ارسال فرمایا۔ یہ خالص علمی نوعیت کے مکتوبات ہیں۔ ان کے متعلق کچھ تفصیل اس مضمون میں بیان کی گئی ہے جو اس کتاب میں مولانا عبید اللہ رحمانی کے بارے میں لکھا گیا ہے۔ یہاں میں صرف یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ بعض مکتوبات میں حضرت مولانا مبارک پوری نے حافظ فتحی کا ذکر بھی فرمایا ہے۔ خط نمبر ۸۰ میں صفحہ ۱۲۶ پر مولانا عبدالسلام رحمانی کو لکھتے ہیں:

''حافظ فتحی کا خط بھی آپ کے خط کے ساتھ ہی آ گیا ہے۔ ان کو آج کل میں جواب لکھوں گا۔''

یہ ۱۸۔ اکتوبر ۱۹۷۳ء کا خط ہے ..... اس پر مکتوب الیہ مولانا عبدالسلام رحمانی نے حاشیے میں حافظ فتحی کا تعارف مندرجہ ذیل الفاظ میں کرایا ہے۔

''حافظ فتحی کی شخصیت بڑی محبوب شخصیت تھی۔ ان سے واقف تمام اہل حدیث علماء وطلبا ان سے بڑی محبت کرتے تھے اور وہ بھی سب کے ساتھ بڑی شفقت فرماتے تھے۔ دنیا جہاں سے کتابیں حاصل کر کے علماء وطلبا کو ہدیۃً دیتے رہنے کے بڑے حریص تھے اور اپنی ساری پونجی اسی طرح علماء وطلبا کو نوازنے میں صرف کرتے تھے، بلکہ کافی مقروض

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہوجایا کرتے تھے۔ مسجد حرام میں باب بلال کے اندر ان کی ایک مخصوص جگہ تھی جو تمام اہل حدیث واردین کی مرکزی جگہ تھی۔ وہی ان سب اہل حدیث علما وطلبا کے ملنے کی جگہ تھی جو بھی مکہ مکرمہ پہنچتے تھے۔ اور حافظ صاحب کے انتقال کے بعد بھی اب تک وہ جگہ کسی حد تک ان تمام اہل حدیث کے لیے مرکز اتصال بنی ہوئی ہے جو وہاں پہنچتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ موصوف کو مقام ابرار وصالحین عطا کرے۔"

اس سے اگلا خط نمبر ۸۱ ہے جو یکم دسمبر ۱۹۷۳ء کا مکتوبہ ہے۔ اس میں بھی حضرت مولانا عبیداللہ مبارک پوری نے حافظ فتحی کا ذکر فرمایا ہے۔ سیاق سے پتا چلتا ہے کہ مولانا عبدالسلام رحمانی نے اپنے خط میں حافظ فتحی کے بارے میں کوئی بات لکھی تو اس کے جواب میں مولانا مبارک پوری نے حسب ذیل الفاظ تحریر فرمائے:

"حافظ فتحی صاحب کا خط آپ کے خط سے ایک دن پہلے پہنچا ہے۔ آپ نے ان کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ بالکل صحیح اور واقعہ کے مطابق ہے۔ ان کی اس خو کے بدلنے کی کوئی امید نہیں ہے۔ ان کی اس طبیعت وحالت کے پیش نظر حیدرآباد وغیرہ کی مطبوعات بھیجنے یا حجاز سے بعض ضروری کتابوں کے منگوانے کی ہمت نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ ان کو قرض کے بار سے سبک دوش ہونے کی صورت پیدا کردے اور معاش وکفالت کا سامان بہم فرمائے۔ ان کے خط کا جواب ان شاء اللہ جلد ہی لکھوں گا۔"

[مکاتیب حضرت شیخ الحدیث، ص:۱۳۰]

حافظ محمد ابراہیم کمیر پوری مرحوم ومغفور حافظ فتحی کے بارے میں رقم طراز ہیں:

"آپ مختلف ممالک کے علمائے کرام کی تصنیف کردہ کتب جو وہ سفر حج میں اپنے ہمراہ لاتے ہیں سیکڑوں کی تعداد میں خرید کر دوسرے ممالک سے آنے والے علماء میں تقسیم کردیتے ہیں اور اس علمی سخاوت میں وہ اپنے دوستوں اور مداحوں سے حاصل ہونے والا ایک ایک پیسا خرچ کردیتے ہیں اور خود خالی ہاتھ فقیرانہ روکھی سوکھی کھا کر موٹا کھردرا پہن کر اور فرشِ زمین پر سو کر وقت گزار رہے ہیں۔"

اس سے آگے حافظ محمد ابراہیم کمیر پوری نے حافظ فتحی کی ذہانت اور یادداشت کا تذکرہ کیا ہے۔ پھر لکھتے ہیں:

"۱۹۷۵ء کے ایامِ حج میں دو تین ماہ تک حجازِ مقدس میں میرا قیام رہا۔ میری اہلیہ محترمہ چوں کہ میرے ساتھ تھیں اس لیے رہائش کا الگ انتظام تھا۔ لیکن حافظ فتحی سے مسلسل رابطہ رہا۔ وہ جدہ پہنچنے تک میرے ساتھ رہے اور پھر ساحل سمندر تک الوداع کہنے کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

لیے مفتی محمد شفیع کو بھیجا۔''

اس سے آگے حافظ ابراہیم صاحب فرماتے ہیں:

''۱۹۸۳ء میں جب میری صحت کچھ بہتر نہیں رہی تھی، حافظ صاحب نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ میں حج کے لیے آؤں۔ ان کی خواہش کے احترام میں حاضر ہوا۔ مکہ مکرمہ میں جتنی مدت رہا، انھوں نے اپنے کمرے میں رکھا۔ اس دوران قیام، طعام، آمد ورفت وغیرہ کے تمام مصارف انھوں نے ہی برداشت کیے۔ یہاں تک کہ واپسی پر مجھے آٹھ ہزار ریال پورے اصرار کے ساتھ دیے جو کہ حج کے سفر پر خرچ ہوئے تھے۔ میرے انکار پر فرمایا کہ یہ بچوں کی تعلیم وتربیت اور شادی وغیرہ کے سلسلے میں ہیں۔ اسی پر بس نہیں بلکہ جدہ تک کا کرایہ بھی خود ادا کیا اور انتہائی قیمتی چیزیں بھی عنایت فرمائیں۔

''حافظ فتحی علم کے فروغ میں کس قدر دلچسپی رکھتے تھے، اس کا اندازہ اس امر سے بخوبی ہوسکتا ہے کہ انھوں نے جو کتابیں مجھے عنایت فرمائی تھیں، ان میں ''تحفۃ الاشراف'' بھی شامل تھی۔ اس کی ۷، ۸ کی بجائے جلد ۷ کے ہی دو نسخے تھے۔ حافظ صاحب کو توجہ دلائی تو انھوں نے فرمایا کہ جلد ۸ جلد ہی پہنچ جائے گی۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب میں واپس ہو رہا تھا۔ واپس گھر پہنچا تو جلد ۸ مجھ سے بھی پہلے گھر پہنچ چکی تھی۔''

[ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور۔ ۱۱ جنوری ۱۹۸۵ء]

قاضی محمد اسلم سیف لکھتے ہیں کہ گزشتہ سال (۱۹۸۳ء میں) ''حضرت الاستاذ مولانا عبدہ قیام حج کے دوران حافظ فتحی کی سرکار سے وابستہ رہے۔ مولانا کے قیام وطعام کے جمیع اخراجات حافظ صاحب نے اپنی جیب خاص سے ادا کیے۔'' [ہفت روزہ ''الاسلام'' لاہور۔ ۲۱ دسمبر ۱۹۸۴ء]

قاضی صاحب مرحوم مزید تحریر فرماتے ہیں:

''امیر المجاہدین حضرت صوفی محمد عبداللہ رحمہ اللہ جب ۱۹۷۴ء میں حج کے لیے گئے تو مکہ مکرمہ میں حافظ فتحی کا شوق دیدنی تھا۔ وہ صوفی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ دوستوں کے لیے بابا جی سے دعائیں کرواتے۔ شیخ ابن باز، شیخ ابن سبیل، شیخ البانی سب سے جامعہ کا بھرپور تعارف کرایا۔'' [ہفت روزہ ''الاسلام''۔ ۲۱ دسمبر ۱۹۸۴ء]

خطوط:

حافظ فتحی صاحب سے میری کچھ عرصہ خط وکتابت رہی۔ ایک خط میں انھوں نے لکھا تھا کہ آپ حج کے لیے آئیں تو میرے مہمان ہوں گے۔ افسوس ہے، یہ خط کہیں کاغذات میں اِدھر اُدھر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہوگیا۔ دو خط البتہ مل گئے ہیں۔ ۱۹۸۳ء میں میرے ایک دوست چودھری غلام نبی عزیز (جو اس وقت واپڈا کے ایک شعبے کے ڈائریکٹر تھے) حج کے لیے گئے تھے۔ میں نے ان کے ہاتھ حافظ صاحب کو اپنی ایک کتاب بھجوائی تھی اور بذریعہ ڈاک خط ارسال کیا تھا۔ حافظ صاحب نے میرے خط کے جواب میں مندرجہ ذیل خط تحریر فرمایا۔ یہ خط ۳۰۔ ستمبر ۱۹۸۳ء کا رقم فرمودہ ہے۔ اسی سال (۱۹۸۳ء میں) مولانا محمد عبدہ الفلاح بھی فریضہ حج ادا کرنے گئے تھے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرم ومحترم جناب مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب! دامت برکاتہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

خیریت جانبین مطلوب۔ احوال آں کہ آپ کا ارسال کردہ خیریت نامہ موصول ہوا۔ پڑھ کر دلی مسرت ہوئی۔ جواب میں تاخیر ہوئی، معذرت خواہ ہوں۔ حج میں آپ کے لیے دعائیں کی ہیں۔ اللہ قبول فرمائے اور جلد بیت اللہ میں ملاقات ہو۔ آپ کے دوست غلام نبی تو نہیں مل سکے۔ شاید انھیں جگہ نہیں مل سکی۔ اس سال کچھ بھیڑ بھی زیادہ تھی اور پھر گرمی بھی تھی، جو الحمد للہ بخیریت گزر گیا ہے۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ جملہ مسلمانوں کی نیک خواہشات قبول فرمائے۔

''باقی ہر طرح خیریت ہے۔ مولانا محمد عبدہ فلاح میرے پاس لیٹے ہوئے آپ کو سلام کہہ رہے ہیں۔ میرے رفیق سفر محمد حنیف ملتانی بھی سلام عرض کرتے ہیں۔ فقط والسلام

''آپ کا مخلص حافظ فتح محمد فتحی۔ مکہ مکرمہ۔ ج ب ۱۷۶۷ سعودی عرب۔''

اب دوسرا خط پڑھیے۔

اس خط پر تاریخ صرف ۲۰ جمادی الاوّل لکھی ہے سن نہیں لکھا۔ سعودی عرب میں رہنے والے ایک پاکستانی دوست نے ایک کام کے سلسلے میں مجھے خط لکھا تھا، جس کا تعلق امام کعبہ شیخ سبیل سے تھا۔ اس دوست کا خیال تھا کہ حافظ فتحی صاحب امام صاحب کو کہہ دیں تو کام ہوجائے گا۔ کام کی نوعیت میرے ذہن میں نہیں رہی۔ نیز میں نے حافظ صاحب کو لکھا تھا کہ وہ میرے لیے دعا فرمائیں کہ میں حج کی سعادت حاصل کرسکوں۔ حافظ صاحب نے مندرجہ ذیل خط میرے اسی خط کے جواب میں تحریر فرمایا۔

''۲۰ جمادی الاوّل۔ باسمہ تعالیٰ

''مکرم ومحترم مولانا محمد اسحاق بھٹی۔ دامت برکاتہ

''السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ خیریت جانبین مطلوب۔

''احوال آں کہ آپ کا تحریر کردہ خیریت نامہ موصول ہوا۔ یاد فرمائی کا شکریہ۔ محترم گزارش یہ ہے کہ اس وقت امام الحرم شیخ سبیل چند دن کے لیے باہر گئے ہوئے ہیں۔ ان کی واپسی پر جہاں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تک ہو سکے گا ضرور کوشش کروں گا۔ آپ مطمئن رہیں۔ اگر ان کو ضرورت ہوئی تو ضرور ان شاء اللہ کام بن جائے گا۔

''آپ نے حج کی خواہش ظاہر کی ہے۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ آپ کی ہر خواہش پوری فرمائے اور حج کے موقعے پر اکٹھے حرم پاک میں نظر آئیں۔

''باقی سب خیریت ہے۔ جملہ احباب کو سلام عرض کریں۔ میرے رفیق سفر مولانا محمد حنیف سلام عرض کرتے ہیں۔ والسلام

''حافظ فتح محمد فتحی۔ مکہ مکرمہ۔ ص ب ۱۷۶۷۔ سعودی عرب۔''

اپنی معلومات کے مطابق گزشتہ سطور میں حافظ فتح محمد فتحی کی زندگی کے کوائف ضروری تفصیلات کے ساتھ بیان کر دیے گئے ہیں۔ ان کا خاندانی پس منظر بھی ضبط تحریر میں آ گیا ہے۔ ان کے دورِ آغاز کا تذکرہ بھی کر دیا گیا ہے۔ ان کا عہد طالب علمی بھی ہمارے سامنے آ گیا ہے۔ ان کے زمانۂ طلب علم کے رفقاے کرام اور اساتذہ کے اسماے گرامی بھی بیان کر دیے گئے ہیں۔ پھر ارضِ حجاز میں ان کا ورود، ان کا حصولِ علم، بیت اللہ شریف میں ان کی تدریس۔ سعودی عرب، پاکستان اور ہندوستان کے علماء ومشائخ سے ان کے مراسم۔ ان کی سخاوت، ان کی فراغ حوصلگی اور وسعت قلبی وغیرہ کے اہم واقعات جو ہمارے علم میں آئے، لکھ دیے گئے ہیں۔ اندازہ کیجیے کہ وہ کہاں سے چلے اور کہاں پہنچے۔ کچھ پتا نہیں کہ گاؤں سے نکلنے اور خاندان سے الگ رہنے کے بعد ان لوگوں سے ان کے تعلقات قائم رہے یا نہیں رہے۔ یہ بھی معلوم نہیں کہ اپنے قدیم علاقے اور مولد ومنشا میں کبھی انھیں جانے کا اتفاق ہوا یا نہیں ہوا۔

حافظ فتحی غریب الدیار شخص تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان پر کرم فرمایا کہ وہ خیر الدیار ہوئے۔ انھیں دنیا کے مقدس ترین مقام بیت اللہ شریف کی سکونت نصیب ہوئی۔ وہاں وہ طلباے علم کو پڑھاتے رہے۔ اپنے دور کے عظیم اصحابِ علم سے ان کی ملاقاتیں رہیں اور ان سے تعلقات استوار ہوئے۔

آخر عمر میں انھیں بعض شدید عوارض لاحق ہو گئے تھے۔ انھوں نے ۵۴ سال عمر پا کر اتوار کے روز ۲۔ صفر ۱۴۰۵ھ (مطابق ۲۹۔ اکتوبر ۱۹۸۴ء) کو مکہ مکرمہ میں رحلت فرمائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

اللھم اغفرله وارحمه وعافه واعف عنه .....

اللھم اکرم نزله ووسع مدخله وادخله جنت الفردوس .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

پروفیسر غلام احمد حریری

(وفات ۸ مئی ۱۹۹۰ء)

فیصل آباد کے جن حضرات سے بہت عرصہ پیشتر تعلق پیدا ہوا اور پھر وہ تعلق دونوں طرف سے روز بروز اخلاص کے سانچے میں ڈھلتا اور بڑھتا گیا ان میں ایک صاحب علم شخصیت پروفیسر غلام احمد حریری کی ہے۔ طویل قامت، صحت مند کسرتی جسم، تھوڑا سا لمبا چہرہ، روشن آنکھیں، کھلی پیشانی، اچھی خاصی داڑھی، شلوار قمیص پر مشتمل صاف ستھرا مگر سادہ لباس، سر پر قدرے اونچی دیوار کی قراقلی ٹوپی۔ متحمل مزاج اور بردبار، خوش طبع اور ملنسار۔ اہل علم کے قدر دان۔ کم گو اور سنجیدگی پسند۔ حریری نسبت رکھتے تھے اور واقعی حریر و پرنیاں تھے۔

پروفیسر غلام احمد حریری یکم ستمبر ۱۹۲۰ء (اور ایک روایت کے مطابق ۱۹۱۷ء) کو مشرقی پنجاب کے ضلع گورداس پور کے موضع طالب پور میں پیدا ہوئے۔ راجپوت زمیندار خاندان کے فرد تھے جو علم کی نعمت سے ناآشنا تھا۔ حریری صاحب اس خاندان کے پہلے فرد ہیں جنھوں نے تعلیم حاصل کی۔ گورداس پور کے آریہ ہائی سکول سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ ایک عالم دین حافظ عبدالعزیز سے منطق کی کتاب قطبی، علم نحو کی شرح جامی، فقہ کی ہدایہ، اصولِ فقہ کی نور الانوار اور صحاح ستہ کی بعض کتابیں پڑھیں۔ اس زمانے میں موضع ویرو وال (ضلع امرتسر) میں شیخ الحدیث مولانا عبداللہ ویرووالوی کا سلسلۂ تدریس جاری تھا۔ حریری صاحب نے اس مدرسے میں مولانا ممدوح سے حدیث کی ان کتابوں کا درس لیا جو حافظ عبدالعزیز سے نہیں پڑھی تھیں۔ نیز ان سے درس نظامی کی آخری کتابوں کی تکمیل کی۔ بعد ازاں پنجاب یونیورسٹی سے ایف اے اور بی اے کے امتحانات باقاعدہ طالب علم کی حیثیت سے پاس کیے۔

۱۹۴۰ء میں بہ سلسلہ ملازمت محکمہ صنعت وحرفت سے منسلک ہوگئے۔ وہاں چوں کہ ابریشم کی صنعت بھی تھی، جسے عربی میں ''حریر'' کہا جاتا ہے، اس لیے ''حریری'' کی نسبت اختیار کی اور پھر اسی نسبت سے مشہور ہوگئے۔ ملازمت کے زمانے میں انھیں راولپنڈی، اٹک اور ہزارہ کے علاقوں میں رہنے کا موقع ملا اور پھر اسی دوران میں وہاں کے اساتذہ سے استفادہ کیا اور ان سے درسِ نظامی کی مشکل ترین انتہائی کتابیں پڑھیں۔ اس کی تفصیل اس طرح ہے:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بریلوی مکتب فکر کے عالم قاضی عبدالسبحان ہزاروی کھلا بٹی سے حمد اللہ، قاضی مبارک، میر زاہد، ملا حسن، ملا جلال۔ فلسفے کی صدرا، شمس بازغہ۔ علم نحو کی حاشیہ عبدالغفور علی الجامی۔ علم کلام کی شرح مقاصد اور شرح مواقف امور عامہ جیسی کتابیں پڑھیں۔

راولپنڈی میں مولانا غلام اللہ خاں سے فلسفے کی اشاراتِ بوعلی سینا، عروض کی محیط الدائرہ اور تفسیر بیضاوی کا درس لیا۔

حضرو ضلع کیمبل پور میں مولانا عبدالحنان سے تصریح، شرح چغمینی اور اقلیدس وغیرہ کتابوں کی تکمیل کی۔

۴۵۔۱۹۴۴ء میں پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل، منشی فاضل اور ادیب فاضل کے امتحانات درجہ اوّل میں پاس کیے۔ اس زمانے میں مولوی فاضل کا اطلاق فاضل عربی پر، منشی فاضل کا فاضل فارسی پر اور ادیب فاضل کا فاضل اردو پر ہوتا تھا۔

۱۹۴۷ء میں تقسیم ملک کا مرحلہ پیش آیا تو پاکستان آ گئے اور لائل پور (فیصل آباد) کو اپنا مسکن بنایا۔

۱۹۵۴ء میں پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے عربی اور ۱۹۵۵ء میں ایم اے علوم اسلامیہ کے امتحانات دیے اور دونوں امتحانوں میں اوّل پوزیشن حاصل کی۔

حضرت حافظ محمد گوندلوی سے مسلّم الثبوت، توضیح تلویح اور حاشیہ خیالی علی العقائد پڑھیں۔ ان سے سند حدیث بھی لی۔

۱۹۶۴ء میں اسلامیہ کالج فیصل آباد میں بہ طور لیکچرر تقرر ہوا۔ اپریل ۱۹۶۸ء کو زرعی یونیورسٹی (فیصل آباد) میں سینئر لیکچرر مقرر کیے گئے۔

۱۹۷۵ء میں سید ابوبکر غزنوی کو حکومت نے اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور کے وائس چانسلر کے منصب پر فائز کیا تو انھوں نے حریری صاحب کو یکم ستمبر ۱۹۷۵ء کو اسلامیہ یونیورسٹی آنے کی دعوت دی اور انھیں صدر شعبہ اسلامیات بنا دیا۔

اکتوبر ۱۹۷۸ء میں جب ڈاکٹر غلام رسول چودھری زرعی یونیورسٹی کے وائس چانسلر مقرر ہوئے تو انھوں نے حریری صاحب کو زرعی یونیورسٹی آنے کی دعوت دی اور انھیں صدر شعبہ علوم اسلامیہ کے منصب پر متمکن کیا۔ ۱۹۸۲ء تک صدر شعبہ علوم اسلامیہ اور صدر شعبہ عربی کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔

۱۹۸۲ء میں سعودی عرب کے دارالافتا کی طرف سے انھیں مبعوث کے طور پر جامعہ سلفیہ (فیصل آباد) میں خدمت تدریس سرانجام دینے پر مامور کیا۔

پروفیسر غلام احمد حریری کو یہ شرف حاصل ہے کہ انھوں نے تمام درسی علوم کی باقاعدہ تحصیل کی اور چالیس برس درس وتدریس کا فریضہ سرانجام دیا۔ اس کے ساتھ ہی انھوں نے قلم وقرطاس سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بھی رابطہ قائم کیا جو ہمیشہ قائم رہا۔

پنجاب یونیورسٹی کے اردو دائرۂ معارفِ اسلامیہ میں مندرجہ ذیل موضوعات پر مقالات لکھے۔

① .....علوم القرآن، ② .....قرآنِ کریم کے اثرات وبرکات، ③ .....اعجاز القرآن

④ .....سیرت نگاری، ⑤ .....عربی لغت نگاری، ⑥ .....علم الصرف، ⑦ .....علم الاشتقاق

⑧ .....کعبہ، ⑨ .....مسجد، ⑩ منبر۔

پروفیسر غلام احمد حریری عربی کے آدمی تھے اور اس زبان سے انھیں خاص انس تھا۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے عربی کی متعدد قدیم وجدید کتابوں کے اردو زبان میں ترجمے کیے۔ وہ رواں قلم مصنف تھے اور شستہ اردو میں ترجمہ کرتے تھے۔ انھوں نے بے شک متعدد کتابیں تصنیف بھی کیں۔ لیکن ان کا زیادہ کام تراجم پر مشتمل ہے جو حسب ذیل ہے:

① .....امام ابن حزم کی مشہور کتاب المحلّٰی کا ترجمہ کیا۔

② .....مصر کے سید قطب شہید کی عربی کتاب التصویر الفنی فی القرآن کا اردو ترجمہ بنام قرآن کے فنی محاسن۔

③ .....مصر کے مشہور مصنف شیخ ابوزہرہ کی عربی تصنیف امام ابوحنیفہ کا اردو ترجمہ کیا۔ ترجمہ شدہ کتاب مکتبہ سلفیہ شیش محل روڈ لاہور نے حیات امام ابوحنیفہ کے نام سے شائع کی۔

④ .....اسی مصنف کی تصنیف امام ابن حزم کا ترجمہ، بنام حیات ابن حزم کیا۔

⑤ .....اسی مصنف کی تصنیف امام ابن قیم کا ترجمہ، بنام حیات ابن قیم کیا۔

⑥ .....ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن اعظمی مشہور مصنف ومحقق ہیں جن کا طویل عرصے تک مدینہ یونیورسٹی ں سلسلۂ تدریس جاری رہا۔ وہ آج کل مدینہ منورہ میں حدیث سے متعلق تحقیقی کام کررہے ہیں۔ ن کے ڈاکٹریٹ کے مقالے کا عنوان تھا، اقضیہ الرسول۔ حریری صاحب نے اس عربی زبان کے مقالے کا ''عدالت نبوی کے فیصلے'' کے نام سے ترجمہ کیا۔

⑦ .....تاریخ تفسیر ومفسرین (ترجمہ مع اضافات)

⑧ .....تاریخ حدیث ومحدثین (ترجمہ)

⑨ .....المنتقی من منہاج السنہ کا اردو ترجمہ

⑩ .....اسلامی مذاہب (ترجمہ)

⑪ .....حیات حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ (ترجمہ)

⑫ .....اتباعِ سنت اور ائمہ سلف (ترجمہ)

⑬ .....حدیث رسول ﷺ کا تشریعی مقام (ترجمہ)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

⑭.....علوم القرآن (ترجمہ)

⑮.....علوم الحدیث (ترجمہ)

⑯.....عربی اردو بول چال

⑰.....شرح الحدیث والفقہ

⑱.....سیرت سرور انبیاء ﷺ (ترجمہ)

⑲.....اسلام کا معاشی نظام

⑳.....اساسِ اسلام

㉑.....فہم اسلام

㉒.....الصارم المسلول علی شاتم الرسول (ترجمہ)

پروفیسر غلام احمد حریری متانت پسند اہل علم تھے۔ میں نے کبھی انھیں کوئی لطیفہ بیان کرتے نہیں سنا۔ نہ کسی دوست نے ان کی طرف کوئی لطیفہ منسوب کیا۔ لیکن ان کو ایک لطیفہ سن کر مسکراتے اور خوش ہوتے ضرور دیکھا۔ ایک مرتبہ میں اور مولانا محمد حنیف ندوی فیصل آباد گئے اور فیصلہ کیا کہ آج حریری صاحب سے ضرور ملیں گے۔ ایک دوست سے ان کے متعلق پوچھا تو بتایا کہ اس وقت وہ فلاں مقام پر موجود ہیں۔ وہاں گئے تو پتا چلا کہ تھوڑی دیر ہوئی فلاں جگہ پر چلے گئے ہیں۔ وہاں پہنچے تو وہ کسی اور جگہ جا چکے تھے۔ اس طرح ہم نے ان کو تین چار مقامات پر تلاش کیا۔ بالآخر ایک مقام پر جا پکڑا۔ وہ ہمیں دیکھ کر نہایت متعجب ہوئے۔ مولانا محمد حنیف ندوی برمحل اور مناسب ترین لطیفہ بیان کرنے میں جواب نہیں رکھتے تھے۔ فرمایا: ہم نے حریری تو سنا تھا لیکن مقاماتِ حریری کا آج پتا چلا۔ یہ لطیفہ سن کر وہ بہت محظوظ ہوئے اور اس مجلس کے جو لوگ کتاب ''مقاماتِ حریری'' سے آگاہ تھے انھوں نے بھی اس لطیفے پر مسرت کا اظہار کیا۔

پروفیسر غلام احمد حریری نے ۸ مئی ۱۹۹۰ء کو فیصل آباد میں وفات پائی اور ان کے جنازے میں ہر مسلک فقہی کے لوگوں نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مولانا عبداللہ ویرووالوی

(وفات ۲ فروری ۱۹۹۱ء)

تقسیم ملک سے قبل مشرقی پنجاب کے امرتسر شہر اور ضلع کے دیہات وقصبات میں اہل حدیث مسلک سے تعلق رکھنے والے لوگ بہت بڑی تعداد میں آباد تھے۔ لیکن بعض مقامات میں اہل حدیث کیا، عام مسلمانوں کی تعداد بھی بہت کم تھی اور سکھوں کی تعداد ان کے مقابلے میں بہت زیادہ تھی۔ وہاں کوئی مسجد بھی نہ تھی، جس میں مسلمان اجتماعی طور سے پنج وقت فریضۂ نماز ادا کرسکیں۔ ان میں ایک گاؤں کا نام ''منڈا پنڈ'' تھا جو ضلع امرتسر کی تحصیل ترنتارن کا اس نواح میں مشہور گاؤں تھا۔ وہاں کوئی مسجد نہ تھی اور مسلمانوں کو سکھ وہاں مسجد بنانے اور اذان کہنے سے سختی کے ساتھ روکتے تھے۔ جو مسلمان وہاں آباد تھے، وہ بھی بدعات میں گھرے ہوئے تھے۔ صحیح اسلامی احکام کا کسی کو علم نہ تھا۔

اس گاؤں میں ایک شخص میاں جان محمد سکونت پذیر تھے۔ وہ اگرچہ کسی قدر وہاں کی مؤثر شخصیت تھے اور کچھ پڑھے لکھے بھی تھے، لیکن ان کی دینی حالت وہی تھی جو دوسرے لوگوں کی تھی۔ پھر ایک وقت آیا کہ اللہ نے انھیں راہِ مستقیم کی ہدایت سے نوازا اور انھوں نے مسلک اہل حدیث اختیار کرلیا اور وہاں کے حالات کے مطابق اس کی تبلیغ کرنے لگے، جس سے لوگ متاثر ہوئے۔ علاقے کے بعض علماے کرام سے بھی ان کے تعلقات قائم ہوگئے۔ اس طرح اس گاؤں کے مسلمانوں کو مسلک اہل حدیث سے کچھ شناسائی ہوئی۔

حالات کی رفتار ہمیشہ ایک سی نہیں رہتی، بدلتی رہتی ہے۔ منڈا پنڈ کے مسلمانوں کی حالت بھی بدلی۔ وہاں اذان بھی ہونے لگی اور مسجد بھی تعمیر ہوئی۔ دینی مدرسہ بھی قائم ہوا، جس میں قرآن وحدیث کی تعلیم دی جانے لگی۔ لیکن کیسے.....؟ سنیے!

منڈا پنڈ اور اس کے قرب وجوار کے دیہات میں جانوروں کے ''گل گھوٹو'' کی بیماری پھیل گئی۔ جانوروں کا گلا گھٹتا، انھیں کھانسی آتی اور وہ مرجاتے۔ اس طرح لوگوں کی بہت سی بھینسیں، گائیں، اونٹ اور بھیڑ بکریاں مرگئیں۔ لوگ دعا اور دم وغیرہ کے لیے میاں جان محمد کی خدمت میں آنے لگے۔ ان کے گاؤں میں سکھوں کی اکثریت تھی اور مال مویشی بھی زیادہ تر انہی کے تھے، جو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

گل گھوٹو کی بیماری سے مر رہے تھے، اس لیے وہ زیادہ تعداد میں میاں جان محمد کے پاس آتے تھے۔ میاں صاحب دعا فرماتے یا پانی پر دم کرتے یا جانوروں کے گلے میں باندھنے کے لیے تعویذ دیتے اور اللہ کے فضل سے بیماری رفع ہوجاتی اور جانور تندرست ہوجاتے۔ اس طرح لوگوں میں میاں صاحب کا احترام بہت بڑھ گیا اور سکھ انھیں اوتار سمجھنے لگے۔

ایک دن میاں صاحب گھر سے نکلے اور گاؤں کی ایک اونچی سی جگہ پر اذان دینا شروع کردی۔ اس پر سکھوں میں ایک ہل چل سی پیدا ہوئی اور وہ باہر آئے تو دیکھا کہ اذان میاں جان محمد نے دی ہے۔ اس پر وہ خاموش ہوگئے۔ کسی نے کوئی ہنگامہ نہیں کیا۔ پھر اسی مقام پر مسجد تعمیر کی گئی اور وہیں دینی تعلیم کے لیے مدرسہ جاری کیا گیا۔ لوگ نمازیں بھی پڑھنے لگے، قرآن بھی پڑھنے لگے اور دینیات کی تعلیم بھی حاصل کرنے لگے۔

میاں جان محمد ۱۸۵۵ء کے لگ بھگ پیدا ہوئے تھے اور تقریباً سو سال کی عمر پا کر ۱۹۵۳ء کو فیصل آباد میں فوت ہوئے۔

مولانا عبداللہ ویرووالوی انہی میاں جان محمد کے فرزند گرامی تھے جو ۱۹۱۰ء کے پس وپیش پیدا ہوئے۔ میاں صاحب کی اولاد کئی بیٹیاں تھیں، کوئی بیٹا نہیں تھا۔ وہ حج بیت اللہ کے لیے گئے۔ وہاں انھوں نے اللہ سے دعا مانگی کہ اگر وہ انھیں بیٹا عطا فرما دے تو وہ اسے دینی تعلیم کے لیے وقف کردیں گے۔ چناں چہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بیٹا عطا فرمایا جس کا نام انھوں نے عبداللہ رکھا۔ عبداللہ نے قرآنِ مجید اپنے گاؤں کے ایک بزرگ میاں مولا بخش سے پڑھا اور چار جماعتیں سکول میں پڑھیں۔

باپ کے کہنے پر عبداللہ نے سکول کی تعلیم ترک کردی اور دینیات کی تعلیم میں مشغول ہوگئے۔ سکول کے وہ ذہین اور لائق طالب علم تھے۔ اس کے ہندو ہیڈ ماسٹر نے میاں جان محمد سے درخواست کی کہ اس بچے کو سکول کی تعلیم جاری رکھنا چاہیے۔ لیکن میاں صاحب رضامند نہیں ہوئے اور دینی تعلیم دلانے کے فیصلے پر مصر رہے۔ چناں چہ قرآنِ مجید پڑھنے اور پرائمری پاس کرنے کے بعد عبداللہ نے حضرت حافظ محمد لکھوی کی پنجابی نظم کی کتابیں احوال الآخرت اور تفسیر محمدی پڑھیں۔ اس زمانے کے پنجاب میں یہ کتابیں لوگوں میں بہت مقبول تھیں جو مدرسوں اور گھروں میں عام پڑھی پڑھائی جاتی تھیں۔ مولانا عبداللہ نے تفسیر محمدی کا اچھا خاصہ حصہ زبانی یاد کرلیا تھا۔

اس کے بعد میاں جان محمد نے ان کو مولانا محمد ابراہیم باقی پوری کی خدمت میں بھیج دیا۔ ان سے انھوں نے مروّجہ نصاب کی متعدد کتابیں پڑھیں۔ پھر وہ اپنے علاقے سے باہر نکلے، لدھیانہ اور سہارن پور وغیرہ کے مدارس میں پہنچے اور وہاں کے اساتذہ سے مختلف فنون کی کتابیں پڑھیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بعد ازاں امرتسر آئے اور مدرسہ غزنویہ میں داخلہ لیا۔ مدرسہ غزنویہ کی اس وقت بہت شہرت تھی۔ وہاں حضرت الامام عبدالجبار غزنوی رحمہ اللہ کے تلمیذ عالی مرتبت مولانا نیک محمد مرحوم ومغفور کا سلسلۂ درس جاری تھا۔ مولانا ممدوح اسم بامسمّٰی تھے۔ بے حد صالح اور نہایت نیک اعمال بزرگ۔ مولانا عبداللہ ویرووالوی نے ان سے خوب استفادہ فرمایا۔ وہاں کے دیگر اساتذہ سے بھی تحصیل علم کی۔ ایک بزرگ مولانا محمد اسماعیل تھے جو موضع بھاؤوال کے رہنے والے تھے، ان سے بھی اخذ فیض کیا۔ انھوں نے کسب علم کے لیے متعدد دور دراز کے مقامات کے سفر کیے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں کامیابی سے ہم کنار کیا۔ اٹھارہ انیس برس کی عمر میں وہ علومِ متداولہ سے فارغ ہوگئے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ان پر یہ بہت بڑا احسان تھا۔

۱۹۲۸ء میں مولانا عبداللہ نے اپنے گاؤں منڈاپنڈ کی اس مسجد میں تدریس کا آغاز کیا جو ان کے والد محترم میاں جان محمد نے تعمیر کرائی تھی۔ ابتدا بچوں کو ناظرہ قرآنِ مجید پڑھانے سے کی گئی۔ پھر آہستہ آہستہ اردگرد کے دیہات میں ان کی شہرت پہنچی اور درس نظامی کی کتابیں پڑھنے کے خواہش مند طلبا بھی اِدھر کا رخ کرنے لگے۔ تھوڑے عرصے میں چودہ پندرہ بیرونی طلبا جمع ہوگئے اور اس نواح میں اس مدرسے نے اچھے خاصے تعلیمی ادارے کی حیثیت اختیار کرلی۔ گاؤں کے عام باشندے بھی اس میں دلچسپی لینے لگے۔ مولانا عبداللہ یہ کام فی سبیل اللہ کرتے تھے، کسی سے کوئی پیسا نہیں لیتے تھے۔ پانچ وقت جماعت بھی کراتے، فجر کی نماز کے بعد قرآنِ مجید کا درس بھی دیتے، جمعے کا خطبہ بھی ارشاد فرماتے۔ اس طرح گاؤں میں علمی اعتبار سے ایک ایسی فضا پیدا ہوگئی جس کا پہلے کبھی کسی کو تصور بھی نہیں ہوا تھا۔ یہ وہی گاؤں تھا، جس میں نہ کوئی مسجد تھی اور نہ اذان دی جاسکتی تھی۔ اب اللہ کے فضل سے پرانی باتیں ختم ہوگئی تھیں۔ مسلمانوں میں بدعات اور غیر شرعی رسوم ورواج کا بھی تقریباً خاتمہ ہوگیا تھا۔ مولانا عبداللہ نے نیک نیتی سے سلسلۂ تدریس شروع کیا تھا، جو جلد ہی ثمر آور ہوگیا تھا۔

مولانا عبداللہ نے گزر اوقات کے لیے دکان کھول لی تھی جس میں لوگوں کی ضرورت کی چیزیں فروخت کی جاتی تھیں۔ ان کی آمدنی کا یہ معقول ذریعہ تھا۔ بیرونی طلبا کا کھانا بھی انہی کے گھر میں پکتا تھا۔ کسی سے چندہ مانگنا ان کی فطرت کے خلاف تھا۔ جو اپنی کمائی سے میسر آتا، وہ خود بھی کھاتے اور طلبا کو بھی کھلاتے۔ کسی کے دست نگر نہ اس وقت تھے، نہ بعد میں ہوئے۔

مولانا عبداللہ کے بعض رشتے دار ضلع امرتسر کے ایک گاؤں ویرووال افغاناں میں اقامت گزیں تھے۔ (اس کے قریب ہی ایک گاؤں ''ویرووال راجپوتاں'' کے نام سے موسوم تھا۔) ویرووال

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

افغاناں کے لوگوں نے میاں جان محمد سے اصرار کیا کہ وہ منڈا پنڈ کی سکونت ترک کر کے ویرووال افغاناں آ جائیں۔ مولانا عبداللہ اپنا مدرسہ بھی یہاں لے آئیں اور جمعہ وجماعت کا سلسلہ بھی اپنی مرضی کے مطابق چلائیں۔ وہاں مسلمانوں کی اکثریت تھی اور وہ اہل حدیث بھی تھے۔ وہاں کی مسجد میں حضرت مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی کے ایک رشتے دار میاں عبداللہ بچوں کو قرآنِ مجید اور دینیات کی ابتدائی کتابیں پڑھایا کرتے تھے۔ اب مولانا عبداللہ اور ان کے والد محترم اپنے آبائی گاؤں منڈا پنڈ سے ویرووال افغاناں منتقل ہوگئے۔ یہ ۱۹۳۱ء کی بات ہے۔ اس وقت مولانا عبداللہ کی عمر بائیس تیئیس برس کی تھی اور یہ ان کی نوجوانی کا زمانہ تھا۔

ویرووال جا کر انھوں نے دارالعلوم شمسیہ عربیہ کے نام سے تدریسی ادارہ قائم کیا، جس کی شہرت جلد ہی دور ونزدیک کے مختلف مقامات میں پہنچ گئی۔ یہ دارالعلوم مولانا ممدوح کے والد میاں جان محمد نے خود اپنی گرہ سے زمین خرید کر بنایا تھا۔ دارالعلوم کے لیے کتابیں بھی خریدی گئیں اور طلبا کے لیے کمرے وغیرہ بھی تعمیر کیے گئے۔

ابتدا میں مولانا عبداللہ تنہا مدرس تھے۔ قرآن، حدیث، تفسیر، عربی ادبیات، صرف، نحو، منطق، فلسفہ، معانی بیان وغیرہ تمام درسی کتابیں وہ طلبا کو پڑھاتے تھے۔ انھوں نے مستقل طور سے ویرووال افغاناں میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ اس لیے وہ مولانا عبداللہ ویرووالوی کے نام سے مشہور ہوئے۔

جن حضرات نے ان سے ویرووال کے دارالعلوم شمسیہ عربیہ میں تعلیم حاصل کی، ان میں سے چند حضرات کے اسمائے گرامی مندرجہ ذیل ہیں:

① ..... حکیم عبدالرحیم اشرف: یہ ویرووال ہی کے رہنے والے تھے۔ ۱۹۳۸ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔ ان کے حالات اس کتاب میں بیان کیے گئے ہیں۔

② ..... پروفیسر غلام احمد حریری: سابق صدر شعبہ اسلامیات زرعی یونیورسٹی۔ فیصل آباد۔ ان کا تذکرہ گزشتہ صفحات میں ہو چکا ہے۔

③ ..... مولانا محمد داؤد انور: یہ ریاست کپورتھلہ (مشرقی پنجاب) کے ایک گاؤں کے رہنے والے تھے۔ ۱۹۳۹ء میں دارالعلوم شمسیہ عربیہ میں داخل ہوئے۔ کچھ عرصے بعد مدرسہ غزنویہ (امرتسر) میں چلے گئے۔ قیام پاکستان کے بعد فاروق آباد (ضلع شیخوپورہ) میں تشریف لائے اور وہاں بڑی خدمات سرانجام دیں۔

④ ..... میاں فضل حق: (سابق ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیت اہل حدیث اور صدر جامعہ سلفیہ) ان کی جماعتی خدمات کا سلسلہ بہت وسیع ہے، جس کا تذکرہ میں نے ایک مستقل کتاب ''میاں فضل حق اور ان کی خدمات'' میں کیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

⑤..... مولانا غلام اللہ: آزادیٔ برصغیر کے بعد یہ فیصل آباد آ بسے تھے۔ وہیں وفات پائی۔ ملنسار اور حلیم الطبع عالم دین تھے۔

⑥..... حکیم محمد ابراہیم: ویرووال ہی کے رہنے والے تھے۔ تکمیل تعلیم کے بعد ضلع امرتسر کے ایک گاؤں جنڈیالا گورو کی ایک مسجد میں خطیب رہے۔ قیام پاکستان کے بعد حافظ آباد آئے اور وہاں کی جامع مسجد مبارک کے منصب خطابت پر فائز ہوئے۔ حافظ آباد ہی میں وفات پائی۔

⑦..... مولانا عبدالقیوم: مشرقی پنجاب کے ایک مقام بھوانی پور (ریاست کپورتھلہ) سے تعلق رکھتے تھے۔ دارالعلوم شمسیہ عربیہ میں تعلیم حاصل کی اور پھر وہیں خدمت تدریس انجام دینے لگے۔ قیام پاکستان کے بعد مڑھ بلوچاں (ضلع شیخوپورہ) میں آباد ہوئے۔ وہیں ان کا انتقال ہوا۔

⑧..... مولانا حکیم محمد حنیف: دارالعلوم شمسیہ عربیہ میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد علم طب پڑھا۔ تقسیم ملک کے زمانے میں ضلع شیخوپورہ کے ایک قصبے منڈی ڈھاباں سنگھ میں مقیم ہوئے۔ اس علاقے کے معروف مبلغ وخطیب تھے۔ منڈی ڈھاباں سنگھ ہی میں سفر آخرت اختیار کیا۔

⑨..... مولانا عبدالرحمٰن: جماعت اہل حدیث کے یہ عالم دین تقسیم ملک کے زمانے میں ضلع جھنگ میں آباد ہوئے۔

⑩..... مولانا محمد یحییٰ حافظ آبادی: ویرووال کے دارالعلوم میں تحصیل علم کی۔ وعظ وتقریر کے سلسلے میں بڑی شہرت پائی۔ آزادی کے بعد حافظ آباد آئے اور وہیں انتقال ہوا۔

یہ ان چند حضرات کے اسمائے گرامی ہیں جنھوں نے ویرووال کے دارالعلوم شمسیہ میں تعلیم حاصل کی۔ ان کے علاوہ بہت سے علما وطلبا نے اس دارالعلوم سے اکتسابِ فیض کیا۔ اس مضمون میں ان سب کا تذکرہ کرنا مشکل ہے۔

پہلے بتایا جا چکا ہے کہ ابتدا میں مولانا عبداللہ ویرووالوی اپنے قائم کردہ دارالعلوم کے تنہا مدرس تھے اور وہی طلبا کو تمام مروّجہ علوم کی تعلیم دیتے تھے۔ لیکن اس کے بعد ان متعدد حضرات کی خدمات حاصل کر لی گئی تھیں جو وہاں سے فارغ التحصیل ہوئے۔ ان کے اسمائے گرامی مندرجہ ذیل ہیں:

① مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف، ② مولانا رفیق الحسن ③ مولانا عبدالقیوم ④ مولانا عبدالمجید ⑤ مولانا فتح دین ⑥ مولانا عبداللطیف ⑦ مولانا عبداللہ کلسوی۔

دارالعلوم کے بانی مولانا عبداللہ ویرووالوی کے علاوہ یہ آٹھ مدرس تھے جو وہاں مختلف اوقات میں خدمت تدریس انجام دیتے رہے۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ درس وتدریس کے اعتبار سے اس دارالعلوم کو اس وقت کس قدر اہمیت حاصل تھی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہ دارالعلوم ۱۹۲۸ء سے لے کر ۱۹۴۷ء تک انیس سال جاری رہا۔ منڈاپنڈ سے ویرووال منتقل ہونے کے بعد اس کے اوّلیں طالب علم حکیم عبدالرحیم اشرف تھے، جنھوں نے ۱۹۳۱ء سے ۱۹۳۸ء تک اس میں تعلیم حاصل کی اور اسی سال فارغ التحصیل ہوئے۔ پھر یہیں خدمت تدریس پر مامور کیے گئے۔ معلوم ہوتا ہے یہ پہلے مدرس تھے جنھوں نے فراغت کے بعد اپنے استاذِ مکرم کے ساتھ تدریس میں شرکت کی۔

۱۹۴۷ء میں ملک تقسیم ہوگیا تو مشرقی پنجاب کے بہت سے مدارس دینیہ کی طرح یہ مدرسہ بھی ختم ہوگیا اور مولانا عبداللہ ویرووالوی مشکل ترین حالات سے گزرتے ہوئے اپنے افرادِ خانہ کے ساتھ پاکستان پہنچے۔ انھوں نے سکونت کے لیے گوجراں والا کا قصد کیا۔ کچھ مدت وہاں رہے۔ وہ نہایت تکلیف کا زمانہ تھا، جس سے وہ دوچار ہوئے۔ گوجراں والا میں اپنی معاشی مجبوریوں کی وجہ سے سڑک پر بیٹھ کر صابن بیچتے رہے۔ اس درجہ خود دار اور باحمیت عالم دین تھے کہ اس انتہائی تکلیف کی حالت میں بھی انھوں نے کسی کے آگے دستِ سوال دراز نہیں کیا۔ نہ کسی سے اپنی کسی ضرورت کا ذکر کیا۔ اس وقت وہ پینتیس چھتیس سال کے جوان تھے اور اپنے ہاتھ سے کام کرکے گزر اوقات کرتے تھے۔ حضرت مولانا محمد اسماعیل سلفی نے ان کی مالی مدد کرنے کی بعض صورتیں پیدا کیں، لیکن وہ ان سے فائدہ اٹھانے پر آمادہ نہ ہوئے۔

گوجراں والا سے وہ چنیوٹ چلے گئے۔ چنیوٹ جا کر جماعتی خدمت کو اپنا معمول بنایا۔ وہاں کی شیخ برادری سے ان کے تعلقات استوار ہوئے۔ ایک مخیّر بزرگ وہاں حاجی مولا بخش قیام فرما تھے جو نشاط ٹیکسٹائل مل کے مالک تھے اور اہل علم سے بے حد عقیدت رکھتے تھے اور مدارس ومساجد کے سلسلے میں علمائے کرام سے تعاون کرتے تھے۔ مولانا عبداللہ ویرووالوی سے بھی انھوں نے دینی معاملات میں تعاون کیا۔ بعض دینی معاملات اس نوعیت کے ہیں کہ اصحابِ ثروت کی امداد کے بغیر تکمیل کی منزل کو نہیں پہنچ سکتے۔ مثلاً مدارس کا قیام، مساجد کی تعمیر، طلبا کے مصارف، مدرسین کی تنخواہوں کی ادائیگی۔ یہ وہ معاملاتِ دینی ہیں جنھیں کوئی ایک شخص انجام نہیں دے سکتا۔ لازماً یہ جماعتی تعاون اور مخیّر حضرات کی معاونت کا تقاضا کرتے ہیں۔ چناں چہ مولانا عبداللہ ویرووالوی کو چنیوٹ میں حاجی مولا بخش اور بہت سے دیگر مخیّر حضرات کی معاونت حاصل رہی اور وہ وہاں کے حالات کے مطابق کام کرتے رہے۔

مولانا عبداللہ کچھ سال چنیوٹ رہے۔ پھر فیصل آباد آگئے۔ وہاں کے ماڈل ٹاؤن میں مکان الاٹ کرایا اور یہیں مربہ سازی وغیرہ کا کاروبار شروع کردیا۔ اہل وعیال چنیوٹ ہی میں رہے۔ خطبہ جمعہ چنیوٹ میں دیتے تھے۔ حاجی مولا بخش گاڑی بھیج دیتے اور وہ چنیوٹ جا کر جمعہ پڑھاتے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

وہاں سے واپسی بھی حاجی صاحب ممدوح کی گاڑی سے ہوتی۔

اسی اثنا میں فیصل آباد کی جامع مسجد اہل حدیث (واقع امین پور بازار) میں دارالقرآن والحدیث کے نام سے مدرسہ قائم کرلیا۔ یہ اہل حدیث کا پہلا دینی مدرسہ تھا جو اس مسجد اور اس شہر میں جاری ہوا۔

اس کے قیام کا اعلان اس مسجد کے امام مولانا عبدالواحد مرحوم نے ۱۳ر جون ۱۹۵۲ء کے اخبار ''الاعتصام'' میں ان الفاظ میں کیا:

''لائل پور اپنے علاقے میں مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ افسوس کہ بعض وجوہ کی بنا پر اب تک یہاں جماعت اہل حدیث کا کوئی عربی مدرسہ نہ تھا۔ بحمد اللہ چند مخیّر احبابِ جماعت کی مساعی سے رمضان کے بعد ایک عربی دارالعلوم جاری کیا جارہا ہے۔ بہتر اساتذہ کی خدمات حاصل کی جارہی ہیں۔ شائق طلبا ابھی سے خط وکتابت کریں۔ داخلہ آخر شوال تک کھلا رہے گا۔'' (عبدالواحد۔ منشی محل۔ لائل پور)

اس کے بعد اس مدرسے کے مدرس مولانا عبداللہ ویرووالوی کی طرف سے اعلان شائع ہوا۔

عارضی طور پر مدرسہ دارالقرآن والحدیث کا اجرا ۱۹۵۳ء میں جامع مسجد اہل حدیث امین پور بازار میں کردیا گیا۔ اس کا باقاعدہ افتتاح ۱۹۵۴ء کو حضرت مولانا محمد اسماعیل سلفی سے کروایا گیا۔ ابتدا میں مدرسین چار تھے۔

① .....مولانا عبداللہ ویرووالوی صدر مدرس اور شیخ الحدیث

② .....مولانا محمد خاں سابق مدرس دارالحدیث رحمانیہ دہلی (استاذ معقولات)

③ .....مولانا عبداللہ (آف جھنڈا بگا)

④ .....مولانا حسن امام (آف لاہور)

چند سال یہ مدرسہ جامع مسجد اہل حدیث میں جاری رہا۔ ۱۹۵۷ء میں لائل پور (فیصل آباد) کی جناح کالونی میں آٹھ ہزار روپے کا ایک پلاٹ خریدا گیا۔ اس زمانے میں یہ بہت بڑی رقم تھی۔ اس سلسلے میں حاجی مولا بخش نے بہت تعاون کیا۔ وہاں تدریس اور طلبا کی رہائش کے لیے کمرے بنائے گئے، ایک بڑا ہال تعمیر کیا گیا۔ مطبخ، کتب خانہ وغیرہ کا انتظام کیا گیا۔ اساتذہ کا تقرر عمل میں لایا گیا۔ پھر مزید جگہ خریدی گئی۔ اب اللہ کے فضل سے یہ بہت بڑا دارالعلوم ہے، جس میں کم وبیش دو سو طلبا تعلیم حاصل کرتے ہیں اور چودہ پندرہ اساتذہ خدمت تدریس سرانجام دیتے ہیں۔ قرآن کے حفظ وتجوید کا بھی انتظام ہے۔ متعدد اساتذہ بچوں کو قرآن حفظ کراتے اور انھیں فن تجوید کی تعلیم دینے پر مامور ہیں۔

دارالقرآن والحدیث کی مسند درس پر اب تک جو اساتذہ کرام متمکن رہے، ان میں بانی مدرسہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مولانا عبداللہ کے علاوہ مندرجہ ذیل حضرات شامل تھے۔ یہ وہ حضرات ہیں جو وفات پا چکے ہیں۔

⊙..... مولانا عبدالغفار حسن: انھوں نے دارالقرآن والحدیث کے قیام کے ابتدائی دور میں ۱۹۶۰ء سے ۱۹۶۳ء تک وہاں تدریس کی۔ ان کے کوائف حیات میں نے اپنی کتاب ''دبستانِ حدیث'' میں بیان کیے ہیں۔

⊙..... مولانا مفتی غلام رحمانی: یہ دراصل امرتسر کے رہنے والے تھے۔ ۱۹۶۴ء سے ۱۹۸۵ء تک دارالقرآن کی مسند درس پر فائز رہے۔ مسلکاً حنفی تھے، لیکن ان کا زیادہ تر سلسلۂ درس اہل حدیث مدارس میں رہا۔

⊙..... حافظ احمد اللہ بڈھیمالوی: ۱۹۶۲ء سے ۱۹۶۷ء تک وہاں مدرس رہے۔ پھر ۱۹۸۸ء سے تادمِ وفات (۲۸۔ نومبر ۱۹۹۸ء) تک وہیں خدمات انجام دیں۔ ان کا تذکرہ میں نے ''دبستانِ حدیث'' میں کیا ہے۔

⊙..... مولانا محمد خاں: تقسیم ملک سے قبل مدرسہ غزنویہ (امرتسر) میں مدرس تھے۔ دارالقرآن والحدیث میں ۱۹۵۴ء سے ۱۹۸۲ء تک پڑھاتے رہے۔

⊙..... پروفیسر غلام احمد حریری: ان کا شمار مولانا عبداللہ ویرووالوی کے قدیم دور کے شاگردوں میں ہوتا ہے۔ کئی سال دارالقرآن والحدیث میں پڑھاتے رہے۔ ان کا تذکرہ زیر مطالعہ کتاب ''گلستانِ حدیث'' میں کیا گیا ہے۔

⊙..... مولانا عبداللہ آف جھنڈاوالا: دارالحدیث رحمانیہ (دہلی) کے فارغ التحصیل تھے۔ تقسیم ملک کے بعد ضلع ساہی وال کے ایک گاؤں میں مقیم ہوئے۔ ۱۹۵۴ء میں مدرسہ دارالقرآن سے منسلک ہوئے۔

⊙..... مولانا محمد اسحاق خائف: مشہور مدرس تھے۔ ۱۹۶۳ء یا ۱۹۶۴ء میں مدرسہ دارالقرآن والحدیث سے وابستہ ہوئے۔ ۱۹۷۰ء تک یہاں رہے۔ پھر کراچی چلے گئے اور وہاں کے مدرسہ دارالحدیث میں پڑھانے لگے۔

زندہ حضرات میں سے مولانا عبداللہ امجد (شیخ الحدیث مرکز الدعوۃ السلفیہ ستیانہ بنگلہ) کا اسم گرامی اس مدرسے کے اساتذہ میں شامل ہے۔ انھوں نے ۱۹۶۳ء سے ۱۹۶۶ء تک یہاں خدمت تدریس انجام دی۔ ان کا تذکرہ میں نے ''دبستانِ حدیث'' میں کیا ہے۔

حافظ عبدالعزیز علوی: (شیخ الحدیث جامعہ سلفیہ) بھی ۱۹۷۲ء سے ۱۹۷۴ء تک (دو سال) یہاں پڑھاتے رہے۔ (ان کے حالات زیر نظر کتاب میں مذکور ہیں۔) اس طرح اب تک ۴۴ اساتذہ یہاں فریضہ درس ادا کر چکے ہیں۔ اب جو حضرات یہاں تدریس فرما رہے ہیں، ان میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مولانا گلزار احمد، حافظ عبدالرحمٰن، مولانا محمد ہود، مولانا عبدالحلیم بن حافظ احمد اللہ بڈھیمالوی، مولانا عبدالشکور، مولانا محمد انس مدنی، مولانا عبدالستار شاہ، مولانا محمود احمد شبلی شامل ہیں۔

مولانا عبداللہ ویرووالوی کے تلامذہ اور ان کے دارالعلوم کے طلبا کی فہرست بھی بڑی وسیع ہے۔ اس فہرست میں مولانا عتیق اللہ ناظم مرکز الدعوۃ السلفیہ ستیانہ، عربی ادب کے ماہر مولانا محمد بشیر سیالکوٹی (اسلام آباد) حافظ احمد اللہ بڈھیمالوی کے صاحب زادۂ گرامی مولانا عبدالحلیم علوی اور پروفیسر سعید احمد چنیوٹی شامل ہیں۔ سعید احمد چنیوٹی کو مولانا عبداللہ صاحب کی دامادی کا شرف بھی حاصل ہے۔ انھوں نے مولانا کے حالات میں ''شیخ الحدیث مولانا محمد عبداللہ ویرووالوی'' کے عنوان سے ایک مستقل کتاب لکھی جو چھ سو سے زائد صفحات پر مشتمل ہے۔ میں نے اس مضمون کی ترتیب میں اس کتاب سے استفادہ کیا ہے۔

مجھے مولانا عبداللہ ویرووالوی کی زیارت کا موقع پہلی مرتبہ (غالباً) ۱۹۵۲ء میں میسر آیا۔ سردیوں کا موسم تھا۔ میں کسی جماعتی سلسلے میں حضرت الاستاذ مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی کے ساتھ فیصل آباد گیا۔ شام کے بعد مولانا نے فرمایا چلو مولانا عبداللہ ویرووالوی سے ملیں۔ ہم ان کے گھر گئے تو وہ کوئی مربہ بنا رہے تھے۔ مولانا عطاء اللہ صاحب کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ ہمیں مربہ کھلایا۔ میں اس زمانے میں ہفت روزہ ''الاعتصام'' کی ادارت کا فریضہ انجام دیتا تھا۔ میری داڑھی ان کے معیار کے مطابق نہ تھی۔ انھوں نے زبان سے تو کچھ نہیں کہا لیکن مجھے احساس ہوا کہ وہ میری داڑھی کے سائز پر مطمئن نہ تھے۔ ان کا حلیہ یہ تھا: میانہ قد، قدرے چوڑا چہرہ، کھلی پیشانی، کشادہ سینہ، موزوں نقش ونگار۔ سارے چہرے پر پھیلی ہوئی داڑھی۔

انھوں نے ''الاعتصام'' کے مضامین اور میرے اسلوبِ تحریر کے بارے میں چند باتیں کیں جو میرے لیے مسرت کا باعث تھیں۔

وہ نہایت متحرک اور صحیح معنوں میں باعمل عالم دین تھے۔ اپنے طلبا کو تعلیم کے ساتھ سختی کے ساتھ کتاب وسنت پر عامل رہنے کی تاکید فرماتے۔ انھوں نے کئی حج کیے۔ دین کی نشر واشاعت اور احکام اسلام کی تبلیغ ان کا اصل مطمحِ حیات تھا۔ درس وتدریس کے ساتھ ساتھ وہ قلم وقرطاس سے بھی رابطہ رکھتے تھے۔ انھوں نے مختلف مسائل سے متعلق بہت سے فتوے تحریر فرمائے۔ یہ فتوے کتابی صورت میں شائع کر دینے چاہئیں تاکہ لوگ ان سے استفادہ کر سکیں۔ اس پر پروفیسر سعید احمد چنیوٹی کو خاص طور سے غور کرنا چاہیے۔ وہ بے شمار خوبیوں کے مالک تھے۔ تہجد گزار، پرہیزگار، حد درجہ کے متبع سنت۔ انھوں نے تدریس کا کام ہمیشہ فی سبیل اللہ کیا۔ اس کا کبھی کوئی پیسا نہیں لیا۔ مدرسے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سے کبھی کھانا بھی نہیں کھایا۔ اپنے مہمانوں اور ملنے والوں کو کبھی مدرسے سے نہیں کھلایا۔ وہ تھوڑا بہت اپنا کام کرتے تھے اور یہی ان کا ذریعہ معاش تھا۔ وہ انہی لوگوں سے تعلق رکھتے تھے جو کتاب وسنت کو مدارِ عمل ٹھہراتے تھے۔

اس باعمل عالم دین اور مخلص تریں مبلغ اسلام نے ۲۔فروری ۱۹۹۱ء کو فیصل آباد میں وفات پائی۔

انا للّٰہ وانا الیہ راجعون .



www.kitabosunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

حافظ عزیز الرحمٰن لکھوی

(وفات ۲۲ دسمبر ۱۹۹۱ء)

استاذِ پنجاب حضرت مولانا عطاء اللہ لکھوی کے چوتھے اور سب سے چھوٹے بیٹے حافظ عزیز الرحمٰن لکھوی تھے۔ ان کا مقام ولادت لکھو کے اور سالِ ولادت ۱۹۳۰ء ہے۔ سن شعور کو پہنچے تو والد مکرم نے بیٹے کو حفظ قرآن کی راہ پر لگایا۔ چناں چہ انھوں نے حافظ عبید اللہ سے قرآن مجید حفظ کیا جو ضلع فیروز پور کے ایک گاؤں موضع بیٹو قدیم کے رہنے والے تھے۔ قرآنِ مجید حفظ کیا تو اپنے خاندانی مدرسہ محمدیہ میں دینیات کی تعلیم حاصل کرنے لگے۔ اسی اثنا میں ملک تقسیم ہوگیا تو پاکستان آ گئے اور جامعہ محمدیہ (اوکاڑہ) میں داخلہ لیا۔ وہاں اپنے والد عالی قدر اور بعض دیگر اساتذہ کے سامنے زانوئے شاگردی تہ کرنے کی سعادت حاصل کی۔

پھر دارالحدیث محمدیہ ملتان، دارالعلوم تقویۃ الاسلام لاہور اور جامعہ سلفیہ میں تحصیل علم کے مواقع میسر آئے۔ جامعہ سلفیہ کا آغاز ۱۹۵۶ء میں دارالعلوم تقویۃ الاسلام (لاہور) میں ہوا تھا۔ اس وقت جو طالب علم پہلے امتحان میں کامیابی حاصل کر کے جامعہ سلفیہ میں داخلے کے مستحق قرار پائے، ان میں حافظ عزیز الرحمٰن لکھوی شامل تھے۔ نہایت نیک اور تعلیم یافتہ خاندان کے نیک اور ذہین طالب علم۔

جن اساتذہ سے اکتسابِ فیض کا شرف حاصل ہوا، ان میں ان کے والد مولانا عطاء اللہ لکھوی، مولانا حافظ محمد گوندلوی، مولانا سید محمد داؤد غزنوی، مولانا محمد اسماعیل سلفی، مولانا محمد حنیف ندوی، حافظ عبداللہ بڈھیمالوی، مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی اور مولانا محمد عبدہ شامل ہیں۔

حافظ عزیز الرحمٰن لکھوی بے حد شوق سے پڑھتے تھے اور اپنے خاندان کی تمام دینی اور علمی روایات ان کے سامنے تھیں جن کی پاسبانی ان کے نزدیک ضروری تھی۔

۱۹۶۱ء میں انھوں نے رینالہ خورد میں مدرسہ محمدیہ جاری کیا جسے جامعہ محمدیہ (اوکاڑہ) کی ذیلی شاخ کی حیثیت حاصل تھی۔ اس مدرسے کی وجہ سے اس نواح میں مسلک اہل حدیث کی خوب ترویج ہوئی اور لوگوں میں دینی تعلیم کے حصول کا جذبہ ابھرا، اور دعوت وارشاد کے دائرے وسیع ہوئے۔ اسی مدرسے میں انھوں نے اپنے بڑے بھائیوں مولانا حبیب الرحمٰن لکھوی اور حافظ شفیق الرحمٰن کو بھی بلا لیا۔ کچھ عرصہ ان کے سب سے بڑے بھائی مولانا عبدالرحمٰن لکھوی کی مسند درس بھی یہاں بچھی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

رہی۔ بعد ازاں مدرسہ محمدیہ کا نام جامعہ ابوہریرہ رکھ دیا گیا تھا۔ اب اسی نام سے یہاں سلسلۂ درس جاری ہے۔

۱۹۷۸ء میں وفاق المدارس السلفیہ (پاکستان) کا قیام عمل میں آیا تو مولانا معین الدین لکھوی نے حافظ عزیز الرحمٰن لکھوی کو اس کے انتظامی بورڈ کا کنوینر مقرر کردیا۔ بعد میں انھیں ناظم امتحانات بنا دیا گیا تھا۔

حافظ عزیز الرحمٰن لکھوی منجھے ہوئے مدرس تھے اور ان کی تدریس کا اصل مرکز رینالہ خورد کا مدرسہ محمدیہ اور بعد ازاں جامعہ ابوہریرہ ہی رہا اور اس مرکز کی طرف سے علوم دین کی خوب ترویج ہوئی۔

حافظ عزیز الرحمٰن لکھوی نے ۱۹۷۴ء کی تحریک تحفظ ختم نبوت میں بھی حصہ لیا اور اس سلسلے میں انھیں گرفتار بھی کیا گیا۔ ان کے علاوہ دیگر اہل حدیث عوام وخواص نے بھی اس تحریک میں بے پناہ خدمات سرانجام دیں۔

حافظ عزیز الرحمٰن لکھوی نے اس ہنگامے میں بھی حصہ لیا جو ۱۹۷۷ء میں امریکہ کی انگیخت پر بعض سیاسی اور مذہبی جماعتوں نے ملک کے منتخب وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف شروع کیا تھا۔ حافظ صاحب ممدوح اس ہنگامے میں گرفتار ہوئے اور ڈیڑھ ماہ سنٹرل جیل ساہی وال میں قید رہے۔ قید کے دوران جیل میں جمعہ وجماعت اور درسِ قرآن کا سلسلہ ان کے سپرد رہا۔ یہ نہایت نیک کام تھا جو وہ ساہی وال جیل میں بالالتزام کرتے رہے۔ لیکن جس معاملے میں وہ جیل گئے تھے، وہ واقعۃً ہنگامہ تھا جو بھٹو کی ان پالیسیوں کی وجہ سے امریکا نے ان کے خلاف شروع کرایا تھا جو پاکستان اور اسلامی ممالک کے حق میں جاتی تھیں۔ مثلاً اسلامی ملکوں کے اتحاد کی کوشش اور پاکستان کو ایٹمی ملک بنانے کا فیصلہ اور اس پر عمل۔ امریکہ اسے برداشت نہیں کرسکتا تھا، چناں چہ امریکہ کے اس وقت کے یہودی وزیر خارجہ کیسنجر نے بھٹو کو ان کاموں سے روکا، لیکن بھٹو نے اس کی بات ماننے سے انکار کردیا اور اپنا منصوبہ جاری رکھا تو کیسنجر نے دھمکی دی کہ کسی وقت آپ کو نشانِ عبرت بنا دیا جائے گا۔

چناں چہ امریکہ نے ۱۹۷۷ء کے انتخاب کی دھاندلی کو اچھالا اور معاملہ دور تک پہنچا دیا۔ پھر اس ہنگامے میں شاہ احمد نورانی صاحب شامل ہوئے تو انھوں نے اس کا نام نظام مصطفیٰ رکھ دیا، حالاں کہ اس میں نظام مصطفیٰ والی کوئی بات نہ تھی۔ بھٹو پاکستان کا پہلا باقاعدہ منتخب وزیراعظم تھا۔ اس نے پاکستان کو ایٹمی ملک بنایا۔ اس وقت قیام پاکستان پر چھبیس برس کا طویل عرصہ گزر چکا تھا، لیکن اس کا آئین نہیں بنا تھا، جب کہ ہندوستان نے آزادی کے صرف تین سال بعد ۱۹۵۱ء میں آئین بنا کر انتخاب کا مرحلہ بھی طے کرلیا تھا۔ بھٹو کی کوشش سے ۱۹۷۳ء میں متفقہ آئین بنا۔ اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

نے مرزائیوں کو اقلیت قرار دیا۔ اس نے شراب خانے بند کیے جو انگریزی حکومت کے دور سے چلے آرہے تھے۔ اس نے گھوڑوں کی ریس پر جوئے کی پابندی لگائی۔ دنیا کی جنگی تاریخ میں کبھی نوے ہزار فوجی قید نہیں ہوئے تھے، لیکن ۱۹۷۱ء کی جنگ میں یحییٰ خاں کی پالیسی سے نوے ہزار پاکستانی فوجی ہندوستان کی قید میں گئے۔ بھٹو نے ان قیدیوں کو رہا کرایا۔ ان میں سے پانچ ہزار فوجیوں پر فوجی عدالتوں میں مقدمے چلانے کی تیاری ہورہی تھی، بھٹو نے یہ سلسلہ ختم کرایا۔ مغربی پاکستان کا پانچ ہزار مربع میل علاقہ ہندوستان کے قبضے میں چلا گیا تھا، وہ علاقہ پاکستان کو واپس دلایا گیا۔ فروری ۱۹۷۴ء میں بھٹو نے لاہور میں تمام مسلمان ملکوں کے رہنماؤں کو جمع کیا اور کئی دن یہ اجتماع جاری رہا۔ یہ اجتماع مغربی ملکوں بالخصوص امریکہ کے لیے نہایت تکلیف کا باعث تھا۔ اس میں سعودی عرب کے شاہ فیصل کی کوششیں بھی شامل تھیں بلکہ مشہور یہ تھا کہ اس اجتماع کے تمام اخراجات سعودی حکومت نے ادا کیے تھے۔ اس اجتماع میں عرب ملکوں کی طرف سے امریکہ اور یورپی ممالک کے خلاف تیل کا ہتھیار استعمال کرنے کی تجویز دی گئی۔

اس ہنگامے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۵۔ جولائی ۱۹۷۷ء کو ضیاء الحق نے (جو بھٹو کے نزدیک نہایت قابل اعتماد جرنیل تھا) بھٹو کی حکومت ختم کرکے مارشل لا لگا دیا اور پھر ۴۔ اپریل ۱۹۷۹ء کو اسے راولپنڈی جیل میں پھانسی دے دی گئی۔ مولانا عبدالستار نیازی نے تو ۱۹۵۳ء کی مرزائیت خلاف تحریک میں گرفتاری کے ڈر سے داڑھی منڈوالی تھی۔ لیکن بھٹو جسے دشمن اسلام کہا جاتا تھا تختہ دار پر جھول گیا۔ اس کے بعد ملک کی جو حالت ہوئی اور ہورہی ہے، وہ سب کے سامنے ہے۔

امریکہ نے شاہ فیصل کو بھی شہید کرا دیا تھا کہ وہ اسلامی ملکوں کی یک جہتی کے خواہاں تھے۔

لاہور سے ایک ماہنامہ رسالہ ''پولیٹیکل سین'' شائع ہوتا ہے۔ اس کے نومبر ۲۰۰۷ء کے شمارے میں پاکستان کے سابق صدر محمد رفیق تارڑ کا ایک انٹرویو شائع ہوا ہے جو رسالے کے تیرہ صفحات میں پھیلا ہوا ہے۔ انٹرویو لینے والی ٹیم نے سابق صدر سے سوال کیا۔

''آپ ایک جج کی حیثیت سے بھٹو صاحب کے خلاف عدالتی فیصلے پر رائے دینا پسند کریں گے؟''

رفیق تارڑ نے جواب دیا: ''کیوں نہیں۔ میری رائے یہ ہے کہ بھٹو صاحب کی سزا عدالتی قتل تھا۔ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ مولوی مشتاق حسین پہلے سے بھٹو صاحب کے مخالف تھے۔ (عدالتی کارروائی کے دوران میں) بھٹو صاحب نے اس کا برملا اظہار بھی کیا۔ اس قسم کی صورت حال میں ایک باضمیر جج پسند نہیں کرتا کہ وہ اس طرح کا کیس خود سنے۔ دوسری بات یہ ہے کہ برصغیر کی پوری تاریخ میں انگریز کی آمد سے لے کر آج تک تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۳۰۲ میں کسی ایسے شخص کو سزائے موت نہیں دی گئی جو موقع پر موجود نہیں تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ ایک انتہائی قابل اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

محبِ وطن لیڈر کو دباؤ کے تحت حاصل کیے گئے غیر منصفانہ فیصلے کے ذریعے منظرِ عام سے ہٹا دیا گیا۔''

بات حافظ عزیز الرحمٰن لکھوی مرحوم کے بارے میں ہو رہی تھی جو ان کے ''نظامِ مصطفیٰ کی تحریک'' میں شمولیت کے ذکر سے مارشل لا تک پہنچ گئی۔ عالم فاضل اور متقی خاندان کے عالم فاضل اور متقی شخص حافظ عزیز الرحمٰن لکھوی نے کچھ عرصہ بیمار رہنے کے بعد ۲۲۔ دسمبر ۱۹۹۱ء کو چک نمبر ۱۸ میں وفات پائی۔

ان کی نرینہ اولاد تین بیٹے ہیں۔

① ..... حافظ حفیظ الرحمٰن لکھوی: بی اے پاس ہیں اور جامعہ ابو ہریرہ رینالہ خورد کے ناظم ہیں۔

② ..... مولانا ذکی الرحمٰن لکھوی: جماعت الدعوہ سے تعلق رکھتے ہیں، جنھوں نے ۲۶۔ دسمبر ۲۰۰۸ء کو بمبئی میں پیش آنے والے واقعہ کے بعد پوری دنیا میں شہرت پائی۔

③ ..... حافظ وحید الرحمٰن لکھوی: ان کا تعلق بھی سنا ہے کہ جماعت الدعوہ سے ہے۔

میرا خیال ہے حافظ عزیز الرحمٰن لکھوی کے تینوں بیٹوں میں سے اپنے آبا واجداد کے شعبۂ تدریس سے کوئی صاحب بھی منسلک نہیں ہوئے۔



" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مولانا عبید اللہ رحمانی مبارک پوری

(وفات ۶۔ جنوری ۱۹۹۴ء)

۱۹۴۵ء کے اکتوبر میں جمعیت علماے ہند کے اکابر نے جمعیت کے مرکزی دفتر دہلی میں ہندوستان کے مسلمانوں کی سیاسی جماعتوں کے سرکردہ ارکان کا ایک اجلاس طلب کیا تھا۔ استاذ محترم حضرت مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی اس وقت فیروزپور میں قیام فرما تھے اور ضلع فیروز پور کی جمعیت علماے ہند شاخ کے صدر تھے۔ اس حیثیت سے انھیں اجلاس میں شرکت کی دعوت دی گئی تھی۔ میرے نام بھی دعوتی خط آیا تھا اور میں اجلاس میں شمولیت کے لیے مولانا ممدوح کے ساتھ دہلی گیا تھا۔ ان دنوں ہمیں دلّی کے بہت سے مقامات کی سیر اور متعدد اہل علم سے ملاقات کے مواقع میسر آئے۔ وہ دور کبھی یاد آتا ہے تو دل میں ایک خاص قسم کی جذباتی سی لہر اٹھتی ہے اور تھوڑی دیر بعد دب جاتی ہے۔

ایک دن نمازِ عصر کے وقت ہم نے دارالحدیث رحمانیہ کا قصد کیا۔ اہل حدیث کا یہ مشہور مدرسہ تھا جو دہلی کے دو مخیّر بھائیوں شیخ عبدالرحمٰن اور شیخ عطاء الرحمٰن نے تعمیر کرایا تھا۔ وہی اس کے انتظام اور اخراجات کے ذمہ دار تھے۔ مجھے یاد پڑتا ہے مدرسہ رحمانیہ کے قریب ہی مولانا محمد جونا گڑھی دہلوی کی عالی شان کوٹھی تھی جو مدرسہ رحمانیہ کو جانے والے راستے کے بائیں جانب تھی۔ ان کے اخبار محمدی کا دفتر اس کوٹھی کی پہلی منزل میں تھا۔ اس سے تقریباً چار سال پہلے مارچ ۱۹۴۱ء میں مولانا محمد جونا گڑھی تو وفات پاگئے تھے لیکن ان کے مکتبہ محمدی اور اخبار محمدی وغیرہ کی زمام انتظام مولانا سید تقریظ احمد سہسوانی کے ہاتھ میں تھی۔ ان سے مل کر ہم دارالحدیث رحمانیہ گئے۔ بڑی وسیع اور شان دار عمارت تھی۔ تعلیم وتدریس کے لیے کھلا ہال، اساتذہ کی شان کے مطابق ان کی اقامت گاہیں، طلبا کے لیے دور تک پھیلا ہوا دارالاقامہ، صاف ستھرا صحن، خاصی وسیع گراؤنڈ جس میں قسم قسم کے درخت سبز دوشالہ اوڑھے اپنی بہار دکھا رہے تھے۔ ہر لحاظ سے جاذبِ نظر جگہ اور دل کش منظر۔

حضرت مولانا عبید اللہ مبارک پوری رحمانی اس وقت دارالحدیث رحمانیہ کی مسند شیخ الحدیث پر فائز تھے۔ مولانا نذیر احمد املوی رحمانی بھی وہیں خدمت تدریس سرانجام دیتے تھے۔ پاکستان کے مشہور عالم ومدرس مولانا محمد عبدہ بھی ان دنوں وہاں پڑھاتے تھے۔ مولانا عبید اللہ رحمانی کی زیارت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

پہلی دفعہ دارالحدیث رحمانیہ میں اسی زمانے میں ہوئی۔ یہ سطور ۲۳۔ اکتوبر ۲۰۰۸ء کو لکھی جارہی ہیں۔ اس حساب سے یہ آج سے ۶۳ سال قبل کی بات ہے۔ میرے ذہن میں ان کا اس وقت کا حلیہ کچھ اس طرح کا آرہا ہے۔ میانہ قد، گندمی رنگ، کچھ چوڑا چہرہ، کھلی پیشانی، چمک دار اور قدرے موٹی آنکھیں۔ ابھری ہوئی ناک نہ تیکھی نہ چپٹی۔ چہرے پر پھیلی ہوئی سیاہ داڑھی۔ قینچی سے باریک تراشی ہوئی مونچھیں۔ سر پر غالباً سفید ململ کا عمامہ۔ سفید پاجامہ اور سفید قمیص پہنے ہوئے۔ انکسار اور تواضع کا پیکر۔ گفتگو کا انداز میٹھا اور دھیما۔

معلوم ہوتا تھا حضرت مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی سے ان کے مراسم اس ملاقات سے کافی پہلے سے قائم تھے۔ مجھے یاد پڑتا ہے عصر کے بعد چائے مولانا محمد عبدہ کے کمرے میں پی گئی تھی، جس میں مولانا عبید اللہ رحمانی اور مولانا نذیر احمد رحمانی شریک تھے۔ تقریباً دو گھنٹے ہم وہاں رہے۔ اس اثنا میں یہ حضرات دہلی کے تعلیمی اداروں، مختلف علماے کرام اور ان کی علمی سرگرمیوں کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔ نماز مغرب ہم نے وہیں پڑھی۔

اس مختصر سی ملاقات کے متعلق میں اپنا عمومی تاثر یہی عرض کرسکتا ہوں کہ ان کے دل میں مولانا عطاء اللہ صاحب کا بہت احترام تھا اور مولانا کا رویہ بھی ان کے ساتھ نہایت اعزاز کا تھا۔

دوسری اور آخری مرتبہ مولانا عبید اللہ رحمانی مبارک پوری کی زیارت کا شرف اس سے تقریباً پونے دو سال بعد جون ۱۹۴۷ء میں حاصل ہوا۔ ۱۸ جون کو میں اور میرے ایک بزرگ دوست قاضی عبید اللہ مرحوم اپنی ریاست فرید کوٹ کے چند سیاسی مسائل کے سلسلے میں مولانا ابوالکلام آزاد سے ملاقات کے لیے دہلی پہنچے۔ مولانا معین الدین لکھوی بھی ہمارے ساتھ تھے، (جن کی شادی اس سے کچھ عرصہ پیشتر مولانا محمد جونا گڑھی دہلوی کی صاحب زادی سے ہوئی تھی)۔ ۲۱ جون کو ہم مدرسہ رحمانیہ گئے، وہاں مولانا محمد عبدہ صاحب سے ملنا مقصود تھا جو اس وقت مدرسہ رحمانیہ میں فرائض تدریس انجام دیتے تھے۔ اس موقعے پر مولانا عبید اللہ رحمانی اور مولانا نذیر احمد املوی رحمانی کو بھی سلام عرض کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ بس انہی دو مواقع پر یہ فقیر ان کی زیارت سے مشرف ہوا۔

مولانا عبید اللہ رحمانی ہندوستان کے عظیم علمی خاندان کے عظیم رکن تھے۔ وہ ''سیرۃ البخاری'' کے مصنف اور دارالحدیث رحمانیہ کے شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالسلام مبارک پوری کے فرزند عالی قدر تھے، جن کے میسر حالات گزشتہ صفحات میں بیان کیے گئے ہیں۔ مبارک پوری خاندان کے اصحابِ علم کی خدمات دینیہ کا سلسلہ بہت وسیع ہے، جس کا آغاز حضرت مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری کے والد مکرم حافظ عبدالرحیم مبارک پوری سے ہوتا ہے اور اب تک اللہ کے فضل سے چلا آرہا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہے اور ان شاء اللہ آئندہ جاری رہے گا۔ ❶

مولانا عبید اللہ رحمانی کی ولادت محرم ۱۳۲۷ھ (فروری ۱۹۰۹ء) میں قصبہ مبارک پور (ضلع اعظم گڑھ یوپی) میں ہوئی۔ علمی اعتبار سے بھی یہ مردم خیز قصبہ ہے اور صنعتی لحاظ سے بھی ہندوستان میں اسے خاص شہرت حاصل ہے۔ ابتدائی تعلیم جامعہ عالیہ عربیہ (مئو ضلع اعظم گڑھ) میں اپنے والد ماجد مولانا عبدالسلام مبارک پوری سے حاصل کی جو اس وقت وہاں کی مسند درس پر متمکن تھے۔ پھر جب ۱۹۱۷ء یا ۱۹۱۸ء میں وہ مئو سے جامعہ سراج العلوم بونڈھیار (ضلع گونڈہ) تشریف لے گئے تو مولانا عبید اللہ بھی والد ذی شان کے ساتھ وہیں چلے گئے۔ بعد ازاں جب انھیں دہلی کے دارالحدیث رحمانیہ کی مسند شیخ الحدیث پیش کی گئی اور وہ وہاں تشریف لے گئے تو مولانا عبید اللہ نے بھی والد مکرم کی معیت میں دہلی کے لیے رخت سفر باندھا۔ دارالحدیث رحمانیہ ہی سے انھوں نے ۱۳۴۵ھ (۱۹۲۷ء) میں سند فراغت لی۔ اس وقت ان کی عمر صرف اٹھارہ برس کی تھی۔ نہایت ذہین اور پڑھنے کے بے حد شائق۔ ہر امتحان میں ہمیشہ ممتاز رہے۔ ❷

مولانا عبید اللہ رحمانی کی تحصیل علم کا سلسلہ اس طرح چلتا ہے:

فارسی کی کتابیں جو اس وقت مدارس میں پڑھائی جاتی تھیں اپنے والد محترم سے پڑھیں۔ علم نحو کی کتابیں شرح جامی تک، منطق کی کتابیں قطبی تک، علم فقہ کی شرح وقایہ تک اور بعض دیگر علوم کی کتابیں بھی والد مکرم سے پڑھیں۔

مدرسہ رحمانیہ کے پانچ سالہ دورِ طالب علمی میں معقولات کی کتابوں کی تکمیل مولانا غلام یحییٰ کان پوری سے کی۔

کتب حدیث کا درس حضرت مولانا احمد اللہ پرتاب گڑھی دہلوی سے لیا جو اس وقت دارالحدیث رحمانیہ کی مسند شیخ الحدیث پر متمکن تھے۔

---

❶ مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری اور ان کے والد گرامی حافظ عبدالرحیم مبارک پوری کے حالات کے لیے ملاحظہ ہو راقم کی کتاب ''دبستانِ حدیث'' شائع کردہ مکتبہ قدوسیہ، اردو بازار۔ لاہور

❷ دارالحدیث رحمانیہ (دہلی) حضرت مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی کی تجویز سے ۱۹۲۱ء میں تقریباً ایک لاکھ روپے کی لاگت سے تعمیر ہوا تھا اور اسی سال اس میں تعلیم کا آغاز ہوگیا تھا۔ تمام اخراجات دہلی کے دو تاجر اور فراخ حوصلہ بھائیوں شیخ عبدالرحمٰن اور شیخ عطاء الرحمٰن نے برداشت کیے۔ اس کے اجرا پر ابھی دو سال کا عرصہ بھی نہیں گزرا تھا کہ شیخ عبدالرحمٰن وفات پاگئے اور سارا بوجھ شیخ عطاء الرحمٰن پر آن پڑا۔ شیخ عبدالرحمٰن کے بڑے بیٹے حاجی عبدالستار بھی اس دارالحدیث کی تعمیر و ترقی میں پوری دلچسپی لیتے تھے۔ لیکن وہ بھی عین عالم جوانی میں اللہ کو پیارے ہوگئے۔ دارالحدیث رحمانیہ ہندوستان میں اہل حدیث کا مشہور تدریسی ادارہ تھا۔ افسوس ہے اگست ۱۹۴۷ء میں ختم ہوگیا۔ اس کا تذکرہ اس کتاب کے مختلف مقامات پر ہوا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

عربی ادبیات کے لیے ایک اور مدرس حافظ عبدالرحمٰن کے حضور زانوئے شاگردی تہہ کیے۔
جامع ترمذی کا ابتدائی حصہ مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری سے پڑھا۔ مقدمہ ابن الصلاح بھی انہی سے پڑھا اور سراجی بھی انہی سے پڑھی۔

فارغ التحصیل ہونے کے بعد دارالحدیث رحمانیہ کے مہتمم شیخ عطاء الرحمٰن نے ان کو وہیں مدرس مقرر کرلیا تھا اور انھوں نے نہایت شوق اور جاں فشانی سے یہ خدمت سرانجام دینی شروع کردی تھی۔ ان کے طریق تدریس سے وہاں کے اساتذہ بھی خوش تھے، طلبا بھی مطمئن تھے اور مہتمم صاحب کو بھی یقین ہوگیا تھا کہ یہ نوجوان محنت اور یک سوئی سے اس اہم کام میں مشغول ہیں۔

ان دنوں اپنے مسکن مبارک پور میں مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری جامع ترمذی کی شرح تحفۃ الاحوذی لکھ رہے تھے اور اسی دوران میں ان کی بینائی ختم ہوگئی تھی۔ اس کتاب کی تکمیل کے لیے انھیں معاون کی ضرورت تھی جو ان کے افکار قلم بند کرنے اور مراجع کی تلاش سے متعلق خدمت انجام دے سکے۔ اس سلسلے میں ان کی نگاہ اپنے عزیز نوجوان مولانا عبید اللہ رحمانی پر پڑی۔ یہ بات دارالحدیث رحمانیہ کے مہتمم شیخ عطاء الرحمٰن کے علم میں لائی گئی تو انھوں نے مولانا عبید اللہ رحمانی کو حضرت کی خدمت میں مبارک پور بھیج دیا۔ اس سلسلے میں ان کے دو ساتھی اور تھے، وہ تھے مولانا عبدالصمد مبارک پوری اور مولانا محمد کنگن پوری۔ ان حضرات نے دو سال حضرت محدث مبارک پوری کی رہنمائی میں یہ خدمت سرانجام دی اور تحفۃ الاحوذی کا جو حصہ تشنۂ تکمیل تھا، وہ مکمل ہوگیا۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ عمر کے ابتدائی دور ہی میں مولانا عبید اللہ رحمانی کو حدیث اور علوم حدیث سے متعلق تحقیقی کاموں سے دلچسپی تھی اور ان کی دلچسپی کا علم اس عہد کے اکابر علماے کرام کو بھی تھا۔

تحفۃ الاحوذی کی تکمیل کے بعد مولانا عبید اللہ رحمانی پھر دارالحدیث رحمانیہ تشریف لے آئے تھے اور وہی مسند درس سنبھال لی تھی، جس پر اس سے پہلے فائز تھے۔ کچھ عرصے کے بعد انھیں شیخ الحدیث مقرر کردیا گیا تھا۔ یہ بہت بڑا اعزاز تھا جو انھیں اس عظیم درس گاہ میں ملا۔ اب مولانا ممدوح رحمانیہ میں طلبا کو کتب صحاح بھی پڑھاتے تھے اور فتویٰ نویسی کا فریضہ بھی انجام دیتے تھے۔ دارالحدیث کے ماہنامہ ''محدث'' کے پہلے وہ نائب مدیر تھے، پھر اس کے مدیر بنائے گئے۔ بعض انتظامی امور بھی ان کے سپرد تھے، طلبا کی دیکھ بھال اس کے علاوہ تھی۔ اگست ۱۹۴۷ء تک وہ اس منصب پر فائز رہے۔ اس کے بعد حالات نے ایسی کروٹ لی کہ ملک فسادات کی زد میں آ گیا اور دارالحدیث رحمانیہ جو ہندوستان میں تدریس کا مشہور مرکز تھا، بند ہوگیا۔ پھر چند ہی روز میں شفیق الرحمٰن قدوائی میموریل سینئر سکول کی شکل اختیار کرگیا۔ یہ اللہ کی مہربانی ہوئی کہ مسلمانوں کے قبضے میں رہا اور اگرچہ انداز بدل گیا لیکن اس میں سلسلہ تعلیم ہی کا جاری رہا۔ اس کا ذکر مولانا سید تقریظ احمد سہسوانی سے متعلق

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مضمون میں ہو چکا ہے جو گزشتہ صفحات میں قارئین کے مطالعہ میں آیا۔

مولانا عبید اللہ رحمانی حالات کی ناموافق رفتار سے مجبور ہو کر اپنے آبائی مسکن مبارک پور چلے گئے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان سے ایک اور کام لینا مقصود تھا اور وہ کام تھا مشکوٰۃ شریف کی شرح کا۔ چناں چہ وہ اس کام میں مصروف ہو گئے۔

اس میں مصروف ہونے کا پس منظر یہ تھا کہ حضرت استاذ محترم مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی ایک عرصے سے یہ خواہش رکھتے تھے کہ مشکوٰۃ شریف اور صحاح کی کتابوں پر اہل حدیث کے نقطہ نظر سے مختصر حواشی لکھے جائیں جو طلبا کے لیے بھی مفید ہوں اور اساتذہ کے لیے بھی۔ یہی خواہش حافظ محمد زکریا بن میاں محمد باقر (ساکن جھوک دادو چک نمبر ۴۲۷ گ ب ضلع فیصل آباد) کی تھی۔ ان دونوں کے نزدیک اس کام کے لیے مولانا عبید اللہ رحمانی موزوں ترین شخصیت تھے۔ چناں چہ آزادیٔ برصغیر کے بعد ۱۹۴۸ء میں مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی نے مولانا عبید اللہ رحمانی سے بذریعہ خط رابطہ پیدا کیا اور سب سے پہلے مشکوٰۃ شریف کا حاشیہ لکھنے کے متعلق بات ہوئی۔ مولانا رحمانی کے یہ عین تحقیقی ذوق کا کام تھا اور کتبِ حدیث اور ان کی شروح پر ان کی گہری نظر تھی۔ طویل عرصے تک وہ حدیث کا درس بھی طلبا کو دیتے رہے تھے اور حضرت مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری کی رہنمائی میں تحفۃ الاحوذی کی تصنیف کے زمانے میں ان کے شریک کار بھی رہے تھے۔ چناں چہ اللہ کا نام لے کر انھوں نے یہ کام شروع کر دیا۔ اس کے آغاز کے چند مہینے بعد (اگست ۱۹۴۹ء میں) حافظ محمد زکریا تو وفات پا گئے لیکن ان کے والد میاں محمد باقر مرحوم نے اس سے دلچسپی قائم رکھی۔ مولانا رحمانی کا قلم اختصار کے دائرے سے آگے نکل کر تفصیل کی حدود میں پہنچ گیا اور تحقیق کے اس میدان میں اس نے خوب خوب جولانیاں دکھائیں۔ حاشیے کے بجائے مفصل شرح ہو گئی۔ کتاب المناسک تک کام ہوا تھا کہ مولانا رحمانی کو مختلف عوارض نے گھیر لیا اور قلم کی رفتار رک گئی۔ اس شرح کا نام ''مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح'' ہے۔ پہلے یہ کتاب مولانا محمد عطاء اللہ صاحب کے اہتمام میں مکتبہ سلفیہ (لاہور) کی طرف سے لیتھو میں شائع ہوئی تھی اور اس وقت طباعت کا یہی سلسلہ چلتا تھا۔ پھر یہ کتاب جامعہ سلفیہ (بنارس) نے نہایت خوب صورت طریقے سے ٹائپ پر شائع کی جو ۹ جلدوں پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب اب مکتبہ سلفیہ لاہور نے بھی شائع کر دی ہے۔ کتاب اگرچہ مکمل نہ ہو سکی مگر جتنی لکھی گئی، اسے ہندوستان، پاکستان اور عرب ممالک کے علمی حلقوں میں بے حد پذیرائی حاصل ہوئی۔ کیوں کہ اس میں خالص محدثانہ اسلوبِ تحقیق اختیار کیا گیا ہے اور فاضل مصنف نے بے حد محنت سے یہ خدمت سرانجام دی ہے۔

حضرت ممدوح علوم دینیہ کے تمام پہلوؤں پر عمیق نگاہ رکھتے تھے۔ تفسیر، حدیث، اصول، فقہ،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

عربی ادبیات، صرف ونحو، منطق وفلسفہ وغیرہ کی متداول درسی کتابوں پر انھیں عبور حاصل تھا۔ اس باب میں وہ اپنے اسلاف (حضرت مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری اور مولانا عبدالسلام مبارک پوری) کا حسین ترین نمونہ تھے۔ علم کے علاوہ عمل کی نعمت سے بھی اللہ تعالیٰ نے انھیں خوب نوازا تھا۔ جس شخص میں علم اور عمل کی خصوصیات جمع ہوجائیں، وہ دنیا میں بھی کامیاب ہے اور آخرت میں بھی فوز وفلاح کا مستحق قرار پائے گا۔

ابتدائے گزارشات میں عرض کرچکا ہوں کہ مجھے ان کی زیارت کا شرف دو دفعہ دارالحدیث رحمانیہ (دہلی) میں حاصل ہوا، وہ بھی بہت مختصر وقت میں۔ نہ میں ان کے آبائی وطن جا سکا، نہ دوچار روز کے لیے ان کی خدمت میں حاضری کا موقع ملا اور نہ ان کے زیادہ دیر تک ارشادات سننے کی سعادت میسر آ سکی۔ لیکن ان کی خدمت میں حاضری دینے والے اور ان کی مجلس میں کچھ وقت گزارنے والے بتاتے ہیں کہ وہ انتہائی مہمان نواز تھے، بے حد صفائی پسند تھے، چھوٹوں پر شفقت ان کا وتیرہ اور بڑوں کا احترام ان کا شیوہ تھا۔ بات چیت میں انکسار اور میل جول میں تواضع ان کا معمول تھا۔ عالمانہ وقار اور بزرگانہ اسلوبِ کلام ان کا شعار تھا۔

حضرت ممدوح عربی کے عالم تھے، لہٰذا انھوں نے زیادہ عربی میں کام کیا۔ اردو سے ان کا اعتنا کم رہا۔ عربی ہی میں انھوں نے مشکوٰۃ کی شرح لکھی اور عربی کتابیں ہی ان کی تدریس کا محور رہیں۔ حضرت مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری نے اردو اور عربی دونوں زبانوں میں لکھا، جس سے عربی دانوں کو بھی فائدہ پہنچا اور اردو جاننے والے بھی مستفید ہوئے۔ مولانا عبدالسلام مبارک پوری نے ''سیرۃ البخاری'' اردو میں لکھی جو اپنے موضوع کی اوّلیں کتاب ہے اور بے حد محققانہ تصنیف۔ امام بخاری کے بارے میں اس پایہ کی کتاب اس کے بعد معرضِ تصنیف میں نہیں آ سکی۔

اگرچہ مولانا عبید اللہ رحمانی کی کوئی مستقل تحقیقی کتاب اردو میں نہیں (یا اس فقیر کے مطالعہ میں نہیں آئی) لیکن ان کا ایک مجموعۂ مکتوبات ''مکاتیب حضرت شیخ الحدیث'' کے نام سے ۲۰۰۲ء میں فردوس پبلی کیشنز نئی دہلی کی طرف سے شائع ہوا ہے۔ یہ وہ مکتوبات ہیں جو انھوں نے مختلف اوقات میں مولانا عبدالسلام رحمانی کے نام ارسال فرمائے۔ اس مجموعے کا پہلا خط جو حضرت ممدوح نے مولانا عبدالسلام رحمانی کو ارسال فرمایا اس پر ۴۔ صفر ۱۳۷۸ھ (۲۰ ستمبر ۱۹۵۸ء) کی تاریخ درج ہے اور آخری خط ۱۴۔ جولائی ۱۹۹۱ء کا مرقومہ ہے۔ کم وبیش ۳۴ سال کی اس طویل مدت میں حضرت نے ان کو ۱۵۴ خطوط ارسال فرمائے۔ ان خطوط کی مکتوب الیہ نے بے حد حفاظت کی اور انھیں انتہائی احتیاط کے ساتھ سنبھال کر رکھا۔ ان میں چھوٹے خطوط بھی ہیں اور بڑے بھی۔ مختصر بھی ہیں اور مفصل بھی۔ بعض خالص علمی نوعیت کے ہیں اور بعض کی حیثیت مشوروں اور نصیحتوں کی ہے۔ بعض

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

فقہی مسائل پر مشتمل ہیں اور بعض میں ذاتی قسم کے معاملات بیان کیے گئے ہیں۔ یہ مجموعہ اس وقت میرے سامنے ہے جو ایک سو بیس خطوط پر محیط ہے۔ اس میں ۳۴ خطوط شائع نہیں کیے گئے جو خالص ذاتی نوعیت کے ہیں۔

یہ خطوط کیا ہیں ۲۳۲ صفحات کی یہ ایک مستقل علمی کتاب ہے، جس میں ساٹھ سے زیادہ فقہی مسائل زیر بحث آئے ہیں اور حضرت مکتوب نگار نے کتاب وسنت اور اسلامی تاریخ کی روشنی میں ان مسائل سے متعلق اپنا نقطہ نظر بیان فرمایا ہے۔ ابتدا میں ان علمی وفقہی مسائل کی فہرست دی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ کون سا مسئلہ کتاب کے کس صفحے پر درج ہے۔ ان مسائل میں سے چند مسائل یہ ہیں: خطبہ جمعہ کے لیے اذان کی جگہ۔ منبر سے متصل جمعہ کی اذان دینا درست نہیں۔ علوم شرعیہ سے متعلق تحقیق وتصنیف تکثیر نوافل سے افضل ہے۔ ''صحیح ابن حبان'' کا مطلب۔ مرحوم والدین کے لیے ایصالِ ثواب کنواں کھدوانا۔ یتیم پوتے کی محجوبیت کا مسئلہ۔ یتیم پوتے کو دادا اگر جائداد دے دے تو اسے قبول کرنے کا مسئلہ۔ طویل نمازوں پر تنقید۔ زکوٰۃ کی رقم تعمیر مسجد یا اس کی مرمت میں خرچ کرنا درست نہیں۔ دادا کے لیے ضروری ہے کہ وہ یتیم پوتے کے لیے وصیت کرے۔ مرزائیوں کے دونوں گروہ خارج از اسلام ہیں۔ مرزائیوں کا ذبیحہ حلال نہیں ہے۔ حج بدل کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ میت پر زندگی میں حج فرض ہو چکا ہو..... اس قسم کے یا اس سے ملتے جلتے ساٹھ مسائل اس مجموعہ خطوط میں مندرج ہیں۔ ایک خط میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ انھوں نے مشکوٰۃ کی شرح کا نام ''مرعاۃ المفاتیح'' کیوں رکھا اور اس کے کیا معنی ہیں.....؟

اس سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

''مرعاۃ'' کے معنے اور مطلب پر کچھ اور لوگوں نے بھی شبہ ظاہر کیا تھا۔ یہ موقع اس پر کچھ تفصیل ووضاحت سے لکھنے کا نہیں ہے۔

''تسمیہ کے وقت یہ بات مدنظر رہی کہ نام ''مشکوٰۃ المصابیح'' کے وزن پر ہو، اور معنے بھی مناسب ہوں۔ بہت نام ذہن میں آئے، آخر ''مرعاۃ المفاتیح'' کے سوا کوئی دوسرا نام نہ جچا۔ ''مرعاۃ'' رعی سے ماخوذ ہے، جس کے معنی حفظ ونگہداشت بھی ہے۔ یقال رعاہ اللہ ای حفظہ۔ ''مرعاۃ المفاتیح'' کے معنی ہوئے ''محفظۃ المفاتیح'' یعنی مغلقات ومشکلاتِ کتابِ مشکوٰۃ کے فتح وحل اور کشف وایضاح کے آلات (کنجیوں) کی حفاظت کا ذریعہ۔ ❶

مکتوبات کے مختلف وضاحت طلب مقامات پر فاضل مکتوب الیہ مولانا عبدالسلام رحمانی نے

---

❶ مکتوب نمبر ۲۴۔ ص: ۴۸، ۴۹

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

حواشی دیے ہیں، جن سے بات واضح ہوجاتی ہے۔

ایک خط میں اپنے فتاوے کی اشاعت کے بارے میں رقم فرماتے ہیں:

''میرے فتاویٰ کو اپنی زندگی میں شائع کرنے کا میرے سامنے کوئی پروگرام اور منصوبہ نہیں ہے۔ ہر اہل حدیث عالم کا فتویٰ اس کی اپنی ذاتی راے اور تحقیق پر مبنی ہوتا ہے، اس لیے علماے اہل حدیث کے فتووں میں اختلاف ناگزیر ہے، اور ایک ہی جماعت کے علماء کا ایک ہی مسئلے میں اختلاف عوام میں انتشار کا باعث ہوتا ہے۔ اسی لیے میں نے ''صوت الجامعہ'' یا ''ترجمان'' اور ''اہل حدیث'' میں اپنے کسی فتوے کو بلا اجازت چھاپنے سے روک دیا ہے۔'' ❶

مکتوبات کا یہ مجموعہ ہندوستان کی جماعت اہل حدیث کے فاضل رکن اور ماہنامہ ''الصفا'' (دہلی) کے ایڈیٹر مولانا رفیق احمد رئیس سلفی (ادارہ علوم الحدیث جامعہ اردو روڈ، علی گڑھ) نے مرتب کیا ہے۔ انھوں نے ان مکتوبات کو نقل کیا، کمپوزنگ کرائی اور پروف ریڈنگ وغیرہ کا مرحلہ طے کیا۔ یہ بے حد محنت اور سر دردی کا کام ہے جو انھوں نے کیا۔ اس سے قبل بھی وہ حضرت مولانا عبید اللہ رحمانی کے مکتوبات کا ایک مجموعہ مرتب کر چکے ہیں جو ''مکاتیب رحمانی'' کے نام سے مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے شعبۂ نشر واشاعت مکتبہ ترجمان دہلی نے ۱۹۹۵ء میں شائع کیا تھا۔ افسوس ہے اس مجموعے سے استفادے کی سعادت سے یہ فقیر مرحوم رہا۔ پیش نظر مجموعہ جسے نمبر۲ کہنا چاہیے فاضل مرتب نے مجھے مندرجہ ذیل الفاظ لکھ کر ارسال فرمایا۔

''ہدیۂ پرخلوص:

بخدمت گرامی قدر حضرت مولانا محمد اسحاق بھٹی ﷾ جو ملت اسلامیہ ہندو پاک کی طویل ثقافتی تاریخ کے دیدہ ور اور معتبر مؤرخ ہیں، اور عمر کے اس مرحلے میں بھی جن کی ذات گرامی علم وادب کی محفلیں آباد کیے ہوئے ہے، ایک عظیم محدث کے خطوط کا یہ مجموعہ ان کی خدمت میں بصد عقیدت واحترام پیش کرتے ہوئے درخواست کرتا ہوں کہ یہ بھی ان شاء اللہ آپ کی مجوزہ سلفی تاریخ کا حصہ بن جائے گا۔

رفیق احمد سلفی ..... ۱۵۔ مارچ ۲۰۰۳ء''

لائق مرتب کے یہ الفاظ میرے لیے بہت بڑے اعزاز بلکہ تمغۂ امتیاز کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس پر میں مولانا رفیق احمد سلفی کا بے حد شکر گزار ہوں اور عرض کرتا ہوں کہ انھوں نے یہ خطوط مرتب

---

❶ خط نمبر ۸۹، ص: ۱۴۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کر کے بہت بڑا جماعتی اور علمی کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ ان خطوط میں واقعات بھی ہیں، مشورے بھی ہیں، نصیحتیں بھی ہیں، سلفیت کی تاریخ بھی ہے اور تحقیق وکاوش کی فراوانی بھی ہے۔ یہ ایک گراں قدر علمی تحفہ ہے جس سے لوگ ہمیشہ اخذ فیض کرتے رہیں گے۔ مندرجات کی بوقلمونی کے اعتبار سے ہم اسے ایک اہم دائرۃ المعارف یا انسائیکلوپیڈیا سے تعبیر کرسکتے ہیں۔ مولانا عبدالسلام رحمانی نے ان خطوط کو محفوظ رکھ کر، مولانا رفیق احمد سلفی نے ترتیب دے کر اور فردوس پبلی کیشنز دہلی نے انھیں شائع کر کے قابل قدر علمی خدمت سرانجام دی ہے۔ میرے خیال میں اس مجموعے میں حضرت مرحوم کے نجی خطوط بھی شامل کردینا چاہئیں تھے۔ نبی ﷺ اور صحابہ کرام کے بہت سے نجی اور ذاتی معاملات کتابوں میں مرقوم ہیں اور تاریخ اسلامی بلکہ دین کا جزو لاینفک ہیں، جو ہمارے لیے عمل کی راہیں متعین کرتے ہیں۔

اس مجموعۂ مکاتیب کے آخر میں دس بزرگانِ جماعت کی تحریروں کا عکس شائع کیا گیا ہے، جن کے اسماے گرامی یہ ہیں: ① حضرت میاں سید نذیر حسین دہلوی، ② شیخ حسین بن محسن انصاری، ③ مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری، ④ مولانا عبدالسلام مبارک پوری، ⑤ مولانا محمد اسماعیل سلفی، ⑥ مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی، ⑦ مولانا عبید اللہ رحمانی مبارک پوری، ⑧ مولانا نذیر احمد رحمانی املوی، ⑨ مولانا محمد اقبال رحمانی اور ⑩ مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری۔

مندرجات کے اعتبار سے مولانا رحمانی کے خطوط کا یہ مجموعہ بلاشبہ برصغیر کی سلفی تاریخ کا بہت بڑا حصہ ہے۔

خطوط نویسی پیغمبرانہ طریق تبلیغ ہے، جس کا ذکر قرآنِ مجید میں فرمایا گیا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ سبا (بلقیس) کو خط لکھا اور اسے قبول اسلام کی دعوت دی۔ اس کا تذکرہ سورہ نمل میں فرمایا گیا ہے۔ وہ خالص ملوکیت کا دور تھا اور ملکہ نے مطلق العنان حکمران ہونے کے باوجود حضرت سلیمان علیہ السلام کے خط کا جواب دینے کے لیے اپنے وزیروں سے مشورہ کیا۔ انھیں اس زمانے کے مطابق پارلیمنٹ اور کابینہ اور مشیر بھی کہا جاسکتا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس خاتون کی حکمرانی میں جمہوریت کا تصور موجود تھا اور یہی صحیح طریق حکمرانی ہے۔

اسلامی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ خطوط نویسی کا طریقہ خود نبی ﷺ نے بھی اختیار فرمایا۔ آپ نے مدینہ منورہ سے مختلف بادشاہوں، متعدد علاقوں کے حکمرانوں، قبائل کے سربراہوں اور بعض اہم شخصیتوں کو خطوط لکھے اور انھیں اسلام کی دعوت دی۔

نبی ﷺ کے بعد خلفاے اربعہ نے بھی متعدد لوگوں کو خطوط لکھے، جن میں فوج کے جرنیل بھی شامل ہیں اور بعض دیگر حضرات بھی اور یہ خطوط مطبوعہ صورت میں ہمارے علم میں آتے ہیں۔ خطوط

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

نویسی کا سلسلہ بہت پرانا ہے جو اب تک چل رہا ہے۔ علماء کے خطوط، ادباء کے خطوط، سیاست دانوں کے خطوط۔ ان میں مفصل خطوط بھی ہیں اور مختصر بھی .....!

خطوط روا روی میں لکھے جاتے ہیں۔ لکھنے والے کو بالکل خیال نہیں ہوتا کہ جو خط وہ لکھ رہا ہے، وہ کبھی چھپ بھی جائے گا۔ وہ سرسری انداز اور بے تکلفانہ اسلوب میں لکھتا چلا جاتا ہے۔ اسے ادبی قالب میں ڈھالنے کی بالکل کوشش نہیں کرتا۔ خط سے اندازہ ہوتا ہے کہ خط نویس کتنا بڑا عالم اور کتنا بڑا ادیب ہے اور اس کے اظہارِ مدعا کا کیا طریقہ ہے۔ خط اس کے علم، اس کی تحقیق، اس کی نفسیات، اس کی سوچ اور اس کی ادبی حیثیت کو سمجھنے کا آئینہ ہوتا ہے۔

مولانا عبید اللہ رحمانی کے خطوط کا یہ مجموعہ بھی ان کے علم کی وضاحت کا آئینہ، ان کی تحقیق کو اجاگر کرنے کا پیمانہ اور ان کی سوچ کو نمایاں کرنے کا ذریعہ ہے۔ ان کے خطوط سے یہ حقیقت کھل کر قاری کے سامنے آجاتی ہے کہ دینی مسائل کے تمام گوشوں پر وہ گہری نظر رکھتے ہیں، ان کا مطالعہ وسیع ہے، ان کی سوچ ایک مدبر کی سوچ ہے اور ان کی فکر کا دائرہ دور تک پھیلا ہوا ہے۔ ان کا قلم ان کی گرفت میں ہے اور ہر موضوع میں انتہائی شائستگی سے اپنا سفر تحریر طے کرتا ہے۔ جو بات وہ کہنا چاہتے ہیں، اس میں وہ ہر لحاظ سے ان کا معاون ہے۔ یہ سہولت جس اہل قلم کو میسر آجائے، وہ اس میدان میں ہمیشہ کامیابی سے ہم کنار ہوگا، اور مولانا عبید اللہ رحمانی مبارک پوری کو اللہ کے فضل سے یہ سہولت حاصل تھی۔ ان کا قلم ان کا تابع فرمان تھا اور ان کا خزانۂ ذہن معلومات سے پر تھا۔

اس عالم اجل اور محدثِ دوراں نے کچھ عرصہ بیمار رہ کر ۸۵ برس کی عمر میں ۶۔ جنوری ۱۹۹۴ء کو اپنے آبائی وطن مبارک پور میں وفات پائی اور وہیں کے قبرستان میں دفن کیے گئے ..... انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اللھم نوّر قبرہ ووسع مدخلہ وادخلہ جنت الفردوس .

مولانا مرحوم اس دنیاے فانی سے کوچ کر کے اس شان سے عالم جاودانی میں پہنچے کہ شاگردوں بلکہ شاگردوں کے شاگردوں اور عقیدت مندوں کی بہت بڑی تعداد اپنے پیچھے چھوڑی جو ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے قال اللہ وقال الرسول کی دلنواز صدائیں بلند کرنے میں مصروف اور تبلیغ توحید وسنت میں مشغول ہے۔ اسی قسم کے لوگوں کی علمی سرگرمیوں اور تبلیغی کوششوں سے اشاعت دین ہوئی اور قرآن وحدیث کے احکام کو مرکز عمل ٹھہرایا جانے لگا۔ آیے سب مل کر ان کے لیے بارگاہِ الٰہی میں مغفرت کی دعا کریں .....

اللھم اغفر لھم وارحمھم واجعل لھم الجنۃ ماوٰی .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

حافظ محمد بھٹوی

(وفات ۱۷۔ جولائی ۱۹۹۵ء)

حافظ محمد بھٹوی جماعت اہل حدیث کے معروف عالم تھے اور ان کا خاص قسم کا طریقۂ تدریس تھا۔ طبیعت بڑی متواضع پائی تھی۔ میں نے ان کو پہلی مرتبہ ۱۹۳۴ء میں اپنے وطن کوٹ کپورہ میں دیکھا جب کہ وہ وہاں اپنے دوست اور ہمارے استاذِ محترم حضرت مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی سے ملاقات کے لیے گئے تھے۔ ایک دن ہم تین ہم عمر لڑکے مولانا سے علم صرف کی ابتدائی کتاب صرف بہائی پڑھ رہے تھے کہ حافظ صاحب آئے اور مولانا نے ان سے پنجابی میں بے تکلفانہ انداز سے کہا: ''حافظ توں انھاں منڈیاں نو سبق پڑھا میں ہنے آناں'' (حافظ تم ان بچوں کو سبق پڑھاؤ، میں ابھی آتا ہوں) بس میں نے ان سے یہی صرف بہائی کا سبق پڑھا۔ اس کا مطلب میرے نزدیک یہ ہے کہ وہ میرے استاذِ محترم ہوئے۔ میں شخصیات کے کسی مجموعے میں ان سے متعلق لکھنا چاہتا تھا۔ معلومات کے لیے ان کے صاحب زادہ گرامی حافظ عبدالسلام بھٹوی سے عرض کیا۔ انھوں نے جن معلومات سے نوازا، مجھے نہایت خوشی ہوئی کہ ان میں خود ان کے بعض واقعاتِ حیات بھی آ گئے ہیں، یعنی باپ بیٹا برابر برابر چلتے ہیں۔

حافظ عبدالسلام کا تذکرہ میں اپنی کتاب ''برصغیر کے اہل حدیث خدام قرآن'' میں کر چکا ہوں۔ زیر مطالعہ کتاب ''گلستانِ حدیث'' میں حضرت حافظ محمد بھٹوی پر میں حافظ عبدالسلام بھٹوی کا مضمون تھوڑے سے حک واضافے کے ساتھ یہاں درج کر رہا ہوں۔ ملاحظہ فرمایے:

میرے والد حافظ محمد ابوالقاسم بن حسین بن اسماعیل پنجاب کے معروف علماء میں سے تھے۔ انھوں نے بہت سے مدارس میں پڑھایا اور بے شمار شاگردوں نے ان سے فیض اٹھایا۔ ان کی وفات پر مجھ سے کئی دوستوں نے کہا کہ ان کی زندگی کے حالات پر کچھ نہ کچھ لکھو۔ مگر چوں کہ ان کے حالات لکھتے ہوئے میرا اپنا تذکرہ ناگزیر تھا اس لیے طبیعت آمادہ نہیں ہوتی تھی کہ ''در مدحِ خود'' والا معاملہ نہ ہو۔ ان بہت سے دوستوں کے علاوہ خاص طور سے اپنے بزرگ مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب کے کہنے پر چند یاد داشتیں لکھ رہا ہوں۔ مقصد یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کسی بھائی کو والد کی اچھی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

باتوں سے کوئی اچھی عادت اپنانے کی توفیق مل جائے۔ واللہ الموفق

میں نے اپنے والد صاحب میں چند چیزیں دیکھیں جو بہت کم لوگوں میں دیکھی ہیں۔ سب سے پہلی چیز اعلیٰ درجے کی قناعت، استغنا اور غربت کے باوجود ان میں ایسی خود داری تھی کہ اپنے لیے کبھی کسی سے سوال نہیں کرتے تھے۔ اسی خود داری کی وجہ سے ان کی دوستی مال دار لوگوں سے بہت کم تھی، اور شاید یہی چیز ان کے کسی ایک مدرسے میں جم کر نہ پڑھانے کا باعث بنی۔ انھوں نے بہت سے مدارس میں پڑھایا، جب کسی مدرسے سے فارغ ہوتے، گاؤں میں آ کر کریانہ اور حکمت کی دکان کھول لیتے۔ جو طالب علم آتے گھروں سے کھانا منگوا کر انھیں پڑھانا شروع کر دیتے۔

جب کہیں سے پڑھانے کی پیش کش ہوتی سب کچھ چھوڑ کر وہاں چلے جاتے۔ فرمایا کرتے کہ مجھے میرے بعض ساتھی کہتے ہیں کہ تم حکمت یعنی طبابت کا سلسلہ جاری رکھتے تو تمھارا کاروبار بہت وسیع ہوتا، اور تم نامی گرامی طبیب ہوتے۔ مگر دینی علوم پڑھانے کا شوق ایسا غالب تھا کہ اچھی بھلی دکان چھوڑنے میں انھیں کوئی تردد نہ ہوتا۔

ایک دو دفعہ تدریس القرآن کے نام سے گاؤں میں مدرسہ بھی بنایا، مگر جب کسی جگہ سے پیش کش آئی تو چلے گئے اور ڈائری پر لکھا کہ فلاں جگہ سے پڑھانے کی پیش کش ہوئی جو میں نے منظور کر لی ہے کیوں کہ مدرسے کے لیے میں چندہ نہیں مانگ سکتا۔ جو تنخواہ وغیرہ ملتی جمع کرنے کی بجائے اچھا کھانے میں صرف کر دیتے۔ دودھ گھی کے لیے ہمیشہ بھینس رکھتے تھے۔ انھوں نے بتایا کہ ایک دفعہ کسی مدرسے سے جواب ہوا تو ہمارے ایک عزیز نے کہا کہ اب دیکھیں گے کس طرح مرغ گوشت کھاتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی، طبابت شروع کر دی۔ آنے دو آنے کی دوا دیتے اور سیر گوشت کا بندوبست ہو جاتا۔ صحت کا خیال رکھتے تھے۔ اچھی خوراک کے ساتھ کوئی نہ کوئی دوا بھی استعمال کرتے رہتے تھے۔ طبیعت بلغمی تھی۔ ان کے استاذ گرامی حضرت حافظ محمد صاحب گوندلوی رحمہ اللہ نے کچلے کی گولیاں بنائی تھیں، وہ ہمیشہ استعمال کرتے۔

میں جوارش جالینوس اور معجون فلاسفہ تیار کر کے دیتا، وہ بھی استعمال کرتے۔ آخر وقت تک نظر درست رہی۔ باریک سے باریک الفاظ بھی پڑھ لیتے تھے۔ دور کی نظر کمزور تھی۔ میرا بھی یہی حال ہے۔

دکان کا تجربہ بتاتے تھے کہ رشتے داروں کے پاس جب پیسے ہوتے تو وہ دوسری دکانوں سے سودا لیتے اور جب ادھار لینا ہوتا تو میرے پاس آتے اور پھر کم ہی وہ رقم وصول ہوتی۔

تین سال کی عمر میں یتیم ہو گئے تھے۔ یتیمی میں طالب علمی کے دوران بھی اللہ تعالیٰ نے استغنا اور سوال سے اجتناب کی نعمت سے نوازا تھا۔ طالب علمی کے زمانے کا یہ واقعہ انھوں نے مجھے کئی دفعہ سنایا کہ ایک دفعہ میں لکھو کے پڑھتا تھا۔ میرے پاس قمیص نہیں تھی۔ سردی کے دن تھے۔ میں ہر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

وقت سوت کی بنی ہوئی چادر جسم پر لپیٹے رکھتا۔ کسی کو معلوم نہ ہونے دیتا کہ میرے پاس قمیص نہیں ہے، اس خیال سے کہ کوئی یتیم اور غریب سمجھ کر قمیص نہ بنا دے۔ سردیاں اسی طرح گزار دیں۔ والدہ نے کپاس چن کر کچھ پیسے بھیجے تو قمیص بنوائی۔ گوندلاں والا کی طالب علمی کے زمانے میں چھٹیوں کے دنوں میں مزدوری کر کے سال کا خرچ بنا لیتے۔

مجھے اپنے والد کی اس صفت کے مشاہدے سے اور خصوصاً ان کے سوت کی چادر میں سردیاں گزارنے کا واقعہ سننے سے بہت فائدہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مجھے بھی کسی سے توقع رکھنے سے محفوظ رکھا، اور دعا کرتا ہوں کہ باقی زندگی بھی وہ مجھے اپنا ہی محتاج رکھے، کسی غیر کا محتاج نہ کرے۔ میری اولاد کو بھی سوال کی ذلت سے محفوظ رکھے۔

ایک وصف ان میں یہ تھا کہ جہاں رہتے وہاں جسے اپنی طبیعت کے مطابق پاتے اس سے دوستانہ تعلق قائم کر لیتے۔ پھر آپس میں گھریلو تعلقات بھی ہو جاتے۔ ان حضرات کو وہ اپنے ''بیلی'' (دوست) کہا کرتے تھے اور وہاں سے جانے کے بعد بھی ملاقات کے لیے ان کے پاس آمد و رفت رکھتے۔ بعض دفعہ والد اور والدہ دونوں جاتے۔ رینالہ خورد کے قریب پندرہ چک بلوچاں والا، گہلن ہٹھاڑ، چک غلام رسول، کاموں کی وغیرہ میں ان کے کئی دوست تھے۔ ان میں وہ بھی تھے جو پہلے ڈاڑھی منڈاتے تھے، والد صاحب کے کہنے پر انھوں نے ڈاڑھی رکھی اور پھر پکی دوستی ہوگئی۔ میں نے انھیں اس حدیث کا مصداق پایا: المؤمن یالف ویؤلف

اپنے طالب علمی کے ساتھیوں سے انھیں بہت محبت تھی۔ خصوصاً پانچ آدمیوں کا بہت ذکر کرتے۔ وہ تھے مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی، حافظ محمد اسحاق حسینوی، حافظ عبداللہ بڈھیمالوی، حافظ عبدالرحمٰن صافوی، مولوی حکیم بدر الدین۔ میری شادی بھی مولوی بدر الدین صاحب کے گھر ہوئی۔ ان میں سے بھی زیادہ تعلق مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی سے تھا۔ ہمارے گھر میں ان کا اکثر ذکر رہتا۔ ہم انھیں اپنا تایا جی سمجھتے تھے۔ وہ بھی ہمیشہ ہمارے گھر آتے۔ والد صاحب کسی وجہ سے کبھی اداس ہوتے تو ان کے پاس چلے جاتے۔ جماعتی معاملات میں بعض حضرات جب مولانا عطاء اللہ صاحب کو پریشان کرتے تو میں نے دیکھا کہ والد صاحب ان کے پاس جاتے، انھیں تسلی دیتے، حوصلہ دلاتے اور ان کے حق میں دعائیں کرتے۔ وہ بھی ہمیشہ والد صاحب کا خیال رکھتے۔ جب کہیں سے جواب ہو جاتا تو کسی مدرسے کے مہتمم سے بات کر کے وہاں بھیج دیتے۔

مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی سے مجھے بھی ہمیشہ باپ جیسی شفقت ملی۔ میں جامعہ سلفیہ (فیصل آباد) میں دو سال پڑھتا رہا۔ پہلے سال تو والد صاحب بھی ساتھ تھے۔ دوسرے سال مولانا صاحب ہر ماہ مجھے پانچ روپے خرچ دیتے۔ کبھی خود فیصل آباد تشریف لاتے تو دے جاتے، کبھی کسی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کے ہاتھ بھیج دیتے۔ جامعہ سلفیہ سے فارغ ہو کر فنون کی بعض کتابیں پڑھنے کے لیے میں دیوبندیوں کی درس گاہ جامعہ اشرفیہ لاہور میں داخل ہوا تو ان دنوں مولانا عطاء اللہ صاحب کی بیٹھک میں رہتا تھا۔ کھانا بھی ان کے ہاں سے کھاتا اور ہر روز جامعہ اشرفیہ پڑھنے کے لیے جاتا۔ مگر چند دن سے زیادہ وہاں نہ پڑھ سکا۔ کیوں کہ میں نے وہاں سلم العلوم، ہدایہ، توضیح تلویح اور اس قسم کی کتابیں شروع کیں مگر وہاں کے اساتذہ منطق کی کتاب سلم پڑھاتے ہوئے بھی باطل فرقوں کا رڈ کرتے، اس دوران قادیانیوں اور غیر مقلدوں کو ایک ہی درجہ دیتے۔ میں زیادہ دن برداشت نہ کر سکا اور چھوڑ کر آ گیا۔ پھر جامعہ محمدیہ اوکاڑہ میں داخل ہو گیا۔ فاضل فارسی جامعہ سلفیہ میں کر چکا تھا۔ یہاں فاضل عربی اور میٹرک کرنے کے بعد میں نے والد صاحب سے پوچھا اب کیا کروں؟ فرمانے لگے۔ اوکاڑہ میں جس ہائی سکول کے ہیڈ ماسٹر نے تمھیں سکول کی ٹیچری کی پیش کش کی تھی، وہاں پڑھانا شروع کر دو۔

میں نے کہا میری خواہش ہے کہ قرآنِ مجید حفظ کروں۔ فرمانے لگے ٹھیک ہے۔ میں لاہور چینیاں والی مسجد میں داخل ہو گیا۔ مولانا عطاء اللہ حنیف صاحب سے ملا اور انھیں بتایا تو فرمایا قرآنِ مجید تمھیں میں لے کر دوں گا۔ چناں چہ انھوں نے میری پسند کے مطابق انجمن حمایت اسلام کا بڑے سائز والا قرآنِ مجید اور حمائل خرید کر دی جو اب بھی میرے پاس موجود ہے۔

عصر کے بعد پیدل ہی شیش محل روڈ پر مولانا سے ملنے کے لیے آ جاتا۔ استاد صاحب نے سختی کی اور کہا تم عصر کے بعد مدرسے سے کہیں نہیں جا سکتے۔ میں نے چینیاں والی پڑھنا چھوڑ دیا اور رنگ محل کوچہ کندی گراں کے مدرسہ تجوید القرآن میں داخلہ لے لیا۔ وہاں قاری فضل کریم صاحب قرآن حفظ کراتے تھے۔ ان کے معاون استاذ قاری مسافر جان تھے۔ میں نے دونوں استادوں سے قرآنِ مجید حفظ کیا۔

مولانا عطاء اللہ حنیف صاحب کو قرآنِ مجید سے خاص لگاؤ تھا۔ قرآن پڑھنے کے ساتھ سننے کا شوق بھی تھا۔ اپنے بیٹے احمد شاکر کو حفظ کروایا اور باقاعدگی سے ہر رمضان میں ان سے قرآن سنتے۔ خود بھی آخری منزل کے حافظ تھے۔ اور تراویح وتہجد میں پڑھتے رہتے تھے۔ رمضان شریف کے آخری عشرے میں لاہور کی مختلف مساجد میں جا کر اچھے اچھے قراء کا قرآن سنتے۔ ایک دفعہ مجھے آخری عشرے میں مسلم مسجد لے گئے۔ یہ احناف کی مسجد ہے۔ وہاں کے قاری صاحب کی اقتدا میں نماز تراویح پڑھی۔

حفظ قرآن سے فارغ ہوا تو سوچ رہا تھا کہ اب کیا کرنا چاہیے۔ مولانا عطاء اللہ حنیف صاحب کا پیغام آیا کہ گوجراں والا میں مولانا محمد اسماعیل صاحب سلفی کے مدرسے میں استاد کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ضرورت ہے۔ انھوں نے مجھے کہا ہے تم وہاں چلے جاؤ۔ میں گوجراں والا چلا گیا۔ مولانا محمد اسماعیل مرحوم کی زندگی میں تین سال وہاں پڑھاتا رہا۔ پھر ان کی وفات کے بعد مولانا عبداللہ صاحب کو مدرسے کے مہتمم بنایا گیا تو ان کے زیر سایہ تقریباً چوبیس سال پڑھاتا رہا۔ اس کے بعد مرکز طیبہ مرید کے میں جامعۃ الدعوۃ الاسلامیہ کا آغاز کیا تو یہاں پڑھانے لگا۔ اب تک یہیں ہوں۔ یہاں ہزاروں طلبا کو پڑھایا۔ والحمد للہ علی ذلک

مولانا اسماعیل صاحب کی زندگی میں مولانا عطاء اللہ حنیف صاحب ہر سال جامعہ محمدیہ گوجراں والا کا امتحان لینے کے لیے تشریف لے جاتے تھے، گوجراں والا کی جامعہ اسلامیہ کے ممتحن بھی وہی تھے۔ اپنے ساتھ معاونت کے لیے کبھی والد صاحب کو بلا لیتے، کبھی مجھے ساتھ لے جاتے، اور بھی کئی مدارس کے امتحان مولانا لیا کرتے۔ مدرسے کے لائق لڑکوں پر خاص نظر رکھتے۔ انھیں مطالعہ کا شوق دلاتے، تعاون بھی کرتے۔ میں نے کتنی ہی کتابیں ان سے لے کر پڑھیں۔ اس معاملے میں وہ بہت فیاض تھے۔ علمی شغف کے علاوہ ان کا شعری ذوق بھی بہت اچھا تھا۔ میرے ذوق کو دیکھ کر مجھے میرزا غالب کا دیوان جیبی سائز کا تحفے کے طور پر دیا جو اب بھی میرے پاس ہے۔

والد صاحب سے تعلق کی وجہ سے وہ ہماری ہر خوشی اور غم میں شریک ہوتے۔ والد صاحب بھی ان کی خوشی اور غمی میں شرکت کرتے۔ میری اور میری ہمشیرگان کی شادی میں والد صاحب نے ان کو خاص طور پر دعوت دی۔ حافظ احمد شاکر کی شادی میں انھوں نے ہمیں بلایا۔ دونوں بزرگوں کے مزاج اور تربیت کا اندازہ میری اور احمد شاکر کی شادی کے ایک ایک واقعہ سے ہوسکتا ہے۔

میری شادی کے موقعے پر ہم پانچ سات آدمی بارات بن کر گئے۔ جہاں سے بس میں بیٹھنا تھا، وہاں پہنچنے میں ایک ساتھی پیچھے رہ گئے۔ ہم نے ان کا انتظار کیا۔ مگر وہ نہ آئے تو ہم بس پر سوار ہوگئے۔ وہ بعد میں آئے تو انھوں نے اڈے پر ادھر اُدھر کے لوگوں سے پوچھا کہ یہاں کوئی بارات تو بس پر سوار نہیں ہوئی۔ لوگوں نے بتایا کہ بارات وغیرہ تو کوئی نہیں آئی البتہ تبلیغی جماعت آئی تھی۔ وہ ضرور یہاں سے بس پر سوار ہوئی ہے۔

احمد شاکر کی شادی کا واقعہ یہ ہے کہ ان کی بارات گوندلاں والا جانی تھی۔ میں بھی شامل تھا۔ گوجراں والا کے بس سٹینڈ سے گوندلاں والا کی بس پر سوار ہونا تھا۔ وہاں بس کا انتظار کر رہے تھے کہ مانگنے والوں نے بارات کو گھیر لیا۔ لوگوں نے انھیں مولانا عطاء اللہ حنیف صاحب کی طرف بھیج دیا کہ یہ دولہا کے والد ہیں۔ مولانا عطاء اللہ حنیف صاحب کہنے لگے اگر تم دولہا تلاش کرلو تو میں تمھیں ضرور انعام دوں گا۔ اب وہ کبھی کسی کو دولہا بناتے ہیں اور کبھی کسی کو۔ آخر تھک ہار کر کہنے لگے کہ ہمیں انعام بے شک نہ دو مگر ہمیں اتنا بتا دو کہ دولہا کون ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مولانا عطاء اللہ حنیف صاحب حج پر جانے لگے تو والد صاحب انھیں الوداع کہنے کے لیے لاہور آئے۔ میں بھی ساتھ تھا۔ جب رخصت ہوتے وقت دونوں دوست گلے ملے تو میں نے دیکھا کہ دونوں کی آنکھیں آنسوؤں سے تر تھیں۔ میرے دل پر محبت کے اس اظہار کا بے حد اثر ہوا۔ اب اہل علم میں ایسی باہمی محبت شاذ ہی دکھائی دیتی ہے۔

میں نے دو دفعہ سعودی عرب جانے کا ارادہ کیا۔ پہلی دفعہ جب جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ شروع ہوئی، میرے دوست بھائی عبدالسلام کیلانی وہاں داخل ہوگئے۔ جامعہ کے اساتذہ کے ساتھ ان کے تعلقات بہت اچھے تھے۔ انھوں نے مجھے خط لکھا کہ داخلے کے لیے کاغذات بھیج دو، داخلہ ہوجائے گا۔

مجھے بڑی خوشی ہوئی مگر والد صاحب اس پر راضی نہیں تھے۔ انھوں نے مولانا عطاء اللہ حنیف صاحب سے کہا۔ انھوں نے مجھے بلا کر کہا تمھارے والد تمھارے جانے پر راضی نہیں ہیں۔ اس لیے نہ جاؤ۔ اللہ تعالیٰ یہیں برکت دے گا۔ میں نے جانے کا ارادہ فسخ کردیا۔

اور واقعی اللہ تعالیٰ نے مجھے بہت برکت عطا فرمائی۔

دوسری دفعہ مجھے شوق ہوا کہ عمرہ کروں، حرمین شریفین کی زیارت کروں۔ پیسے نہیں تھے۔ میں نے اپنی ایک الماری فروخت کردی۔ چائنہ کا ایک سائیکل فروخت کردیا۔ البدایہ والنہایہ فروخت کردی اور کچھ پیسے ادھار لے کر جانے کی جدوجہد شروع کردی۔ پاسپورٹ بنوایا۔ ٹکٹ خریدا۔ ویزے کے لیے اسلام آباد گیا۔ وہاں سے ویزا نہ لگا تو کراچی گیا اور ہفتہ دس دن وہاں رہ کر ویزا لگوایا۔ روانگی کی تاریخ اور جہاز کی سیٹ پکی ہوگئی۔ اب والدہ کو خیال ہوا کہ یہ سعودی عرب جا کر وہیں رہ جائے گا۔ اس لیے اسے جانے نہیں دینا۔

والد صاحب نے پھر مولانا عطاء اللہ حنیف صاحب سے کہا۔ انھوں نے مجھے سمجھایا کہ تمھارے والدین تمھارا جانا پسند نہیں کرتے، اس لیے نہ جاؤ، اللہ برکت دے گا۔ میں نے ٹکٹ واپس کردیا اور جو پیسے ادھار لیے تھے، واپس کردیے۔ باقی خرچ ہوگئے اور الحمد للہ اس سے کئی سال بعد والد صاحب کی معیت میں اللہ تعالیٰ نے حج وعمرہ بھی نصیب فرما دیا اور پھر کئی مرتبہ وہاں جانے کی سعادت عطا فرمائی۔ والحمد للہ

والد چوں کہ باپ بھی تھے اور استاد بھی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے مجھے ان کی اطاعت اور ادب کے نتیجے میں رزق میں بھی برکت دی اور علم میں بھی۔ یہی نصیحت میں اپنے عزیزوں کو کرتا ہوں۔

والد صاحب کے بڑے بھائی تایا نور احمد کی والد سے بہت محبت تھی۔ والد صاحب بھی ان سے محبت سے پیش آتے تھے۔ والد صاحب کا دل جب اداس ہوتا تو انھیں ملنے کے لیے چل پڑتے، اور ان کا دل اداس ہوتا تو وہ ملنے کے لیے ہمارے ہاں آجاتے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ایک دفعہ تایا جی نور احمد اداس ہوگئے۔ کرایہ پاس نہیں تھا۔ پیدل ہی چل پڑے اور والد سے آ کر ملے۔ میری تائی نے بعد میں بتایا کہ رات چاند دیکھ رہے تھے۔ کہنے لگے کہ محمد بھی اس چاند کو دیکھ رہا ہوگا۔ یہ کہہ کر بے اختیار رونے لگے۔ صبح ملنے کے لیے آ گئے۔ اب بھائیوں میں ایسی محبت کم ہی دکھائی دیتی ہے۔

والد کا ایک وصف ان کی صاف گوئی اور سچی بات کہنا تھا۔ میں نے اپنی ہوش میں تقریباً پینتیس سال انھیں دیکھا ہے۔ کبھی ان کی زبان سے جھوٹ نہیں سنا۔ ایک دو دفعہ ساتھیوں نے مجبور کیا اور سکھایا کہ آپ نے یہ بات اس طرح کہنی ہے۔ مگر ان کی زبان سے سچی بات ہی نکلی۔ سکھائی ہوئی بات وہ کر ہی نہیں سکے۔ میرا مشاہدہ یہ ہے کہ وہ جھوٹ بول ہی نہیں سکتے تھے۔

اسی طرح وہ بغیر کسی اینچ پینچ کے کھری اور صاف بات کہہ دیا کرتے تھے۔ اس پر کئی لوگ ناراض ہوجاتے مگر ان کی طبیعت کی افتاد یہی تھی۔

ایک وصف ان کا پڑھانے کا شوق تھا۔ وہ الف باء کے قاعدے سے لے کر صحیح بخاری تک ایک جیسے شوق اور انہماک سے پڑھاتے تھے۔ مشکل سے مشکل کتاب پڑھانے سے نہیں گھبراتے تھے۔ اگر کوئی بات حل نہ ہوتی تو اپنے کسی ساتھی یا استاذ سے پوچھ لیتے۔ دارالحدیث اوکاڑہ میں پڑھانے کی بات ہوئی تو انھیں بتایا گیا کہ آپ کو فلاں فلاں کتابیں پڑھانی ہوں گی۔ ان میں سلم العلوم اور مسلم الثبوت بھی تھیں جو انھوں نے اس سے پہلے نہیں پڑھائی تھیں۔ ابھی مدرسے کا نیا سال شروع ہونے میں تقریباً ڈیڑھ ماہ باقی تھا کہ والد صاحب مولانا سید داؤد غزنوی رحمہ اللہ کے پاس گئے۔ انھوں نے اپنے کتب خانے سے دونوں کتابوں کی ایک ایک بہترین شرح دے دی۔ شرحیں لے کر اپنے استاذ حضرت حافظ محمد گوندلوی صاحب کے پاس گوجراں والا چلے گئے۔ ایک ہفتے میں دونوں کتابوں کا مطالعہ شرح کی مدد سے مکمل کیا اور جہاں مشکل پیش آئی استاد محترم سے رجوع کیا۔ اس طرح کتابیں شروع کرنے سے پہلے ہی ان کی تیاری مکمل کرلی۔ دارالحدیث میں پڑھانے کے دوران بیضاوی پڑھاتے ہوئے کوئی مشکل پیش آتی تو اپنے پرانے ساتھی حافظ عبداللہ بڈھیمالوی سے پوچھ لیتے جو اس وقت جامعہ محمدیہ اوکاڑہ میں پڑھا رہے تھے۔

ان کے پڑھانے کا ایک خاص انداز تھا جو کم از کم میں نے کسی اور میں نہیں دیکھا۔ قاعدہ پڑھاتے وقت رٹا نہیں لگواتے تھے۔ بلکہ پہلی تختی میں بچے کو بتا دیتے کہ یہ الف ہے۔ یہ باء ہے۔ پھر قرآنِ مجید لے کر اسے کہتے کہ اس میں الف تلاش کرو۔ باء تلاش کرو۔ کوئی کتاب پاس پڑی ہوتی تو اسے پکڑ کر بچے کو کہتے اس میں باء کون سا حرف ہے۔ ایک ہی دن میں اسے باء کی خوب شناخت ہوجاتی۔ اس طرح باقی حروف کی شناخت کروا دیتے۔ پھر حرکات کی تختی شروع ہوتی تو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

الف زبر آ۔ باء زبر ب نہیں پڑھواتے تھے۔ نہ جوڑ کراتے تھے، بلکہ زبر کی شناخت کرا کر اس کی آواز بتا دیتے کہ یہ حرف (بَ) تم نے اس آواز کے ساتھ پڑھنا ہے۔ اسی طرح زیر اور پیش کی آواز بتا دیتے۔ بچہ شناخت ہونے کے بعد جوڑ کے بغیر الفاظ پڑھتا جاتا اور چند دنوں میں قرآنِ مجید پڑھنے کی صلاحیت ہوجاتی۔ خود مجھے انھوں نے اسی طرح قاعدہ پڑھایا۔ اردو قاعدہ بھی اسی طرح پڑھاتے۔ میرے بیٹے عبدالرحمٰن کو بھی انھوں نے اردو اور عربی قاعدے اسی طرح پڑھائے۔

میں سکول کی چھٹی یا ساتویں جماعت میں تھا۔ ایک دن عشا کے بعد سوتے وقت کہنے لگے کہ پڑھو، ''صرف صغیر فعل ثلاثی مجرد صحیح از باب فعل یفعل۔ الضرب زدن مارنا۔'' میں ساتھ ساتھ پڑھتا گیا۔ دو چار دفعہ کہلوا کر اگلے الفاظ کہلوا دیے۔ غرض صرف صغیر زبانی یاد کرا دی۔ اگلے دن آگے سبق دے دیا۔ ایک باب پورا ہونے پر اگلے باب کا وزن مصدر اور معنی بتا دیتے اور صرف صغیر اور کبیر سن لیتے۔ کچھ دنوں کے بعد پانچ پانچ سات سات باب سننے لگے۔ اس طرح انھوں نے پوری ابواب الصرف مجھے کتاب کے بغیر ہی یاد کرا دی۔

پھر صرف میر، اور نحو میر پڑھائی۔ اس کے بعد شرح مائۃ عامل پڑھائی۔ یہ کتابیں پڑھانے کا بھی ان کا خاص طریقہ تھا۔ مثلاً نحو میر میں اسم متمکن کی سولہ قسمیں اور ان کے اعراب کو خوب یاد کراتے۔ پھر ان کے اجرا کے لیے قرآنِ مجید یا بلوغ المرام میں سے قسمیں تلاش کرنے کے لیے کہتے۔ ان کی رفعی، جری، نصبی حالت پوچھتے۔ اس کا سبب پوچھتے اور یہ کہ یہاں رفع، نصب اور جر کس طرح ہوگی۔ مجھے کتنے ہی آدمیوں نے بتایا کہ ہماری عبارت حافظ محمد صاحب سے نحو میر پڑھنے سے رواں ہوئی۔ ان کتابوں کے بعد مجھے ترجمہ قرآن اور بلوغ المرام پڑھانے لگے۔

صیغہ نکالنے اور ترکیب پر بہت زور دیتے۔ میری عبارت ابواب الصرف، صرف میر، نحو میر اور شرح مائۃ عامل کے بعد بلوغ المرام پڑھنے میں درست ہوگئی، اور میں آسانی سے اعراب کے بغیر حاشیے کا مطالعہ کرنے لگا۔ سکول کی آٹھویں جماعت سے فارغ ہونے تک میں یہاں تک پڑھ چکا تھا۔ ۱۹۶۰ء میں والد صاحب مدرسہ ڈھلیانہ چھوڑ کر دارالحدیث اوکاڑہ میں چلے گئے۔ میں بھی ان کے ساتھ وہاں چلا گیا۔ وہاں میں نے ایک سال میں دینی نصاب کے مطابق تیسری اور چوتھی جماعت کی کچھ کتابیں پڑھیں۔ کچھ چھوڑ دیں۔ یہاں میں نے مشکوٰۃ (اوّل، ثانی)، ترجمۃ القرآن، قدوری، الفیہ، فصولِ اکبری، جلالین، مرقاۃ، شرح تہذیب، مقامات، سبعہ معلقہ وغیرہ کتابیں پڑھیں۔ ان میں سے مشکوٰۃ اوّل، الفیہ اور سبعہ معلقہ والد صاحب سے پڑھیں۔ دروس البلاغہ انھوں نے مجھے الگ پڑھائی۔ مشکوٰۃ کا کچھ حصہ تمام لڑکوں کو زبانی حفظ کراتے۔ بلوغ المرام کے بعد مشکوٰۃ میں عبارت صحیح کرانے کی بے حد کوشش کرتے۔ سبعہ معلقہ اور الفیہ کے جتنے اشعار پڑھاتے،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

دوسرے دن زبانی سنتے۔ جو لڑکے نہ سنا سکتے انھیں کچھ نہیں کہتے تھے۔ البتہ مجھ سے دونوں کتابوں کے اشعار روزانہ زبانی سنتے تھے۔ حق یہ ہے کہ میرا نحو اور عربی ادب کا تھوڑا بہت ذوق جتنا بھی ہے، حفظ متون کی وجہ سے پیدا ہوا۔

آئندہ سال والد صاحب جامعہ سلفیہ فیصل آباد چلے گئے۔ مجھے بھی ساتھ لے گئے۔ اس سال انھوں نے میرے لیے پانچویں اور چھٹی جماعت کی کچھ کتابیں منتخب کیں، باقی چھوڑ دیں۔ ترمذی، ابوداؤد، حماسہ، متنبّی، مختصر المعانی، قطبی۔ ایک دو اور کتابیں۔ ان میں سے ابوداؤد حضرت حافظ محمد صاحب گوندلوی سے پڑھی۔ ترمذی اور حماسہ والد صاحب سے، باقی کتابیں دوسرے اساتذہ سے پڑھیں۔ اگلے سال والد صاحب تو دوبارہ دارالحدیث اوکاڑہ میں آ گئے۔ میں نے ساتویں جماعت میں صحیح مسلم پڑھنی تھی۔ معلوم ہوا حضرت حافظ محمد صاحب گوندلوی صرف اسی سال جامعہ سلفیہ میں پڑھائیں گے۔ والد صاحب نے فرمایا ساتویں جماعت چھوڑ دو اور صحیح بخاری کی جماعت میں داخلہ لے لو۔ چناں چہ میں آخری جماعت میں داخل ہوگیا۔ استادِ محترم حافظ محمد صاحب گوندلوی سے صحیح بخاری اور مؤطا پڑھیں۔ مولانا شریف اللہ سے بیضاوی، شمس بازغہ اور تصریح پڑھیں۔ مولانا محمد صادق خلیل صاحب سے دلائل الاعجاز اور تاریخ الادب العربی پڑھیں۔ حافظ عبداللہ بڈھیمالوی سے حجۃ اللہ پڑھی۔ ایک آدھ سبق شاید کسی اور استاد سے پڑھا ہوگا۔ اسی سال میں نے فارسی فاضل کا امتحان دے دیا۔ اسی سال علامہ احسان الٰہی ظہیر رحمہ اللہ نے بھی ہمارے ساتھ حافظ محمد صاحب گوندلوی سے بخاری پڑھی۔ وہ فارغ التحصیل ہو کر آئے تھے، میں تین سال میں درسِ نظامی سے فارغ ہوگیا۔ اتنی تھوڑی مدت میں درس نظامی سے فارغ ہوجانا والد مرحوم کے غیر روایتی طریقے سے پڑھانے کی برکت سے ممکن ہوا۔ اللہ تعالیٰ انھیں جزائے خیر عطا فرمائے، آمین۔

اس سے اگلے سال میں نے چند دن جامعہ اشرفیہ لاہور میں پڑھنے کے بعد جامعہ محمدیہ اوکاڑہ میں داخلہ لے لیا۔ وہاں تلویح توضیح، شرح عقائد نسفی، مسامرہ، حمد اللہ وغیرہ کتابیں پڑھیں۔ مولانا محمد عبدہ سے دوبارہ صحیح بخاری پڑھی۔ اسی سال فاضل عربی اور میٹرک انگلش کا امتحان دے دیا۔ پھر قرآن حفظ کرنے کے بعد پڑھانا شروع کر دیا۔ یہ سلسلہ بحمد اللہ اب تک جاری ہے۔

والد صاحب کا ایک وصف ان کی تربیت کا انداز تھا۔ وہ سبق یاد نہ کرنے پر نہیں مارتے تھے۔ بلکہ دوبارہ کہلواتے اور کہلواتے جاتے یہاں تک کہ لڑکا سبق یاد کر لیتا۔ یہ سزا ڈنڈے سے بھی زیادہ ہوتی تھی۔ کیوں کہ ڈنڈے کھا کر تو سبق یاد کرنے سے جان چھوٹ جاتی مگر وہاں مسلسل اصرار ہوتا اور سبق سنانا پڑتا۔ البتہ شرارت پر مارتے تھے، یا نماز پر مارتے۔ مجھے ایک آدھ دفعہ ہی ان سے مار پڑی۔ نماز میں کبھی کبھی سستی ہوجاتی تو جس راستے سے والد صاحب نماز پڑھ کر آ رہے ہوتے، میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دوسرے راستے سے مسجد کو روانہ ہوجاتا اور نماز پڑھ کر آجاتا۔ والد پوچھتے تو بتاتا کہ نماز پڑھ آیا ہوں۔ ایک دن وہ بھی اسی راستے سے آتے ہوئے مل گئے جس سے میں جارہا تھا۔ پھر وہیں تواضع کردی۔

والد صاحب کے مدرسہ ڈھلیانہ میں پڑھانے کے دوران ہم لوگ چک غلام رسول میں رہتے تھے، جو رینالہ خورد سے دس بارہ کیلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ اس وقت سڑک کچی تھی۔ میری عمر آٹھ دس سال کی ہوگی۔ ایک دفعہ کچھ سامان وغیرہ لانے کے لیے والد صاحب مجھے ساتھ لے کر سائیکل پر رینالہ خورد گئے۔ سامان خریدا۔ ایک منیاری کی ریڑھی سے کچھ چیزیں خریدیں۔ میں نے ریڑھی سے کچھ انگوٹھیاں کھسکا لیں۔ گھر واپس آئے تو میں نے وہ انگوٹھیاں دکھائیں تو والد صاحب نے مجھے نہ مارا نہ برا بھلا کہا۔ بس اتنا کہا یہ انگوٹھیاں ریڑھی والے کو تم نے خود واپس کرنی ہیں۔ مجھے سائیکل پر بٹھایا۔ دس بارہ کلومیٹر سفر کرکے اس ریڑھی والے کے پاس پہنچے اور انگوٹھیاں واپس کروائیں۔ اس واقعہ سے مجھے ایسی نصیحت ہوئی کہ کسی کی چیز اٹھانے کا خیال بھی ہمیشہ کے لیے دل سے نکل گیا۔ والحمد للہ

والد صاحب طب کا تھوڑا بہت شوق رکھتے تھے۔ گھر کے لیے دوائیں بناتے رہتے۔ کوئی ضرورت مند ہوتا تو اسے بھی دے دیتے۔ ہمارے گھر ایک بوتل میں میٹھا سوڈا ہمیشہ موجود رہتا تھا۔ ایک دن کسی آدمی کو پیٹ میں درد ہوا۔ وہ والد صاحب کے پاس آیا۔ والد صاحب نے میٹھے سوڈے کی بوتل سے اسے پڑیا بنا دی۔ میں نے کہا یہ تو میٹھا سوڈا ہے۔ والد نے مجھے ایک تھپڑ رسید کیا۔ اس کے علاوہ ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ اس تھپڑ نے مجھے راز رکھنا سکھایا۔

صرف دوا ہی میں نہیں عام معاملات میں بھی راز رکھنے کی عادت پڑگئی۔ الحمد للہ میں نے اس سے یہ نہیں سیکھا کہ کسی کو نسخہ نہیں بتانا بلکہ یہ کہ جہاں مریض کو نسخہ بتانے سے دوا کی بے قدری کا خطرہ ہو اسے اس سے بے خبر رکھنا ضروری ہے۔ نسخہ بتانے میں نہ والد بخل کرتے تھے، نہ مجھے اس میں بخل ہوتا ہے۔ بلکہ مجھے جو کچھ معلوم ہے، میری خواہش ہوتی ہے کہ کسی نہ کسی کو بتا دوں تاکہ وہ اس سے فائدہ اٹھالے۔

ایک وصف ان میں یہ تھا کہ گاؤں سے لڑکے نکال نکال کر مدارس میں بھیجنے کی بے حد کوشش کرتے۔ حنفی گھروں کے کتنے ہی لڑکے انھوں نے خود پڑھائے۔ عالم بننے کے بعد ان کے گھر والے بھی اہل حدیث ہوگئے۔ اس مقصد کے لیے وہ حنفی وہابی کی کشیدگی پیدا ہونے سے بہت اجتناب کرتے تھے کہ اگر ایسی کشیدگی پیدا ہوگئی تو ان کے بچے ہماری مسجد میں آکر نہیں پڑھیں گے۔ نہ ہم علم کے لیے لڑکے نکال سکیں گے۔ درس بھی دیتے تو آیات پڑھتے جاتے، مطلب بیان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کرتے جاتے، کسی کو نشانہ نہ بناتے۔ جب ہمارا کوئی نوجوان عالم تقریر کرتا جس میں حنفیوں کو نشانہ بنایا جاتا تو حنفی لوگ کہتے کہ حافظ محمد صاحب بھی تو تقریر کرتے ہیں، ان کی تقریر سے ہمیں تکلیف نہیں ہوتی۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ اس وقت الحمد للہ ہمارے گاؤں کے تقریباً پچاس عالم درس نظامی سے فارغ ہو چکے ہیں جو ملک کے مختلف مقامات میں تدریس یا خطابت کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔ ان میں سے کچھ ہماری برادری کے ہیں، باقی دوسری برادریوں کے ہیں جو اب توحید وسنت کی وجہ سے ایک برادری بن چکے ہیں۔

دعوت وتبلیغ میں کمی نہیں کرتے تھے۔ علماء کو بلا کر تقریریں کرواتے رہتے۔ البتہ کبھی معاملہ گرم ہو جاتا اور توحید یا سنت کے کسی مسئلے پر مناظرے تک نوبت پہنچ جاتی تو پھر پیچھے نہیں ہٹتے تھے۔ ایک دفعہ ہمارے ایک بزرگ میاں محمد اکبر نے ایک حنفی بھائی سے ''یا محمد'' کہنے کے جواز عدم جواز پر مناظرہ رکھ لیا۔ والد صاحب کو معلوم ہوا تو حافظ عبدالقادر صاحب روپڑی مرحوم کو بلا لیا۔ اور بھی کئی علماء تشریف لائے۔ گاؤں کی جماعت تھوڑی اور کمزور تھی۔ والد صاحب نے مہمانوں کے لیے کھانے کا انتظام کرنے کے لیے اردگرد کے دیہات میں جماعت کے بھائیوں سے اپیل کی۔ ہمارے گاؤں میں مختلف مقامات سے چاول، گھی اور دوسری اشیائے خورونوش اور پکانے کے لیے دیگیں پہنچ گئیں۔ مناظرہ سننے کے لیے ہر طرف سے لوگ آنے لگے تو حنفی حضرات گھبرا گئے۔ انھوں نے پولیس کی مدد حاصل کر کے مناظرہ رکوا دیا۔ ہمارا جلسہ شروع ہوا تو پولیس نے وہ بھی روک دیا۔ ہمارے گاؤں سے ایک کیلومیٹر کے فاصلے پر شیر نگر قصبہ ہے۔ والد صاحب نے وہاں جلسے کا بندوبست کرلیا۔ پولیس وہاں بھی پہنچ گئی۔ والد صاحب نے تھانیدار سے کہا کہ ہمارا ایک شخص نعت بہت اچھی پڑھتا ہے۔ آپ اجازت دیں تو وہ نعت پڑھ لے۔ تھانیدار نے اجازت دے دی۔ والد صاحب نے مولانا علی محمد صمصام مرحوم کو کھڑا کیا۔ انھوں نے اپنی مشہور نظم حلیہ مصطفیٰ ﷺ شروع کردی۔ پولیس والے بھی شوق سے سننے لگے اور ایسے متاثر ہوئے کہ صمصام مرحوم کی نظم سے جلسے کے لیے بھی میدان صاف ہو گیا، اور دوسرے علما کی تقریریں بھی ہوئیں۔

ہمارے گاؤں میں وجودیوں، پیر پرستوں اور قبوریوں کی بہت کثرت تھی۔ اس لیے وقتاً فوقتاً جماعت کے مشہور خطبا کو بلا کر ان کی تقریریں کرواتے رہتے تھے۔ مولانا حسن بصری، مولانا عبدالغنی شاہ صاحب کاموں کی والے، مولانا علی محمد صمصام، مولانا محمد حسین شیخوپوری، مولانا شہاب الدین ثاقب، مولانا محمد علی جندرا کے والے مولانا حبیب الرحمٰن یزدانی اور دوسرے معروف خطبا نے کئی بار ہمارے گاؤں میں تقریریں کیں۔ تقریر کے دن ہمارے گاؤں میں عجیب رونق ہوتی۔ اردگرد کے دیہات سے بھی لوگ آجاتے۔ حنفی حضرات مسجد میں نہیں آتے تھے، بازار میں بیٹھے رہتے۔ جھگڑے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کے خطرے کے پیش نظر ہماری برادری (جتالہ آرائیں) کے نمازی، غیر نمازی، ڈاڑھی والے اور بغیر ڈاڑھی سب پہنچ جاتے۔ مسجد کی چھت پر خطیب صاحب کی تقریر ہوتی جس کی آواز بازار میں بھی جاتی۔ بعض اوقات سپیکر نہیں ہوتا تھا۔ مگر رات کے سکوت میں تقریر بازار میں بیٹھے ہوئے لوگ بھی سنتے۔ کبھی کبھی تھوڑا بہت ہنگامہ بھی ہوجاتا جو خود ہی فرو ہوجاتا۔ ان علما کی تقریروں سے بھی توحید وسنت کی اشاعت میں بہت مدد ملی۔

ایوب خاں کے زمانے میں والد صاحب نے حج کے لیے پیسے جمع کروائے۔ اس وقت سولہ سو روپے جمع کروانا پڑتے تھے، جس کا قرعہ نکلتا، اسے حج کی اجازت ہوتی۔ تین دفعہ درخواست دی، تینوں دفعہ قرعہ نہیں نکلا۔ پھر بھٹو صاحب آ گئے۔ انھوں نے پہلی بار ہی کئی ہزار روپے بڑھا دیے۔ والد صاحب نے سولہ سو روپے واپس لے کر کچھ صدقہ کردیے، کچھ مجھے دے دیے، کچھ میری بہنوں کو۔ کئی سال بعد اللہ تعالیٰ نے مجھے، والد صاحب کو اور میری بیوی کو اکٹھے رمضان میں عمرے کی سعادت سے نوازا اور ہم تین ماہ وہاں رہ کر حج کرکے واپس آئے، والحمد للہ

والد صاحب اپنی تھوڑی بہت آمدنی میں صدقہ ضرور کرتے تھے۔ میں چھوٹا تھا، میرے ہاتھ سے پیسے دلواتے تاکہ مجھے بھی صدقہ کرنے کی عادت پڑ جائے۔ چوں کہ بچپن سے غربت دیکھی تھی۔ پیسے ضائع نہیں کرتے تھے۔ اگر ضرورت سے بچ جاتے تو کوئی چیز بنالیتے یا صدقہ کردیتے۔ وفات سے کچھ عرصہ پہلے ان کے پاس دس ہزار روپے جمع ہوگئے۔ ہمارے گاؤں کے قریب پکی سڑک پر اہل حدیث کی ایک مسجد بن رہی تھی، جس کی دیواریں بن چکی تھیں۔ چھت باقی تھی اور پیسے نہ ہونے کی وجہ سے کام بند تھا۔ والد صاحب نے وہ دس ہزار روپے وہاں دے دیے۔ الحمد للہ چھت مکمل ہونے کے بعد نماز جماعت کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

جب افغانستان کے جہاد کا سلسلہ شروع ہوا، میں نے اجازت مانگی کہ میں افغانستان جانا چاہتا ہوں۔ باوجود یہ کہ میں ان کا اکیلا بیٹا تھا اور انھیں نہایت عزیز تھا۔ ایک لفظ بھی ہچکچاہٹ کا نہیں بولا۔ نہایت خوشی سے اجازت دے دی۔ اس کے بعد میں ہمیشہ جاتا، والد صاحب خوشی سے بھیجتے۔ والد صاحب کو قرآن مجید سے خاص تعلق تھا۔ حسین خاں والا کے حکیم حافظ محمد امین کے والد حافظ بشیر احمد سے بچپن میں قرآن حفظ کیا تھا۔ بتایا کرتے تھے کہ میں ایک گھنٹے میں پانچ پارے منزل پڑھ لیتا تھا۔ ایک دفعہ ایک گاؤں میں قرآن سنانے گئے۔ وہاں کسی بزرگ نے نصیحت کی کہ قرآن ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرو۔ فرماتے تھے کہ میں نے آہستہ رفتار کے ساتھ دوبارہ قرآن یاد کیا۔ ایک دفعہ موضع میر محمد میں ایک حافظ صاحب کے تیرہ یا پندرہ پارے باقی تھے کہ رمضان کی آخری رات ہوگئی۔ والد نے بتایا کہ میں نے آخری رات میں تمام پارے پڑھ دیے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

قرآنِ مجید ہمیشہ آواز سے پڑھتے۔ مسجد یا مدرسے سے آتے تو گھر داخل ہونے سے پہلے ہی پتا چل جاتا کہ والد آ رہے ہیں۔ قرآن کی گنگناہٹ کی آواز ان کے آنے کی خبر دے دیتی۔ تہجد ہمیشہ کا معمول تھا۔ دن کو بھی قرآن پڑھتے رہتے۔ گھر میں کچھ ہوتا رہے، والد مطالعہ کرتے رہتے یا قرآن پڑھتے رہتے۔ والدہ کبھی میری، کبھی میری بہنوں کی شکایت کرتیں۔ کبھی کسی رشتے دار کی زیادتی پر فریاد کرتیں۔ والد سنی ان سنی کر کے اپنی منزل پڑھتے رہتے۔ والدہ کی زود رنجی کے باوجود انتہائی تحمل اور حسن سلوک کا برتاؤ کرتے۔ اس ضمن میں ان جیسا شخص میں نے کوئی نہیں دیکھا۔

وہ رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کے مصداق تھے:

"خیر کم خیر کم لاهله وانا خیر کم لاهلی."

والد صاحب کے ساتھیوں میں سے مولانا عطاء اللہ حنیف صاحب کے قرآن سے تعلق کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔

حافظ عبداللہ بڈھیمالوی مرحوم میرے استاد تھے۔ وہ میرے والد سے بھی زیادہ قرآن کی تلاوت کرتے تھے۔ میرا اندازہ ہے کہ آخری ایام میں ان کی تلاوت روزانہ دس پارے تھی۔ حافظ محمد اسحاق صاحب کے متعلق بھی میں نے سنا ہے کہ روزانہ دو پارے منزل ضرور پڑھتے تھے۔

تلاوت قرآن کے علاوہ اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی کثرت سے کرتے۔ مشکل اوقات میں آیہ کریمہ یا کسی اور دعا کا ورد بھی کرتے۔ میری ہمشیرہ میمونہ جس کی ایک ٹانگ بچپن ہی میں سوکھ گئی تھی بیساکھی کی مدد سے چلتی تھی۔ اللہ کی طرف سے ایسی آزمائش آئی کہ اس کی دوسری ٹانگ نے بھی کام کرنا چھوڑ دیا۔ والد نے اس کے لیے ایک ریڑھا بنوا دیا۔ مگر ہمارے لیے اس کو لیے پھرنا سخت مشکل تھا۔ پیشاب پاخانے کی حاجت اس سے بڑی مصیبت تھی۔ والد صاحب میاں چنوں کے قریب ایک گاؤں میں ایک بزرگ صوفی محمد صاحب کے پاس گئے۔ انھوں نے بتایا کہ پانی میں انگلی رکھ کر اکتالیس دفعہ سورہ فاتحہ بسم اللہ سمیت پڑھ کر پلاؤ۔

چودہ پندرہ دن دم کیا تو ہمشیرہ ٹانگ پر کھڑی ہونے کے قابل ہوگئی اور چند دنوں کے بعد دوبارہ بیساکھی کی مدد سے چلنے لگ گئی۔ والحمد للہ۔ اسی طرح دوسرے نیک اور ذاکر حضرات سے ملتے رہتے اور وظائف پوچھتے رہتے۔

پنجاب کے مشہور ولی اللہ مولوی کمال الدین مرحوم (ساکن چھینبیاں والا، ضلع فیروزپور) کے پاس بھی کچھ دن رہے۔ غرض ذکر اور تلاوت قرآن ان کا ہمیشہ کا معمول تھا۔ وفات سے چند دن پہلے کی بات ہے، میں جمعہ پڑھانے کے لیے گوجراں والا گیا ہوا تھا کہ میری اہلیہ نے فون کیا کہ جمعہ پڑھا کر جلدی گھر آ جاؤ۔ ابا جی کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ میں گھر پہنچا، والد صاحب سے ملا تو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اندازہ ہوا کہ دماغ پر جزوی سا فالج ہوا ہے۔ کبھی پہچاننے لگ جاتے، کبھی نہ پہچانتے۔ اس حال میں بس قرآنِ مجید پڑھتے جارہے ہیں اور کوئی بات نہیں کرتے۔ میں نے سنا تو سورہ یوسف پڑھ رہے تھے۔ مرید کے میں ڈاکٹر کے پاس لے کر گئے۔ راستے میں قرآن پڑھتے گئے۔ ڈاکٹر کے پاس بھی، واپسی میں بھی قرآن پڑھتے رہے۔ ڈاکٹر کی دوا سے اسہال کی تکلیف ہوگئی، جس سے ضعف بڑھ گیا۔ یہ جدید میڈیکل سائنس کا تحفہ ہے کہ ایک بیماری کے علاج کے ساتھ کئی نئی بیماریاں شروع ہوجاتی ہیں۔

ایک دن بھائی ذکی الرحمٰن اور عبدالرحمٰن الداخل بیمار پرسی کے لیے آئے۔ میں نے بتایا کہ یہ ذکی الرحمٰن اور عبدالرحمٰن الداخل ہیں۔ کہنے لگے کوئی داخل اور کوئی خارج۔

وفات سے ایک دو دن پہلے بار بار کہنے لگے۔ چلو اپنے گھر چلیں۔ ہم کہتے اپنے گھر میں ہی ہیں۔ کہتے نہیں یہ ہمارا گھر نہیں۔ چلو اپنے گھر چلیں۔ جو علاج ہم سے ہوسکا کرتے رہے۔

مگر ہم اپنے گھر جانے والے کو گھر جانے سے نہ روک سکے۔ ۱۷۔ جولائی ۱۹۹۵ء کو مغرب کے بعد میں نے اپنی گود میں بٹھا کر چمچے کے ساتھ پانی منہ میں ڈالا۔ گھونٹ اندر گیا۔ اس کے ساتھ ہی ایک ہچکی آئی اور والد ہم سے رخصت ہو کر ہمیشہ کے لیے اپنے گھر چلے گئے۔

انا للّٰہ وانا الیہ راجعون .



" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

حکیم عبدالرحیم اشرف

(وفات ۲۸۔ جون ۱۹۹۶ء)

آج سے تقریباً ۶۸ سال پہلے ۱۹۴۱ء میں، میں گوجراں والا میں حضرت مولانا حافظ محمد گوندلوی اور حضرت مولانا محمد اسماعیل سلفی کے حلقۂ درس میں شامل تھا۔ مہینا میرا خیال ہے اکتوبر کا تھا کہ ایک روز وہاں استاذِ عالی مرتبت حضرت مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی تشریف لائے اور حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب سے اجازت لے کر مجھے اپنے ساتھ امرتسر لے گئے۔ امرتسر شہر میں نے اس سے دو سال قبل اپریل ۱۹۳۹ء میں بھی دیکھا تھا، لیکن صرف دیکھا ہی تھا۔ اب اس کے بعض مقامات بھی دیکھے مثلاً جلیاں والا باغ دیکھا جہاں ۱۳۔ اپریل ۱۹۱۹ء کو ایک پُر امن سیاسی جلسے میں جو مسلمانوں اور غیر مسلمانوں کا مشترکہ جلسہ (منعقد ہونے والا تھا) جنرل ڈائر کی قیادت میں انگریزی فوج نے لوگوں پر گولی چلائی تھی اور چار سو سے زیادہ آدمیوں کو مار دیا گیا تھا۔ اس وقت پنجاب کا گورنر سر مائیکل اوڈوائر تھا۔ اس گولی کا پورے ہندوستان بالخصوص پنجاب کے لوگوں پر شدید ردّعمل ہوا تھا۔ اور پھر اس کے نتیجے میں اس حادثے کے اکیس برس بعد ۱۳۔ مارچ ۱۹۴۰ء کو ایک پنجابی اودھم سنگھ نے لندن کے کاکسٹن ہال میں سر مائیکل اوڈائر کو گولی مار کر ہلاک کر دیا تھا۔

امرتسر میں ہم سکھوں کے دربار صاحب بھی گئے۔ ہال بازار بھی دیکھا۔ بعض دینی مدارس کی زیارت بھی کی۔ ترنتارن بھی گئے اور وہاں حافظ اسماعیل ذبیح سے ملاقات ہوئی۔ مجھے یاد پڑتا ہے وہ اس وقت کسی دکان میں کوئی کام کرتے تھے۔ ترنتارن سکھوں کا مشہور مذہبی مقام ہے۔

امرتسر اور ترنتارن کا چکر لگانے کے بعد ہم ''ویرو وال افغاناں'' گئے، جہاں مولانا عطاء اللہ صاحب کے ایک رشتے دار میاں عبداللہ رہتے تھے۔ ان کے ایک بیٹے کا نام مولوی عبدالکریم تھا جو فیروز پور مولانا عطاء اللہ صاحب کے حلقۂ تلامذہ میں رہے تھے اور میرے دوست تھے۔ دو دن وہاں ہمارا قیام رہا۔ اس قصبے یا گاؤں کے اردگرد کافی گڑھے سے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ زمین کسی زمانے میں دریا کی گزرگاہ رہی ہے۔ پانی کے تیز ریلے سے کہیں گڑھے پڑ گئے ہیں اور کہیں سے زمین اپنی اصل سطح سے اونچی ہوگئی ہے۔ اس طرح نشیب و فراز کی سی صورتِ حال تھی۔

دن کے گیارہ بجے کا وقت ہوگا کہ مولانا عطاء اللہ صاحب نے فرمایا: چلیے اب ایک اور دوست

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سے ملتے ہیں۔ وہاں گئے تو ایک دبلے پتلے نوجوان بیٹھے تھے۔ سفید شلوار قمیص پہنے ہوئے، سر پر قراقلی ٹوپی۔ گندمی رنگ، تھوڑا سا لمبا چہرہ، کھلی پیشانی۔ مولانا سے بڑے احترام سے ملے۔ جس کمرے میں وہ بیٹھے تھے، وہاں شربت کی بوتلیں پڑی تھیں، دیواروں کے ساتھ چھوٹے بڑے سائز کے سیاہ شیشوں کی چند عینکیں لٹک رہی تھیں۔ کچھ یونانی دواؤں کا سلسلہ بھی تھا۔ الماریوں میں شیشیاں رکھی ہوئی تھیں۔ صاف ستھرے لباس کے وہ نستعلیق قسم کے نوجوان تحمل سے بات کرتے اور ہشاش بشاش دکھائی دیتے تھے۔ یہ تھے حکیم عبدالرحیم اشرف، جن سے ملاقات کے لیے مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی تشریف لے گئے تھے۔ مجھے یاد ہے انھوں نے ہمیں شربت پلایا تھا۔ وہ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی تحریروں سے متاثر تھے۔

ان کا زیادہ تر محور کلام مولانا مودودی، ان کا طرزِ تحریر اور ان کے طریق عمل کی خوبیاں ہی رہا۔ میں خاموش بیٹھا سنتا رہا۔ میں اپنی یہ رائے چھپانا نہیں چاہتا کہ مولانا مودودی کی تحریروں سے میں کبھی متاثر نہیں ہوا۔ نہ جماعت اسلامی کے طریق سیاست سے مجھے کبھی اتفاق ہوا۔ اس سے اتفاق یا اختلاف کفر اسلام کا مسئلہ نہیں ہے۔ اپنا اپنا نقطہ نظر ہے۔ میں اپنے نقطہ نظر کو صحیح سمجھتا ہوں، اس لیے مجھے حکیم عبدالرحیم اشرف کی اس گفتگو سے جو جماعت اسلامی اور مولانا مودودی سے متعلق تھی، کوئی دلچسپی نہ تھی۔

اب ملاحظہ فرمایئے حکیم صاحب موصوف کے حالات .....!

حکیم عبدالرحیم اشرف ۱۹۲۲ء میں ضلع امرتسر کے ایک قصبے ویرو وال افغاناں میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام شیخ صدر الدین تھا۔ حکیم صاحب تیسری جماعت میں پڑھتے تھے کہ ۱۹۳۰ء میں وہاں ''منڈا پنڈ'' گاؤں کے ایک نوجوان آئے، جنھوں نے ''مدرسہ دارالعلوم شمسیہ عربیہ'' کے نام سے ایک تدریسی ادارہ قائم کیا۔ اس ادارے کے قیام میں حکیم عبدالرحیم اشرف کے تایا شیخ دین محمد نے بڑا کردار ادا کیا تھا۔ انھوں نے اپنے بھتیجے عبدالرحیم سے کہا کہ آج سے تم سکول کی تعلیم چھوڑ دو اور اس دینی مدرسے میں پڑھنا شروع کردو جو یہاں جاری کیا گیا ہے۔ اس مدرسے کے اوّلیں مدرس مولانا عبداللہ تھے جو منڈا پنڈ سے تشریف لائے تھے۔ یہی وہ بزرگ ہیں جنھوں نے بعد میں مولانا عبداللہ ویرووالوی کے نام سے شہرت پائی اور قیام پاکستان کے بعد لائل پور (موجودہ فیصل آباد) میں دارالقرآن والحدیث کے عنوان سے مدرسہ جاری کیا۔ یہ پہلا دینی مدرسہ تھا جو اس شہر کی جامع مسجد اہل حدیث (امین پور بازار) میں جاری ہوا۔ اس مدرسے سے بے شمار طلبا وعلماء نے علوم دینیہ کی تحصیل کی (مولانا عبداللہ ویرووالوی کے حالات اس کتاب میں مستقل عنوان کے تحت مذکور ہیں۔ یہاں صرف حکیم عبدالرحیم اشرف کے بارے میں چند گزارشات پیش کرنا مقصود ہے۔)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

حکیم عبدالرحیم اشرف نے شروع سے لے کر آخر تک تمام مروّجہ علوم دینیہ کی تحصیل مولانا عبداللہ ویرووالوی سے کی۔ وہ ان کے اوّلیں شاگرد تھے اور لائق شاگرد تھے۔ تعلیم کے دوران میں وہ استاذِ محترم کے ساتھ قرب وجوار کے دیہات میں تبلیغ دین کے لیے جاتے اور سامعین کے فہم کے مطابق تقریر کرتے اور آسان پیرایۂ بیان میں انھیں مسائل دین سے آگاہ فرماتے۔ تقریر وتبلیغ کی یہ ابتدائی مشق ان کے لیے بے حد مفید ثابت ہوئی اور ایک وقت آیا کہ انھوں نے بہت اچھے مبلغ اور بہت اچھے مقرر کی حیثیت سے شہرت پائی۔ استاد اپنے اس شاگرد کے اسلوبِ تبلیغ اور اندازِ تقریر سے بہت خوش تھے۔ اس طرح بے شمار دیہات میں ان کی صدائے حق پہنچی اور لا تعداد لوگوں نے ان کی زبان سے قرآن وحدیث کے احکام سنے۔ تبلیغ کا یہ جذبہ تمام عمر ان کا رفیق سفر رہا اور جہاں تک ہم عاجز بندوں کو معلوم ہے، وہ زندگی بھر پورے اخلاص کے ساتھ دین حق کی نشر واشاعت میں مصروف رہے۔

۱۹۳۰ء میں انھوں نے حصولِ تعلیم کا آغاز کیا تھا۔ ۱۹۳۸ء میں فراغت پائی یعنی آٹھ سال وہ تحصیل علم میں مشغول رہے۔ اس کے بعد استاذِ محترم کے حکم نما مشورے سے اسی ''دارالعلوم شمیہ عربیہ'' میں بہ طور مدرس خدمت انجام دینا شروع کردی۔ پہلے وہ طالب علمی کے زمانے میں طلب علم کے ساتھ ساتھ اپنی بساط کے مطابق فریضہ تبلیغ انجام دیتے تھے، اب وہ تدریس بھی کرنے لگے تھے اور اس کے ساتھ حسب سابق تبلیغ کے لیے بھی دیہات کے چکر لگاتے تھے۔ تبلیغ اور تدریس کے علاوہ انھوں نے تیسرا کام اور شروع کردیا تھا، وہ تھا مضمون نگاری کا کام۔ اس زمانے میں امرتسر سے حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری کے ہفت روزہ اخبار ''اہل حدیث'' کی بڑی شہرت تھی، حکیم صاحب اس میں مضامین لکھتے تھے۔ ان پر مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے اثر کا غلبہ تھا، اس لیے اخبار ''اہل حدیث'' میں ان کے مضامین ان کے افکار کی حمایت میں چھپنے لگے۔ میں نے ان کے سب سے پہلے چند مضامین اس موضوع پر اخبار ''اہل حدیث'' ہی میں پڑھے تھے۔ میرے خیال میں یہ ۱۹۴۲ء کی بات ہے۔ ان کے بعض مضامین کا جواب حضرت مولانا محمد اسماعیل سلفی مرحوم نے اسی اخبار میں دیا تھا۔ اسی زمانے میں مولانا مودودی کے نقطہ نظر کی حمایت میں حضرت مولانا نیک محمد مرحوم کے صاحب زادے حافظ محمد زکریا ایم اے مرحوم کے دو یا تین مضمون چھپے۔ ان کے متعلق بھی مولانا محمد اسماعیل سلفی نے اظہار رائے فرمایا۔ حکیم صاحب کے مضامین کا تعلق حدیث کے بارے میں مولانا مودودی کے ''مسلک اعتدال'' سے تھا۔ اس باب میں مولانا مودودی مرحوم پر جو اعتراضات کیے جاتے تھے، حکیم صاحب نے ان کا جواب دیا اور مولانا مودودی کا دفاع کیا تھا۔

حافظ محمد زکریا مرحوم کا شمار میرے دوستوں میں ہوتا تھا۔ وہ راولپنڈی رہتے تھے۔ ان کی وفات سے کچھ عرصہ پہلے لاہور میں ایک دوست کی شادی میں ان سے ملاقات ہوئی تو میں نے تقسیم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ملک سے قبل کے ان مضامین کا ذکر کیا۔ بولے: اتنا طویل عرصہ پہلے کے وہ مضامین تمھیں یاد ہیں۔ عرض کیا: خوب یاد ہیں۔ فرمایا: ہاں! وہ ایک دور کی بات تھی۔ اب نہ وہ جماعت اسلامی رہی ہے، نہ ہمارا اس سے کوئی تعلق رہا ہے۔

بہرحال عرض یہ کرنا مقصود ہے کہ حکیم عبدالرحیم اشرف کا تعلق مولانا مودودی اور جماعت اسلامی سے ہوگیا تھا اور وہ بڑا مضبوط تعلق تھا۔ لیکن یہ معلوم نہ ہوسکا کہ ویرو وال کے دارالعلوم شمسیہ عربیہ میں کتنا عرصہ ان کا سلسلۂ تدریس جاری رہا۔ یہ بھی پتا نہ چل سکا کہ انھوں نے علم طب کس سے پڑھا اور کب اس پیشے سے وابستہ ہوئے؟ یہ بھی یاد نہیں کہ ویرو وال میں ہم مولانا عبداللہ صاحب کی خدمت میں گئے تھے یا نہیں؟

مولانا عبداللہ مرحوم ومغفور نے ویرو وال سے ایک ماہانہ رسالہ ''اشاعۃ السنہ'' کے نام سے جاری کیا تھا جو قیام پاکستان تک جاری رہا۔ یہ معلوم نہیں کہ یہ رسالہ کس سال جاری کیا تھا اور اس نے کتنی عمر پائی اور اس کا کوئی شمارہ کسی کے پاس ہے بھی یا نہیں، تاہم بتایا جاتا ہے کہ حکیم عبدالرحیم اشرف اس میں مضامین لکھتے تھے۔ ان کے مضامین ہفت روزہ ''تنظیم اہل حدیث'' (روپڑ) اور سہ روزہ ''کوثر'' (لاہور) میں بھی چھپتے رہے۔ سہ روزہ ''کوثر'' ملک نصر اللہ خاں عزیز کا اخبار تھا اور جماعت اسلامی کا ترجمان۔ کسی اخبار میں وہ ''عبدالرحیم اشرف'' کے نام سے لکھتے تھے اور کسی میں ''ابوخالد'' کے نام سے.....!

قیام پاکستان کے بعد وہ لائل پور (فیصل آباد) آ گئے تھے اور یہاں آ کر انھوں نے باقاعدہ طبابت کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ انھوں نے ''اشرف لیبارٹری'' قائم کی جو دوا سازی کا ایک بہت بڑا ادارہ ہے۔ اس ادارے نے ملک اور بیرونِ ملک میں بڑی شہرت پائی اور اس میں تیار کردہ دواؤں کی مانگ بہت بڑھی۔

حکیم صاحب جماعت اسلامی کے مخلص ترین سرگرم رکن تھے۔ ان کے قلم کی رفتار بہت تیز تھی۔ وہ خوب صورت زبان میں لکھتے تھے۔ جس موضوع پر لکھتے، اس کے تمام پہلوؤں کی دلائل سے وضاحت کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ عام طور سے ان کے مضامین میں طوالت آ جاتی تھی، لیکن اس طوالت کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ ہر ضروری بات قلم کی گرفت میں آ جائے۔

کسی زمانے میں چنیوٹ کے ایک شخص منیر احمد نے لائل پور سے ہفت روزہ اخبار ''المنیر'' کا ڈیکلریشن لیا تھا، لیکن وہ اسے باقاعدگی سے جاری نہ رکھ سکے۔ حکیم صاحب نے ان سے بات کی تو اس اخبار کا باقاعدہ اجرا عمل میں آ گیا۔ کئی سال یہ اخبار حکیم صاحب کی ادارت میں چھپتا رہا اور اس کی اشاعت خاصی بڑھ گئی تھی۔ اس اخبار کے ذریعے انھوں نے جماعت اسلامی کے نقطہ نظر اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مولانا مودودی کے افکار کی بڑی تبلیغ کی۔ اس باب میں ان کے احساسات بہت نازک تھے۔ جس کے قلم اور زبان سے انھیں جماعت اسلامی اور مولانا مودودی کے افکار سے اختلاف کا شبہ ہوا، اس سے پنجہ آزما ہوگئے۔

جب ''المنیر'' کے مالک نے پرچہ خود جاری کرنے کا ارادہ کیا تو حکیم صاحب نے ''المنبر'' کے نام سے ڈیکلریشن حاصل کرلیا۔ جو ''المنیر'' سے ملتا جلتا نام ہے۔ المنبر اب بھی اللہ کے فضل سے جاری ہے اور خدمت دین میں مصروف .....! حکیم صاحب کے صاحب زادے ڈاکٹر زاہد اشرف اس کے ایڈیٹر ہیں۔

مرزائیت کے خلاف حکیم صاحب نے بہت لکھا اور خوب لکھا۔ جو لکھا مکمل حوالوں سے لکھا۔ ''قادیانی غیر مسلم کیوں .....؟'' اور ''قادیانیوں سے پہلا خطاب'' ان کی وقیع کتابیں ہیں۔

۱۹۵۳ء کی تحریک تحفظ ختم نبوت میں انھوں نے بڑی سرگرمی سے حصہ لیا اور گرفتار ہوئے۔ مولانا عبید اللہ احرار بھی گرفتار تھے، اور یہ سب لوگ لائل پور جیل میں قید تھے۔ میں ایک دفعہ ملاقات کے لیے گیا تو درخواست کا وقت گزر چکا تھا۔ جیل کے عملے کے لوگوں نے مجھے کہا کہ سپرنٹنڈنٹ جیل سے ملو، وہ اچھا آدمی ہے، قیدیوں سے تمھاری ملاقات کرا دے گا۔ میں اس سے ملا تو پوچھا کہاں سے آئے ہو اور کیا کام کرتے ہو؟ میں نے جواب دیا لاہور سے آیا ہوں اور ایک ہفت روزہ اخبار کا ایڈیٹر ہوں۔ وہ فوراً مجھے جیل میں تحریک تحفظ ختم نبوت کے قیدیوں کے پاس لے گیا۔ وہ سب ایک جگہ پر بیٹھے تھے اور دوپہر کا کھانا کھا رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور اٹھ کر بغل گیر ہوئے۔ پہلے تو سمجھے کہ مجھے بھی گرفتار کر کے یہاں لایا گیا ہے۔ پھر جب سپرنٹنڈنٹ نے بتایا کہ یہ آپ کے مہمان ہیں اور آپ سے ملنے آئے ہیں، انھیں کھانا کھلایے اور ان سے باتیں کیجیے۔

اس وقت چک نمبر ۳۶ کے بھی ۹۰ آدمی گرفتار تھے اور اسی جیل میں تھے، میں ان سے بھی ملا۔ مجھے سپرنٹنڈنٹ نے کہا تھا کہ ایک گھنٹے کے بعد ہمارا آدمی آئے گا اور آپ کو یہاں سے لے جائے گا۔ چنانچہ ایک گھنٹے کے بعد وہ آدمی آیا اور مجھے جیل سے باہر نکالا۔

حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب کا شمار جماعت اسلامی کے اکابر میں ہوتا تھا اور ان کی رائے کو اس حلقے میں بڑی اہمیت دی جاتی تھی۔ پھر حالات نے ایسا پلٹا کھایا کہ جماعت کے بہت سے سرکردہ ارکان کو مولانا مودودی کے طرزِ عمل اور زاویۂ فکر سے اختلاف پیدا ہوگیا اور اس اختلاف نے آہستہ آہستہ شدت اختیار کرلی۔ ان کا موقف یہ تھا کہ مولانا مودودی نے جماعت اسلامی کو اس کے اصل مقاصد سے ہٹا دیا ہے اور جو راہ سیاسیات وغیرہ کی اختیار کرلی گئی ہے، وہ جماعت کے بنیادی مقاصد سے متصادم ہے۔ نیز کہا گیا کہ جماعت میں انصاف نہیں رہا۔ ارکان کے ساتھ بے انصافی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہونے لگی ہے۔ ۱۹۵۵ء میں ایک جائزہ کمیٹی یہ معلوم کرنے کے لیے تشکیل دی گئی تھی کہ بعض ارکانِ جماعت میں جو بے یقینی سی پائی جاتی ہے، اس کی اصل وجہ کیا ہے۔ جائزہ کمیٹی چار ارکان پر مشتمل تھی۔ وہ ارکان تھے عبدالجبار غازی، سلطان احمد، حکیم عبدالرحیم اشرف اور مولانا عبدالغفار حسن۔ ان حضرات نے پورے پاکستان کا دورہ کرکے تقریباً دو سو ارکان سے انٹرویو لیے اور ان کی تحریری شکایات وصول کیں۔ پھر دسمبر ۱۹۵۶ء میں مرکزی مجلس شوریٰ کے اجلاس میں اس دورے کی روداد پیش کی گئی۔

مجلس شوریٰ کا اجلاس ماچھی گوٹھ میں پندرہ دسمبر سے تیس یا اکتیس دسمبر تک پندرہ دن جاری رہا۔ اس اجلاس میں حکیم عبدالرحیم اشرف نے نو گھنٹے تقریر کی اور مولانا عبدالغفار حسن نے دو گھنٹے تقریر فرمائی۔ اور بھی متعدد حضرات نے تقریریں کیں۔ اجلاس میں تفصیل کے ساتھ بتایا گیا کہ جماعت اپنی سابقہ پالیسی سے انحراف کررہی ہے۔ مولانا مودودی اور دیگر ذمے داروں پر شدید تنقید ہوئی۔ بہت بحث مباحثہ ہوا، جس سے مولانا مودودی گھبرا گئے اور انھوں نے اپنے ناقدین پر مندرجہ ذیل چار الزامات عائد کیے۔

- ⊙..... آپ لوگوں نے ان کے خلاف سازش کی۔
- ⊙..... آپ لوگوں نے جماعت کے اندر دھڑے بندی پیدا کی اور انتشار پھیلایا۔
- ⊙..... آپ لوگ ہوسِ اقتدار میں مبتلا ہیں۔
- ⊙..... آپ لوگ انھیں امارت سے الگ کرکے مولانا امین احسن اصلاحی کو جماعت کا امیر بنانا چاہتے ہیں۔ [1]

اس سے کچھ عرصہ بعد مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف، مولانا عبدالغفار حسن اور بہت سے دیگر ارکانِ جماعت، جنھوں نے جماعت کی اپنے اپنے دائرے میں بے حد خدمت کی تھی، جماعت سے علیحدہ ہوگئے۔

جماعت اسلامی سے علیحدگی کے بعد حکیم عبدالرحیم اشرف نے فیصل آباد کے علاقے جناح کالونی میں ایک کوٹھی کرائے پر لی اور اس میں جامعہ تعلیماتِ اسلامیہ کے نام سے ایک تدریسی ادارہ قائم کیا۔ اس تدریسی ادارے کے قیام کی وجہ یہ تھی کہ طلبا کو قرآن وحدیث کے ساتھ جدید عربی کی تعلیم بھی دی جائے۔ اس ادارے میں مولانا عبدالغفار حسن، مولانا محمد اسحاق چیمہ اور دیگر بہت سے

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھیے ماہنامہ ''شہادت'' (اسلام آباد) کے دسمبر ۱۹۹۶ء کے شمارے میں مولانا عبدالغفار حسن کا انٹرویو جو ان سے شہادت کے چیف ایڈیٹر خالد سیال نے لیا۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

معروف اساتذہ نے خدماتِ تدریس سرانجام دیں۔ حکیم صاحب خود بھی جامعہ کے طلبا کو پڑھاتے تھے۔ ان کی قائم کردہ جامعہ کے نتائج بہت اچھے نکلے۔ جن حضرات نے اس میں تعلیم حاصل کی، ان میں مولانا محمد بشیر سیالکوٹی اور مولانا محمود احمد غضنفر بھی شامل ہیں۔ مولانا محمد بشیر کئی سال سعودی عرب میں پاکستان کے سفارت خانے میں عربی زبان کے ماہر کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ انھوں نے اس سلسلے میں چند اہم کتابیں بھی تصنیف کیں۔ اسلام آباد سے ایک عربی رسالہ بھی جاری کیا۔ عربی، اردو، انگریزی میں ایک ڈکشنری ترتیب دی۔ مولانا محمود احمد غضنفر نے متعدد جدید عربی کی کتابوں کا اردو میں ترجمہ کیا۔ یہ کتابیں، صحابہ کرام، صحابیات اور تابعین وتابعات کے حالات پر محیط ہیں۔

پھر وقت آیا کہ جامعہ تعلیماتِ اسلامیہ کے لیے سرگودھا روڈ پر کھلی جگہ خریدی گئی اور اسے وہاں منتقل کردیا گیا۔ یہ ایک منفرد نوعیت کا تدریسی ادارہ ہے جو مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف نے جاری کیا۔ حکیم صاحب کی وفات کے بعد اس کے اہتمام کی ذمہ داری ان کے صاحب زادے ڈاکٹر زاہد اشرف نے سنبھالی۔ یہ ادارہ کامیابی سے جاری ہے۔

حکیم صاحب نے طبیہ کالج بھی جاری کیا تھا۔ اس کالج میں بے شمار طلبا نے تعلیم حاصل کی اور کررہے ہیں۔

ان کا جاری کردہ اخبار المنبر بھی جاری ہے۔ یہ بھی ایک مستقل ادارہ ہے۔ اسے بھی ڈاکٹر زاہد اشرف چلا رہے ہیں۔

یہاں یہ عرض کردیں کہ حکیم صاحب سولہ سترہ سال جماعت اسلامی سے منسلک رہے۔ انھوں نے تدریسی خدمات یا تو جماعت اسلامی سے انسلاک سے پہلے دیں یا اس سے علیحدگی کے بعد جامعہ تعلیمات اسلامیہ جاری کرکے دیں۔ جماعت سے انسلاک کے زمانے میں ان کی تدریسی خدمات کا سراغ نہیں ملتا۔

۱۹۷۴ء کی تحریک تحفظ ختم نبوت میں حکیم صاحب نے بہت کام کیا۔ انھوں نے مرزائیوں کے خلاف بڑا اہم مواد جمع کیا جسے مرتب کرکے قومی اسمبلی میں پیش کیا گیا اور مرزائیوں کو اقلیت قرار دیا گیا۔

مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔ تقریر، تحریر اور عام گفتگو میں ان کا ایک خاص مقام تھا۔

ضیاء الحق سے ان کے گہرے مراسم تھے۔ سنا ہے کہ رات کو کسی نہ کسی وقت روزانہ دونوں میں ٹیلی فون پر طویل گفتگو ہوتی تھی۔ یہ معلوم نہیں کہ گفتگو کا موضوع کیا ہوتا تھا۔

پاکستان میں اسلامی نظام کی تنفیذ کے سلسلے میں حکیم صاحب ہمیشہ کوشاں رہے۔ ضیاء الحق سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بھی وہ اسی موضوع پر گفتگو کرتے ہوں گے۔ لیکن افسوس ہے وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکے۔ ہر حکومت کا اپنا ایک نقطۂ نظر ہوتا ہے، جس کے مطابق وہ کاروبارِ مملکت کو چلاتی ہے۔ حکمران بالعموم سنتے سب کی ہیں اور کرتے وہ ہیں جو اپنے طور پر مناسب سمجھتے ہیں۔ ضیاء الحق کا معاملہ بھی یہی تھا۔ وہ بعض علماء سے رابطہ رکھتے تھے، لیکن ان کی بات ماننا ان کے لیے مشکل ہوتا تھا۔

حکیم صاحب نے ۲۸۔ جون ۱۹۹۶ء کو وفات پائی۔ اسی روز نماز عصر کے بعد ساڑھے پانچ بجے یونیورسٹی گراؤنڈ (فیصل آباد) میں ان کی نماز جنازہ پڑھی گئی۔ میں ان کے جنازے میں شریک تھا اور ان کی وفات کی اطلاع پا کر لاہور سے فیصل آباد گیا تھا۔

اللھم اغفرله وارحمه وعافه واعف عنه



" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مولوی بارک اللہ

(۱۰۔ جون ۱۹۹۷ء)

اللہ کے نیک بندوں سے دنیا خالی نہیں ہوئی اور نہ ہوگی۔ ہمارے کوٹ کپورہ (مشرقی پنجاب) میں بعض نہایت نیک اور پارسا لوگ فروکش تھے۔ ان میں ایک بزرگ کا نام صوفی عین دین تھا۔ وہ چھوٹے قد، سانولے رنگ اور گداز بدن کے بزرگ تھے۔ حضرت مولانا محی الدین عبدالرحمٰن لکھوی کے ارادت مند اور ان کے حلقہ بیعت میں شامل تھے۔ لوگ ان کی خدمت میں آتے اور ان سے دعا کی درخواست کرتے تھے۔ اللہ ان کی دعا قبول فرماتا تھا۔ وہ زیادہ پڑھے لکھے نہ تھے۔ میرے خیال میں صرف ناظرہ قرآن پڑھے ہوں گے یا شاید اپنے مرشد حضرت مولانا محی الدین عبدالرحمٰن لکھوی کے والد مکرم حضرت حافظ محمد لکھوی رحمہ اللہ کی تصنیفات، احوال الآخرت، زینت الاسلام، اور انواعِ محمدی وغیرہ پنجابی اشعار کی کتابیں پڑھ سکتے ہوں۔ زیادہ تر مسجد میں بیٹھے اللہ کی عبادت میں مصروف رہتے تھے۔

ان کے ایک ہی بیٹے تھے، جن کا نام صوفی عبدالجلیل تھا۔ قد کاٹھ، رنگ روپ، رہن سہن اور سادگی میں بالکل باپ کے مشابہ۔ نیکی، دین داری اور پرہیزگاری میں بھی باپ کے مانند.....!

کوٹ کپورے میں ایک عالم دین مولوی بدرالدین تھے، جنھوں نے دہلی کے بعض علمائے کرام سے تکمیل علم کی تھی۔ صوفی عبدالجلیل فجر کی نماز کے فوراً بعد ان کی خدمت میں پہنچ جاتے اور ان سے مشکوٰۃ کا درس لیتے۔ میں اُس وقت بہت کم عمر تھا۔ مولوی بدرالدین کا مکان ہمارے گھر کے قریب تھا۔ میں ان سے فارسی کی کوئی ابتدائی کتاب پڑھنے کے لیے جایا کرتا تھا۔ یہ بات میرے ذہن میں محفوظ ہے کہ صوفی عبدالجلیل ان سے اردو ترجمے والی مشکوٰۃ پڑھا کرتے تھے۔ مجھے یاد پڑتا ہے، وہ غزنوی ترجمے والی مشکوٰۃ تھی۔ مولوی بدرالدین خوب صورت اور طویل قامت بزرگ تھے۔ گورا رنگ اور تیکھے نقوش.....! لیکن وہ بیمار تھے اور چارپائی پر بیٹھے بیٹھے پڑھاتے تھے۔ چند روز کے بعد عالم جوانی میں ان کا انتقال ہوگیا تھا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

انہی دنوں (۱۹۳۳ء میں) وہاں حضرت مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی تشریف لے گئے۔ انھوں نے جامع مسجد میں خطبہ جمعہ ارشاد فرمانا شروع کیا اور اس کے ساتھ ہی صبح کے وقت قرآنِ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مجید کا ترجمہ پڑھانے لگے۔ قرآنِ مجید کا ترجمہ پڑھنے والوں میں چھوٹی عمر کے بچے بھی تھے اور بڑی عمر کے لوگ بھی! بڑی عمر کے لوگوں میں صوفی محمد، صوفی عبدالجلیل اور حاجی محمد علی شامل تھے۔ اور بچوں میں ان سطور کا راقم شامل تھا جو اپنے تمام ہم سبقوں سے کم عمر تھا۔ آخری پارے کی چھ سات سورتوں کا ترجمہ باقی تھا کہ ریاست فرید کوٹ میں ایسے حالات رونما ہوگئے، جن کی وجہ سے حضرت مولانا عطاء اللہ صاحب حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ کا کوٹ کپورے میں مزید قیام کرنا ممکن نہ رہا اور یکم جنوری ۱۹۴۷ء کو حضرت مولانا محمد علی لکھوی مرحوم ومغفور انھیں اپنے مسکن مرکز الاسلام لے گئے جو لکھوکے سے دو میل کے فاصلے پر تھا۔

اگست ۱۹۴۷ء میں پاکستان معرضِ قیام میں آیا تو صوفی عبدالجلیل اپنے عزیزوں کے ساتھ ضلع فیصل آباد کی تحصیل (جڑاں والا) کے ایک گاؤں چک ۳۶ گ ب میں اقامت گزیں ہوگئے جو ہمارے گاؤں (چک نمبر ۵۳ گ ب ڈھیسیاں) سے بارہ تیرہ میل کی مسافت پر واقع ہے۔

صوفی عبدالجلیل اس فقیر پر بے حد شفقت فرماتے تھے اور ان سے میل ملاقات کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ میں لاہور سے بالعموم چھٹی کے دن گاؤں چلا جاتا تھا۔ ایک دفعہ وہ صرف مجھے ملنے کے لیے ازراہِ کرم اپنے گاؤں سے ہمارے گاؤں تشریف لائے۔

وہ جب ملتے مولانا عطاء اللہ صاحب کے بارے میں ضرور پوچھتے کہ ان کا کیا حال ہے اور ان کی زندگی کس طرح گزر رہی ہے۔

پھر ایک مرتبہ یہ ہوا کہ میں ان کے گاؤں چک نمبر ۳۶ گیا۔ صوفی صاحب کا پتا کیا تو معلوم ہوا کہ مسجد میں بیٹھے ہیں۔ مسجد میں گیا، ان سے مصافحہ کیا، خیر وعافیت پوچھی، لیکن انھیں کچھ معلوم نہ تھا کہ میں کون ہوں۔ چند اور لوگ آ گئے، انھوں نے میرے متعلق ان کو سمجھانے کی کوشش کی، مگر ان کی یادداشت ختم ہوگئی تھی۔ وہ صاحب تقویٰ بزرگ تھے۔ تہجد گزار اور یادِ الٰہی میں مشغول رہنے والے۔ اللہ انھیں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔

صوفی عبدالجلیل مرحوم کے دو بیٹے تھے۔ ایک مولوی عتیق اللہ اور دوسرے مولوی بارک اللہ .....! دونوں بچپن ہی سے صالحیت وتقویٰ کے نعمت سے بہرہ مند تھے۔ تبلیغ دین اور اشاعت سنت کے بے حد شائق .....!

مولوی عتیق اللہ ستیانہ بنگلہ میں ایک بڑے دینی مدرسے کے ناظم ہیں جس کا نام مرکز الدعوۃ السلفیہ ہے۔ اس مرکز میں مقامی اور بیرونی بہت سے طلبا تعلیم حاصل کرتے ہیں اور متعدد لائق وجید اساتذہ انھیں تعلیم دینے پر مامور ہیں۔ بہت بڑا مدرسہ ہے اور اس کے ساتھ ہی مدرسے کی طرف سے ہسپتال بھی ہے۔ یہ بہت اچھا اور نیکی کا کام ہے جو مولوی عتیق اللہ صاحب کر رہے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اللہ تعالیٰ انھیں صحت وعافیت کی نعمت سے نوازے اور ان کو اپنے دین کی زیادہ سے زیادہ خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔ اس مدرسے میں ان کے بہت بڑے معاون ڈاکٹر محمد راشد رندھاوا ہیں اور اس کے شیخ الحدیث ہیں مولانا عبداللہ امجد۔

اب چند باتیں مولوی عتیق اللہ کے بڑے بھائی مولوی بارک اللہ کے بارے میں.....!

بارک اللہ ۱۹۴۰ء میں اپنے جدی پشتی مسکن کوٹ کپورہ (ریاست فرید کوٹ) میں پیدا ہوئے۔ ناظرہ قرآن مجید اپنے والد گرامی صوفی عبدالجلیل سے پڑھا۔ اگست ۱۹۴۷ء میں ملک تقسیم ہوا تو ان کے خاندان کے لوگ ضلع فیصل آباد کی تحصیل جڑاں والا کے ایک گاؤں چک نمبر ۳۶ میں آ بسے جو ستیانہ بنگلہ سے تین میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ وہاں انھوں نے پرائمری تک تعلیم پائی۔ پھر ستیانہ بنگلہ کے ہائی سکول میں داخلہ لیا اور میٹرک کے امتحان میں اچھے نمبروں میں کامیابی حاصل کی۔ میٹرک کے بعد گورنمنٹ کالج فیصل آباد سے ایف، ایس، سی کا امتحان دیا۔ ہر امتحان میں بہتر پوزیشن حاصل کی۔

اس کے بعد کالج کی تعلیم ترک کی اور علوم دینیہ کی تحصیل کو مرکز توجہ ٹھہرایا۔ اس کے لیے فیصل آباد کے دارالقرآن والحدیث میں داخلہ لیا اور ۱۹۶۸ء تک اس ادارے میں تعلیم حاصل کی اور سند فراغ لی۔ فارغ ہونے کے بعد مولانا حافظ احمد اللہ بڈھیمالوی سے دوبارہ صحیح بخاری پڑھی۔

کچھ عرصہ اپنے گاؤں (چک نمبر ۳۶ کے مدرسے) میں درس وتدریس کا سلسلہ بھی جاری رکھا اور اس مدرسے کی نظامت بھی ان کے سپرد رہی۔ گاؤں کے بہت سے بچوں کو قرآن مجید پڑھایا۔ شنید ہے کہ گھروں میں جا کر بچوں کو مسجد میں لے کر آتے اور انھیں قرآنِ مجید پڑھاتے۔

نیک خاندان کے نیک فرد تھے۔ کالج کی طالب علمی کے زمانے میں بڑے خوش پوش تھے، لیکن دینیات کی تعلیم کے حصول کی طرف راغب ہوئے تو خوش پوشی کی جگہ سادگی نے لے لی۔

نہایت دیانت دار اور درویش منش تھے۔ حکومت نے بینکوں سے زکوٰۃ کی کٹوتی کا حکم جاری کیا تو لوگوں کے مشورے سے اپنے گاؤں کے مستحقین زکوٰۃ کی فہرست مرتب کی۔ بینک سے زکوٰۃ کی رقم لاتے اور ہر مستحق کا حصہ اس کے گھر پہنچاتے۔

شکل شباہت اور لباس کی سادگی میں اپنے والد صوفی عبدالجلیل اور دادا صوفی عین دین کی مانند تھے۔ سلیم الفطرت، حلیم الطبع اور نرم گفتار۔ غریبوں کے ہم درد اور کمزوروں کے معاون۔ وہ لوگوں کو تعویذ دیتے اور دم کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ شفا بخشتا تھا۔

مولوی بارک اللہ منبر ومحراب کے واعظ یا مقرر نہ تھے۔ بلکہ خاموش مبلغ اور چلتے پھرتے واعظ تھے۔ چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کا احترام ان کا شیوہ تھا۔ برائی کے مرتکب کو دیکھنا اور خاموش رہنا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ان کے لیے مشکل تھا۔ ایک مرتبہ شادی کے موقعے پر گاؤں میں فوجی بینڈ کے ساتھ بارات آئی تو مولوی بارک اللہ نے بینڈ بند کرنے کو کہا، جس پر بات کافی آگے بڑھ گئی۔ بالآخر بینڈ بند کرنا پڑا۔

اس نیک طینت شخص نے صرف ۵۷ برس عمر پا کر ۱۰۔ جون ۱۹۹۷ء کو اچانک وفات پائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

ان کی اولاد سات بیٹیاں تھیں اور ایک بیٹا۔ بیٹے کا نام عبدالحنان ہے۔ اس نے اسلامک انٹرنیشنل یونیورسٹی اسلام آباد سے ایم اے اسلامیات کیا ہے۔



" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مولانا عبدالرحمٰن لکھوی

(وفات ۴ مارچ ۲۰۰۱ء)

استاذِ پنجاب حضرت مولانا عطاء اللہ لکھوی کے چار بیٹے تھے اور چاروں کا شمار علماے دین میں ہوتا ہے۔ سب سے بڑے بیٹے کا اسم گرامی مولانا عبدالرحمٰن لکھوی تھا۔ ان کا مختصر سلسلہ نسب یہ ہے: عبدالرحمٰن بن مولانا عطاء اللہ بن مولانا عبدالقادر بن حکیم محمد شریف بن حافظ بارک اللہ لکھوی۔

میانہ قد، کتابی چہرہ، گندمی رنگ، کشادہ پیشانی۔ خوش کلام، سادہ مزاج، صاف ذہن اور معروف معلم۔

مولانا عبدالرحمٰن لکھوی ۱۹۱۲ء میں بمقام لکھو کے (ضلع فیروز پور) پیدا ہوئے۔ تحصیل علم کا آغاز اپنے والد مکرم مولانا عطاء اللہ لکھوی سے مدرسہ محمدیہ میں کیا۔ صرف ونحو، منطق وفلسفہ اور حدیث وفقہ کی متعدد نصابی کتابیں انہی سے پڑھیں۔ ذہین اور محنتی طالب علم تھے اور دل لگا کر پڑھتے تھے۔ صرف ونحو اور منطق وفلسفہ سے خاص طور پر رغبت تھی۔

اچھرہ (لاہور) کے ایک مدرسے کے اساتذہ سے تحصیل علم میں مصروف رہے۔ مدرسہ غزنویہ (امرتسر) کے علماے کرام سے بھی استفادہ کیا۔ طالب علمی کے زمانے میں علم منطق کے موضوع پر ایک رسالہ بھی لکھا تھا۔

فارغ التحصیل ہونے کے بعد اپنے خاندانی مدرسے لکھو کے میں اپنے والد ماجد حضرت مولانا عطاء اللہ لکھوی کی نگرانی میں سلسلۂ تدریس شروع کیا۔ کئی سال وہاں پڑھاتے رہے۔

تقسیم ملک سے قبل دارالعلوم تعلیم الاسلام اوڈاں والا (ضلع فیصل آباد) میں بھی خدمت تدریس سرانجام دیتے رہے۔ قصبہ پٹی (ضلع لاہور۔ اب ضلع امرتسر) کے مدرسے میں بھی کچھ عرصہ درس وتدریس میں مشغول رہے۔

قیامِ پاکستان کے بعد ملتان کی انجمن اہل حدیث کے ایک مدرسے میں فریضہ تدریس سرانجام دیا۔ علاوہ ازیں سیالکوٹ، دارالحدیث اوکاڑہ، مدرسہ ڈھلیانہ (ضلع اوکاڑہ) جامعہ اسلامیہ گوجراں والا، راولپنڈی، جہلم، دارالعلوم تقویۃ الاسلام (لاہور) اور رینالہ خورد (ضلع اوکاڑہ) کے مدارس میں بھی ان کی مساند درس آراستہ رہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بے حد محنت اور اہتمام سے پڑھاتے تھے۔ کتابوں پر استحضار تھا اور زندگی کے تمام مراحل علم کی فضاؤں میں گزرے تھے، اس لیے انتہائی شوق سے یہ خدمت سرانجام دیتے تھے۔ طلبا ان کے طریق درس سے بہت متاثر تھے۔ کتب حدیث میں سے بلوغ المرام سے صحیح بخاری تک۔ علم نحو میں نحو میر سے شرح جامی تک، علم صرف کی صرف بہائی سے شافیہ تک۔ اسی طرح بیان ومعانی، منطق وفلسفہ اور عربی ادبیات وغیرہ کی تمام کتابیں کئی کئی دفعہ پڑھائیں اور بڑی ذمہ داری سے پڑھائیں۔

اسباق میں ناغہ نہیں کرتے تھے۔ اگر دن کو کہیں جانے کا پروگرام ہوتا تو دن کا سبق رات کو پڑھا دیتے۔

دیگر علماے اہل حدیث کی طرح مولانا عبدالرحمٰن لکھوی نے ۱۹۵۳ء کی تحریک تحفظ ختم نبوت میں بھی حصہ لیا اور ۱۹۷۴ء کی تحریک تحفظ ختم نبوت میں بھی شامل رہے۔

مولانا عبدالرحمٰن لکھوی نے ۸۹ برس کی عمر پائی۔۴۔ مارچ ۲۰۰۱ء کو ان کا انتقال ہوا۔

مولانا ممدوح کی شادی حضرت مولانا محمد حسین لکھوی کی بڑی صاحب زادی سے ہوئی تھی۔ ان کی اولاد نرینہ چار بیٹے ہیں، جن کے نام یہ ہیں۔

① ..... ڈاکٹر عطاء الرحمٰن ایم بی بی ایس

② ..... حافظ ضیاء الرحمٰن عالم دین

③ ..... ڈاکٹر محمد حسین کلیم ایم بی بی ایس

④ ..... رضاء الرحمٰن (ریٹائرڈ) کرنل

مولانا عبدالرحمٰن لکھوی ایک بڑے علمی خاندان کے بڑے عالم اور مشہور مدرس تھے۔ ان کی تمام زندگی درس وتدریس میں گزری اور ہزاروں نہیں تو سیکڑوں علما وطلبا نے ان سے استفادہ کیا۔ طالب علمی کا زمانہ مختلف ممتاز اساتذہ سے حصولِ فیض میں گزرا۔ لیکن نہایت افسوس ہے کہ نہ ان کے اساتذہ کی تفصیل کا علم ہوسکا اور نہ ان کے لائق تکریم تلامذہ کے متعلق قابل ذکر معلومات حاصل ہوسکیں۔ صرف اتنا پتا چل سکا ہے کہ انھوں نے علوم متداولہ کی ابتدائی اور متوسط درجوں کی کتابیں اپنے والد مکرم حضرت مولانا عطاء اللہ لکھوی سے اپنے خاندانی مدرسہ محمدیہ (لکھوکے) میں پڑھیں۔ اس کے علاوہ کسی استاذ کا کم از کم مجھے علم نہیں۔

اسی طرح حضرت مولانا عطاء اللہ لکھوی جو استاذِ پنجاب تھے پنجاب کے اساتذہ سے حصولِ علم کے بعد کئی سال صوبہ یوپی میں رام پور اور بدایوں وغیرہ کے مدارس میں تعلیم حاصل کرتے رہے، لیکن یہ معلوم نہ ہوسکا کہ یوپی کے کن مدارس میں انھوں نے کن اساتذہ سے کون سی کتابیں پڑھیں اور کتنا عرصہ کہاں رہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

لکھوی خاندان کے اکثر حضرات اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں اور قدیم وجدید علوم سے بہرہ ور ہیں، لیکن اپنے اکابر علما کے حالات کسی صاحب نے نہیں لکھے۔ اگر کسی نے کچھ لکھا بھی تو بہت زیادہ محنت اور توجہ سے نہیں لکھا۔ اس کی اصل توقع مولانا معین الدین لکھوی سے ہو سکتی تھی، لیکن وہ بھی زیادہ تر دیگر کاموں میں مصروف رہے، اس اہم کام کی طرف توجہ نہیں مبذول فرما سکے۔ میں نے ان کو بارہا اس اہم کام کی طرف توجہ دلائی۔ لیکن ان سے یہ کام نہ ہو سکا۔

مولانا محمد حسین لکھوی کے پڑپوتے پروفیسر ڈاکٹر محمد حسین لکھوی (جامعہ ابوبکر کراچی) نے خاندان لکھویہ پر پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھا ہے جو بہت سی معلومات پر محیط ہے۔ مولانا محمد ابراہیم خلیل (حجرہ شاہ مقیم) نے کئی سال پہلے لکھوی خاندان کے حالات میں بڑی محنت سے کتاب لکھی اور تحقیق سے لکھی۔ ان سطور کے راقم نے اپنی کتاب ''بزم ارجمنداں'' میں مولانا محمد علی لکھوی اور مولانا معین الدین لکھوی کے متعلق طویل مضامین لکھے ہیں۔ ایک اور کتاب ''قافلہ حدیث'' میں مولانا محی الدین لکھوی (متوفی ۲۷۔ فروری ۱۹۹۸ء) اور ان کے صاحب زادے حافظ محمد لکھوی (متوفی ۱۶۔ فروری ۱۹۹۵ء) پر علیحدہ علیحدہ دو مضمون سپرد قلم کیے ہیں۔ حافظ محمد لکھوی بن حافظ بارک اللہ لکھوی پر میں نے کسی زمانے میں اخبار ''امروز'' (لاہور) میں اور پھر پنجاب یونیورسٹی کے اردو دائرۂ معارف اسلامیہ میں لکھا تھا۔ حافظ بارک اللہ لکھوی سے متعلق میں نے ایک طویل مضمون اپنی کتاب فقہاے ہند کی آٹھویں جلد میں لکھا ہے۔ لکھوی خاندان کے بزرگوں کے بعض پرانے عقیدت مندوں نے پنجابی اشعار میں ان کے تذکار قلم بند کیے ہیں اور یہ کتابیں خوش قسمتی سے ہمارے دوست مولانا محمد ابراہیم خلیل کے کتب خانے میں موجود ہیں۔ ان کتابوں سے انھوں نے استفادہ بھی کیا ہے۔ کیا ہی اچھا ہو کہ یہ تمام مواد سامنے رکھ کر کوئی صاحب لکھوی خاندان کے اکابر کے حالات جدید انداز میں تحریر فرما دیں۔ اس کی زیادہ امید مولانا محمد ابراہیم خلیل سے ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد حسین لکھوی کو بھی اپنے مقالے پر نظر ثانی کر کے اسے چھپوانے کی کوشش کرنی چاہیے۔

یہ کس قدر رالم ناک بات ہے کہ مولانا عبدالرحمٰن لکھوی کی وفات پر صرف سات برس گزرے ہیں، لیکن ہمیں نہ ان کے اساتذہ کے متعلق تفصیلات کا علم ہے اور نہ ان کے تلامذہ کے بارے میں معلومات حاصل ہیں۔ اساتذہ کا تو ممکن ہے زیادہ پتا نہ چل سکے، لیکن ان کے تلامذہ تو بہت بڑی تعداد میں موجود ہوں گے۔ مولانا کے خاندان کے لوگوں کو بھی کچھ معلومات حاصل ہوں گی، انھیں چاہیے کہ جو کچھ میسر آتا ہے اسے قلم وقرطاس کے حوالے کر دیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مولانا عبدالرشید انصاری بلتستانی

(وفات ۱۶۔ مارچ ۲۰۰۲ء)

علاقہ بلتستان کے مشرق میں کنٹرول لائن کے قریب ایک گاؤں کا نام ''سکسہ'' ہے۔ اس گاؤں میں ایک اہل حدیث عالم دین حافظ عبدالرحمٰن انصاری قیام فرما تھے جو ۱۹۱۵ء کے لگ بھگ پیدا ہوئے۔ بچپن ہی میں دینی تعلیم کے حصول کا شدید جذبہ ان کے دل میں کارفرما تھا۔ چناں چہ وہ بہت سی مشکلات میں سے گزرتے ہوئے دہلی پہنچے اور وہاں کے علما سے درس نظامی کی تکمیل کی اور قرآنِ مجید حفظ کیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس زمانے میں علاقہ بلتستان کے وہ واحد حافظ قرآن تھے۔

تکمیل تعلیم کے بعد بلتستان کے علاقے میں انھوں نے وعظ وتقریر کی صورت میں دعوتِ دین کا سلسلہ شروع کیا اور بے شمار لوگ ان کی دعوت سے صراطِ مستقیم پر گام زن ہوئے۔ محدود سے طریقے پر اپنے گاؤں میں درس وتدریس میں بھی مصروف رہے۔ اپنے عہد اور علاقے کی وہ ایک مؤثر شخصیت تھے اور لوگ ان کا بے حد احترام کرتے تھے۔ ان کے وعظ وتقریر کا اصل موضوع توحید تھا اور اس علاقے میں اسی موضوع کو بیان کرنے کی ضرورت تھی۔ چناں چہ قرآن وحدیث کی روشنی میں وہ اس کی ہر جگہ وضاحت فرماتے تھے۔

دارالعلوم غواڑی بلتستان کا مشہور تدریسی ادارہ ہے۔ اس ادارے میں حافظ عبدالرحمٰن کی تشریف آوری کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ اس زمانے میں ایک بزرگ مولانا حافظ کریم بخش اس دارالعلوم کے ناظم بھی تھے اور تدریس وافتا کا فریضہ بھی سرانجام دیتے تھے۔ ۱۹۵۸ء کی بات ہے کہ حافظ عبدالرحمٰن کو کسی نے بتایا کہ حافظ کریم بخش کسی مرض میں مبتلا ہیں اور بہت کم زور ہوگئے ہیں۔ حافظ عبدالرحمٰن ان کی عیادت کے لیے غواڑی تشریف لائے اور کچھ دن دارالعلوم میں ان کے پاس ان کا قیام رہا۔ واپس اپنے گاؤں جارہے تھے کہ دریائے شیوک عبور کرتے ہوئے، اس میں ڈوب گئے اور اس طرح ان کی دنیوی زندگی کا خاتمہ ہوگیا۔ حافظ کریم بخش کو ان کی وفات کی اطلاع ملی تو وہ نہایت آزردہ خاطر ہوئے اور کچھ دنوں کے بعد وہ بھی بارگاہِ الٰہی میں پہنچ گئے۔

مولانا عبدالرشید انصاری انھی حافظ عبدالرحمٰن کے فرزند کبیر تھے جو ۱۹۴۷ء میں پیدا ہوئے۔ عبدالرشید انصاری نے ابتدائی تعلیم اپنے والد مکرم سے حاصل کی۔ ناظرہ قرآنِ مجید بھی انھی سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

پڑھا اور بعض علوم کی چند کتابیں بھی ان سے پڑھیں۔ علاوہ ازیں اپنے گاؤں سکسہ کے سرکاری سکول میں پرائمری کا امتحان دیا۔ اس کے بعد والد گرامی کے حکم سے دینی تعلیم کے حصول کی طرف راغب ہوئے۔ اس کے لیے راولپنڈی، کوئٹہ اور صوبہ سندھ کے بعض مدارس کے اساتذہ سے استفادہ کیا۔ بالآخر کراچی پہنچے اور وہاں کے دارالعلوم سعودیہ میں داخلہ لیا۔ پھر وہیں مروّجہ تعلیم مکمل کی اور کراچی بورڈ سے فاضل عربی کا امتحان پاس کیا۔

فراغت کے بعد ۱۹۶۳ء میں اپنے گاؤں سکسہ واپس تشریف لائے۔ اس وقت ان کے چھوٹے بھائی عبداللہ اصلاحی ڈپٹی ڈائریکٹر ایجوکیشن تھے۔

مولانا عبدالرشید انصاری کچھ عرصہ گاؤں میں رہے۔ پھر کراچی چلے گئے اور وہاں کے بعض مدارس میں درس وتدریس اور خطابت کے فرائض انجام دینے لگے۔

تصنیف وتالیف سے بھی مولانا عبدالرشید انصاری کو لگاؤ تھا۔ چناں چہ دو کتابیں تصنیف کیں۔ ایک ''وادیٔ بلتستان کے مذہبی حالات'' اور دوسری ''دعوتِ اصلاح''۔ دارالعلوم غواڑی کے مجلّہ ''التراث'' میں بھی مختلف عنوانات پر مضامین لکھتے رہے۔

کراچی سے دوبارہ وطن آئے اور او، ٹی (اورینٹل ٹیچر) کا امتحان دے کر سرکاری ملازمت اختیار کرلی۔ اسی اثنا میں پرائیویٹ طور پر بی اے پاس کیا۔ ان کی اچھی خاصی لائبریری تھی۔ مطالعہ کا شغل جاری رکھتے تھے۔ اپنے گاؤں کی جامع مسجد کی خطابت انہی کے سپرد تھی۔

کرگل کی بے مقصد جنگ کے دوران میں جہاں دیگر سرحدی علاقے متاثر ہوئے اور لوگوں کو اپنے گھر چھوڑ کر مختلف مقامات کی ٹھوکریں کھانا پڑیں، وہاں عبدالرشید انصاری کا گاؤں بھی متاثر ہوا۔ اور ہر وقت کی گولا باری سے تنگ آ کر مولانا ممدوح وہاں سے نکلے اور اپنے چھوٹے بھائی عبداللہ اصلاحی کے پاس گلگت چلے گئے، جہاں وہ اس وقت ڈپٹی ڈائریکٹر ایجوکیشن تھے۔ بعد ازاں کرگل کے حالات اعتدال پر آ گئے تھے۔ لیکن وہ اپنے گاؤں نہیں جاسکے۔ البتہ وہاں جانے اور وہاں کے لوگوں سے ملنے کی تمنا ہمیشہ ان کے دل میں رہی۔

مولانا عبدالرشید انصاری کا ایک بھتیجا اسلام آباد میں ملازم تھا۔ اس کے اصرار پر کچھ عرصہ اس کے پاس اسلام آباد رہے۔ آخر عمر میں کئی قسم کی بیماریوں کے نرغے میں آ گئے تھے اور گاؤں کی یاد غالب آ گئی تھی۔ بیماری کی وجہ سے بار بار ہسپتال میں داخل ہوئے۔ کچھ افاقہ ہوتا تو گھر آ جاتے۔ نہایت صابر وشاکر عالم دین تھے۔ مسلک اہل حدیث کے مخلص ترین اور ہمہ وقتی مبلغ .....! درس وتدریس کا سلسلہ بھی جہاں تک ممکن ہوتا جاری رکھتے اور وعظ وتبلیغ کے ذریعے سے بھی اپنے مسلک کی اشاعت کو ضروری قرار دیتے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

یوں تو مولانا عبدالرشید انصاری جس سیاسی جماعت میں کوئی اچھائی دیکھتے، اس کی تعریف فرماتے، لیکن زیادہ رجحان پیپلز پارٹی کی طرف تھا اور بھٹو مرحوم کے کارناموں کے بہت مداح تھے۔ مثلاً ۱۹۷۱ء کی پاک بھارت جنگ کے بعد بھٹو نے پاکستان کے ۹۰ ہزار فوجی قیدیوں کو ہندوستان کی قید سے آزاد کرایا۔ پانچ ہزار فوجی قیدیوں کو کورٹ مارشل سے نجات دلائی۔ پانچ ہزار میل پاکستانی علاقہ جو ہندوستان کے قبضے میں جا چکا تھا، واپس لیا۔ ۱۹۷۴ء میں پاکستان میں تمام اسلامی ملکوں کے سربراہوں کو جمع کیا۔ یہ دنیائے اسلام کا اوّلیں کارنامہ تھا جو بھٹو نے سرانجام دیا۔ مرزائیوں کو اقلیت قرار دیا۔ پاکستان میں شراب بند کی اور گھوڑوں کی ریس پر پابندی عائد کی جو جوئے کا بہت بڑا ذریعہ تھی۔

مولانا عبدالرشید انصاری کا حلیہ یہ تھا: جسم مائل بہ فربہی، متبسم چہرہ، قد اونچا۔ چھوٹے چھوٹے قدموں سے قدرے تیز چلتے تھے۔ وعظ وخطابت بہت سادہ مگر دلنشین۔ عجز وانکسار اور فروتنی ان کا خاصہ تھا۔

اس عالم دین نے ۱۶۔ مارچ ۲۰۰۲ء (یکم محرم ۱۴۲۳ھ) کو ہفتے کے روز شام کے سات بجے اسلام آباد میں اپنے بھتیجوں عبدالرحمٰن عثمانی اور عبدالرحمٰن سلفی کے گھر وفات پائی۔

دوسرے دن مسجد اہل حدیث جی ۶ میں اس کے خطیب مولانا محمد حنیف نے نماز جنازہ پڑھائی، جس میں ہر شعبۂ زندگی کے لوگ کثیر تعداد میں شریک ہوئے۔ اس طرح انھیں اپنے آبائی وطن سے ایک ہزار کلومیٹر کے فاصلے پر سی، ڈی، اے کے قبرستان اسلام آباد میں دفن کیا گیا۔

پس ماندگان میں ایک بیوہ، ایک بھائی اور پانچ بہنیں چھوڑیں۔ چار بھتیجوں کو اولاد کی طرح پیار دیا۔

اللھم اغفرله وارحمه وعافه واعف عنه .

(ان سطور کی ترقیم میں دارالعلوم غواڑی کے ترجمان مجلّہ ''التراث'' بابت ماہ جولائی تا ستمبر ۲۰۰۲ء کے ایک مضمون تحریر کردہ عبدالرشید صدیقی سے استفادہ کیا گیا۔)



" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

حافظ محمد اسحاق حسینوی

(وفات ۴ جولائی ۲۰۰۲ء)

۱۹۳۶ء کی سردیوں کا موسم تھا۔ مہینا یاد نہیں رہا کہ کون سا تھا۔ لاہور میں دہلی دروازے کے باہر مسجد شہید گنج کے سلسلے میں ایک جلسہ منعقد ہوا، جس میں مولانا ظفر علی خاں، ڈاکٹر محمد عالم بار ایٹ لا اور شورش کاشمیری نے تقریریں کیں۔ اس جلسے میں مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی بھی تشریف لائے تھے، میں بھی ان کے ساتھ تھا۔ رات ہم چینیاں والی مسجد میں رہے۔ اس مسجد میں اس وقت قرأت وتجوید کا مدرسہ قائم تھا، جس میں قاری فضل کریم صاحب مرحوم ومغفور خدمت تدریس سرانجام دیتے تھے اور لاہور میں فن تجوید کی تعلیم کا یہ پہلا مدرسہ تھا جو چینیاں والی مسجد میں مولانا سید محمد داؤد غزنوی نے ۱۹۳۰ء میں جاری کیا تھا اور اس کے پہلے استاذ قاری فضل کریم تھے، جنھیں قرأت وتجوید کے استاذ الاساتذہ کا مقام حاصل تھا۔

اسی مسجد میں ایک اور نوجوان مقیم تھے۔ درمیانہ قد، گداز جسم، سرخی مائل گندمی رنگ، چوڑا چہرہ، کشادہ جبیں، موٹی آنکھیں۔ یہ تھے حافظ محمد اسحاق حسینوی۔ اس وقت یہ اورینٹل کالج میں مولوی فاضل کی تیاری کررہے تھے، جسے اب عربی فاضل کہا جاتا ہے۔ یہ ان کی بھرپور جوانی کا زمانہ تھا۔

حافظ محمد اسحاق پتوکی کے قریب ایک گاؤں کے رہنے والے تھے، جس کا نام حسین خاں والا ہے۔ اس گاؤں میں ارائیں برادری کی اکثریت ہے۔ حافظ صاحب بھی اسی برادری سے تعلق رکھتے تھے۔ حسین خاں والا اور اس کے اردگرد کے دیہات کے لوگ لکھوی علمائے کرام سے متاثر اور ان کے عقیدت مند ہیں۔ مسلکی اعتبار سے اہل حدیث ہیں۔ لیکن اس زمانے میں وہاں تعلیم کا رواج بہت کم تھا۔ زیادہ سے زیادہ بعض لوگ حضرت حافظ محمد لکھوی کی کتاب احوال الآخرت اور مولوی عبدالستار کی قصص الحسنین وغیرہ پڑھ لیتے تھے جو پنجابی نظم کی کتابیں ہیں۔ بس یہیں ان کے علم کی حد ختم ہوجاتی تھی۔

بچے گلیوں میں آوارہ پھرتے تھے یا کھیتوں میں کام کرتے تھے۔ نہ کوئی وہاں سرکاری سکول تھا اور نہ مسجد میں تعلیم دینے کا کوئی اہتمام۔ دوسرے بچوں کی طرح حافظ محمد اسحاق صاحب کا بھی یہی حال تھا۔ ماں باپ چاہتے تھے کہ ان کے بچے تھوڑا بہت علم حاصل کریں، لیکن بہ ظاہر اس کی کوئی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

صورت نہ تھی۔

حسن اتفاق سے ان کے گاؤں میں چلتے پھرتے ایک حافظ صاحب آ گئے جو ملتان کے رہنے والے تھے اور ان کا نام بشیر احمد تھا۔ وہ دراصل کسی ایسی جگہ کی تلاش میں تھے جہاں جم کر بچوں کو تعلیم دے سکیں اور اس گاؤں کے لوگ بھی کسی ایسے آدمی کے انتظار میں تھے جو وہاں رہ کر ان کے بچوں کو تحصیل علم کی راہ پر لگائے۔ چناں چہ انھوں نے حافظ بشیر احمد صاحب سے بات کی۔ وہ وہاں رہ پڑے اور تمام عمر وہیں رہے اور وہیں وفات پائی۔ انھوں نے بچوں کو قرآنِ مجید پڑھایا، اردو کی کتابیں پڑھائیں، فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھائیں، پہاڑے یاد کرائے، حساب کی ضروری کتابیں پڑھائیں، ابواب الصرف، صرف بہائی، صرف نحو وغیرہ کتابوں کے علاوہ قرآنِ مجید کا ترجمہ پڑھایا اور بلوغ المرام بھی پڑھانے لگے۔ حافظ محمد اسحاق صاحب نے اپنے گاؤں کی مسجد میں ان سے یہ سب کتابیں پڑھیں۔ پڑھانے کے ساتھ ساتھ حافظ بشیر احمد نے بچوں کو پہلے تختی پر لکھنے کی مشق کرائی، اس کے بعد کاپیوں کے ذریعے لکھائی کے سلسلے کو آگے بڑھایا۔ اسی اثنا میں گاؤں میں سرکاری طور سے پرائمری سکول جاری ہوگیا۔ حافظ محمد اسحاق صاحب کو سرکاری سکول میں چوتھی جماعت میں داخلہ ملا۔ لیکن انھوں نے صرف آٹھ مہینے اس سکول میں تعلیم حاصل کی۔ وہ مسجد میں قرآنِ مجید حفظ کرتے تھے۔ سکول چھوڑ کر محنت کر کے پورا قرآن حفظ کرلیا۔

حفظ قرآن کے بعد اسے تراویح میں سنانا چاہیے تھا۔ ان کے گاؤں کے امام مسجد نماز تراویح میں چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھتے تھے، حافظ سے پورا سپارہ سننے کا رواج نہ تھا۔ اس لیے حافظ بشیر احمد نے ان کو اپنے بھائی حافظ عبدالرشید کے پاس اپنے آبائی گاؤں صدر پور (ضلع ملتان) بھیج دیا تاکہ وہ کسی گاؤں کی مسجد میں ان کے لیے نماز تراویح میں قرآن سنانے کا انتظام کردیں۔ لیکن کوشش کے باوجود انتظام نہ ہوسکا۔

اپنے گاؤں میں حافظ محمد اسحاق صاحب نے حافظ بشیر احمد صاحب سے پانچ سال میں مندرجہ ذیل کتابیں پڑھیں۔

سب سے پہلے دو سال میں عربی قاعدہ، پورا ناظرہ قرآنِ مجید، اردو اور فارسی کی ابتدائی کتابیں۔ اگلے تین سال میں قرآنِ مجید حفظ کیا۔ فارسی اور عربی کی بعض کتابیں پڑھیں۔ علم صرف کی زرادی اور آدھی فصولِ اکبری، علم نحو کی شرح ملّہ عامل اور ہدلیۃ النحو۔ علاوہ ازیں حساب کی کتاب، فارسی کی گلستاں اور بوستاں، حدیث کی بلوغ المرام نصف اوّل۔

رمضان المبارک کے بعد مزید تعلیم کے لیے حافظ محمد اسحاق نے لکھو کے کا عزم کیا۔ وہاں استاذ پنجاب حضرت مولانا عطاء اللہ لکھوی کے درس میں فصولِ اکبری، کافیہ، قدوری اور ترجمہ قرآن

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

میں شرکت کی۔ اپنے گاؤں میں آدھی بلوغ المرام پڑھ چکے تھے۔ لکھو کے میں ان کو اکیلے، نہ باقی ماندہ بلوغ المرام پڑھنے کا موقع میسر تھا، نہ شروع سے مشکوٰۃ شریف پڑھنے کی کوئی صورت تھی، کیوں کہ ان کے وہاں جانے سے قبل اسباق کی تقسیم ہوچکی تھی اور طلبا نے باقاعدہ پڑھائی شروع کردی تھی۔ اسی اثنا میں وہاں مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی آگئے جو دہلی سے حدیث کی نصابی کتابیں پڑھ چکے تھے اور لکھو کے میں حضرت مولانا عطاء اللہ لکھوی سے مختلف فنون کی بعض کتابیں پڑھنا چاہتے تھے۔

چناں چہ طے پایا کہ مولانا عطاء اللہ لکھوی انھیں فنون کی کتابیں پڑھائیں گے اور وہ طلباء کو حدیث کی بعض کتابیں پڑھائیں گے۔ اس طے شدہ منصوبے کے مطابق انھوں نے مولانا محی الدین لکھوی، مولانا معین الدین لکھوی اور چند دوسرے طلبا کو مشکوٰۃ شریف پڑھانا شروع کی۔ حافظ محمد اسحاق صاحب بھی اس جماعت میں شامل ہوگئے اور مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی سے مشکوٰۃ شریف پڑھنے لگے۔ حافظ صاحب اپنے ایک مضمون میں (جو مولانا عطاء اللہ حنیف کے حالات میں ''عمر بھر کے رہنما'' کے عنوان سے ''الاعتصام'' کے خاص نمبر میں چھپا) میں فرماتے ہیں:

''مولانا عطاء اللہ صاحب حنیف بھوجیانی کا پڑھانے کا طریقہ عجیب وغریب تھا۔ طالب علم سے بڑے آرام سے واضح طور پر حدیث پڑھواتے، کتر کتر کر کے جلدی جلدی نہ پڑھنے دیتے۔ کوئی غلطی ہوجاتی تو اسے طالب علم کو خود ٹھیک کرنے کے لیے کہتے، اگر ٹھیک کرلیتا تو اس کی تحسین کرتے اور اس کا حوصلہ بڑھاتے ورنہ خود اصلاح کرتے۔ جب تک الفاظ طالب علم کے اچھی طرح ذہن نشین نہ ہوجاتے آگے نہ چلنے دیتے۔ جب عبارت صحیح ہوجاتی تو بڑے دلنشین طریقے سے اس کا ترجمہ اور تشریح کرتے۔ اس طرح سبق پورا ہونے کے بعد سبق میں آنے والا ایک ایک صیغہ پوچھتے۔ اس میں اگر کوئی تعلیل ہوتی تو اسے پڑھنے والا طالب علم بتا دیتا تو بہتر، ورنہ خود وضاحت کرتے۔ مختلف جملوں کی نحوی ترکیب بھی کراتے۔ اس طرح اطمینان سے سبق پڑھانے کے بعد لڑکوں سے دوبارہ سہ بارہ کہلواتے۔ اس انداز سے پڑھی ہوئی کتاب طلباء کو یاد ہوجاتی اور انھیں پڑھنے کا بہت فائدہ ہوتا۔ ❶

''رمضان شریف تک مشکوٰۃ کتاب الصیام یا کتاب الحج تک پہنچی۔ کتاب تو آدھی بھی ختم نہ ہوئی مگر حدیث کی عبارت صاف ہوگئی، جس کا آئندہ چل کر بڑا فائدہ ہوا۔ ایک دو

---

❶ الاعتصام (اشاعت خاص مولانا عطاء اللہ حنیف نمبر) مارچ ۲۰۰۵ء، ص: ۳۳۴

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مہینے کے بعد محسوس ہوا کہ مولانا ہر معاملے میں میری رہنمائی کرتے ہیں، مجھے وہی مشورہ دیتے، جس سے میرا بھلا ہوتا۔ میں بھی ان کی ہر بات مانتا تھا۔ مولانا کی یہ فطرت تھی کہ طالب علمی میں وہ جس لڑکے کو مستعد جانتے اور سمجھتے کہ کچھ محنت کرنے سے وہ جوہر قابل بن جائے گا تو اس کا خصوصاً خیال رکھتے۔ چناں چہ کئی طلباء ان کی توجہ اور رہنمائی سے کامیاب ہوئے اور فراغت کے بعد ملت اور قوم کے بڑے اہم مناصب پر پہنچے۔" ❶

حافظ محمد اسحاق صاحب نے ازراہِ کرم اس فقیر کا نام بھی انہی طلباء میں لیا ہے جو مولانا عطاء اللہ صاحب کی تربیت سے خدمت علم میں مصروف ہوئے۔ ❷

اب رمضان شریف آیا تو مولانا عطاء اللہ صاحب نے حافظ اسحاق صاحب کے لیے خود ہی تراویح میں قرآن سنانے کا انتظام کردیا۔ مولانا موضع میر محمد گئے جو ضلع قصور کا مشہور گاؤں ہے۔ ہمارے ملک کے معروف عالم دین حافظ محمد یحییٰ عزیز مرحوم ومغفور کا آبائی مسکن یہی گاؤں تھا۔ اس گاؤں میں وہ حافظ محمد یحییٰ کے والد محترم حضرت حافظ محمد صاحب سے ملے اور ان سے بات کی۔ اس طرح حافظ اسحاق صاحب کے قرآن سنانے کا انتظام ہوگیا۔ اس وقت مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی کے بڑے بھائی حافظ عبداللہ مرحوم بھی میر محمد میں سکونت پذیر تھے اور رمضان میں خود مولانا بھی وہیں رہے۔ وہاں انھوں نے حافظ اسحاق صاحب کو نسائی شریف کے کچھ اسباق پڑھائے۔

رمضان شریف ہی میں مولانا عطاء اللہ صاحب نے حافظ اسحاق صاحب کو کتب حدیث کی تکمیل کے لیے اپنے استاذِ عالی قدر حضرت مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی کی خدمت میں دہلی جانے کا مشورہ دیا۔ مولانا کھنڈیلوی اس وقت دہلی کے مدرسہ دارالسلام میں پڑھاتے تھے جو مسجد کلاں میں جاری کیا گیا تھا۔ چناں چہ رمضان شریف کے بعد حافظ صاحب وہاں پہنچ گئے۔ ان کے علاوہ مولانا نے حافظ محمد بھٹوی، حافظ عبدالرحمٰن صافوی، مولانا قدرت اللہ بڈھیمالوی اور چند دیگر حضرات کو بھی مولانا کھنڈیلوی سے کتب حدیث پڑھنے کا مشورہ دیا۔ اس کی اطلاع انھوں نے مولانا کھنڈیلوی کو بھی دے دی تھی۔ چناں چہ یہ سب لوگ دہلی گئے اور مولانا کھنڈیلوی کے مدرسے میں داخل ہوئے۔ وہاں ہر طالب علم کو بہ طور وظیفہ تین روپے ماہانہ ملتے تھے اور اس انتہائی سستے زمانے میں دو وقت کی روٹی کے لیے تین روپے بہت تھے۔

مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی مدرسے میں اکیلے مدرس تھے۔ حافظ محمد اسحاق صاحب اور ان کے

---

❶ الاعتصام (اشاعت خاص مولانا عطاء اللہ حنیف نمبر) مارچ ۲۰۰۵ء، ص: ۳۳۴، ۳۳۵

❷ ایضاً، ص: ۳۸۴

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ساتھی پنجابی طلباء کتب حدیث میں سے سنن نسائی، جامع ترمذی اور سنن ابن ماجہ پڑھتے تھے۔ ان کتابوں کے علاوہ دیگر مروّجہ علوم کی بعض نصابی کتابیں بھی وہاں باقاعدہ پڑھائی جاتی تھیں۔ بعض طلباء صحیح بخاری اور صحیح مسلم کا درس بھی لیتے تھے۔ مولانا کھنڈیلوی بہت بڑے عالم، عالی قدر مدرس اور مشہور محقق تھے۔ وسیع المطالعہ اور صاحب تصنیف۔ اس کے ساتھ ہی نہایت متقی، عابد وزاہد اور طلباء کے انتہائی ہم درد، اپنے عہد کے علمائے کرام کا بے حد احترام کرتے تھے۔ وہ بھی ان سے بہ درجہ غایت اکرام سے پیش آتے تھے۔

حافظ اسحاق صاحب کا ایک سال بڑے آرام سے گزرا اور نہایت محنت سے اپنا سلسلہ تعلیم جاری رکھا۔ سالانہ امتحان دارالحدیث رحمانیہ کے شیخ الحدیث مولانا احمد اللہ صاحب پرتاپ گڑھی دہلوی اور مدرسہ حضرت میاں صاحب کے مدرس مولانا محمد یونس نے لیا۔ ہر طالب علم اپنی محنت اور قابلیت کے مطابق کامیاب ہوا۔

مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی نے آئندہ سال بھی انھیں حضرت مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی کی خدمت میں حاضر ہونے کا مشورہ دیا۔ چناں چہ رمضان کے بعد وہ وہاں پہنچ گئے۔ اس سال انھوں نے مولانا کھنڈیلوی سے دوسری کتابوں کے علاوہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم پڑھیں۔ اس سال دہلی میں درسی کتابوں کے علاوہ حافظ صاحب دوسری کتابوں کا مطالعہ بھی کرنے لگے تھے۔ سب سے پہلے انھوں نے حضرت مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری کی کتاب ''ابکار المنن فی تنقید آثار السنن'' کا مطالعہ کیا۔ اس کتاب کے مندرجات سے وہ نہایت متاثر ہوئے۔ یہ کتاب مولانا مبارک پوری نے ایک حنفی عالم مولانا ظہیر الحسن شوق نیموی کی کتاب ''آثار السنن'' کے جواب میں لکھی تھی۔ اس وقت مدارس میں حافظ ابن حجر کی تصنیف بلوغ المرام پڑھائی جاتی تھی۔ اب بھی یہ کتاب دینی مدارس کے نصاب میں شامل ہے۔ مولانا ظہیر الحسن شوق نیموی نے ''آثار السنن'' اس لیے لکھی کہ بلوغ المرام کی بجائے حنفی مدارس کے نصاب میں یہ کتاب پڑھائی جائے۔ درحقیقت یہ کتاب ان ضعیف احادیث کا مجموعہ ہے جن کے ذریعے سے صحیح احادیث میں مروی مسائل کی مخالفت اور احناف جن مسائل پر عمل پیرا ہیں ان کی تائید کی گئی ہے۔ مولانا مبارک پوری نے ''ابکار المنن فی تنقید آثار السنن'' میں نہایت محققانہ انداز میں اس کتاب کا جواب دیا ہے۔

اس زمانے میں حضرت حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ کی رہنمائی میں مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی ایک حنفی عالم مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلوی کی ایک کتاب کا جواب لکھ رہے تھے، جس میں انھوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ رفع الیدین کرنا منسوخ ہوگیا تھا۔ اس سلسلے میں انھوں نے اہل حدیث کو نشانہ تنقید بنایا تھا۔ اہل حدیث بے چارے صرف اس جرم میں احناف کے نزدیک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

لائق تعزیر قرار پاتے ہیں کہ یہ نبی ﷺ کی صحیح روایات پر عمل کرتے ہیں۔ نماز میں رفع الیدین کے مسئلے میں بھی اسی بنا پر مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلوی نے ان پر ہلہ بولا۔ لیکن اس میں کمی یہ رہ گئی کہ جن ہتھیاروں کا سہارا لے کر انھوں نے حملہ کیا تھا وہ ہتھیار بے حد کمزور تھے۔

اس وقت "السنن الکبریٰ للامام البیھقی" حیدر آباد دکن سے نئی نئی شائع ہوئی تھی۔ لاہور اور پنجاب کے کسی کتب خانے میں ابھی نہیں پہنچی تھی۔ لیکن دہلی کے بعض علمائے کرام کے کتب خانوں میں موجود تھی۔ مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی کو مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلوی کی کتاب کے جواب کے لیے اس کے کسی مقام کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت پڑتی تو وہ حافظ اسحاق صاحب کو دہلی خط لکھتے اور حافظ صاحب کسی کتب خانے سے کتاب لے کر متعلقہ مقام کی عبارت لکھ کر انھیں بھجوا دیتے۔ یہ کتاب "التحقیق الراسخ فی ان احادیث رفع الیدین لیس لھا ناسخ" کے نام سے چھپی۔ اس کتاب کی اشاعت کے وقت مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلوی مدرسہ فتح پوری (دہلی) میں مدرس تھے۔ قیام پاکستان کے بعد وہ دہلی سے کراچی تشریف لے آئے اور اس کتاب کی اشاعت کے طویل عرصے بعد تک زندہ رہے، لیکن اس کا جواب نہ وہ دے سکے نہ کوئی اور حنفی عالم جواب دے سکا۔

دو سال حافظ اسحاق صاحب دہلی میں حضرت مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی کے حلقہ شاگردی میں شامل رہے اور حدیث وفقہ وغیرہ علوم میں ان سے خوب استفادہ کیا۔

حضرت حافظ محمد گوندلوی اس وقت اپنے آبائی مسکن گوندلاں والا میں پڑھاتے تھے جو گوجراں والا سے تین میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی بھی وہیں تھے اور مولانا حافظ عبداللہ بڈھیمالوی بھی وہیں حضرت حافظ صاحب سے مصروفِ استفادہ تھے۔ حافظ اسحاق صاحب کو بھی دہلی جانے کی بجائے مولانا عطاء اللہ صاحب نے گوندلاں والا آنے اور حضرت حافظ صاحب گوندلوی سے مستفید ہونے کا مشورہ دیا۔ چناں چہ وہ رمضان المبارک کی چھٹیوں کے بعد وہاں پہنچے اور ایک سال حضرت حافظ صاحب سے کسب فیض کرتے رہے۔ دوسرے سال مولانا کے مشورے کے مطابق پھر گوندلاں والا گئے۔ لیکن اس سال حافظ صاحب نے دارالعلوم عمر آباد (صوبہ مدراس) کے اربابِ اہتمام کے مجبور کرنے پر وہاں جانے کی ہامی بھرلی اور شرط یہ رکھی کہ ان کے ساتھ بعض پنجابی طلباء بھی جائیں گے جو گوندلاں والا میں ان سے تحصیل علم کررہے ہیں۔ چناں چہ مولانا عطاء اللہ صاحب کی سفارش پر حضرت حافظ صاحب نے حافظ اسحاق صاحب کو بھی اپنے ساتھ جانے کی منظوری دے دی۔ جس مدرسے میں جانے کا پروگرام بنا تھا وہ صوبہ مدراس کے ضلع نارتھ ارکاٹ میں وہاں کے ریلوے اسٹیشن آمبور سے چار میل کے فاصلے پر عمر آباد گاؤں میں واقع

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہے اور گوجراں والا سے تقریباً دو ہزار میل کی مسافت پر ہے۔ اس وقت اس مدرسے کے ناظم مولانا فضل اللہ اور مہتمم کاکا اسماعیل تھے۔ مدراس کی بولی میں ''کاکا'' بہت بڑے سیٹھ کو کہا جاتا ہے۔ جس شخص نے کاکا اسماعیل کو حضرت حافظ محمد گوندلوی صاحب کے علم وفضل کے بارے میں اطلاع دی ان کا نام حافظ محمد ابراہیم تھا اور وہ کسی زمانے میں دارالحدیث رحمانیہ (دہلی) میں تعلیم حاصل کرتے رہے تھے اور حضرت حافظ صاحب کے علمی مرتبے سے باخبر تھے۔ وہ کاکا اسماعیل کے نمائندے کی حیثیت سے کئی دفعہ گوندلاں والا آئے اور حضرت حافظ صاحب سے گفتگو کی۔ کاکا اسماعیل ہر صورت میں دارالعلوم عمر آباد کے لیے بہ طور شیخ الحدیث حضرت حافظ صاحب کی خدمات حاصل کرنا چاہتے تھے۔ جب معاملہ طے ہوگیا تو کاکا اسماعیل کی طرف سے حافظ محمد ابراہیم کو یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ وہ گوندلاں والا سے حضرت حافظ صاحب اور ان کے ساتھی طلباء کو خود اپنے ساتھ لائیں گے اور انھیں عمر آباد پہنچائیں گے۔ اس سے آگے حافظ اسحاق صاحب کے الفاظ پڑھیے۔ وہ بتاتے ہیں کہ گوندلاں والا سے وہ کس طرح عمر آباد پہنچے۔

''تاریخ مقررہ پر ہمارا قافلہ عصر کے وقت گوجراں والا سے چلا اور شام سے پہلے لاہور پہنچ گیا۔ رات کو تقریباً نو بجے دہلی جانے والی گاڑی پر سوار ہوئے۔ دن کے نو بجے دہلی پہنچے۔ وہ سارا دن حضرت حافظ صاحب نے دہلی میں گزارا۔ اپنے دوست احباب اور وہاں کے علمائے کرام سے ملاقاتیں کیں اور رات کو دس بجے کے قریب مدراس جانے والی گاڑی پر سوار ہوئے اور دو دن اور دو راتیں مسلسل گاڑی میں رہنے کے بعد ظہر کے وقت مدراس شہر پہنچے۔ باقی دن اور اگلی رات وہیں ٹھہرے۔''

اس سے آگے بھی انہی کی زبانی سنیے!

''کاکا اسماعیل صاحب مہتمم مدرسہ عمر آباد چمڑا رنگنے کا کاروبار کرتے تھے۔ ان کا کام بہت وسیع تھا۔ ملک کے بڑے بڑے شہروں میں ان کی تجارتی کوٹھیاں تھیں۔ چناں چہ پنجاب میں امرتسر میں ان کی ایک کوٹھی تھی۔ ہم مدراس میں انہی کی کوٹھی میں ٹھہرے تھے۔ وہاں سے سمندر تقریباً ایک میل کے فاصلے پر تھا۔ صبح کی نماز پڑھ کر ہم سمندر کی سیر کے لیے چلے گئے۔ احادیث میں میں نے پڑھا تھا کہ صبح کے وقت سورج نکلنے کے قریب نماز پڑھنی منع ہے۔ کیوں کہ اس وقت سورج پرست لوگ سورج کو سجدہ کرتے ہیں۔ مسلمانوں کو اس وقت نماز پڑھ کر ان کی مشابہت نہیں کرنی چاہیے۔ مدراس میں میں نے پہلی دفعہ اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ایک ہندو جو ہمارے آگے جارہا تھا یکا یک سجدے میں گر گیا اور دیر تک سجدے میں پڑا رہا۔ میں نے دیکھا تو اس وقت سورج نکل

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

رہا تھا اور وہ اس کی طرف منھ کر کے سجدے میں گرا ہوا تھا۔ اس وقت میں سمجھا کہ حدیث میں سورج نکلتے وقت نماز نہ پڑھنے کی جو وجہ بیان کی گئی ہے وہ سو فی صد درست ہے۔ سورج پرست لوگ اس وقت سورج کو سجدہ کرتے ہیں۔ مسلمانوں کو اس وقت نماز نہیں پڑھنی چاہیے۔

''تقریباً دو گھنٹے سمندر کے کنارے سیر وتفریح کے بعد ہم واپس آئے۔ ناشتہ کیا اور منزل مقصود تک پہنچنے کے لیے اسٹیشن پر آئے۔ ٹکٹ لیے اور دس بجے کے قریب عمر آباد جانے کے لیے گاڑی پر سوار ہوئے۔ اڑھائی بجے کے قریب آمبور کے اسٹیشن پر اترے اور بیل گاڑی میں بیٹھ کر عمر آباد کی طرف روانہ ہوئے۔ اس زمانے میں گھوڑے والے تانگے نہیں چلتے تھے۔ دو چار اور آٹھ دس میل کا سفر تانگے جیسی بیل گاڑی پر کیا جاتا تھا جو وہاں استعمال ہوتی تھی۔

''عصر کے بعد ہم عمر آباد پہنچے جو ہماری منزل مقصود تھی۔ یہ ایک چھوٹا سا حسین وجمیل گاؤں ہے۔ وہاں ایک بڑی خوب صورت مسجد ہے اور ساتھ ہی ایک خوشنما اور نہایت حسین دارالعلوم کی وسیع اور کشادہ دو منزلہ عمارت ہے اور اس سے ملحق ایک وسیع لائبریری کی عمارت ہے۔ حافظ محمد ابراہیم صاحب، حضرت حافظ صاحب کو لے کر مسجد میں آئے تو طلباء واساتذہ کرام، مہتمم صاحب اور دیگر حضرات نے جو وہاں موجود تھے، حضرت حافظ صاحب کا نہایت گرم جوشی سے استقبال کیا اور وہاں کھانا کھانے اور عصر کی نماز پڑھنے کے بعد حضرت حافظ صاحب کو ان کے لیے مخصوص نہایت خوب صورت کمرے میں پہنچایا گیا، جہاں ان کی رہائش کا انتظام کیا گیا تھا۔ حافظ صاحب کے وہاں پہنچنے کے بعد جمعہ، جماعت اور صبح کے وقت مختصر درس کے فرائض احتراماً انہی کے سپرد کیے گئے۔'' ❶

دارالعلوم عمر آباد کا تعلیمی نصاب اس زمانے میں آٹھ سال کا تھا۔ یعنی بالکل ان پڑھ طالب علم اس میں داخلہ لے تو آٹھ سال کی تعلیم کے بعد پورا تعلیم یافتہ ہو کر وہاں سے نکلتا تھا۔ انگریزی اس دارالعلوم کا لازمی مضمون تھا۔ آٹھ سال کے بعد وہ میٹرک کا امتحان دینے کے قابل ہو جاتا تھا۔ ترجمتین یعنی اردو سے عربی اور عربی سے اردو ترجمہ کرنا بھی شامل نصاب تھا۔ حافظ اسحاق صاحب اور ان کے ساتھ پنجابی طلبا کو ساتویں جماعت میں داخل کیا گیا تھا۔ حافظ اسحاق صاحب نے اس

---

❶ الاعتصام (اشاعت خاص مولانا عطاء اللہ حنیف نمبر) مارچ ۲۰۰۵ء، ص: ۳۴۳، ۳۴۴

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

نصاب سے خوب فائدہ اٹھایا اور نہایت محنت سے سلسلۂ تعلیم جاری رکھا۔ سالانہ چھٹیاں ہوئیں تو گھر آئے اور دوبارہ وہاں نہیں جا سکے۔ ❶

یہاں آ کر حافظ اسحاق صاحب نے اورینٹل کالج (لاہور) میں داخلہ لیا اور مولوی فاضل کا امتحان دیا۔ اس زمانے میں ان کا قیام چینیاں والی مسجد میں رہا۔ اورینٹل کالج میں ان کے تین استاذ تھے۔ ایک مولانا نجم الدین جہلمی، دوسرے سید طلحہ ٹونکی اور تیسرے تھے مولانا نور الحق۔ مولوی فاضل کا امتحان دینے کا مشورہ انھیں مولانا محمد اسحاق رحمانی نے دیا تھا۔ انہی کی کوشش سے انھیں اورینٹل کالج میں داخلہ ملا تھا۔ اس وقت حافظ اسحاق صاحب کی مالی حالت کمزور تھی۔ مولانا محمد اسحاق رحمانی نے ہی انھیں مولوی فاضل کے کورس کی کتابیں دی تھیں۔

انہی نے مولانا سید محمد داؤد غزنوی سے کہا تو چینیاں والی مسجد میں ان کی رہائش کا انتظام ہوا۔ مولانا محمد اسحاق رحمانی کا گاؤں گوہڑ چک نمبر ۸ حافظ صاحب کے گاؤں حسین خاں والا سے صرف ایک میل کے فاصلے پر ہے۔ دونوں ارائیں برادری سے تعلق رکھتے تھے۔ مولانا محمد اسحاق رحمانی اس سے دو سال قبل مولوی فاضل کا امتحان دے چکے تھے اور اس وقت لاہور کے علاقہ گوالمنڈی میں گندہ انجن کے قریب ایک مسجد میں امام تھے۔ ❷

حافظ اسحاق صاحب فرماتے ہیں:

''مولوی محمد اسحاق رحمانی نے اپنی رہائش کا پتا مجھے دیا تھا۔ میں ان کے پاس پہنچا تو

---

❶ دارالعلوم عمر آباد کے مہتمم کاکا اسماعیل کے متعلق گزشتہ سطور میں قارئین کرام نے چند سطور پڑھیں۔ ان کے بارے میں یہاں ایک غلط فہمی کا ازالہ ضروری ہے۔ میں نے اپنی کتاب ''نقوش عظمت رفتہ'' کے صفحہ ۲۹، ۳۰ پر ایک واقعہ لکھا ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ ۱۹۵۸ء میں مدراس سے ایک شخص عزیز اللہ صاحب تشریف لائے۔ انھوں نے مجھے بتایا کہ ایک مرتبہ اسماعیل صاحب ملازم کی حیثیت سے مدراس کے دو تاجروں کے ساتھ امرتسر آئے اور ان کے لیے مولانا سید محمد داؤد غزنوی کے والد مکرم حضرت امام سید عبدالجبار غزنوی نے اللہ سے دعا کی تو وہ خود بہت بڑے تاجر ہو گئے۔ اسی قسم کی بات میں نے ''تذکرہ صوفی محمد عبداللہ'' کے صفحہ ۳۵۲ و ۳۵۳ پر لکھی ہے..... ۲۹ جون ۲۰۰۸ء کو میری ملاقات مدینہ منورہ میں مدینہ یونیورسٹی کے بعض طلباء سے ہوئی جو دارالعلوم عمر آباد کی طرف سے یہاں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ کاکا اسماعیل امرتسر ملازم کی حیثیت سے نہیں بلکہ بعض مدراسی تاجروں کے ساتھ تاجر کی حیثیت سے گئے تھے۔ مجھے عزیز اللہ صاحب کی بات سمجھنے میں غلطی ہوئی۔ یہ آج سے پچاس سال پہلے کی بات ہے، جو مجھے پوری طرح یاد نہیں رہی۔ بہرحال میں عرض یہ کرنا چاہتا ہوں کہ امام صاحب نے کاکا اسماعیل صاحب کے لیے دعا کی مگر وہ اس وقت ملازم نہیں تھے، تاجر تھے۔ اس تصحیح پر میں مدینہ یونیورسٹی کے عزیز طلباء کا شکر گزار ہوں۔

❷ مولانا محمد اسحاق رحمانی نے بعارضہ قلب ۵۔ ستمبر ۱۹۶۷ء کو سرگودھا میں وفات پائی (جہاں وہ فریضۂ خطابت انجام دیتے تھے) اور انھیں ان کے گاؤں چک نمبر ۸ گوہڑ (ضلع قصور) میں دفن کیا گیا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

جمعے کے دن وہ مجھے چیاں والی مسجد لے گئے۔ جمعہ شروع ہو چکا تھا۔ ایک نہایت حسین نورانی چہرے اور گرجدار آواز والا شخص خطبہ دے رہا تھا۔ یہی حضرت مولانا داؤد غزنوی تھے۔ ہم بھی سنتیں پڑھ کر خطبہ سننے لگے۔ خطبے میں بے حد سرور آیا۔ آج تک ایسا خطبہ کبھی نہیں سنا تھا۔ نماز کے بعد مولوی محمد اسحاق صاحب مجھے مولانا کے پاس لے گئے اور میری طرف اشارہ کر کے عرض کیا کہ یہ لڑکا اہل حدیث ہے اور گاؤں کا رہنے والا ہے۔ اورینٹل کالج میں مولوی فاضل کا امتحان دینے کے لیے داخل ہوا ہے۔ مسجد چیاں والی میں رہنا چاہتا ہے۔ آپ سے منظوری لینے کے لیے حاضر ہوا ہے۔ مولانا نے کمال مہربانی اور شفقت سے فرمایا کہ یہاں اور بھی کئی لڑکے رہتے ہیں، یہ بھی رہے لیکن شرافت سے رہے۔ شرارت اور فساد نہ کرے۔ مولوی صاحب نے میری صفائی پیش کی کہ یہ نیک طبع اور اپنے کام سے غرض رکھنے والا ہے۔ مولانا صاحب نے بہ خوشی اجازت دے دی اور میں وہاں رہنے لگا۔ کچھ دنوں کے بعد مسجد کے خادم مولوی محمد اسماعیل نے میرے کھانے کا انتظام بھی کر دیا۔ اس طرح تمام مسائل حل ہو گئے۔'' ❶

اورینٹل کالج میں حافظ اسحاق صاحب نے بہت محنت کی اور ہر امتحان میں بہترین نمبروں سے کامیاب ہوئے۔ وہاں طلبا کی ایک انجمن ''بزم ادب'' قائم تھی، جس کے سربراہ مولانا نور الحق تھے۔ اس میں بھی حافظ صاحب سب طلباء سے اوّل نمبر پر رہتے تھے۔ ان کی قابلیت کی بنا پر کالج کی طرف سے انھیں آٹھ روپے ماہانہ وظیفہ ملتا تھا۔ یہ ۱۹۳۵ء کی بات ہے۔ انہی دنوں میاں عبدالمجید مالواڈہ نے عزیز مسجد (واقع عزیز روڈ مصری شاہ) میں انھیں امام بنا دیا اور دس روپے ماہانہ تنخواہ مقرر کر دی۔ اس طرح ان کی مالی پریشانیاں بہت حد تک ختم ہو گئیں۔ یہ وہی میاں عبدالمجید ہیں جو مرکزی جمعیت اہل حدیث مغربی پاکستان کے ناظم مالیات تھے۔ نہایت نیک، انتہائی مخلص اور سب کے خیر خواہ ۲۲۔ جون ۱۹۹۲ء کو فوت ہوئے۔

مولوی فاضل کا اوّل نمبر پر امتحان پاس کرنے کے بعد اورینٹل کالج کے پروفیسر مولانا نجم الدین نے ان کو ضلع گجرات کے ایک گاؤں ''واڈہ عالم شاہ'' کے پرائیویٹ مڈل سکول میں ٹیچر مقرر کرا دیا۔ وہاں چند مہینے ملازمت کی۔ پھر لاہور آ گئے اور محدود پیمانے پر ٹیوشن پڑھانے لگے۔ اسی اثنا میں مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی کے ساتھ اوڈاں والا سے صوفی عبداللہ تشریف لائے اور حافظ صاحب سے بات کی۔ مولانا کے فرمان کے مطابق وہ اوڈاں والا (ضلع فیصل آباد) کے مدرسہ

---

❶ حوالہ مذکور، ص: ۳۴۶

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

تعلیم الاسلام میں بحیثیت استاذ تشریف لے گئے۔

اس سے قبل اوڈاں والا کے مدرسے میں کئی استاذ آئے، لیکن تعلیم کا سلسلہ صحیح طور سے جاری نہ ہوسکا۔ گاؤں کے لوگ اور مدرسے کے مہتمم وبانی صوفی عبداللہ صاحب اس معاملے میں نہایت پریشان تھے۔ اس کا ذکر صوفی صاحب نے مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی سے کیا اور فرمایا کہ وہ کسی ایسے استاذ سے ان کا رابطہ کرائیں جو احسن طریقے سے تدریسی خدمات سرانجام دے اور مدرسے کی کامیابی کا ذریعہ ثابت ہو۔ مولانا عطاء اللہ صاحب انھیں لاہور لے گئے اور ان کی ملاقات حافظ محمد اسحاق صاحب سے کرائی۔ حافظ صاحب اس وقت نوجوان تھے اور بالکل سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ سیدھا سادہ لباس اور سیدھی سادی گفتگو۔ لاہور میں ان دنوں وقت کسی حکیم سے طب کی کتابیں پڑھتے تھے اور بعض طلباء کو ٹیوشن پر مولوی فاضل کی تیاری کراتے تھے۔ صوفی صاحب کو بہ ظاہر وہ جچے تو نہیں لیکن مولانا عطاء اللہ صاحب کی تجویز اور مشورے سے انھیں مدرس مقرر کرلیا گیا۔

مقررہ تاریخ کو حافظ صاحب اوڈاں والا پہنچے تو ان کی سادگی اور اسلوبِ زیست کو دیکھ کر وہاں کے لوگوں کو یقین نہیں آیا کہ یہ نئے استاذ ان کی توقعات پر پورا اتریں گے اور ان کی کوشش سے مدرسہ کامیابی کی راہ پر گام زن ہوگا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اساتذہ اور علماء والی بہ ظاہر ان میں کوئی بات نہ تھی۔ نہ لباس کی سج دھج، نہ کوئی ذاتی رعب داب، داڑھی بھی اچھی طرح چہرے پر نمودار نہ ہوئی تھی۔ اوڈاں والا سے جو طلباء انھیں ماموں کانجن ریلوے اسٹیشن پر لینے آئے تھے وہ بھی انھیں دیکھ کر حیران تھے کہ یہ لڑکا ہمیں کیا پڑھائے گا۔

دوسرے دن صوفی صاحب نے چند طلباء کو بلایا اور حافظ صاحب سے کہا کہ یہ لڑکے پڑھنے کے لیے آئے ہیں، لیکن دل لگا کر پڑھتے نہیں۔ کوئی استاد بھی انھیں پڑھانے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ حافظ صاحب نے ان بچوں سے کہا کہ تم یہاں پڑھنے کے لیے آئے ہو اور میں پڑھانے کے لیے آیا ہوں۔ اب پہلی باتیں دل سے نکالو اور محنت سے پڑھنا شروع کرو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت جلد فضا بالکل بدل گئی اور اس مدرسے کی شہرت دور دراز علاقوں تک پہنچ گئی۔ حافظ صاحب کئی سال وہاں رہے اور طلباء کو مروّجہ نصاب کی تمام کتابیں پڑھائیں۔ صرف، نحو، ادب، منطق، فلسفہ، تفسیر، حدیث، فقہ، اصولِ حدیث، اصولِ فقہ تمام مضامین میں انھیں عبور حاصل تھا اور وہ نہایت کامیاب مدرس تھے۔ قمری حساب سے شوال ۱۳۵۶ھ سے شعبان ۱۳۶۵ھ تک اور عیسوی حساب سے جنوری ۱۹۳۷ء سے جون ۱۹۴۶ء تک دینی مدارس کی رو سے پورے نو تعلیمی سال اوڈاں والا کے مدرسے میں ان کا سلسلہ تدریس جاری رہا۔ اللہ نے ان کو درس وتدریس کی بے پناہ صلاحیت عطا فرمائی تھی اور اس مدرسے کی کامیابی اور شہرت کے اصل باعث وہی تھے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مدرس کے علاوہ حافظ صاحب طبیب بھی تھے۔ اس زمانے میں وہاں کوئی طبیب نہ تھا۔ لوگوں کو جب ان کی طبابت کا پتا چلا تو انھوں نے دوا دارو کا سلسلہ بھی شروع کر دیا اور بیمار ان کی طرف رجوع کرنے لگے۔ اس طرح مدرس کے علاوہ بہ طور طبیب بھی ان کو شہرت حاصل ہوئی اور ان کا حلقہ تعارف بڑھا۔

پانچ سال متواتر انھوں نے مدرسۃ تعلیم الاسلام اوڈاں والا میں سلسلۂ تدریس جاری رکھا۔ مدرسے کی عمر چھ سال کو پہنچی تو وہاں چالیس طالب علم اور پانچ استاذ تھے۔ حافظ صاحب سالانہ چھٹیوں میں گھر آئے تو صوفی صاحب کو وہاں سے استعفا بھیج دیا اور گاؤں میں کاروبار کرنے لگے۔ اس سے صوفی صاحب نہایت پریشان ہوئے، وہاں کے لوگوں کو بھی بے حد پریشانی ہوئی اور طلبا بھی مایوس ہوئے۔ پھر اوڈاں والا سے چند سرکردہ لوگ آئے اور انھوں نے حافظ صاحب کو کاروبار چھوڑ کر واپس اوڈاں والا جانے پر مجبور کیا تو وہ پھر وہاں تشریف لے گئے اور پہلے کی طرح کام ہونے لگے۔ اس طرح انھوں نے تقریباً نو سال وہاں خدمت تدریس سرانجام دی۔

اس سے کچھ عرصہ بعد ان کی بیوی کو کینسر ہوگیا اور وہ کئی قسم کی گھریلو پریشانیوں میں گھر گئے۔ آخر انھیں نو سال کے بعد اوڈاں والا کا مدرسہ چھوڑ کر واپس گھر آنا پڑا۔ کچھ عرصہ کاروبار کیا اور تقریباً پانچ سال موجودہ ضلع اوکاڑہ کی تحصیل رینالہ خورد کے موضع ڈھلیانہ کے مدرسے میں تدریس کی۔ خود اپنے گاؤں حسین خاں والا میں بھی مدرسہ جاری کیا۔ یہ مدرسہ انھوں نے اپنے گاؤں کے معززین کے اصرار پر جاری فرمایا تھا جو جلد ہی کامیابی کی منزل میں داخل ہوگیا تھا۔

اسی اثنا میں وہ ایک مرتبہ لاہور تشریف لائے اور ان کی ملاقات مولانا سید محمد داؤد غزنوی سے ہوئی۔ مولانا انھیں اپنے دفتر لے گئے اور خیر وعافیت پوچھنے کے بعد فرمایا کہ آپ اپنی خدمات دارالعلوم تقویۃ الاسلام کے سپرد کر دیں۔ آپ اب تک دیہات کے مدارس میں خدمت تدریس سرانجام دیتے رہے ہیں، جس میں آپ کامیاب رہے ہیں۔ اب لاہور میں بھی آ کر دیکھیں کہ اس کے کیا نتائج نکلتے ہیں۔ لیکن انھوں نے یہ کہہ کر معذرت کر دی کہ اپنے گاؤں کے لوگوں سے میں نے وعدہ کیا ہے کہ اب میں یہیں رہوں گا اور یہیں سلسلۂ درس جاری رکھوں گا۔ لیکن مولانا کا اصرار جاری رہا۔ انھوں نے حافظ عبدالرشید گوہڑوی کے ذریعے بھی پیغام بھجوایا۔ مولانا محمد اسحاق رحمانی سے بھی کہلوایا۔ مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی سے بھی خط لکھوایا۔ پھر مولانا عطاء اللہ صاحب کو ان کے گاؤں بھی بھیجا۔ لیکن حافظ صاحب نے ہر موقعے پر معذرت کی اور فرمایا کہ گاؤں کے لوگوں نے ان سے یہاں رہنے اور مدرسے میں پڑھانے کا پختہ عہد لیا ہے۔ وہ اپنے عہد سے انحراف نہیں کر سکتے۔ البتہ اگر یہ لوگ بخوشی اجازت دے دیں تو وہ اپنی خدمات دارالعلوم تقویۃ الاسلام کے سپرد

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کر سکتے ہیں۔ لیکن وہ لوگ کسی صورت میں بھی ان کو اجازت دینے اور اپنا مدرسہ بند کرنے پر آمادہ نہ تھے۔

پھر ایک وقت آیا کہ خود مولانا داؤد غزنوی ان کے گاؤں پہنچے اور وہاں کے لوگوں سے بات کی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حافظ صاحب تشریف لے آئے، اور انھیں دارالعلوم تقویۃ الاسلام کی مسند شیخ الحدیث پر متمکن کر دیا گیا۔ جس طرح ان کا منصب بلند تھا، اسی طرح انھیں مختلف موضوعات کی اونچے درجے کی کتابیں پڑھانا تھیں اور وہ تھیں تفسیر بیضاوی، صحیح بخاری، فقہ کی ہدایہ، عربی ادب کی تین کتابیں، کامل مبرد، دیوان متنبّی اور دیوانِ حماسہ۔ اسی طرح کی بعض اور کتابوں کی تدریس ان کے ذمے ہوئی۔ یہ تمام کتابیں وہ اوڈاں والا اور ڈھلیانہ کے مدارس میں کئی مرتبہ پڑھا چکے تھے۔

دارالعلوم تقویۃ الاسلام میں اس وقت حافظ صاحب کے دو شاگرد بھی طلباء کو پڑھاتے تھے، وہ تھے حافظ عبدالرشید گوہڑوی اور مولانا عبدالرشید مجاہد آبادی (جنھیں اُس وقت مولانا عبدالرشید اسلام پوری کہا جاتا تھا) یہ دونوں ڈھلیانہ کے مدرسے میں حافظ صاحب سے اخذ فیض کرتے رہے تھے۔ حافظ صاحب نے پینتیس چھتیس سال دارالعلوم تقویۃ الاسلام میں بہ طور شیخ الحدیث خدمات سرانجام دیں۔ غالباً ۱۹۸۸ء میں اس دارالعلوم سے ان کی علیحدگی ہوئی۔ علیحدگی کس طرح ہوئی.....؟ اس کی تفصیل میں مَیں نہیں جانا چاہتا۔

اس سے کچھ عرصہ بعد ان کی خدمات جامعہ قدس اہل حدیث (لاہور) نے حاصل کرلیں۔ حضرت حافظ عبداللہ روپڑی مرحوم ومغفور نے لاہور کی مسجد قدس میں ایک دینی مدرسہ جاری فرمایا تھا۔ ابتدا میں اس مدرسے میں وہ خود ہی طلباء کو پڑھاتے تھے۔ لیکن جب طلباء کی تعداد بڑھ گئی تو دیگر مدرسین کی خدمات بھی حاصل کرلی گئی تھیں۔ حضرت حافظ روپڑی صاحب کی وفات کے بعد کچھ عرصہ تو یہ مدرسہ جاری رہا، پھر بند ہوگیا۔ بعد ازاں ایک وقت آیا کہ حافظ عبدالقادر روپڑی صاحب کے دو بھتیجے حافظ عبدالغفار روپڑی اور حافظ عبدالوہاب روپڑی نے جامعہ امّ القریٰ مکہ مکرمہ کی تحصیل سے فراغت پائی تو انھوں نے حافظ عبدالقادر روپڑی کے مشورے سے اس درس گاہ کو دوبارہ زندہ کرنے کا عزم کیا۔

۱۹۸۸ء میں حافظ عبدالغفار روپڑی سے حافظ محمد اسحاق کی بیٹی کی شادی ہوئی۔ ان دونوں بھائیوں (حافظ عبدالغفار اور حافظ عبدالوہاب) نے حافظ محمد اسحاق صاحب کو جامعہ قدس تشریف لانے کی دعوت دی تو ۱۹۹۱ء میں وہ جامعہ میں آ گئے۔ آخر عمر میں وہ دارالعلوم تقویۃ الاسلام میں صرف صحیح بخاری اور جامع ترمذی یا صحیح بخاری اور سنن ابوداؤد پڑھاتے تھے۔ یہاں بھی یہی اسباق ان کے سپرد ہوئے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اس سے آگے حافظ صاحب ہی کے الفاظ پڑھیے جو انھوں نے جامعہ قدس میں تشریف لانے کے بعد خود تحریر فرمائے تھے۔

''یہاں آنے کے بعد میں نے حسب طاقت اپنا کام شروع کر دیا۔ اپنی گزشتہ عمر میں نہ کبھی کوتاہی کی ہے، نہ اب کرتا ہوں، لیکن جن بیماریوں نے مجھے گھیر رکھا ہے وہ اب بھی بہ دستور گھیرے ہوئے ہیں، بلکہ جنوری ۱۹۹۲ء میں مجھ پر ایک مزید سخت بیماری نے حملہ کیا۔ میں عمر رسیدہ ہونے کی وجہ سے گھٹنوں کے درد اور نظر سے کمزور تو پہلے ہی تھا، اب سیڑھیاں چڑھتے ہوئے جب دو تین سیڑھیاں چڑھ چکا تو چکر کھا کر نیچے فرش پر آ گرا اور بائیں کولہے پر سخت چوٹ آئی۔ دو جگہ ایکسرے لینے سے معلوم ہوا کہ ہڈی ٹوٹ گئی ہے۔ اب ڈاکٹروں کی طرف رجوع کیا تو انھوں نے کہا کہ اس کے علاج کے لیے آپریشن ضروری ہے۔ اس کے علاوہ علاج کی کوئی صورت نہیں۔ چناں چہ علاج کے لیے میو ہسپتال میں داخلہ لیا اور غالباً ۱۲۔ جنوری ۱۹۹۲ء کو آپریشن ہوا۔ ڈاکٹروں نے ہڈیوں کو جوڑنے کے لیے لوہے کی کچھ پتریاں استعمال کی ہیں۔ اب الحمدللہ بہ ظاہر آپریشن کامیاب ہوگیا ہے، درد ختم ہوگیا ہے اور ٹانگ جو پہلے حرکت نہیں کرتی تھی، اب پوری طرح حرکت کرتی ہے۔ مگر چلنے کے لیے جسم کا پورا بوجھ نہیں اٹھاتی۔ اس لیے ابھی چلا نہیں جاتا، سبق پڑھاتے وقت چارپائی سے اتر کر گدے پر بیٹھ کر پڑھاتا ہوں۔ میں جناب حافظ عبدالقادر صاحب، حافظ عبدالغفار صاحب، حافظ عبدالوہاب صاحب اور ان کے خاندان کا تہ دل سے شکر گزار ہوں کہ انھوں نے اس بیماری میں میری بہت خدمت کی ہے اور جہاں جانے کی ضرورت پڑی، یہ لے گئے ہیں۔ اللہ ان کی دینی اور دنیاوی تمام پریشانیوں کو دور کرے اور مجھے بھی صحت کاملہ سے نوازے، آمین۔'' ❶

یہ حافظ محمد اسحاق صاحب کی وفات سے دس سال پہلے کی تحریر ہے۔ آئندہ سطور میں ان کے شاگردوں کا تذکرہ کرنے کا ارادہ تھا، لیکن کس کس کا کروں۔ انھوں نے آغاز جوانی سے تدریس کا سلسلہ شروع کیا جو ان کی وفات تک جاری رہا۔ نو سال تو اوڈاں والا میں پڑھاتے رہے۔ پانچ سال ڈھلیانہ میں پڑھایا۔ کچھ مدت یہ خدمت اپنے گاؤں میں انجام دی۔ پینتیس چھتیس برس دارالعلوم تقویۃ الاسلام میں ان کا سلسلہ تدریس جاری رہا۔ کم وبیش پندرہ سال جامعہ قدس (لاہور) میں سرگرم تدریس رہے۔ یہ کم سے کم پینسٹھ سال بنتے ہیں۔ اس طویل مدت میں ان سے اتنے

---

❶ الاعتصام (اشاعت خاص مولانا عطاء اللہ حنیف نمبر) ص: ۴۹۷، ۴۹۸

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

طالبانِ علوم نے استفادہ کیا کہ انھیں گنتی شمار میں لانا ممکن نہیں۔ لا تعد و لا تحصٰی

ان کے شاگردوں کے شاگردوں کے شاگرد بھی اب ماشاء اللہ مسانید درس پر رونق افروز ہیں۔

تاہم یہاں چند شاگردوں کے نام درج کیے جاتے ہیں۔ پہلے صرف چھ مرحومین

①.....مولانا محمد یعقوب ملہوی: (وفات ۱۳ نومبر ۱۹۸۱ء)

یہ بھی پوری زندگی تدریس میں مصروف رہے۔

②.....مولانا محمد اسحاق چیمہ: (وفات ۲۳ مارچ ۱۹۹۳ء)

کچھ عرصہ فریضہ تدریس انجام دیتے رہے۔

③.....مولانا محمد یعقوب قریشی: (وفات ۲۱ جولائی ۲۰۰۳ء)

عمر بھر سلسلہ تدریس جاری رکھا۔

④.....مولانا محمد صادق خلیل: (وفات ۴ فروری ۲۰۰۴ء)

ان کی تمام عمر درس وتدریس، تصنیف وتالیف اور ترجمے میں گزری۔

⑤.....مولانا عبدالصمد رؤف: (وفات ۲۷ نومبر ۲۰۰۵ء)

⑥.....حافظ عبدالرشید گوہڑوی: (وفات ۱۹ جنوری ۲۰۱۰ھ)

کم وبیش چالیس برس دارالعلوم تقویۃ الاسلام (لاہور) میں تدریس کی۔ (وفات ۱۹ جنوری ۲۰۱۰ء)

زندگی کے تمام شب وروز تدریس میں گزارے۔

اب دو موجودین:

①.....مولانا عبدالقادر ندوی:

صدر جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن (ضلع فیصل آباد)

②.....مولانا عبدالرشید مجاہد آبادی:

ان کا شغل بھی ہمیشہ درس وتدریس رہا (مہتمم جامعہ الدراسات الاسلامیہ لاہور)

حافظ محمد اسحاق صاحب کے ان صرف آٹھ شاگردوں کے اسمائے گرامی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان کے شاگردوں کی فہرست کتنی وقیع اور وسیع ہوگی۔ ۱۹۳۷ء میں انھوں نے مدرسہ تعلیم الاسلام اوڈاں والا سے تدریس کا سلسلہ شروع کیا جو ان کی وفات تک تقریباً ۶۵ سال جاری رہا۔ اس عالم اجل کا آخری مرحلۂ تدریس جامعہ قدس اہل حدیث لاہور تھا۔ اس طویل مدت میں ان سے ہزاروں تشنگانِ علوم دینیہ نے اپنی علمی پیاس بجھائی۔

حضرت حافظ صاحب ممدوح جہاں بہت اچھے مدرس تھے، وہاں بہت اچھے مترجم اور مؤلف بھی تھے۔ انھوں نے مختلف رسائل وجرائد میں مضامین لکھے اور کئی بڑی بڑی عربی کتابوں کے ترجمے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کیے۔ ان کی اردو زبان بڑی صاف ہے۔ ذیل میں ان کی قلمی کاوشوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے:

① ..... جس زمانے میں وہ اپنے گاؤں (حسین خان والا) میں فروکش تھے، اس زمانے میں وہ قاہرہ (مصر) سے ایک ماہانہ رسالہ ''المسلمون'' منگوایا کرتے تھے۔ اس کے ایک شمارے میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کے عدل وانصاف کے بارے میں ایک مضمون شائع ہوا تھا۔ حافظ صاحب نے اس کا اردو ترجمہ کرکے ہفت روزہ ''الاعتصام'' کو اشاعت کے لیے بھیجا۔ میں اس وقت اس اخبار کا ایڈیٹر تھا۔ مجھے وہ مضمون بہت پسند آیا اور فوراً شائع کردیا۔ اس کے بعد ''الاعتصام'' کے حوالے سے وہ مضمون کئی رسائل وجرائد میں چھپا۔

② ..... اسی زمانے میں حضرت مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی کے کہنے سے حافظ صاحب نے حضرت علامہ محمد فاخر الٰہ آبادی کے فارسی رسالہ نجاتیہ کا اردو ترجمہ کیا۔ علم عقائد سے متعلق یہ بہترین رسالہ ہے۔ یہ اردو ترجمہ مرکزی جمعیت اہل حدیث کے ادارہ اشاعۃ السنہ نے شائع کرکے مفت تقسیم کیا۔

③ ..... مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی نے ایک ماہانہ رسالہ ''رحیق'' جاری کیا تھا۔ اس کے پہلے شمارے میں حافظ صاحب کا مضمون غالباً امام مالک رحمہ اللہ کے حالات میں چھپا تھا۔ پھر مختلف ائمہ حدیث کے بارے میں ان کے مضامین کی اشاعت کا سلسلہ شروع ہوا۔ رحیق تین سال جاری رہا۔ حافظ صاحب کے اس میں بیس اکیس مضامین چھپے۔ یہ تمام مضامین محدثین کے حالات اور ان کی خدمات سے متعلق تھے۔ اہل علم ان مضامین کا نہایت شوق سے مطالعہ کرتے تھے۔

④ ..... ایک مستشرق گولڈ سیہر نے حدیث رسول (ﷺ) کی جمع وتدوین کے خلاف انتہائی زہریلے مضامین لکھے تھے جو بعض عربی رسائل میں شائع ہوئے تھے۔ پھر بعض عرب اہل علم نے ان کے جواب میں مضامین لکھے۔ حافظ صاحب نے ان مضامین کا اردو ترجمہ کیا جو میرے زمانۂ ادارت میں الاعتصام (۱۹۵۶ء کے اوائل) کی بعض اشاعتوں میں چھپا۔

⑤ ..... مولانا عطاء اللہ صاحب کے کہنے سے حافظ صاحب نے عربی ادب کی مشہور نصابی کتاب دیوانِ حماسہ کا اردو ترجمہ کیا۔ یہ بامحاورہ ترجمہ ہے اور ساتھ ہی حل لغات کا اہتمام کیا گیا ہے۔ یہ ترجمہ مکتبہ سلفیہ شیش محل روڈ لاہور کی طرف سے شائع ہوا اور دینی مدارس میں اسے بے حد مقبولیت حاصل ہوئی۔

⑥ ..... امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے رسالہ قبرصیہ کا ترجمہ بھی حافظ صاحب نے کیا جو ماہنامہ ''رحیق'' میں قسط وار چھپا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

⑦..... ایک مرتبہ حج کے موضوع پر ''الاعتصام'' میں حافظ صاحب کا ایک طویل مضمون چھپا جو بعد میں ''تعلیم الحج'' کے عنوان سے ادارہ اشاعۃ السنہ کی طرف سے رسالے کی صورت میں شائع کیا گیا۔

⑧..... عام طور سے لوگ رمضان المبارک کے مہینے میں زکوٰۃ دیتے ہیں۔ زکوٰۃ کے موضوع پر الاعتصام میں انھوں نے ایک طویل محققانہ مضمون لکھا جو بہ صورت رسالہ ادارہ اشاعۃ السنہ نے شائع کر کے مفت تقسیم کیا۔

⑨..... شیخ الاسلام امام محمد بن عبدالوہاب نجدی کی ایک کتاب کا نام ''مختصر سیرۃ الرسول'' ہے۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ حافظ صاحب سے حافظ عبدالغفور جہلمی مرحوم ومغفور نے کرایا۔ یہ کتاب نظم ونثر دو حصوں پر مشتمل ہے اور بہت عمدہ کتاب ہے۔ حافظ صاحب نے حصہ نثر کا ترجمہ مکمل کیا اور نظم کے بھی آدھے حصے کا ترجمہ ہوگیا تھا، لیکن اس اثنا میں کئی بیماریاں انھیں لاحق ہوگئیں۔ آنکھوں کی تکلیف بھی ہوگئی۔ اس لیے نظم کے کچھ حصے کا ترجمہ وہ نہ کر سکے۔

⑩.....۱۹۶۲ء یا اس کے پس وپیش کی بات ہے کہ امام ذہبی کی کتاب ''تذکرۃ الحفاظ'' چار جلدوں میں بیروت سے شائع ہوئی۔ کتاب تقریباً ۱۷۰ محدثین کے حالات پر مشتمل ہے۔ مولانا عطاء اللہ حنیف صاحب کو اسماء الرجال کی کتابوں سے بہت دلچسپی تھی۔ انھوں نے یہ کتاب خریدی اور حافظ صاحب کو اس کے ترجمے کے لیے کہا اور فرمایا کہ یہ ترجمہ وہ مکتبہ سلفیہ کی طرف سے شائع کریں گے۔ کچھ عرصے کے بعد ترجمہ کر کے حافظ صاحب نے مولانا ممدوح کی خدمت میں پیش کیا، لیکن وہ شائع نہ کر سکے۔ حافظ صاحب نے ترجمہ مولانا محمد حنیف ندوی کو دکھایا اور فرمایا کہ اس میں کوئی اصلاح طلب بات ہو تو اس کی نشان دہی فرمادیں۔ مولانا ندوی نے ترجمہ پسند فرمایا اور اس کی تحسین کی۔ بعد میں یہ ترجمہ مولانا عطاء اللہ صاحب کے مشورے سے مولانا منیر احمد صاحب نے شائع کیا۔ اس وقت ان کا اشاعتی ادارہ ''اسلامک پبلشنگ ہاؤس'' کے نام سے شیش محل روڈ پر قائم تھا۔ اس کے بعد انھوں نے فاران اکیڈمی کے نام سے اپنا اشاعتی کاروبار اردو بازار میں منتقل کرلیا تھا۔ مولانا منیر احمد صاحب نے ۴ جنوری ۲۰۱۰ء کو وفات پائی۔

یہ حضرت حافظ محمد اسحاق صاحب کی تصنیف وتالیف، مضامین اور تراجم کی مساعی کا ایک سرسری سا تذکرہ ہے۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے ان کے تمام مضامین ومقالات ہفت روزہ ''الاعتصام'' اور ماہنامہ ''رحیق'' میں شائع ہوئے۔ انھیں جمع کر کے کتابی شکل میں چھاپ دیا جائے تو یہ بہت بڑی علمی خدمت ہوگی۔ کتاب کے شروع میں ان کے ضروری حالات بھی آجانے چاہئیں۔ وہ بہت بڑے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مدرس تھے۔ حدیث، تفسیر، فقہ اور دیگر تمام علوم پر ان کی گہری نظر تھی۔ ان کی تحریری کاوشیں بھی بے حد وقعت رکھتی ہیں۔ علاوہ ازیں وہ نہایت صالح، منکسر اور متواضع بزرگ تھے۔

اس معروف عالم ومدرس اور ممتاز مصنف ومترجم نے ۴۔ جولائی ۲۰۰۲ء (۲۲ ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ) کو جمعرات کے روز وفات پائی اور نمازِ جمعہ کے بعد حضرت حافظ ثناء اللہ مدنی نے جامع مسجد قدس (لاہور) میں ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ جنازے میں کثیر تعداد میں لوگوں نے شرکت کی اور انھیں ماڈل ٹاؤن کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔

اللھم اکرم نزلہ ووسع مدخلہ ونور قبرہ .

اب ذیل میں ترتیب وار ان کے اساتذہ اور ان اہم شخصیات کی تاریخ وفات ملاحظہ فرمایے جن سے ان کا تعلق رہا۔

① .....مولانا عطاء اللہ لکھوی: وفات ۲۶۔ فروری ۱۹۵۲ء

② .....مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی: وفات ۲،۳۔ اکتوبر ۱۹۸۷ء کی درمیانی رات

③ .....مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی: وفات ۴۔ اگست ۱۹۶۲ء

④ .....حضرت حافظ محمد گوندلوی: وفات ۴۔ جون ۱۹۸۵ء

⑤ .....صوفی محمد عبداللہ اوڈاں والا: وفات ۲۸۔ اپریل ۱۹۷۵ء

⑥ .....مولانا سید محمد داؤد غزنوی: وفات ۱۶۔ دسمبر ۱۹۶۳ء

⑦ ..... حافظ عبدالقادر روپڑی: وفات ۶۔ دسمبر ۱۹۹۹ء

⑧ ..... مولانا محی الدین لکھوی (لکھو کے میں کچھ عرصہ ان کے ہم سبق رہے)۔ وفات ۲۷۔ فروری ۱۹۹۸ء ..... رحمہم اللہ اجمعین



" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مولانا عبدالوہاب حنیف بلتستانی

(وفات ۱۳۔ اگست ۲۰۰۲ء)

بعض حضرات نے نہایت غربت کی حالت میں علم دین حاصل کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے بعد میں ان کے حالات بالکل بدل دیے اور وہ عسرت کے دائرے سے نکل کر یسر کی فضا میں پہنچے۔ صاحب ترجمہ مولانا عبدالوہاب حنیف کا شمار انہی بزرگوں میں ہوتا ہے۔ ان کے حالات مولانا عبدالرحیم روزی نے دارالعلوم غواڑی بلتستان کے مجلّہ ''التراث'' (بابت جنوری تا جون ۲۰۰۳ء) میں تحریر کیے ہیں۔ ہم وہیں سے اپنے مطلب کا مواد اخذ کر کے قارئین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔

مولانا عبدالوہاب کے والد کا نام مولانا محمد جان تھا۔ ان کے خاندان کو ''اخوندبوا'' کہا جاتا ہے، جس کے معنی ہیں علم وامانت والے لوگ۔

عبدالوہاب ۱۹۴۴ء (۱۳۶۳ھ) میں بلتستان کے علاقہ براہ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد مولانا محمد جان باقاعدہ عالم دین تھے اور حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری کے شاگردوں اور عقیدت مندوں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کی طرف سے جن حضرات کو متحدہ ہندوستان کے مختلف علاقوں میں مبلغ مقرر کیا گیا تھا، ان میں مولانا محمد جان بھی شامل تھے اور کانفرنس کے دفتر سے انھیں آٹھ روپے ماہانہ تنخواہ دی جاتی تھی۔

عبدالوہاب ۱۹۵۵ء میں تحصیل علم کے لیے دارالعلوم غواڑی آئے۔ اس وقت ان کی عمر گیارہ برس کی تھی۔ ان کے گاؤں براہ سے انھیں ایک بزرگ مولوی اسماعیل صاحب غواڑی لے کر آئے تھے۔ معاشی اعتبار سے اس گھرانے کی حالت بے حد کم زور تھی۔ مولوی اسماعیل صاحب کے ساتھ جب عبدالوہاب کو غواڑی کے لیے روانہ کیا گیا تو گھر والوں نے زادِ راہ کے طور پر ایک تھیلے میں ان کے لیے تھوڑے سے خشک توت ڈال دیے تھے۔ راستے میں توت تھیلے سے گر جاتے تو عبدالوہاب وہاں بیٹھ کر رونے لگتے اور پھر مولوی اسماعیل توت زمین سے چن کر ان کے تھیلے میں ڈال دیتے۔ اس طرح آہستہ آہستہ انھیں وہ غواڑی لے آئے۔

غواڑی میں وہ مولوی اسماعیل کے گھر رہتے تھے۔ مولانا عبدالرحیم گیلتھاوی سے انھوں نے ناظرہ قرآنِ مجید پڑھا۔ اس کے بعد مولانا کریم بخش اور مولانا محمد یونس سے دارالعلوم کے نصاب

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کے مطابق درسی کتابیں پڑھنا شروع کیں۔ اس اثنا میں وہ بعض دیگر طلباء کی طرح لوگوں کی بھیڑ بکریاں بھی چراتے تھے، جس کا انھیں تھوڑا بہت معاوضہ ملتا تھا۔

۱۹۵۷ء میں وہ حصولِ علم کے لیے کراچی چلے گئے۔ بیٹے کو رخصت کرتے وقت ان کے والد مولانا محمد جان نے فرمایا کہ بیٹا تم علم پڑھنے کے لیے کراچی جارہے ہو، فارغ التحصیل ہونے سے پہلے بلتستان نہ آنا۔

عبدالوہاب نے باپ کے اس فرمان پر عمل کیا۔ کراچی جاتے وقت سکردو میں زادِ راہ ختم ہوا تو سکردو کے مضافات میں ایک مقام ''حوطو'' میں چالیس دن مزدوری کرتے رہے۔ جب دیکھا کہ کراچی تک پہنچنے کے لیے کچھ روپے کما لیے ہیں تو وہاں سے روانہ ہوئے اور کراچی جا پہنچے۔

عبدالوہاب کی تعلیم کا سلسلہ کچھ اس طرح چلا۔ ۱۹۶۱ء میں راولپنڈی کے مدرسہ تعلیم القرآن میں دورۂ ترجمہ وتفسیر مکمل کیا۔

۱۹۶۴ء میں دارالعلوم تعلیم الاسلام اوڈاں والا سے درسِ نظامی کی تکمیل کی۔ وہاں انھوں نے پیر محمد یعقوب قریشی، مولانا محمد یعقوب ملہوی، مولانا عبدالصمد رؤف اور مولانا عبدالرشید ہزاروی سے مختلف درسی کتابیں پڑھیں۔ ۱۹۶۵ء میں لاہور بورڈ میں فاضل عربی کا امتحان پاس کیا۔ اوڈاں والا کے دورانِ قیام میں انھیں اپنے والد مولانا محمد جان کی وفات کی اطلاع ملی۔

اوڈاں والا کا نصاب مکمل کرنے کے بعد ضلع فیصل آباد کی تحصیل تاندلیاں والا کے ایک گاؤں ''کٹو'' کے دینی مدرسے میں سلسلۂ تدریس کا آغاز کیا۔ کچھ عرصہ وہاں یہ خدمت سرانجام دی۔ پھر اپنے گاؤں واپس آ گئے۔ گاؤں سے غواڑی تشریف لائے اور موضع گیلتھا میں بیس روپے مشاہرے پر بچوں کو پڑھانے لگے۔ گیلتھا سے جامعہ علوم اثریہ جہلم کا قصد کیا۔ وہاں ایک سو روپے ماہانہ تنخواہ ملتی تھی۔ چار سال وہاں خدمت تدریس انجام دی۔ جہلم سے جامعہ سلفیہ (فیصل آباد) کی مجلس انتظامیہ کے اصرار پر وہاں تشریف لے گئے۔ جامعہ سلفیہ میں ان کی تنخواہ دو سو روپے ماہانہ مقرر ہوئی۔ نہایت محنت اور ذمہ داری سے فریضۂ تدریس انجام دیتے تھے۔ بلتستانی طلبا کا بالخصوص بہت خیال رکھتے تھے۔

جامعہ سلفیہ میں اس وقت جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کی طرف سے بھی چند استاذ طلبا کو پڑھانے پر مامور تھے، جنھیں مبعوث کیا جاتا ہے۔ انھوں نے تدریس کے بارے میں مولانا عبدالوہاب کی محنت اور ذمہ داری سے متاثر ہو کر ایک دن ان سے پوچھا کہ آپ کو جامعہ سلفیہ کی طرف سے کتنی تنخواہ دی جاتی ہے؟ انھوں نے جواب دیا: دو سو روپے۔ انھوں نے کہا: اس قلیل تنخواہ سے آپ کا گزارا ہو جاتا ہے؟ فرمایا: کام چل ہی رہا ہے۔ عرب اساتذہ نے ان سے کہا: آپ یہ دو سو روپے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

گھر بھیج دیا کریں اور کھانا ہمارے ساتھ کھایا کریں۔

اس کے بعد جامعہ سلفیہ کے ان عرب اساتذہ نے مولانا عبدالوہاب حنیف اور مولانا عبدالرحمٰن خلیق کے کاغذات مدینہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر شیخ عبدالعزیز بن باز کی خدمت میں پیش کیے تو انھوں نے دارالافتا سے سفارش کرکے ان دونوں کو بلتستان میں داعی اور مدرس مقرر کرا دیا اور دونوں نے یکم شوال ۱۳۹۴ھ (۱۲۔ اکتوبر ۱۹۷۴ء) کو دارالعلوم غواڑی میں بہ طور مدرس کام شروع کر دیا۔ ان کے یہاں آتے ہی دارالعلوم کے حالات بدل گئے۔ تدریس کی رفتار میں بھی تیزی آ گئی اور دارالعلوم میں متعدد نئے کمرے بھی تعمیر کیے گئے۔

۱۹۷۶ء میں مولانا عبدالوہاب حنیف نے حج بیت اللہ کیا اور ۱۹۷۸ء میں شیخ عبدالعزیز بن باز کی اجازت سے دارالعلوم غواڑی کی رفتارِ ترقی کو مزید آگے بڑھایا اور بلتستان کے دینی مدارس کو دارالعلوم کے وفاق کے تحت لایا گیا۔

مولانا عبدالوہاب حنیف نے دارالعلوم غواڑی میں بے حد محنت اور شوق سے تدریسی خدمات سرانجام دیں اور بے شمار طلبا نے ان سے کتاب وسنت کی تعلیم حاصل کی۔ ان کے شاگردوں کی وسیع فہرست میں مولانا عبدالرشید صدیقی، مولانا عبدالواحد، ڈاکٹر محمد علی جوہر، مولانا عبدالرحمٰن روزی، مولانا سلیم اللہ عبدالباقی اور دیگر بہت سے حضرات شامل ہیں، جو دارالعلوم غواڑی اور بلتستان کے دینی مدارس میں فرائض تدریس سرانجام دے رہے ہیں اور ان میں سے اکثر کی حیثیت استاذ الاساتذہ کی ہے۔

مولانا عبدالوہاب تدریس کے علاوہ بلتستان کے مختلف مقامات میں وعظ وتبلیغ کے لیے بھی تشریف لے جاتے اور انھیں مسائل دینیہ سے مطلع فرماتے۔ متعدد مقامات میں ان کی کوشش سے مسجدیں تعمیر کی گئیں جن میں باقاعدہ جمعہ وجماعت کا سلسلہ جاری ہے۔

ہمارے علمائے کرام کو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ درس وتدریس اور وعظ وتبلیغ کا فریضہ تو نہایت خوشی سے سرانجام دیتے ہیں، لیکن عوامی خدمت اور رفاہی کاموں میں بالعموم حصہ نہیں لیتے۔ اس کے برعکس مولانا عبدالوہاب کا معاملہ یہ تھا کہ وہ عوامی خدمت اور رفاہی کاموں میں ہمیشہ پیش پیش رہے۔ ان کی زندگی کا آغاز چوں کہ غربت کے ماحول میں ہوا تھا، اس لیے انھیں معاشرے کے اس گروہ کی ضرورتوں کا ہر وقت احساس رہتا اور وہ غریبوں، یتیموں، مسکینوں اور بیواؤں کا بے حد خیال رکھتے اور ان کی مالی امداد فرماتے۔

انتظامی امور سے بھی وہ دلچسپی رکھتے تھے اور اساتذہ وطلبا کے اس قسم کے معاملات کو خوب صورتی سے نمٹا دیتے تھے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

وہ ہر شخص سے حسن سلوک سے پیش آتے تھے۔ دل کے صاف اور زبان کے میٹھے تھے۔ صابر وقانع اور اعلیٰ اخلاق کے مالک۔

ان کا حلیہ یہ بیان کیا جاتا ہے: سڈول جسم۔ ہلکی داڑھی۔ قوی الجثہ۔ گول چہرہ اور چہرے پر چیچک کے داغ۔ سادہ لباس۔ تکلف اور تصنع سے پاک۔

وہ ۲۸۔ جون ۲۰۰۲ء کو سعودی عرب تشریف لے گئے تھے۔ ۱۳۔ اگست ۲۰۰۲ء کو ان کا واپسی کا پروگرام تھا۔ عصر کی نماز انھوں نے سعودی عرب کے دارالحکومت ریاض کی ایک مسجد میں پڑھی۔ نماز کے بعد سڑک پار کر رہے تھے کہ ایک تیز رفتار گاڑی کی زد میں آ کر وفات پا گئے۔ یہ ہفتے کا دن تھا اور عیسوی تاریخ تھی ۱۳۔ اگست ۲۰۰۲ء اور قمری تھی ۲۳۔ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۲ھ ..... ۱۴۔ اگست کو ان کی وفات کی خبر دارالعلوم غواڑی پہنچی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

ان کے پس ماندگان تھے ایک بیوہ، چھ بیٹے اور پانچ بیٹیاں۔ بیٹے ماشاء اللہ تعلیم یافتہ ہیں اور تدریسی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔

ان کی وفات علاقہ بلتستان بالخصوص دارالعلوم غواڑی کے لیے بہت بڑے المیہ کا باعث تھی۔

اللھم اغفرله وارحمه وعافه واعف عنه .



" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ڈاکٹر رضاء اللہ مبارک پوری

(وفات ۳۰ مارچ ۲۰۰۳ء)

ہندوستان کے صوبہ یوپی کے ضلع اعظم گڑھ کے قصبہ ''مبارک پور'' کو طویل مدت سے علم وعمل کے گہوارے کی حیثیت حاصل ہے۔ یہی وہ قصبہ ہے جہاں حضرت مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری پیدا ہوئے اور اپنی تصنیفی وتدریسی سرگرمیوں کی بنا پر انھوں نے پوری اسلامی دنیا میں شہرت پائی۔ [1] انہی کے اخلاف میں ایک عالم باعمل ڈاکٹر رضاء اللہ مبارک پوری نے جنم لیا، جنھوں نے نہایت اہم علمی کارنامے سرانجام دیے اور ان کارناموں کی وجہ سے برصغیر کی دینی تاریخ نے ہمیشہ کے لیے ان کا نام اپنے سینے میں محفوظ کرلیا۔

ڈاکٹر رضاء اللہ کے والد گرامی حاجی محمد ادریس جراح تھے۔ وہ فن طب کے شعبۂ جراحی میں مہارت رکھتے تھے، اس لیے انھیں جراح کہا جاتا تھا اور ان کا یہ پیشہ ان کے نام کا جز بن گیا تھا۔ وہ باقاعدہ عالم تو نہ تھے لیکن عابد وزاہد اور تہجد گزار تھے۔ ۱۹۰۷ء کے پس وپیش پیدا ہوئے اور ۱۵۔ جولائی ۱۹۸۰ء کو وفات پائی۔

حاجی محمد ادریس جراح کی نرینہ اولاد پانچ بیٹے تھے، جن کے علی الترتیب نام یہ ہیں: ① عبدالقوی، ② ڈاکٹر محمد تقی اعظمی، ③ ڈاکٹر احمد اللہ، ④ ڈاکٹر رضاء اللہ سلفی مدنی اور ⑤ ضیاء اللہ۔ ان سطور میں اپنی معلومات کے مطابق قارئین سے حاجی محمد ادریس جراح کے چوتھے فرزند ڈاکٹر رضاء اللہ کا تعارف کرانا مقصود ہے۔

حاجی محمد ادریس جراح، حکیم محمد شفیع کے بیٹے تھے اور حکیم محمد شفیع، حضرت مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری کے چھوٹے بھائی تھے۔ اس طرح ڈاکٹر رضاء اللہ صاحب، مولانا مبارک پوری رحمہ اللہ کے پوتے ہوئے۔ ان کا نسب نامہ جو معلوم ہوسکا، یہ ہے: رضاء اللہ بن حاجی محمد ادریس بن حکیم محمد شفیع بن حافظ حکیم عبدالرحیم بن شیخ بہادر۔

ڈاکٹر رضاء اللہ ایک روایت کے مطابق ۳۰۔ دسمبر ۱۹۵۴ء کو پیدا ہوئے اور ایک اور روایت کی

---

[1] مولانا مبارک پوری کے حالات کے لیے ملاحظہ ہو راقم کی کتاب ''دبستانِ حدیث'' شائع کردہ مکتبہ قدوسیہ اردو بازار۔ لاہور

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

رو سے جسے صحیح روایت کہا جاتا ہے، ان کا سالِ ولادت ۱۹۵۲ء ہے۔

ابتدائی تعلیم اپنے گھر اور آبائی مدرسہ عربیہ دارالتعلیم مبارک پور میں حاصل کی۔ اس کے بعد جامعہ رحمانیہ بنارس میں داخلہ لیا اور یہاں کے ''شعبۂ مولوی'' میں چار سال تعلیم پاتے رہے۔ جامعہ رحمانیہ میں جن اساتذہ سے استفادہ کیا وہ تھے مولانا عزیز احمد ندوی، مولانا عبدالسلام گونڈوی، مولانا قرۃ العین، مولانا عبدالسلام طیبی، ماسٹر عبدالحمید اور ماسٹر فیروز الدین۔

بعد ازاں ۱۹۷۰ء میں جامعہ سلفیہ (بنارس) کے شعبۂ عالمیت میں داخل ہوئے اور ۱۹۷۴ء میں عالمیت کی سند لی۔ عربی کی پہلی جماعت سے لے کر آٹھویں جماعت تک جامعہ سلفیہ (بنارس) میں جن اساتذہ سے حصولِ فیض کیا، وہ تھے مولانا عبدالمعید بنارسی، مولانا عبدالوحید رحمانی، مولانا محمد ادریس آزاد رحمانی، مولانا شمس الحق سلفی، مولانا محمد عابد رحمانی، ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری، مولانا محمد رئیس ندوی، ماسٹر شمس الدین وغیرہ۔

ڈاکٹر رضاء اللہ کو جامعہ سلفیہ کے فضیلت کورس میں داخل ہوئے تھوڑا عرصہ ہوا تھا کہ وہاں ڈاکٹر تقی الدین ہلالی مراکشی تشریف لائے۔ وہ حضرت مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری کے شاگرد تھے اور مبارک پور میں رہے تھے، اس لیے اس خاندان کے لوگوں کا بے حد احترام کرتے تھے۔ ڈاکٹر ہلالی نے ڈاکٹر رضاء اللہ کو مراکش آنے کی دعوت دی، چناں چہ وہ وہاں گئے اور تقریباً دو سال ان کے پاس رہے۔ سفر وحضر میں ان کا تعلق ڈاکٹر ہلالی سے رہا۔ اس اثنا میں انھوں نے عربی زبان وادب کی باریکیوں کو سمجھنے کی کوشش کی اور اس پر عبور حاصل کیا۔ زبان کے علاوہ ان کا قلم بھی اس زبان سے آشنا ہوا اور ان کی عربی تحریر وتقریر میں پختگی آئی۔ نیز عقیدہ وعمل کے سلسلے میں کتاب وسنت سے تعلق کی راہیں اور مضبوط ہوئیں۔ پڑھنے میں تیز تھے اور ذہن رسا پایا تھا۔ صالحیت کے جوہر سے بھی بارگاہِ الٰہی سے نوازے گئے تھے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حصولِ علم کے میدان میں روز بروز آگے بڑھتے گئے اور اللہ نے کامیابی عطا فرمائی۔

پھر ایک وقت آیا کہ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں داخل ہوگئے۔ وہاں کے اہل علم کی صحبت میسر آئی اور مختلف ملکوں کے اساتذہ سے اخذ فیض کے مواقع ملے۔ وہاں ان کی صلاحیتوں کو مزید جلا ملی اور عمل وفکر میں نکھار پیدا ہوا۔ ۸۰۔ ۱۹۷۹ء میں کلیۃ الحدیث کی ڈگری لیانس (بی اے) ممتاز پوزیشن میں حاصل کی۔

اس کے بعد ۱۹۸۵ء میں ماجستیر (ایم اے) اعلیٰ درجے میں پاس کیا۔

۱۹۸۹ء میں پی، ایچ، ڈی کی ڈگری بہترین پوزیشن میں حاصل کی۔ ان کے پی، ایچ، ڈی کے مقالے کا موضوع تھا ''تحقیق ودراسۃ السنن الواردۃ فی الفتن لابی عمرو الدانی'' (متوفی ۴۴۴ھ) اپنے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

موضوع کے اعتبار سے اس کتاب کا شمار قدیم مراجع ومصادر میں کیا جاتا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ نعیم بن حماد کی ''کتاب الفتن'' کے علاوہ اہل علم کو اس موضوع کی کسی اور کتاب کا پتا نہیں چل سکا۔ کتاب کے موضوع کا تعلق اسلام کے بنیادی عقائد سے ہے۔ یعنی ایمان بالآخرت، علاماتِ قیامت، حشر ونشر کے احوال جیسے اہم اصولوں پر سند کے ساتھ کتاب میں نبی ﷺ کی احادیث جمع کی گئی ہیں۔

ڈاکٹر رضاء اللہ نے اس کتاب کو پی، ایچ، ڈی کے لیے کیوں منتخب کیا؟ اس کی وضاحت کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

①..... یہ کتاب اس زمانے میں لکھی گئی، جسے علوم دینیہ بالخصوص علومِ حدیث کے لیے دورِ زریں (عصر ذہبی) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

②..... کتاب قدیم محدثین کے طرز پر لکھی گئی ہے۔ مؤلف کتاب نے موضوع سے متعلق تمام احادیث وآثار کو اپنی سند سے بیان کیا ہے۔

③..... اس موضوع کی تمام قدیم کتابیں مفقود یا معدوم ہیں۔ صرف نعیم بن حماد کی ''کتاب الفتن'' موجود ہے۔

④..... امام ذہبی نے اس کتاب کی تعریف کرتے ہوئے مؤلف کتاب کے تبحر علمی کا اعتراف کیا ہے۔

⑤..... مؤلف کتاب صحیح العقیدہ اور سلیم المنہج ہیں۔ ❶

جامعہ اسلامیہ (مدینہ منورہ) سے فراغت پانے اور پی، ایچ، ڈی کرنے کے بعد بہ حیثیت استاد ان کا تقرر جامعہ سلفیہ (بنارس) میں ہوا۔ یہاں آ کر انھوں نے بہت کام کیا۔ تدریسی بھی اور تحریری بھی۔ یہ بارہ تیرہ سال کا عرصہ بنتا ہے۔ اس عرصے میں وہ حسب ذیل مناصب پر فائز ہوئے۔

⊙..... جامعہ اسلامیہ (مدینہ منورہ) کے فارغین کے پروگرام میں انھوں نے نیپال اور ہندوستان کے فضلاء کے نمائندے کی حیثیت سے شرکت کی اور مقالے پڑھے، جس سے جامعہ اسلامیہ (مدینہ منورہ) کے اربابِ انتظام اور حکومت سعودیہ کے معزز ارکان نہایت متاثر ہوئے۔

⊙..... رابطہ عالم اسلامی (مکہ مکرمہ) کی تنظیم مجمع الفقہ الاسلامی کے رکن بنائے گئے اور اس کے اجلاس میں مقالے پیش کیے اور ارکانِ تنظیم کو صحیح مشورے دیے۔

---

❶ تفصیل کے لیے دیکھئے ماہنامہ ''محدث'' (بنارس) کا ڈاکٹر رضاء اللہ نمبر۔ جون ..... دسمبر ۲۰۰۳ء، ص: ۱۰۹ تا ۱۱۱ مضمون ''قصبہ مبارک پور کا ایک علمی خانوادہ'' (از مولانا عزیز الرحمٰن سلفی استاذ جامعہ سلفیہ بنارس)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

⊙..... سفارت خانہ مملکت سعودیہ عربیہ دہلی نے نیپال اور ہندوستان کے سعودی جامعات سے فارغ ہونے والے حضرات کی ایک جمعیت قائم کی، جس کے صدر ڈاکٹر رضاء اللہ کو بنایا گیا۔ مختلف اوقات میں ان کے زیر صدارت متعدد مقامات پر اس جمعیت کے اجلاس منعقد کیے گئے اور ڈاکٹر صاحب نے ان حضرات کی رہنمائی فرمائی۔

⊙..... جمعیت احیاء التراث الاسلامی کویت کے وہ معتمد خاص تھے۔ رمضان المبارک کی تعطیلات میں وہاں کے تبلیغی اجلاسوں میں ان کی تقریروں کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ اس تنظیم کی طرف سے امریکا میں منعقد ہونے والی کانفرنسوں میں بھی انھوں نے شرکت کی۔ ان کانفرنسوں میں انھوں نے مقالے بھی پڑھے اور تقریریں بھی کیں۔

⊙..... مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے وہ نائب صدر منتخب کیے گئے۔

⊙..... جامعہ سلفیہ (بنارس) کے شیخ الجامعہ بنائے گئے۔ [1]

جامعہ اسلامیہ (مدینہ منورہ) کے زمانۂ طالب علمی اور جامعہ سلفیہ (بنارس) کے عہد تدریس میں ڈاکٹر رضاء اللہ نے عربی اور اردو میں جو تحریری اور تصنیفی خدمات سرانجام دیں، ان میں بعض مندرجہ ذیل ہیں۔

①..... تحقیق وتعلیق علی کتاب الرد علی من یقول القرآن مخلوق لابی بکر النجاد (عربی) مطبوعہ کویت۔

②..... تحقیق وتعلیق کتاب العظمۃ لابی الشیخ الاصفہانی (متوفی ۳۷۴ھ) ۵ جلدیں۔ (عربی) مطبوعہ ریاض (سعودی عرب)

③..... تحقیق وتعلیق علی السنن الواردۃ فی الفتن واشراط الساعۃ لابی عمرو الدانی (متوفی ۴۴۴ھ) ۳ جلدیں۔ (عربی) مطبوعہ ریاض

④..... تحقیق وتعلیق کتاب الاہوال لابن ابی الدنیا۔ (عربی) مطبوعہ بمبئی

⑤..... ایمان بالیوم الآخر (اردو) مطبوعہ دہلی

⑥..... تذکرۃ فی الحدیث النبوی مع ترجمہ اردو مطبوعہ (مرکزی جمعیۃ اہل حدیث) دہلی

⑦..... سلفیت کا تعارف: اردو۔ مطبوعہ

⑧..... بئس ما فعل اخو العشیرۃ (عربی)

⑨..... موجودہ حکومتوں کے پارلیمانی انتخاب میں حصہ (ترجمہ اردو)

⑩..... مومنہ عورتوں کے لیے تنبیہ۔ (ترجمہ اردو)

---

[1] ماہنامہ محدث (بنارس) خاص نمبر۔ ص: ۹۷، ۹۸

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

⑪..... کتاب الجنائز: (حضرت مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری کی اردو کتاب کا عربی ترجمہ)

⑫..... شیخ محمد بن عبدالوہاب کے بارے میں دو متضاد نظریے۔ (از شیخ محفوظ الرحمٰن فیضی) (عربی ترجمہ) ❶

ان تصانیف وتراجم کے علاوہ ڈاکٹر رضاء اللہ مبارک پوری کے بہت سے مقالات ومضامین اردو اور عربی رسائل وجرائد میں شائع ہوئے۔ اردو رسائل میں ترجمان (دہلی) اشاعۃ السنہ (دہلی) اور محدث (بنارس) شامل ہیں۔ عربی رسائل میں بنارس کا ''صوت الامۃ'' خاص طور سے قابل ذکر ہے، جس میں ان کے رشحات قلم کی اشاعت ہوئی۔ ''صوت الامہ'' میں ان کا ایک عربی مضمون قسط وار شائع ہورہا تھا، جس میں انھوں نے یہ وضاحت کی تھی کہ ہندوستان اور نیپال کے جن حضرات نے سعودی عرب کی جامعات میں تعلیم حاصل کی وہ کہاں کہاں علمی اور تدریسی خدمات سرانجام دے رہے ہیں اور کس قدر محنت اور ہمہ جہتی سے ان کا سلسلۂ خدمت دین جاری ہے۔

فضل وکمال کی فراوانی کے باوصف ڈاکٹر رضاء اللہ مبارک پوری نہایت نرم خو، حد درجہ متواضع، منکسر المزاج اور سادہ طبیعت تھے۔ اپنے اسلاف کا صحیح ترین نمونہ۔

مسلک اہل حدیث کی اشاعت وترویج میں منہمک اور اس کے دفاع کے لیے ہر وقت آمادہ وتیار۔

سلفیت سے متعلق اپنی ایک کتاب میں انھوں نے سلفیت کا جامع الفاظ میں تعارف کرایا ہے۔ ماہرین لغت اور ائمۂ دین کے اقوال کی روشنی میں اس کے مفہوم کی وضاحت اور سلف کے منہج کی تشریح کی ہے۔ نیز بتایا ہے کہ تاریخ کے مختلف ادوار میں ان لوگوں کو محمدی، اہل حدیث، اہل اثر، موحد اور سلفی وغیرہ ناموں سے پکارا گیا۔ یہ بحث انھوں نے مستند ومعتبر حوالوں سے کی ہے۔ ❷

جامعہ سلفیہ (بنارس) کے ایک استاذ مولانا محمد یحییٰ فیضی لکھتے ہیں:

''(ڈاکٹر رضاء اللہ) شیخ الجامعہ ہونے کے باوجود اتنے متواضع وخاک سار تھے کہ جب طلبا کے کمروں میں جاتے تو باہر پڑے ہوئے روٹی کے ٹکڑوں کو چن چن کر برتن میں رکھتے اور کہتے کہ یہ اللہ کی نعمت ہے۔ آپ لوگوں کو کھانے پینے کی اتنی فراوانی ہے جب کہ فلسطین وافغانستان اور گجرات میں لوگ نانِ شبینہ کے محتاج ہیں۔ اگر کبھی کوئی طالب علم پانی کی ٹونٹی کھلی چھوڑ دیتا تو اسے اپنے ہاتھ سے بند کرتے اور اللہ کی ایک ایک

---

❶ ماہنامہ ''محدث'' ص: ۹۸

❷ ملاحظہ ہو ''محدث'' (بنارس) کا خاص نمبر ص: ۱۳۵۔ مضمون مولانا عبدالمنان سلفی۔ بہ عنوان ''ڈاکٹر رضاء اللہ مبارک پوری اور سلفیت کا دفاع۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

نعمت یاد دلاتے، سمجھاتے، تنبیہ کرتے اور کفرانِ نعمت پر اللہ تعالیٰ کی وعید یاد دلاتے ہوئے یہ آیت کریمہ تلاوت فرماتے لئن شکرتم لازیدنکم ولئن کفرتم ان عذابی لشدید (اگر تم ہماری نعمتوں کا شکر ادا کرو گے تو میں تمھیں اور زیادہ دوں گا اور اگر تم ناشکری کرو گے تو جان لو کہ میرا عذاب بہت سخت ہے۔'' ❶

یہ طلبا کی تربیت کے لیے ان کا ایک انداز تھا اور اس کے لیے وہ ہر وقت کوشاں رہتے تھے۔

جامعہ سلفیہ کے استاذ مولانا عبدالمتین مدنی تحریر فرماتے ہیں:

شہر بنارس کی اہل حدیث مساجد میں جامعہ سلفیہ کے اساتذہ اور فارغین خطبۂ جمعہ دیا کرتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم بھی بہت پابندی کے ساتھ مختلف مساجد مثلاً مسجد سلفیہ، مسجد حافظ ظہور ریوڑی تالاب، مسجد اشفاق نگر، مسجد نیمیاں، مسجد فاطماں روڈ، مسجد باگر ہلی میں حسب موقع خطبہ دیا کرتے تھے۔ اصلاح عقیدہ، دعوت الی اللہ، اسلامی اخوت، حقوق الوالدین، قبولیت دعا کے شرائط، رزق حلال کی اہمیت، اصلاح معاشرہ وغیرہ عنوانات پر وہ خطبہ دیتے، جس میں آیات واحادیث بیان فرماتے اور آثارِ صحابہ وتابعین اور سلف صالحین کے واقعات سناتے۔ ان کا خطبہ بڑا مؤثر اور مربوط ہوتا تھا۔ عوام وخواص توجہ سے ان کی باتیں سنتے اور پسند کرتے۔

مولانا عبدالمتین مدنی مزید فرماتے ہیں:

شہر بنارس جلسے جلوس کا شہر ہے۔ یہاں چھوٹے بڑے جلسوں کا سلسلہ پورے سال چلتا ہے۔ مدارس وجامعات کے اصحاب اہتمام بھی مختلف تعلیمی مناسبات سے جلسے منعقد کرتے ہیں اور مقامی سطح پر کام کرنے والی تنظیمیں بھی اس میں پیش پیش رہتی ہیں۔ اتحاد ابناء السلفیہ بنارس وہاں کے سلفی نوجوانوں کی فعال تنظیم ہے۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم اس کے سرپرست تھے۔ اسی طرح جمعیت شبان المسلمین بھی نوجوانوں کی ایک تنظیم ہے۔ ان کے جلسے شہر بنارس میں بھی ہوتے ہیں اور مضافاتِ بنارس میں بھی۔ ڈاکٹر صاحب ان جلسوں میں شامل ہوتے، ان کی صدارت فرماتے اور تقریریں کرتے تھے۔ ❷

یہ ایک بہت بڑا المیہ ہے کہ نہ ہم ہندوستان کے اہل علم کی تصنیفات سے مستفید ہوسکتے ہیں اور نہ انھیں آسانی سے پاکستانی مصنفین کی تصنیفی کاوشوں سے آگاہی حاصل ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نہ میں نے ڈاکٹر صاحب کو دیکھا ہے اور نہ ان کی زیادہ عربی یا اردو تحریریں پڑھنے کو میسر آئی

---

❶ ''محدث'' خاص نمبر، ص:۱۳۸ (مضمون ''ڈاکٹر رضاء اللہ بحیثیت شیخ الجامعہ'')

❷ محدث خاص نمبر۔ مضمون ''ڈاکٹر رضاء اللہ مبارک پوری اور بنارس کی دعوتی سرگرمیاں۔'' ص:۱۴۰

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

ہیں۔ ماہنامہ ''محدث'' کے خصوصی شمارے میں مولانا محمد فاروق اعظمی کا ایک مضمون ''ڈاکٹر رضاء اللہ مرحوم اپنی تحریر کے آئینے میں'' کے عنوان سے شائع ہوا ہے، اس میں فاضل مضمون نگار رقم طراز ہیں:

ڈاکٹر رضاء اللہ مرحوم کی تحریروں میں طنز ومزاح کا بڑا حسین امتزاج پایا جاتا ہے۔ ان کے طنز میں شوخی بھی ہے اور سنجیدگی بھی ہے۔ مفکرانہ بصیرت بھی ہے اور گہری تنقید بھی ہے۔ ان کا مقصد مخاطب کی تحقیر وتذلیل نہیں بلکہ اس کی اصلاح ہے۔ اس کو آئینہ دکھانا ہے، جس میں وہ اپنے ان عیوب کو خود دیکھ لے جن کو بنیاد بنا کر وہ دوسروں کو اپنی تنقید کا ہدف بناتا ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ ڈاکٹر رضاء اللہ بنیادی طور پر ایک طنز نگار یا مزاح نگار ادیب ہیں بلکہ سچ یہ ہے کہ وہ محقق، دانش ور اور متبحر عالم دین ہیں۔ ان کی تحریریں سنجیدگی اور متانت سے ایک لمحہ کے لیے بھی دامن کش نہیں ہوتیں۔ ان کے طرز تحریر میں ہر جگہ ان کا عالمانہ وقار قائم ہے۔ تاہم قدرت نے ان کے قلم کو طنز ومزاح کا ایک فطری ذوق عطا کیا ہے، جس کے استعمال کا ہنر بھی وہ خوب جانتے ہیں۔ ان کی طنز نگاری میں ان کی فکری گہرائی، ان کے علم کی وسعت، ان کی طبیعت کی سلامت روی، ان کے مزاج کی شگفتگی، ان کی زبان کی شیرینی اور لہجے کی لطافت وغیرہ سب چیزیں بہ یک وقت محسوس کی جاسکتی ہیں۔ ❶

مولانا خورشید احمد سلفی اپنے مضمون ''ڈاکٹر رضاء اللہ مبارک پوری کا اسلوب نگارش'' میں لکھتے ہیں:

ڈاکٹر صاحب نے تصنیف وتالیف، بحث وتحقیق اور رد وابطال کے تعلق سے اپنی بہت سی تحریریں بہ طور یادگار اپنے پیچھے چھوڑی ہیں، جن کے مطالعہ سے قلم پر ان کی مضبوط گرفت، موضوع کی وضاحت، زورِ تحریر، قوتِ انشا پردازی اور مسکت ومدلل انداز کا پتا چلتا ہے کہ ان کا قلم کیسا معجز رقم تھا ..... الفاظ میں وقار، حریف کے ساتھ خیر خواہی، قارئین کو نصیحت اور شستہ وشگفتہ عبارت، مخاطب کی عزت ومرتبت کا لحاظ۔ یہ اوصاف ہیں موصوف کے طرزِ نگارش کے۔ ❷

ماہنامہ ''محدث'' کے اس خاص نمبر میں ہمارے دوست مولانا عارف جاوید محمدی (جمعیت احیاء التراث الاسلامی کویت) کا مضمون بھی ''آہ! رضاء اللہ بھائی رحمہ اللہ'' کے عنوان سے شائع ہوا ہے، جس میں انھوں نے ڈاکٹر صاحب کا حلیہ بیان کیا ہے، لکھتے ہیں:

---

❶ محدث خصوصی شمارہ، ص: ۱۵۰

❷ ایضاً، ص: ۱۰۷

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

۱۹۸۷ء میں اللہ تعالیٰ نے مجھے حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کرنے کا موقع فراہم کیا۔ اس مبارک سفر میں رضاء اللہ بھائی سے بھی ملاقات ہوئی۔ خوب صورت نقوش، گندمی رنگ، معتدل قامت، کشادہ پیشانی، چہرے پر عالمانہ وقار، طبیعت میں متانت و سنجیدگی لیے ہوئے خوب صورت سلفی نوجوان میرے سامنے تھا۔ وہ مجھ سے اس طرح پیشانی اور تپاک سے ملے جیسے کہ ہم پہلے سے متعارف ہیں۔ ان کا یہ انداز میرے دل کا مکین بن گیا۔ وہ مجھے اپنے گھر لے گئے۔ ہماری تواضع کی۔ اس سفر میں میری والدہ مرحومہ بھی ساتھ تھیں۔ مدینہ منورہ میں قیام کے دوران وہ اکثر ہمیں ملتے رہے۔ والدہ مرحومہ ان کے مؤدبانہ طرزِ عمل اور حسن اخلاق سے اس قدر متاثر ہوئیں کہ انھیں اکثر یاد کرتی اور ان کے لیے دعا گو رہا کرتی تھیں۔ ❶

مولانا عارف جاوید محمدی صاحب بیان کرتے ہیں کہ اس پہلی ملاقات کے بعد رضاء اللہ بھائی سے ان کا مستقل رابطہ رہا اور معاملہ یہاں تک پہنچا کہ گویا ہم دونوں ایک ہی خاندان کے افراد ہیں۔ جب انھوں نے پی، ایچ، ڈی کی ڈگری حاصل کی تو مدینہ یونیورسٹی کی طرف سے انھیں ''الجامعۃ الاسلامیہ العالمیہ'' (انٹرنیشنل اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد) میں تقرری کی پیش کش ہوئی۔ عارف صاحب کو قدرتی طور پر اپنے ملک میں اپنے دوست کی تقرری سے بے حد مسرت ہوئی اور انھیں یہاں ہر قسم کے تعاون کی یقین دہانی کرائی، لیکن انھوں نے اپنے ملک ہندوستان میں رہنا پسند کیا اور اپنے دورِ طالب علمی کے اوّلیں مرکز جامعہ سلفیہ (بنارس) میں تدریسی خدمات انجام دینے کو ترجیح دی اور پھر زندگی کے آخری دم تک وہیں رہے۔

ڈاکٹر رضاء اللہ مبارک پوری موجودہ دور کے مشہور مدرس تھے۔ تفسیر، حدیث، عربی ادب، صرف ونحو وغیرہ تمام علوم میں عبور حاصل تھا اور نہایت محنت اور دلچسپی سے تعلیم دیتے تھے۔ کامیاب مدرس کے علاوہ تصنیف وتالیف اور تقریر وخطابت میں بھی خاص شہرت رکھتے تھے۔ تبلیغ دین میں ہر وقت کوشاں رہتے اور اسی راہ پر چلتے ہوئے اللہ کے دربار میں پہنچ گئے .....!

۳۰ مارچ ۲۰۰۳ء کو بمبئی میں رحمت کانفرنس منعقد ہوئی، جس میں انھوں نے قضا وقدر کے موضوع پر تقریر کی۔ تقریر کے تھوڑی دیر بعد دل کا دورہ پڑا اور انھیں بمبئی کے فوزیہ ہسپتال لے جایا گیا اور وہیں انتقال کر گئے۔ تجہیز وتکفین کے بعد بمبئی میں کانفرنس کے پنڈال میں ان کا جنازہ ڈاکٹر فضل الرحمٰن سلفی مدنی نے پڑھایا، جس میں پچاس ہزار سے زائد افراد نے شرکت کی۔ بعد ازاں

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

بذریعہ طیارہ ان کی میت ان کے آبائی وطن مبارک پور لائی گئی۔ وہاں ۳۱۔ مارچ کو نماز مغرب کے بعد نمازِ جنازہ مولانا عبداللہ سعود سلفی (ناظم جامعہ سلفیہ بنارس) نے پڑھائی، جس میں مبارک پور، اس کے قرب وجوار اور دور دراز کے بے شمار لوگوں نے شرکت کی۔ اس عالی قدر عالم وفاضل کو مبارک پور کے قبرستان میں دفن کردیا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ تین شادیاں کیں لیکن اولاد نہیں ہوئی۔

اللھم اکرم نزلہ ووسع مدخلہ وادخلہ جنت الفردوس .



" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری

(وفات یکم دسمبر ۲۰۰۶ء)

خانوادۂ مبارک پور کے اصحابِ فضل سے ہر وہ شخص واقفیت رکھتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے علم وعمل کی دولت سے کچھ حصہ عطا فرمایا ہے۔ اس خانوادۂ ذی قدر کے رکن اعلیٰ حضرت مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری کا تذکرہ ''دبستانِ حدیث'' میں کیا گیا ہے اور مولانا عبدالسلام مبارک پوری، مولانا عبید اللہ رحمانی اور ڈاکٹر رضاء اللہ مبارک پوری کے کوائف حیات زیر مطالعہ کتاب ''گلستانِ حدیث'' کے مختلف مقامات میں بیان کیے گئے ہیں۔ ان سطور میں اسی خاندان کے معروف سیرت نگار مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری کے وہ حالات ضبط تحریر میں لانا مقصود ہے جو اس فقیر کے محدود علم میں آئے۔

مولانا ممدوح کا سلسلۂ نسب جو انھوں نے خود اپنی عظیم تصنیف ''الرحیق المختوم'' کے شروع میں بیان کیا، یہ ہے: صفی الرحمٰن بن عبداللہ بن محمد اکبر بن محمد علی بن عبدالمومن بن فقیر اللہ مبارک پوری اعظمی۔

مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری کی سند پر بقول ان کے تاریخ پیدائش ۶۔ جون ۱۹۴۳ء مرقوم ہے۔ لیکن ان کی اپنی تحقیق یہ ہے کہ وہ اس سے ایک سال قبل ۱۹۴۲ء کے وسط میں پیدا ہوئے۔ مقام پیدائش ایک چھوٹی سی بستی حسین پور ہے جو مبارک پور کے شمال میں ایک میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ مبارک پور، صوبہ یوپی کے ضلع اعظم گڑھ کا ایک مشہور علمی اور صنعتی قصبہ ہے۔

مولانا ممدوح نے کچھ ہوش سنبھالا تو حصولِ علم کی راہ پر گامزن ہوئے۔ قرآنِ مجید کا کچھ حصہ اپنے دادا اور کچھ حصہ اپنے چچا سے پڑھا۔ ۱۹۴۸ء میں مبارک پور کے مدرسہ دارالتعلیم میں داخل ہوئے۔ وہاں چھ سال میں پرائمری درجات اور مڈل کے نصاب کی تعلیم مکمل کی۔ فارسی کی ابتدائی کتابیں بھی وہیں پڑھیں۔ چودہ سال کی عمر کو پہنچے تو جون ۱۹۵۴ء میں مبارک پور کے مدرسہ احیاء العلوم میں داخلہ لیا۔ اس مدرسے میں عربی زبان وقواعد، صرف ونحو اور بعض مروّجہ فنون کی تعلیم حاصل کرنا شروع کی۔ دو سال بعد ۱۹۵۶ء میں مدرسہ فیض عام مئو ناتھ بھنجن پہنچے جو ان کے قصبہ مبارک پور سے ۳۵ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس مدرسے کو اس علاقے میں دینیات کی اہم درس گاہ سمجھا جاتا ہے۔

مئو ناتھ بھنجن کے مدرسہ فیض عام میں وہ پانچ سال حصولِ علم میں مصروف رہے۔ اس اثنا میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

انھوں نے عربی زبان وقواعد اور علومِ شرعیہ یعنی تفسیر، حدیث، اصولِ حدیث، فقہ اور اصولِ فقہ وغیرہ کی تمام نصابی کتابیں پڑھیں۔ اس طرح جنوری ۱۹۶۱ء میں ان کی تعلیم مکمل ہوگئی اور انھوں نے سند تکمیل (شہادۃ التخرج) حاصل کرلی۔ یہ فضیلت فی الشریعہ اور فضیلت فی العلوم کی سند ہے، جس کی رو سے انھیں تدریس اور فتویٰ نویسی کی اجازت حاصل ہوگئی۔ اس وقت مئو ناتھ بھنجن کے مدرسہ فیض عام کے شیخ الحدیث حضرت مولانا شمس الحق سلفی مرحوم ومغفور تھے، مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری نے ان سے صحیح بخاری اور بہت سی دیگر درسی کتابیں پڑھیں۔ ❶

مولانا صفی الرحمٰن نے انیس برس کی عمر میں یہ تعلیم مکمل کی اور مدارس کے ہر امتحان میں امتیازی نمبروں سے کامیاب ہوتے رہے۔

دورانِ تعلیم ہی میں انھوں نے الٰہ آباد بورڈ کے امتحانات میں شرکت کی۔ چناں چہ فروری ۱۹۵۹ء میں مولوی اور فروری ۱۹۶۰ء میں مولوی عالم کے امتحانات دیے اور دونوں میں فرسٹ ڈویژن حاصل کی۔ پھر طویل عرصے کے بعد نئے حالات کے پیش نظر فروری ۱۹۷۶ء میں فاضل ادب اور فروری ۱۹۸۷ء میں فاضل دینیات کا امتحان دیا اور دونوں امتحانوں میں فرسٹ ڈویژن میں کامیاب ہوئے۔

اب ان کے سلسلۂ تدریس کی طرف آیے۔ ۱۹۶۱ء میں مدرسہ فیض عام (مئو ناتھ بھنجن) سے فراغت کے بعد ضلع الٰہ آباد اور پھر شہر ناگ پور میں درس وتدریس اور تقریر وخطابت کا سلسلہ شروع کیا۔ اس سے دو سال بعد مارچ ۱۹۶۳ء میں اپنی مادرِ علمی مدرسہ فیض عام (مئو) کے ناظم اعلیٰ نے اس مدرسے میں خدمت تدریس انجام دینے کی دعوت دی۔ وہاں صرف دو سال گزارے، پھر حالات ایسے پیدا ہوئے کہ وہاں سے علیحدگی اختیار کرلی۔ ۱۹۶۵ء کا سال ''جامعۃ الرشاد'' اعظم گڑھ میں گزرا۔ فروری ۱۹۶۶ء میں مدرسہ دارالحدیث (مئو) کی طرف سے دعوت آئی اور وہاں مدرس مقرر کرلیے گئے۔ تین سال وہاں رہے۔

جنوری ۱۹۶۹ء میں صدر مدرس کی حیثیت سے مدرسہ فیض العلوم سیونی چلے گئے۔ سیونی، مئو ناتھ بھنجن سے سات سو کلومیٹر دور مدھیہ پردیش میں واقع ہے۔ وہاں چار سال خدمت تدریس سرانجام دی۔ وہاں خطابت جمعہ کی ذمہ داری بھی انہی کے سپرد تھی۔

---

❶ مولانا شمس الحق سلفی کے حالات کے لیے ملاحظہ ہو راقم کی کتاب ''قافلہ حدیث'' (ص:۲۱۶ تا ۲۲۶) شائع کردہ مکتبہ قدوسیہ اردو بازار۔ لاہور۔ مولانا ممدوح ہمارے دوست مولانا محمد عزیر شمس کے والد محترم تھے۔ ان کے حالات بھی ''قافلہ حدیث'' میں مرقوم ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مدرسہ دارالتعلیم مبارک پور ان کی اوّلیں درس گاہ ہے۔ اس کے اصحابِ انتظام کے اصرار پر ۱۹۷۲ء میں وہاں فریضۂ تدریس انجام دینے لگے۔ دو سال یہاں قیام رہا۔ اکتوبر ۱۹۷۴ء میں جامعہ سلفیہ بنارس چلے گئے۔ وہاں مسلسل چودہ سال درس وتدریس اور تصنیف وتالیف میں مصروف رہے۔ بنارس سے ماہنامہ ''محدث'' فروری ۱۹۸۲ء میں جاری ہوا تھا۔ اس کی ابتدائی اشاعت سے لے کر جولائی ۱۹۸۸ء تک چھ سال اس کے ایڈیٹر رہے۔ اگست ۱۹۸۸ء میں مدینہ یونیورسٹی کی دعوت پر وہاں کے شعبہ خدمۃ السنہ والسیرۃ سے وابستہ ہوگئے۔ دسمبر ۱۹۹۷ء تک وہاں قیام رہا۔ اس اثنا میں انھوں نے اس شعبے میں مندرجہ ذیل خدمات سرانجام دیں۔ پہلے عربی تصانیف کا ذکر کرتے ہیں۔

⊙..... سیرت پر جو حضرات وہاں کام کررہے تھے، ان کے ساتھ مل کر سیرت انسائیکلو پیڈیا تیار کرنے کے لیے خاکہ بنایا۔

⊙..... حرمین شریفین سے متعلق ایک انسائیکلو پیڈیا مرتب کرنے کا منصوبہ بنایا۔

⊙..... حدیث کی نو کتابوں اور طبقاتِ ابن سعد وغیرہ میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے متعلق جو معلومات پائی جاتی ہیں، ان کی جمع وترتیب کا کام کیا۔

⊙..... حرم مکی کے بارے میں مختلف مآخذ سے مفصل معلومات کارڈ کی صورت میں جمع کیے تاکہ انسائیکلو پیڈیا میں ان کا اندراج ہو سکے۔

⊙..... سیرت نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سلسلے کی ان تمام احادیث کی فہرست تیار کی جو کتب ستہ اور مسند احمد وغیرہ میں مندرج ہیں۔

⊙..... سیرت کے متعلق مدینہ یونیورسٹی کے ''مرکز خدمۃ السنہ والسیرۃ'' میں ایک بہت اہم کام انھوں نے یہ کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والد گرامی اور والدۂ محترمہ دونوں کے نسب نامے کی تفصیل حضرت آدم علیہ السلام اور حوا علیہا السلام تک مرتب کی اور اس سلسلے کے تمام ناموں کی تحقیق کی۔

⊙..... نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے متعلق مختلف مذاہب وادیان کی کتابوں میں جو بشارتیں مذکور ہیں، ان کے بارے میں مولانا موصوف نے ایک کتاب تیار کی، جس میں پہلے وہ بشارتیں درج کی گئی ہیں جو بدھ مت کی کتابوں میں درج ہیں، پھر ہندوؤں اور مجوسیوں کی کتابوں سے بشارتوں کے ذکر کی وضاحت کی گئی ہے۔

⊙..... مرکز خدمۃ السنہ والسیرۃ کے علاوہ بھی انھوں نے بعض علمی کام کیے۔ مثلاً متعدد کتابوں کو بہ نظر عمیق دیکھ کر ان کے بارے میں رپورٹ تیار کی۔

یہ معلومات اپنے عزیز دوست مولانا محمد عزیر شمس صاحب کے ایک مضمون سے لی گئی ہیں جو ہفت روزہ ''الاعتصام'' (مورخہ ۸ تا ۱۴ دسمبر ۲۰۰۶ء) میں شائع ہوا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

وہ لکھتے ہیں: ''افسوس کہ مدینہ منورہ میں قیام کے دوران مرکز میں ترتیب دیے گئے یہ سارے کام ہنوز غیر مطبوع ہیں۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کبھی ان کی اشاعت کی نوبت آئے گی یا نہیں۔''

مولانا محمد عزیر شمس نے مولانا صفی الرحمٰن کی غیر مطبوعہ عربی کتابوں میں ان دو کتابوں کے نام بھی لکھے ہیں: ایک شرح ازہار العرب اور دوسری الفرقۃ الناجیۃ والفرق الاسلامیۃ الاخریٰ۔

ان کی عربی کی مطبوعہ کتابوں میں مندرجہ ذیل کتابیں شامل ہیں۔

①..... الرحیق المختوم: سیرۃ النبی ﷺ کے موضوع پر عربی زبان میں ان کی یہ ایک بلند پایہ کتاب ہے۔ اس کی تصنیف کا پس منظر یہ ہے کہ ۱۹۷۶ء میں جب رابطۂ عالم اسلامی (مکہ مکرمہ) کی طرف سے سیرت نگاری کے عالمی مقابلے کا اعلان کیا گیا تو مولانا ممدوح نے اس موضوع پر عربی میں ''الرحیق المختوم'' کے نام سے کتاب لکھی اور مسودہ رابطہ عالم اسلامی کو بھیج دیا۔ بعض اور اہل علم نے بھی اس موضوع پر اپنے اپنے مسودات ارسال کیے لیکن ڈیڑھ سال بعد جولائی ۱۹۷۸ء میں پہلی ایشیائی اسلامی کانفرنس منعقدہ کراچی میں مقابلے کے نتائج کا اعلان ہوا تو مولانا صفی الرحمٰن پہلے انعام کے مستحق قرار پائے۔ مولانا ممدوح نے یہ کتاب صرف پانچ چھ مہینوں میں تیار کی تھی۔ اس کے بعد خود مصنف نے اس کا اردو ترجمہ کیا اور کتابی شکل میں اسے مکتبہ سلفیہ (لاہور) نے نہایت اہتمام کے ساتھ شائع کیا۔ اس کا مسودہ دینے کے لیے مولانا ممدوح ۱۹۸۴ء میں لاہور تشریف لائے تھے۔ مہینا یاد نہیں رہا، لیکن موسم سردیوں کا تھا۔ ان سطور کے راقم کی ان سے اسی موقعے پر ملاقات ہوئی تھی جو پہلی ملاقات بھی تھی اور آخری بھی۔ اس کتاب نے بڑی مقبولیت حاصل کی اور دنیا کی کئی زبانوں میں اس کے ترجمے ہوئے۔ اس کتاب کی وجہ سے خود مصنف نام دار نے بھی بہت شہرت پائی۔

②..... روضۃ الانوار: یہ کتاب بھی سیرت کے موضوع پر ہے اور عربی میں ہے۔

③..... اتحاف الکرام: یہ حدیث کی مشہور کتاب بلوغ المرام کی شرح ہے۔

④..... منۃ المنعم شرح صحیح مسلم: صحیح مسلم حدیث پاک کی انتہائی کتاب ہے، مولانا نے منۃ المنعم کے نام سے اس کی شرح لکھی۔

⑤..... بہجۃ النظر: یہ کتاب اصول حدیث سے متعلق ہے۔

⑥..... ابراز الحق والصواب فی مسئلۃ السفور والحجاب: اس کا تعلق چہرے کے پردے سے ہے۔

⑦..... الاحزاب السیاسۃ فی الاسلام: سیاسی جماعتوں کے بارے میں اسلام کا نقطۂ نظر۔

⑧..... تطور الشعوب والدیانات فی الہند ومجال الدعوۃ فیہا: ہندوستان میں مذاہب کے ارتقا اور دعوتِ اسلامی کے امکانات کے موضوع پر۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری کی اردو مطبوعہ کتابیں حسب ذیل ہیں۔

① ..... تجلیات نبوت: سیرت سے متعلق

② ..... المصابیح فی مسئلۃ التراویح: تراویح کے مسئلے پر امام سیوطی کی عربی کتاب کا اردو ترجمہ۔

③ ..... تذکرۃ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب: یہ قطر کے ایک عالم شیخ احمد بن حجر آل بوطامی کی کتاب کا ترجمہ ہے۔ اس کے شروع میں آل سعود کی تاریخ تفصیل سے قلم بند کی گئی ہے۔

④ ..... قادیانیت اپنے آئینے میں: جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، یہ کتاب مرزائیت سے متعلق ہے۔

⑤ ..... فتنہ قادیانیت اور مولانا ثناء اللہ امرتسری: اس میں قادیانیت کے بارے میں مولانا ثناء اللہ امرتسری کی مساعی کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

⑥ ..... انکارِ حدیث کیوں؟ حجیت حدیث کے موضوع پر

⑦ ..... انکارِ حدیث حق یا باطل؟

⑧ ..... رزم حق و باطل

⑨ ..... اسلام اور عدم تشدد

⑩ ..... اہل تصوف کی کارستانیاں

مولانا ممدوح کی اردو کتابیں جو ابھی تک شائع نہیں ہوسکیں یہ ہیں۔

① ..... امام ابن تیمیہ کی کتاب ''الکلم الطیب'' کا اردو ترجمہ

② ..... توضیح الاربعین للنووی کا ترجمہ

③ ..... صحف یہود و نصاریٰ میں نبی ﷺ سے متعلق بشارتیں۔

مدینہ یونیورسٹی کے شعبۂ خدمۃ السنۃ والسیرۃ سے علیحدگی کے بعد مولانا ممدوح، مولانا عبدالمالک مجاہد کے قائم کردہ مشہور اشاعتی ادارے دارالسلام کے شعبہ تحقیق وتصنیف کے نگران کی حیثیت سے مملکت سعودیہ کے دارالحکومت ریاض چلے گئے تھے۔ وہاں انھوں نے اس ادارے کی متعدد عربی اور اردو کتابوں پر نظر ثانی کی۔

وہ کچھ عرصہ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے امیر بھی رہے۔

بے حد محنتی اور مستند عالم دین تھے۔ اللہ کے معاملات کو کون ٹال سکتا ہے۔ ان پر فالج کا حملہ ہوا اور وہ مستقل مریض ہوگئے۔ اب وہ معالجوں کے زیر علاج تھے۔ لیکن چلتے پھرتے تھے۔ کبھی ان کا قیام مدینہ میں رہتا، کبھی ریاض میں اور کبھی اپنے وطن مبارک پور آجاتے۔ مولانا محمد عزیر شمس فرماتے ہیں۔ ''طبیعت بجھی بجھی سی رہتی تھی۔ گفتگو کے وقت زبان میں تھوڑی سی لکنت ہوتی مگر توجہ سے سننے پر باتیں سمجھ میں آجاتی تھیں۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مولانا صفی الرحمٰن کا اصل کام تو درس وتدریس اور تصنیف وتالیف تھا، لیکن دعوت وتبلیغ اور مناظرے اور مباحثے سے بھی دلچسپی رکھتے تھے۔ ۱۹۷۸ء میں بنارس کے ایک مقام بجرڈیہہ میں کسی مسئلے پر بریلویوں سے ان کا مناظرہ ہوا۔ اس مناظرے کا نتیجہ یہ نکلا کہ لوگوں کی ایک بڑی تعداد نے مسلک اہل حدیث اختیار کرلیا اور وہاں اہل حدیث کا ایک مرکز قائم ہوگیا۔

منکرین حدیث کے ردّ میں بھی انھوں نے کتابیں لکھیں۔ یہ کتابیں اگرچہ مختصر ہیں مگر اس موضوع کا کافی مواد ان میں جمع کردیا گیا ہے۔ ہندوستان کے علاوہ ان کے دعوتی پروگرام سعودی عرب کے بھی مختلف مقامات میں جاری رہتے تھے۔

مولانا صفی الرحمٰن کو اللہ تعالیٰ نے بہت سے اوصاف سے متصف فرمایا تھا۔ وہ معاملہ فہم، منتظم، ملکی اور بین الاقوامی حالات سے باخبر اور زیرک اہل علم تھے۔ اسلامی ملکوں کی اصلاحی اور سیاسی تحریکوں سے آگاہ تھے۔ طلباء کو بھی حصولِ علم کے ساتھ ساتھ ان تحریکوں سے واقفیت حاصل کرنے کی تاکید فرماتے۔

انھوں نے طویل علالت کے بعد یکم دسمبر ۲۰۰۶ء (۹۔ ذیقعدہ ۱۴۲۷ھ) کو جمعۃ المبارک کے روز اپنے مسکن حسین پور میں وفات پائی جو کہ مبارک پور سے ایک کلومیٹر کے فاصلے پر واقعہ ہے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون . اللھم اغفرلہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ

مولانا ممدوح نے مختلف مدارس کے متعدد اساتذہ سے حصولِ علم کیا۔ لیکن ہمیں ان کے صرف ایک استاذ گرامی کا پتا چلا ہے، جن سے انھوں نے کتب حدیث پڑھیں اور سند فراغ لی، وہ ہیں حضرت مولانا شمس الحق سلفی رحمہ اللہ۔

پھر وہ مختلف مدارس میں طویل مدت تک فریضۂ تدریس سرانجام دیتے رہے۔ اس اثنا میں ظاہر ہے ان سے بے شمار طلبا واساتذہ نے استفادہ کیا، لیکن ہمیں ان کے فقط ایک ہی شاگرد کا علم ہوسکا ہے، وہ ہیں مولانا شمس الحق سلفی کے فرزند ارجمند مولانا محمد عزیر شمس صاحب۔

محمد عزیر شمس صاحب ان کے نہایت لائق، محقق، بہت سی کتابوں کے مصنف ومؤلف اور وسیع المطالعہ شاگرد ہیں اور بہت عرصے سے مکہ مکرمہ میں مقیم ہیں۔ اللہ ان کی عمر دراز فرمائے اور وہ ہمیشہ تصنیف وتالیف میں مصروف رہیں۔ آمین یا رب العالمین۔

میں نے مولانا صفی الرحمٰن کے متعلق مختصر الفاظ میں جو کچھ لکھا ہے، اس کا اصل ماخذ جناب محمد عزیر شمس صاحب کا مضمون ہے جو ۸ دسمبر ۲۰۰۶ء کے ہفت روزہ الاعتصام میں شائع ہوا۔

یہاں یہ بھی عرض کردیں کہ ۱۹۸۴ء میں وہ جب لاہور تشریف لائے تھے تو شیش محل روڈ پر دفتر الاعتصام کے سامنے ہائی سکول کی گراؤنڈ میں انھوں نے ایک مجمعے میں تقریر کی تھی، جس میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہندوستان میں دعوت دین کے بارے میں چند باتیں بیان فرمائی تھیں اور کہا تھا کہ موجودہ حالات میں اگر وہاں حکمت ودانائی سے غیر مسلموں میں اسلام کے متعلق تقریریں کی جائیں اور خوب صورت الفاظ اور اچھے انداز میں اسلام کے معاشرتی امور اور عبادت سے متعلق احکام کی وضاحت کی جائے بالخصوص مسئلہ توحید کو صراحت سے بیان کیا جائے تو لوگ اس سے متاثر ہوتے اور سنجیدگی کے ساتھ اپنے مذہب کے ساتھ اس کا مقابلہ کرتے ہیں اور اسلام کے نقطۂ نظر کو ترجیح دیتے ہیں۔

اس سفر میں وہ لاہور سے بالاکوٹ بھی گئے تھے اور ہمارے مرحوم دوست مولانا عطاء اللہ ثاقب اپنی گاڑی سے انھیں بالاکوٹ لے کر گئے تھے۔ مولانا عطاء اللہ ثاقب اس قسم کے سفر نہایت شوق سے کرتے اور اہل علم کی خدمت کو اپنے لیے سعادت قرار دیتے تھے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مولانا عبدالغنی سیفی عمری

(وفات ۱۴۔فروری ۲۰۰۹ء)

مولانا عبدالغنی سیفی عمری ہندوستان کے مشہور مصنف اور مدرس تھے۔ انھوں نے ۱۴۔ فروری ۲۰۰۹ء کو وفات پائی۔ طویل عرصے تک ان کا سلسلۂ درس وتدریس جاری رہا۔ ان کے شاگردوں کی تعداد بہت وسیع ہے۔ آگے ان کے شاگردوں کے شاگردوں کی فیض رسانی کا سلسلہ بھی چل رہا ہے۔ ان کے حالات ان کے ایک فاضل شاگرد مولانا محمد انور محمد قاسم نے ارسال فرمائے ہیں۔ مولانا محمد انور محمد قاسم کویت میں مقیم ہیں اور وہاں خوب علمی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ ان کا تحریری ذوق بہت نکھرا ہوا ہے۔ میں اپنی اس کتاب ''گلستانِ حدیث'' میں ان کا مضمون درج کررہا ہوں۔ اس مضمون کے بعض حصے میں نے قلم زد کردیے ہیں۔ امید ہے میری اس جسارت پر فاضل مضمون نگار، جن سے میں دوستانہ مراسم رکھتا ہوں، خفگی کا اظہار نہیں فرمائیں گے۔ ذیل میں ان کے رشحات قلم ملاحظہ فرمایے۔ انھوں نے کامل احترام کے ساتھ اپنے رفیع المرتبت استاذ کو نذرانۂ عقیدت پیش کیا ہے۔

آج میرا موضوع ایک ایسی شخصیت ہے جن کی ساری عمر پڑھنے پڑھانے اور علم دین کی خدمت میں گزری۔ اور جن کا مشغلہ زندگی کے آخری وقت تک تصنیف وتالیف، فقہ وفتاویٰ اور مطالعہ وکتب بینی رہا۔

میری مراد برصغیر کے مشہور عالم دین، معروف خطیب، بقیۃ السلف، حجۃ الخلف، حامیٔ کتاب وسنت، قاطع شرک وبدعت، خادم دین مبین، محب العلم والعلماء اور مشہور اسلامی درس گاہ جامعہ محمدیہ عربیہ رائیدرگ کے شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالغنی سیفی عمری رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ سے ہے۔ ان کی وفات کی خبر بالخصوص ہندوستان کے علمی اور دینی حلقوں میں نہایت رنج وغم سے سنی گئی۔ وہ تقریباً ۸۷ سال کی عمر میں ہفتے کے روز ۱۴ فروری ۲۰۰۹ کو صبح کے وقت انتقال فرماگئے۔

إنا لله وإنا إليه راجعون. اللهم اغفرله وارحمه واسكنه فسيح جناته، آمين يا رب العالمين.

مولانا مرحوم بھی ان مقدس لوگوں میں سے ایک ہیں جن کی اس فانی دنیا میں کوئی خاص قدر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ومنزلت نہ ہوئی۔ نہ جماعت نے اور نہ جمعیتوں نے ان کی زندگی میں کبھی ان کی ہمہ گیر اور ہمہ جہات خدمات کا اعتراف کر کے ان کی عزت افزائی کی:

شاید اللہ ربّ العالمین کو یہی منظور تھا کہ اس کا یہ بندہ، تمام دنیوی اعزازات سے مستغنی ہو کر صرف اپنے ربّ قدیر کے اخروی اعزازات سے متمتع ہو۔ **وما ذلک علی اللہ بعزیز**

جس دور میں انھوں نے آنکھیں کھولیں، اس وقت رائیدرگ اور اس کے اکناف میں اصلاح عقائد کی تحریک زوروں پر تھی، اور اس تحریک کے بانی حضرت مولانا سید محمد اسماعیل صاحب رائیدرگی رحمہ اللہ کے والد گرامی قدر حضرت سید عبداللہ صاحب (سید سرمست حسین) رائیدرگی رحمہ اللہ تھے جو کہ اپنے نوخیزی کے ایام میں اردو ٹیچر کے امتحان کے لیے مدراس تشریف لے گئے تھے۔ وہاں ان کی ملاقات حضرت مولانا سید قادر باشاہ صاحب رحمہ اللہ سے ہوئی، جو داعی الی اللہ حضرت مولانا سید محمد علی رام پوری رحمہ اللہ کے خلیفہ تھے، اور جنھیں مجاہد فی سبیل اللہ حضرت مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید اور سید احمد شہید رحمہما اللہ نے اصلاح عقائد کے لیے سرزمین دکن کی طرف روانہ کیا تھا۔

زباں پہ بار خدایا! یہ کس کا نام آیا
کہ نطق نے بوسے میری زباں کے لیے

حضرت شاہ محمد اسماعیل شہید رحمہ اللہ نے حضرت سید احمد بریلوی رحمہ اللہ کے ساتھ مل کر اصلاح عقائد کی جو تحریک شروع کی، دنیا اسے تحریک شہیدین کے نام سے جانتی ہے۔ یہ ایسی مبارک تحریک تھی جو سرزمین ہند پر ایمان کا شعلۂ جوالہ بن کر ابھری اور جس نے کشمیر سے لے کر کنیا کماری تک مسلمانوں میں حرارتِ ایمانی کا صور پھونک دیا۔ ایمان وعمل صالح کی کھیتی پھر سے لہلہا اٹھی، کل تک جو رہزن تھے آج وہ رہرو ہی نہیں، بلکہ بہترین رہبر بن گئے۔ کل تک جن کی زندگیاں فسق وفجور میں ڈوبی ہوئی تھیں، آج وہ صداقت وپاکیزگی کے اس بلند مقام پر فائز ہوگئے کہ خود پاکیزگی کو ان کے انتساب سے شرف حاصل ہوا۔ وہ ایک پکار تھی جس پر لبیک کہتے ہوئے لوگ جذبہ جہاد سے سرشار ہو کر نکل پڑے۔ بقول مولانا حالی:

وہ بجلی کا کڑکا تھا، یا صوتِ ہادی
"ہند" کی زمیں جس نے ساری ہلا دی
نئی اک لگن دل میں سب کے لگا دی
اِک آواز میں سوتی بستی جگا دی
پڑا ہر طرف غل یہ پیغام حق سے
کہ گونج اٹھے دشت و جبل نامِ حق سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مولانا سید محمد علی رام پوری رحمہ اللہ کا بیان کیا تھا؟ گویا سمندر کی روانی تھی، جس نے بھی سنا وہ ان کا گرویدہ ہوگیا۔ حیدرآباد پہنچے تو نوابوں کے عشرت کدے مسجد بن گئے، نواب مبارز الدولہ جیسے کئی نوابوں نے اپنی دنیا تج کر آخرت کی زندگی کو سنوار لیا اور جب وہ حیدرآباد سے نکلے تو کرنول، کڑپہ اور رینی گنٹہ میں قیام کرتے ہوئے مدراس پہنچے۔ وہ جس مقام پر پہنچے وہاں اہل حق کی ایک جماعت پیدا ہوگئی، اگرچہ وہ جماعت تعداد میں "وقلیل من عبادی الشکور" کی طرح تھوڑی تھی لیکن توحید واتباعِ سنت میں ثابت قدم تھی اور وہاں انھوں نے عالم غربت میں مسجد کی بنیاد ڈالی، جو رینی گنٹہ میں اب بھی وہ مسجد جوں کی توں برقرار ہے، جب کہ کرنول میں اس مسجد کی برکت سے دسیوں مساجد اور بن گئی ہیں اور کڑپہ میں ۱۹۹۰ء میں اس بوسیدہ مسجد کی جگہ پر اصلاح المساجد بمبئی کے زیرنگرانی نئی مسجد بنائی گئی۔ گویا وہ جس جگہ سے گزرے، وہاں مسجد کی شکل میں اپنی ایک یادگار چھوڑتے ہوئے گزرے۔ بقول شاعر

ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے
کہے دیتی ہے شوخی نقش پا کی

یا عربی شاعر:

ألا إن واد الجزع أضحى ترابه
من المسک کافورا وأعواده رندا
وما ذاک إلا أن هندا عشية
تمشت وجرت بين جانبيه بردا

(مقام جزع کی وادی کی مٹی مشک وکافور ہوگئی، اور اس کی لکڑیاں ترنم ریز ہوگئیں، وہ اس لیے کہ سنہری شام کے وقت "ہندہ" جب اس وادی سے گزری تھی تو اس کی چادر کو اس مقام کی زمین نے چھولیا تھا۔)

مدراس میں مولانا محمد علی رام پوری کی رسائی نواب آف آرکاٹ محمد علی کے محل میں ہوئی۔ ان کے وعظ کی مجلسوں سے کئی نواب زادوں اور نواب زادیوں کی دل کی دنیا بدل گئی۔ دنیا پرست علمائے سوء بھلا کب خاموش بیٹھتے؟ انھوں نے جب دیکھا کہ اگر اس داعی الی اللہ کا قیام کچھ ماہ اور مدراس میں رہا تو کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمارے لیے روٹی کا سلسلہ ختم ہوجائے۔ اس لیے انھوں نے اپنی سازشیں تیز کردیں اور نواب آف آرکاٹ کو سید صاحب سے بدظن کردیا، جس کی وجہ سے سید صاحب کو مجبوراً مدراس چھوڑنا پڑا۔ اس کی تفصیل مولانا محمد یوسف کوکن عمری رحمہ اللہ نے اپنی شاہ کار تصنیف "خانوادۂ قاضی بدر الدولہ" میں بیان کی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مولانا سید قادر باشاہ صاحب رحمہ اللہ، انہی حضرت مولانا سید محمد علی رام پوری رحمہ اللہ کے خلیفہ تھے۔ مولانا سید قادر باشاہ صاحب رحمہ اللہ نے بھی دعوت الی اللہ میں اپنے استاذ محترم کی طرح بے شمار صعوبتیں برداشت کیں لیکن انھوں نے ایک لمحے کے لیے بھی دعوت الی اللہ کے مقصد کو فراموش نہیں کیا، بلکہ مخالفتوں کی آندھیوں میں اپنے خونِ دل سے توحید کا چراغ جلاتے رہے، یہاں تک کہ ان کو سید عبداللہ (سید سرمست حسین) رائیدرگی رحمہ اللہ کی شکل میں ایک گوہر آب دار مل گیا، جنھوں نے اپنے استاذ محترم کے توحیدی مشن کی شہر رائیدرگ کی سنگلاخ چٹانوں میں اپنے خونِ جگر سے آب یاری کی۔ اللہ تعالیٰ نے سید عبداللہ (سید سرمست حسین رحمہ اللہ) رائیدرگی کو تین فرزند عطا کیے تھے۔ ان میں سے بڑے فرزند کا نام مولانا سید محمد اسماعیل رائیدرگی رحمہ اللہ تھا۔ موصوف نے اپنے اس فرزند کو عالم دین بنانے کی ٹھانی اور انھیں پہلے شمس العلما مولانا محمد عمر صاحب کرنولی رحمہ اللہ (والد گرامی قدر بابائے اردو ڈاکٹر عبدالحق صاحب مرحوم) کی خدمت میں مدرسہ شمسیہ کرنول بھیجا۔ پھر استاذ العلما حضرت مولانا فقیر اللہ پنجابی ثم مدراسی (تلمیذ رشید حضرت شیخ الکل فی الکل سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ) کی خدمت اقدس میں ''پرنام بٹ'' روانہ کیا اور پھر وہاں سے خاندان غزنویہ کا فیض حاصل کرنے کے لیے ''مدرسہ غزنویہ امرتسر'' روانہ کیا جہاں سے وہ ۱۹۲۳ء میں سند فراغت حاصل کرکے اپنے وطن لوٹے اور توحید کی اشاعت میں اپنے والد گرامی کے دست وبازو بن گئے۔

قارئین معاف فرمائیں، بات ذرا دور چلی گئی، لیکن بے مقصد نہیں، کیوں کہ ہمارے ممدوح حضرت مولانا عبدالغنی صاحب سیفی عمری رحمہ اللہ کی زندگی کی ساری کڑیاں اسی تحریک سے جڑی ہوئی ہیں۔ داستان کچھ طویل اس لیے بھی ہوگئی کہ ''اہل دل'' کا تذکرہ بھی دل کو سکون پہنچاتا ہے: ؏

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم

پیدائش اور تعلیم وتربیت:

مولانا سید محمد اسماعیل رائیدرگی رحمہ اللہ کی تحریک اصلاح عقائد میں جو لوگ سب سے پہلے ان کے دست وبازو بنے، ان میں ایک نام مولانا عبدالغنی صاحب سیفی عمری رحمہ اللہ کے والد گرامی قدر جناب فخر الدین صاحب مرحوم ومغفور کا بھی ہے، لیکن افسوس کہ عمر نے وفا نہیں کی اور وہ ایام جوانی میں اپنے پیچھے بیوہ (زینب بی بی) اور تین بیٹوں اور ایک بیٹی کو چھوڑ کر ربّ غفور ورحیم کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے راہی ملک بقا ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

مولانا کی ولادت مقام رائیدرگ میں ۱۹۲۴ء کو ہوئی۔ ان سے ایک بھائی بڑے اور دوسرے چھوٹے تھے۔ والدہ ماجدہ زینب بی بی ایک باہمت خاتون تھیں۔ انھوں نے اپنے اس یتیم بچے کو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

عالم دین بنانے کا فیصلہ کیا اور مولانا سید محمد اسماعیل رائیدرگی کے مدرسہ محمدیہ میں داخل کرایا جو اس وقت مدرسہ محمدیہ کے نام سے ہی معروف تھا، جامعہ نہیں بنا تھا۔ وہاں انھوں نے مولانا حافظ عبدالرزاق صاحب رحمہ اللہ کے سامنے زانوئے شاگردی تہہ کیا۔ مولانا سید محمد اسماعیل رائیدرگی نے اس یتیم بچے کی تعلیم وتربیت میں بے حد دلچسپی لی اور انھیں اپنے فرزند مولانا سید عباس حامی عمری کے ساتھ غالباً ۱۹۳۷ء میں جامعہ دارالسلام عمر آباد روانہ کیا، جہاں اس زمانے میں وقت کے کبار علماے اہل حدیث مسند درس پر فائز تھے۔ وہاں سے درس نظامیہ کی تکمیل کر کے ۱۹۴۵ء میں وہ اپنے مسقط راس رائیدرگ تشریف لے آئے، جہاں بانی جامعہ محمدیہ رائیدرگ مولانا سید محمد اسماعیل صاحب رائیدرگی نے ان کی اپنے مدرسہ جامعہ محمدیہ میں بطور مدرس تقرری کردی۔ اس دن سے لے کر تاحین حیات وہ جامعہ محمدیہ سے وابستہ رہے، بلکہ اپنی اولاد کو بھی جامعہ کی خدمت میں لگا دیا۔

اساتذہ:

جس دور میں مولانا عبدالغنی سیفی عمری نے آنکھیں کھولیں، وہ جماعت اہل حدیث کا سنہری دور تھا۔ ابھی ملک تقسیم نہیں ہوا تھا۔ جماعت اہل حدیث نے ایک طرف قادیانیت کو شکست فاش دے کر اور اسے پسپائی پر مجبور کر کے اس کے اثرات کو قادیان کے علاقے میں ہی محدود کردیا تھا، تو دوسری طرف آریہ سماج جیسی انتہا پسند ہندو تنظیموں اور عیسائی مشنریوں کو مناظروں کے میدان میں لگاتار شکست دے کر چاروں شانے چت کردیا تھا۔ اس طرح ہر میدان میں جماعت اہل حدیث کی علمی برتری کا جھنڈا گڑا ہوا تھا۔ اس وقت مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا عبدالجبار غزنوی، مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی، صاحب تحفۃ الاحوذی علامہ عبدالرحمٰن صاحب مبارک پوری، صاحب عون المعبود علامہ شمس الحق عظیم آبادی، امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد، حضرت مولانا سید محمد داؤد غزنوی اور مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی رحمہم اللہ جیسے سیکڑوں اصحاب علم وعمل، اپنی اپنی اصلاح وتربیت کی کرنوں سے سرزمین ہند کو بقعہ نور بنائے ہوئے تھے اور ان میں سے اکثر علما واساطین جماعت، گاہے گاہے سرزمین رائیدرگ کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے مشرف کرتے رہتے تھے۔ بزرگوں کے دیدار، ان کے بیان اور ان کی دعاؤں سے، مولانا عبدالغنی سیفی عمری بے حد متاثر ہوئے اور انھوں نے جامعہ دارالسلام عمر آباد میں داخلہ لیا۔

مولانا نے دورانِ تعلیم جن اساتذہ سے استفادہ کیا ان کی فہرست بڑی طویل ہے، ان میں سے چند اساتذہ کرام کے اسماے گرامی یہ ہیں:

① ..... مولانا سید محمد اسماعیل رائیدرگی، بانی جامعہ محمدیہ رائیدرگ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

② .....مولانا حافظ عبدالرزاق سفیر جامعہ محمد رائیدرگ

③ .....مولانا محمد نعمان مئوی رحمہ اللہ شیخ الحدیث جامعہ دارالسلام عمر آباد وشاگرد شیخ الکل فی الکل سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ

④ .....مولانا حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ سابق استاذ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ

⑤ .....مولانا محمد اسماعیل پیارم پٹی رحمہ اللہ

⑥ .....علامہ غضنفر حسین شاکر النائطی رحمہ اللہ

⑦ .....مولانا عطاء اللہ سلفی رحمہ اللہ بن مولانا فقیر اللہ پنجابی۔ ❶

⑨ .....مولانا عبداللہ عقیل اعظمی عمری

⑩ .....مولانا عبدالسبحان اعظمی عمری

⑪ .....مولانا عبدالواجد رحمانی رحمہ اللہ

⑫ .....مولانا سید عبدالکبیر عمری رحمہ اللہ ۔ رحمہم اللہ وغفرلہم

ان اساتذہ کرام کے علاوہ متعدد علماے کرام سے مولانا مرحوم نے استفادہ کیا، بالخصوص ان کی زبان سے راقم الحروف نے بارہا ان سے کاکا محمد اسماعیل، مہتمم جامعہ دارالسلام عمر آباد خلف الرشید محمد عمر بانی جامعہ دارالسلام عمر آباد، کا تذکرہ شان دار الفاظ میں سنا ہے۔ وہ کاکا محمد اسماعیل کے ان تمام احسانات کا برملا اظہار فرمایا کرتے تھے جو وہ اپنے دور اہتمام میں ان پر کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان تمام پاک طینت بزرگوں کی مغفرت فرمائے اور انھیں جنت الفردوس اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے، آمین۔

لائق مدرس اور بہترین مربی:

مولانا عبدالغنی سیفی عمری نے اپنی ساری عمر پڑھنے پڑھانے اور کتاب وسنت کی خدمت میں گزار دی۔ تقریباً پچپن (۵۵) سال جامعہ محمدیہ عربیہ رائیدرگ میں خدمت تدریس اور مسند دعوت وارشاد پر فائز رہے اور چالیس سال شیخ الحدیث کے عہدۂ جلیلہ اور تقریباً پندرہ سال جامعہ کے پرنسپل کے عہدہ عالیہ پر متمکن رہنے کے بعد ۱۹۸۶ء میں ریٹائرڈ ہوگئے۔ لیکن ارباب جامعہ کی درخواست پر تقریباً ۲۰۰۵ء تک حدیث شریف بالخصوص صحیح بخاری شریف کا درس دیتے رہے۔ تدریس کے ان

---

❶ راقم الحروف نے مولانا عطاء اللہ سلفی سے "شرح ابن عقیل" پڑھی ہے۔ حضرت مولانا فضل الرحمٰن اعظمی عمری رحمہ اللہ سے راقم الحروف نے جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں میں دوران تدریس (۱۹۹۰ء۔ ۱۹۸۵ء) کافی استفادہ کیا۔ مولانا کے حالات زندگی پر ایک مضمون لکھا ہے، جلد ہی اسے کمپوز کرکے رسائل وجرائد کو ارسال کیا جائے گا۔ (ان شاء اللہ)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تدریس و تدوین میں اپنی ہر ذمہ داری کو نہایت تندہی کے ساتھ پایۂ تکمیل کو پہنچایا۔ مولانا ممدوح نے فن حدیث کی چھوٹی کتاب سے لے کر صحیح بخاری تک پڑھایا۔ جامعہ میں راقم الحروف کا دور تعلیم ۱۹۷۳ء کے اواخر سے ۱۹۸۱ء کے وسط تک چلتا ہے۔ اس دوران راقم نے مولانا مرحوم سے ہمہ فن کی کتابیں پڑھی ہیں۔ آج کل عربی مدارس میں یہ مرض لاحق ہوچکا ہے کہ بڑے اور سینئر اساتذہ چھوٹی جماعتوں کو پڑھانا اپنی کسر شان سمجھتے ہیں، ابتدائی کلاسوں کی بنیادی کتابیں نوعمر اساتذہ کو سونپ دی جاتی ہیں، جس کی وجہ سے یہ چھوکرے اساتذہ کی قدر نہیں کرتے، اور نہ ان کے درس کو یاد کرنے کا زیادہ اہتمام کرتے ہیں۔ یوں طلبا کی علمی بنیاد کمزور رہتی ہے، اور پھر ہمیشہ

خشت اوّل چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

کی سی صورت حال رہتی ہے۔ مولانا ممدوح تربیت کے معاملے میں بڑے سخت تھے۔ طلبا کو فلم بینی، سگریٹ نوشی اور اس طرح کی دیگر شرارتوں کی سخت سزا دیتے، جس کی وجہ سے طلبا پر مولانا کی ہر وقت ہیبت طاری رہتی۔ اگر مولانا بیٹھے ہیں تو طلبا ان کے آگے سے گزرنے کی جرأت نہ کرتے۔

مولانا نماز بروقت پڑھنے کے سخت پابند تھے۔ سردی ہو کہ گرمی، گھر سے تہجد پڑھ کر نکلتے۔ وقت ملتا تو جامعہ تشریف لاتے اور ہر بچے کے بستر کے پاس عصا سے ''ٹک ٹک'' کی آواز کرتے ہوئے نہایت شفقت سے ''اے بچہ! او بابو! نماز کے لیے اٹھو'' کی صدا لگاتے، جس سے طلبا فوراً جاگ اٹھتے، اور سو کر اٹھنے کی دعا پڑھتے ہوئے مسجد کی جانب روانہ ہوجاتے۔

مولانا اگر حضر میں رہتے تو نمازِ صبح کی امامت خود فرماتے۔ جمعہ کے دن پہلی رکعت میں سورۂ سجدہ اور دوسری میں سورۂ دہر پڑھتے۔ راقم کو مولانا کی اقتدا میں نماز پڑھتے پڑھتے یہ سورتیں حفظ ہوگئی تھیں۔ اسی طرح سورۂ کہف بھی۔

نماز فجر کے بعد وہ یومیہ درس قرآنِ کریم ارشاد فرماتے۔ چالیس سال سے زیادہ عرصے تک یہ معمول رہا۔ اس طرح انھوں نے سارے قرآنِ مجید کی تفسیر کا دورہ دومرتبہ مسجد جامع محمدیہ میں کیا۔ تیسرا دور بھی شروع کیا اور آدھے سے زیادہ قرآنِ مجید کی تفسیر بھی کی لیکن کمزوری کی وجہ سے یہ معمول جاری نہ رہ سکا۔ اس طرح تیسرا دورہ پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچا۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میری طالب علمی کے زمانے میں مولانا موصوف نے دورۂ تفسیر کے اختتام پر اپنے مکان پر علما وطلبا اور نمازیوں کی ضیافت فرمائی۔ اس طرح انھوں نے حافظ ابن حجر عسقلانی اور خطیب بغدادی جیسے علماے حق کی سنت کو زندہ کیا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

خطابت اور مناظرہ:

مولانا موصوف میں دعوت وتبلیغ کا بے پناہ جذبہ پایا جاتا تھا۔ خالق حقیقی نے گرج دار آواز عطا فرمائی تھی، جس کا بھرپور استعمال انھوں نے زندگی کی آخری سانس تک کیا۔ ان میں جماعتی غیرت کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ سرزمین رائیدرگ کے قرب وجوار میں جب کسی نے جماعت اہل حدیث کو للکارا، مولانا اس کے مقابلے میں خم ٹھونک کر کھڑے ہوگئے اور دلائل سے اسے شکست فاش دی۔ رائیدرگ میں بعض لوگ گاہے گاہے کسی باہر سے آئے ہوئے مقرر کی تقریر وہاں کے کسی محلے میں کرواتے رہتے تھے۔ اگر اس مقرر کی زبان سے جماعت اہل حدیث کے خلاف کوئی بات نکل جاتی تو مولانا دوسرے دن اسی مقام پر اپنا جلسہ کرتے اور شیر کی طرح دھاڑتے ہوئے اس مقرر کو للکارتے، اور اسے سامنے آکر مناظرہ کرنے کا چیلنج دیتے۔ لیکن عموماً ان کے مقابلے میں کوئی نہیں آتا تھا۔

رائیدرگ سے تقریباً نوے (۹۰) کلومیٹر کے فاصلے پر ''چتر درگہ'' نامی ایک شہر واقع ہے۔ جب اس شہر میں کچھ نوجوانوں نے مسلک حق قبول کیا تو مولانا نے نہ صرف دامے درمے، قدمے، سخنے ان کی مدد فرمائی بلکہ بارہا وہاں مخالف مقرروں سے مناظرہ کرنے کے لیے تشریف لے گئے۔ ان پروگراموں میں راقم بھی ان کے ساتھ ہی رہتا، بلکہ ایک مرتبہ رمضان مبارک کے مہینے میں جب رائیدرگ میں مولانا اور دیگر علما موجود نہیں تھے، احباب ''چتر درگہ'' نے راقم کو ''ہندوپور'' اطلاع دی جہاں کہ میں ان ایام میں دروسِ قرآن وحدیث کے لیے آیا تھا۔ راقم ہندوپور سے ایک بڑی جماعت لے کر ''چتر درگہ'' روانہ ہوا، لیکن اللہ کا کرم ہوا کہ کسی کو سامنے آنے کی ہمت نہ ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے ''نصرت بالرعب'' سے ہی کام چلا دیا۔

آندھرا پردیش اور کرناٹکا میں کوئی بھی اجتماع مولانا کے بغیر ادھورا تصور کیا جاتا۔ قرب وجوار میں ان کی تبلیغی کاوشوں سے توحید وسنت کا بول بالا ہوا۔ ان دونوں ریاستوں میں جماعت کو کوئی بھی مشکل دیوبندی یا بریلوی بھائیوں کی طرف سے آن پڑتی تو احباب جماعت علمی تعاون کے لیے مولانا سے رجوع کرتے۔ ایک مرتبہ ہمارے ضلع کڑپہ کے ایک مقام ''سمہادری پورم'' میں دیوبندی بھائیوں کی جانب سے ایک ایسی ہی مشکل پیش آئی۔ انھوں نے وہاں اہل حدیث کی قلت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے افراد اور سیاسی قوت کے بل بوتے پر وہاں کی مسجد اہل حدیث پر قبضہ کرنا چاہا، احباب جماعت ''پلی ویندلہ'' نے مجھے شہر پر دوٹور میں اس کی اطلاع دی۔ میں نے رائیدرگ میں مولانا کو خبر بھجوائی۔ مولانا، علما کی ایک جماعت، کتب کثیر اور ایک جم غفیر کے ساتھ ''سمہادری پورم'' تشریف لائے۔ ہرفن ہلی سے مولانا عبدالوہاب جامعی، بنگلور سے مولانا احمد اللہ قریشی، کرنول سے مولانا محمد

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

یوسف جمیل جامعی، اور اطراف واکناف کی ایک بڑی جماعت جمع ہوگئی۔ ان علما ومشائخ اور کتب حدیث کو دیکھ کر دیوبندی علما مبہوت رہ گئے اور انھوں نے صاف کہہ دیا کہ ہم مناظرہ یا بحث ومباحثہ کے لیے نہیں آئے۔ پھر کچھ غیر مسلم سیاسی لیڈروں کی وساطت سے بات آگے بڑھی اور معاملہ رفع دفع ہوگیا۔

رائیدرگ سے ہزاروں میل کے فاصلے پر ریاست راجستھان میں اجمیر کے قریب ''وجے نگر'' نامی بستی میں بھی بریلوی مسلک کے ایک مناظر سے ۱۹۶۲ء میں ''محفل میلاد'' میں رسولِ اکرم ﷺ کے تشریف لانے اور اس پر کھڑے ہونے، رسولِ اکرم ﷺ کے عالم الغیب ہونے یا نہ ہونے، استمداد بغیر اللہ، بشریت رسول ﷺ کے موضوع پر مناظرہ کیا جو بعد نماز عشا تا اذان فجر جاری رہا۔ آخر مخالف مناظر نے یہ کہتے ہوئے ہتھیار ڈال دیے کہ ''آپ کے دلائل مضبوط ہیں لیکن میں اپنے بزرگوں کا مسلک نہیں چھوڑ سکتا۔'' اس مناظرے کی تفصیل مولانا محمد مقتدیٰ اثری عمری نے اپنی کتاب ''تذکرۃ المناظرین'' کی جلد دوم صفحہ ۳۷۵ تا ۳۷۹ میں ذکر کی ہے۔

مولانا عبدالغنی عمری خطبات جمعہ اور عیدین کے موقعے پر سر پر شملہ اور گاہے کالی یا ہلکے نیلے کلر کی شیروانی یا عربی قبا زیب تن فرماتے۔ خطبہ مسنونہ حضرت شاہ محمد اسماعیل شہید رحمہ اللہ کا ارشاد فرماتے، پھر سنت کے مطابق ایک یا دو رکوع سورۂ ق کی تلاوت فرماتے، اسی کا اثر ہے کہ راقم کو سورۂ ق مولانا کی زبان مبارک سے سنتے سنتے ہی یاد ہوگئی، عیدین کا خطبہ عموماً مولانا کے ہی ذمے رہتا تھا۔

مسجد جامع محمدیہ کی خدمت:

جامعہ محمدیہ کی سرکاری ملازمت سے سبک دوشی کے بعد احباب جماعت نے مولانا کی خدمت میں مسجد جامع محمدیہ کی تولیت کا عہدہ پیش کیا، جسے انھوں نے اللہ کی رضا کے لیے قبول کرلیا اور اپنے دورِ تولیت میں مسجد کی اس قدر خدمت کی کہ اس نواح کے کسی دور میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ مسجد جامع محمدیہ، جامعہ محمدیہ سے ملحق ہے۔ میرے زمانۂ طالب علمی میں اس کا صرف مغربی دروازہ تھا جب کہ مشرق میں کچھ اجڑے ہوئے گھر تھے، جن کے مالک سخت قسم کے مرہٹے قصاب تھے۔ مولانا سید محمد اسماعیل رائیدرگی رحمہ اللہ نے اپنے دورِ حیات میں بڑی کوشش فرمائی کہ یہ زمین انھیں مل جائے۔ بلکہ مولانا اسماعیل رائیدرگی نے جماعت کے ایک نہایت مخلص ساتھی محترم خلیفہ خواجہ پیراں صاحب مرحوم ومغفور کو اس کام پر لگا دیا تھا۔ اس بندۂ مومن نے اپنے دور میں بڑی کوشش کرڈالی لیکن یہ کام نہ ہوسکا، جس کی حسرت لے کر محترم خلیفہ صاحب بھی مرحوم ہوگئے۔ جب یہ بار امانت

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

مولانا عبدالغنی سیفی عمری کے سر پر ڈالا گیا تو موصوف نے زمین کے مالکوں سے بات چیت کی۔ انھوں نے مارکیٹ کے ریٹ سے کئی گنا زیادہ اس زمین کی قیمت بتلائی۔ مولانا نے اللہ کی ذات پر بھروسا کر کے ہمت کر لی اور ایک لاکھ روپیہ بیعانہ دیا، باقی کے لیے ادھر ادھر خطوط لکھے، اس خدمت میں حصہ ڈالنے کے لیے مولانا نے مجھے بھی ایک خط تحریر فرمایا، یہ ۱۹۹۷ کے اواخر کا کوئی مہینا تھا۔ مولانا نے بڑی ہی درمندی سے مجھے خط لکھا، جس میں جماعت کی غربت کے تذکرے کے بعد مجھ سے فرمایا کہ کم از کم ایک لاکھ روپیہ اس مد میں روانہ کروں۔ مولانا کا یہ خط میرے لیے حکم کا درجہ رکھتا تھا۔ چوں کہ کویت میں ابھی میری نئی نئی آمد ہوئی تھی، کسی سے اس قدر جان پہچان بھی نہیں تھی، ایک دو لوگوں کو جنھیں میں یہ سمجھتا تھا کہ اللہ ان کے ذریعے سے یہ کام بنا دے گا، گزارش کی، لیکن وہ ٹکا سا جواب دے کر خاموش ہوگئے۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگیں کہ وہ استاذِ محترم کے اس حکم کی تعمیل کا کوئی بندوبست فرمادے۔ الحمد للہ وہ گھڑی آ ہی گئی کہ دو ایسے احباب جو میرے درس میں بیٹھتے تھے، میرے پاس ایک فیصلہ لے کر آئے، جس میں ایک بھائی نے دوسرے سے ۶۵۰ کویتی دینار مانگے تھے۔ اس نے اسے اس نیت سے دے دیے کہ اس سے واپس نہیں لینے ہیں۔ جب دوسرے بھائی کی ضرورت پوری ہوگئی اور اس کے پاس مذکورہ رقم جمع ہوگئی تو اس نے وہ رقم واپس کردی، لیکن پہلے والے نے یہ کہتے ہوئے واپس لینے سے انکار کردیا کہ یہ میں نے واپس لینے کے لیے نہیں دیے تھے، لیکن دوسرے نے یہ کہتے ہوئے اصرار کیا کہ میں نے یہ رقم بطور قرض لی تھی۔ جب یہ دونوں میرے پاس آئے تو میں نے انھیں مولانا کا لکھا ہوا خط دکھایا۔ وہ دونوں اس بات پر راضی ہوگئے کہ یہ رقم اس مسجد کے لیے دے دیں۔ اس میں میں نے ۷۰ دینار ڈالے اور اس طرح ایک لاکھ کا ڈرافٹ بنا کر مولانا کے نام روانہ کیا۔ مولانا بڑے خوش ہوئے۔ خوب دعائیں دیں اور اس بھائی کو بھی شکریے کا خط لکھا۔ جب راقم ۱۹۹۸ء میں بچوں کے ساتھ رائیدرگ گیا تو مولانا نے اپنے دولت کدے پر دعوت پر بلایا۔ مسجد میں جب گیا تو ان روپیوں کا حساب پیش کرنا چاہا۔ میں نے نہایت ادب کے ساتھ مولانا سے گزارش کی کہ آپ مجھے مزید شرمندہ نہ کریں۔ اس کے بعد پھر اس جگہ کو خرید کر مسجد کا مشرقی دروازہ اور مسجد کی آمدنی کے لیے کچھ دکانیں وغیرہ بنوائیں اور اس طرح اپنے دورِ تولیت میں مولانا سید محمد اسماعیل رائیدرگی رحمہ اللہ کے خواب کو شرمندۂ تعبیر کیا اور مسجد جامع محمدیہ کو اس قدر وسیع وعریض کردیا کہ تنگ دامنی کا گلہ شکوہ جاتا رہا۔ مولانا عبدالغنی نے اپنی زندگی میں جماعت کے لیے جو بیش بہا خدمات انجام دیں، اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید قوی ہے کہ وہ ان کی مغفرت کا سامان بنیں گی۔

مولانا مرحوم کی ان جماعتی خدمات کو آئندہ نسلوں کے لیے ہم جیسے مولانا کے نام لیوا، ان کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

دینی، جماعتی، ملّی اور قومی خدمات کو فخر سے نہیں، بطور شکر ضرور ذکر کریں گے۔

علمی خدمات:

مولانا مرحوم کو جامعہ محمدیہ عربیہ رائیدرگ کی تدریسی، انتظامی اور فتویٰ نویسی کی ذمہ داریوں نے لکھنے کا موقع بہت کم دیا۔ جب چلنے پھرنے کی طاقت کچھ کم ہوگئی اور باہر آنے جانے کا سلسلہ ختم ہوگیا تو انھوں نے اپنی ساری توجہ مطالعہ اور تصنیف وتالیف کی طرف مبذول فرما دی۔ اسّی (۸۰) سال کی عمر میں جب قلم سنبھالا تو عوام الناس کے استفادے کے لیے کئی کتابیں اور کتابچے تصنیف کیے، جن میں سے چند یہ ہیں:

① ..... فضائل عشرۂ ذی الحجہ اور مسائل قربانی

② ..... حج وعمرہ کا مسنون طریقہ

③ ..... سات مہلک جرائم

④ ..... صفہ واصحاب صفہ

⑤ ..... سیرت سیدنا حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما الصلوٰۃ والسلام

⑥ ..... ادعیہ ماثورہ

⑦ ..... بدر واصحابِ بدر

⑧ ..... فتاویٰ محمدیہ

⑨ ..... بلوغ المرام کا اردو ترجمہ

ان میں سے کچھ کتابوں کے مطالعے کی اللہ تعالیٰ نے مجھے توفیق عطا فرمائی۔ عام فہم انداز میں عوام کے لیے یہ ایک عظیم تحفہ ہیں، بالخصوص ''صفہ واصحاب صفہ'' کا پروف دیکھنے کا مجھے موقع ملا۔ ان مبارک ومقدس ہستیوں کا ایمان افروز تذکرہ پڑھتے پڑھتے کئی مرتبہ آنکھیں نم ہوئیں اور ایمان میں اضافے کے اسباب مہیا ہوئے۔

فتاویٰ محمدیہ میں وہ سیکڑوں فتوے جمع کیے گئے ہیں جو مولانا موصوف نے مختلف مقامات سے آئے ہوئے استفتا کے جواب میں لکھے۔ مجھے اس کی ضخامت کا اندازہ نہیں، لیکن امید ہے کہ پانچ سو صفحات سے زیادہ ہی ہوں گے۔

میری طالب علمی کے زمانے میں مولانا نے ماہنامہ ''نور الایمان'' میں، جو شیخ الحدیث مولانا محمد داؤد راز مرحوم ومغفور کی ادارت میں اجمیری گیٹ دہلی سے نکلا کرتا تھا اور اب عرصے سے وہ بھی ''مرحوم'' ہو چکا ہے، ایک مضمون ''مدرسہ رحیمیہ کے فیوض وبرکات'' کے موضوع پر چار پانچ قسطوں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

میں تحریر فرمایا تھا۔ اب مولانا کے اخلاف میں مولوی عبدالمالک صاحب عمری اور مولوی حافظ عبدالکبیر عمری جو بالترتیب بیٹے اور پوتے ہیں، کی ذمہ داری ہے کہ وہ مولانا کی تحریروں کو جمع کر کے منصۂ شہود پر لائیں۔

کتب بینی کا شوق:

مولانا مرحوم کو اللہ تعالیٰ نے کتب بینی اور مطالعہ کا بے پناہ شوق عطا فرمایا تھا۔ جب تک جامعہ میں تدریس کی طاقت رہی، تب تک تو مطالعہ جاری ہی تھا، لیکن تدریسی ذمہ داری سے سبک دوشی کے بعد زیادہ تر وقت گھر پر ہی گزرنے لگا، اور اس عرصے میں انھوں نے ''خیر الجلیس الکتاب'' مقولے کو عملی جامہ پہناتے ہوئے کتاب کو اپنا ہم دم ورفیق بنالیا۔ جامعہ میں جتنی کتابیں میسر تھیں، ان کے مطالعہ سے تو وہ تقریباً فارغ ہو چکے تھے، لیکن نئی کتابوں کی تڑپ نے انھیں بے چین کر دیا۔ ''اصحاب صفہ'' اور ''اصحابِ بدر'' کتابوں کی تالیف کے دوران انھیں امام ابونعیم الاصفہانی کی ''حلیۃ الاولیاء'' کے مطالعے کا شوق پیدا ہوا۔ چوں کہ جامعہ کے کتب خانے میں یہ کتاب موجود نہیں تھی، اس لیے مولانا نے اس کتاب کے لیے مجھے لکھا کہ آتے ہوئے لیتا آؤں۔ میں نے یہاں کویت کے مکتبوں میں اسے دریافت کیا تو وہ سولہ ضخیم جلدوں میں نکلی۔ ظاہر ہے جو کتاب پچیس تیس کلو وزنی ہو تو اسے میں اپنے ساتھ کیسے لاسکتا تھا؟ میں نے اپنی اس مجبوری کا مولانا سے تذکرہ کیا، اور گزارش کی کہ اگر ہندوستان میں یہ کتاب کہیں سے مل سکتی ہے تو آپ خرید لیں، قیمت میں ادا کردوں گا۔ مولانا نے جواب میں لکھا:

''اب رہی بات کتاب کی! آپ نے اپنے اخلاقِ حسنہ کی وجہ سے معذرت چاہی ہے، غیر ممالک کا مسئلہ یہ ہے کہ ہر شخص جو ممالک عربیہ میں ملازمت کرتا ہے یا سیاحت کے لیے آتا ہے تو وہ واپسی میں اپنے گھر کے بچوں کی ضرورت کے سامان کا ایک ڈھیر اپنے ساتھ لاتا ہے، مجھ غریب کی یہ ضخیم ترین کتاب کون لانے کے لیے تیار ہوگا؟

''عزیزم! یہ کتاب غالباً اب تک ہندوستان میں نہیں آئی ہے۔ اس کی صورت یوں ہوسکتی ہے کہ ابنائے جامعہ محمدیہ اپنی واپسی کے وقت دو ایک جلدیں اپنے ساتھ لے آئیں۔ وہ آپ کے والدین کی طرف سے مکتبہ جامعہ کو وقف کردیں۔ اس طرح ہر صاحب علم اس سے مستفید ہوسکے گا۔ یہ میری رائے ہے۔ اب جو صورت آپ کی سمجھ میں آئے کریں۔''

[مراسلہ: مؤرخہ ۹ محرم الحرام ۱۴۲۹ھ، مطابق ۸/۲/ ۲۰۰۶]

اس مراسلے سے ابنائے جامعہ محمدیہ سے مولانا کی خوش گمانی عیاں ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

جس کسی سے میں نے اس تعلق سے کہا اس نے فوراً سر جھٹک دیا، جب کہ ان میں سے اکثریت کو راقم نے اپنے کمرے میں مہمان رکھ کر انھیں ملازمت میں پہنچایا۔ ان میں سے شاید ہی کوئی ایسا ہو جو سفر پر جاتے ہوئے کم از کم سلام ہی کر لے یا اپنی چھٹیوں میں اپنی مادر علمی کی زیارت ہی کر لے۔ واللہ المستعان

خیر! اس کے بعد عمرے پر مکہ مکرمہ جانا ہوا تو میں نے مشہور محقق محترم شیخ عزیر شمس صاحب سے اس کا تذکرہ کیا۔ انھوں نے مجھے مکہ میں مکتبہ الباز کا پتا بتایا، بلکہ از راہ کرم وہ خود میرے ساتھ مکتبے تشریف لائے۔ یہاں ''حلیۃ الاولیاء'' دس جلدوں میں مل گئی اور قیمت بھی کویت کے مقابلے میں آدھی۔ میں نے موقع غنیمت جان کر دو نسخے خرید لیے۔ ایک اپنے لیے اور دوسرا مولانا مرحوم کے لیے۔ پھر دیگر کتابوں کے ہمراہ کارگو کیا اور رائیدرگ جانے والے ایک طالب کے ساتھ اسے مولانا کی خدمت میں روانہ کیا تو مولانا نہ صرف بہت خوش ہوئے بلکہ ڈھیر ساری دعائیں دیتے ہوئے یہ خط ارسال فرمایا:

''آپ کی تحفہ میں دی ہوئی لاجواب کتاب ''حلیۃ الاولیاء'' دس جلدیں، اس کا ہر تذکرہ بلکہ ہر صفحہ لؤلؤ والمرجان، ہیرے وجواہرات سے زیادہ قیمتی معلومات سے بھرا ہوا ہے۔ میری تالیف کا بے حد مواد ہے۔ جب کتاب کی کسی جلد پر ہاتھ ڈالتا ہوں تو سوچ میں پڑ جاتا ہوں، کیا پڑھوں کیا نقل کروں؟ کہاں سے پڑھوں؟ کہاں ختم کروں؟ کس بزرگ کا تذکرہ نقل کروں کس کا چھوڑوں؟ تاہم کوشش کرتا ہوں۔'' [مراسلہ مؤرخہ ۲۷/۱۲/۲۰۰۷ء]

نیز تحریر فرماتے ہیں: ''الحمد للہ! کتاب کا مطالعہ جاری ہے۔ یہ میری زندگی کا انمول ذخیرہ ہے جو آپ نے مجھے دیا ہے، یہ ہیرے جواہرات اور موتیوں سے بڑھ کر ہے۔ اس کتاب کی ایک روایت نقل کردوں جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((کونوا أوعیة الکتاب وینابیع العلم وسلوا اللّٰہ رزقه فی یوم بیوم))

[ج:۱، ص:۵۱]

(کتاب اللہ کے ظرف بنو اور علم کے سرچشمے ہوجاؤ، اور اللہ تعالیٰ سے ہر دن کا رزق اسی دن مانگو۔)

''اس کتاب کے مطالعے سے بے شمار معلومات حاصل ہورہے ہیں۔ عجیب عجیب احادیث سے پُر ہے۔ احادیث اور بزرگان دین کے ارشادات جمع کرنے میں شیخ ابونعیم نے بڑی محنت کی ہے۔ غفر اللہ لہ۔ یہ انمول دینی معلومات کا ذخیرہ آپ کی بڑی یادگار ہے اور رہے گی۔ جب تک اس کا مطالعہ کرتا رہوں گا، آپ کے لیے دعائیں دیتا رہوں گا۔ جزاک اللہ احسن الجزاء

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

''اس کتاب کے مطالعہ سے اپنی دینی کم زوری معلوم ہوتی ہے اور ایمان پختہ ہوجاتا ہے۔ عزیزم! میں نے ہر کتاب کے شروع میں ایک سفید ورق چسپاں کردیا ہے۔ اس میں حاصل مطالعہ جو احادیث اور آثار مجھے پسند آتے ہیں ان کو اس ورق میں صفحہ نمبر کے ساتھ رقم کردیتا ہوں۔ عزیزم! اس کتاب کے بھیجنے پر کن الفاظ وعبارات سے آپ کا شکریہ بجا لاؤں۔ بس اتنا ہی کافی سمجھتا ہوں: جزاک اللہ احسن الجزاء فی الدارین۔ [مراسلہ مؤرخہ: ۸/۲/۲۰۰۷ء]

مولانا مرحوم کے یہ چند مراسلے تھے جو آپ نے مجھے کویت اور ہندوستان میں گھر کے پتے پر ارسال فرمائے، جنھیں ذکر کرنے کا مقصد معاذ اللہ ہرگز یہ نہیں ہے کہ میں نے مولانا کی ذات پر کوئی احسان کردیا، بلکہ یہ عاجز مولانا کا تاحین حیات مشکور وممنون رہا ہے۔ ان کی وفات کے بعد جب کبھی احقر نے اپنے لیے اور اہل وعیال اور اپنے والدین کے لیے دعائیں مانگی ہیں تو اپنے اس روحانی باپ کے لیے بھی ضرور دعائیں کی ہیں۔ مولانا کے ان خطوط کا حوالہ دینے کا مقصد صرف اور صرف یہی ہے کہ مولانا مرحوم اپنے ساتھ کی جانے والی کسی بھی نیکی کے کس قدر احسان مند اور شکر گزار ہوتے، اور کرنے والے کو کس قدر دلی دعاؤں سے نوازتے تھے۔ افسوس کہ اب علما سے دعا دینے کی عادت بھی ختم ہوچلی ہے۔ اب تو بس کھائے، پیے اور ٹرخے والا معاملہ رہ گیا ہے بلکہ کیڑے نہ نکالیں تو غنیمت ہے۔

ضعیفی کے صدمات:

مولانا اپنی زندگی میں مختلف صدموں سے دوچار رہے۔ ان صدموں کا سلسلہ تو ان کے بچپنے سے ہی شروع ہوگیا تھا، لیکن انھوں نے ان تمام مصائب کا مردانہ وار مقابلہ کیا اور ایک مردِ مومن کی طرح صبر اور شکر کی زندگی بسر کی۔ مولانا موصوف کو اللہ تعالیٰ نے چار لڑکیاں عطا فرمائی تھیں، جن میں سے دو بچیاں ان کی زندگی میں ہی وفات پاگئیں۔ ایک بچی جو اچھی بھلی کھیلتی کودتی تھی، یکا یک زمین پر گرجانے کی وجہ سے دونوں پیروں سے معذور ہوگئی، اور ان کی بڑی دختر باجی بدر النساء جو بال بچوں والی تھیں، قضائے الٰہی سے یکا یک انتقال کرگئیں۔ ان کی وفات کے کچھ عرصے بعد ان کے شوہر بھی انتقال فرما گئے اور سب سے چھوٹی بچی محترمہ اسماء بیگم بھی یکا یک داغِ مفارقت دے گئیں۔ بوڑھے ماں باپ کے سامنے اپنی اولاد کی وفات، ایک ایسا مسئلہ ہے جس سے صبر کا دامن چھوٹ جاتا ہے، لیکن مولانا نے ان تمام صدمات کو ﴿ قل لن یصیبنا إلا ما کتب اللہ لنا ﴾ کہہ کر برداشت کرلیا۔

۶۔ دسمبر ۲۰۰۵ء کو تاریخ نے مولانا مرحوم کو بڑھاپے میں زندگی کے ایک بڑے صدمے سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

دوچار کردیا۔ جو زخم ان کے دل پر لگا، وہ ان کی شریک حیات اور ہم سب کی مادرِ مہربان، محترمہ فاطمہ بی بی کی وفات کا تھا، جو مختصر علالت کے بعد یکا یک انھیں داغِ مفارقت دے کر اس عالم فانی سے دارالبقا چلی گئیں، مرحومہ تقریباً ساٹھ سال مولانا کی رفیقہ حیات رہیں۔ اس خاتون نے زندگی کی تنگی وترشی کا کبھی گلہ نہیں کیا، بلکہ وہ دوسروں کی پریشانیاں دور کرنے کی حریص تھیں اور ہم جیسے طالب علموں کے لیے ''ام المساکین'' تھیں۔ میری طالب علمی کے زمانے میں جامعہ میں جو کھانا ملتا تھا وہ کئی وجوہ کی بنا پر مجھ سے کھایا نہیں جاتا تھا۔ جب تک جیب میں پیسے ہوتے تب تک باہر سے گزارہ ہوجاتا، لیکن جب پیسے ختم ہوجاتے تو سالن کے حصول کے لیے، بقول غالب:

بنا کر فقیروں کا ہم بھیس غالب
تماشائے اہل کرم دیکھتے ہیں

''اہل رحم'' کے دروازوں پر دستک دی جاتی۔ ان میں سے ایک ہمارے ان مولانا کا کاشانہ بھی تھا۔ اللہ گواہ ہے کہ جب بھی فقیر نے کسی طالب علم کو سالن کے لیے مولانا کے گھر روانہ کیا تو مادرِ مہربان نے کبھی واپس نہیں لوٹایا۔ اپنے بچوں کے لیے کمی برداشت کرلی لیکن مہمانِ رسول ﷺ کو کبھی اپنے گھر سے خالی ہاتھ نہیں لوٹایا۔

بلکہ مولانا مرحوم خانہ داری کے لیے جو پیسے مرحومہ کو دیا کرتے تھے ان میں سے بھی وہ بچا کر بہت کچھ خیرات کرلیا کرتی تھیں۔ مجھے یاد ہے کہ مرحومہ انہی پیسوں سے گاہے ماہے طلبائے جامعہ کی ضیافت کیا کرتی تھیں، جن کی تعداد اس زمانے میں اصحاب صفہ سے کچھ زیادہ، سو کے لگ بھگ تھی۔

مولانا سید عباس حامی عمری رحمہ اللہ اپنے مکتب میں کچھ ایسے اشعار جو انتہائی معنویت کے حامل ہوتے، کسی اچھے کاتب سے تحریر کروا کر لٹکائے رکھتے تھے۔ ان میں سے دو اشعار وہ تھے جو امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ نے اپنی شاہ کار تصنیف ''تذکرہ'' کے آخر میں مولانا محی الدین احمد قصوری رحمہ اللہ کی گرفتاری کی خبر سن کر تحریر فرمائے تھے۔

تھا جوش و خروش اتفاقی ساقی
اب زندہ دلی کہاں ہے باقی ساقی
مے خانے نے رنگ و روپ بدلا ایسا
مے کش، مے کش رہا، نہ ساقی، ساقی

احقر نے اپنی اس ''مادر مہربان'' کی وفات پر مولانا مرحوم کو ایک تعزیتی خط لکھا اور مندرجہ بالا اشعار کا بھی تذکرہ کیا۔ چوں کہ مولانا اپنی وفا شعار رفیقہ حیات کی جدائی سے کچھ ایسے ہی روحانی کرب سے گزر رہے تھے جو مولانا آزاد مرحوم نے ذکر کیا تھا۔ پتا نہیں کہ یہ اشعار تھے کہ نالۂ دل۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مولانا نے جن الفاظ سے اس خط کا جواب دیا، میری دانست میں وہ میرے لیے کسی بڑے اعزاز سے کم نہیں۔ تحریر فرماتے ہیں:

''عزیزم! آپ کا محبت وخلوص اور عقیدت سے بھرا ہوا تعزیت نامہ وصول ہوا، جس کے پڑھنے سے مجھے اور افراد خانہ کو مزید تسلی اور صبر حاصل ہوا۔ تعزیت نامہ کو بچوں نے بار بار باری باری پڑھا اور پڑھتے ہی رہے، جزاک اللہ احسن الجزاء۔ نیز آپ نے کویت کی مشہور جامع مسجد میں مرحومہ کی نماز جنازہ غائبانہ بھی ادا فرمائی۔ اللہ اکبر! اس کا مزید شکریہ۔ اللہ پاک آپ کو اس تعزیت کا بھرپور اجر وثواب عطا فرمائے۔ مرحومہ کی قبر کو نور سے بھر دے اور جنت الفردوس اعلیٰ علیین میں اس کے مراتب اور درجات بلند فرمائے۔ آمین ثم آمین

''عزیزم! اللہ پاک کی مرضی کہ اس عالم پیری میں مجھے بڑی آزمائشوں اور محنتوں سے سابقہ پڑا۔ رمضان المبارک کے دو روز پہلے گھر ہی میں کرسی سے گر پڑا، جس سے بائیں زانو کی ہڈی تڑخ گئی۔ بنگلور جا کر آپریشن کرایا گیا۔ اکتوبر کی ۷ تاریخ تھی ہڈی کو جوڑ کر راڈ لگایا گیا۔ الحمد للہ اس کے بے انتہا فضل وکرم سے آپریشن کامیاب ہوا۔ ابھی ٹھیک طور پر چلنے پھرنے بھی نہ پایا تھا کہ ۵ دسمبر کو میری شریک حیات کی طبیعت خراب ہوگئی تو ۶ دسمبر کو عزیزم حاجی عبدالخالق سلمہ (مولانا کے منجھلے فرزند اور راقم الحروف کے انگریزی کے استاد) کار میں بلہاری علاج کے لیے لے گئے، تشخیص کے بعد وہ میرے سمدھی حاجی سید موسیٰ صاحب مرحوم کے گھر شام تک ٹھہرے رہے، بعد نماز عصر پانچ بج کر بیس منٹ پر وہ داعی حق کو لبیک کہتی ہوئیں اس کی رحمت میں پہنچ گئیں، ۷ دسمبر کو بعد نماز عصر تدفین عمل میں آئی۔

''عزیزم! مرحومہ نماز روزے کی بڑی پابند، مساکین اور غربا کی ہمدرد اور ان کا تعاون اپنے جیب خاص سے کیا کرتی تھیں۔ تلاوت قرآن مجید کی تو وہ حریص تھیں۔ زندگی میں کبھی اس نے اپنی خواہشات کے پورا ہونے پر اصرار نہیں کیا، جو ملا، کھا لیا اور جو مہیا ہوا، پہن لیا۔

''عزیزم! مرحومہ کی نماز جنازہ میں اس قدر جم غفیر تھا کہ مسجد اپنی وسعت کے باوجود تنگ ہوگئی۔''

مولانا مرحوم کے یہ وہ گلہائے محبت ہیں جو انھوں نے اپنی مرحومہ بیوی پر نچھاور فرمائے، اور اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ وہ اپنے رحم وکرم کے صدقے مرحومہ کو ان کی نماز، روزہ اور شوہر کی اطاعت پر ضرور جنت میں گھر عطا فرمائے گا، جیسا کہ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

"اَلْمَرْاَةُ إِذَا صَلَّتْ خَمْسَهَا، وَصَامَتْ شَهْرَهَا، وَاَطَاعَتْ بَعْلَهَا، وَاَحْصَنَتْ فَرْجَهَا، قِيْلَ لَهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ: اُدْخُلِي الْجَنَّةَ مِنْ اَيِّ اَبْوَابِهَا الثَّمَانِيَةِ شِئْتِ" [ترمذی]

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

یعنی عورت جب پنج وقتہ نماز پڑھے، رمضان کے روزے رکھے، اپنے شوہر کی اطاعت کرے، اور اپنی عصمت کی حفاظت کرے، تو اس سے قیامت کے دن کہا جائے گا کہ جنت کے آٹھوں دروازوں میں سے جس دروازے سے چاہے جنت میں داخل ہو جائے۔

نیز فرمان نبوی ہے:

" أيما إمرأة ماتت وزوجها عنها راض، دخلت الجنة ۔" [ترمذی: ۱۱۶۱]

جس عورت کا اس حال میں انتقال ہو جائے کہ اس کا شوہر اس سے راضی ہو تو وہ جنت میں داخل ہوگی۔

اساتذہ اور طلبا سے سلوک:

گزشتہ سطور میں یہ بات رقم کردی گئی ہے کہ مولانا قدرے سخت مزاج تھے۔ مولانا ایک بارعب شخصیت تھے۔ اساتذہ وطلبا آپ سے مرعوب رہتے۔ طلبا کی کوتاہیوں پر آپ سزا دیتے۔ لیکن یہ سزا برائے تادیب ہوتی نہ کہ سزا برائے سزا۔ جب طلبا چھٹی پر جانے لگتے تو مولانا روتے ہوئے طلبا سے معافی مانگتے۔ اگر مولانا کو احساس ہوتا کہ کسی کو اس کے جرم سے سزا زیادہ دی گئی ہے تو مولانا اس کی خصوصی دلجوئی فرماتے اور کچھ پیسے وغیرہ دے کر اسے راضی کر لیتے۔ بسا اوقات اگر کسی طالب علم پر کوئی استاد، ناحق ہاتھ اٹھاتا، یا سزا دیتا، تو مولانا بجائے استاد کے، طالب علم کی ہم نوائی فرماتے۔ ایک مرتبہ میرے ساتھ بھی ایک واقعہ اسی طرح کا پیش آیا کہ ایک طالب علم نے مجھے ایک تھپڑ رسید کیا۔ جواب میں میں نے اسی قسم کی حرکت کی۔ ان صاحب نے بڑا زور لگایا کہ جامعہ سے میرا اخراج ہو جائے لیکن انھیں منہ کی کھانی پڑی۔ مولانا نے مجھے خط بھیج کر گھر سے واپس بلوایا اور جامعہ میں رکھا۔ مولانا کا یہ احسان جب بھی یاد آتا ہے تو ان کے لیے دل سے بے ساختہ دعا نکلتی ہے۔

دل ہی تو ہے نہ سنگ وخشت، درد سے بھر نہ آئے کیوں
روئیں گے ہم ہزار بار، کوئی ہمیں رُلائے کیوں؟

یہ ناخوش گوار بات صرف اس لیے رقم کی گئی ہے کہ وہ لوگ جو اس قماش کے ہیں اور غلطی سے عربی مدارس میں پہنچ چکے ہیں، انھیں اس کا احساس ہو۔

مولانا مرحوم سے آخری ملاقات:

مولانا مرحوم سے میرا تعلق صرف استاذ وشاگرد کا ہی نہیں بلکہ باپ بیٹے، آقا اور خادم، محسن اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ممنون کا تھا۔ یہ خادم جب بھی ہندوستان آتا تو مولانا کی محبت مجھے سرزمین رائیدرگ کھینچ لاتی۔ یہ اس بستی کی نہیں بلکہ اس بستی کے اس مقدس باسی کی محبت تھی، بقول عربی شاعر:

أمر علی الدیار دیار لیلیٰ
وأقبل ذا الجدار وذا الجدار
وما تلک الدیار شغفن قلبی
ولکن حب من سکن الدیار

(جب لیلیٰ کے دیار سے میرا گزر ہوتا ہے، تو اس کے ہر در ودیوار کو میں بوسہ دیتا ہوں، حالاں کہ میرے دلی شغف کا مرکز یہ دیار نہیں، بلکہ ان گھروں کے باسیوں کی محبت ہے۔)

جنوری ۲۰۰۹ء کو میں نے مولانا مرحوم کی عیادت اور ملاقات کے شوق میں رائیدرگ کا سفر کیا۔ برادر محترم حضرت مولانا عبدالوہاب جامعی صاحب ﷾ کے ساتھ دنیائے علم وعمل کے اس بے تاج بادشاہ کے آستانے پر حاضری دی اور سلام کرنے کا شرف حاصل کیا۔ مولانا ممدوح کمزوری کے اس عالم میں بھی مطالعہ میں غرق تھے۔ جب سلام کی آہٹ محسوس فرمائی اور دیکھا کہ دو فقیر دعائیں لینے کے لیے دروازے پر کھڑے ہیں تو یوں سمجھیے پر تپاک ''استقبال'' فرمایا۔ ڈھیر ساری دعائیں دیں۔ بے حد کمزوری کے باوجود خود چل کر آئے، پر تکلف چائے سے ہم گناہ گاروں کی تواضع فرمائی۔ کئی موضوعات پر گفتگو ہوئی۔ اولِ وہلہ سے ہی مجھے دو طرح کے احساس ہوگئے تھے۔ اول یہ کہ مولانا نے مجھے پہچانا نہیں۔ اس کا اظہار میں نے محترم مولانا عبدالوہاب جامعی صاحب سے اشارۃً کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ نہیں، مولانا آپ کو پہچان گئے ہیں۔ میں نے مولانا سے آپ کی کتاب ''اصحابِ صفہ'' کی طباعت کے متعلق پوچھا تو مولانا نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ ''مولوی انور جو کویت میں رہتے ہیں، انھوں نے اس کا پروف دیکھا ہے اور اس قدر دقت نظری کے ساتھ کہ چھوٹی سے چھوٹی غلطی یا کامہ کہیں رہ گیا ہو تو اس پر بھی قلم چلایا ہے ..... ان کی اس بات سے مولانا عبدالوہاب جامعی نے فرمایا کہ واقعی آپ نے صحیح اندازہ کرلیا تھا کہ انھوں نے آپ کو نہیں پہچانا۔

دوسرا احساس یہ ہوا کہ شاید ہماری یہ ملاقات آخری ہو، اس لیے کہ مولانا بار بار یہ فرما رہے تھے، اے اللہ! میں تیرا بندہ ہوں، مجھے تجھ سے کوئی گلہ شکوہ نہیں، تو میرا خالق، مالک اور پالنہار ہے، میری جان پر تجھے اختیار کلی ہے، لیکن تجھ سے میری عرض اور التجا ہے کہ جان کنی کے وقت رحم وکرم کا معاملہ کر، اور میرا خاتمہ بالخیر فرما۔ ان کی زبان سے یہ الفاظ سن کر ہم دونوں کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے، بالخصوص مجھ گناہ گار کو یقین سا ہو چلا کہ انور! مولانا چراغِ سحری ہیں۔ اب بجھے کہ تب بجھے، اس لیے جتنی دعا لے سکتا ہے لے لے۔ پھر میں نے مولانا سے دعاؤں کی التجا کی۔ اب کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بار قسمت نے یاوری کی، مولانا نے غور سے دیکھا، فرمانے لگے: آپ مولوی انور تو نہیں؟ میں نے اثبات میں سر ہلایا تو گلے سے لگا لیا۔ دعاؤں کی برکھا رم جھم برسنے لگی۔ اس تھوڑے سے وقت میں نہ جانے مرحوم نے کتنی دعائیں دے ڈالیں۔ پھر میری کتاب ''اولاد کی اسلامی تربیت'' پر اظہار خیال فرمانے لگے کہ میں نے اردو زبان میں اس سے زیادہ جامع کتاب نہیں دیکھی۔ آپ نے تربیت کا کوئی پہلو تشنہ نہیں چھوڑا۔ ایک شاگرد کے لیے محترم استاذ کے ان الفاظ سے بڑی سوغات اور کیا ہوسکتی ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ مولانا مرحوم کے فرمائے ہوئے یہ الفاظ تاحین حیات پھولوں کی طرح دل میں مہکتے رہیں گے۔ مولانا مرحوم کی یادوں کے چراغ، زندگی کے اندھیروں کو روشنی میں بدلتے رہیں گے۔ ان شاء اللہ

دل نہیں چاہ رہا تھا کہ یہ صحبت ختم ہو، لیکن دوسری کئی مصروفیات زیادہ بیٹھنے کی اجازت نہیں دے رہی تھیں۔ آخر بادل ناخواستہ اور باچشم نم مولانا مرحوم کی خدمت سے اٹھ کر ہم دونوں چلے آئے۔

حسن خاتمہ کی تڑپ اور وفات:

مولانا مرحوم حسن خاتمہ کے لیے ہمیشہ دعائیں مانگتے، اور ہر ملنے والے سے دعاؤں کی درخواست فرماتے۔ کسی کو خط بھی لکھتے تو حسن خاتمہ کے لیے دعا کی التجا فرماتے۔ مولانا کے میرے پاس جتنے بھی خطوط آئے ان میں انھوں نے حسن خاتمہ کے لیے دعا کی بابت ضرور لکھا۔ بطور نمونہ دو تین خطوط کی مختصر عبارتیں پیش خدمت ہیں:

''الحمد للہ! میں اپنے افراد خاندان کے ساتھ بخیر ہوں، مزید صحت وتندرستی، دین وایمان اور حسن خاتمہ کی دعاؤں کا خواست گار ہوں۔'' [مراسلہ: مؤرخہ ۹ محرم الحرام ۱۴۲۹ھ، مطابق ۸/۲/ ۲۰۰۶]

نیز تحریر فرماتے ہیں: ''آخری درخواست ہے دعا فرمائیں کہ اللہ پاک حسن خاتمہ نصیب فرمائے اور صالحین ومحدثین کے ساتھ حشر فرمائے، آمین ثم آمین۔ ع ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد..... [مراسلہ مؤرخہ ۸/۲/ ۲۰۰۷ء]

ایک اور مکتوب میں فرماتے ہیں: ''ابنائے جامعہ کو اور آپ کے رفقائے کار کو سلام اور دعا کے بعد میرے حسن خاتمہ کی دعا کی درخواست بھی کرلیں۔ ''تحیتهم فیها سلام و آخر دعواهم ان الحمد لله رب العالمین.'' [مراسلہ مورخہ ۲۷/ ۲۱/ ۲۰۰۷ء]

مولانا مرحوم کے ان خطوط سے ہر کوئی بخوبی اندازہ لگا سکتا ہے کہ انھیں ایک مرد مومن کی طرح کس طرح اپنے حسن خاتمہ اور عاقبت کی فکر ستاتی تھی۔ کتنی دلسوزی ہے ان درخواستوں میں، کتنی تڑپ ہے ان لفظوں میں، حقیقت یہ ہے کہ جس دن سے ان کی مجلس سے اٹھا ہوں، ان کی وفات

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تک رائیدرگ کے متعلق کوئی اطلاع آتی تو دل میں اندیشہ رہتا کہ کہیں یہ مولانا مرحوم کے متعلق نہ ہو۔ آخر بروز سنیچر مؤرخہ ۱۴ فروری ۲۰۰۹ء کی صبح کو وہ دن آ ہی گیا کہ مولانا محترم اپنے سارے دنیوی علائق کو توڑ کر اپنے اس خالق ومعبود حقیقی سے جا ملے، جس کی زندگی بھر انھوں نے عبادت کی، جس کے آگے وہ ہمیشہ سربسجود رہے، جس کی حمد وثنا زندگی کے آخری سانس تک ان کے لبوں پر زمزمہ سنج رہی اور جس کی عبادت واطاعت اور توحید کی دعوت میں ان کی عمر کٹی اور جس کے فرامین تاحین حیات قال اللہ وقال رسول اللہ کہہ کہہ کر وہ اہل دنیا کو سناتے رہے۔ استاذ مرحوم کے فرزند اکبر محترم جناب الحاج ماسٹر عبدالباری ﷾ کی زبان سے یہ سن کر دل کو نہایت اطمینان ہوا کہ ان کی زبان مبارک پر بوقت وفات شہادتین کے وہی کلمات مقدسہ تھے، جس کی تڑپ روزِ ازل سے ان کے دل میں تھی، اور جس کی وجہ سے خاتمہ بالخیر کی درخواست دعا، ہر آنے جانے اور ملنے ملانے والے سے فرمایا کرتے تھے، اور الحمد للہ! جان بھی دی تو اسی کی الوہیت، اور اس کے حبیب جناب محمد ﷺ کی رسالت "اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمد رسول الله" کے اقرار پر۔

اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کی تڑپ کے عین مطابق حسن خاتمہ کی دولت نصیب فرمائی، جس کے سامنے ہفت اقلیم کی پادشاہی بھی ہیچ ہے۔ اللہ غنی وقدیر سے امید قوی ہے کہ اس نے اپنے بندے عبدالغنی سے وہی معاملہ کیا ہوگا جس کا اس نے اپنے مخلص بندوں کے لیے وعدہ فرمایا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مولانا کا کوئی بدل نہیں، شاید اب وہ سانچے ہی ٹوٹ چکے جس میں اس طرح کے انسان ڈھلا کرتے تھے۔ وہ مائیں ہی عنقا ہوگئیں جو اس طرح کے بچوں کو جنم دیا کرتی تھیں۔ ان کی وفات پر آنکھیں اشک بار اور دل غم گین ہیں، لیکن زبان پر وہی الفاظ ہیں جس سے ہمارا ربّ خوش ہو۔ اس لیے کہ

جان دی ، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

رہے ہم گناہ گار تو شریعت کے فرمان کے بموجب سوائے دعائے مغفرت کے اور کر ہی کیا سکتے ہیں، اور ہمارے لیے سوائے صبر جمیل کے اور چارہ ہی کیا ہے؟

للّٰہ ما اعطی وللہ ما أخذ وکل شیء عندہ بمقدار، فلتصبر ولتحتسب.

محترم الحاج سید عبداللہ صاحب ﷾ جوائنٹ سکریٹری جامعہ محمدیہ رائیدرگ وپرنسپل محمدیہ جونیر کالج رائیدرگ سے یہ معلوم کرکے دلی خوشی ہوئی کہ عوام وخواص کا ایک جم غفیر جنازے کے ساتھ تھا۔ علما وطلبا اور ہر جگہ کے ذمہ داران مدارس اور احباب جماعت کا اس قدر مجمع ماضی قریب میں رائیدرگ کے کسی جنازے میں دیکھنے میں نہیں آیا۔ یہ سن کر امام اہل سنت سیدنا حضرت احمد بن حنبل رحمہ اللہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کی وہ بات یاد آ گئی جو آپ اپنی زندگی میں اہل بدعت سے فرمایا کرتے تھے کہ ''اے اہل بدعت! ہمارے اور تمھارے جنازے ہی ہمارے حق اور باطل کا معیار بنیں گے۔'' ان کے جنازے کو دیکھ کر لوگوں نے کہا: ''اہل سنت وحدیث کے جنازے ایسے ہی ہوتے ہیں۔'' [مناقب احمد بن حنبل]

اولاد واحفاد:

مولانا کی اولاد پانچ بیٹے تھے اور چار بیٹیاں .....! مولانا نے سب کی بہترین تربیت فرمائی اور ایک باپ اپنے بچوں کو جس مقام پر پہنچا سکتا تھا، پہنچایا۔ سب کو سب پڑھایا، بچیوں کے لیے نیک رشتے تلاش کر کے ان کی شادیاں کر دیں، اور بچوں کو بھی دنیوی تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم سے آراستہ کر کے دین دار خاندانوں میں ان کی شادیاں کیں، جس کی وجہ سے ماشاء اللہ ایک بھرا پڑا خاندان معرض وجود میں آیا۔ ان کی نرینہ اولاد کی تفصیل درج ذیل ہے:

①..... محترم جناب الحاج ماسٹر عبدالباری سیفی ﷾ مولانا مرحوم کے فرزند کبیر ہیں، انگریزی لٹریچر میں بی اے کرنے کے بعد محمدیہ ہائی سکول میں استاد مقرر ہوئے۔ ترقی کرتے کرتے سکول کے ہیڈ ماسٹر بنے۔ غالباً چار پانچ سال پہلے والد مرحوم کی زندگی میں ہی ریٹائرڈ ہوئے۔ اہلیہ محترمہ کے ساتھ حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی۔ جامعہ محمدیہ رائیدرگ کے رکن شوریٰ اور کئی دینی، جماعتی اور رفاہی اداروں کے سرگرم رکن ہیں۔ دین داری میں ''الولد سر لابیه'' کے مصداق۔ دینی وجماعتی غیرت میں والد کے پرتو۔ ان کو بھی اللہ تعالیٰ نے کئی بچوں اور بچیوں سے نوازا، جن میں بڑے فرزند عزیزم حافظ عبدالکبیر سیفی عمری سلمہ کو حافظ قرآن کے ساتھ ساتھ عالم دین بھی بنایا اور دوسرے فرزند عزیزم عبدالخبیر خالد سیفی سلمہ ایک کمپنی (INCT) میں ملازم ہیں، تیسرے فرزند عبدالقدیر اسعد سیفی ''کپل'' میں کمپیوٹر آپریٹر ہیں۔ چوتھے فرزند عبدالعلیم جنید سیفی حیدر آباد میں انجینئرنگ کر رہے ہیں۔ دو بچیاں ہیں جن میں عزیزہ عائشہ حمیرا کی شادی ہو چکی ہے اور دوسری بچی زینب نویرہ ابھی پڑھ رہی ہے۔

②..... محترم الحاج ماسٹر عبدالخالق صاحب سیفی: مولانا کے منجھلے فرزند ہیں۔ گریجویشن کے بعد بیجاپور سے ٹیچر ٹریننگ کی، کچھ ماہ جامعہ محمدیہ میں انگریزی کے ٹیچر رہے۔ اسی دوران راقم کو بھی ماسٹر صاحب سے انگریزی سیکھنے کا موقع ملا، ہنس مکھ، ملنسار، خوش مزاج، دینی وجماعتی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والے ہیں، والد مرحوم کی زندگی میں ہی دسمبر ۲۰۰۷ء میں اہلیہ محترمہ کے ساتھ حج بیت اللہ ادا کیا۔ اللہ تعالیٰ انھیں صحت وعافیت کے ساتھ اولاد کی نعمت سے نوازے، آمین۔

③..... مولوی عبدالمالک سیفی عمری: مولانا کے تیسرے فرزند ہیں ۱۹۸۳ء میں جامعہ دارالسلام

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

عمر آباد سے فراغت حاصل کی۔ کچھ ماہ بنواسی میں امامت وخطابت کی ذمہ داریاں سنبھالیں۔ پھر قطر تشریف لے گئے، قطر سے واپسی کے بعد اپنی مادر علمی میں پہلے وارڈن اور پھر مدرس مقرر ہوئے، اس طرح والد کے دینی وارث ہوئے۔

والدین مرحومین کی زندگی ہی میں کئی بار حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی۔ دسمبر ۲۰۰۷ء میں بھی منجھلے بھائی کے ہمراہ حج بیت اللہ پر تشریف لے گئے تھے۔ بنگلور میں شادی کی۔ دو بچوں محمد سیفی اور اسامہ سیفی کے والد ہیں۔ ملاقات ہوئے پچیس سال کا عرصہ بیت گیا۔ نہ انھوں نے کبھی رابطہ کیا اور نہ اس دور افتادہ کو کبھی اس کا شوق ہوا۔

④..... عزیزم ڈاکٹر عبدالباسط صاحب سیفی: مولانا کے چوتھے فرزند ہیں، ڈپلوما یا گریجویشن کے بعد (Trax Air) کمپنی میں بطور فینانس ایگزیکٹو ملازم ہیں۔

مولانا کے چند مشہور تلامذہ:

مولانا عبدالغنی سیفی مرحوم کے ساٹھ سالہ دور تدریس میں ہزاروں تشنگانِ علوم دینیہ نے ان سے علمی پیاس بجھائی۔ میرے دوران تعلیم ہی میں مولانا کو یہ شرف حاصل ہوا تھا کہ انھوں نے متواتر تین نسلوں کو پڑھایا تھا۔ اس طرح باپ، بیٹے اور پوتے نے ایک استاذ سے علم حاصل کیا۔ آج بھی ان کے ہزاروں شاگرد عرب وعجم میں پھیلے ہوئے ہیں، جن میں راقم الحرف کے علاوہ چند مشہور شاگرد یہ ہیں:

①..... استاذ محترم مولانا عبدالباسط صاحب ریاضی: ان کی شخصیت مولانا کے شاگردوں میں سب سے نمایاں ہے۔ جامعہ محمدیہ سے فراغت کے بعد جامعہ ریاض العلوم دہلی سے سند فضیلت حاصل کی۔ پھر تقریباً چار دہائیوں تک جامعہ میں مولانا کے دست وبازو بنے رہے۔ پھر جامعہ کے ناظم اور شیخ الحدیث مقرر ہوئے، اس کے بعد صوبائی جمعیت اہل حدیث آندھرا پردیش کے امیر مقرر ہوئے۔ اپنے دور امارت میں صوبے میں جماعت کو مضبوط کیا۔ آزادی کے بعد جمعیت کے جتنے امیر مقرر ہوئے ان سب سے زیادہ فعال اور سرگرم امیر رہے۔ آج بھی جامعہ میں شیخ الحدیث کے عہدۂ جلیلہ پر فائز ہیں۔

②..... استاذِ محترم مولانا عبدالرحیم صاحب آشم عمری رحمہ اللہ: جامعہ محمدیہ سے ابتدائی تعلیم کے حصول کے بعد جامعہ دارالسلام عمر آباد سے فراغت حاصل کی۔ پھر تقریباً ۱۹۷۰ء سے ۱۹۹۸ء تک جامعہ میں مدرس رہے۔ مولانا مرحوم کی ریٹائرمنٹ کے بعد جامعہ کے ناظم رہے۔ شاعری کا بھی ذوق رکھتے اور آشم تخلص کرتے تھے۔ بڑی دلنشین تقریر فرماتے۔ طنز ومزاح کا ستھرا ذوق تھا۔ کسی کو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

لاجواب کرنے میں مہارت رکھتے تھے۔ افسوس کہ مولانا کی ریٹائرمنٹ کے بعد جلد ہی حرکت قلب بند ہونے سے انتقال فرما گئے۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ

④.....مولانا محمد یوسف جمیل جامعی ﷾: جامعہ سے فراغت کے بعد عمر عربک ہائی سکول کرنول میں فارسی کے استاذ مقرر ہوئے۔ غالباً ۱۹۹۴ء میں سابق صدر جمہوریہ ہند آنجہانی ڈاکٹر شنکر دیال شرما نے ان کو ہندوستان کا سب سے بہترین فارسی استاد ہونے کا ایوارڈ عطا کیا۔ مشہور صاحب دیوان شاعر ہیں۔ شاعری میں کئی کتابیں منظر عام پر آئی ہیں۔ جمیل تخلص کرتے ہیں۔ بہت سے دینی موضوعات پر کتابیں اور کتابچے تحریر فرما چکے ہیں۔ جماعتی اخبارات میں ان کے رشحات قلم چھپتے رہتے ہیں۔ صوبائی جمعیت اہل حدیث آندھرا پردیش کے سابق نائب امیر اور آندھرا پردیش اور کرناٹک میں کئی مدارس، مساجد اور دینی تنظیموں کے رکن، راقم الحروف کے لیے قابل صد احترام بڑے بھائی۔ نہایت خوش مزاج، ہنس مکھ، دینی و جماعتی غیرت سے مالا مال اور کرنول میں جماعت کی پہچان۔ حفظه الله و كثر امثاله

④.....مولانا عبدالوہاب جامعی: انھوں نے ۱۹۷۳ء میں جامعہ سے فراغت پائی۔ اس کے بعد ہرپن ہلی (ضلع بلہاری حال دوان گیرہ) کی ایک مسجد میں امام وخطیب مقرر ہوئے۔ پہلے اپنی مقامی جمعیت کو منظم کیا۔ پھر ضلع بلہاری کے ناظم جمعیت ہوئے۔ تقریباً پندرہ سے بیس سال تک صوبائی جمعیت اہل حدیث کرناٹک کے ناظم اعلیٰ منتخب ہوتے رہے۔ اب خطیب الہند حضرت مولانا عبدالمتین صاحب جوناگڑھی ﷾ امیر جمعیت ہیں اور مولانا عبدالوہاب جامعی ناظم۔ اس سنہری دور میں انھوں نے کرناٹک کی جمعیت کو کیرالا کے بعد ہندوستان کی سب سے منظم اور فعال جمعیت بنایا۔ اس عرصے میں وہ ایک سے زیادہ مرتبہ نائب ناظم مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے عہدۂ جلیلہ پر فائز ہوئے۔ افسوس کہ پھر صوبائی جمعیت میں اختلافات پیدا ہوگئے۔

اس کے بعد مولانا نے "الجمعية الاسلامية التعليمية للاقلية المسلمة" کے نام سے ایک تعلیمی ادارہ قائم کیا اور خونِ جگر سے اس کی آب یاری کی۔ چھ سات سال کی محنت کے نتیجے میں کلیۃ فاطمۃ الزہراء للبنات اور دیگر اس سے ملحق اداروں سے علم کا ایک شاداب چمن معرض وجود میں آ گیا۔ علم کی ایک بستی آباد ہوگئی، جسے دیکھ کر دل ونظر کو روحانی انبساط حاصل ہوتا ہے۔ مولانا عبدالوہاب جامعی کا نام جدوجہد کی ایک پہچان بن گیا۔ متعنا الله بطول حياته وبارك في جهده ونفع به الإسلام والمسلمين.

⑤.....مولانا محمد شعیب میمن جامعی جوناگڑھی: عزیز موصوف جماعت اہل حدیث کے گل سرسبد حضرت مولانا محمد جوناگڑھی ﷾ کے حقیقی پوتے، حضرت مولانا محمد یعقوب جوناگڑھی ﷾ کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

فرزند دلبند اور حضرت مولانا عبدالمتین میمن جوناگڑھی رحمہ اللہ کے بھانجے اور صوبائی جمعیت اہل حدیث گجرات کے امیر ہیں۔ چندے جامعہ رحمانیہ بنارس میں تعلیم حاصل کی۔ پھر جامعہ محمدیہ رائیدرگ منتقل ہوئے۔ اس دور میں راقم سے بھی کچھ کتابیں پڑھیں۔ خاندانی جوش خطابت سے بھر پور اور جمعیت و جماعت کے بے لوث خادم۔ شنید ہے کہ آج کل بیمار رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ عزیز موصوف کو شفائے کامل دے اور انھیں جماعت کی مزید خدمت کی توفیق بخشے۔

⑥..... مولانا عبدالغنی جامعی سلفی: گزشتہ صفحات میں ایک واقعے کے ضمن میں موصوف کا ذکر آچکا ہے۔ جامعہ سلفیہ بنارس سے فراغت کے بعد اردو کالج تالی کوٹ ضلع بیجاپور کے لیکچرر اور پھر پرنسپل مقرر ہوئے۔

⑦..... مولانا عبدالقدیر جامعی سلفی: جامعہ سلفیہ بنارس سے فراغت کے بعد عرصہ تک جامعہ محمدیہ رائیدرگ کے استاذ رہے۔ پھر سکیب (Scabe) کالج بیجاپور میں لیکچرر مقرر ہوئے۔ سرکاری ملازمت کے ساتھ ساتھ دینی اور جماعتی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

⑧..... محترم شیخ ظفر اللہ خان جامعی ندوی: جامعہ سے فراغت کے بعد ندوۃ العلماء لکھنؤ سے فراغت حاصل کی۔ تقریباً دس سال سے جمعیۃ احیاء التراث الاسلامی فرع الجہراء کویت میں بحیثیت تلگو داعی کا کام سرانجام دے رہے ہیں۔ کئی اردو اور تلگو کتابوں کے مؤلف ومترجم ہیں۔

⑨..... مولانا عبدالغفور جامعی: جامعہ سے فراغت کے بعد کچھ عرصہ رائیدرگ میں ہی بحیثیت استاد خدمات انجام دیں۔ پھر بحرین تشریف لے گئے اور وہاں دعوتی میدان میں خدمات سرانجام دیں۔ اچھے خطیب اور خوش مزاج وملنسار عالم ہیں۔ راقم سے بھی تلمذ رکھتے ہیں۔

مذکورہ تلامذہ کے علاوہ ہزاروں مولانا کے شاگرد ہیں جو عرب وعجم اور ہندوستان کے ہر خطے میں پھیلے ہوئے ہیں۔

آخری عرض:

یہ مولانا عبدالغنی سیفی عمری کی سیرت کے کچھ پہلو تھے، جن کے متعلق احقر نے چند باتیں عرض کی ہیں۔ ان تمام خوبیوں کے باوجود مولانا انسان تھے۔ ہر انسان کچھ خوبیوں اور کچھ خامیوں کا مجموعہ ہوتا ہے۔ لیکن ہمیں فوت شدگان کی خوبیاں بیان کرنی چاہئیں، اس لیے کہ فرمان نبوی ﷺ ہے: "اذکروا محاسن موتاکم" (تم اپنے مرحومین کی خوبیاں بیان کرو۔) نیز نبی ﷺ کا ارشاد ہے: "لا تسبوا امواتکم فإنهم افضوا الی ما عملوا" [بخاری: ۳/ ۲۰۶] یعنی اپنے فوت شدہ لوگوں کو برا بھلا نہ کہو اس لیے کہ وہ اپنے اعمال کی جزا پانے کے لیے ربّ کے دربار میں پہنچ چکے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

میں ان تمام حضرات سے جنھیں مولانا سے کوئی ٹھیس پہنچی ہو، گزارش کرتا ہوں کہ وہ براہِ کرم مولانا کو معاف فرما دیں۔ اس لیے کہ رب العالمین ایسے بندوں کو معاف کرتے ہیں جو اپنے بھائیوں کی خطاؤں کو بخش دیتے ہیں۔

مولانا مرحوم کے متعلق لکھنا شروع ہی کیا تھا کہ جنوبی ہند میں سلفی دعوت کے ایک اور ستون حضرت مولانا عبدالمتین صاحب میمن جونا گڑھی رحمہ اللہ کی وفات کی خبر نے دل ودماغ پر ایک اور بجلی گرا دی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اب جنوبی ہند میں صرف دو چار ہی لوگ ایسے باقی رہ گئے ہیں جنھیں سلفی دعوت کا امام کہا جاسکتا ہے۔ ان میں سے ایک حضرت مولانا ظہیر الدین صاحب اثری حفظہ اللہ ہیں جو کہ عرصے سے مریض اور شاید چراغ سحری ہیں۔ اور دوسرے ہیں استاذ محترم شیخ انیس الرحمٰن صاحب اعظمی عمری حفظہ اللہ، ڈائریکٹر مرکز ابن القیم مدراس۔ اللہ تعالیٰ دونوں بزرگوں کی حفاظت فرمائے اور صحت وعافیت کے ساتھ مزید جماعتی خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔

فی الحال دور دور تک ایسے لوگ نظر نہیں آتے جو علم وعمل اور جماعتی خدمت میں طاق ہوں۔ اس قحط الرجال میں علمائے اہل حدیث کا اس طرح یکے بعد دیگرے دنیا سے چلے جانا جماعت کے لیے ایک شدید دھچکا اور آزمائش ہے۔ بقول علامہ حالی رحمہ اللہ:

غالبؔ ہے، نہ شیفتہؔ ہے، نہ نیرؔ باقی
وحشتؔ ہے، نہ سالکؔ ہے، نہ انورؔ باقی
حالیؔ اب اسی کو بزمِ یاراں سمجھو
یاروں کے جو داغؔ ہیں دل پر باقی

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دست بدعا ہوں کہ وہ مولانا عبدالغنی سیفی عمری مرحوم کی شان دار دینی وملی، اور دعوتی وعلمی خدمات کو قبول فرمائے اور انھیں جنت الفردوس اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے۔ نیز تمام ذمہ داران وطلبائے جامعہ محمدیہ اور مولانا مرحوم کے اہل وعیال، خویش واقارب کو اس صدمۂ جانکاہ پر صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے، آمین یا رب العالمین۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

حاجی تاج محمود بھٹی

(وفات ۱۶۔فروری ۲۰۰۹ء)

ہماری ایک پھوپھی کا نام رحمت بی بی تھا۔ اس کی شادی ہمارے ماموں (عبدالخالق) سے ہوئی تھی۔ وہ جولائی ۱۹۴۶ء میں پینتیس (۳۵) سال کی عمر میں فوت ہوگئے تھے۔ ہماری پھوپھی کی عمر بھی اس وقت چونتیس پینتیس سال کی ہوگی۔ ان کے چھوٹے چھوٹے بچے تھے۔ اگست ۱۹۴۷ء میں ملک تقسیم ہوا تو ہماری پھوپھی اپنے بچوں سمیت اسی گاؤں میں آ گئی تھی، جہاں ہم آئے۔ یہاں آ کر چند روز میں اس کے تین بچے وفات پاگئے، جن میں ایک بیٹا سولہ سترہ سال کا تھا۔ دو بیٹیاں اور ایک بیٹا زندہ ہے اور جوانی کو پہنچے۔ دونوں بیٹیوں کی شادی ہمارے گاؤں (چک ۵۳ گ ب منصورپور) سے تقریباً بیس کلومیٹر کے فاصلے پر چک نمبر ۳۶ گ ب کے دو حقیقی بھائیوں سے ہوئی۔ بڑی بیٹی کے شوہر کا نام عبدالوہاب تھا اور چھوٹی کے شوہر کا نام عبداللہ.....!

بڑی بیٹی کے دو بیٹے ہوئے۔ بڑے بیٹے کا نام طاہر محمود رکھا اور چھوٹے کا تاج محمود.....! ابھی یہ دونوں بھائی کم عمر ہی تھے کہ والدہ وفات پاگئیں۔ کچھ عرصے بعد ان کا والد عبدالوہاب قتل ہوگیا۔ وہ کشیدہ قامت اور خوب صورت جوان تھا۔ متحمل مزاج، بلند اخلاق اور ملنسار۔

دوسرے بھائی (عبداللہ) کی اولاد ایک بیٹا ہے اور ایک بیٹی۔ ان بہن بھائیوں کی ماں بھی اللہ کو پیاری ہوگئی۔ عبداللہ کے بیٹے کا نام مولوی محمد یاسین ہے۔ وہ کئی سال سے تاندلیاں والا شہر کی ایک مسجد اہل حدیث میں فریضہ خطابت انجام دے رہے ہیں۔ کچھ مدت کے بعد عبداللہ بھی سفر آخرت اختیار کرگیا۔ اس طرح ہماری پھوپھی (رحمت بی بی) شدید صدمے برداشت کرتی ہوئی اللہ کے دربار میں پہنچ گئی۔ اس کے بیٹے (محمد بشیر) کی شادی ہماری سب سے چھوٹی بہن سے ہوئی۔ وہ بھی چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑ کر جوان عمر میں اچانک دل کی حرکت بند ہوجانے سے انتقال کرگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

عبدالوہاب اور عبداللہ کے بیٹے میری مرحومہ پھوپھی کے نواسے ہیں، اس طرح یہ میرے بھانجے ہوئے اور مجھے ماموں کہہ کر پکارتے ہیں۔ آئندہ سطور میں ان میں سے تاج محمود کے متعلق چند گزارشات پیش کرنا مقصود ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تقسیم ملک سے قبل تاج محمود کے آبا واجداد کا تعلق سکونت مشرقی پنجاب کے ضلع فیروز پور کی تحصیل مکتسر کے ایک چھوٹے سے گاؤں ''بڈھیمال'' سے تھا۔ یہی گاؤں مولانا حافظ عبداللہ بڈھیمالوی، حافظ احمد اللہ بڈھیمالوی، جامعہ سلفیہ کے شیخ الحدیث حافظ عبدالعزیز علوی اور قاضی محمد اسلم سیف کا مسکن تھا۔ آزادیٔ برصغیر کے بعد یہاں کے لوگ ضلع فیصل آباد کی تحصیل جڑاں والا کے ایک گاؤں چک نمبر ۳۶ گ ب میں آباد ہوگئے تھے۔ اس گاؤں میں ۱۹۶۳ء کو تاج محمود کی ولادت ہوئی اور اسی گاؤں کے سکول میں اس نے پرائمری تک تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد اسی گاؤں کے بعض اساتذہ سے درس نظامی کی چند کتابیں پڑھیں۔ پھر جامعہ تعلیم الاسلام (ماموں کانجن) میں داخلہ لیا اور آٹھ سال وہاں پڑھتے رہے اور درس نظامی کے مروّجہ نصاب کی تمام کتابیں وہیں کے اساتذہ سے پڑھیں۔ وہ اساتذہ تھے: حافظ محمد بنیامین طور، مولانا محمد علی مسلم، مولانا عبدالرشید اثاروی، مولانا رفیع الدین فردوسی، مولانا عبداللہ مشتاق اور دیگر اساتذہ کرام۔ ۱۹۸۶ء میں انھوں نے سند فراغت لی۔

وفاق المدارس کا امتحان بھی دیا، فاضل عربی اور اے ٹی ٹی سی کے امتحانات بھی پاس کیے۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد جامعہ تعلیم الاسلام (ماموں کانجن) ہی میں بہ طور مدرس ان کی تقرری ہوئی۔ اس سے کچھ عرصہ بعد یکم نومبر ۱۹۸۷ء کو تحصیل جڑاں والا کے ایک گاؤں کے ہائی سکول میں عربی مدرس مقرر کیے گئے۔ اس کے ساتھ ہی ایک گاؤں میں انھوں نے خطبہ جمعہ کا سلسلہ بھی شروع کر دیا تھا۔

۱۹۸۹ء میں ان کا تبادلہ تحصیل سمندری کے ایک گاؤں چک نمبر ۴۸۵ گ ب کے ہائی سکول میں ہوگیا تو وہ سکول کی معلّمی کے ساتھ موضع کنجوانی کی مسجد میں خطبہ جمعہ دینے لگے۔ اس سے ایک سال بعد ۱۹۹۰ء میں وہ ایک قریبی گاؤں چک نمبر ۵۴۲ گ ب بلوآنہ کی جماعت اہل حدیث کی دعوت پر اپنے اہل وعیال سمیت وہاں سکونت پذیر ہوگئے اور وہاں امامت وخطابت کا فریضہ انجام دینے لگے۔ نیز نماز فجر کے بعد درس قرآن اور بچوں کو ناظرہ قرآن اور ترجمہ قرآن پڑھانے کا سلسلہ بھی شروع کر دیا تھا۔ نماز مغرب کے بعد بھی وہ گاؤں کے بچوں کو قرآن پڑھاتے تھے۔ سکول میں بھی وہ طلبا کو درس قرآن دیتے تھے۔ سکول میں نماز ظہر کی امامت بھی انہی کے ذمے تھے۔ تبلیغ دین اور بچوں کی تعلیم وتربیت ان کا اہم مشغلہ تھا۔ سکول کے معلم اور گاؤں کے لوگ ان کا بے حد احترام کرتے تھے۔

انھوں نے تعلیم کے تمام مراحل جامعہ تعلیم الاسلام (ماموں کانجن) میں طے کیے تھے اور اس تعلیمی ادارے سے انھیں بہت محبت تھی۔ چناں چہ گورنمنٹ ہائی سکول سے (جس میں وہ ملازم تھے)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

چھٹی لے کر وہ ہمیشہ رمضان المبارک میں جامعہ تعلیم الاسلام کے لیے چندہ لینے منڈی بہاء الدین، وزیر آباد اور حافظ آباد وغیرہ مقامات میں جاتے۔

ہم انھیں پیار سے ''تاجو'' کہا کرتے تھے اور وہ اپنے بچپن کا یہ نام سن کر نہایت خوش ہوتے تھے۔ وہ خوش کلام اور حلیم الطبع تھے۔ چھوٹے بڑے، امیر غریب، سب سے خندہ پیشانی سے ملتے اور ان کی غمی خوشی میں شریک ہوتے۔

ان کا حلیہ یہ تھا: میانہ قد، گداز جسم، سرخی مائل گندمی رنگ، ہنس مکھ، گول چہرہ۔ نرم مزاج۔ کھلی پیشانی، چوڑا سینہ، روشن آنکھیں اور مناسب ناک نقشہ۔ سب کے خیر خواہ اور سب کے ہم درد۔

۱۹۹۲ء میں انھوں نے حج بیت اللہ کیا۔ اس سال مولانا محمد اسحاق سندھو ملتانی مرحوم بھی حج کے لیے گئے تھے۔ جو صوفی عبداللہ مرحوم ومغفور کے ارادت مند اور جامعہ تعلیم الاسلام (ماموں کانجن) کے فاضل مدرس قاری حفیظ الرحمٰن کے والد مکرم تھے۔ تاج محمود نے سفر حج میں مولانا محمد اسحاق سندھو ملتانی کی بہت خدمت کی۔ انھوں نے خوش ہو کر ان کو دعا دی کہ اللہ تعالیٰ تمھیں سات بیٹے عطا فرمائے۔ دعا قبول ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے واقعی انھیں سات بیٹے عطا فرمائے۔ حج بیت اللہ کے بعد انھوں نے کئی دفعہ عمرے کی سعادت حاصل کی۔ گاؤں کے لوگ اور سکول کے ٹیچر انھیں حاجی صاحب کہا کرتے تھے۔

۲۰۰۶ء میں حاجی تاج محمود پر فالج کا حملہ ہوا۔ حملہ سخت تھا، لیکن علاج معالجے کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے بیماری رفع فرما دی اور وہ حسب سابق سکول کی تدریس اور مسجد کی خطابت وامامت میں مشغول ہو گئے۔

۱۶۔ فروری ۲۰۰۹ء (۲۰۔ صفر ۱۴۳۰ھ) کو وہ اڈا مرید والا (تحصیل سمندری) کے ایک نواحی گاؤں کے ہائی سکول میں پرچے چیک کر رہے تھے کہ اچانک حرکت قلب بند ہوئی اور وہ انتقال کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ان کی وفات کی خبر آناً فاناً مختلف مقامات میں پہنچ گئی۔ ان کی میت ان کے گھر چک نمبر ۵۴۲ لائی گئی اور وہاں ان کا جنازہ پڑھا گیا، جس میں اس گاؤں کے اور اردگرد کے دیہات کے بے شمار لوگ شریک ہوئے۔ اس کے بعد ان کی میت ان کے آبائی گاؤں چک نمبر ۳۶ لائی گئی اور وہاں جامعہ سلفیہ کے شیخ الحدیث حافظ عبدالعزیز علوی نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ اس میں بھی لاتعداد لوگ شامل تھے۔ بڑے بڑے علماء اور مدارس کے شیوخ الحدیث شریک جنازہ ہوئے۔

وفات سے چند روز پہلے انھوں نے عمرے کا پروگرام بنایا تھا اور تیاری مکمل کی تھی، لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے انھیں موت کا پیغام آ گیا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ان کی وفات کے بعد منڈی بہاء الدین اور بعض دیگر مقامات سے مجھے متعدد لوگوں نے ٹیلی فون کیے اور بتایا کہ وہ کسی سلسلے میں ان کے ہاں جاتے تو میرا ذکر بھی کرتے اور انھیں بتاتے کہ وہ میرے ماموں ہیں۔

تاج محمود کی شادی مولانا عبدالغنی بڈھیمالوی مرحوم کی پوتی اور مولانا احمد علی بڈھیمالوی مرحوم کی بیٹی سے ہوئی تھی۔ (مولانا عبدالغنی اپنے علاقے کے مشہور عالم دین تھے۔ دنیوی اعتبار سے بھی صاحب حیثیت اور دور تک پھیلی ہوئی زمینوں کے مالک تھے۔) اس طرح تاج محمود کی بیوی (جو بل بھر میں بیوی سے بیوہ ہوگئیں) ایک نیک خاندان کی نیک ترین خاتون ہیں۔ اس بی بی کے صالح ترین بھائی حاجی محمد سعید منڈی تاندلیاں والا (ضلع فیصل آباد) میں کاروبار کرتے ہیں۔

تاج محمود کے ماشاء اللہ سات بیٹے ہیں اور ساتوں تعلیم حاصل کررہے ہیں۔ بڑے بیٹے کا نام ساجد محمود ہے۔ وہ میٹرک پاس کرنے کے بعد آگے بھی تعلیم حاصل کررہا ہے۔ دینیات کی درسی کتابیں بھی پڑھ رہا ہے۔ ماشاء اللہ لائق اور ذہین بچہ ہے۔ ہائی سکول کے تدریسی فرائض انجام دینے کے علاوہ حاجی تاج محمود گاؤں کی جس مسجد میں امامت وخطابت وغیرہ کی خدمت انجام دیتے تھے، اب یہ خدمت ان کے فرزند کبیر ساجد محمود انجام دیتے ہیں۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ تاج محمود کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور ان کے بیٹوں کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق سے نوازے۔ ان کی زندگی دراز فرمائے، انھیں ہر تکلیف سے محفوظ رکھے اور وہ کتاب وسنت کے سچے خادم ثابت ہوں۔ آمین یا ربّ العالمین

حاجی تاج محمود کسی چھوٹی بڑی کتاب کے مصنف نہیں تھے۔ میرا خیال ہے، کسی اخبار میں انھوں نے کبھی کوئی مضمون بھی نہیں لکھا ہوگا۔ لیکن درس نظامی کے فاضل تھے۔ ہائی سکول کی تدریس کے علاوہ طلبا کو قرآن وحدیث کی تعلیم دیتے تھے، خطبہ جمعہ ارشاد فرماتے تھے اور وعظ وتبلیغ کے لیے کمربستہ رہتے تھے۔ یعنی وہ صحیح معنوں میں باعمل عالم تھے۔ ان کے شب وروز تعلیم وتعلم کی مصروفیات میں گزرتے تھے اور اسی حالت میں ان کا آخری وقت آیا۔

اللھم اغفرله وارحمه وعافه واعف عنه



" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری

(وفات ۳۰۔ اکتوبر ۲۰۰۹ء)

ہندوستان کے صوبہ یوپی کے ایک شہر کا نام مئوناتھ بھنجن ہے جو کپڑے کی صنعت، علمی مرکز اور علماے دین کا مسکن ہونے کی بنا پر صدیوں سے مشہور ہے۔ اس شہر کو یہ خصوصیت بھی حاصل ہے کہ اس میں سلفی حضرات کے تین بڑے مدارس قائم ہیں۔ ایک جامعہ عالیہ عربیہ، دوسرا جامعہ اسلامیہ جسے مدرسہ فیض عام کہا جاتا ہے اور تیسرا جامعہ اثریہ۔ ان کے علاوہ چھوٹی سطح کے متعدد مدارس جاری ہیں۔

وہاں کے بڑے مدارس نے بے حد شہرت پائی۔ ہندوستان کے مختلف علاقوں اور صوبوں سے تعلق رکھنے والے طلباء ان میں داخل ہوئے اور انھوں نے علوم دینیہ حاصل کیے۔ پھر وہ تصنیف وتالیف، دعوت وارشاد اور درس وتدریس میں مشغول ہوگئے۔ یہ وہ حضرات ہیں جن کی خدمات کے دائرے علم وعمل کے مختلف شعبوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔

اس شہر کو یہ امتیاز بھی حاصل ہے کہ یہاں کے انیس علماے کرام نے حضرت میاں سید نذیر حسین دہلوی سے کتب حدیث پڑھیں اور ان سے سند فراغت لی۔

اسی علمی اور صنعتی شہر (مئوناتھ بھنجن) کے ایک خاندان کے ممتاز عالم دین ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری تھے جو ۱۸۔ اگست ۱۹۳۹ء (۲۲۔ جمادی الاخریٰ ۱۳۵۸ھ) کو پیدا ہوئے۔

وہ اصلاً ایک غریب اور علم سے ناآشنا گھرانے کے فرد تھے، لیکن اللہ نے ان کو علم کی بہت بڑی دولت سے نوازا۔ معاشی اعتبار سے بھی انھیں بہت کچھ حاصل ہوا۔ ان کے متعلق ان سے قریبی روابط رکھنے والے دہلی کے ایک اہل علم جناب اطہر افضال صاحب کا مضمون ۱۶۔ دسمبر ۲۰۰۹ء کے ''ترجمان'' (دہلی) میں شائع ہوا ہے، جس میں وہ ان کے خاندانی اور ذاتی پس منظر کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''جب سے اردو میں بن پڑھے لکھنے والوں کی بہتات ہوئی ہے، باذوق قارئین کی جان پر بن آئی ہے اور علم وتحقیق کی مٹی الگ پلید ہورہی ہے۔ اس کی ایک مثال تو یہی ہے کہ ان کے نزدیک ہر چھوٹا بڑا عالم وفات کے بعد ''معروف علمی خاندان'' کا فرد ہوجاتا ہے۔ ازہری صاحب (ڈاکٹر مقتدیٰ حسن) کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ شاید علمی لحاظ سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

نابالغ ان قلم کاروں نے یہ مفروضہ قائم کرلیا ہے کہ کوئی بھی عظیم شخصیت عام خاندان میں جنم نہیں لے سکتی، جب کہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ خود ازہری صاحب مئو کے ایک عام خاندان کے فرد تھے۔ نہ کوئی علمی پس منظر، نہ لوح وقلم سے کوئی رابطہ۔ ہاں سیف وسنان کی روایت تھی۔ لیکن ننہیال کا ماحول بالکل برعکس تھا۔ نانا مولانا محمد نعمان میاں صاحب (حضرت سید نذیر حسین دہلوی) کے متاخرین تلامذہ میں سے تھے اور اردو کے پہلے ناول نگار ڈپٹی نذیر احمد کے شاگرد بھی۔ انھوں نے مئو سے بہت دور عمر آباد (مدراس) میں اپنا علمی آشیانہ بنایا اور خلق کثیر نے ان سے دین کے رموز اور دعوت کے اصول سیکھے۔

''ڈاکٹر ازہری کے والد ایک جفاکش بن کر کپڑا بننے والے تھے، جنھیں جنون کی حد تک اولاد کو تعلیم دلانے کا شوق تھا۔ والدہ ایک وسیع المطالعہ اور دور اندیش خاتون تھیں، جن کو علماء سے عقیدت تھی۔ والدہ ان کو پیار سے بابو کہا کرتی تھیں۔ ازہری صاحب، حافظ ہوئے، مولوی، مولانا بنے۔ قاہرہ گئے اور ڈاکٹر بنے لیکن ماں کے لیے وہی رہے۔

''مئو، بنکروں (کپڑا بننے والوں) کی بستی ہے۔ ازہری صاحب نے بھی سوت اور ساڑی کے درمیان آنکھ کھولی اور عمر کا ایک حصہ اس دشت کی سیاحی میں گزارا۔ کرگھے کی گہرائی سے وہ علم کی اونچائی تک پہنچے، اور وہاں تک پہنچے جہاں اکثر لوگوں کے پر جلتے ہیں۔ وہ زمینی آدمی تھے۔ آسمان دانش تک پہنچنے کے بعد بھی زمین سے ان کا رشتہ برقرار رہا۔ انھوں نے زندگی کو بہت قریب سے دیکھا تھا۔ غربت اور افلاس کے جتنے روپ ہوسکتے ہیں، وہ بہت پہلے ہی ان سے روبرو ہوچکے تھے۔ وسائل کی قلت، معیشت ومعاش کی غیر یقینی صورت حال اکثر پاؤں کی زنجیر بن جاتی ہے، لیکن انھوں نے کانٹوں کے بیچ رہ کر زندگی بسر کرنے کی خو کرلی تھی۔''

ان چند سطروں میں ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری کا خاندانی پس منظر خوب صورت الفاظ میں بیان کردیا گیا ہے اور بتا دیا گیا ہے کہ ددہیال کی طرف سے وہ کس حیثیت کے مالک تھے اور ننہیال کی طرف سے کیا صورتِ حال تھی۔

فاضل مضمون نگار جناب اطہر افضال صاحب کا یہ فرمان بالکل صحیح ہے کہ جو اہل علم وفات پاجاتے ہیں، ہم انھیں ''معروف علمی خاندان کا فرد'' قرار دینا اپنے آپ پر فرض ٹھہرا لیتے ہیں اور ان کے والد گرامی ہمارے نزدیک ضرور ''مولانا'' ہوتے ہیں۔ حالاں کہ ان کا اصل اعزاز یہ ہے کہ وہ ایک معمولی خاندان میں پیدا ہوئے اور غربت کی حالت میں پرورش پائی اور علم وعمل کے اعتبار سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بہت بڑے مرتبے پر پہنچے۔ عالم کے بیٹے کا عالم ہونا اتنا بڑا کمال نہیں، جتنا کہ ان پڑھ کے بیٹے کا علم کی مختلف منزلیں طے کرنا ہے۔

ڈاکٹر مقتدیٰ حسن نے تعلیم کا آغاز مدرسہ دارالعلوم سے کیا جو مرزا ہادی پورہ کی شاخ ہے۔ ۱۹۵۳ء میں وہاں سے حفظ قرآن کی سند لی۔ پھر اسی شہر کے مختلف سلفی مدارس میں تعلیمی مراحل طے کیے۔ جامعہ عالیہ عربیہ سے ۱۹۵۹ء میں درجہ ثانویہ کی سند حاصل کی اور ۱۹۶۲ء میں وہاں کی جامعہ اثریہ کی سند فراغت سے بہرہ یاب ہوئے۔ ۱۹۵۹ء اور ۱۹۶۲ء کے درمیانی عرصے میں صوبہ یوپی کے سرکاری تعلیمی بورڈ میں ''مولوی، مولوی عالم اور مولوی فاضل'' کے امتحانات دیے اور ان میں کامیاب ہوئے۔

اس کے بعد مصر گئے اور جامعہ ازہر میں داخلہ لیا، ۱۹۶۶ء میں وہاں کے شعبہ اصول الدین میں ایم اے کی سند حاصل کی۔ جامعہ ازہر میں حصول تعلیم کے دوران مصری ریڈیو کے اردو شعبے میں اناؤنسر اور مترجم کے فرائض انجام دیتے رہے۔ یہ ایک بڑا منصب تھا، جس پر وہ ایک غیر ملک میں فائز کیے گئے۔

جامعہ ازہر ہی میں پی ایچ ڈی میں داخلہ لیا، لیکن اس اثنا میں حالات ایسے پیدا ہوئے کہ اپنے وطن (ہندوستان) واپس آ گئے اور سلسلہ تدریس شروع کر دیا۔ اسی اثنا میں ان کے دل میں اعلیٰ تعلیم کی تکمیل کا جذبہ ابھرا تو ۱۹۷۲ء میں ایم فل کیا۔ پھر اس سے تین سال بعد ۱۹۷۵ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ''ادب عربی'' میں پی ایچ ڈی کی سند لی۔ اس طرح ان کا طویل تعلیمی سفر اختتام کو پہنچا اور انھوں نے ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری کے نام سے شہرت پائی۔

اب تاریخ وار ان کے تعلیمی، تدریسی اور تصنیفی کوائف ملاحظہ فرمایے۔

نام: مقتدیٰ حسن

والد کا نام: محمد یٰسین بن محمد سعید

والدہ کا نام: بلقیس خاتون بنت مولانا محمد نعمان اعظمی شیخ الحدیث (تلمیذ میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی)

تاریخ پیدائش: ۸/ اگست ۱۹۳۹ء مطابق ۲۲۔ جمادی الاخریٰ ۱۳۵۸ھ

بمقام: محلہ ڈومن پورہ حبہ، مئوناتھ بھنجن، یوپی

تعلیم:

پرائمری: مدرسیہ عالیہ عربیہ، مئوناتھ بھنجن

حفظ قرآنِ کریم: شاخ دارالعلوم واقع مرزا ہادی پورہ، مئوناتھ بھنجن ۱۹۵۳ء

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

عربی کی ابتدائی تعلیم تا ثانویہ: مدرسہ عالیہ عربیہ، مئو ناتھ بھنجن ۱۳۷۲ھ تا ۱۳۷۶ھ (مطابق ۱۹۵۴ تا ۱۹۵۷ء)

عالمیت: جامعہ اسلامیہ فیض عام، مئو ناتھ بھنجن ۱۳۷۷ھ تا ۱۳۸۰ھ (مطابق ۱۹۵۷ء تا ۱۹۶۰ء)

فراغت: جامعہ اثریہ دارالحدیث، مئو ناتھ بھنجن ۱۹۶۱ء (۱۳۸۰ھ)

عربی وفارسی بورڈ اتر پردیش کی ڈگریاں

مولوی: ۱۹۵۹ء

عالم: ۱۹۶۰ء

فاضل: ۱۹۶۲ء

جامعہ ازہر مصر کے لیے روانگی: ۱۹۶۳ء

ایم، اے: جامعہ ازہر مصر ۱۹۶۶ء

ایم، فل: علی گڈھ مسلم یونیورسٹی ۱۹۷۲ء

ڈاکٹریٹ (پی، ایچ، ڈی) علی گڈھ مسلم یونیورسٹی ۱۹۷۵ء

مقالے کا عنوان: تخریج احادیث بہجۃ المجالس لابن عبدالبر (الجزء الثانی)

زیر نگرانی: پروفیسر مختار الدین آرزو صاحب

تدریسی مصروفیات:

①..... جامعہ اسلامیہ فیض عام، مئو ناتھ بھنجن: دو سال

②..... علی گڈھ مسلم یونیورسٹی علی گڈھ (عربی ادب کی تدریس) ایک سال

③..... جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس ۱۹۶۸ء تا ۲۰۰۹ء۔ ۲۴ر سال

مشہور اساتذہ کرام:

① مولانا عبدالمعید بنارسی، ② مولانا حبیب الرحمٰن فیضی، ③ مولانا عبداللہ شائق مئوی، ④ مولانا عظیم اللہ مئوی، ⑤ مولانا شمس الحق سلفی، ⑥ مولانا محمد الاعظمی، ⑦ مولانا عبدالرحمٰن بن شیخ الحدیث عبید اللہ مبارک پوری، ⑧ ڈاکٹر شوقی ضیف، ⑨ ڈاکٹر علی عبدالواحد وافی، ⑩ مولانا عبدالعلی بن شیخ عبداللہ مئوی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تالیفات وتراجم:

اردو تصانیف

① ..... تاریخ ادب عربی (۵/حصے) مطبوع

② ..... خاتون اسلام مطبوع

③ ..... مسلم نوجوان اور اسلامی تربیت مطبوع

④ ..... عصر حاضر میں مسلمانوں کو سائنس وٹیکنالوجی کی ضرورت مطبوع

⑤ ..... قرآنِ کریم پر غور وتدبر مذہبی فریضہ ہے مطبوع

⑥ ..... رمضان اور عید الفطر تربیتی نقطہ نظر سے مطبوع

⑦ ..... ہندوستان میں تحریک اہل حدیث اور جدید تقاضے مطبوع

⑧ ..... شاہ عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن آلِ سعود اور مملکت توحید سعودی عرب مطبوع

⑨ ..... مسلمان اور اسلامی ثقافت غیر مطبوع

⑩ ..... ہم کیا پڑھیں غیر مطبوع

⑪ ..... اسلام اور انسانی سماج مطبوع

عربی تالیفات

⑫ ..... منصور الفقیه حیاته وشعره غیر مطبوع

⑬ ..... نظرة الی مواقف المسلمین من احداث الخلیج مطبوع

⑭ ..... مشکلة المسجد البابری فی ضوء التاریخ والکتابات المعاصرة۔ مطبوع

⑮ ..... حقیقة الأدب ووظیفته مطبوع

⑯ ..... قراءة فی کتاب "الحالة الخلقیة للعالم الاسلامی" للأستاذ اسرار عالم۔ مطبوع

⑰ ..... القادیانیة غیر مطبوع

اردو اور فارسی سے عربی تراجم

① ..... قضایا کتابة التاریخ الإسلامی وحلولها از: ڈاکٹر یٰسین مظہر صدیقی مطبوع

② ..... رحمۃ للعالمین (تین جلد)۔ از: علامہ قاضی محمد سلیمان منصور پوری مطبوع

③ ..... اسلام تشکیل جدید للحضارۃ۔ از: شیخ محمد تقی الامینی مطبوع

④ ..... بین الانسان الطبعی والانسان الصناعی۔ از: شیخ محمد تقی الامینی مطبوع

⑤ ..... عصر الالحاد، خلفیته التاریخیة وبدایة نهایته۔ از: شیخ محمد تقی الامینی مطبوع

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

⑥..... النظام الإلهي للرقي والانحطاط (اردو مضمون کا ترجمہ)۔ از: مولانا محمد اسماعیل سلفی۔ گوجراں والا۔ مطبوع

⑦..... حرکۃ الانطلاق الفکري وجہود الشاہ ولی اللہ (تحریک آزادیٔ فکر اور شاہ ولی اللہ کی مساعیٔ جمیلہ)۔ از: مولانا محمد اسماعیل سلفی گوجراں والا۔ مطبوع

⑧..... مسئلۃ حیاۃ النبی ﷺ (مسئلہ حیات النبی)۔ از: مولانا محمد اسماعیل سلفی گوجراں والا۔ مطبوع

⑨..... زیارۃ القبور (زیارتِ قبور)۔ از: مولانا محمد اسماعیل سلفی گوجراں والا

⑩..... النصرانیۃ الحاضرۃ فی ضوء التاریخ والبحث العلمي۔ از: علامہ مصلح الدین اعظمی۔ مطبوع

⑪..... حجیۃ الحدیث النبوی الشریف (حجیت حدیث)۔ از: مولانا محمد اسماعیل سلفی گوجراں والا مطبوع

⑫..... قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین۔ از: شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔ غیر مطبوع

⑬..... الاکسیر فی أصول التفسیر۔ از: نواب صدیق حسن خاں قنوجی۔ غیر مطبوع

⑭..... جماعۃ المجاہدین (جماعت مجاہدین)۔ از: مولانا غلام رسول مہر۔ غیر مطبوع

عربی سے اردو

① ..... راہِ حق کے تقاضے — از: علامہ ابن تیمیہ — ترجمة مختصر اقتضاء الصراط المستقیم

② ..... مختصر زاد المعاد — از: محمد بن عبدالوہاب۔ ترجمة مختصر زاد المعاد فی ھدی خیر العباد

③ ..... اصلاح المساجد — از: محمد جمال الدین قاسمی۔ ترجمة اصلاح المساجد من البدع والعوائد

④ ..... آپ بیتی — از: عباس محمود العقاد — ترجمہ

⑤ ..... عظمت رفتہ — از: عبدالحلیم عویس — ترجمة سقوط ثلاثین دولة

⑥ ..... رسالت کے سائے میں — از: عبدالحلیم عویس — ترجمة فی ظلال الرسول ﷺ

⑦ ..... خادم حرمین شریفین کا حقیقت افروز بیان — ترجمة کلمات منتقاة من خادم الحرمین الشریفین

⑧ ..... اسلامی شریعت میں اعضا کی پیوندکاری — عرب مشائخ کے مقالات کا ترجمہ

تحقیقات وتعلیقات

① ..... فتح المنان بتسہیل الاتقان — علامہ سیوطی کی مشہور کتاب الاتقان کی تلخیص

② ..... حصول المأمول من علم الأصول — یہ نواب صدیق حسن خاں کی کتاب ہے۔ اس پر ازہری صاحب کے تعلیق وحاشیہ۔

③ ..... أزمة الخلیج فی میزان الشرع والعقل — عرب مشائخ کے مقالات کا مجموعہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مقالات کی تعداد

صوت الجامعۃ (عربی) وصوت الامۃ میں شائع ہونے والے مقالات کی تعداد۔ ۳۵۸ عربی

مجلۃ ''المنار'' میں شائع ہونے والے مقالات کی تعداد۲۲ عربی

صوت الجامعۃ (اردو) ومحدث میں شائع ہونے والے مقالات کی تعداد۲۰۰۔ اُردو

۱۹۶۳ء سے ۱۹۷۲ء کے درمیان مختلف رسائل وجرائد میں شائع ہونے والے مقالات ومضامین کی تعداد ۱۵۔ اُردو

مجلّہ ''افکار عالیہ'' جامعہ عالیہ عربیہ مئو میں شائع ہونے والے مقالات ومضامین کی تعداد ۔ ۱۱۔ اُردو

کانفرنس وسیمینار

ملک وبیرون ملک کانفرنسوں وسیمیناروں میں پیش کیے گئے مقالات کی تعداد ۴۰

تقدیم وتعارف

①.....مطبوعات ادارۃ البحوث الاسلامیہ جامعہ سلفیہ بنارس

اردو مطبوعات پر تقدیم کی تعداد: ۹۰

عربی مطبوعات پر تقدیم کی تعداد: ۶۰

اس کے علاوہ ہندی اور انگریزی زبان کی کتب پر تقدیم کی تعداد: ۸

②..... ملک کے مختلف حصوں کے علماے کرام کی کتب پر تقدیم وتعارف کی تعداد: ۲۸

③.....تقدیم وتاثرات مطبوعات مکتبہ الفہیم مئو ناتھ بھنجن کی تعداد: ۱۰

④.....تقدیم وتاثرات بر کتب مولانا عبدالمبین منظر، تعداد: ۷

مختلف اوقات میں اعزازات ومناصب

①.....رکن	علی گڈھ مسلم یونیورسٹی، علی گڈھ
②.....رکن	مسلم پرسنل لاء بورڈ (ہند)
③.....رکن	مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند
④.....رکن	عالمی رابطہ ادب اسلامی
⑤.....رکن	جمعیۃ المثقفین للتوعیۃ الاسلامیۃ
⑥.....رکن	رابطۃ العالم الاسلامی مکہ مکرمہ (مساجد بورڈ)
⑦.....رکن	دینی تعلیمی کونسل اتر پردیش
⑧.....وکیل	الجامعۃ السلفیۃ (مرکزی دارالعلوم) بنارس ۲۰۰۶ء تک
⑨.....مدیر	ادارۃ البحوث الاسلامیۃ بالجامعۃ السلفیۃ ۲۰۰۶ء تک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

⑩.....صدر جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس
⑪.....سرپرست مجلس ندائے وقت مئو ناتھ بھنجن
⑫.....رکن تعلیمی کمیٹی، جامعہ محمدیہ، مالیگاؤں
⑬.....رکن ادارہ اصلاح المساجد، بمبئی

چند اہم اسفار

① سعودی عرب ② کویت ③ متحدہ عرب امارات ④ قطر ⑤ بحرین ⑥ قاہرہ
⑦ انڈونیشیا ⑧ پاکستان ⑨ امریکہ ⑩ لندن

ایوارڈز

① صدر جمہوریہ ایوارڈ: ۱۹۹۳ء۔ یہ ایوارڈ انھیں عربی کے ماہر عالم کی حیثیت سے دیا گیا۔
② فریوائی ایوارڈ: ۲۰۰۲ء۔ پروفیسر ڈاکٹر عبدالرحمٰن فریوائی۔ یہ ایوارڈ ہر سال کسی اہل علم کو دیتے ہیں۔ اسے ڈاکٹر صاحب کے والد مکرم کے نام سے عبدالجبار فریوائی ایوارڈ کہا جاتا ہے۔
یہ معلومات ماہنامہ ''محدث'' (بنارس) نومبر ۲۰۰۹ء سے لی گئی ہیں۔

مجموعی طور پر ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری نے مندرجہ ذیل خدمات سرانجام دیں۔

⊙.....مختلف مدارس میں تدریس
⊙.....اردو تصانیف
⊙.....اردو اور فارسی کی متعدد کتابوں کے عربی زبان میں تراجم
⊙.....عربی کتابوں کے اردو تراجم
⊙.....ہندی، انگریزی، عربی، اردو زبانوں میں مقالات
⊙.....عربی رسالے صوت الجامعہ اور صوت الامہ کی ادارت
⊙.....اردو رسالہ ''محدث'' (بنارس) کی ادارت
⊙.....تقریر وخطابت

تصانیف کی نسبت ڈاکٹر صاحب کا تراجم کا کام زیادہ ہے اور یہ بہت اہم کام ہے۔
ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری نے جن مصنفین کی اردو اور فارسی تصانیف کو عربی میں منتقل کیا، اصحابِ علم میں ان مصنفین کو بے حد اہمیت حاصل ہے اور ان کی ترجمہ شدہ تصانیف بھی بڑی اہم ہیں۔ وہ جلیل القدر شخصیات ہیں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، حضرت سید نواب صدیق حسن خاں قنوجی، علامہ قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، شیخ محمد تقی امینی، مولانا محمد اسماعیل سلفی، علامہ مصلح الدین اعظمی، ڈاکٹر یاسین مظہر صدیقی اور مولانا غلام رسول مہر۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

پھر جن حضرات کی عربی تصانیف کا اردو ترجمہ کیا، علمی دنیا میں ان کا مقام بہت بلند ہے، اور وہ ہیں امام ابن تیمیہ، شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب، شیخ محمد جمال الدین قاسمی، عباس محمود العقاد، عبدالحلیم عویس۔

جامعہ ازہر (قاہرہ) سے واپسی کے بعد ۱۹۶۸ء میں ڈاکٹر صاحب جامعہ سلفیہ (بنارس) کی مسند درس پر متمکن ہوئے اور پھر اس کی ترقی کے لیے زندگی وقف کردی۔ تدریسی، تنظیمی، تصنیفی، صحافتی تمام خدمات جامعہ سلفیہ کے سپرد کردیں۔ ۱۹۶۸ء سے ۲۰۰۹ء تک یعنی تادم وفات جامعہ سلفیہ ہی کو انھوں نے خدمت کا مرکزی نقطہ قرار دیے رکھا۔ ۴۲ برس کی یہ طویل مدت ہے جو اس مردِ باہمت نے یہاں گزاری۔ وہ انتیس برس کی جوان عمر میں یہاں آئے۔ ستر برس کے بڑھاپے کو پہنچے تو فرشتۂ اجل نے ان کے درِ حیات پر دستک دی اور وہ نہ صرف جامعہ سے بلکہ دنیا ہی سے رخصت ہوگئے۔

وہ بنارس کی جامعہ سلفیہ کے مدرس اور معلم ہی نہ تھے، اس کے نگران اور منتظم بھی تھے۔ طلبا کو تعلیم سے بہرہ ور کرنے کے ساتھ ساتھ وہ ان کی تربیت کا بھی پورا اہتمام کرتے تھے۔ ان کی نگاہِ تیز طلبا کی ہر حرکت کا جائزہ لیتی رہتی تھی۔ طلبا کو نماز پڑھتے ہوئے بھی وہ دیکھتے رہتے کہ وہ کس انداز میں یہ فریضہ انجام دیتے ہیں۔ ایک طالب علم پر نگاہ پڑی تو دیکھا کہ وہ حالت نماز میں بار بار اپنی قمیص درست کررہا ہے اور رکوع وسجود میں جاتے ہوئے اس میں جو شکنیں پڑ گئی ہیں، انھیں ہاتھ سے ختم کرنے کے لیے کوشاں ہے ..... فرمایا: مولانا! نماز میں آئرن (استری) ہاتھ میں رکھا کریں، کپڑے میں جہاں شکن پڑی، اسے فوراً استری سے ٹھیک کرلیا۔

ایک مرتبہ نماز میں حاضری کے وقت ایک طالب علم نے کسی کا نام غلط پکار دیا تو مسجد میں بیٹھے سب نمازی ہنسنے لگے۔ ڈاکٹر صاحب نے کھڑے ہوکر فرمایا: حاضری کے دوران کسی کا نام غلط پکارنا عیب نہیں۔ لیکن ایک دینی ادارے میں نماز جیسی بنیادی عبادت کے لیے نام پکارنا خود آپ لوگوں کے عیب کا آئینہ دار ہے۔ مطلب یہ کہ نماز کے لیے آپ لوگوں کا حاضر ہونا مشکوک ہے۔

وہ طلبا کو اردو اور عربی میں کسی نہ کسی موضوع پر لکھنے کی تاکید کرتے اور کوشش فرماتے کہ وہ مستقبل میں اچھے معلم ہونے کے ساتھ بہت اچھے مصنف اور مقالہ نگار بھی ثابت ہوں۔

ڈاکٹر صاحب نے ایک مرتبہ اہتمام کیا کہ جامعہ سلفیہ کے طلبا اسلامیات کے ساتھ سیاسیات، سائنس، تاریخ، جدید عربی ادب، علم کلام اور دیگر مختلف موضوعات سے بھی باخبر ہوں، اس کے لیے انھوں نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی اور بعض دیگر جامعات کے اساتذہ کی خدمات حاصل کیں اور جامعہ سلفیہ میں ان کے لیکچروں کا اہتمام کیا۔ یہ بہت عمدہ منصوبہ تھا، لیکن جامعہ کے بعض اساتذہ نے اسے پسند نہیں کیا اور کہا کہ ہم اتنی دیر سے پڑھا رہے ہیں، یہ لیکچرار ہم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سے زیادہ علم نہیں رکھتے۔ مجبوراً ڈاکٹر صاحب کو یہ سلسلہ بند کرنا پڑا۔

ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری ہر وقت اپنے آپ کو مصروف رکھتے تھے۔ تدریس سے فارغ ہوتے تو تحریر کا سلسلہ شروع کر دیتے۔ کبھی کسی کتاب کا ترجمہ، کبھی مقالہ نگاری، کبھی کسی کتاب کا مقدمہ، کبھی کسی پر تبصرہ۔ شور ہو، ہنگامہ ہو، سفر ہو، حضر ہو، وہ ہر حالت میں کسی علمی کام میں مصروف رہتے۔ کتابوں سے تعلق ان کا اصل مشغلہ تھا۔ آخری بیماری کی حالت میں بھی ان کے مطالعہ کا شغل جاری تھا اور ''مولانا ابوالکلام آزاد اور مسلم سماج کی اصلاح'' کتاب ان کے سامانِ سفر میں موجود تھی۔ غالباً وہ اس کتاب کے متعلق کچھ لکھنا چاہتے تھے۔ لیکن موت نے انھیں اس کا موقع نہیں دیا۔

ان کی تحریری خدمات میں فتویٰ نویسی بھی شامل ہے۔ اللہ نے ان کو بہت سی خصوصیات سے نوازا تھا اور ان کے علم ومطالعہ کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ افسوس ہے پاکستان کے لوگ ہندوستان کے اہل علم سے متعلق زیادہ واقفیت نہیں رکھتے۔ (میں خود بھی انہی ناواقفوں میں شامل ہوں۔) اسی طرح ہندوستان کے لوگ پاکستان کے اصحابِ علم کی مساعی سے آگاہ نہیں۔ تقسیم ملک کے بعد بدقسمتی سے علم بھی تقسیم ہوگیا۔ اُدھر کا علم اُدھر رہ گیا اور اِدھر کا اِدھر! حالاں کہ بٹوارہ ملک کا ہوا تھا، علم کا نہیں ہوا تھا۔

ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری کو مختلف اوقات میں مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی تین کانفرنسوں کی مجلس استقبالیہ کے صدر منتخب کیا گیا۔ ان کانفرنسوں میں انھوں نے تحریری خطباتِ استقبالیہ ارشاد فرمائے۔ وہ کانفرنسیں مندرجہ ذیل ہیں:

- ..... مئو کانفرنس: منعقدہ ۱۴، ۱۵، ۱۶۔ اپریل ۱۹۹۵ء
- ..... پاکوڑ کانفرنس: منعقدہ ۱۳، ۱۴، ۱۵۔ مارچ ۲۰۰۴ء
- ..... دہلی کانفرنس: منعقدہ ۱۸، ۱۹۔ اکتوبر ۲۰۰۸ء

وہ مسلمانوں کے نمائندے کی حیثیت سے غیر مسلموں کے جلسوں میں بھی شرکت کرتے اور اسلام کی حقانیت بیان فرماتے۔ ہندوستان میں وہ مسلمانوں کے مشہور مبلغ اور مقرر تھے۔ اسلام کی تبلیغ ان کی زندگی کا اصل مقصد تھا اور وہ ہمیشہ اس میں مصروف رہے۔

ان کے شاگردوں کی تعداد بہت وسیع ہے، جن میں مولانا صلاح الدین مقبول احمد (کویت) ریاض (سعودی عرب) کی امام محمد بن سعود یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر عبدالرحمٰن فریوائی اور مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے ناظم اعلیٰ اور اخبار ''ترجمان'' دہلی کے ایڈیٹر مولانا اصغر علی امام مہدی شامل ہیں۔ یہ وہ حضرات ہیں جو عربی اور اردو کے مشہور مصنف اور مترجم ہیں۔ ان میں سے مولانا صلاح الدین مقبول احمد کے حالات میں اپنی کتاب ''دبستانِ حدیث'' میں لکھ چکا ہوں۔ ڈاکٹر عبدالرحمٰن

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

فریوائی اور مولانا اصغر علی امام مہدی کا تذکرہ زیر نظر کتاب ''گلستانِ حدیث'' میں کیا گیا ہے۔

ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری ہندوستان میں اسلام کے سرگرم داعی اور عظیم مبلغ تھے۔ افسوس ہے وہ اچانک داغ مفارقت دے گئے۔ وفات سے ایک ہفتہ قبل انھیں کمر سے پاؤں تک شدید درد ہوا، اور انھیں دہلی کے ایک بڑے اسپتال میں داخل کرایا گیا۔ اسپتال کے ماہر ڈاکٹروں نے ان کا علاج شروع کیا، لیکن مرض بڑھتا گیا۔ ۲۹۔ اکتوبر ۲۰۰۹ء کو جمعرات کے روز پانچ بجے شام ڈاکٹروں نے جواب دے دیا اور صاف لفظوں میں کہا کہ اب یہ صرف پانچ چھ گھنٹے زندہ رہ سکیں گے۔ اس وقت ان کے چھوٹے صاحب زادے ڈاکٹر فوزان احمد (پروفیسر شعبہ عربی جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی) اور دیگر رشتے دار اسپتال میں موجود تھے۔ انھوں نے جلد از جلد انھیں اپنے وطن مئو ناتھ بھنجن پہنچانے کی کوشش کی۔ چناں چہ وہ ایمبولینس کے ذریعے انھیں لے کر گھر کو روانہ ہوئے۔ کان پور پہنچے تو ان کا انتقال ہوگیا۔ اس وقت صبح کے پانچ بج کر سولہ منٹ ہوئے تھے۔ جمعے کا دن تھا اور تاریخ تھی ۳۰۔ اکتوبر ۲۰۰۹ء (۱۰ ذیقعدہ ۱۴۳۰ھ)۔ عیسوی حساب سے انھوں نے ستر سال دو مہینے بائیس دن اور قمری حساب سے بہتر سال چار مہینے آٹھ دن عمر پائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

ان کی نماز جنازہ بعد نمازِ مغرب چھ بجے ادا کی گئی۔ جامعہ سلفیہ بنارس کے نائب صدر مولانا شاہد جنید سلفی بنارسی نے نماز جنازہ پڑھائی، جس میں اعظم گڑھ، مبارک پور، بنارس، ضلع سدھارتھ نگر، بستی، گونڈہ، نیپال وغیرہ کے لا تعداد لوگوں نے شرکت کی۔ جنازے کے بعد انھیں اپنے آبائی قبرستان (مئو ناتھ بھنجن) میں دفن کیا گیا۔

اللھم اغفرله وارحمه وعافه واعف عنه واكرم نزله ووسع مدخله وادخله جنت الفردوس .



" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مولانا محمد مسلم رحمانی

(وفات ۳۱۔ اکتوبر ۲۰۰۹ء)

ہندوستان کے ایک ممتاز عالم دین مولانا محمد مسلم رحمانی تھے جو مغربی بنگال کے موضع پیرنگر (مالدہ) کے رہنے والے تھے۔ اس نواح کے مشہور سلفی خانوادے کے فرد تھے۔ وہ جنوری ۱۹۱۳ء میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام عبدالعزیز تھا۔ ابتدائی تعلیم اپنے مسکن پیرنگر کے سرکاری سکول میں حاصل کی۔ اس کے بعد اردو اور فارسی کی کتابیں مدرسہ بحر العلوم کاربونہ (بنگال) کے اساتذہ سے پڑھیں۔ صرف ونحو، فقہ اور منطق وغیرہ کے علاوہ عربی ادبیات متنبّی تک اور حدیث کی بلوغ المرام اور مشکوٰۃ تک کتابیں مختلف فاضل اساتذہ سے پڑھنے کا شرف حاصل کیا۔

اس کے بعد دہلی آئے اور ۱۹۳۶ء میں دارالحدیث رحمانیہ میں داخلہ لیا۔ وہاں چار سال کتب تفسیر وحدیث کی تحصیل کی۔ ۱۹۴۰ء میں سند فراغت لی۔ دارالحدیث رحمانیہ میں ان کے مشہور اساتذہ میں مولانا عبید اللہ مبارک پوری رحمانی، مولانا احمداللہ پرتاپ گڑھی دہلوی، مولانا نذیر احمد املوی رحمانی، مولانا اصحاب الدین پنجابی، مولانا عبدالسلام دارانی، مولانا عبدالوہاب مالدہی اور مولانا عبدالرحیم کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔ ہندوستانی بنگال کے مولانا محمد مسلم رحمانی آخری شخص تھے جنھوں نے حضرت میاں سید نذیر حسین دہلوی کے شاگرد مولانا احمد اللہ پرتاپ گڑھی دہلوی کے حضور زانوئے شاگردی تہہ کیے۔

فارغ التحصیل ہونے کے بعد مولانا محمد مسلم رحمانی نے ستر سال صحیح بخاری کا درس دیا، جس کی تفصیل اس طرح ہے۔

- ⊙..... شیر شاہی جامعہ فیضیہ حقانیہ میں آٹھ سال۔
- ⊙..... جامعہ مظہر العلوم پٹنہ میں چالیس سال
- ⊙..... جامعہ اصلاح المسلمین بھادو میں (مختلف ادوار میں) بائیس سال۔

اس طرح اس عالم ذی قدر نے پورے ستر سال صحیح بخاری کا درس دیا اور اس اثنا میں بے شمار علما وطلبا نے ان کے حلقہ درس میں شامل ہونے کی سعادت حاصل کی۔ بہار، بنگال، جھاڑ کھنڈ اور بنگلہ دیش میں ان کے لاتعداد شاگردوں اور شاگردوں کے شاگردوں نے علوم دینیہ کی ترویج کی،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

درس وتدریس کے ذریعے بھی، تصنیف وتالیف کی صورت میں بھی اور وعظ وتقریر کی شکل میں بھی۔

مولانا محمد مسلم رحمانی زیادہ تر درس وتدریس میں مشغول رہے۔ تاہم اس کے ساتھ ساتھ کسی حد تک تصنیفی خدمات بھی سرانجام دیتے رہے۔ انھوں نے مندرجہ ذیل کتابیں تصنیف کیں۔

①..... الاسلام دین معتدل: یہ کتاب بنگلہ زبان میں ہے۔

②..... صلوٰۃ الرسول: یہ بھی بنگلہ زبان میں لکھی۔

③..... تحفہ رمضان: یہ بھی بنگلہ زبان میں ہے۔

بنگال میں مولانا محمد مسلم رحمانی کی ان کتابوں نے بڑی شہرت پائی۔ بہت پڑھی گئیں اور لوگوں نے ان کے مندرجات سے بہت فائدہ اٹھایا۔

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی اٹھائیسویں کانفرنس ۱۳، ۱۴، ۱۵ مارچ ۲۰۰۴ء (۲۱، ۲۲، ۲۳ محرم ۱۴۲۵ھ) کو پاکوڑ (جھاڑ کھنڈ) میں منعقد ہوئی تھی۔ اس موقعے پر مولانا محمد مسلم رحمانی کی تدریسی اور دعوتی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے انھیں ایوارڈ عطا کیا گیا تھا۔

مولانا محمد مسلم رحمانی نے ۹۶ سال کی عمر کو پہنچ کر ۳۱۔ اکتوبر ۲۰۰۹ء کو رات کے دو بجے وفات پائی۔ ان کے جنازے میں ہزاروں لوگوں نے شرکت کی۔ انھوں نے اپنے پس ماندگان میں چار بیٹے، چار بیٹیاں، ایک ۹۵ سالہ بیوی، بہت سے پوتے پوتیاں اور نواسے نواسیاں چھوڑے۔



" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

حافظ عبدالرشید گوہڑوی

(وفات ۱۸۔ جنوری ۲۰۱۰ء)

ضلع قصور کی ایک تحصیل کا نام ''پتوکی'' ہے۔ پتوکی سے تین ساڑھے تین کیلومیٹر کے فاصلے پر ایک گاؤں ''گوہڑ چک نمبر ۸'' کے نام سے موسوم ہے۔ اس گاؤں کی آبادی ارائیں برادری پر مشتمل ہے۔ مالی اعتبار سے یہ خوش حال لوگ ہیں۔ ان کی موجودہ نسل کے آبا واجداد لکھوی علمائے کرام کے حلقۂ عقیدت میں شامل تھے۔ اب بھی اس گاؤں اور اس کے اردگرد کے قصبات ودیہات کے لوگ لکھوی اصحاب علم کا بے حد احترام کرتے اور روحانی معاملات میں ان کو اپنا مرجع قرار دیتے ہیں۔ ہمارے دوست حافظ عبدالرشید ۱۹۲۷ء کے پس وپیش اسی گاؤں میں پیدا ہوئے اور اپنے مولد ومسکن گوہڑ کی بنا پر ''گوہڑوی'' کی نسبت سے شہرت پائی۔ اس گاؤں کے متعدد علمائے کرام مختلف دینی مدارس میں تدریسی فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ جدید تعلیم سے آراستہ حضرات کی بھی خاصی تعداد اس گاؤں سے تعلق رکھتی ہے اور یہ لوگ سرکاری سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طلباء کو تعلیم دینے میں مصروف ہیں۔

حافظ عبدالرشید نے حصولِ علم کا آغاز اپنے گاؤں کے پرائمری سکول سے کیا۔ وہاں سے پرائمری پاس کرنے کے بعد قریب کے گاؤں حسین خاں والا کے مڈل سکول میں داخلہ لیا اور آٹھویں جماعت کا امتحان دیا۔ ان کے گاؤں میں ایک درویش منش بزرگ مولوی کرم دین قیام فرما تھے، ان سے ناظرہ قرآنِ مجید پڑھا۔ بعد ازاں والدین کے دل میں بیٹے کو حافظ قرآن بنانے کا جذبہ ابھرا تو انھیں ضلع اوکاڑہ کے ایک گاؤں چک مروکا نمبر ۱۶ جی ڈی میں سید جماعت علی شاہ کے پاس بھیج دیا گیا جو اس نواح کے مشہور دیوبندی عالم تھے اور مولانا حسین علی (واں بھچراں) کے خلیفہ اور مولانا غلام اللہ خاں (راولپنڈی) کے ساتھیوں میں سے تھے۔ نیک سیرت اور پکے موحد۔ ان سے انھوں نے قرآنِ مجید حفظ کیا اور اپنے نام عبدالرشید کے ساتھ لفظ ''حافظ'' کے لاحقہ سے حافظ عبدالرشید کہلائے۔ اس طرح ان کی تعلیم کی دو منزلیں طے ہوئیں۔ پہلی منزل سکول میں مڈل تک پہنچنے کی اور دوسری حفظ قرآن کی۔

حافظ عبدالرشید کے والد میاں چراغ دین لکھوی خاندان کے علماء کے حلقۂ ارادت میں شامل

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تھے اور بیٹے کو دینی علوم سے بہرہ ور کرنے کے آرزو مند تھے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حافظ عبدالرشید لکھو کے پہنچ گئے، جہاں استاذ پنجاب حضرت مولانا عطاء اللہ لکھوی کا سلسلۂ تدریس جاری تھا اور بے شمار شائقین علم ان سے تعلیم حاصل کر چکے اور کر رہے تھے۔ حافظ عبدالرشید نے اس عالی مرتبت استاذ سے صرف ونحو کی کتابیں پڑھیں، حدیث شریف کی کتاب مشکوٰۃ کا درس لیا اور ترجمہ قرآنِ مجید مکمل کیا۔ فارسی کی کتابیں گلستانِ سعدی تک مولانا معین الدین لکھوی سے پڑھیں۔ ابواب الصرف اور تعلیلات وغیرہ کی تکمیل حضرت مولانا عطاء اللہ لکھوی کے صاحب زادۂ گرامی قدر مولانا حبیب الرحمٰن لکھوی مرحوم سے کی۔ تین سال لکھو کے میں تعلیم حاصل کرتے رہے۔

اس کے بعد اگست ۱۹۴۷ء میں ملک تقسیم ہوگیا اور لکھو کے کا دارالعلوم جو جامعہ محمدیہ کے نام سے جاری تھا، پاکستان کے اوکاڑہ شہر میں منتقل ہوگیا۔ حافظ عبدالرشید گوہڑوی کا علاقہ پہلے ہی سے پاکستان میں تھا۔ اب انھوں نے اپنی برادری اور اپنے قریب کے ایک گاؤں حسین خاں والا کے حضرت حافظ محمد اسحاق صاحب سے تحصیل علم کا سلسلہ شروع کر دیا۔ حضرت حافظ محمد اسحاق صاحب اپنے عہد کے مشہور مدرس اور جلیل القدر عالم تھے۔ انھوں نے بھی کسی زمانے میں لکھو کے میں حضرت مولانا عطاء اللہ لکھوی سے حصولِ فیض کیا تھا۔ حافظ عبدالرشید نے درسِ نظامی کی اکثر کتابیں حافظ محمد اسحاق مرحوم ومغفور سے پڑھیں۔ تدریس کے علاوہ حافظ اسحاق صاحب تصنیف وترجمہ میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ (ان کا تذکرہ گزشتہ صفحات میں آچکا ہے۔)

اب حافظ عبدالرشید کی تعلیم کا ایک اور مرحلہ شروع ہوتا ہے جو ان کو لاہور لا کر دارالعلوم تقویۃ الاسلام (مدرسہ غزنویہ) میں ان کے داخلے کا باعث بنتا ہے اور پھر وہ مستقل طور پر اسی شہر میں سکونت اختیار کر لیتے ہیں۔

شرح اس متن کی یہ ہے کہ ۱۹۵۰ء میں مولانا سید محمد داؤد غزنوی نے تحصیل چونیاں سے پنجاب اسمبلی کا انتخاب لڑا۔ ان کے حلقۂ انتخاب میں حافظ عبدالرشید کا گاؤں گوہڑ بھی شامل تھا۔ جمعے کا روز تھا کہ مولانا غزنوی اس گاؤں میں پہنچے۔ حافظ عبدالرشید کے محلے میں احناف کی مسجد ہے۔ اہل محلّہ نے مولانا سے عرض کیا کہ وہ نماز جمعہ اہل حدیث کی مسجد کے بجائے ان کی مسجد میں پڑھائیں۔ چناں چہ مولانا نے ان کی درخواست قبول فرمائی اور احناف کی مسجد میں جمعہ پڑھایا۔ وہ لوگ مولانا کی تقریر اور ان کی شکل وصورت سے بے حد متاثر ہوئے۔ وہاں کے نوجوانوں نے بہ طور رضا کار مولانا کی انتخابی مہم میں حصہ لیا، ان میں حافظ عبدالرشید بھی شامل تھے۔ مولانا انتخاب میں ووٹوں کی بہت بڑی اکثریت سے کامیاب ہوئے۔ حافظ عبدالرشید کے متعلق جب انھیں پتا چلا کہ یہ درسِ نظامی کے طالب علم ہیں تو انھیں دارالعلوم تقویۃ الاسلام میں تعلیم حاصل کرنے کا مشورہ دیا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

چناں چہ حافظ عبدالرشید لاہور آئے اور دارالعلوم تقویۃ الاسلام میں تحصیل علم کرنے لگے۔ یہ ۱۹۵۱ء کی بات ہے۔ اس سے کچھ عرصہ بعد حضرت حافظ محمد اسحاق صاحب (حسین خاں والا) کی خدمات بھی مولانا داؤد غزنوی نے دارالعلوم کے لیے حاصل کرلی تھیں۔

دارالعلوم تقویۃ الاسلام میں اُس وقت اپنے دور کے مشہور اساتذہ طلبا کو تعلیم دینے پر مامور تھے اور وہ تھے مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی، حافظ محمد اسحاق، مولانا محمد عبدہ الفلاح اور مولانا شریف اللہ خاں۔ حافظ عبدالرشید نے ان سب سے استفادہ کیا۔ مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی سے صحیح بخاری کا سماع کیا۔ حافظ محمد اسحاق سے مختلف درسی کتابیں پڑھیں۔ مولانا محمد عبدہ الفلاح سے حماسہ اور متنبی وغیرہ عربی ادب کی کتابیں پڑھیں۔ مولانا شریف اللہ خاں سے فقہ، اصولِ فقہ اور منطق وفلسفہ وغیرہ فنون کی درسی کتابیں پڑھیں۔

جامعہ سلفیہ (لائل پور موجودہ فیصل آباد) کا سنگ بنیاد ۴۔ اپریل ۱۹۵۵ء کو رکھا گیا تھا۔ لیکن وہاں تعمیر کا کام مکمل نہ ہونے کی وجہ سے عارضی طور پر جامعہ کے درجہ تکمیل کا آغاز ۲۱۔ جون ۱۹۵۶ء (۱۱۔ ذیقعدہ ۱۳۷۵ھ) کو دارالعلوم تقویۃ الاسلام (لاہور) میں کیا گیا تھا۔ جامعہ کے درجۂ تکمیل میں داخلے کے لیے جن طلبا نے درخواستیں دیں، ان میں حافظ عبدالرشید گوہڑوی بھی شامل تھے۔ داخلے کے امتحان میں کامیابی کے بعد یہ حصولِ تعلیم میں مصروف ہوئے اور حسب ذیل اساتذہ سے استفادہ کیا۔

① .....مولانا سید محمد داؤد غزنوی سے موطا امام مالک اور حجۃ اللہ البالغہ دو کتابیں پڑھیں۔

② .....مولانا محمد اسماعیل سلفی سے مقدمہ ابن الصلاح پڑھا۔

③ .....مولانا محمد حنیف ندوی سے العبرات پڑھی۔

④ .....مولانا شریف اللہ خاں سے توضیح تلویح اور مسلم الثبوت وغیرہ کتابیں پڑھیں۔

⑤ .....مولانا محمد علی قصوری ایم اے کینٹب نے طلبا کو شمس وقمر اور فلکیات کے موضوع پر چند لیکچر دیے تھے، ان طلبا میں حافظ عبدالرشید شریک رہے۔

اس زمانے میں مولانا حافظ محمد حسین روپڑی دارالعلوم تقویۃ الاسلام میں بہ طور مدرس خدمات سرانجام دیتے تھے۔ حافظ عبدالرشید نے ان سے ہدایہ اخیرین کے چند ابواب پڑھے۔ ان کے اندازِ تدریس سے حافظ عبدالرشید بہت متاثر تھے۔

اس سے کچھ عرصہ بعد جامعہ سلفیہ تو لاہور سے اپنے اصل مقام فیصل آباد میں منتقل کردیا گیا، لیکن مولانا غزنوی نے حافظ عبدالرشید گوہڑوی اور مولانا عبدالرشید مجاہد آبادی کو بعض فنون کی مزید تعلیم کے لیے جامعہ اشرفیہ میں داخل کرا دیا۔

جامعہ اشرفیہ اس وقت نیلا گنبد کی مول چند بلڈنگ میں جاری تھا اور اس کے مہتمم مولانا مفتی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

محمد حسن تھے جو مولانا سید داؤد غزنوی کے والد محترم حضرت الامام سید عبدالجبار غزنوی کے شاگرد تھے۔ استاذ زادہ ہونے کی وجہ سے وہ مولانا غزنوی کا بہت احترام کرتے تھے۔ مولانا کا رویہ بھی ان کے ساتھ تکریم کا تھا۔ جامعہ اشرفیہ میں حافظ عبدالرشید گوہڑوی اور مولانا عبدالرشید مجاہد آبادی نے مولانا محمد ادریس کاندھلوی، مولانا رسول خاں اور مولانا عبید اللہ سے بعض نصابی کتابیں پڑھیں۔ (مولانا عبدالرشید مجاہد آبادی پر میرا مضمون ''دبستانِ حدیث'' میں چھپ چکا ہے۔)

مروّجہ تعلیم سے فراغت کے بعد حافظ عبدالرشید گوہڑوی نے مولانا سید داؤد غزنوی کے ارشاد اور مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی اور میاں محمد باقر (جھوک دادو) کے مشورے سے دارالعلوم تقویۃ الاسلام میں تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ حافظ عبدالرشید گوہڑوی موجودہ دور کے لائق ترین استاذ تھے۔ وہ محنت اور ذمہ داری سے فریضۂ تدریس ادا کرتے رہے۔ انھوں نے طلباء کو صرف ونحو کی بھی چھوٹی بڑی تمام کتابیں پڑھائیں، عربی ادبیات کی نصابی کتابوں کی تدریس بھی کی، منطق وفلسفہ کی کتابیں بھی پڑھائیں اور احادیث کی بلوغ المرام سے لے کر صحیح بخاری تک کئی مرتبہ تمام کتابوں کا درس دیا۔ تفسیر بیضاوی اور تفسیر جلالین وغیرہ کا بھی طلباء نے ان سے درس لیا۔ ہر موضوع کی درسی کتابوں پر انھیں عبور حاصل تھا۔ تقریباً پچاس برس دارالعلوم تقویۃ الاسلام میں ان کا سلسلۂ تدریس جاری رہا۔ اس اثنا میں متعدد مقامات کے اربابِ اہتمام نے ان کو اپنے مدارس میں تشریف لانے کے لیے بڑے بڑے مشاہروں کی پیش کش کی، لیکن اس عالم ایثار پیشہ نے کسی کی پیش کش قبول نہیں کی اور تھوڑی آمدنی پر نصف صدی اسی دارالعلوم میں خدمات سرانجام دیتے رہے، جس کی مسند درس پر مولانا داؤد غزنوی نے ان کو بٹھایا تھا۔ یہ ان کا بہت بڑا کردار اور دارالعلوم سے بہ درجہ غایت تعلق کا ثبوت تھا۔

اس دارالعلوم میں تدریس کے علاوہ حافظ عبدالرشید گوہڑوی ہر رمضان میں نمازِ تراویح بھی پڑھاتے تھے۔ انھوں نے دارالعلوم میں پینتالیس مصلے سنائے۔ ان کی اقتدا میں بے شمار لوگوں نے نماز تراویح پڑھی، جن میں خود مولانا سید محمد داؤد غزنوی بھی شامل تھے۔ ان کے علاوہ شامل ہونے والوں میں مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی اور دیگر متعدد اصحابِ علم کے اسمائے گرامی آتے ہیں۔ میں بھی عرصے تک ان کی امامت میں نمازِ تراویح پڑھتا رہا۔

حافظ عبدالرشید گوہڑوی کے رفقائے درس کی تعداد خاصی پھیلی ہوئی ہے، ان میں سے زیادہ تر حضرات وفات پاگئے ہیں اور بعض زندہ ہیں اور تدریسی وخطابتی خدمات میں مصروف ہیں، ان میں خاص طور سے قابل ذکر نام مولانا عبدالرشید مجاہد آبادی کا ہے۔ وفات شدگان میں مولانا محمد حسین طور (جھوک دادو، ضلع فیصل آباد) حافظ عزیز الرحمٰن لکھوی بن حضرت مولانا عطاء اللہ لکھوی، مولانا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

شرف الحق احمد پور شرقیہ اور قاضی محمد اسلم سیف شامل ہیں۔

پچاس برس کی طویل مدت میں حافظ عبدالرشید گوہڑوی سے جن علما وطلبا نے قرآن وحدیث کی تعلیم حاصل کی، ان کو حیطۂ شمار میں لانا ممکن نہیں۔ خود حافظ صاحب کو بھی اپنے سب شاگردوں کے نام یاد نہ تھے۔ جہاں تک میں جانتا ہوں ان کے شاگردوں کی وسیع فہرست میں حافظ احمد شاکر (مدیر ہفت روزہ الاعتصام لاہور) حافظ محمد اسماعیل اسد (حافظ آباد) پروفیسر عبدالرحمٰن لدھیانوی، مولانا محمد رفیق اور مولانا محمد مسعود شامل ہیں۔

حافظ صاحب اپنے زمانۂ تدریس میں کبھی کبھی دارالعلوم تقویۃ الاسلام میں خطبۂ جمعہ بھی ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ کچھ عرصہ وہ سمن آباد کے علاقے رستم پارک کی مسجد اہل حدیث میں بھی جمعہ پڑھاتے رہے۔ بعض دفعہ میں بھی وہاں پہنچ جاتا اور ان کے خطبۂ جمعہ میں شامل ہوتا تھا۔

حافظ صاحب ممدوح مفتی بھی تھے۔ ان کے فتووں کا شاید کوئی مجموعہ تو نہیں ہوگا، لیکن اگر کوئی شخص ان سے کسی سلسلے میں تحریری طور پر کوئی فتویٰ لینا چاہتا تو اپنے عہد تدریس میں وہ فتویٰ دیتے تھے اور عدالت میں ان کے فتوے کو اہمیت دی جاتی تھی۔ تدریس سے علیحدگی کے بعد معلوم نہیں انھوں نے فتویٰ نویسی کا سلسلہ جاری رکھا یا نہیں رکھا۔

انھوں نے کوئی تصنیفی کام نہیں کیا۔ میرے خیال میں کبھی کسی اخبار میں کسی موضوع پر کوئی مضمون بھی نہیں لکھا ہوگا۔ ان کی دلچسپی کا اصلی مرکز ہمیشہ تدریس رہا اور انھیں کامیاب مدرس کے طور پر شہرت ملی۔ قرآن وحدیث کی تدریس بہت بڑا کام ہے، جو وہ نہایت استقلال کے ساتھ نصف صدی تک کرتے رہے۔ اللہ ہی انھیں اس کا اجر دینے والا ہے۔

حافظ صاحب صاف دل عالم دین تھے۔ دوستوں کے دوست اور سب کے ہم درد۔ نہ کسی سے کوئی جھگڑا، نہ کسی قسم کی ہنگامہ آرائی۔ عمر میں وہ مجھ سے کچھ چھوٹے تھے۔ میرا جب ان سے تعارف ہوا، وہ جوانی کی منزل میں داخل ہو چکے تھے۔ میانہ قد، سرخی مائل گندمی رنگ، گول چہرہ، موٹی آنکھیں۔ گداز جسم۔ قابل رشک صحت۔ سر پر سفید ململ کا عمامہ اور سفید تہبند اور قمیص پہنے ہوئے۔ پاؤں میں سرخ کھال کی جوتی۔ بے تکلفانہ اندازِ گفتگو۔ لہجہ خالص دیہاتی۔ یہ تھے اس زمانے کے حافظ عبدالرشید گوہڑوی۔ مولانا داؤد غزنوی ہمیں فرمایا کرتے تھے کہ حافظ عبدالرشید کی بدویت ختم کرنے کی کوشش کرو۔ لیکن ان کی ''بدویت'' ہمیشہ ان کے ساتھ رہی۔ بلکہ یہی ان کی اصل پہچان تھی۔ نہ وہ مولانا کے کہنے سے جدا ہوئی اور نہ کوئی اور اسے ان سے علیحدہ کر سکا۔ لیکن ''بدویت'' کے باوجود مولانا ان کے طریق تدریس سے بہت مطمئن تھے۔

حافظ صاحب بوڑھے ہو گئے تھے اور کئی قسم کے عوارض نے ان کو گھیر لیا تھا۔ جب ان کے بیوی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بچے گاؤں میں تھے، لاہور نہیں آئے تھے، یہ جمعرات کو گاؤں جایا کرتے تھے۔ لوگ انھیں دیکھ کر کہا کرتے تھے کہ آج جمعرات ہے، اس کی دلیل حافظ عبدالرشید کی گاؤں میں آمد تھی۔ عورتیں کہا کرتی تھیں، چھیدا آیا ہے، آج جمعرات ہے۔

میرے تھوڑے بہت تعلق والا کوئی شخص فوت ہوجائے تو میں اس کے جنازے میں شامل ہونے کی کوشش کرتا ہوں۔ حافظ صاحب سے میری کسی جنازے میں ملاقات ہوجاتی تو مجھے فرماتے، کوئی غیر مسلم بھی مرجائے تو تم اس کے جنازے میں ضرور شامل ہوتے ہو۔ لیکن حافظ صاحب کی اہلیہ اچانک وفات پاگئیں تو میں ان کے جنازے میں شریک نہیں تھا۔ اس دن میں گاؤں گیا تھا۔ رات کو لاہور آیا تو مجھے ان کی وفات کا پتا چلا۔ بے حد افسوس ہوا۔ صبح کو تعزیت کے لیے ان کے گھر پہنچا تو کسی قدر خفگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا تم ہر ایک کے جنازے میں شریک ہوتے ہو، میری بیوی کے جنازے میں کیوں شریک نہیں ہوئے؟ میں نے بتایا کہ میں یہاں نہیں تھا، رات آیا تو پتا چلا اور اب حاضر ہوگیا ہوں۔

حافظ عبدالرشید عام طور پر مجھے صیغہ واحد سے مخاطب کرتے اور ''بھٹی راجا'' کہا کرتے تھے۔ میں بھی انھیں بے تکلفی سے ''مہر جی'' کہا کرتا تھا۔ ارائیوں کو دیہات میں بالعموم ''مہر'' کہا جاتا ہے اور یہ ان کے لیے احترام کا لفظ ہے۔

حافظ عبدالرشید اپنے اساتذہ کا ذکر نہایت تکریم کے لہجے میں کیا کرتے تھے اور ان کے اسلوبِ درس کے بے حد مداح تھے۔ اپنے ہم جماعت اور رفقائے درس کی خوبیاں بھی بہتر الفاظ میں بیان فرمایا کرتے تھے۔

حافظ صاحب کے دوستوں کی فہرست میں لاہور کی بادشاہی مسجد کے مرحوم خطیب مولانا عبدالقادر آزاد کا نام خاص طور سے قابل ذکر ہے۔ وہ دیوبندی مکتب فکر سے تعلق رکھتے تھے۔ پنجاب میں اتحاد بین المسلمین کے نام سے ایک کمیٹی قائم ہوئی تھی، جس میں تمام فقہی مسالک کے اہل علم شامل تھے۔ مولانا عبدالقادر آزاد اور حافظ عبدالرشید گوہڑوی بھی اس کمیٹی کے رکن تھے۔ اس کمیٹی کے ارکان کی حیثیت سے ان حضرات نے بنگلہ دیش کا دورہ بھی کیا اور انھیں اس ملک کے بلاد وقصبات میں جانے اور وہاں کے علماء وزعما سے ملاقات کے مواقع میسر آئے۔

جس شخص نے بھی حافظ عبدالرشید گوہڑوی سے کوئی اچھا سلوک کیا، اسے انھوں نے یاد رکھا۔ میاں فضل حق مرحوم (سابق ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیت اہل حدیث) انھیں بین المسلکی قسم کی سرکاری میٹنگوں میں لے جایا کرتے تھے اور پھر ان کی کوششوں سے انھیں رویت ہلال کمیٹی کے رکن مقرر کیا گیا۔ یہ سب باتیں انھیں یاد تھیں اور اس کا وہ اچھے الفاظ میں ذکر کرتے اور میاں فضل حق مرحوم کو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

دعائیں دیتے۔ بیس سال وہ رؤیت ہلال کمیٹی کے رکن رہے۔

اتحاد بین المسلمین کمیٹی کے رکن انھیں مولانا عبدالقادر آزاد نے بنایا تھا۔

حافظ عبدالرشید گوہڑوی چار بھائی تھے۔ دو بھائی گاؤں میں ہیں جو کاشت کار ہیں اور دو بھائی لاہور میں تھے۔ ایک خود حافظ صاحب اور دوسرے پروفیسر ڈاکٹر محمد یحییٰ.....! یہ پی ایچ ڈی ہیں اور انجینئرنگ یونیورسٹی کے شعبۂ اسلامیات کے صدر رہے ہیں۔ ریٹائرمنٹ کے بعد بھی اس یونیورسٹی میں خدمت تدریس سرانجام دیتے ہیں۔ میرے مخلص اور دیرینہ دوستوں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ تدریس کے علاوہ پروفیسر محمد یحییٰ تحریر وکتابت کا بھی صاف ستھرا ذوق رکھتے ہیں۔ نصابی قسم کی چند کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔ متعدد رسائل وجرائد میں ان کے تحقیقی مقالات شائع ہوئے۔

حافظ عبدالرشید گوہڑوی کی اولاد تین بیٹے ہیں اور دو بیٹیاں۔ سب اپنے گھروں میں خوش حال ہیں۔ ایک بیٹا محمد امین ایم بی بی ایس ڈاکٹر ہے۔ اس کی شادی اپنے چچا پروفیسر ڈاکٹر محمد یحییٰ کی صاحب زادی سے ہوئی۔

حافظ عبدالرشید گوہڑوی ماشاء اللہ پوتے پوتیوں اور نواسے نواسیوں والے تھے۔

حافظ صاحب کا کوئی سیاسی ذہن تو ضرور ہوگا اور وہ کسی سیاسی جماعت کے امیدوار کو ووٹ بھی دیتے ہوں گے، لیکن نہ انھوں نے کبھی کسی سیاسی یا نیم سیاسی جماعت سے وابستگی اختیار کی اور نہ کبھی کسی سیاسی یا غیر سیاسی تحریک میں عملی طور سے حصہ لیا۔ ہمیشہ اپنے اصل کام تدریس سے علاقہ رکھا اور یہی کام ان کی سرگرمیوں کا محور رہا۔ پھر یہ بھی ان کا کمال تھا کہ پچاس برس کا عرصہ ایک ہی مرکز تدریس دارالعلوم تقویۃ الاسلام (لاہور) میں گزار دیا۔ اس سے علیحدگی کے بعد کچھ عرصہ لاہور کے ایک اہل حدیث مدرسے میں پڑھایا۔ پھر گوشہ نشین ہوگئے۔

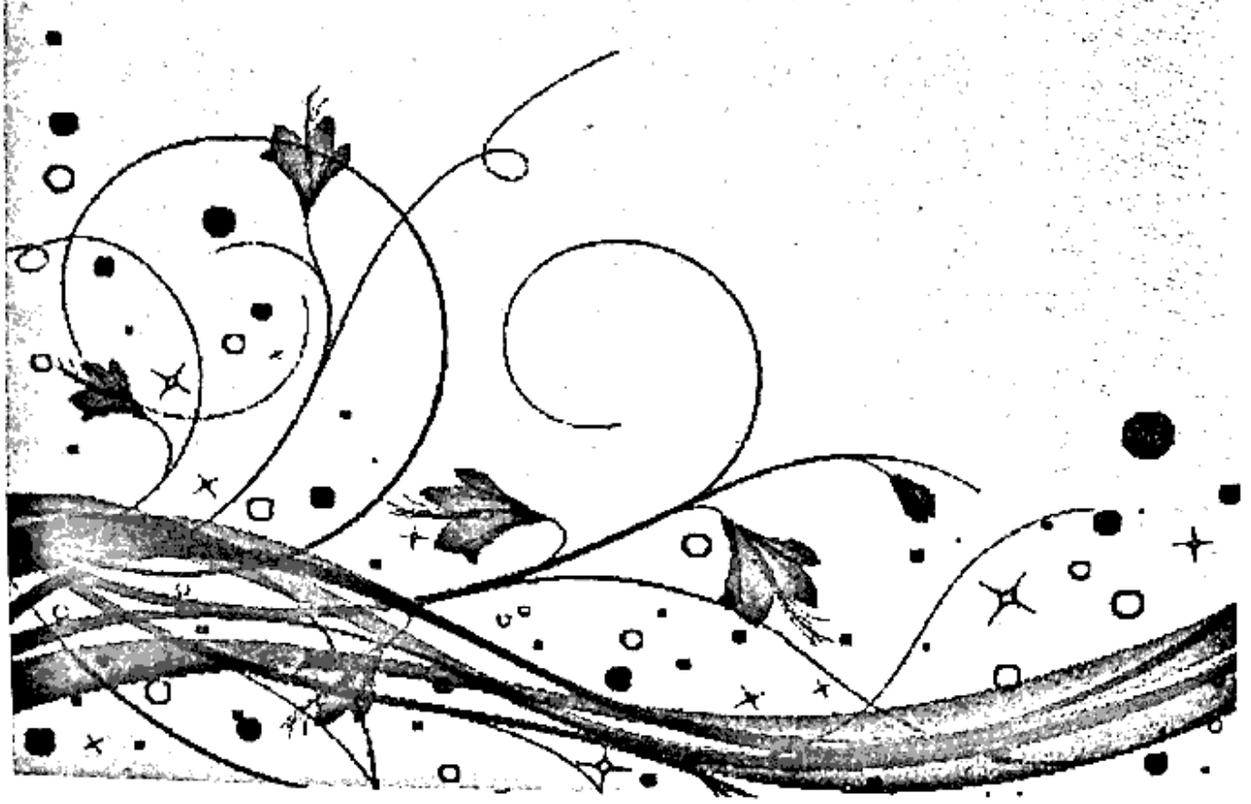
کچھ عرصہ پیشتر حافظ عبدالرشید گوہڑوی پر فالج کا حملہ ہوگیا تھا۔ علاج ہوتا رہا، لیکن افاقہ نہ ہوا۔ میں ملاقات کے لیے کئی دفعہ ان کے گھر گیا۔ میل جول اور گفتگو میں کوئی فرق نہ تھا۔ خوش مزاجی اور خوش طبعی پہلے کی طرح برقرار رہی۔ اس سادہ مزاج اور نیک طینت عالم دین اور فاضل مدرس نے ۱۸۔ جنوری ۲۰۱۰ء کو نماز مغرب کے بعد وفات پائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

چھبیس موجودین علماے حدیث

بہ ترتیب تواریخ ولادت



" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مولانا عبدالرشید

(ولادت ۱۹۲۲ء)

تقسیم ملک سے قبل موضع پھرالا تحصیل نواں شہر ضلع جالندھر (مشرقی پنجاب) میں ایک اہل حدیث خاندان آباد تھا۔ اس خاندان کے ایک رکن کا نام عبدالحق تھا۔ عبدالحق پٹواری تھے اور مولانا ثناء اللہ امرتسری کے ہفت روزہ اخبار ''اہل حدیث'' کے خریدار تھے۔ ان کے گھرانے کے تمام پڑھے لکھے افراد اس اخبار کا مطالعہ کرتے اور اس کے مضامین سے متاثر تھے۔

سرکاری ملازم کی حیثیت سے عبدالحق کا تبادلہ مختلف مقامات میں ہوتا رہتا تھا۔ ۱۹۲۲ء میں وہ کمالیہ (ضلع فیصل آباد) میں بہ طور پٹواری متعین تھے اور ماموں کانجن کے قریب ایک گاؤں میں ان کی رہائش تھی۔ وہیں ۱۹۲۲ء میں ان کے بیٹے عبدالرشید پیدا ہوئے۔ عبدالرشید نے پرائمری تک اپنے گاؤں کے سرکاری سکول میں تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد چک نمبر ۲۴ گ ب میں آٹھویں جماعت کا امتحان دیا اور کامیاب ہوئے۔ اس کے بعد عبدالحق نے بیٹے کو منڈی تاندلیاں والا کے قریب جھوک دادو بھیج دیا جہاں ایک معروف بزرگ میاں محمد باقر نے ''مدرسہ خادم القرآن والحدیث'' کے نام سے دینی مدرسہ قائم کر رکھا تھا۔ یہ ۱۹۴۴ء کی بات ہے۔ اس وقت عبدالرشید کی عمر بائیس برس کی ہو چکی تھی۔ وہاں انھوں نے جن اساتذہ سے تعلیم حاصل کی وہ تھے مولانا محمد داؤد بھوجیانی، مولانا محمد صدیق لائل پوری، حافظ محمد بھٹوی، حافظ احمد اللہ بڈھیمالوی اور مولانا شرف الدین دہلوی۔

مولانا محمد داؤد سے عبدالرشید نے درس نظامی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں، حافظ محمد بھٹوی سے عربی ادبیات کی سبعہ معلقہ اور بعض دوسری کتابیں پڑھنے کا موقع ملا۔ مولانا محمد صدیق لائل پوری سے بھی بعض کتابیں پڑھیں۔ حافظ احمد اللہ بڈھیمالوی سے مختصر المعانی وغیرہ کی تکمیل کی اور حضرت مولانا شرف الدین دہلوی سے صحیح بخاری پڑھنے کی سعادت حاصل کی۔ جھوک دادو کے ''مدرسہ خادم القرآن والحدیث'' میں عبدالرشید کے ہم جماعت تھے مولانا عبدالرشید مجاہد آبادی، میاں محمد باقر صاحب کے صاحب زادے مولانا حمزہ، حافظ عبداللہ فیض پوری اور مولانا محمد یعقوب ساکن گوجرہ۔ ان حضرات میں سے مولانا عبدالرشید مجاہدی آج کل جامعہ الدراسات الاسلامیہ لاہور کے منصب شیخ الحدیث پر فائز ہیں (ان پر میرا طویل مضمون ''دبستانِ حدیث'' میں شائع ہو چکا ہے) مولانا محمد

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

یعقوب کا آبائی مسکن مشرقی پنجاب کی ریاست فرید کوٹ کا ایک گاؤں ''واندراں'' تھا۔ وہ آزادیٔ برصغیر کے زمانے میں پاکستان آئے اور تحصیل علم کے بعد گوجرہ (ضلع فیصل آباد) میں درس وتدریس کا فریضہ انجام دینے پر مامور ہوئے اور وہیں وفات پائی۔ میاں محمد باقر کے فرزند گرامی بھی فارغ التحصیل ہونے کے بعد اپنے گاؤں (جھوک دادو) کے مدرسے میں طلبا کو پڑھانے میں مشغول ہوگئے تھے، وہ بھی عرصہ ہوا وفات پاگئے ہیں۔

صاحب ترجمہ مولانا عبدالرشید کا نام والدین نے رشید احمد رکھا تھا۔ عبدالرشید انھوں نے بعد میں خود ہی نام رکھ لیا۔ ذہین اور تیز فہم طالب علم تھے اور طالب علمی کے زمانے میں اردو ادب سے بھی دلچسپی رکھتے تھے۔ وہ شاعر نہیں تھے، لیکن اردو اور فارسی کا جو شعر انھیں پسند آتا وہ اپنی ڈائری میں لکھ لیتے۔ اس طرح بہت سے شعر انھیں زبانی یاد تھے۔ انھوں نے مروّجہ نصاب کی تمام کتابیں جھوک دادو کے مدرسہ خادم القرآن والحدیث میں پڑھیں اور پھر میاں محمد باقر کے کہنے سے وہیں خدمت تدریس میں مصروف ہوگئے۔ اس مدرسے میں ان سے جن حضرات نے اخذ فیض کیا، ان میں مولانا عبدالخالق قدوسی شہید، مفتی عبید اللہ عفیف، مولانا محمد اسحاق وٹو اور حافظ محمد بنیامین کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔

مولانا عبدالرشید صالح فطرت عالم دین اور محنتی مدرس تھے جو انتہائی ذمے داری اور شفقت سے طلبا کو تعلیم دیتے تھے۔ میاں محمد باقر تدریس اور طلبا کی تربیت کے سلسلے میں ان پر بہت اعتماد کرتے تھے۔ مدرسے کے متعلق وہ میاں صاحب کے اصل مشیر تھے۔

۱۹۶۸ء تک جھوک دادو میں مولانا عبدالرشید کا سلسلۂ تدریس جاری رہا۔ اس کے بعد وہ لاہور آگئے اور انھیں مسجد قدس اہل حدیث (چوک دال گراں) کی مسند درس پر متمکن کیا گیا۔ چار سال وہ جامعہ قدس میں مدرس رہے۔ اس اثنا میں بہت سے شائقین علم نے ان سے کتب حدیث پڑھیں، جن میں مسجد مبارک لاہور کے سابق خطیب مولانا فضل الرحمٰن بن محمد ازہری کا اسم گرامی خاص طور سے قابل ذکر ہے۔ وہ تجارت پیشہ شخص ہیں جو اپنے کاروبار سے وقت نکال کر مولانا عبدالرشید کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ انھوں نے بلوغ المرام سے لے کر صحیح مسلم تک حدیث کی کتابیں جامع قدس میں مولانا عبدالرشید سے پڑھیں۔

جامعہ قدس سے مولانا عبدالرشید دارالعلوم تقویۃ الاسلام تشریف لے گئے۔ تقریباً پانچ سال اس دارالعلوم میں مصروف تدریس رہے۔ اس زمانے میں حضرت حافظ محمد اسحاق حسینوی یہاں شیخ الحدیث کی مسند پر متمکن تھے اور حافظ عبدالرشید گوہڑوی بھی بہ حیثیت مدرس یہاں خدمت تدریس پر مامور تھے۔ اس وقت مولانا عبدالرشید کا قیام لاہور کے علاقہ سنت نگر میں تھا۔ وہ روزانہ سنت نگر سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

دارالعلوم تقویۃ الاسلام تشریف لاتے تھے۔ دارالعلوم کے مہتمم سید ابوبکر غزنوی تھے جو مولانا عبدالرشید کا بے حد احترام کرتے تھے۔ لیکن مولانا عبدالرشید بیمار ہوگئے اور پھر دارالعلوم کی خدمت تدریس سے علیحدگی اختیار کرلی۔

سنت نگر میں ان کا اپنا مکان تھا۔ وہیں چھ مرلے کا پلاٹ خرید کر مسجد تعمیر کرائی۔ اس پلاٹ کے ساتھ ایک کنال زمین اور تھی، جس کے مالک برطانیہ رہتے تھے، مولانا عبدالرشید نے وہ ایک کنال زمین خریدنے کے لیے ان سے رابطہ قائم کیا تو انھوں نے مولانا کی خدمت میں حاضر ہوکر یہ زمین مسجد کی تعمیر کے لیے وقف کردی۔ مولانا کی کوشش سے اس علاقے میں مسجد بھی تعمیر ہوئی اور دینی مدرسہ بھی جاری ہوا۔

مولانا عبدالرشید کو تدریس کے علاوہ تحریر وکتابت سے بھی دلچسپی ہے۔ چناں چہ انھوں نے اصلاحی اور تبلیغی قسم کے چھوٹے چھوٹے بہت سے رسالے لکھے اور شائع کیے۔ امام ابن تیمیہ کی ایک کتاب ''الفرقان بین اولیاء الرحمٰن واولیاء الشیطان'' کے کچھ حصے کا اردو ترجمہ کرکے شائع کیا۔ ختم نبوت سے متعلق ان کا ایک رسالہ مولانا فضل الرحمٰن بن محمد ازہری نے شائع کیا۔ اس اہم موضوع پر ہفت روزہ ''تنظیم اہل حدیث'' میں ان کے مضامین بھی چھپے۔

مولانا عبدالرشید کی ایک اہم خدمت قرآنِ مجید کے حواشی ہیں۔ وہ مستند عالم دین ہیں اور تفسیر وحدیث کا ذخیرہ ان کے پیش نگاہ ہے۔ انھوں نے اس ذخیرۂ علمی کی روشنی میں قرآنِ مجید کے حواشی لکھنا شروع کیے۔ جب اس مبارک سلسلے کے چند پارے مکمل ہوگئے تو انھوں نے اسے مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی اور سید ابوبکر غزنوی کو دکھایا۔ ان دونوں حضرات نے اس پر پسندیدگی کا اظہار کیا اور انھیں اس کی تکمیل کا مشورہ دیا۔ مولانا عطاء اللہ حنیف نے تفسیر وترجمہ کے بارے میں بعض ضروری علمی مشورے بھی دیے۔ اس سے مولانا عبدالرشید کی حوصلہ افزائی ہوئی اور انھوں نے کام کو آگے بڑھایا۔

یہ کام گیارہ سال کی طویل مدت میں تکمیل کو پہنچا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ متن قرآن کا ترجمہ حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری کا ہے اور اس ترجمے پر حواشی مولانا عبدالرشید کے اپنے رقم فرمودہ ہیں۔ اس پر نظر ثانی مولانا کے لائق شاگرد مفتی عبید اللہ عفیف نے کی ہے۔ جیسا کہ گزشتہ سطور میں عرض کیا گیا۔ عبید اللہ عفیف نے مولانا عبدالرشید سے جھوک دادو کے زمانۂ تدریس میں کسب فیض کیا تھا۔

مولانا عبدالرشید نے جون ۱۹۶۹ء میں قرآنِ مجید کے حواشی کی ترقیم کا سلسلہ شروع کیا تھا جو ۴۔ نومبر ۱۹۸۰ء (۲۵۔ ذی الحجہ ۱۴۰۰ھ) کو گیارہ سال میں مکمل ہوا۔ اس دوران میں جو تفسیریں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

فاضل حواشی نویس کے سامنے رہیں، ان میں تفسیر قرطبی، تفسیر طبری، تفسیر ابن کثیر اور مولانا ثناء اللہ امرتسری کی تفسیر ثنائی شامل ہیں۔

یہ قرآنِ مجید (مع ترجمہ وحواشی) مکتبہ قدوسیہ اردو بازار، لاہور کی طرف سے ۲۰۰۷ء میں شائع ہوا۔ ایک ہزار آٹھ صفحات پر مشتمل ترجمہ وحواشی کا نام ''توضیح القرآن'' رکھا گیا ہے۔ خوب صورت مضبوط جلد، بہترین کاغذ، عمدہ کمپوزنگ اور بہت اچھی طباعت۔

مولانا عبدالرشید خود دار اور گوشہ گیر عالم دین ہیں۔ میل ملاقات کا سلسلہ بہت محدود ہے۔ نہ کسی قسم کی میٹنگ میں جاتے ہیں، نہ جلسوں میں شرکت کا شوق ہے۔ ان کی سرگرمیوں کا دائرہ تین امور میں سمٹا ہوا ہے۔

- ..... حدیث اور علوم دینیہ کی تدریس۔
- ..... اصلاحی انداز کے چھوٹے چھوٹے رسائل کی تحریر واشاعت۔
- ..... قرآنِ مجید کی تفہیم اور تبلیغ۔

یہ نام ونمود اور اپنی قابلیت کے اظہار کا دور ہے، جس میں بہت سے علمائے کرام بھی ملوث ہیں۔ اس دور میں علائق دنیا سے کٹ کر اپنے آپ کو خدمت دین کے لیے وقف کر دینا اور نہایت اخلاص کے ساتھ اللہ کے ارشادات اور نبی ﷺ کے فرامین کی اشاعت کو اپنا فریضہ قرار دے لینا بہت مشکل ہے۔ اس مشکل محاذ کو مولانا عبدالرشید نے سنبھال رکھا ہے۔ میں دیگر مسالکِ فقہی کے حضرات کی بات نہیں کرتا، صرف جماعت اہل حدیث کی بات کرتا ہوں۔ پورے پاکستان کی جماعت اہل حدیث تو رہی ایک طرف، خود لاہور کی جماعت اہل حدیث کے بہت کم لوگ انھیں جانتے ہوں گے۔ عوام اہل حدیث کو چھوڑیے، علمائے کرام بھی شاید اس ممتاز عالم دین سے کوئی تعلق نہیں رکھتے ہوں گے۔

یہ کہنی مار دور ہے۔ اس دور میں وہی شخص شہرت پاسکتا ہے جو کہنی مار کر آگے نکل جانے کے فن سے آگاہ ہو۔

یہ سطور ۵۔ جون ۲۰۰۸ء کو لکھی جارہی ہیں۔ مولانا ممدوح اب ماشاء اللہ ۸۷ برس کی عمر کو پہنچ گئے ہیں۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ انھیں خیر وعافیت سے رکھے اور وہ ہمیشہ کتاب وسنت کی تبلیغ واشاعت میں مشغول رہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مولانا محمد اسرائیل ندوی سلفی

(ولادت ۱۹۲۴ء)

ہندوستان کے علاقہ میوات میں بے شمار اہل حدیث علمائے کرام پیدا ہوئے اور انھوں نے بے حد دینی خدمات سرانجام دیں۔ ان میں سے بعض حضرات کی خدمات کا دائرہ علاقہ میوات تک محدود رہا اور بعض کے دوائرِ عمل اس علاقے سے باہر نکل کر ہندوستان کے مختلف علاقوں تک پہنچے۔

میوات کے موجودہ اصحابِ علم میں حکیم محمد اسرائیل ندوی سلفی کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ وہ ۱۹۲۴ء میں اپنے آبائی گاؤں موضع جھانڈہ تحصیل ہتھین ضلع فریدآباد میں پیدا ہوئے۔ والد کا اسم گرامی حاجی محمد ابراہیم تھا جو ایک پرہیزگار اور صالح بزرگ تھے۔ ۲۶۔ جولائی ۱۹۸۴ء کو فوت ہوئے۔

حکیم محمد اسرائیل کی تعلیم کا سلسلہ مندرجہ ذیل طریقے سے چلا:

⊙..... اردو ہندی کی تعلیم پرائمری اور مڈل تک جھانڈہ، شکراوہ اور کوٹ میں حاصل کی۔

⊙..... قرآنِ مجید کا آخری پارہ اپنے گاؤں کے ایک بزرگ حافظ نور محمد سے پڑھا۔

⊙..... مڈل پاس کرنے کے بعد والد نے ان کو دینیات کی تعلیم کے لیے جامعہ سلفیہ شکراوہ میں داخل کرا دیا۔ وہاں میاں جی مہر اللہ اور مولانا محمد داؤد راز سے ناظرہ قرآنِ مجید پڑھا۔

⊙..... مولانا محمد داؤد راز ہی سے اردو اور دینیات کی بعض کتابیں پڑھیں۔ نحو میر، میزان منشعب، صرف میر، فارسی کی چند کتابیں کریما، گلزار دبستاں، پند نامہ، گلستان بھی ان سے پڑھیں۔

شیخ الحدیث مولانا عبدالجبار سے کتاب الصرف، کتاب النحو، پنج گنج، فصولِ اکبری، علم الصیغہ، ہدایت النحو، کافیہ، شرح جامی، قرأۃ الرشیدہ، النحو الواضح، متنبّی، سبعہ معلقہ، دیوانِ علی، قدوری، اصولِ شاشی، شرح وقایہ، نور الانوار، سراجی وغیرہ کتابوں کی تکمیل کی۔

اس کے بعد دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں داخلہ لیا۔ وہاں

⊙..... مولانا محمد رابع ندوی اور مولانا عبدالماجد ندوی سے مختارات اول ودوم، معلم الانشاء حصہ دوم وسوم پڑھنے کا موقع ملا۔

⊙..... دارالعلوم کے مفتی جناب مولانا ظہور احمد صاحب سے شرح وقایہ، ہدایہ اوّلین اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سراجی کا درس لیا۔

⊙..... مولانا محمد اسحاق ندوی سے اصولِ فقہ کی المدخل پڑھی۔

⊙..... مولانا ابوالعرفان ندوی سے البلاغۃ الواضحہ پڑھی۔

⊙..... منطق اور ریاض الصالحین مولانا عبدالحفیظ بلیاوی ندوی مصنف مصباح اللغات سے پڑھیں۔

⊙..... شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالجبار شکراوی سے یہ کتابیں پڑھیں اور سند لی۔ بلوغ المرام، مشکوٰۃ، شرح نخبۃ الفکر، صحاح ستہ، تفسیر جلالین، تفسیر بیضاوی۔

⊙..... صحیح بخاری اور جامع ترمذی دونوں کتابیں مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی سے باردگر پڑھیں۔

⊙..... مولانا محبوب الٰہی دیوبندی سے صحیح مسلم، سنن ابی داؤد، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ کا درس لیا۔

⊙..... تفسیر جلالین اور فارسی کی گلستان مولانا سید تقریظ احمد سہسوانی سے دوسری مرتبہ پڑھیں۔

⊙..... دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں مولانا محمد اویس ندوی سے چار سال ترجمہ قرآنِ مجید اور تفسیر پڑھتے رہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ اور امام ابن قیم کی کتابیں پڑھنے کا شوق انہی کے حلقہ درس سے ہوا۔

⊙..... مولانا عبدالحکیم زیوری (تلمیذ شیخ الکل حضرت میاں سید نذیر حسین دہلوی) کو صحاح ستہ اور موطا امام مالک کے اطراف سنائے اور ان سے سند واجازہ حاصل کی۔

⊙..... طب کی تعلیم مولانا حکیم عبدالشکور شکراوی سے لی۔

⊙..... طویل مدت تک مولانا سید تقریظ احمد سہسوانی کی خدمت میں رہے اور ان سے خوب استفادہ کیا۔

⊙..... میٹرک تک انگریزی اور ہندی کی تعلیم دارالعلوم ندوۃ العلماء میں پائی۔

حکیم محمد اسرائیل ندوی سلفی نے جامعہ سلفیہ شکراوہ، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، دارالعلوم دیوبند اور دہلی کے اساتذہ سے تعلیم حاصل کی۔ بعض کتابیں دو دو مرتبہ پڑھیں۔

۵۔ مئی ۱۹۵۲ء کو مولانا محمد اسرائیل ندوی سلفی کی شادی ہوئی۔ لیکن ۲۹۔ نومبر ۱۹۵۶ء کو یہ خاتون وفات پاگئیں۔ اب مولانا ممدوح پھر تحصیل علم میں مشغول ہوگئے۔

۷۔ جون ۱۹۶۰ء کو ان کی دوسری شادی ہوئی، جس سے اللہ تعالیٰ نے بیٹے بھی عطا فرمائے اور بیٹیاں بھی۔ اس کے بعد ماشاء اللہ ان کے پوتے پوتیوں اور نواسے نواسیوں کا سلسلہ چلا۔

تعلیم اور شادی سے فراغت کے بعد وہ جامعہ سلفیہ شکراوہ میں درس وتدریس کی خدمات سرانجام دینے لگے۔ اسی اثنا میں انھیں جمعیت اہل حدیث ہریانہ (میوات) کے ناظم اعلیٰ بنا دیا گیا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اب انھوں نے اور مولانا عبدالرحمٰن ندوی نے اس علاقے میں تبلیغی دوروں کا سلسلہ بھی شروع کردیا۔ جامعہ سلفیہ کی تدریس اس کے علاوہ تھی جو ایک بہت بڑی ذمہ داری تھی۔ اللہ نے ان کو ہمت دی، سب کام اپنے انداز سے جاری رہے۔

مولانا محمد اسرائیل ندوی سلفی کے استاذ محترم شیخ الحدیث مولانا عبدالجبار شکراوی نے ۹۔ ربیع الاوّل ۱۴۰۶ھ (۲۳۔ نومبر ۱۹۸۵ء) کو وفات پائی۔ ان کی وفات کے بعد جمعیت اہل حدیث (صوبہ ہریانہ) کی ذمہ داریوں کے علاوہ اس صوبے کے دارالافتا کا شعبہ بھی ان کے سپرد ہوا۔ دارالافتا کا دفتر مولانا محمد اسرائیل کے گاؤں جھانڈہ میں قائم کیا گیا۔ لوگ میوات اور دیگر مقامات سے تحریری استفتا لے کر آتے اور مولانا ممدوح ان کا تحریری صورت میں جواب دیتے تھے۔

اب وہ بہ یک وقت چار کام کررہے تھے اور چاروں محنت طلب اور وقت طلب تھے۔ ایک کام علاقے میں تبلیغ کا، دوسرا تدریس کا، تیسرا جماعت کی تنظیم کا اور چوتھا کام تھا دارالافتا میں فتویٰ نویسی کا۔ یہ انتہائی اہم کام تھے اور نہایت ضروری۔

ان اہم کاموں کے ساتھ ساتھ انھوں نے پانچواں کام شروع کیا۔ وہ تھا تصنیف وتالیف کا کام۔ مولانا حکیم عبدالشکور شکراوی بھی وفات پاگئے تھے۔ مولانا محمد داؤد راز بھی رحلت فرما گئے تھے اور شیخ الحدیث مولانا عبدالجبار شکراوی بھی سفر آخرت پر روانہ ہوگئے تھے۔ غیر اہل حدیث اہل قلم مسلک اہل حدیث پر اعتراضات کرتے اور اس پر عمل کرنے والوں کی مخالفت کرتے تھے۔ اس موضوع پر وہ کتابیں بھی شائع کررہے تھے۔ مولانا محمد اسرائیل ندوی سلفی نے ان لوگوں کو تحریری صورت میں جواب دینا ضروری سمجھا اور اللہ کا نام لے کر اس بندۂ خدا نے یہ محاذ بھی سنبھال لیا۔

یہ سطور ۱۷۔ جون ۲۰۰۸ء کو لکھی جارہی ہیں۔ اس وقت تک ان کی مندرجہ ذیل کتابیں ہمارے علم میں آئی ہیں:

① ..... التحفۃ الحسنیٰ فی اثبات سنیۃ المصافحۃ بالید الیمنیٰ: اس کتاب میں چالیس صحیح احادیث سے ثابت کیا گیا ہے کہ مصافحہ دائیں ہاتھ سے کرنا سنت ہے۔

② ..... نور الہدیٰ فی فرضیۃ الجمعۃ علی اہل القریٰ: اس کتاب میں قرآن وحدیث اور آثارِ صحابہ سے ثابت کیا گیا ہے کہ دیہات میں جمعہ پڑھنا فرض ہے۔ یہ کتاب ایک حنفی عالم کے رسالہ "احکام الجمعہ" کے جواب میں لکھی گئی ہے۔ حنفی عالم کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ دیہات میں جمعہ نہیں پڑھنا چاہیے۔

③ ..... الہدایۃ الکاملہ: اس میں قرآن وحدیث کے حوالوں سے ثابت کیا گیا ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک طلاق ہی شمار کیا جائے گا۔ اس سلسلے میں احناف کے اس موقف کو غلط قرار دیا گیا ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کو تین ہی قرار دیا جائے گا۔ یہ موقف قرآن وحدیث کے صریحاً

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

خلاف ہے۔

④..... ایک مجلس کی تین طلاق، قرآن وحدیث کی روشنی میں: اس کتاب میں بھی اسی امر کی وضاحت کی گئی ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک طلاق ہی قرار پائے گی۔

⑤..... البینات الیٰ ما فی نجاۃ النیاز من الاتہامات: اس میں ان اتہامات کا تفصیل سے جواب دیا گیا ہے جو احناف کی طرف سے اہل حدیث پر لگائے جاتے ہیں۔

⑥..... تحریک جہاد میں اہل حدیث اور علماے دیوبند کا کردار: اس کتاب میں مصنف شہیر نے بہ دلائل صراحت فرمائی ہے کہ انگریزوں کے خلاف ہندوستان میں جو تحریک جہاد شروع ہوئی تھی، وہ اس ملک کے اہل حدیث علما وزعما نے شروع کی تھی۔

⑦..... تراجم علمائے اہل حدیث میوات: اس کتاب میں فاضل مصنف نے علاقہ میوات کے اہل حدیث علماے کرام کے حالات بیان کیے ہیں۔

⑧..... فرضیت فاتحہ خلف الامام: اس کتاب میں صحیح احادیث کی رو سے بتایا گیا ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی کے لیے سورہ فاتحہ پڑھنا فرض ہے۔

⑨..... نماز میں سورہ فاتحہ: اس کا مطلب نام سے ظاہر ہے۔

⑩..... نماز میں سورہ فاتحہ: یہ کتاب بھی اسی موضوع پر ہے اور ہندی زبان میں ہے۔

⑪..... تحفۃ القاری التعلیقات علی جزء القرأۃ خلف الامام للبخاری: یہ امام بخاری کی جزء القرأۃ کی عربی میں تعلیق وتخریج ہے اور حسب ضرورت رجال پر جرح وتعدیل بھی کی گئی ہے۔

⑫..... زینۃ القاری التعلیقات علی جزء رفع الیدین للبخاری: یہ جزء رفع الیدین کی تعلیق وتخریج وتصحیح ہے۔

⑬..... التعلیقات السلفیہ علیٰ جامع الترمذی:

⑭..... تخریج احادیث زوائد صحیح ابن حبان

⑮..... التعلیقات علیٰ تقریب التہذیب: یہ رجال سے متعلق ہے۔

⑯..... تذکرۃ الامام نذیر حسین المحدث دہلوی: حضرت میاں صاحب کے حالاتِ زندگی۔

گزشتہ سطور میں مولانا محمد اسرائیل ندوی سلفی کے ابتدائی حالات بھی ضبط تحریر میں آگئے ہیں اور ان کی تدریسی، تبلیغی اور تصنیفی خدمات کے مختلف پہلوؤں کی بھی نشان دہی کردی گئی ہے۔

دعا ہے اللہ تعالیٰ ان کی زندگی دراز فرمائے اور وہ اس کے دین کی زیادہ سے زیادہ خدمات سرانجام دیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

حافظ شفیق الرحمٰن لکھوی

(ولادت ۱۹۲۴ء)

حضرت مولانا عطاء اللہ لکھوی کے جو حالات میسر آئے، وہ ''دبستانِ حدیث'' میں بیان کر دیئے ہیں۔ ان کے تین مرحوم فرزندانِ گرامی کا تذکرہ اس کتاب (گلستانِ حدیث) کے گزشتہ صفحات میں کیا گیا ہے، وہ ہیں مولانا عبدالرحمٰن لکھوی، مولانا حبیب الرحمٰن لکھوی اور حافظ عزیز الرحمٰن لکھوی رحمہم اللہ تعالیٰ۔ ان حضرات کی اولادِ نرینہ کا ذکر بھی چند الفاظ میں کر دیا گیا ہے۔ اب مولانا عطاء اللہ لکھوی کے تیسرے بیٹے کا تذکرہ کیا جاتا ہے، جن کا اسم گرامی حافظ شفیق الرحمٰن لکھوی ہے۔ ان کا سال ولادت ۱۹۲۴ء اور مقامِ ولادت لکھوکے ہے اور وہ ماشاء اللہ زندہ ہیں۔ انھوں نے قرآنِ مجید حافظ عبید اللہ صاحب سے حفظ کیا جو موضع بیڑ قدیم (ضلع فیروزپور) کے رہنے والے تھے۔ حفظ قرآن کے بعد دینیات کی تعلیم کا آغاز کیا۔ اپنی خاندانی اور مقامی درس گاہ جامعہ محمدیہ میں اپنے والد مکرم سے صرف ونحو کی کتابیں پڑھیں۔ حدیث کی کتابوں میں سے بلوغ المرام اور مشکوٰۃ شریف کا درس بھی انہی سے لیا۔ فارسی کی کتابیں گلستان اور بوستان کی تکمیل بھی جو شیخ سعدی کی مشہور تصانیف ہیں، والد عالی قدر سے کی۔

اس زمانے میں ان کے بڑے بھائی مولانا عبدالرحمٰن لکھوی موضع پٹی (موجودہ ضلع امرتسر) کے ایک دارالعلوم میں بہ طور معلم خدمات سرانجام دیتے تھے، یہ بھی وہیں چلے گئے اور منطق کی نصابی کتابیں ان کے حلقہ درس میں مکمل کیں۔ کچھ عرصہ امرتسر کے مدرسہ غزنویہ میں گزارا اور اس دارالعلوم کے ذی قدر اساتذہ سے استفادہ کیا۔

تقسیم ملک کے بعد ان کا خاندانی دارالعلوم (جامعہ محمدیہ) اوکاڑہ میں منتقل ہوگیا تھا، جہاں خود حضرت مولانا عطاء اللہ لکھوی اور دیگر جلیل القدر اساتذہ فریضہ تدریس ادا فرماتے تھے۔ حافظ شفیق الرحمٰن نے جامعہ محمدیہ میں داخلہ لیا اور وہاں دیگر اساتذہ کے علاوہ حضرت حافظ عبداللہ بڈھیمالوی سے تفسیر جلالین اور صحیح مسلم پڑھیں۔ ملتان کے مدرسے میں بھی اپنے برادرِ کبیر مولانا عبدالرحمٰن لکھوی سے اخذ علم کا موقع ملا۔

دارالعلوم تقویۃ الاسلام لاہور (یعنی مدرسہ غزنویہ) میں مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی اور مولانا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

محمد عبدہ الفلاح سے حصول فیض کرتے رہے۔ اس وقت دارالعلوم تقویۃ الاسلام کے مہتمم مولانا سید محمد داؤد غزنوی تھے اور وہ لکھوی علما کا بے حد احترام کرتے اور اس خاندان کے طلباء پر نہایت شفقت فرماتے تھے۔ حافظ شفیق الرحمٰن کو وہ ہمیشہ ''حافظ صاحب'' کہہ کر مخاطب فرماتے اور طلبا کے متعلق کوئی معاملہ سامنے آتا تو اس میں حافظ صاحب سے رائے لیتے اور ان کی رائے کو ترجیح دیتے۔

دارالعلوم تقویۃ الاسلام سے حافظ شفیق الرحمٰن لکھوی جامعہ محمدیہ گوجراں والا چلے گئے۔ وہاں انھوں نے صحیح بخاری، مؤطا امام مالک، سراجی اور بعض دیگر انتہائی درجوں کی کتابیں حضرت حافظ محمد گوندلوی سے پڑھیں اور ان سے سند فراغت حاصل کی۔

مروّجہ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد حافظ شفیق الرحمٰن لکھوی ۱۹۵۲ء میں جامعہ محمدیہ اوکاڑہ کی مسند درس پر متمکن ہوئے۔ نو سال مسلسل وہاں خدمت سرانجام دیتے رہے۔ اگست ۱۹۶۱ء میں ان کے برادرِ صغیر حافظ عزیز الرحمٰن لکھوی نے رینالہ خورد (ضلع اوکاڑہ) میں جامعہ محمدیہ کی طرف سے مدرسہ محمدیہ جاری کیا تو انھوں نے تدریس کے لیے ان کو وہاں بلا لیا۔ یہ سطور ۲۴۔نومبر ۲۰۰۷ء کو لکھی جارہی ہیں۔ اس وقت سے اب تک وہ وہاں خدمت تدریس سرانجام دے رہے ہیں۔ اب اس مدرسے کا نام جامعہ ابوہریرہ ہے۔

ان کی سکونت اپنے خاندان کے ساتھ رینالہ خورد سے تقریباً تین میل کے فاصلے پر چک نمبر ۱۸ میں ہے۔ چک نمبر ۱۸ سے روزانہ وہاں آتے ہیں۔ خود اپنے گاؤں میں بھی ان کا وعظ ونصیحت کا سلسلہ جاری ہے۔ نمازِ فجر کے بعد گاؤں کی مسجد میں درس قرآن دیتے ہیں اور نمازِ عشا کے بعد درسِ حدیث .....!

خطبہ جمعۃ المبارک بھی اسی گاؤں میں ارشاد فرماتے ہیں۔ حدیث کی کتابوں میں سے بلوغ المرام سے لے کر صحیح بخاری تک کئی دفعہ طلبا کو پڑھا چکے ہیں۔ دیگر علوم وفنون کی کتابوں کی تدریس بھی بارہا کر چکے ہیں۔ بے حد محنتی اور نہایت ذمہ دار مدرس ہیں۔ بے شمار علما وطلبا نے ان سے کسب علم کیا۔ عالی کردار، بلند اخلاق، عابد وزاہد، تہجد گزار، ملنسار اور سب کے ہم درد عالم دین ہیں۔ سادگی پسند اور وضعدار۔ اپنے بزرگوں کے تمام اوصاف حسنہ کے امین .....!

ان اوصاف کے حامل لوگوں سے اب یہ معاشرہ خالی ہورہا ہے۔ قدیم وضع کے صالحیت شعار لوگ بہت کم باقی رہ گئے ہیں۔ یہ نہایت قابل قدر لوگ ہیں، ان کے وجود کو غنیمت جاننا چاہیے اور ان سے کسب فیض کو اپنے آپ پر لازم قرار دینا چاہیے۔

حافظ شفیق الرحمٰن لکھوی کی اولادِ نرینہ حسب ذیل تین بیٹے تھے۔

① ..... پروفیسر خلیق الرحمٰن: یہ درسِ نظامی کے فاضل تھے۔ پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

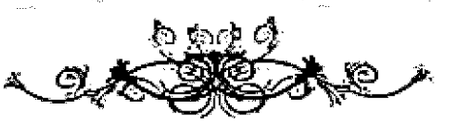
اسلامیات کیا تھا۔ بہت اچھے واعظ اور مقرر تھے۔ ایک کالج میں پڑھاتے تھے۔ عین عالم جوانی میں ۵۔ ستمبر ۲۰۰۴ء کو اپنے گاؤں چک نمبر ۱۸ میں اچانک وفات پا گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

ان کا جنازہ مولانا معین الدین لکھوی نے پڑھایا۔ بوڑھے باپ کو سعادت مند اور اعلیٰ تعلیم یافتہ جوان بیٹے کی ناگہانی موت کا جو صدمہ پہنچا، اسے الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں۔ میں اور حافظ احمد شاکر جنازے میں شامل تھے۔ میں نے یہ گاؤں پہلی دفعہ دیکھا تھا۔

②..... مولانا رفیق الرحمٰن لکھوی: یہ حافظ شفیق الرحمٰن کے دوسرے بیٹے ہیں۔ مدینہ یونیورسٹی کے فاضل ہیں اور آج کل شارجہ میں خدمات سرانجام دیتے ہیں۔

③..... مولانا سعید الرحمٰن لکھوی: فاضل درسِ نظامی۔ آج کل لائق تکریم باپ (حافظ شفیق الرحمٰن) کے ساتھ جامعہ ابوہریرہ (رینالہ خورد) میں مصروف درس وتدریس ہیں۔

دعا ہے اللہ تعالیٰ اس خاندان کے مرحومین کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور موجودین کو اپنے دین کی خدمت کے زیادہ سے زیادہ مواقع سے نوازے، آمین یا رب العالمین



" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مولانا عبدالرشید راشد ہزاروی

(ولادت ۱۹۳۵ء)

جن حضراتِ علماے کرام سے طویل مدت سے میرے مراسم قائم ہیں اور انھوں نے اپنے آپ کو علومِ دینیہ کی تدریس کے لیے وقف کر رکھا ہے ان میں مولانا عبدالرشید راشد ہزاروی کا اسم گرامی بھی شامل ہے۔ جس زمانے میں ان سے تعلقات کی بنیاد پڑی، اس زمانے میں وہ اوڈاں والا (ضلع فیصل آباد) کے دارالعلوم تعلیم الاسلام میں علم حاصل کرتے تھے اور وہ ان کی نوجوانی کا زمانہ تھا۔ میانہ قد، گول معصومانہ سا چہرہ، گندم گوں، نرم گفتار اور سنجیدہ طبع۔ اس سنجیدگی کی سطح پر ان کے اندر کے دکھ نمایاں طور پر دکھائی دیتے تھے۔

عبدالرشید اعوان برادری سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے والد کا نام مولانا عبدالمجید اور دادا کا حکیم محمد اسحاق تھا۔ اعوانوں کے بڑے بزرگ کا نام قطب شاہ تھا، اس لیے ان لوگوں کو قطب شاہی اعوان کہا جاتا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ قطب شاہ بہت نیک بزرگ تھے اور پنجاب اور ہزارہ وغیرہ کے مختلف اضلاع میں ان کا تبلیغ دین کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ وہ سخی اور ہم دردِ خلائق بھی تھے۔

حضرت مولانا غلام رسول (ساکن قلعہ میہاں سنگھ، ضلع گوجراں والا) بھی اعوان تھے۔ سخاوت میں ان کا ہاتھ بھی بڑا کھلا تھا۔ کہتے ہیں کہ ان سے ایک بھنگی چرسی نے روپیہ مانگا اور انھوں نے دے دیا۔ لوگوں نے بتایا کہ یہ بھنگ اور چرس پیتا ہے۔ فرمایا پیتا ہوگا۔ لیکن امید ہے اب ترک کردے گا۔ چناں چہ اس نے جلد ہی بھنگ اور چرس پینا ترک کردیا تھا۔

مولانا عبدالرشید راشد ہزاروی ۱۹۳۵ء میں موضع صرافا علاقہ گلیات (ضلع ایبٹ آباد) میں پیدا ہوئے، جو ایوبیہ کے غربی جانب کے دیہات میں سے ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ اسے ہزارے کا علاقہ کہا جاتا ہے جو رنجیت سنگھ کے ایک جرنیل ہزارہ سنگھ کی طرف منسوب ہے۔ مولانا عبدالرشید کے والد اپنے گاؤں میں امامت وخطابت کے فرائض انجام دیتے تھے اور دادا اس نواح کے معروف طبیب اور عالم دین تھے۔ ان کے نانا مولانا ولی محمد تھے جو اپنی علمیت کی وجہ سے اس علاقے میں خاص شہرت رکھتے تھے۔ اس طرح صالحیت اور علمی اعتبار سے ددھیال اور ننھیال کی طرف سے مولانا عبدالرشید ہزاروی کو خوش قسمت شخص کہنا چاہیے۔ لیکن آگے چل کر جو حالات پیدا ہوئے وہ نہایت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

دردانگیز اور کرب ناک ہیں۔

ان کے والد مولانا عبدالمجید عین عالم جوانی میں وفات پاگئے۔ اس وقت یہ تین بہن بھائی تھے۔ دو بھائی اور ایک بہن۔ عبدالرشید کی عمر تین سال کی تھی۔ بہن کی دو سال کی اور چھوٹا بھائی ابھی چالیس دن کا بھی نہیں ہوا تھا کہ والدہ وفات پاگئیں۔ یعنی والد بھی فوت ہوگئے اور والدہ بھی اللہ کو پیاری ہوگئیں۔ اس سے پہلے دادا بھی سفر آخرت پر روانہ ہوچکے تھے۔ صرف ایک مہینے میں تین جنازے ان کے گھر سے اٹھے۔ دادا کا، والدہ کا اور والد کا۔

عبدالرشید کے دادا کی دو بیویاں تھیں۔ پہلی بیوی سے ان کی اولاد سات بیٹیاں تھیں اور ایک بیٹے عبدالمجید جو عبدالرشید کے والد تھے۔ دوسری بیوی سے صرف ایک بیٹا تھا جو عمر میں عبدالرشید سے دو سال بڑا تھا۔ کچھ عرصے کے بعد حقیقی دادی بھی وفات پاگئیں۔ اب اس گھر کے تمام بڑے افراد وفات پاچکے تھے۔ البتہ عبدالرشید کی سوتیلی دادی زندہ تھیں، لیکن وہ گنٹھیا کی مریضہ تھیں جو چارپائی سے اٹھ نہ سکتی تھیں۔ اس طرح ان چار بچوں کی زندگی کا آغاز پریشان کن یتیمی کی حالت میں ہوا۔

عبدالرشید کے والد مولانا عبدالمجید کے بہنوئی بھی دینیات کے عالم تھے۔ ان کا نام مولانا عبدالرحمٰن تھا۔ مولانا عبدالمجید کو بیماری کی حالت میں جب یہ یقین ہوگیا کہ ان کی موت کا وقت قریب آ گیا ہے تو انھوں نے اپنے بہنوئی مولانا عبدالرحمٰن کو گھر بلایا اور کہا کہ مجھے اپنا سفر آخرت نظر آرہا ہے۔ میں آپ کو تاکید کرتا ہوں کہ میرے بچوں کو کسی مدرسے یا مسجد میں ضرور تعلیم دلائیں۔ یتیم سمجھ کر ان پر زیادہ شفقت نہ کرنا۔ اگر ایسا کیا تو یہ تعلیم نہ حاصل کرسکیں گے اور لوگوں کے ڈھور ڈنگروں کے چرواہے بن جائیں گے یا کوئی اِدھر اُدھر کی مزدوری کرنے لگیں گے۔ اگر یہ تعلیم حاصل کریں گے اور اللہ کے دین کی خدمت کو اپنا شعار بنالیں گے تو اپنے والدین کے لیے صدقہ جاریہ ثابت ہوں گے اور آپ کو بھی اللہ تعالیٰ اجر عطا فرمائے گا۔ ان کی تعلیم کے لیے آپ کو سختی بھی کرنا پڑے تو ضرور کریں۔

اب سنیے ان یتیم بچوں کے ساتھ کیا گزری۔

جب ان بچوں کا کوئی سہارا نہ رہا تو مقامی جرگے اور پنچایت کے ذمہ دار حضرات نے ان چاروں یتیموں کو ایک ایک کرکے مختلف رشتے داروں میں تقسیم کرنے کا فیصلہ کیا۔ عبدالرشید کا قرعۂ فال ان کے نانا مولانا ولی محمد کے نام نکلا اور وہ تین سالہ بچے کو انگلی سے پکڑ کر اپنے گھر لے گئے۔ ان سے چھوٹی بہن کو اس کی ایک پھوپھی کے سپرد کیا گیا اور چھوٹے بھائی بنیامین کو چھوٹی پھوپھی کے حوالے کردیا گیا۔ باقی رہا ان کا چچا عبدالعزیز اس کی تعلیم وتربیت کی ذمہ داری ان کے ماموں پر ڈال دی گئی۔ اس طرح یہ چاروں یتیم ومعصوم بچے دربدر ہوگئے۔ اللہ کی رحمت ہی ان کا اصل سہارا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تھی۔ اسی اثنا میں عبدالرشید کی معذور دادی جو عبدالعزیز کی والدہ تھیں اللہ کے دربار میں پہنچ گئیں۔

عبدالرشید کچھ بڑا ہوا تو اس کی تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا۔ ناظرہ قرآنِ مجید کا کچھ حصہ اپنے نانا مولانا ولی محمد سے، کچھ حصہ اپنے پھوپھا قاضی عبدالرحیم سے اور کچھ مختلف افرادِ خانہ سے پڑھا۔ پرائمری سکول میں دو مرتبہ دو مختلف سکولوں میں داخل کرایا گیا، لیکن کسی نے نہ گھر میں محنت کر کے پڑھنے کی تلقین کی اور نہ سکول میں زیادہ توجہ سے پڑھنے کا شوق پیدا ہوا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کسی سکول میں کچھ بھی نہ پڑھ سکا اور عدم توجہی اور زیادہ غیر حاضری کی بنا پر سکول سے نام خارج کر دیا گیا۔ یہ تھا پرائمری سکول میں عبدالرشید کی تعلیم کا آغاز اور انجام.....! لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت کا راز پوشیدہ تھا اور ان سے بہت اہم کام لینا مقصود تھا۔

اب آگے چلیے.....!

ان کے نانا مولانا ولی محمد مرحوم نے جب دیکھا کہ یہ لڑکا کسی سرکاری سکول میں کامیاب نہیں ہوا تو سوچا کہ اسے کسی دینی مدرسے میں داخل کرا دیا جائے۔ بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ والدین کا جو بچہ زیادہ ذہین ہو اسے سرکاری سکول میں داخل کرایا جاتا ہے اور جو پڑھنے میں کمزور ہو، اسے مسجدوں کی طرف دھکیل دیا جاتا ہے۔ عبدالرشید کے ساتھ بھی یہی ہوا۔

ان کے علاقے کے ایک گاؤں موضع تنزیلا میں ایک عالم دین مولانا محمد ادریس نے ابتدائی درجے کا ایک دینی مدرسہ قائم کر رکھا تھا۔ وہ عبدالرشید کے نانا مولانا ولی محمد سے اچھے تعلقات رکھتے تھے۔ ایک دن وہ مولانا محمد ادریس سے ملاقات کے لیے تنزیلا گئے تو عبدالرشید کو بھی ساتھ لے گئے۔ مولانا محمد ادریس نے ان سے پوچھا: یہ کس کا بچہ ہے؟ فرمایا: میرا نواسا اور حکیم محمد اسحاق مرحوم کا پوتا ہے!

یہ الفاظ سنتے ہی مولانا محمد ادریس نے فرمایا یہ بچہ آج سے میرا بیٹا ہے۔ اسے میرے حوالے کرو۔ میں اسے دینی تعلیم دوں گا۔

مولانا ولی محمد نے جواب دیا: یہ پرائمری سکول میں نہیں پڑھ سکا، آپ سے دینی تعلیم کیسے حاصل کرے گا۔

مولانا محمد ادریس نے کہا: آپ فکر نہ کریں مجھے دے دیں۔ ان شاء اللہ یہ دینی تعلیم حاصل کرلے گا۔

اس طرح عبدالرشید ایک گاؤں کی مسجد کے چھوٹے سے مدرسے میں داخل ہو کر حصولِ علم میں مشغول ہوگئے۔ تقریباً چار سال وہاں رہے۔ اس اثنا میں انھوں نے پورے قرآنِ مجید کا ترجمہ پڑھا۔ حدیث کی ابتدائی کتاب بلوغ المرام پڑھی۔ مشکوٰۃ کا کچھ حصہ پڑھا۔ ابواب الصرف کے چند

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ابواب یاد کیے۔ صرف نحو کی دو چار ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ اردو زبان سے تھوڑی بہت آشنائی پیدا کی اور کچھ لکھنا سیکھا۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ بہت بڑا کام تھا جو انھوں نے تین چار سال میں کرلیا۔ دینیات کی تعلیم سرکاری سکولوں کی نصابی تعلیم سے بہت مشکل ہے۔ یہ تعلیم عربی اور فارسی کی کتابوں سے تعلق رکھتی ہے اور اس کی گرائمر زبانی یاد کرنا اور یاد رکھنا پڑتی ہے ..... ۱۹۴۷ء تک عبدالرشید تتریلا کے اس مدرسے میں تعلیم حاصل کرتے رہے۔ اس وقت وہ بارہ تیرہ سال کی عمر کو پہنچ گئے تھے۔

اب ان کا شوقِ کاروانِ علم آگے بڑھتا ہے اور ایسی منزل کی طرف روانہ ہوتا ہے جو ان کی تحصیل علم کی آخری منزل ہے۔

انھیں کسی طالب علم سے پتا چلا کہ ضلع لائل پور کی تحصیل سمندری میں ایک گاؤں کا نام اوڈاں والا ہے۔ وہاں دارالعلوم تعلیم الاسلام کے نام سے ایک مدرسہ قائم ہے، جس میں بہت سے طلباء تعلیم حاصل کرتے ہیں اور کئی قابل اساتذہ انھیں تعلیم دینے پر مقرر ہیں۔ یہ مدرسہ ایک نیک طینت بزرگ صوفی عبداللہ کی کوششوں سے معرضِ قیام میں آیا ہے۔ چناں چہ عبدالرشید سمیت چار طالب علم تتریلا سے روانہ ہوئے اور طویل اور دشوار گزار سفر طے کرکے اوڈاں والا پہنچے۔ ان کے پاس جو چند روپے تھے، وہ راستے میں جیب تراشوں نے نکال لیے۔ اب یہ چاروں بالکل خالی ہاتھ اور تہی دامن تھے۔ ان میں ایک یا دو طالب علم عبدالرشید کے قریبی عزیز تھے۔

اوڈاں والا میں یہ لوگ مدرسہ تعلیم الاسلام کے بانی صوفی عبداللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھیں سلام عرض کرکے اپنی حاضری کا مقصد بیان کیا۔ انھوں نے ان کو اپنے مدرسے میں داخل کرلیا۔ اس مدرسے میں اس وقت ان کے ہم وطن مولانا عبدالحمید ہزاروی بھی تعلیم حاصل کررہے تھے۔ یہ انھیں مل کر بہت خوش ہوئے۔ انھیں بھی ہم وطنی کی بنا پر ان لڑکوں سے مل کر مسرت ہوئی۔ وہاں پہنچ کر انھیں یقین ہوگیا کہ ہمارا یہ تعلیمی سفر ان شاء اللہ کامیابی سے ہم کنار ہوگا۔ یہاں یہ یاد رہے کہ یہ وہی مولانا عبدالحمید ہزاروی ہیں جو ایک مدت سے جامعہ محمدیہ گوجراں والا کے منصب شیخ الحدیث پر فائز ہیں اور بے شمار طلبا وعلماء نے ان سے تحصیل علم کی ہے۔ یعنی اب وہ اللہ کے فضل سے استاذ الاساتذہ ہیں۔

عبدالرشید اور ان کے ساتھی پہاڑی علاقے کے رہنے والے تھے اور پہلی دفعہ پنجاب آئے تھے اور انھیں اس ہم وار علاقے کو پہلی مرتبہ دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا۔ لہلہاتی فصلیں اور یہاں کا ماحول ان کے لیے بالکل اجنبی تھا۔ اپنے آبائی علاقے کو یاد کرکے عبدالرشید بسا اوقات تنہائی میں رو پڑتے۔ انھیں دیکھ کر ان کے ساتھی بھی پریشان ہوجاتے۔ لیکن حصولِ علم کا ایک جذبۂ صادقہ ان کے دل میں موجزن تھا جو ان کے لیے اطمینان کا باعث تھا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

پہلے بتایا گیا ہے کہ تتریلا سے چلتے وقت ان کے پاس جو رقم تھی، وہ راستے میں جیب تراشوں کی نذر ہو چکی تھی۔ اب ان میں سے کسی کے پاس ایک پیسا بھی نہ تھا۔ اس زمانے میں طالب علموں کا کھانا مدارس میں باورچیوں سے نہیں پکوایا جاتا تھا بلکہ خود طلبا مدارس کے معاونین کے گھروں سے روٹیاں لاتے اور کھاتے تھے۔ اوڈاں والا کے مدرسے میں بھی یہی صورتِ حال تھی۔ روکھی سوکھی روٹی تو دو وقت مل جاتی تھی، لیکن پیسے کی ضرورت تو پھر بھی پڑتی تھی۔ صبح اور شام کے علاوہ بھی بھوک لگ سکتی ہے اور کچھ کھانا ضروری ہو جاتا ہے۔ دوسرے طلباء کے پاس تو تھوڑے بہت پیسے ہوتے تھے اور وہ اپنا کام چلا لیتے تھے لیکن عبدالرشید اور اس کے ساتھیوں کے پاس تو کچھ بھی نہ تھا۔ اب انھوں نے سوچا کہ کسی طرح گھر سے پیسے منگوائے جائیں۔ لیکن گھر سے پیسے منگوانے کے لیے گھر والوں کو خط لکھنا اور اپنے ڈاک کے پتے سے مطلع کرنا ضروری تھا اور خط بھی پیسوں سے ملتا تھا۔ ان دنوں ڈاک لفافے کی قیمت چھ پیسے یعنی ڈیڑھ آنہ تھی اور پوسٹ کارڈ کی قیمت تین پیسے۔ ان میں سے کسی کے پاس نہ چھ پیسے تھے نہ تین پیسے۔

ان میں سے عبدالرشید سب سے چھوٹے تھے یعنی گیارہ بارہ برس کے۔ تین ان سے بڑے تھے، بڑوں میں ایک کا نام محمد زمان تھا۔ محمد زمان نے کچھ شرماتے ہوئے عبدالرشید سے کہا کہ مدرسے کے ناظم دفتر سے ایک ڈاک لفافہ مانگ کر لاؤ۔ عبدالرشید اس کے پاس لفافہ لینے گئے تو اس نے ان کو ڈانٹتے ہوئے کمرے سے باہر نکال دیا۔ جو الفاظ اس نے کمرے سے باہر نکالتے وقت ان کو کہے وہ عبدالرشید کے بقول قابل بیان نہیں ہیں۔ ناظم کی ڈانٹ اور اس کے ناقابل بیان الفاظ سن کر عبدالرشید برآمدے کے ستون کے پاس کھڑے ہو کر رونے لگے۔ اتنے میں ان کا ایک ہم جماعت طالب علم ان کے پاس آیا جو عمر میں ان سے کافی بڑا تھا۔ اس نے رونے کی وجہ پوچھی تو عبدالرشید نے بھرائی ہوئی آواز اور اشک بار آنکھوں سے وجہ بتائی۔ اس نے فوراً اسے دونی دی اور کہا چھ پیسے کا ڈاک لفافہ لو اور دو پیسے اپنے پاس رکھو۔ یہ کشمیری طالب علم تھا اور اس کا نام علم دین تھا۔ عبدالرشید بتاتے ہیں کہ علم دین وفات پا گئے ہیں۔

یہ بہت سستا زمانہ تھا۔ اس وقت روپیہ چونسٹھ پیسے کا تھا، جس کے سولہ آنے بنتے تھے۔ اٹھنی بتیس پیسے کی، چونّی سولہ پیسے کی اور دونّی آٹھ پیسے کی۔ اعشاری نظام آنے کے بعد پرانے سکے ختم ہو گئے۔

اوڈاں والا کے مدرسہ تعلیم الاسلام کے بانی حضرت صوفی محمد عبداللہ مرحوم کی عبدالرشید بہت تعریف کرتے ہیں اور بے حد احترام سے ان کا نام لیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جب تعلیمی سال مکمل ہوا اور ہم نے اپنے گھروں کو جانے کی تیاری کی تو صوفی صاحب نے ہمیں کرایہ دیا اور نہایت محبت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے رخصت کیا۔ عبدالرشید وہاں ۱۹۴۷ء میں گئے تھے اور ایک سال بعد ۱۹۴۸ء میں اپنے گھر جارہے تھے۔

سالانہ چھٹیاں ختم ہوئیں تو پھر اوڈاں والا آ گئے اور مدرسے میں پڑھائی شروع کر دی۔ صوفی صاحب سے ملے تو انھوں نے انتہائی شفقت کا اظہار فرمایا اور حسب معمول بہت سی نصیحتوں سے نوازا۔ ان کے ساتھی تو تعلیم مکمل نہ کر سکے اور درمیان میں چھوڑ کر گھر چلے گئے، لیکن عبدالرشید نے دارالعلوم کی نصابی تعلیم مکمل کی۔ دن ہفتوں میں، ہفتے مہینوں میں اور مہینے سالوں میں بدلتے گئے۔ یہاں تک کہ ۱۹۵۴ء آ گیا اور عبدالرشید کا شمار دارالعلوم تعلیم الاسلام کے فارغ التحصیل حضرات میں ہونے لگا۔ ان کا چھوٹا بھائی بنیامین بھی کئی سال سے وہیں تعلیم حاصل کر رہا تھا۔

اوڈاں والا کے مدرسے سے فارغ ہونے کے بعد عبدالرشید نے مزید تعلیم کے لیے گوجراں والا کا عزم کیا اور جامعہ اسلامیہ میں داخلہ لے کر انتہائی درجوں کی بعض کتابیں حضرت حافظ محمد گوندلوی سے پڑھنے کا منصوبہ بنایا۔ ان کا چھوٹا بھائی بنیامین اوڈاں والا ہی میں رہا اور عبدالرشید جامعہ اسلامیہ میں حضرت حافظ صاحب سے تحصیل علم کرنے لگے۔ کچھ عرصے کے بعد وہ حضرت صوفی صاحب کو ملنے اور چھوٹے بھائی کی تعلیمی حالت کا پتا کرنے کے لیے اوڈاں والا گئے تو صوفی صاحب نے ان کو اپنے مدرسے میں رہنے کا حکم دیا اور فرمایا اب یہیں کام کرو اور گوجراں والا جانے کا ارادہ ترک کردو۔ اپنے بھائی کی نگرانی بھی کرو۔ انھوں نے صوفی صاحب سے عرض کیا کہ بعض انتہائی درسی کتابوں کے علاوہ حضرت حافظ صاحب سے وہ صحیح بخاری دوبارہ پڑھنا چاہتے ہیں، لیکن صوفی صاحب نہیں مانے۔ فرمایا جو کتابیں تم پڑھنا چاہتے ہو، میں ان کی پڑھائی کا یہیں انتظام کردیتا ہوں۔ تم یہاں ابتدائی درجوں کے طلبا کو پڑھاؤ گے بھی اور لائبریری میں لائبریرین کے طور پر بھی کام کرو گے۔ نیز جو کتابیں گوجراں والا میں پڑھنا چاہتے ہو، وہ کتابیں بھی یہاں پڑھو گے۔ اب عبدالرشید کے لیے اوڈاں والا کے مدرسے سے نکلنے کے تمام دروازے بند ہوگئے تھے اور فارغ التحصیل ہونے کے بعد انھیں وہیں رہنا پڑا۔

یہ ۱۹۵۴ء کے ماہِ جون کی بات ہے۔ اب انھوں نے اپنی معہد علمی میں حضرت صوفی صاحب کے حکم سے اپنے لائق احترام اساتذہ کی نگرانی میں تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا جو چلتے چلتے ۱۹۷۹ء کے ستمبر تک پہنچ گیا۔ یعنی تقریباً چوبیس سال تک پھیلتا چلا گیا۔ انھوں نے حضرت صوفی عبداللہ مرحوم ومغفور سے ان کی زندگی تک اس مدرسے میں تدریسی خدمات سرانجام دینے کا وعدہ کیا تھا اور یہ وعدہ انھوں نے پورا کیا۔ صوفی صاحب نے ۲۸۔ اپریل ۱۹۷۵ء کو وفات پائی۔ اس کے بعد ساڑھے چار سال سے کچھ زیادہ عرصہ عبدالرشید وہاں رہے۔ پھر نئی انتظامیہ سے معذرت کر لی اور مستقل طور پر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ساہی وال چلے گئے۔

انھوں نے چوتھائی صدی اوڈاں والا اور ماموں کانجن میں خدمت تدریس میں گزاری تھی اور ان کا ہر وقت قرآن وحدیث کے موضوع کی کتابوں، جلیل القدر استادوں اور طالب علموں سے تعلق رہتا تھا، لیکن ساہی وال میں تدریس کا کوئی سلسلہ نہ تھا۔ وہاں جامع مسجد ثنائیہ میں خطیب کی حیثیت سے گئے تھے اور خطابت ہی ان کا مشغلہ تھا یا صبح کا درسِ قرآن تھا۔ ایک پرانے اور تجربہ کار مدرس کے لیے یہ بے حد پریشانی کی بات تھی۔ فرماتے ہیں ایک دن درس قرآن کے بعد جب سب لوگ چلے گئے تو میں اپنے کمرے میں اکیلا جا بیٹھا۔ اللہ شاہد ہے کہ گزشتہ زمانہ مجھے یاد آ گیا اور میں بہت رویا کہ یا اللہ! میں یہ کیا حرکت کر بیٹھا۔ صبح سے شام تک بلکہ رات گئے تک دینی کتابوں کی ورق گردانی کرتا اور طلباء میں بیٹھ کر دین کی خدمت کا فریضہ سرانجام دیتا تھا۔ یہ سب کچھ میں نے خود ہی ضائع کرلیا اور خود کردہ را علاجے نیست۔ ماموں کانجن کے دارالعلوم کی تدریس چھوڑ کر تنہائی میں بہت نادم اور بہت غم ناک ہوا۔

اب مولانا عبدالرشید نے تدریس سے تھوڑا بہت رابطہ رکھنے کے لیے نمازِ عصر کے بعد درسِ حدیث اور نماز عشا کے بعد ترجمۂ قرآن کا آغاز کیا۔ درس حدیث میں تو صرف مسجد کے نمازی ہوتے تھے، لیکن ترجمہ قرآن میں بچے، بوڑھے، جوان، کاروباری، دکان دار، سکول ٹیچر، پروفیسر ہر طبقے اور ہر عمر کے لوگ شامل ہونے لگے، جن کی تعداد ستر سے بڑھ گئی تھی۔ ناظرہ قرآن پڑھنے والے بھی آتے تھے۔ ان طلباء میں ایک بزرگ حاجی عبدالعزیز تھے جو اپنے بیٹوں اور پوتوں کو بھی ساتھ لاتے تھے۔ ایک دن عشاء کی نماز باجماعت پڑھنے کے بعد حاجی عبدالعزیز اپنے ایک ساتھی کو یہ کہہ کر چلے گئے کہ آج میری طبیعت کچھ ناساز ہے، میری رخصت لگوا دیں۔ صبح کو نماز فجر کے لیے لوگ مسجد میں آئے تو پتا چلا کہ حاجی عبدالعزیز وفات پاگئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مروّجہ نصاب تعلیم مکمل کرنے کے بعد مولانا عبدالرشید راشد ہزاروی نے صوفی عبداللہ صاحب کے قائم کردہ دونوں مدرسوں دارالعلوم اوڈاں والا اور تعلیم الاسلام ماموں کانجن میں ہر فن کی تمام کتابیں کئی کئی دفعہ پڑھائیں۔ حدیث کی بلوغ المرام سے صحیح مسلم تک، علم نحو کی نحو میر سے شرح جامی تک، علم صرف کی صرف بہائی سے شافیہ تک۔ اسی طرح دوسرے فنون کی کتابیں بار بار پڑھانے کا موقع ملا۔ (البتہ صحیح بخاری نہیں پڑھائی تھی) لیکن ساہی وال میں درس وتدریس کا یہ سلسلہ بالکل ختم تھا۔

جامعہ عزیزیہ کے نام سے وہاں ایک تعلیمی ادارہ قائم تھا، اس ادارے میں صرف ایک سال تدریسی خدمت سرانجام دی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اب مولانا عبدالرشید راشد ہزاروی پھر میدانِ تدریس میں آتے ہیں۔

اس وقت اوکاڑہ میں تدریس کے دو ادارے قائم تھے۔ ایک جامعہ محمدیہ جو متحدہ پنجاب میں اہل حدیث کا اوّلیں تدریسی ادارہ تھا اور ڈیڑھ سو سال سے لکھوکے (ضلع فیروز پور) میں قائم تھا اور اس سے ہزاروں نامور اہل علم فارغ التحصیل ہو چکے تھے، جن کی متحدہ ہندوستان کے مختلف مقامات میں درس وتدریس کی سرگرمیاں جاری تھیں۔ قیام پاکستان کے بعد جامعہ محمدیہ اپنے اوّلیں مرکز لکھوکے سے منتقل ہو کر ۱۹۴۷ء میں اوکاڑہ میں قائم ہوگیا تھا اور اس کے ناظم مولانا معین الدین لکھوی تھے۔ قیام پاکستان سے قبل بھی اس کی زمام نظامت مولانا ممدوح کے ہاتھ میں تھی۔

جامعہ محمدیہ کے بعد اوکاڑہ میں دوسرا تدریسی ادارہ وہاں کی انجمن اہل حدیث نے ۱۹۵۴ء میں مدرسہ دارالحدیث کے نام سے جاری کیا تھا۔ اس کے ناظم مولانا عبدالعزیز تھے۔ ۱۹۸۲ء میں مولانا عبدالعزیز نے اپنے بڑے بیٹے مولانا عبداللہ یوسف کو مولانا عبدالرشید راشد ہزاروی کے پاس ساہی وال بھیجا۔ انھیں اپنے مدرسے کے لیے ایک مدرس کی فوری اور اشد ضرورت تھی۔ اس وقت مولانا عبدالعزیز بیمار تھے۔ مولانا عبدالرشید راشد ہزاروی ان کی دعوت پر وہاں پہنچے تو وہ بڑی محبت سے پیش آئے اور فرمایا آپ طلباء کو بخاری شریف پڑھا سکیں گے؟ انھوں نے صرف انہی الفاظ میں جواب دیا: ''ان شاء اللہ۔''

انھوں نے پوچھا: کبھی پہلے بخاری شریف پڑھائی ہے؟ جواب دیا: پڑھائی تو نہیں، البتہ جس محنت سے پڑھی ہے اور فن حدیث کی دوسری کتابیں بلوغ المرام سے لے کر صحیح مسلم تک کئی مرتبہ جس شوق اور محنت سے چوبیس سال پڑھاتا رہا ہوں، اس کی بنیاد پر امید ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ فریضہ بھی سرانجام دینے کی توفیق مرحمت فرمائے گا۔

مولانا عبدالعزیز نے فرمایا: آج سے یہ خدمت آپ کے سپرد کی جاتی ہے۔

یہ ۱۹۸۲ء کی بات ہے اور یہ سطور ۶ مئی ۲۰۰۸ء کو لکھی جارہی ہیں۔ اس حساب سے اس پر چھبیس سال کا طویل عرصہ گزر چکا ہے۔ مولانا عبدالرشید روزانہ ساہی وال سے اوکاڑہ تشریف لاتے اور تفسیر وحدیث سمیت مروّجہ نصاب کی مختلف کتابیں پڑھاتے ہیں۔ شیخ الحدیث کی حیثیت سے بخاری شریف بھی کئی دفعہ پڑھا چکے ہیں۔ ساہی وال میں خطابت اور درس قرآن وترجمہ قرآن کا جو سلسلہ انھوں نے شروع کیا تھا، اللہ کے فضل سے وہ بھی جاری ہے۔ انھوں نے ۱۹۵۴ء سے ۱۹۷۹ء تک پچیس سال اوڈاں والا اور ماموں کانجن کے دو مدرسوں میں تدریس کی اور ۱۹۸۲ء سے ان سطور کی ترقیم (۲۰۰۸ء) تک دارالحدیث اوکاڑہ میں مشغولِ تدریس ہیں۔ اس طرح ان کی تدریسی زندگی پچاس برس سے زیادہ مدت میں پھیلی ہوئی ہے۔ یہ صدقہ جاریہ ہے صوفی عبداللہ کے لیے بھی، مولانا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

عبدالرشید راشد ہزاروی کے اساتذہ کے لیے بھی، اوڈاں والا اور ماموں کانجن کے اربابِ انتظام اور معاونین کے لیے بھی، مولانا عبدالعزیز اور دارالحدیث اوکاڑہ کے اصحابِ اہتمام کے لیے بھی۔ نیز ساہی وال کے ان حضرات کے لیے بھی جو اس باب میں مولانا سے تعاون فرما رہے ہیں اور خود مولانا عبدالرشید راشد ہزاروی اور ان کے والدین کے لیے بھی۔

اب مولانا عبدالرشید راشد ہزاروی کے اساتذہ کے اسمائے گرامی ملاحظہ فرمایئے۔ ابتدائی دور سے لے کر انتہائی کتابوں تک انھوں نے کسی سے تھوڑا پڑھا ہے، کسی سے زیادہ۔ ان سب کے اسمائے گرامی اس فہرست میں شامل ہیں۔ پہلے ان حضرات کے نام جن سے اپنے علاقے (ہزارہ) میں ناظرہ قرآن یا کوئی کتاب پڑھی: ① مولانا ولی محمد، ② قاضی عبدالرحیم، ③ مولانا محمد دین مجاہد، ④ حافظ عبدالحق کوٹلی والے، ⑤ مولانا احمد، ⑥ مولانا محمد یعقوب، ⑦ مولانا محمد ادریس آف تنزیلا، ⑧ مولانا محمد آف ایبٹ آباد، ⑨ سید محمد یونس شہید آف نگری پائیں، ⑩ مولانا عبدالحمید ..... ان سب بزرگانِ عالی قدر کا وطنی تعلق صوبہ سرحد کے علاقہ ہزارہ کے مختلف مقامات سے ہے۔ ان میں سے کسی بزرگ سے قاعدہ پڑھا، کسی سے ناظرہ قرآن کا کچھ حصہ پڑھا، کسی سے اردو کی کوئی کتاب پڑھی اور کسی سے حدیث یا صرف ونحو کی کوئی ابتدائی کتاب پڑھی۔

۱۹۴۷ء میں بارہ برس کی عمر میں وہ اوڈاں والا کے دارالعلوم میں آئے جس کا تذکرہ گزشتہ صفحات میں ہو چکا ہے۔ اس کے بعد انھوں نے نصابی علوم وفنون کی تمام کتابیں اسی دارالعلوم کے مختلف اساتذہ کرام سے پڑھیں۔ ان کے اسمائے گرامی بہ ترتیب تاریخ ہائے وفات درج ذیل ہیں:

① .....مولانا شریف اللہ خان سواتی: وفات ۳۱۔ اگست ۱۹۷۹ء

② .....مولانا محمد یعقوب ملہوی: وفات ۱۳۔ نومبر ۱۹۸۱ء

③ .....حضرت حافظ محمد گوندلوی: وفات ۴۔ جون ۱۹۸۵ء

④ .....حضرت حافظ عبداللہ بڈھیمالوی: وفات ۹۔ مئی ۱۹۸۷ء

⑤ .....مولانا عبداللہ مظفر گڑھی: وفات ۱۳۔ مئی ۱۹۹۳ء

⑥ .....پیر محمد یعقوب قریشی: وفات ۲۱۔ جولائی ۲۰۰۳ء

⑦ .....مولانا محمد صادق خلیل: وفات ۶۔ فروری ۲۰۰۴ء

⑧ .....مولانا عبدالصمد رؤف: وفات ۲۷۔ نومبر ۲۰۰۵ء

⑨ .....مولانا عبدالکبیر:

⑩ .....مولانا محمد رفیق:

مولانا عبدالرشید راشد ہزاروی کے ان دس لائق احترام اساتذہ میں سے مجھے مولانا عبدالکریم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اور مولانا محمد رفیق کا پتا نہیں چل سکا کہ یہ کہاں کے رہنے والے ہیں اور تدریس کے سلسلے میں ان کی مساعی کی کیا حدود ہیں۔

اساتذہ کے بعد اب مولانا عبدالرشید راشد ہزاروی کے تلامذہ کی تلاش بھی میرے خیال میں ضروری ہے۔ ظاہر ہے کہ جس استاذ نے پچاس برس سے زیادہ عرصے تک تدریسی خدمات سرانجام دی ہوں، ان سے مستفید ہونے والوں کی تعداد لازماً ہزاروں تک پہنچتی ہوگی اور ان میں سے بہت سے مختلف مقامات میں سرگرمِ عمل ہوں گے۔ ان سب کے بارے میں خود استاذ کو بھی معلومات حاصل نہ ہوں گی بلکہ اکثر کے نام بھی ذہن میں نہ ہوں گے۔ جب معاملہ یہ ہے تو میرے جیسے شخص کو ان کے متعلق کیا پتا چل سکتا ہے۔ پتا چل بھی جائے تو کس کا ذکر کیا جائے اور کس کا نہ کیا جائے۔ بہرحال فرض کفایہ کے طور پر چند حضرات کا ذکر کیا جاتا ہے۔ پروفیسر حافظ محمد شریف (فیصل آباد) حافظ مقصود احمد (اسلام آباد) پروفیسر ڈاکٹر محمد اسماعیل گورایہ (ملتان) مولانا طیب معاذ (فیصل آباد) مولانا برق توحیدی (ایڈیٹر ماہنامہ ''التوحید'' ٹوبہ ٹیک سنگھ) مولانا حفظ الرحمٰن لکھوی (رینالہ خرد) حافظ محمد ادریس (جدہ سعودی عرب) قاری محمد خالد (ریاض سعودی عرب) سید مسعود شاہ (نگری پائیں ایبٹ آباد) مولانا عبدالواحد (بلتستان) میرے خیال میں انہی ناموں کے ذکر پر اکتفا کیجیے۔ اس سے زیادہ ذکر کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔

مولانا عبدالرشید راشد کا اصل کام تو تدریس ہے اور یہ بہت بڑا کام ہے۔ تاہم وہ تحریر ونگارش سے بھی رسم وراہ رکھتے ہیں۔ کتابی صورت میں تو ان کی کوئی تصنیف شاید نہیں ہوگی یا میری نظر سے نہیں گزری البتہ بعض موضوعات پر ان کے مضامین جماعتی رسائل وجرائد مثلاً ہفت روزہ الاعتصام، تنظیم اہل حدیث، ہفت روزہ اہل حدیث، پندرہ روزہ صحیفہ اہل حدیث وغیرہ میں کئی دفعہ پڑھنے کا موقع ملا۔ بہت اچھا لکھتے ہیں اور تحقیق سے لکھتے ہیں۔

تقریباتِ اختتام صحیح بخاری یعنی صحیح بخاری کی آخری حدیث پڑھانے کے لیے مختلف مدارس کی طرف سے انھیں باقاعدہ دعوت دی جاتی ہے اور یہ وہاں تشریف لے جاتے ہیں۔ ان مدارس میں جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن، جامعہ رحمانیہ ملتان، جامعہ اہل حدیث چشتیاں، جامعہ اشاعۃ الاسلام چک ۱۴۹ ای بی عارف والا اور مدرسہ تعلیم الاسلام کھچی والا شامل ہیں۔ اسی مدرسہ تعلیم الاسلام کھچی والا کی تقریب اختتام بخاری کے موقع پر جیل بھی جانا پڑا۔ یہ ۱۹۸۳ء کی بات ہے۔ ضیاء الحق کا زمانۂ حکومت تھا اور اس سال پہلی مرتبہ حکومت نے مسجدوں میں لاؤڈ سپیکر پر تقریر کرنے کی پابندی عائد کی تھی، جس پر تمام مسلمان برافروختہ تھے۔ مولانا عبدالرشید ہزاروی نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ ہماری حکومت کا بھی عجیب حال ہے، لاؤڈ سپیکر مسجدوں کے ہوں تو بند کیے جاتے ہیں تاکہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کتاب وسنت کی آواز لوگوں کے کانوں تک نہ پہنچے۔ لیکن گانوں کے سپیکروں کی ہوٹلوں میں، دکانوں میں، گلی محلوں میں اور بسوں ویگنوں میں کھلی آزادی دے رکھی ہے کہ برائی اور فحاشی پر مبنی ریکارڈنگ جتنی جی چاہے سنو اور سناؤ۔ بس اتنی بات کہنے پر ان کے خلاف ۱۶ ایم پی او کے تحت مقدمہ درج کردیا گیا اور ساہی وال سے گرفتار کرکے انھیں فورٹ عباس جیل میں بند کردیا گیا۔ وہ سخت گرمیوں کے دن تھے اور لو چلتی تھی جو سیدھی ان کی جیل کی کوٹھڑی میں آتی تھی۔ پینے کے لیے اور وضو کے لیے گرم پانی دیا جاتا تھا۔ ایک جمعہ بھی اس قید کی نذر ہوگیا۔ چند روز کے بعد ضمانت ہوئی اور پھر دو سال سے زیادہ عرصہ تک کیس چلتا رہا۔

سچ ہمارے ملک کی کسی حکومت نے کبھی برداشت نہیں کیا، فوجی حکومتوں کو تو خاص طور پر اس سے دشمنی رہی ہے۔ وہ حکومت ضیاء الحق کی ہو یا پرویز مشرف کی۔ سب کی سچ سے عداوت رہی ہے۔ ان کا نقطۂ نظر یہ رہا ہے کہ سچ اگر بولنا ہے تو بے شک بولو، لیکن حکومت کے کسی معاملے میں یہ حرکت بالکل نہ کرو۔ یہاں سچ بولنا جرم قرار پاتا ہے۔ ہمارے دوست مولانا عبدالرشید راشد ہزاروی نے فوجی حکومت کے سامنے سچ بولنے کی عیاشی کی اور دھر لیے گئے۔ حکومت اور سچ کبھی اکٹھے نہیں رہے۔ دونوں کی راہیں الگ الگ ہیں۔ یہ خلافت راشدہ نہیں ہے۔ یہ اور ہی قسم کی حکومتیں ہیں۔

دینی مدارس کے سالانہ امتحانوں کے لیے بھی مولانا عبدالرشید راشد کو دعوت دی جاتی ہے۔ اب تک جن مدراس کے امتحان کے لیے وہ تشریف لے گئے، ان میں جامعہ سلفیہ (وفاق المدارس)، جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن، مدرسہ تعلیم الاسلام فقیر والی، مدرسہ تعلیم الاسلام چشتیاں، جامعہ رحمانیہ ملتان، جامعہ محمدیہ خان پور، جامعہ اشاعۃ العلوم چیچہ وطنی اور جامعہ محمدیہ گوجراں والا شامل ہیں۔ جامعہ محمدیہ گوجراں والا کے سالانہ امتحانات میں مولانا عبداللہ امجد بھی ان کے ساتھ ہوتے ہیں۔ یہ تحریری امتحان ہوتا ہے جو کئی دن جاری رہتا ہے۔

مولانا عبدالرشید راشد کی کوشش سے مساجد کی تعمیر بھی ہوئی۔ جب ۱۹۷۹ء میں وہ ساہی وال گئے، اس وقت وہاں اہل حدیث کی صرف تین مسجدیں تھیں۔ ایک مسجد ثنائیہ جو حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری کے نام سے تعمیر کی گئی تھی۔ دوسری مسجد رحمانیہ اور تیسری مسجد عزیزیہ..... مولانا نے لوگوں کو ترغیب دی تو کئی مسجدیں تعمیر ہوگئیں۔ وہ ہیں جامع مسجد صدیق اکبر بشیر کالونی، جامع مسجد اہل حدیث جہاز گراؤنڈ، جامع مسجد قدس اہل حدیث فرید ٹاؤن، مسجد مبارک اہل حدیث بھٹونگر، جامع مسجد اہل حدیث ایکس بلاک طارق بن زیاد کالونی، جامع مسجد اہل حدیث مسلم بن عقیل کالونی، جامع مسجد اہل حدیث بلال کالونی۔ ان کے علاوہ بھی ان کی کوشش سے بعض مقامات پر مسجدیں تعمیر ہوئیں۔

تمام دینی مدارس اور جماعتی منصوبے لوگوں کے مالی تعاون سے چلتے ہیں۔ مولانا عبدالرشید

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

راشد لوگوں کو تدریسی اداروں اور دینی مدارس کی اعانت کے متعلق ترغیب دیتے رہتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ اپنے احباب و متعلقین کی مدد سے اپنے معہد علمی جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن، دارالحدیث اوکاڑہ اور دیگر اداروں کو ہر سال خطیر رقم جمع کر کے بھجواتے ہیں۔ اس سے کسی قسم کے اخراجات وضع نہیں کیے جاتے۔ ہنگامی اور وقتی ضرورتوں کے لیے بھی لوگوں سے تعاون کی اپیل کی جاتی ہے جو الحمدللہ نتیجہ خیز ثابت ہوتی ہے۔

تحریک تحفظ ختم نبوت میں بھی مولانا عبدالرشید نے حصہ لیا۔ ۱۹۵۳ء کی تحریک کے زمانے میں تو وہ طالب علم تھے لیکن اس میں بھی انھوں نے حصہ لیا۔ اس وقت وہ اوڈاں والا میں تعلیم حاصل کرتے تھے۔ طلبا جلوس وغیرہ نکالتے تھے جس میں یہ بھی شامل ہوتے اور پولیس کی سختی کی زد میں آتے تھے۔

۱۹۷۴ء کی تحریک تحفظ ختم نبوت کے زمانے میں مولانا عبدالرشید جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن میں مدرس تھے۔ اس تحریک میں انھوں نے بڑی سرگرمی سے حصہ لیا۔ ماموں کانجن میں جلوسوں کی قیادت کی۔ دفعہ ۱۴۴ کی خلاف ورزی کے الزام میں ایک مرتبہ پولیس نے جلوس پر آنسو گیس پھینکی اور لاٹھی چارج کیا۔ اساتذہ اور طلبا زخمی ہوگئے لیکن جلوس منتشر نہ ہوا تو انھیں گرفتار کرلیا گیا۔ مولانا ممدوح کی گرفتاری سب سے پہلے ہوئی۔ تھانے دار نے حکم دیا کہ عبدالرشید کو حوالات میں بند کردو۔ انھوں نے کہا کس بنا پر مجھے حوالات میں بند کیا جارہا ہے؟ صرف اس لیے کہ ہم حضرت محمد ﷺ کو آخری نبی مانتے ہیں اور مرزا غلام احمد قادیانی کو کافر قرار دیتے ہیں؟ اس پر عوام نے تھانے پر پتھراؤ شروع کردیا اور معاملہ آگے بڑھ گیا۔ حالات پولیس کے قابو سے باہر ہونے لگے تو مولانا عبدالرشید کو رہا کردیا گیا۔

اس کے علاوہ مولانا ممدوح نے ارکانِ حکومت یعنی وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو سے لے کر تمام وزرا کو لوگوں کی طرف سے سیکڑوں کی تعداد میں احتجاجی تار بھجوائے۔ پھر جب مرزائیوں کو اقلیت قرار دے دیا گیا تو وزیراعظم کے دفتر سے مولانا عبدالرشید کی مساعی پر انھیں تہنیتی سرٹیفکیٹ ارسال کیا گیا، جس میں تحریک تحفظ ختم نبوت کی کامیابی کے سلسلے میں ان کی سرگرمیوں کا تذکرہ کیا گیا تھا۔

مولانا عبدالرشید جہاد افغانستان کے زمانے میں ایک قافلے کی قیادت کرتے ہوئے افغانستان بھی گئے اور وہاں کچھ عرصہ بعض خدمات سرانجام دیتے رہے۔

اللہ کی قدرتِ کاملہ ملاحظہ ہو کہ جس شخص کے پاس (جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بتایا گیا) ایک پیسا بھی نہیں ہوتا تھا اور نہایت تکلیف دہ حالات سے دوچار تھا، اس کے لیے اللہ نے ایسے حالات پیدا کردیے کہ اسے اپنی کمائی سے حج بیت اللہ کی سعادت نصیب ہوئی۔ بیوی بھی ساتھ تھیں۔ اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کے بعد علما کے ایک وفد کے ساتھ بھی اس ارضِ مقدس میں حاضری کا شرف حاصل ہوا۔ یہ اللہ کے رنگ ہیں، وہ انسان کو ایسی ایسی نعمتوں سے نوازتا ہے جس کا اسے تصور بھی نہیں ہوتا۔ **وان تعدوا نعمة الله لا تحصوها**

۱۹۵۸ء میں مولانا عبدالرشید کی شادی پتوکی کے قریب موضع گوہڑ میں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے چھ بیٹے عطا فرمائے۔ ایک بیٹا بچپن میں فوت ہوگیا تھا۔ ایک بیٹا جو ایف اے کا طالب علم تھا اور جامعہ تعلیم الاسلام میں بھی تعلیم حاصل کرتا تھا، ۱۹۸۹ء میں جہاد افغانستان میں شریک ہوا، اور کابل کے قریب سروبی کے مقام پر ایک معرکے میں شہید ہوگیا۔

اب ماشاء اللہ چار بیٹے ہیں۔ بڑا بیٹا محمد بشیر ہے جو ساہی وال میں کاروبار کرتا ہے۔ دوسرا بیٹا عبدالخبیر سعودی عرب میں ملازمت کرتا ہے۔ تیسرا بیٹا عبدالغفور بی اے بی ایڈ ہے۔ دینیات کی تعلیم بھی مکمل کی ہے۔ ہومیوپیتھی ڈاکٹر ہے۔ ساہی وال کی ایک مسجد میں خطیب ہے اور بطور عربی ٹیچر سرکاری ملازم ہے۔ چوتھے بیٹے قاری عبدالرحمٰن عتیق ہیں، جو ایم اے (انگلش) ہیں۔ درسِ نظامی کے فاضل ہیں۔ راولپنڈی کی ایک مسجد میں خطبہ جمعہ ارشاد فرماتے ہیں اور انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد میں لیکچرار ہیں۔ خود مولانا ممدوح ماشاء اللہ پوتے پوتیوں کے جھرمٹ میں رہتے ہیں۔

اب مولانا عبدالرشید کی چند ایسی باتیں سنیے جو بقول ان کے انھیں کبھی نہیں بھولیں۔

① ..... طالب علمی کے بالکل ابتدائی دور میں مدرسہ تعلیم الاسلام (اوڈاں والا) کے ناظم دفتر سے ڈاک لفافہ مانگا اور انھوں نے سخت الفاظ میں انکار کرکے انھیں دفتر سے نکال دیا۔

② ..... پوری زندگی میں بے حد مجبوری کی حالت میں دو دفعہ قرض لینے کی ضرورت پڑی۔ پہلی دفعہ ۱۹۵۲ء میں ایک طالب علم ساتھی سے شدید ضرورت کی بنا پر پونے چار آنے (یعنی پندرہ پیسے) قرض لیے۔ سارا سال کوشش کرتے رہے، لیکن پونے چار آنے قرض نہ اتارا جاسکا۔ سالانہ تعطیلات کے موقعے پر صوفی عبداللہ مرحوم نے گھر جانے کے لیے کرایہ عنایت فرمایا تو اس میں سے طالب علم کا پونے چار آنے کا قرض اتارا۔

دوسری دفعہ ۱۹۵۸ء میں اپنی شادی کے موقعے پر چودہ سو روپے قرض لیے۔ اس وقت مدرسے سے مدرس کی حیثیت سے تنخواہ بھی ملتی تھی تاہم سخت فکر مند رہے۔ قرض ادا کیا تو دل کو سکون حاصل ہوا۔

③ ..... عبدالرشید راشد کا آخری تعلیمی سال تھا اور ان کے پاس لباس صرف ایک جوڑا تھا۔ قمیص کھدر کی تھی جسے پھٹ جانے کی وجہ سے کئی جگہ پیوند لگائے ہوئے تھے۔ جنوری کا مہینا تھا۔ کئی دن موسم ابر آلود رہا۔ کپڑے میلے ہونے کی وجہ سے جمعرات کو دھوئے لیکن نہ جمعرات کو سوکھے نہ جمعے کو۔ کھیس اوڑھ کر نمازیں پڑھتے رہے۔ ہفتے کے روز اساتذہ سے سبق پڑھنا تھے۔ پیر محمد یعقوب

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قریشی مرحوم صحیح بخاری پڑھاتے تھے۔ عبدالرشید کھیس اوڑھ کر سبق میں بیٹھ گئے۔ کچھ دیر بعد استاذِ محترم کی ان پر نظر پڑی تو ناراض ہوئے کہ تم کھیس اوڑھ کر سبق میں بیٹھے ہو، کپڑے کیوں نہیں پہنے؟ عبدالرشید کے ہم سبق قاضی محمد اسلم سیف نے جواب دیا کہ اس کے پاس صرف ایک قمیص ہے۔ قمیص جمعرات کو دھوئی لیکن دھوپ نہ ہونے کی وجہ سے سوکھی نہیں۔ استاذ مکرم نے ازراہ شفقت پوچھا تمھارے پاس اور کوئی جوڑا نہیں؟ عرض کیا نہیں۔ انھوں نے ناظم دفتر کو بلایا اور پوچھا دفتر میں کپڑا ہے؟ اس نے نفی میں جواب دیا تو استاذ نے فرمایا ایک سوٹ کا کپڑا خرید کر اس کے لیے ایک سوٹ سلوا دو..... مولانا عبدالرشید فرماتے ہیں انتہائی غربت کے زمانے کا یہ واقعہ انھیں کبھی نہیں بھولا۔

④..... فارغ التحصیل ہونے کے دو سال بعد جب کہ عبدالرشید نے اوڈاں والا کے مدرسے میں سلسلۂ تدریس شروع کر دیا تھا، وہ ۱۹۵۶ء میں اپنے وطن گئے۔ قیام اپنے نانا مولانا ولی محمد کے پاس تھا۔ گلیات کے مرکز کالا باغ کی جامع مسجد کے خطیب مولانا محمود صاحب ان کے پاس ملاقات کے لیے تشریف لائے اور فرمایا کہ آپ نمازِ جمعہ کالا باغ پڑھائیں۔ یہ اپنے نانا کے ساتھ وہاں گئے اور جمعہ پڑھایا۔ ان کے ابتدائی دور کے استاد مولانا محمد ادریس تتریلا والے بھی پہنچ گئے۔ مولانا عبدالرشید نے آگے بڑھ کر نہایت احترام سے استاذ کو سلام عرض کیا۔ وہ منبر پر بیٹھ گئے اور حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اس مہمان خطیب کو آپ نہیں جانتے۔ یہ مولانا ولی محمد کے نواسے اور مولانا حکیم محمد اسحاق کے پوتے ہیں۔ یتیمی کے دور میں ان کو میرے پاس پڑھنے کے لیے لایا گیا تو یہ شرط عائد کی گئی کہ نماز میں نہ بلند آواز سے آمین کہیں گے اور نہ رفع یدین کریں گے۔ اس وقت میں نے اس کی شرط مان لی۔ آج الحمدللہ نہ صرف یہ خود آمین اور رفع یدین کے قائل وفاعل ہیں بلکہ دوسروں کو بھی اس کی تلقین کرتے ہیں اور اہل حدیث گر ہیں یعنی غیر اہل حدیث کو اہل حدیث بناتے ہیں.....

اب آخر میں ایک اور بات:

۱۹۹۷ء کے اکتوبر کی کوئی تاریخ تھی اور جمعرات کا دن تھا کہ میں اپنے ایک مرحوم دوست محمد سعید قادری کے ساتھ پاک پٹن گیا۔ رات ہم وہیں رہے۔ صبح کو انھوں نے کہا کہ جمعہ ہم ساہی وال مسجد اہل حدیث میں پڑھیں گے۔ میں نے کہا مجھے معلوم نہیں کہ ساہی وال میں اہل حدیث کی مسجد کہاں ہے۔ قادری صاحب اہل حدیث نہیں تھے۔ لیکن انھوں نے کہا مجھے مسجد کا پتا ہے۔ میں کبھی جمعرات کو پاک پٹن آؤں تو واپسی پر جمعہ ساہی وال مسجد اہل حدیث میں پڑھتا ہوں۔ بہرحال ساڑھے دس بجے کے قریب ہم ساہی وال کی مسجد اہل حدیث میں پہنچے۔ چند لڑکے مسجد کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

صحن میں صفیں بچھا رہے تھے۔ تیئس چوبیس برس کا ایک خوب رو نوجوان بھی ان کے ساتھ صفیں بچھانے میں مصروف تھا۔ ہمارے پاس بیگ تھا۔ میں نے السلام علیکم کے بعد اس نوجوان سے کہا کہ ہم مسافر ہیں۔ جمعہ یہیں پڑھیں گے۔ اگر یہ بیگ آپ یہاں رکھ لیں تو آپ کی مہربانی ہوگی۔ ہم تھوڑی دیر کے لیے شہر میں گھومنا چاہتے ہیں۔ اس نوجوان نے کہا بیگ آپ اپنے پاس ہی رکھیے۔ اس کی بات صحیح تھی۔ میرا اس سے بیگ کے لیے کہنا صحیح نہ تھا۔ اسے کیا معلوم کہ بیگ میں کیا ہے۔

نوجوان کا جواب سن کر میں نے اس سے کہا ہم لاہور سے آئے ہیں اور میرا نام اسحاق بھٹی ہے۔ یہ الفاظ سنتے ہی وہ نوجوان کھڑا ہوگیا۔ مصافحہ کیا اور بیگ میرے ہاتھ سے پکڑ کر ایک لڑکے کو دیا کہ اسے کمرے میں رکھ آؤ۔ دوسرے لڑکے سے کہا کہ مہمانوں کے لیے دو بوتلیں لاؤ۔ اس نے بتایا کہ میرا نام محمد یونس ہے اور میں حافظ عبدالحق صدیقی کا بھانجا ہوں۔ پھر کہا کہ جمعہ آپ جہاں جی چاہے پڑھیں۔ لیکن دو بجے یہاں آجائیں اور کھانا ہمارے ساتھ کھائیں۔ میرے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ اس مسجد میں جمعہ مولانا عبدالرشید راشد ہزاروی پڑھاتے ہیں۔

ہم شہر میں تھوڑا سا گھوم پھر کر خطبہ جمعہ شروع ہونے سے پہلے ہی مسجد میں آگئے اور ایک کونے میں بیٹھ گئے۔ اتنے میں مسجد کے خطیب مولانا عبدالرشید راشد ہزاروی بھی تشریف لے آئے۔ وہ ابھی منبر پر بیٹھے ہی تھے کہ ان کی نظر مجھ پر پڑی اور اٹھ کر میرے پاس آئے اور خطبہ جمعہ کے لیے ارشاد فرمایا۔ لیکن میں نے عرض کیا کہ یہ فریضہ آپ ہی سرانجام دیجیے۔

نماز کے بعد انھوں نے ازراہ کرم اپنے دوستوں سے میرا تعارف کرایا۔ ان میں سے بعض حضرات غائبانہ طور پر مجھے جانتے تھے اور بعض نہیں جانتے تھے۔ وہیں ہم نے کھانا کھایا۔ کھانا بہت عمدہ تھا۔ میں نے اپنے مرحوم دوست حافظ عبدالحق صدیقی کے نوجوان بھانجے محمد یونس صاحب کا شکریہ ادا کیا۔ افسوس ہے وہ بھی عالم جوانی میں وفات پاگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

کھانے کے دوران ایک چھوٹا سا لطیفہ بھی ہوا۔ ایک صاحب نے پوچھا: اب آپ کہاں سے آئے ہیں؟ میں نے کہا پاک پٹن سے!

ایک اور دوست نے لقمہ دیا: پاک پٹن شریف کہیے۔

میں نے مسکراتے ہوئے کہا: پاک پٹن شریف کہنے میں کوئی حرج نہیں۔ اگر اداکارہ بابرہ شریف ہوسکتی ہے تو پاک پتن شریف کیوں نہیں ہوسکتا۔

عرض کیا: جس عظیم شخصیت فریدالدین گنج شکر کی وجہ سے پاک پتن کے ساتھ شریف کا لاحقہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہوا ہے، وہ اہل حدیث کی طرح نماز پڑھتے تھے۔ میں نے اپنی کتاب فقہاے ہند میں ان کے متعلق جو مضمون لکھا ہے، اس میں ان کے مسلک کی وضاحت کی ہے۔

وہیں ایک صاحب نے بتایا کہ بابا فرید کے طریقہ نماز کے متعلق مولانا عبدالجبار سلفی نے ایک فارسی کتاب کے حوالے سے پوری تفصیل بیان کردی ہے جسے کتابی صورت میں شائع کیا جارہا ہے۔

مولانا عبدالجبار سلفی (ایم اے) ہمارے عزیز دوست ہیں جو دیپال پور (ضلع اوکاڑہ) کے ایک سرکاری ہائی سکول میں معلم کی حیثیت سے خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ مولانا ممدوح تحقیق وکاوش کا صاف ستھرا ذوق رکھتے ہیں۔ انھوں نے بابا فرید الدین گنج شکر کے حالات پر مشتمل ایک فارسی کتاب ''جواہر فریدی'' (مصنفہ مخدوم علی اصغر چشتی نبیرہ زادہ حضرت بابا صاحب) کے ایک حصے ''دربیان عبادت آں سرور ﷺ'' کا اردو ترجمہ مع اصل فارسی عبارت کے بہ صورت کتاب چھپوا دیا ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ بابا صاحب کا نماز ادا کرنے کا وہی طریقہ تھا جو نبی ﷺ کا تھا اور جس کا ذکر کتب حدیث میں تفصیل سے آیا ہے۔ یہ کتاب مولانا عبدالجبار سلفی کی ایک اہم خدمت ہے اور کئی دفعہ چھپ چکی ہے۔

تذکرہ ہمارے دوست مولانا عبدالرشید راشد ہزاروی کا ہورہا تھا۔ ان کی زندگی کے ابتدائی سال نہایت عسرت کی حالت میں گزرے۔ وہ صابر وشاکر عالم دین ہیں۔ اچھے مقرر، اچھے خطیب، تجربہ کار مدرس۔ منکسر المزاج اور ملنسار۔

اللہ تعالیٰ نے ان پر بے شمار احسانات فرمائے ہیں۔

میرے ساتھ مولانا عبدالرشید راشد ہزاروی کے ہمیشہ مخلصانہ مراسم رہے۔ وہ جہاں ملے اور جب ملے تواضع سے پیش آئے اور نرم لہجے میں گفتگو کی۔ یہ سطور ۱۱۔ مئی ۲۰۰۸ء کو لکھی جارہی ہیں۔ وہ پچھتر سال کی عمر کو پہنچ گئے ہیں۔ لیکن ان کے انداز کلام میں اور چہرے مہرے پر اب بھی یتیمیت کی جھلک دکھائی دیتی ہے اور مسکینیت کا سایہ لہرا رہا ہے۔

مجھ پر مولانا عبدالرشید ہزاروی کا ایک احسان بھی ہے۔ وہ یہ کہ جب میں نے ۲۰۰۲ء میں حضرت صوفی محمد عبداللہ مرحوم ومغفور کے تذکارِ حیات لکھنے کا اخبار میں اعلان کیا اور ان سے ملنے والوں سے ان کے واقعاتِ زندگی سے متعلق معلومات مہیا کرنے کی اپیل کی تو مولانا عبدالرشید نے مختلف اوقات میں صوفی صاحب کے متعلق جو کچھ لکھا تھا وہ مجھے بھجوا دیا اور میں نے اپنے مطلب کا مواد اس سے اخذ کرلیا۔ اس کا ذکر میں تذکرہ صوفی عبداللہ کے مقدمے (حرفے چند) میں کر چکا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہوں۔ ساڑھے چار سو صفحات کی یہ کتاب مکتبہ سلفیہ شیش محل روڈ لاہور کی طرف سے شائع ہوئی ہے۔ اس کتاب میں مولانا عبدالرشید ہزاروی کا تذکرہ بھی میں نے خاص طور سے کیا ہے۔ لیکن وہ تذکرہ مختصر الفاظ میں کیا گیا ہے اور یہاں ان پر مفصل مضمون لکھا گیا ہے۔

دعا ہے اللہ تعالیٰ مولانا عبدالرشید راشد ہزاروی کی زندگی دراز فرمائے اور انھیں کتاب وسنت کی خدمت کے زیادہ سے زیادہ مواقع میسر آئیں۔ ان کی آل اولاد کو بھی اللہ تعالیٰ ہمیشہ خوش وخرم رکھے اور وہ خدمت دین میں مشغول رہیں۔



" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مولانا عبدالوکیل ہاشمی

(ولادت ۱۹۳۸ء)

نکلتا ہوا قد، جسمانی طور سے صحت مند۔ گندم گوں، گول چہرہ، خوش گفتار، خوش مزاج، بے تکلفانہ اندازِ کلام، مہمان نواز، دوستوں کے دوست۔ یہ ہیں حضرت مولانا عبدالحق ہاشمی مرحوم کے فرزند گرامی مولانا عبدالوکیل ہاشمی.....!

مولانا عبدالحق ہاشمی کے حالات یہ فقیر اپنی کتاب ''دبستانِ حدیث'' میں تفصیل سے لکھ چکا ہے۔ ان کا سلسلۂ نسب بیالیس واسطوں سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ ان کے والد مولانا عبدالواحد ہاشمی اپنے عہد کے نامور عالم تھے جو سابق ریاست بہاول پور کے ایک گاؤں ''کوٹلہ شیخاں'' میں سکونت پذیر تھے۔ وہیں ۱۳۰۲ھ (۱۸۸۵ء) میں مولانا عبدالحق پیدا ہوئے اور انھوں نے اپنے عصر کے متعدد اساتذہ سے تحصیل علم کی۔ کوٹلہ شیخاں کی سکونت ترک کرکے وہ مستقل طور سے احمد پور شرقیہ چلے گئے تھے۔ والیٔ ریاست ریاست بہاول پور نے انھیں وہاں کی شاہی مسجد کے خطیب وامام مقرر کردیا تھا۔

مولانا عبدالحق ہاشمی اپنے دور کے مشہور واعظ، بہت سی کتابوں کے مصنف اور ممتاز مدرس تھے۔ علاوہ ازیں نہایت صالح اور متقی بزرگ تھے۔ سلطان عبدالعزیز (ابن سعود) کی دعوت پر مکہ مکرمہ چلے گئے تھے۔ سلطان ان کا بے حد احترام کرتے تھے۔ ان کے علم وفضل کی بنا پر سلطان نے ان کو حرم شریف میں مدرس مقرر کردیا تھا۔ وہیں ۱۷۔ شوال ۱۳۹۲ھ (۲۲۔ نومبر ۱۹۷۲ء) کو بہ وقت ظہر فوت ہوئے اور ان کا جنازہ نماز مغرب کے بعد بیت اللہ شریف میں امام کعبہ نے پڑھایا۔ پھر ان کی وصیت کے مطابق ان کی میت مدینہ منورہ پہنچائی گئی اور صبح کو مسجد نبوی میں ان کی نماز جنازہ پڑھی گئی اور جنت البقیع میں دفن کیے گئے۔

ان کے کئی بیٹے بیٹیاں تھے۔ بڑے بیٹے مولانا عبدالرزاق تھے جن کے وعظ وتقریر اور علم وعمل کی بڑی شہرت تھی۔ عالی قدر باپ نے مکہ مکرمہ کو جاتے وقت احمد پور شرقیہ میں انھیں اپنا جانشین مقرر کردیا تھا۔ انھوں نے ۱۱۔ اپریل ۱۹۸۶ء کو وفات پائی۔

ان الفاظ کے بعد اب مولانا عبدالحق ہاشمی کے فرزند ارجمند مولانا عبدالوکیل ہاشمی کا تذکرہ کیا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

جاتا ہے جو میرے علم میں آیا۔

مولانا عبدالوکیل ہاشمی ۱۳۵۷ھ (۱۹۳۸ء) میں پیدا ہوئے۔ حصولِ علم کا آغاز اپنے جد امجد مولانا عبدالواحد مرحوم سے کیا۔ پھر ایک سرکاری سکول میں داخلہ لیا۔ اس وقت جلال پور پیر والا (ضلع ملتان) میں ان کے والد محترم کے شاگرد رشید مولانا سلطان محمود کا سلسلۂ تدریس جاری تھا۔ ان کی درس گاہ کا نام دارالحدیث محمدیہ تھا۔ مولانا عبدالوکیل اس دارالحدیث میں داخل ہوئے اور یہاں چار سال حصولِ علم میں مشغول رہے۔ پھر ان کے والد اپنے اہل وعیال سمیت سلطان عبدالعزیز (ابن سعود) کی دعوت پر حجاز گئے تو یہ بھی وہیں چلے گئے۔ وہاں انھوں نے مدرسہ تحفیظ القرآن میں قرآنِ مجید حفظ کیا۔ پھر دارِ ارقم کے دارالحدیث میں داخلہ لیا۔ بعد ازاں بیت اللہ شریف میں اپنے والد مکرم کے حلقۂ درس میں شامل ہو کر تعلیم مکمل کی۔

جن حضرات کی انھیں رؤیت نصیب ہوئی اور ان کے مواعظ ودروس میں حاضر ہوئے، ان میں مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا عبدالتواب ملتانی، مولانا عبدالحق ملتانی، مولانا عثمان عظیم آبادی، شیخ احمد شاکر مصری، علامہ ڈاکٹر تقی الدین ہلالی مراکشی وغیرہ بہت سے پاکستانی، ہندوستانی اور عرب علماے عظام شامل ہیں۔

جن حضرات پر انھوں نے قرأت کی اور ان سے اجازۂ روایت حاصل کیا، وہ ہیں ان کے والد مولانا عبدالحق ہاشمی، مولانا عبید اللہ رحمانی مبارک پوری، مولانا عبدالسلام بستوی دہلوی، مولانا سلطان محمود (جلا پور پیر والا) مولانا شمس الحق ملتانی، حافظ عبداللہ بڈھیمالوی، شیخ محمد اسماعیل عمرانی یمنی اور شیخ عبدالرحمٰن وشلی یمنی۔

مولانا عبدالوکیل ہاشمی درس وتدریس کے علاوہ تصنیف وتالیف کا بھی عمدہ ذوق رکھتے ہیں۔ انھوں نے متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ ان کتابوں میں سے غالباً کوئی کتاب چھپی تو نہیں یا میری نظر سے نہیں گزری۔ لیکن ان کے ناموں سے پتا چلتا ہے کہ یہ اہم موضوعات پر مشتمل ہیں اور مولانا کا ذوقِ تحریر بہت اچھا اور مطالعہ وسیع ہے۔ حدیث، اسماء الرجال اور دیگر علوم ان کی دلچسپی کا محور ہیں۔ ان کی کتابوں کے نام ملاحظہ فرمایے:

(۱)..... عناية الباري في ضبط مواضع أسماء الرجال في صحيح البخاري

(۲)..... إنعام الباري في معجم أحاديث شيوخ الامام البخاري

(۳)..... الحطة في معجم أحاديث شيوخ الأئمة الستة

(٤)..... مسند القزولي

(٥)..... البحر الزاخر فيما روى البخاري في جامعه من شيخه بواسطة شيخه الآخر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

(٦)..... الفتح الواحد فيما روى الإمام البخاري في جامعه عن شيخين في حديث واحد

(٧)..... تحقيق الأحاديث المنسوبة إلى الإمام الذهلي

(٨)..... الغوالي في تحقيق الأحاديث العوالي

(٩)..... رجال البخاري وعدد مواضعهم

(١٠)..... مفتاح القاري في عدد أسماء الكتب، والبواب، والرواة، والمعلقات، والمتابعات من صحيح البخاري

(١١)..... عناية الوهاب لمن اخرج لهم البخاري أو استشهد هم أولهم ذكر من الصاب

(١٢)..... القول الصحيح فيما فات من ابن عدي وابن عساكر وابن مندة والصاغاني وما زادوا في كتبهم من أسماء المشائخ الإمام البخاري في جامعه الصحيح

(١٣)..... بدائع المنن في أسامي شيوخ الشيخين واصحاب السنن

(١٤)..... أقوال المحدثين والفقهاء على أن يغسل الزوج زوجته بعد موتها

(١٥)..... مختصر عناية الباري

(١٦)..... أربعين أثرا للسعادة من عمل بهن خرج من ذنوبه كيوم الولادة

(١٧)..... البطشة الكبري

(١٨)..... التعداد فيمن خضب لحيته من الصحابة وأئمة الحديث بالحناء والكتم والصفرة والسواد

(١٩)..... دعاء المضطرين من البشر ومناجاتهم في وقت السحر

(٢٠)..... تحفة السامع والقاري في ختم الجامع الصحيح للإمام البخاري

یقیناً یہ خالص علمی نوعیت کی کتابیں ہیں۔ کاش ان کی اشاعت کی کوئی صورت پیدا ہو۔

مولانا عبدالوکیل ہاشمی کی اولاد تین بیٹے ہیں اور چھ بیٹیاں۔ ماشاء اللہ سب باصلاحیت اور تعلیم یافتہ ہیں۔

مولانا ممدوح وعظ وخطابت اور درس وتدریس میں اپنا ایک مقام رکھتے ہیں۔ عربی، اردو، پنجابی، سرائیکی زبانوں پر عبور حاصل ہے۔ پورے پچیس سال حرم شریف میں اردو زبان میں ان کا سلسلۂ درس جاری رہا۔

۲۰۰۰ء میں اس عاجز کو حج بیت اللہ کی سعادت نصیب ہوئی تو انھیں سلام کرنے کا موقع ملا۔ اس وقت باب ام ہانی میں ان کی نشست رہتی تھی۔ دس گیارہ بجے تشریف لے آتے تھے اور نماز عشا کے بعد گھر جاتے تھے۔ ۱۸۔ مارچ کو مجھے فرمایا کہ آج رات کا کھانا تم میرے ساتھ کھاؤ گے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

چناں چہ عشا کی نماز کے بعد بیت اللہ شریف سے نکلے، سات آٹھ آدمیوں کو ویگن میں بٹھایا اور سب کو اپنے دولت کدہ پر لے گئے۔ پرتکلف کھانا کھلایا۔ بات چیت میں کوئی ہچکچاہٹ نہ تھی۔ تقریباً دو گھنٹے ہم وہاں رہے۔ اپنے والد محترم کے مسودات کی زیارت کرائی اور بتایا کہ وہ تحریر وتقریر میں بہت تیز تھے اور لوگوں سے میل جول بھی رکھتے تھے۔

اس سے آٹھ سال بعد میں جون ۲۰۰۸ء میں عمرے کے لیے گیا تو مولانا عبدالوکیل کی خدمت میں حاضر نہ ہوسکا، جس کا مجھے افسوس ہوا۔ لیکن عمرے سے فارغ ہوکر میں کویت گیا تو ۱۰ جولائی کو وہاں کے کراؤن پلازہ میں اہل علم کی ایک مجلس میں حاضری دی۔ اس مجلس میں مولانا عبدالوکیل بھی تشریف لائے تھے۔ اس سے قبل مولانا عارف جاوید محمدی نے ان کو میرے متعلق بتا دیا تھا۔ انھوں نے ملاقات کے لیے فرمایا۔ کراؤن ہال میں ان سے ملاقات ہوئی، لیکن نہایت مختصر۔ ارشاد ہوا کہ رات کو دس بجے آؤ۔ چناں چہ میں اور مولانا عارف جاوید محمدی وقت مقررہ پر وہاں پہنچے اور کافی دیر ان سے سلسلۂ گفتگو جاری رہا۔ ان کے صاحب زادے عزیزی خالد بھی ان کے ساتھ تھے۔

افسوس ہے مولانا ممدوح نے اپنے مفصل حالات سے مجھے آگاہ نہیں فرمایا۔ بس ان علماے کرام کی ایک فہرست دے دی جن سے انھوں نے کچھ سنا یا ان کی مجلس میں شریک ہوئے۔ اور اپنی تصنیف شدہ کتابوں کے نام دے دیے جو پہلے سے مطبوعہ صورت میں ان کے پاس موجود تھے۔ میں ان پر تفصیل سے لکھنا چاہتا تھا، لیکن کہاں سے لکھتا۔ پاکستان اور سعودی عرب میں وہ زندگی کے بہت سے ادوار سے گزرے ہوں گے اور بہت سے موافق اور ناموافق حالات کا سامنا کیا ہوگا۔ لیکن انھوں نے اس سے مطلع نہیں فرمایا، حالاں کہ اسی کا نام حالات، اسی کا نام تذکرہ اور اسی کا نام ترجمہ ہے۔ بہرحال جو کچھ لکھا گیا یہ بھی بہت ہے۔



" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مولانا صلاح الدین حیدر لکھوی

(ولادت ۸ مئی ۱۹۳۹ء)

موجودہ دور کے لکھوی خاندان کے ایک اہم رکن مولانا صلاح الدین لکھوی ہیں، ان کا سلسلہ نسب پانچویں پشت میں حضرت حافظ بارک اللہ سے ملتا ہے اور وہ یہ ہے: صلاح الدین بن حیدر علی بن مولانا محمد حسین بن حافظ محمد بن حافظ بارک اللہ لکھوی۔

مولوی حیدر علی لکھوی، حافظ محمد لکھوی کے پوتے تھے۔ وہ لکھو کے مڈل سکول میں ٹیچر تھے، اس لیے انھیں ماسٹر حیدر علی بھی کہا جاتا تھا۔ ان کی اولادِ نرینہ چار بیٹے تھے، جن کے علی الترتیب نام یہ ہیں: زین العابدین، نور الدین، صلاح الدین اور افتخار الدین۔

زین العابدین کی شادی مولانا معین الدین لکھوی کی ہمشیر سے ہوئی تھی۔ قیام پاکستان کے بعد وہ اپنے خاندان کے ساتھ اوکاڑہ آئے۔ وہ عالم دین اور ہومیوپیتھی معالج تھے۔ آزادی سے کئی سال بعد انھوں نے وفات پائی۔ ان کے بچے اوکاڑہ میں ہیں اور باپ کی طرح خوش اخلاق اور ملنسار ہیں۔

نور الدین بھی قیامِ پاکستان کے بعد سفر آخرت پر روانہ ہوگئے۔ ان کے ایک بیٹے کا نام پروفیسر محمد حسین ہے جنھوں نے ''برصغیر پاک وہند میں لکھوی خاندان کی علمی، دینی اور سیاسی خدمات'' کے موضوع پر پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھا۔ وہ ابوبکر اسلامیہ یونیورسٹی کراچی میں استاذ ہیں اور انھیں پروفیسر ڈاکٹر محمد حسین لکھوی کہا جاتا ہے۔ وہ لاہور آئیں تو مجھے ضرور ملتے ہیں۔

مولوی حیدر علی لکھوی کے تیسرے بیٹے صلاح الدین حیدر ہیں جو تقسیم ملک سے تقریباً آٹھ سال قبل ۸۔ مئی ۱۹۳۹ء کو لکھو کے (ضلع فیروز پور) میں پیدا ہوئے۔ باقاعدہ تعلیم کا آغاز انھوں نے اوکاڑہ کے اسلامیہ ہائی سکول سے کیا۔ ۱۹۵۶ء میں میٹرک کا امتحان پاس کرکے اپنی آبائی درس گاہ جامعہ محمدیہ (اوکاڑہ) میں داخلہ لیا۔ جامعہ محمدیہ میں اس وقت مولانا حافظ عبداللہ بڈھیمالوی، مولانا حبیب الرحمٰن لکھوی، حافظ شفیق الرحمٰن لکھوی اور مولانا عبدالعزیز مسکین خدمت تدریس سرانجام دیتے تھے، صلاح الدین دو سال ان حضرات سے استفادہ کرتے رہے۔

اس کے بعد وہ لاہور آئے اور دارالعلوم تقویۃ الاسلام میں داخل ہوئے۔ یہاں انھوں نے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مولانا حافظ محمد اسحاق حسینوی، حافظ عبدالرشید گوہڑوی اور مولانا عبدالرشید مجاہد آبادی کے حلقہ تلامذہ میں شرکت کی اور ان اساتذۂ گرامی سے کسب فیض کیا۔ یہیں ۱۹۶۱ء میں پنجاب یونیورسٹی سے عربی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۶۳ء میں اسی دارالعلوم کے اساتذہ سے مروّجہ علوم کی تکمیل کی اور سند فراغت لی۔

۱۹۶۴ء میں مدینہ یونیورسٹی کا عزم کیا اور یونیورسٹی کے کلیۃ الشریعہ سے لیسانس (بی اے) کی ڈگری حاصل کی۔ یہاں انھوں نے نصابی اصول فقہ کی تحصیل شیخ محمد الامین شنقیطی سے، فقہ المقارن کی شیخ محسن العباد سے، اصول حدیث کی مولانا عبدالغفار حسن اور شیخ الشیبۃ الحمد سے کی اور ۱۹۶۹ء میں یونیورسٹی کی اعلیٰ سند سے بہرہ مند ہوئے۔

اب اُن کی علمی زندگی کی گاڑی آگے بڑھتی ہے اور وہ تدریس وتصنیف کے میدان میں داخل ہوتے ہیں۔ اس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

۱۹۷۰ء میں انھیں دارالافتاء ریاض کی طرف سے بہ طور مبعوث نائجیریا کے شہر کوارہ اسٹیٹ کے عربک ٹریننگ کالج الورن میں عربی زبان کے مدرس کی حیثیت سے روانہ کیا گیا۔ وہاں دو سال ان کا سلسلہ تدریس جاری رہا۔ ۱۹۷۲ء میں انھوں نے المعہد الازہری میں فقہ اور میراث کے استاذ کی حیثیت سے خدمات سرانجام دیں۔

۱۹۷۷ء میں ان کا تبادلہ ایک اور جگہ ''کانو'' میں ہوگیا۔ وہاں وہ اسلامک لیگل اسٹڈیز میں تفسیر، اصول تفسیر اور میراث کے مضامین پڑھاتے تھے۔ اور عربی اور انگریزی دونوں زبانوں میں لیکچر دیتے تھے۔

۱۹۸۱ء میں انھیں رئیس قسم الشریعہ مقرر کیا گیا۔ اس زمانے میں وہ احوال الاسرہ کا مضمون پڑھاتے رہے۔

۲۰۰۱ء میں انھیں شریعہ اینڈ سول لا (کلیۃ القانون) کا ڈین بنا دیا گیا۔ ۲۰۰۴ء تک وہ اس منصب پر فائز رہے۔ پھر ریٹائر ہوگئے۔

نائجیریا کے شہر کانو میں تدریسی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ انھوں نے کئی سیمیناروں میں مختلف اسلامی موضوعات پر لیکچر دیے۔ ان کے ایک لیکچر کا موضوع تھا: ''تعزیر کے سلسلے میں فقہا کا اختلاف۔'' یہ اس نواح میں بہت اہم موضوع تھا اور فاضل مقرر نے بڑی خوش اسلوبی سے اس کی وضاحت کی۔

انھیں نائجیریا کی متعدد علمی کمیٹیوں کے رکن بنایا گیا۔ مرکز اسلامی الخیری للبانعین (کانو) کا ادارہ اسلامک فاؤنڈیشن آف نائجیریا کے اہتمام میں چلتا تھا، مولانا صلاح الدین حیدر چھ سال اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کے پرنسپل رہے۔

قسم التوعیہ کی طرف سے وہ ہر اتوار کو ریاض الصالحین کا درس دیا کرتے تھے۔ ایک جگہ قرآنِ مجید کے درس کا سلسلہ بھی چلتا تھا۔ وہاں کے متعدد مقامات پر پاکستان، ہندوستان اور بنگلہ دیش کے لوگ سکونت پذیر ہیں۔ ان مقامات کے اجتماعات میں مولانا صلاح الدین اردو زبان میں درس دیتے تھے۔ بعض مقامات پر اردو، عربی اور انگریزی تینوں زبانوں میں درس کا سلسلہ جاری تھا۔ نائیجیریا میں انھوں نے ۳۵ سال تدریسی خدمات سرانجام دیں۔ اب بھی معاملہ باقاعدہ چل رہا ہے۔

نائیجیریا میں انھوں نے تدریس کے دوران تصنیف وتالیف کو بھی مرکز توجہ قرار دیے رکھا اور مندرجہ ذیل کتابیں لکھیں۔

① ..... میراث: یہ کتاب انگریزی زبان میں ہے اور نائیجریا میں چھپی ہے۔

② ..... احوال الشخصیۃ: (فیملی لا) یہ کتاب عربی اور انگریزی دونوں زبانوں میں ہے، لیکن ابھی تک چھپی نہیں۔

③ ..... عدالۃ الاسلام فی جرائم الحدود والقصاص: یہ کتاب عربی میں ہے، لیکن اس کی اشاعت نہیں ہوئی۔

مولانا صلاح الدین حیدر اب جامعہ ابوہریرہ رینالہ خرد میں فریضہ تدریس سرانجام دینے پر مامور ہیں۔

صلاح الدین حیدر کے دو بیٹے ہیں۔ ایک کا نام عامر صلاح ہے۔ انھوں نے نائیجیریا میں میراث کے موضوع پر ایم اے کیا ہے۔

دوسرے بیٹے کا نام توقیر صلاح ہے۔ انھوں نے نائیجیریا میں بی اے پاس کیا ہے۔



" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

حافظ محمد اسماعیل اسد

(ولادت جنوری ۱۹۴۳ء)

حافظ محمد اسماعیل اسد مشرقی پنجاب کے ضلع امرتسر کے ایک گاؤں ویرووال افغاناں میں جنوری ۱۹۴۳ء کو پیدا ہوئے۔ والد کا اسم گرامی حکیم محمد ابراہیم تھا جو عالم دین بھی تھے اور اپنے علاقے کے معروف طبیب بھی.....! تقسیم ملک کے بعد یہ خاندان حافظ آباد آ گیا تھا۔ حافظ آباد کو اس وقت ضلع گوجراں والا کی ایک تحصیل کی حیثیت حاصل تھی۔ اب کئی سال سے اسے ضلع بنا دیا گیا ہے۔

محمد اسماعیل اسد نے حافظ آباد کی مسجد قدس میں قاری سراج الدین سے قرآنِ مجید حفظ کیا اور انہی سے کسی حد تک فن تجوید سیکھا۔ حفظ قرآن کے بعد انھوں نے پہلا مصلّٰی حافظ آباد میں مولانا ابوالحسن محمد یحییٰ کی مسجد میں سنایا۔ یہ ۱۹۵۳ء کی بات ہے۔ اس وقت مولانا محمد یحییٰ اور حافظ محمد اسماعیل کے والد حکیم محمد ابراہیم تحریک تحفظ ختم نبوت کے سلسلے میں ملتان جیل میں قید تھے۔ فن قرأت کی تعلیم کے لیے حافظ محمد اسماعیل اسد نے قاری فتح محمد شکارپوری کی خدمت میں حاضری دی جن کا شمار اس فن کے ماہرین میں ہوتا تھا۔

قرآنِ مجید حفظ کرنے اور قرأت وتجوید کے فن سے آگاہ ہونے کے بعد حافظ اسماعیل اسد نے حافظ آباد کے دارالحدیث محمدیہ میں داخلہ لیا، جس میں اس وقت مولانا فضل الرحمٰن کلیم اور مولانا ابوحامد مشتاق احمد (ڈیرہ غازی خاں) خدمت درس وتدریس انجام دینے پر مامور تھے۔ ۱۹۵۷ء میں انھوں نے درسِ نظامی کا نصاب مکمل کیا۔

بعد ازاں وہ لاہور آئے اور دارالعلوم تقویۃ الاسلام کے اساتذہ کرام کے حضور زانوئے شاگردی تہ کیے۔ اس وقت اس دارالعلوم کی مسانید تدریس پر شیخ الحدیث حضرت حافظ محمد اسحاق حسینوی، مولانا محمد خاں اور حافظ عبدالرشید گوہڑوی متمکن تھے۔ حافظ اسماعیل اسد نے ان سے بعض کتب حدیث کے علاوہ عربی ادبیات اور علم فقہ کی کتابیں پڑھیں۔

لاہور سے وہ گوجراں والا گئے۔ وہاں مولانا محمد چراغ صاحب سے مولوی فاضل کا پرانا سلیبس پڑھا اور مولانا حافظ نذیر احمد سے مسلّم الثبوت تک اصولِ فقہ کی کتابیں پڑھیں۔ حضرت مولانا محمد اسماعیل سلفی سے موطا امام مالک کے مشکل مقامات سمجھنے کی کوشش کی۔ یہیں پنجاب یونیورسٹی میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

فاضل عربی کا امتحان دیا اور بہتر پوزیشن میں کامیاب ہوئے۔

قیامِ گوجراں والا کے زمانے میں انھوں نے مولانا ابوالبرکات احمد سے شرح نخبۃ الفکر اور مقدمہ ابن صلاح وغیرہ کتابیں پڑھیں جو اس وقت جامعہ اسلامیہ کی مسند درس پر فائز تھے۔ کھوکھر کی (گوجراں والا) کے مولانا نذیر احمد صاحب سے بھی حصولِ فیض کیا۔

انہی دنوں گوجراں والا کے مدرسہ نصرت العلوم کے مولانا عبدالقیوم خاں سے منطق کی سلم العلوم اور مدرسہ انوار العلوم کے مولانا عیسیٰ خاں سے فلسفہ کی شمس بازغہ دوسری مرتبہ پڑھیں۔ جب کہ اسی مدرسے میں مولانا قاضی شمس الدین کے دورۂ حدیث میں شرکت کی۔

گوجراں والا سے حافظ محمد اسماعیل اسد نے فیصل آباد گئے۔ وہاں جامعہ سلفیہ میں حضرت حافظ محمد گوندلوی سے صحیح بخاری کا سماع کیا۔ جب کہ دارالقرآن والحدیث کے حضرت مولانا محمد عبداللہ دیروالوی کے حلقہ درس بخاری میں بھی شمولیت کا شرف حاصل ہوا۔ نیز پروفیسر غلام احمد حریری اور بعض دیگر اساتذہ سے تحصیل علم سے مفتخر ہوئے۔ جامعہ سلفیہ میں انھوں نے مولانا شریف اللہ خاں سے اور مولانا محمد عبدہ الفلاح سے سلم العلوم کے بعض حل طلب مقامات کو حیطۂ فہم میں لانے کی سعی فرمائی۔

مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف کے طبیہ کالج میں اور اپنے والد محترم حکیم محمد ابراہیم سے علم طب پڑھا۔ حکیم ابوتراب کے پاکستان یونانی طبیہ کالج ریلوے روڈ لاہور میں حکیم حاذق کا امتحان دیا اور مغربی پاکستان میں پہلی پوزیشن حاصل کی، اور حکومت پاکستان کے قائم کردہ اطباء بورڈ میں انٹرویو دے کر کامیابی حاصل کی اور بہ طور حکیم حاذق ان کی رجسٹریشن ہوئی۔

ان تمام مراحل سے کامیابی کے ساتھ گزرنے کے بعد حافظ صاحب ممدوح خدمت تدریس میں مشغول ہوئے۔ کئی سال حافظ آباد کے دارالحدیث محمدیہ میں پڑھاتے رہے۔ سیالکوٹ اور سرگودھا کی بعض درس گاہوں میں بھی ان کا سلسلہ تدریس جاری رہا۔ دیگر مروّجہ علوم کے علاوہ بلوغ المرام سے لے کر صحیح بخاری تک تمام کتب حدیث متعدد مرتبہ طلبائے علم کو پڑھائیں۔ اس طرح انھیں درس نظامی کے تجربہ کار مدرس کی حیثیت حاصل ہے۔ یہ سطور ۲۷۔ مئی ۲۰۰۸ء کو لکھی جارہی ہیں۔ وہ کم وبیش ۳۸ برس سے شعبہ تدریس سے وابستہ ہیں اور تئیس چوبیس سال سے صحیح بخاری کا درس دے رہے ہیں۔

مولانا سید محمد داؤد غزنوی کے ارشاد پر جامع مسجد رحمانیہ رنچھوڑ لائن (کراچی) میں بہ طور خطیب رہے اور پھر کراچی ہی میں مدرسہ انیس المدارس اور اسلامک لیٹریری ریسرچ اینڈ ایجوکیشنل انسٹی ٹیوٹ میں پڑھاتے رہے۔ نیز مسجد ایک مینار ہاؤسنگ سوسائٹی میں بخاری شریف کا درس دیتے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

رہے۔ اِس زمانے میں علامہ عبدالعزیز میمن رحمہ اللہ اور علامہ سید پیر بدیع الدین شاہ راشدی پیر آف جھنڈا اور مولانا عبدالحنان علوی مجلہ الموقر والے سے خوب ملاقات رہی اور پورے کراچی میں تبلیغی سلسلہ جاری رہا۔

تدریس کے علاوہ حافظ اسماعیل اسد مضمون نگاری سے بھی دلچسپی رکھتے ہیں۔ چناں چہ ان کی بعض تحریری کاوشیں قارئین کے لیے اضافہ معلومات کا باعث بنیں۔ ایک مختصر مگر جامعہ کتاب الکلیۃ الکافیہ فی قرأۃ سورۃ الفاتحہ تحریر کی۔ جو ۱۹۶۷ء میں دیوبندی حضرات کے ایک بڑے عالم دین مولانا محمد علی کاندھلوی کے جواب میں لکھی گئی جسے مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ اور مولانا محمد صدیق مرحوم سرگودھا اور مصنف کتب کثیرہ مولانا حکیم محمد صادق سیالکوٹی رحمہ اللہ نے بہت پسند کیا اور اس پر تبصرے لکھے جو کتاب میں طبع ہوئے۔ یہ کتاب ''سورہ فاتحہ ہی نماز ہے'' کے نام سے آٹھ نو بار طبع ہوچکی ہے۔

حافظ محمد اسماعیل اسد تقریر وخطابت میں بھی اپنا ایک مقام رکھتے ہیں۔ وہ بہت اچھے خطیب اور بہت اچھے مقرر ہیں۔ بہ الفاظ دیگر ان میں بہ یک وقت تین خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ ایک تدریس، دوسری مقالہ نگاری اور تیسری خوبی ہے تقریر وخطابت۔ اور ایک عالم دین کی اصل خوبیاں یہی ہوتی ہیں۔

حافظ محمد اسماعیل اسد کا حلیہ یہ ہے: نکلتا ہوا قد، متناسب جسم۔ نہ فربہ نہ لاغر۔ رنگ گندمی۔ چوڑا چہرہ۔ صحت ماشاء اللہ بہت اچھی۔ ملنسار، خوش کلام۔ شلوار قمیص میں ملبوس۔ سر پر قراقلی ٹوپی۔ کندھوں پر رومال۔

کئی سال سے حافظ صاحب دارالحدیث محمدیہ (حافظ آباد) میں بہ طور صدر المدرسین خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔

دعا ہے اللہ تعالیٰ ان کی عمر دراز فرمائے اور وہ ہمیشہ قرآن وحدیث کی خدمت میں مشغول رہیں۔



" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

حافظ عبدالعزیز علوی

(ولادت ۱۵ فروری ۱۹۴۳ء)

میانہ قد، سرخی مائل رنگ، روشن آنکھیں، کھلی پیشانی، خوش کلام اور خوش کردار، سادہ مگر صاف ستھرا لباس۔ یہ ہیں مولانا حافظ عبدالعزیز علوی۔ ایک نیک نام خاندان کے نیک نام رکن۔ مولانا حافظ احمد اللہ بڈھیمالوی کے صالح فطرت فرزند۔

حافظ عبدالعزیز علوی کے آبا واجداد مشرقی پنجاب کے ضلع فیروز پور کے ایک چھوٹے سے گاؤں بڈھیمال کے رہنے والے تھے۔ شرافت وتدین اور علم وعمل میں بھی ان لوگوں کو خاص شہرت حاصل تھی اور زمین جائداد کی بنا پر بھی یہ لوگ اس نواح میں ممتاز حیثیت کے مالک تھے۔ ❶

حافظ عبدالعزیز علوی اسی گاؤں (بڈھیمال) میں ۱۵۔فروری ۱۹۴۳ء کو پیدا ہوئے۔ والد کا اسم گرامی حافظ احمد اللہ، دادا کا میاں قادر بخش اور پردادا کا نام حاجی علی محمد تھا۔ ابھی ساڑھے چار سال کے بچے تھے کہ ملک تقسیم ہوگیا اور دوسرے لوگوں کی طرح یہ لوگ بھی مشکل مراحل سے گزرتے ہوئے موجودہ ضلع فیصل آباد کی تحصیل جڑاں والا کے ایک گاؤں چک نمبر ۳۶ گ ب پہنچے اور وہاں سکونت پذیر ہوئے۔

عبدالعزیز کے حصولِ علم کا آغاز بہت چھوٹی عمر میں اپنے آبائی گاؤں بڈھیمال ہی میں ہوگیا تھا۔ پھر چک نمبر ۳۶ آئے تو وہاں بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ کچھ عرصہ گزرا تھا کہ ان کے والد حافظ احمد اللہ جھوک دادو کے مدرسہ خادم القرآن والحدیث میں مدرس کی حیثیت سے تشریف لے گئے۔ یہ مدرسہ حضرت حافظ عبدالمنان وزیرآبادی کے شاگرد رشید میاں محمد باقر مرحوم نے جاری کیا تھا۔ عبدالعزیز نے وہاں کے سرکاری سکول میں پانچ جماعتیں پاس کیں۔ حافظ احمد اللہ صاحب اس کے بعد اوکاڑہ چلے گئے تو وہاں عبدالعزیز نے چھٹی جماعت کا امتحان دیا۔ اسی طرح انھوں نے مڈل کا امتحان پاس کرلیا۔ اس کے بعد ۱۹۶۱ء میں پرائیویٹ طور پر فیصل آباد میں میٹرک کا امتحان دیا اور فرسٹ ڈویژن حاصل کی۔ پڑھنے میں تیز بھی تھے اور محنتی بھی تھے۔

---

❶ اس سلسلے کی ضروری تفصیل میں اپنی کتاب ''دبستانِ حدیث'' میں مولانا حافظ احمد اللہ سے متعلق مضمون میں بیان کرچکا ہوں۔ یہ کتاب ۲۰۰۸ء میں مکتبہ قدوسیہ اردو بازار لاہور کی طرف سے شائع ہوئی۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

جب حافظ عبدالعزیز علوی نے میٹرک کا امتحان دیا اس وقت ان کے والد حافظ احمد اللہ فیصل آباد کے مدرسہ دارالقرآن والحدیث میں بہ حیثیت مدرس خدمات انجام دیتے تھے اور یہ بھی وہیں تعلیم حاصل کرتے تھے۔ پانچ سال یہ اس مدرسے میں طلب علم میں مصروف رہے اور دیگر نصابی کتابوں سمیت حدیث کی جامع ترمذی وہیں پڑھی۔ میٹرک کے امتحان کے بعد پروفیسر غلام احمد حریری نے کالج کے اخراجات کی ذمہ داری خود قبول کرتے ہوئے حافظ احمد اللہ سے کہا کہ اس لڑکے کو مزید تعلیم کے لیے اسلامیہ کالج میں داخل کرا دیا جائے۔ لیکن حافظ احمد اللہ نے فرمایا کہ اسے دینی تعلیم ہی دلائی جائے گی۔

۱۹۶۳ء میں حافظ عبدالعزیز علوی نے جامعہ محمدیہ اوکاڑہ میں داخلہ لیا۔ وہاں انھوں نے صحیح مسلم پڑھنا شروع کی تھی کہ ۱۹۶۴ء میں حکومت پاکستان نے بہاول پور میں جامعہ اسلامیہ کے نام سے محدود سے پیمانے پر ایک دینی یونیورسٹی کے قیام کا اعلان کیا۔ اس سے پہلے یہ ریاست بہاول پور کا ایک دینی مدرسہ تھا جس کا نام ریاست کے عباسی خاندان کی نسبت سے جامعہ عباسیہ رکھا گیا تھا۔ ۱۹۶۴ء میں اس میں داخلے کے خواہش مند طلبا کے لیے کسی دینی مدرسے کا فارغ التحصیل ہونا لازمی شرط تھا اور داخلے کے امتحان کا مرحلہ طے کرنا بھی ضروری تھا۔ اس وقت جامعہ محمدیہ کے شیخ الحدیث مولانا محمد عبدہ الفلاح تھے۔ انھوں نے حافظ احمد اللہ سے بات کر کے عبدالعزیز علوی کو بہاول پور کی جامعہ اسلامیہ کے امتحان میں شامل ہونے کا مشورہ دیا۔ یہ کسی مدرسے کے فارغ التحصیل نہیں تھے، لیکن انھوں نے اس شرط پر پورا نہ اترنے کے باوجود امتحان میں بیٹھنے کی تیاری شروع کر دی۔ امتحان میں تین سو سے زیادہ لڑکے شریک تھے، لیکن ان میں سے صرف سترہ لڑکے کامیاب ہوئے، جن میں عبدالعزیز علوی بھی شامل تھے۔

جامعہ اسلامیہ میں داخلے کے لیے درسِ نظامی کی جن کتابوں کا امتحان دینا اور ان میں کامیاب ہونا ضروری تھا، ان میں صحیح بخاری، تفسیر بیضاوی اور حنفی فقہ کی سب سے اہم کتاب ہدایہ بھی شامل تھیں جو عبدالعزیز نے نہیں پڑھی تھیں۔ لیکن اللہ نے انھیں کامیابی عطا فرمائی۔ ان سترہ طلبا میں سے پندرہ طالب علم دیوبندی تھے، جن میں سے دو مفتی محمد حسن مرحوم کے صاحب زادے تھے جو گورنر امیر محمد خاں کی سفارش پر بلا امتحان داخل کیے گئے۔ ایک افغانی طالب علم بریلوی تھا، بڑا ذہین۔ اور تین اہل حدیث تھے۔

جامعہ اسلامیہ بہاول پور میں انھوں نے جن اساتذہ کے سامنے زانوئے شاگردی تہہ کیے، ان میں تین بزرگوں کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

① ..... مولانا شمس الحق افغانی: یہ جامعہ اسلامیہ میں شیخ التفسیر کے منصب پر فائز تھے۔ مشہور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دیوبندی عالم دین تھے جو کسی زمانے میں دارالعلوم دیوبند میں طلبا کو پڑھاتے رہے تھے اور (سابق) ریاست قلات کے وزیر تعلیمات تھے۔ مولانا افغانی کو ان تمام اجلاسوں میں شرکت کا اعزاز حاصل ہے جو قیام پاکستان کے بعد ان کی زندگی میں اسلامی آئین کے نفاذ کے مطالبے کے سلسلے میں منعقد ہوئے۔ ان اکتیس (۳۱) علمائے کرام میں بھی یہ شامل تھے جنھوں نے ملک کے اسلامی آئین سے متعلق بائیس نکات مرتب کیے۔

②.....مولانا عبدالرشید نعمانی: یہ بھی دیوبندی حنفی استاذ تھے، متعدد کتابوں کے مصنف۔ ان کی تصانیف میں ''لغات القرآن'' بھی شامل ہے جو چھ جلدوں پر مشتمل ہے۔

③.....مولانا احمد سعید کاظمی: یہ احناف کے بریلوی مکتب فکر کے عالم تھے۔ مدرسہ انوار العلوم ملتان کے مہتمم اور شیخ الحدیث۔ ضیاء الحق کے زمانے میں ان کی قائم کردہ مجلس شوریٰ کے رکن تھے۔ اب ان کے بیٹے مولانا حامد سعید کاظمی پاکستان کے وزیر مذہبی امور ہیں۔ کسی مردے کے لیے قومی اسمبلی میں دعائے تعزیت کرانے کا ''محکمہ'' بھی انہی کے سپرد ہے۔

جامعہ اسلامیہ میں دورانِ سبق دیوبندی طلبا اپنے دیوبندی اساتذہ سے کسی مسئلے میں سوال کرنے سے گریز کرتے تھے، لیکن مولانا سعید احمد کاظمی چوں کہ بریلوی مکتب فکر سے تعلق رکھتے تھے، لہٰذا انھیں تنگ کرنے کے لیے دیوبندی طلبا ان سے مختلف قسم کے سوال کرنے کے لیے اہل حدیث طلبا کو اکساتے رہتے، چناں چہ اہل حدیث طالب علم مولانا عبدالسلام اور خود حافظ عبدالعزیز علوی ان پر اعتراض کرتے اور سوالات پوچھتے۔ مولانا سعید احمد کاظمی صحیح بخاری پڑھاتے تھے اور اعتراضات وسوالات کی وجہ سے انھیں بہت مطالعہ کرنا پڑھتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ پونے دو سال میں صحیح بخاری کتاب التفسیر تک بھی نہ پڑھ سکے۔ ان سے بحث مباحثے کی بنا پر مولانا عبدالرشید نعمانی طلبا سے کہا کرتے تھے کہ تم اسے فاضل بنا کر چھوڑو گے۔ اس لیے کہ انسان مطالعہ ہی سے فاضل بنتا ہے اور مولانا سعید احمد کاظمی کو مجبوراً مطالعہ کرنا پڑتا تھا۔

اس کے برعکس اگر اہل حدیث طلبا مولانا شمس الحق افغانی سے کوئی سوال کرتے یا کسی مسئلے میں کسی وقت ان سے تھوڑی بہت بحث ہوجاتی تو دیوبندی طلبا ناراضی کا اظہار کرتے اور خفا ہوتے کہ تم استاذ سے الجھتے ہو۔ ایسے مواقع پر وہ اہل حدیث طلبا کی علمیت کو بھی ہدف اعتراض ٹھہراتے۔ اس پر اگر عبدالعزیز علوی، دیوبندی طلبا سے کہتے کہ تمھارے نزدیک حنفی فقہ کی معتبر ترین کتاب ہدایہ ہے، آؤ اس میں ہمارا مقابلہ کرو تو وہ خاموش ہوجاتے۔ مولانا عبدالرشید نعمانی بھی اہل حدیث طلبا کے اس رویے کو پسند نہیں کرتے تھے۔ ان کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ استاذ کی بات پر اعتراض نہ کرو، نہ ان سے سوال کرو۔ لیکن بریلوی استاذ مولانا سعید احمد کاظمی سے سوالات کیے جاتے تو اس پر سب خوش ہوتے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

حافظ عبدالعزیز علوی اساتذہ کا بے حد احترام کرتے تھے، اساتذہ بھی ان پر شفقت فرماتے تھے۔ فارغ اوقات میں وہ عام طور پر مولانا عبدالرشید نعمانی کی رہائش گاہ پر چلے جاتے اور ان کے پاس بیٹھ کر کسی کتاب کا مطالعہ کرتے۔ کبھی کوئی کتاب ان سے مطالعہ کے لیے دارالاقامہ میں بھی لے آتے، جسے دیوبندی طلبا پسند نہیں کرتے تھے اور مولانا نعمانی سے بھی ناراض ہوجاتے تھے کہ وہ ایک اہل حدیث طالب علم سے اتنا تعلق رکھتے ہیں۔ حالاں کہ مسلک حنفیت میں خود مولانا عبدالرشید بڑے متعصب تھے اور خود کو نعمانی کہلاتے تھے، لیکن وہ دارالعلوم دیوبند کے فارغ نہ تھے۔

مولانا عبدالرشید نعمانی نماز کی امامت نہیں کراتے تھے، عام طور سے حافظ عبدالعزیز علوی کو جماعت کرانے کے لیے کہتے۔ ایک دن ان کے حکم کے مطابق انھوں نے عصر کی جماعت کرائی۔ نماز میں ایک نہایت متعصب حنفی نمازی بھی شامل تھے۔ حافظ عبدالعزیز نے رفع یدین کی تو نماز کے بعد اس شخص نے مولانا عبدالرشید نعمانی سے کہا کہ آپ نے ایسے شخص کو آگے کردیا جو نماز میں مکھیاں مارتا رہا۔ اس پر مولانا عبدالرشید نعمانی نے اس شخص سے کہا کہ ہم لوگ رفع یدین کو سنت نہیں قرار دیتے۔ لیکن یہ امام سنت سمجھ کر رفع یدین کرتا ہے۔ تم نے سنت کا مذاق اڑایا ہے، اس لیے اپنے ایمان کی تجدید کرو۔

اس کے بعد وہ یہ احتیاط کرنے لگے تھے کہ جب کوئی نیا آدمی مسجد میں آتا اور نماز میں شامل ہوتا تو اپنے بیٹے عبدالشہید کو امامت کے لیے کہتے۔

وہ ون یونٹ کا زمانہ تھا اور مغربی پاکستان کے گورنر ملک امیر محمد خاں تھے جو جامعہ اسلامیہ کے چانسلر تھے۔ تقسیم اسناد کے موقعے پر وہی آئے تھے اور انھوں نے چانسلر کی حیثیت سے طلبا کو سندیں تقسیم کی تھیں۔ مولانا عبدالرشید نعمانی نے اپنے ہاتھ سے سند لکھ کر حافظ عبدالعزیز علوی کو عنایت کی۔

مولانا سعید احمد کاظمی بھی حافظ عبدالعزیز پر شفقت فرماتے تھے۔ وہ جامعہ کو جاتے ہوئے اپنے اس شاگرد کو دیکھ لیتے تو تانگہ روک کر انھیں ساتھ بٹھاتے۔ انھوں نے خاص طور پر ان کی دعوت کی اور فرمایا کہ کسی وقت ملتان آؤ، میں اپنے مدرسہ انوار العلوم کی سند آپ کو دوں گا، لیکن انھیں افسوس ہے کہ وہاں حاضر نہیں ہوسکے۔ تاہم ان کی شفقت اور محبت سے یہ بہت متاثر ہیں اور انھیں ان کی اس قسم کی سب باتیں یاد ہیں۔

ایک دفعہ مولانا عبدالرشید نعمانی نے حافظ عبدالعزیز علوی سے کہا کہ میں متعدد کتابوں کا مصنف ہوں اور قارئین میں میری کتابوں کی مانگ ہے، لیکن میں کتابوں میں لکھی ہوئی بہت سی باتیں بالکل نہیں سمجھ سکتا۔ یہ باتیں تدریس کی وجہ سے ذہن میں اترتی ہیں اور تدریس ہی سے مطالعہ کا ذوق پیدا ہوتا ہے اور معلومات بڑھتی ہیں۔ انھوں نے نصیحت کے انداز میں ان سے کہا کہ جب

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تک دس پندرہ سال تدریس نہ کرلو اور مطالعہ کی عادت نہ ڈال لو تصنیف کے میدان میں قدم نہ رکھنا۔

جامعہ اسلامیہ بہاول پور سے فراغت کے بعد حافظ عبدالعزیز نے تکمیل تعلیم کے لیے پہلے کی طرح جامعہ محمدیہ اوکاڑہ میں داخلہ لیا۔ وہاں شیخ الحدیث مولانا محمد عبدہ الفلاح مسند درس پر فائز تھے۔ مولانا ممدوح کی شفقت اور حوصلہ افزائی سے حافظ عبدالعزیز علوی کو جامعہ محمدیہ کے طلبا کی کثیر تعداد کو عربی فاضل کی تیاری کرانے کا موقع ملا۔ وہ طلبا کو تفسیر بیضاوی اور عربی ادب کی کتاب العبرات پڑھاتے تھے۔ حالاں کہ یہ دونوں کتابیں خود انھوں نے نہیں پڑھی تھیں۔ دوران درس مشکل مقامات آتے تو مولانا محمد عبدہ سے پوچھ لیتے۔ اس طرح انھیں تدریس کا کچھ تجربہ ہوگیا اور اس کے لیے اپنے آپ کو تیار کرنے کا موقع ملا۔

حافظ عبدالعزیز علوی نے ۱۹۶۶ء میں جامعہ محمدیہ سے سند فراغت حاصل کی اور انھیں ''جامعہ کا بہترین طالب علم'' ہونے کا انعام ملا۔

جامعہ محمدیہ اوکاڑہ سے فراغت کے بعد ۱۹۶۷ء میں عید الاضحیٰ کے بعد انھوں نے دوبارہ صحیح بخاری پڑھنے کے لیے حضرت حافظ محمد گوندلوی کی خدمت میں گوجراں والا جانے کا فیصلہ کیا۔ وہاں جاکر قرآنِ مجید حفظ کرنے کا بھی ارادہ تھا۔ چناں چہ جامعہ اسلامیہ (گوجراں والا) میں حضرت حافظ صاحب سے صحیح بخاری بھی پڑھی، ان سے قرآنِ مجید کے پندرہ سپاروں کا ترجمہ بھی پڑھا اور خود ہی قرآنِ مجید بھی حفظ کرلیا۔

حافظ عبدالعزیز علوی کے مشہور اساتذہ میں مندرجہ ذیل حضرات شامل ہیں۔

① حضرت حافظ محمد گوندلوی، ② مولانا عبداللہ ویروالوی، ③ مولانا محمد عبدہ الفلاح، ④ حافظ احمد اللہ بڈھیمالوی، ⑤ مولانا عبدالغفار حسن، ⑥ پروفیسر غلام احمد حریری، ⑦ مولانا عبدالرشید حنیف جھنگوی، ⑧ مولانا شمس الحق افغانی، ⑨ مولانا معاذ الرحمٰن، ⑩ مولانا ہدایت اللہ ندوی، ⑪ مولانا عبداللہ امجد، ⑫ حافظ بشیر احمد بھوجیانی، ⑬ مولانا سعید احمد کاظمی، ⑭ مولانا فتح اللہ ایرانی، ⑮ مولانا میر زاہد، ⑯ مولانا عبدالرشید نعمانی۔

یہ سولہ اصحابِ علم ہیں جن سے حافظ عبدالعزیز علوی نے مختلف مدارس میں حصولِ فیض کیا۔ ان کے علاوہ بھی بعض استاذ ہوں گے، جن سے زندگی کے بالکل ابتدائی دور میں چھوٹی بڑی کتابیں پڑھیں، نیز جن سے سرکاری سکول میں پہلی جماعت سے دسویں جماعت تک اکتسابِ علم کا موقع ملا۔ ہمارے نزدیک ان اساتذہ کو بہت بڑی اہمیت حاصل ہے جو ابتدائی دور میں بچے کو پڑھاتے اور نہایت توجہ اور محنت سے اسے قلم پکڑنا سکھاتے، اس کے ذہن کو حروف والفاظ سے آشنا کراتے اور اس کی زبان کو قاعدے سیپارے کے حروف ادا کرنے کے طریقے سے آگاہ کرتے ہیں۔ لیکن ہم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ان اوّلیں اساتذہ کو بھول جاتے ہیں جن کی کوشش سے ہم اوّلیں دور کی مشکل تریں منزلوں سے گزرے اور ان اساتذہ کو یاد رکھتے اور ان کا فخر سے ذکر کرتے ہیں، جن کی خدمت میں بہت کچھ پڑھنے کے بعد حاضر ہوتے ہیں۔ حالاں کہ پہلے دور کے اور بعد کے دور کے سب اساتذہ ہمارے لیے قابل فخر ہیں۔

تکمیل تعلیم کے بعد حافظ عبدالعزیز علوی کا کاروانِ حیات نئے سفر کا آغاز کرتا ہے اور وہ طلب علمی کی منزل سے نکل کر معلّمی کے دور میں داخل ہوتے ہیں۔ اس اعتبار سے وہ خوش قسمت ہیں کہ اِدھر انھوں نے سند فراغ لی اور اُدھر مسند درس پر متمکن ہوگئے۔ لیکن اس سے پہلے یہ بتانا ضروری ہے کہ فراغت کے بعد انھوں نے آرمی کور ایجوکیشن میں تدریس کے لیے درخواست دی۔ انٹرویو کے لیے گئے تو انھوں نے کپڑے اتارنے اور بے لباس ہو کر ٹیسٹ دینے کو کہا۔ انھوں نے اس سے انکار کر دیا اور واپس آ گئے۔

حافظ صاحب نے تدریس کا آغاز مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف کی پیش کش کے مطابق ان کی قائم کردہ جامعہ تعلیمات (فیصل آباد) سے کیا۔ یہ ۱۹۶۷ء کی بات ہے۔ ۱۹۷۲ء تک مسلسل پانچ سال اس ادارے میں خدمت سرانجام دی۔

اس کے بعد کچھ عرصہ ۱۹۷۳ء میں جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن میں پڑھایا۔ ۱۹۷۴ء میں ایک سال دارالقرآن فیصل آباد میں اس خدمت پر مامور رہے۔ ۱۹۷۵ء اور ۱۹۷۶ء میں دو سال مولانا محمد حسین شیخوپوری کی جامعہ محمدیہ (شیخوپورہ) میں پڑھایا۔

۱۹۷۷ء میں پھر جامعہ تعلیم الاسلام (ماموں کانجن) میں فریضہ تدریس انجام دیا۔

۱۹۷۷ء ہی میں انھیں سید حبیب الرحمٰن شاہ مرحوم، راولپنڈی کے مدرسے میں لے گئے، وہاں ۱۹۸۶ء تک نو سال پڑھاتے رہے۔ بعد ازاں اس مدرسے کو چھوڑ کر گھر آ گئے۔

۸۸-۱۹۸۷ء میں پھر ماموں کانجن کی جامعہ تعلیم الاسلام میں رہے۔ ۱۹۸۹ء میں جامعہ سلفیہ (فیصل آباد) میں پڑھانا شروع کیا۔ اب تک وہیں ہیں یعنی تقریباً بیس سال سے جامعہ سلفیہ میں شیخ الحدیث کی حیثیت سے خدمت سرانجام دے رہے ہیں۔

یہ عجیب بات ہے کہ ۱۹۶۷ء میں انھوں نے تدریس کا آغاز کیا لیکن ۱۹۸۹ء تک کہیں جم کر نہیں بیٹھے۔ صرف ابتدا میں پانچ سال جامعہ تعلیمات اسلامیہ (فیصل آباد) میں گزارے اور نو سال راولپنڈی میں بسر ہوئے۔ باقی چھ مہینے کہیں، ایک سال کہیں اور دو سال کہیں۔ اس بھاگ دوڑ اور عدم اطمینان کی معلوم نہیں کیا وجہ تھی۔

ہمارے ہاں شیخ الحدیث کا اطلاق اس مدرس پر ہوتا ہے جو صحیح بخاری پڑھائے۔ حافظ عبدالعزیز

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

علوی راولپنڈی کے مدرسے سے لے کر اب تک ہر سال صحیح بخاری پڑھا رہے ہیں۔ راولپنڈی وہ ۱۹۷۷ء سے ۱۹۸۶ء تک نو دس سال رہے۔ پتا نہیں اس اثنا میں انھوں نے کس سال صحیح بخاری پڑھانا شروع کی تھی۔ اب تک پڑھا رہے ہیں۔ یعنی تیس اکتیس مرتبہ پڑھا چکے ہیں۔

حافظ صاحب ممدوح بیالیس سال سے شعبۂ تدریس سے وابستہ ہیں۔ اس طویل مدت میں ان سے بے شمار علماء وطلبا نے کسب فیض کیا ہوگا۔ یقیناً ان کی صحیح تعداد کا خود انھیں بھی علم نہیں ہوگا اور بہت سوں کے انھیں نام بھی یاد نہیں ہوں گے۔ جن کے ناموں کا مجھے کسی طرح پتا چل سکا ہے، ان میں سے چند نام یہ ہیں: ڈاکٹر زاہد اشرف، ڈاکٹر عتیق الرحمٰن، ڈاکٹر حافظ محمد نعیم، ڈاکٹر عبدالجبار، ڈاکٹر افتخار احمد ازہری، ڈاکٹر زاہد قمر ہاشمی، قاری عبدالرزاق، قاری محمد شعیب، حافظ محمد فرحان، قاری ہدایت اللہ، شیخ عدیل الرحمٰن، حافظ حفیظ الرحمٰن، حافظ مقصود احمد، حافظ عبدالعظیم اسد، حافظ عبدالرزاق ساجد، حافظ ثناء اللہ زاہدی، قاری خالد اکرم، شیخ محمد یوسف، حافظ محمد اسلم، مولانا حبیب الرحمٰن، مولانا منیر احمد۔

ان میں سے بعض حضرات جامعہ سلفیہ (فیصل آباد) میں مدرس ہیں، بعض جامعہ سلفیہ (اسلام آباد) میں، بعض صوبہ سندھ کے بعض مدارس میں، بعض خان پور (ضلع رحیم یار خاں) میں اور بعض کسی اور مقام میں۔ یہ سب حضرات حافظ صاحب کے لیے صدقۂ جاریہ ہیں۔

حافظ عبدالعزیز علوی نے ۱۹۶۷ء میں تدریس کا آغاز کیا۔ اب تک درسِ نظامی کی پہلی جماعت سے لے کر آخری جماعت تک ہر موضوع کی تمام کتابیں کئی کئی مرتبہ پڑھا چکے ہیں۔ تفسیر، حدیث، فقہ، اصولِ تفسیر، اصولِ حدیث، اصولِ فقہ، صرف، نحو، منطق، فلسفہ، عربی ادب، بلاغت، معانی وغیرہ کی جو کتابیں دینیات کے نصاب میں داخل ہیں، مختلف مدارس میں وہ ان سب کی تدریس کر چکے ہیں اور یہ کتابیں اب تقریباً ان کے ذہن میں محفوظ ہوگئی ہیں۔ اس وقت جامعہ سلفیہ میں صحیح بخاری، شرح العقیدۃ الطحاویہ یا بدایۃ المجتہد اور الوجیز فی اصول الفقہ پڑھاتے ہیں۔ علم منطق کے بعض رسائل بھی طلبا کو پڑھاتے ہیں۔

اب آئندہ سطور میں حافظ صاحب ممدوح کی قلمی مساعی کا تذکرہ کیا جاتا ہے، جس میں ان کے مقالات اور عربی سے اردو ترجمے کا کام بھی شامل ہے۔ تصنیف وتحریر کا آغاز انھوں نے ۱۹۶۵ء میں جامعہ اسلامیہ بہاول پور میں کیا جو اللہ کی مہربانی سے اب تک چل رہا ہے۔ تحریری کام تدریس سے بالکل الگ نوعیت کا ہوتا ہے۔ دونوں کام محنت طلب اور وسیع مطالعہ کے متقاضی ہیں۔ مدرس کے لیے تصنیف وتالیف کی طرف توجہ دینا بہت مشکل ہوتا ہے، جو مدرس کسی نہ کسی انداز سے تصنیفی کام کرتے ہیں، ان کی ہمت کی داد دینی چاہیے۔ بہرحال حافظ عبدالعزیز علوی کی اب تک کی تصنیفی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اور تحریری مساعی حسب ذیل ہیں۔

①..... ''الناسخ والمنسوخ'' یہ ایک مقالہ ہے، جس کا تعلق علوم قرآنِ مجید سے ہے۔ یہ مقالہ انھوں نے ۱۹۶۵ء میں جامعہ اسلامیہ بہاول پور کی طالب علمی کے زمانے میں لکھا۔

②..... ''الجرح والتعدیل'': اس مقالے کا تعلق علوم حدیث سے ہے۔ یہ بھی ۱۹۶۵ء میں جامعہ اسلامیہ بہاول پور کے طالب علمی کے دور میں تحریر کیا۔

③..... جامعہ اسلامیہ بہاول پور سے فراغت کے بعد ۱۹۶۶ء میں جامعہ محمدیہ (اوکاڑہ) میں داخلہ لیا تو مولانا محمد عبدہ الفلاح نے اردو ترجمے کے لیے عربی کی ایک کتاب دی، جس کا ترجمہ کرکے لائق شاگرد نے استاذ محترم کی خدمت میں پیش کیا اور انھوں نے پسند فرمایا۔ یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ حافظ صاحب موصوف نے کس عربی کتاب کا ترجمہ کیا اور اس کی کیا ضخامت تھی۔ نیز وہ کتاب چھپی یا نہیں چھپی۔

④..... ۱۹۶۷ء میں جامعہ اسلامیہ (گوجراں والا) میں داخل ہوئے تو وہاں حضرت حافظ محمد گوندلوی کے حکم سے ان کی عربی کتاب ''زبدۃ الایمان'' کی تبییض کرکے ان کی خدمت میں پیش کی۔

⑤..... وہیں حضرت حافظ صاحب رحمہ اللہ کے فرمان کے مطابق ان کے دو رسالوں ''اثبات التوحید'' اور ''ابطال التثلیث'' کی تسہیل کی اور ان کے ذیلی عنوان قائم کیے۔

⑥..... جامعہ تعلیمات اسلامیہ (فیصل آباد) میں تدریس کا آغاز کیا تو ۱۹۶۸ء میں اپنی ذاتی ضرورت کے تحت مختلف کتابوں کے نوٹس تیار کیے۔

⑦..... ۱۹۷۷ء میں راولپنڈی کے زمانۂ تدریس میں صحیح بخاری کے تراجم ابواب کی تشریح وتوضیح کا کام شروع کیا جو بارہ پاروں تک پہنچا۔

⑧..... اسی زمانے میں علم نحو کی کتاب الفیہ ابن مالک کی تفصیلی شرح لکھی جو مسودے کی صورت میں ان کے پاس موجود ہے۔ یہ بہت مشکل اور خالص فنی کام ہے جو انھوں نے کیا۔

⑨..... وہیں شرح شذوذ الذہب کی تلخیص کرکے طلبا کو دی۔

⑩..... ''طلاقِ ثلاثہ'' کے عنوان سے ایک مبسوط مقالہ وہاں سپردِ قلم کیا۔

⑪..... ۱۹۸۸ء میں جامعہ تعلیم الاسلام (ماموں کانجن) بہ طور مدرس گئے تو وہاں کے ماہانہ رسالے ''تعلیم الاسلام'' کے لیے امام بخاری اور ان کی تصنیف صحیح بخاری کے موضوع پر دو قسطوں میں مقالہ لکھا۔ اس طویل مقالے کا غیر مطبوعہ حصہ ان کے پاس موجود ہے۔

⑫..... جامعہ سلفیہ آنے کے بعد ''مطالعہ قرآن'' کے عنوان سے لکھنا شروع کیا، جس کی چھ یا سات قسطیں جامعہ کے ماہنامہ ''ترجمان الحدیث'' میں چھپیں۔ باقی مسودہ ان کے پاس موجود ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

⑬..... حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیاست کے بارے میں تفصیلی مقالہ لکھا جو ''ترجمان الحدیث'' (فیصل آباد) میں شائع ہوا۔

⑭..... ولایت نکاح کی شرعی حیثیت کے عنوان سے مقالہ لکھا۔

⑮..... مفقود الخبر کی بیوی کے لیے نکاح کی اجازت کے موضوع پر مقالہ تحریر کیا۔

⑯..... ایک مقالہ اسلامی نظام حکومت کے متعلق لکھا۔

⑰..... فرض نمازوں کے بعد اجتماعی دعا کے موضوع پر مقالہ لکھا۔

⑱..... عاشورہ کے روزے کے سلسلے میں ترجمان الحدیث میں ان کے مقالے چھپے۔

⑲..... قرآن کے نظم وترتیب کے عنوان سے طویل مقالہ لکھا جو ہفت روزہ ''تنظیم اہل حدیث'' (لاہور) کی سات قسطوں میں چھپا۔ اس مقالے میں مولانا امین احسن اصلاحی کے بعض دعاوی پر تنقید کی گئی ہے۔

⑳..... جامعہ سلفیہ کی تدریس کے دوران میں صحیح مسلم کا ترجمہ کیا اور اس کی تشریح کی۔

㉑..... جامع ترمذی کا ترجمہ اور تشریح عربی متن کے بغیر یہ مسودہ فل سکیپ کے ڈھائی ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔ جامع ترمذی کے ساتھ علل ترمذی کا ترجمہ اور تشریح بھی ہے۔ مقدمہ کتاب میں امام ترمذی کے حکم تصحیح وتحسین پر وارد کردہ اعتراضات کا جائزہ بھی لیا گیا ہے۔

㉒..... امام ابن قیم کی کتاب ''الوابل الطیب'' کا ترجمہ

㉓..... قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری کی کتاب ''شرح اسماء اللہ الحسنیٰ'' کی نظر ثانی اور اس پر تفصیلی مقدمہ

㉔..... امام ابن شہاب زہری کے عربی میں مرقوم حالات کا اردو ترجمہ

㉕..... امام مسلم بن الحجاج کے جو کوائفِ حیات عربی میں لکھے گئے ہیں، ان کا ترجمہ بہ زبان اردو

㉖..... مولانا محمد خالد سیف کے تفسیر ابن کثیر کے اردو ترجمے پر مقدمہ

㉗..... تصویر کی شرعی حیثیت کے عنوان سے مقالہ لکھا جو ماہنامہ ''محدث'' (لاہور) کے تصویر نمبر میں چھپا۔

㉘..... امام ابن قیم کی کتاب ''اغاثۃ اللہفان'' کی پہلی جلد کا اردو ترجمہ مکمل ہوگیا۔ دوسری جلد کے ترجمے کا ارادہ ہے۔

㉙..... فتویٰ نویسی کا سلسلہ حافظ صاحب نے راولپنڈی میں شروع کیا تھا، لیکن ان فتوؤں کی نقل نہیں رکھی گئی۔ اب جامعہ سلفیہ میں ہر فتوے کی نقل محفوظ کی جاتی ہے۔ کسی مسئلے کے متعلق فتوے دینے کے لیے ایک کمیٹی بنائی گئی ہے، جس کے سربراہ حافظ صاحب کو مقرر کیا گیا ہے۔ مولانا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

عبدالحنان فتویٰ لکھتے ہیں۔

⑳.....بعض جماعتوں کا سلسلۂ قضا حافظ صاحب ممدوح کے سپرد ہے۔ ان کے فیصلے وہ مولانا حافظ مسعود عالم کی معاونت سے کرتے ہیں۔

تصنیف وترجمہ اور درس وتدریس کی جو تفصیل گزشتہ صفحات میں دی گئی ہے، اس کے علاوہ بھی شاید حافظ صاحب نے علمی خدمات سرانجام دی ہوں گی۔ وہ اچھے خطیب اور واعظ بھی ہیں۔ عادات کے اعتبار سے ملنسار اور اخلاقِ حسنہ کے مالک۔ منکسر اور متواضع۔ سب کے بہی خواہ اور ہم درد۔ تہجد گزار اور بندۂ عابد۔ ان کے دادھیال بھی علم وعبادت سے تعلق رکھنے والے ہیں اور ننھیال بھی۔ اس اعتبار سے یہ ''نجیب الطرفین'' ہیں۔

حافظ عبدالعزیز علوی طلبا کے سیاست میں حصہ لینے کے شدید مخالف ہیں۔ ان کا نقطہ نظر یہ ہے کہ طلبا کا کام صرف تعلیم حاصل کرنا ہے۔ سیاست میں حصہ لینے سے ذہنی انتشار پیدا ہوتا ہے۔ ہر وقت یہی خیال رہتا ہے کہ کون سی سیاسی جماعت کس انداز میں کام کرتی ہے اور کسی سیاسی مسئلے میں کس کا موقف صحیح اور کس کا غلط ہے۔ پھر جس جماعت کو وہ صحیح سمجھتے ہیں، اس کی مدد میں مصروف ہوجاتے ہیں۔ اس طرح حصولِ علم میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے اور ذہن سیاسیات میں الجھا رہتا ہے۔ طلبا کو طالب علمی کے زمانے میں سیاست سے ہرگز دلچسپی نہیں لینی چاہیے۔

حافظ عبدالعزیز علوی کی ۱۹۷۰ء میں شادی ہوئی۔ اولاد چھ بیٹیاں ہیں اور دو بیٹے۔ بڑا محمد عمر حافظ قرآن اور شادی شدہ ہے۔ چھوٹے بیٹے کا نام عثمان ہے جو ان سطور کی تحریر تک میٹرک پاس کرچکا ہے۔

حافظ عبدالعزیز علوی کے بھائی بھی درس وتدریس کے شعبے سے منسلک ہیں اور مختلف مقامات میں خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ان کے ضروری کوائف میں اپنی ایک کتاب ''دبستانِ حدیث'' کے اس مضمون میں بیان کرچکا ہوں جو ان کے والد مکرم مولانا حافظ احمد اللہ بڈھیمالوی کے بارے میں لکھا گیا ہے۔

تدریس وتصنیف کو صدقۂ جاریہ کی حیثیت حاصل ہے۔ اگر یہ خدمت صدق دل سے کی جائے اور لوگوں کی اصلاح کا جذبہ ذہن میں موجزن ہو تو بارگاہِ الٰہی میں یقیناً اسے شرفِ قبول سے نوازا جائے گا۔

دعا ہے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اعلیٰ واقدس میں حافظ عبدالعزیز علوی اور ہم سب کو کتاب وسنت کے مخلص تریں پیروکاروں میں شمار کیا جائے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

محترمہ غزالہ حامد

(ولادت ۲۳۔ اکتوبر ۱۹۴۳ء)

لاہور کی کشمیری برادری کے ایک علمی خاندان کے مشہور بزرگ پروفیسر عبدالقیوم تھے جو ۱۵۔ جنوری ۱۹۰۹ء کو لاہور میں پیدا ہوئے۔ ان کے گھر میں علم وعمل کا حسین امتزاج پایا جاتا تھا، جس کے آثار اب بھی موجود ہیں۔ انھوں نے تحصیل علم کی مختلف منزلیں طے کرتے ہوئے، ایم اے عربی میں اوّل پوزیشن حاصل کی اور ۱۹۳۵ء میں پنجاب یونیورسٹی کی طرف سے میکلوڈ ایوارڈ کے مستحق قرار پائے، جو اس وقت کے انگریز گورنر پنجاب میکلوڈ کے نام سے جاری کیا گیا تھا۔

پروفیسر عبدالقیوم پنجاب کے مختلف کالجوں میں پڑھاتے رہے لیکن ان کی تدریس کا زیادہ تر عرصہ جو ۱۹۴۷ء سے ۱۹۶۸ء تک اکیس سال پر محیط ہے، گورنمنٹ کالج لاہور میں گزرا۔ مجموعی طور پر ان کا زمانۂ تدریس تیس برس کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ ۱۹۶۸ء میں فریضہ تدریس کی انجام دہی سے فارغ ہوئے تو سینئر ایڈیٹر کے طور پر ان کی خدمات پنجاب یونیورسٹی کے اردو دائرۂ معارفِ اسلامیہ نے حاصل کرلیں۔

۲۴۔ جولائی ۱۹۴۸ء کو لاہور میں مولانا سید محمد داؤد غزنوی، مولانا محمد اسماعیل سلفی اور دیگر اکابر جماعت کی کوشش سے مغربی پاکستان کی جماعت اہل حدیث کے علماء وزعماء کا اجتماع ہوا۔ اس اجتماع میں مرکزی جمعیت اہل حدیث مغربی پاکستان کا قیام عمل میں آیا، جس کے صدر مولانا داؤد غزنوی کو اور ناظم اعلیٰ پروفیسر عبدالقیوم کو منتخب کی گیا اور ناظم مالیات میاں عبدالمجید بنائے گئے۔ پروفیسر صاحب دس مہینے اس منصب پر فائز رہے۔ یہ بہت بڑا اعزاز تھا جو پروفیسر عبدالقیوم کو حاصل ہوا۔

ان کے بعد ۳۰۔ مئی ۱۹۴۹ء کو مولانا محمد اسماعیل سلفی کو ناظم اعلیٰ منتخب کیا گیا۔ لیکن حکومت پنجاب نے انھیں گوجراں والا کی میونسپل حدود سے باہر نکلنے سے روک دیا تھا، اس لیے ان کی بجائے عارضی طور پر یہ منصب مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی کے سپرد ہوا۔ پروفیسر عبدالقیوم نے ۸۔ ستمبر ۱۹۸۹ء کو وفات پائی۔ ❶

---

❶ پروفیسر عبدالقیوم کے حالات کے لیے ملاحظہ ہو راقم کی کتاب قافلہ حدیث اور برصغیر کے اہل حدیث خدام قرآن۔ نیز دیکھیے اورینٹل کالج میگزین کے پروفیسر عبدالقیوم نمبر میں راقم کا مضمون اور ان کے بارے میں متعدد دیگر حضرات کے مضامین۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

محترمہ غزالہ انہی پروفیسر عبدالقیوم کی صاحب زادی ہیں جو ۱۳۔ اکتوبر ۱۹۴۳ء کو پیدا ہوئیں۔ ۱۹۶۰ء میں انھوں نے میٹرک پاس کیا۔ ۱۹۶۲ء میں ایف اے کیا۔ ۱۹۶۴ء میں بی اے اور ۱۹۶۶ء میں پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے عربی کی سند لی اور ''شروح صحیح بخاری'' کے موضوع پر ایم اے کا مقالہ لکھا۔ اس طرح انھوں نے علم وتحقیق کی فضا میں نشوونما پائی۔ ۱۹۶۷ء میں ان کی شادی کرنل حامد بٹ سے ہوئی اور پھر انھیں غزالہ حامد بٹ کہا جانے لگا۔

غزالہ حامد بٹ کے ایک بھائی میجر زبیر قیوم ہیں جو اگرچہ کاروباری شخصیت ہیں، لیکن ان میں خدمت دین کا وہ جذبہ اپنی پوری توانائی کے ساتھ موجود ہے جو اپنے آبا واجداد سے انھیں ورثے میں ملا ہے۔ چناں چہ انھوں نے ''دارالمعارف'' کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا ہے جس میں متعدد اہل علم تحقیقی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ اس ادارے کی ایک بہت اچھی لائبریری ہے۔ اس کام کا آغاز فی الحال مسجد مبارک اہل حدیث کی اوپر کی منزل میں کیا گیا ہے لیکن مسجد کے قریب الگ جگہ بھی خریدی گئی ہے۔ اس کی تعمیر کے بعد ''دارالمعارف'' کی تصنیف وتالیف اور ترجمہ وتحقیق کا تمام سلسلہ وہاں منتقل کردیا جائے گا۔

صحیح بخاری حدیث کی وہ عظیم الشان کتاب ہے جس سے محدثین نے بے حد اعتنا کیا اور اس کی بہت سی شرحیں لکھی گئیں، لیکن ان شرحوں کی تفصیل کسی نے قلم بند نہیں کی۔ یہ خدمت پروفیسر عبدالقیوم کی دختر نیک اختر غزالہ حامد نے سرانجام دی۔

یہ کتاب چار ابواب پر مشتمل ہے۔

پہلا باب تین حصوں میں منقسم ہے۔ حصہ اوّل میں تعارف حدیث، حدیث کی شرعی اہمیت اور جمع وتدوین حدیث وغیرہ امور پر بحث کی گئی ہے۔

حصہ دوم میں عہد نبوت کے ان صحیفوں کی تفصیل بیان کی گئی ہے جو مختلف صحابہ کرام کی جمع کردہ حدیثوں پر محیط ہیں، مثلاً صحیفہ سعد بن عبادہ، صحیفہ سمرہ بن جندب، صحیفہ جابر بن عبداللہ وغیرہ رضی اللہ عنہم۔

حصہ سوم میں ان مساعی کا تذکرہ کیا گیا ہے جو حدیث کی جمع وتدوین کے بارے میں تابعین وتبع تابعین کے عہد مبارک میں سرانجام دی گئیں۔

دوسرا باب حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کے حالاتِ زندگی اور کوائف حیات کو اپنے دامن صفحات میں سمیٹے ہوئے ہے۔ یہ سلسلہ امام بخاری کے نام ونسب اور خاندان سے لے کر ان کی وفات تک چلتا ہے۔ حضرت امام کی تصانیف کا تذکرہ بھی اس باب میں کیا گیا ہے۔

تیسرے باب میں ''الجامع الصحیح'' یعنی صحیح بخاری کی وجہ تالیف، اس کی ترتیب، شروط

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

صحت، صحیح بخاری کی صحیح مسلم پر ترجیح وفضیلت، تراجم ابواب اور صحیح بخاری کی مقبولیت واہمیت وغیرہ امور کی وضاحت کی گئی ہے۔

چوتھا باب شروح صحیح بخاری کی تفصیل پر محیط ہے۔ اس باب میں ان دوسو چھ کتابوں کا تذکرہ کیا گیا ہے جو کسی نہ کسی انداز میں صحیح بخاری کی شرح کرتی ہیں۔ ان میں مفصل شروح بھی ہیں جو کئی کئی ضخیم جلدوں پر محیط ہیں اور مختصر بھی ہیں۔

صحیح بخاری کی سب سے پہلی شرح ایک محدث امام ابوسلیمان حمد بن محمد اَلْبُسْتِیْ معروف بہ خطابی نے اِعْلَامُ السُّنَنْ کے نام سے لکھی جو ۳۱۹ھ کو پیدا اوار ۱۶۔ ربیع الاوّل ۳۸۶ھ کو فوت ہوئے۔ ان کا اصل نام حمد تھا، لیکن لوگ انھیں احمد کہنے لگے اور پھر وہ اسی نام (احمد) سے مشہور ہوگئے۔ یہ اپنے عہد کے معروف شاعر بھی تھے۔ اس کے بعد صحیح بخاری کی شروح کا طویل سلسلہ چلا جو اب تک جاری ہے۔ ترتیب کے اعتبار سے فتح الباری بتیسویں شرح ہے جو حافظ ابن حجر (متوفی ۸۵۲ھ) نے لکھی۔ اس کا آغاز حافظ ابن حجر نے ۸۱۷ھ میں کیا تھا۔ ۸۴۲ھ میں یہ شرح مکمل ہوئی۔ یعنی پچیس سال میں یہ شرح تکمیل کی منزل کو پہنچی جو نہایت مفصل اور مکمل شرح ہے۔

لائق مصنفہ غزالہ حامد نے اس کتاب میں صحیح بخاری کی چھوٹی بڑی ۲۰۶ شرحوں کا ذکر کیا ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ شرحیں اس سے زیادہ ہیں۔ اس کتاب کا مسودہ ۱۰۔ ستمبر ۱۹۸۹ء کو مصنفہ محترمہ نے مجھے دیا تھا۔ میں اس وقت ادارہ ثقافت اسلامیہ سے منسلک تھا۔ میں نے اس پر مقدمہ لکھا اور جن شروح کا تذکرہ مصنفہ نے نہیں کیا تھا، میں نے ان کی نشان دہی کی۔ وہ تعداد میں چھ شرحیں ہیں۔ عین ممکن ہے، بعض شروح میرے علم میں بھی نہ آئی ہوں۔ بہرحال آج سے تقریباً اکیس سال قبل یہ کتاب پہلی مرتبہ ادارہ ثقافت اسلامیہ کی طرف سے شائع ہوئی۔ اپنی نوعیت اور موضوع کی یہ اوّلیں کتاب ہے۔ ہمارے ملک کے مشہور عالم دین اور معروف مصنف ومحقق حضرت مفتی حافظ ثناء اللہ مدنی بھی عربی میں صحیح بخاری کی شرح لکھ رہے ہیں۔

انگریزی زبان میں بھی صحیح بخاری کی شرح لکھی گئی۔ ممکن ہے اور زبانوں میں بھی اہل تحقیق نے اس پر کام کیا ہو۔ برصغیر کے پچاس سے زیادہ اہل علم نے صحیح بخاری پر عربی یا اردو میں کام کیا۔ کسی نے حواشی لکھے، کسی نے اردو ترجمہ کیا، کسی نے اس کے متعلق کوئی اور خدمت انجام دی۔

اس اصح الکتب بعد کتاب اللہ کے مختلف پہلوؤں پر اصحابِ تحقیق نے اپنے اپنے انداز میں اب تک بہت کچھ لکھا اور لکھا جارہا ہے۔ لیکن محترمہ غزالہ حامد کا کام اپنے اندر خاص اہمیت وانفرادیت رکھتا ہے، اور یہ حدیث کی بہت بڑی خدمت ہے جو انھوں نے سرانجام دی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مولانا ارشاد الحق اثری

(ولادت ۱۹۴۸ء)

۱۹۶۸ء میں مولانا عبداللہ لائل پوری (جھال خانو والے) اور مولانا محمد اسحاق چیمہ نے چند اہل قلم کی ایک میٹنگ بلائی، جس میں مولانا محمد حنیف ندوی اور مجھے بھی دعوت دی گئی تھی۔ اس میٹنگ میں صرف چھ افراد شامل تھے: خود مولانا عبداللہ لائل پوری، مولانا محمد اسحاق چیمہ، مولانا محمد عبدہٗ الفلاح، مولانا حافظ احمد اللہ بڈھیمالوی، مولانا محمد حنیف ندوی اور ان سطور کا راقم۔

چیمہ صاحب نے اس میٹنگ کی وجہ یہ بیان کی کہ ایسا ادارہ قائم کیا جائے جس میں چند محنتی طلبا کو بعض خاص مضامین کے متعلق تدریسی اور تحریری خدمت سرانجام دینے کی تربیت دی جائے۔ اس سلسلے میں کچھ تجاویز پیش کی گئیں اور سب شرکائے اجلاس نے اس میں دلچسپی کا اظہار کیا۔ مولانا محمد حنیف ندوی نے اس کا نام ''ادارہ علوم اثریہ'' تجویز کیا تاکہ اس سے فارغ ہونے والے حضرات اس کی طرف اپنی نسبت کر کے ''اثری'' کہلائیں۔ یہ نام اور نسبت ہمارے مسلک کا صحیح ترین ترجمان ہے۔ اس ادارے کے اغراض ومقاصد لکھنے کا اس فقیر کو حکم دیا گیا۔ جو کچھ میں نے لکھا، وہ متفقہ طور پر منظور کیا گیا۔ ایک لفظ کی بھی کمی بیشی نہیں کی گئی۔

ادارہ علومِ اثریہ کے قیام کے بعد جو طلبائے علم اس میں داخل ہوئے ان میں ایک طالب علم ارشاد الحق تھے۔ صاف گندمی رنگ، گول چہرہ، موٹی آنکھیں، مناسب نقش ونگار، چھوٹی داڑھی ..... یہ آج سے کم وبیش چالیس برس قبل کی بات ہے۔ اب وہ چھوٹی داڑھی بڑھ کر ان کے چہرے کے پورے علاقے پر قابض ہوگئی ہے اور اس کے چند بال ہوں گے، جن کا ابھی سفیدی کی طرف دھیان نہیں گیا، ورنہ سب نے متحد ہو کر اپنے اوپر سفید چادر اوڑھ لی ہے۔ اب ان کے علم کا دائرہ بھی ماشاء اللہ وسیع ہو کر کہیں سے کہیں پہنچ گیا۔ ان کا قلم جو اس وقت کہیں نظر نہیں آتا تھا ایسا عالم وجود میں آیا کہ اللہ کے فضل سے تیزی کے ساتھ تحریر کا سفر طے کرنے لگا۔ کبھی وہ قلم اردو پڑھنے والے علاقوں میں پہنچ جاتا ہے اور کبھی فٹافٹ عربی بولنا شروع کر دیتا ہے، جب کہ ہم دیہاتی لوگوں کا سست رفتار قلم ابھی تک اچھی طرح پنجابی بھی نہیں سیکھ سکا۔ اسے کہتے ہیں اللہ کی دین، جسے پروردگار دے۔

لیکن یہ ارشاد الحق اثری ہیں کون جو دیکھتے ہی دیکھتے ارتقا کی اتنی منزلیں طے کر گئے؟ سنیے!

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ان کے والد کا نام غلام رسول تھا جو چک نمبر ۷۲۔۷ آر تحصیل فقیر والی (ضلع بہاول نگر) کے رہنے والے تھے۔ وہیں ۱۹۴۸ء میں ارشاد الحق پیدا ہوئے۔ اس سے دو سال بعد ان کے والد وہاں سے نقل مکانی کر کے چک نمبر ۲۴ لیاقت پور آ گئے تھے۔ انھوں نے سکول میں مڈل تک تعلیم حاصل کی تھی۔ قرآنِ مجید کی ترنم سے تلاوت کرتے اور اسی لہجے میں اس کا ترجمہ پڑھتے۔ ذکر اذکار کے شائق اور تہجد کے پابند۔ مولانا مودودی کی کتابیں ان کے زیر مطالعہ رہتیں۔ ان کتابوں کے مطالعہ اور دیوبندی علما سے تعلق کی بنا پر وہ احناف کے دیوبندی مسلک سے متاثر تھے، جب کہ خاندان کے دوسرے لوگ بریلوی تھے اور ان تمام رسوم پر عامل جو بریلویت کے ساتھ مختص ہیں۔

ارشاد الحق نے کچھ ہوش سنبھالا تو والد نے لیاقت پور کے مڈل سکول میں داخل کرا دیا۔ ۱۹۶۱ء میں انھوں نے مڈل کا امتحان پاس کیا اور مولوی عبدالحفیظ سے قرآنِ مجید پڑھا۔ پھر لیاقت پور ہی کے مدرسہ قاسم العلوم میں داخل کرا دیے گئے۔ وہاں مولانا محمد بشیر اور مولانا محمد حیات سے فارسی کی ابتدائی کتابیں، علم صرف کی بعض کتابیں اور علم نحو کی کافیہ تک کتابیں پڑھیں۔ فقہ کی قدوری اور علم منطق کی تیسیر المنطق بھی وہیں پڑھیں۔ یہ تمام کتابیں دو سال میں مکمل کیں۔

اب اساتذہ نے مشورہ دیا کہ آئندہ تعلیم کے لیے یا تو انھیں مدرسہ قاسم العلوم فقیر والی میں داخل کرا دیا جائے یا جامعہ رشیدیہ منٹگمری میں یا خیر المدارس ملتان میں بھیج دیا جائے۔ لیکن ان کے والد بچے کو اتنی دور بھیجنا نہیں چاہتے تھے۔ انہی دنوں اتفاق سے کہروڑ پکا کے مولانا مفتی عبدالرحمٰن لیاقت پور تشریف لائے۔ یہاں ان کا ایک حلقہ ارادت قائم تھا، جس میں ارشاد الحق کے والد بھی شامل تھے۔ مفتی صاحب ممدوح دہلی کے مدرسہ فتح پوری میں مولانا شریف اللہ خاں کے ہم سبق و ہم جماعت رہے تھے اور مولانا شریف اللہ خاں اب جامعہ سلفیہ فیصل آباد کی مسند درس پر فائز تھے، اس لیے مفتی صاحب نے مشورہ دیا کہ اس بچے کو جامعہ سلفیہ بھیج دیا جائے۔ یہ مشورہ ان کے والد کو پسند آیا۔ اس کی تین وجہیں تھیں۔ ایک یہ کہ جامعہ سلفیہ کے قریب موضع نور پور میں ان کی ہمشیرہ (ارشاد الحق کی پھوپھی) اور خاندان کے بعض افراد سکونت پذیر تھے۔ دوسری وجہ یہ تھی جو انھوں نے خود بیان کی کہ چند سال پہلے وہ جامعہ سلفیہ گئے تھے، وہاں انھوں نے جامعہ کے شیخ الحدیث کی زیارت کی تو انھیں اس سے روحانی تسکین ہوئی۔ ان سے پڑھنا اور ان کی مجلس میں حاضر ہونا، بہت فائدے کا باعث ہوگا۔ شیخ الحدیث سے ان کی مراد حضرت حافظ محمد گوندلوی تھے۔ ان وجوہ کی بنا پر انھوں نے بیٹے کو جامعہ سلفیہ میں داخل کرانے کا فیصلہ کیا۔ تیسری وجہ تھی کہروڑ پکا کے مولانا مفتی عبدالرحمٰن کا مشورہ جو انھوں نے مولانا شریف اللہ خاں کی وجہ سے دیا۔

مذکورہ تین وجوہ کی بنا پر ۱۹۶۴ء میں ارشاد الحق کو جامعہ سلفیہ میں داخلہ کرا دیا گیا۔ اس وقت وہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

فقہی مسلک کے اعتبار سے حنفی تھے اور اسی طرح نماز پڑھتے تھے، جس طرح حنفی پڑھتے ہیں۔ دیگر مسائل میں بھی ان کا نقطۂ نظر احناف کا سا تھا۔ جامعہ میں ان کا قیام تین سال رہا اور اس اثنا میں انھوں نے مولانا حافظ عبداللہ بڈھیمالوی، مولانا پیر محمد یعقوب جہلمی، مولانا محمد صادق خلیل، مولانا محمد حنیف سلفی، مولانا حافظ محمد بنیامین اور مولانا عبداللہ امجد سے تحصیل علم کی۔ یہ تمام حضرات اپنے عہد کے لائق ترین معلم تھے۔ مولانا عبداللہ امجد کے سوا سب بزرگ وفات پا چکے ہیں۔ رحمہم اللہ تعالیٰ

اللہ تعالیٰ مولانا عبداللہ امجد کی زندگی دراز فرمائے اور وہ کتاب وسنت کی زیادہ سے زیادہ خدمت سرانجام دیں۔ صالح عالم دین ہیں۔ بہت سالوں سے مرکز دعوۃ السلفیہ ستیانہ بنگلہ (ضلع فیصل آباد) میں محنت اور ذمہ داری سے خدمت تدریس میں مصروف ہیں۔ اس قسم کے مخلص ترین معلم روز روز پیدا نہیں ہوتے۔ نیک خاندان کے نیک فرد۔

طالب علمی کے زمانے میں حنفی اور اہل حدیث کے مسائل سے متعلق بعض اوقات ارشاد الحق سے جامعہ سلفیہ کے طلبا کی بحث ہوجاتی تھی۔ لیکن کسی بحث میں کبھی تلخی نہیں آئی۔ نہ اساتذہ میں سے کسی نے ان سے کوئی ایسی بات کی جو ان کے لیے ذہنی یا مسلکی اذیت کا باعث بنتی۔ نہ کسی نے یہ کہا کہ حنفی مسلک چھوڑ دو۔ دو سال اسی طرح سلسلہ چلتا رہا۔ تیسرے سال اپنی تحقیق سے خود ہی ان کی ذہنی کیفیت بدل گئی اور مسلک اہل حدیث میں پختہ ہوگئے۔ اس کی بنیادی وجہ حضرت مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری کی تصانیف ہوئیں۔

تین سال مولانا ارشاد الحق اثری جامعہ سلفیہ میں تحصیل علم کرتے رہے۔ اس کے بعد کسی وجہ سے مولانا حافظ محمد بنیامین جامعہ سلفیہ سے استعفا دے کر ایک گاؤں موضع کٹو تشریف لے گئے تو ارشاد الحق نے بھی چند طلبا کی رفاقت میں ادھر کا رخ کرلیا۔ ان سے صحیح مسلم، ابوداؤد، قطبی وغیرہ کتابیں پڑھیں۔

۱۹۶۸ء میں گوجراں والا جاکر جامعہ اسلامیہ میں داخلہ لیا۔ وہاں حضرت حافظ محمد گوندلوی اور مولانا ابوالبرکات احمد سے استفادہ کیا اور وہیں سے سند فراغت لی۔

۱۹۶۹ء میں فیصل آباد کے ادارہ علوم اثریہ میں داخل ہوگئے۔ وہاں مولانا عبداللہ لائل پوری اور مولانا محمد عبدہ الفلاح کے حلقہ درس میں شرکت کی۔

مولانا ارشاد الحق تحریر فرماتے ہیں:

"وہاں (جامعہ اثریہ میں) مولانا محمد حنیف ندوی اور ان کے ہمراہ مولانا محمد اسحاق بھٹی بھی تشریف لاتے تھے۔ مولانا ندوی کسی مناسب موضوع پر گفتگو فرماتے اور بھٹی صاحب مضمون نویسی کا ڈھب اور سلیقہ بتاتے۔"

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

میں اپنی طرف سے اور مولانا محمد حنیف ندوی مرحوم کی روح کی طرف سے مولانا ارشاد الحق کا شکر گزار ہوں کہ انھوں نے مولانا مرحوم کو اور اس فقیر کو یاد رکھا۔

مولانا ارشاد الحق اثری کو مطالعہ کا بہت شوق تھا۔ وہ کتابیں خریدتے اور پڑھتے رہتے تھے۔ یہی شوق آگے چل کر انھیں تصنیف وتالیف کی حسین وادی میں لے گیا۔ پھر وہ مستقل طور پر ادارہ علوم اثریہ سے وابستہ ہوگئے اور فیصل آباد کو اپنا مسکن بنا لیا۔ اب ما شاء اللہ وہ مشہور مصنف اور معروف محقق ہیں۔ انھوں نے عربی میں بھی لکھا اور اردو میں بھی۔ ان کا پہلا مضمون ''الجمعہ فی القریٰ'' کے عنوان سے ۶۔رجب ۱۳۸۹ھ کے ''المنبر'' (لائل پور) میں چھپا۔ پھر یہ سلسلہ روز بروز آگے بڑھتا گیا۔

جس موضوع پر لکھتے ہیں، تحقیق سے لکھتے ہیں اور موضوع کا پوری طرح احاطہ کر لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑی قابلیت سے نوازا ہے۔ ان کی بہت بڑی خوبی یہ ہے کہ اپنے حریف یا مدمقابل کا نام پورے احترام سے لیتے ہیں۔

اب ذیل میں ان کی تصانیف کا ذکر کیا جاتا ہے۔ پہلے عربی تصانیف!

①..... العلل المتناہیہ فی الاحادیث الواہیہ: لابن الجوزی۔ ضعیف اور معلول روایات پر مشتمل امام ابن جوزی کی یہ کتاب دو خطی نسخوں کے تقابل وتحقیق اور تخریج کے ساتھ دو جلدوں میں ۱۳۹۹ھ (۱۹۷۹ء) میں پہلی بار منصۂ شہود پر آئی جو اسلامک پبلشنگ ہاؤس لاہور کے تعاون سے شائع ہوئی۔ پہلی جلد ۴۹۳ اور دوسری ۵۰۱ صفحات پر مشتمل ہے جس میں ۱۵۷۹/احادیث پر بحث کی گئی ہے۔

②..... اعلام اہل العصر باحکام رکعتی الفجر: صبح کی سنتوں سے متعلقہ مباحث پر مشتمل حضرت مولانا شمس الحق ڈیانوی محدث کی تصنیف ہے جو پہلی دفعہ ۱۳۰۵ھ میں مصنف علام کی زندگی میں شائع ہوئی۔ اس کے بعد مولانا ارشاد الحق کی تحقیق وتخریج اور حواشی کے ساتھ ۱۳۹۴ھ میں ادارہ علوم اثریہ نے شائع کی۔

③..... مسند الامام ابی یعلی الموصلی: امام ابویعلی احمد بن علی بن المثنی الموصلی (متوفی ۳۰۷ھ)۔ یہ عظیم الشان کتاب دو نسخوں کے تقابل سے اس کی تحقیق وتخریج کے بعد ۱۴۰۸ھ میں مکتبہ دار القبلہ للثقافۃ الاسلامیہ جدہ سے چھ جلدوں میں شائع ہوئی۔ ۷۵۱۷ احادیث پر مشتمل ہے۔

مسند ابی یعلی کی تحقیق وتخریج کے اوائل میں مولانا فیض الرحمٰن ثوری ان کے شریک کار تھے۔ تقریباً نصف اول تک انھوں نے ساتھ نباہا۔ پھر وہ اپنی ناگزیر گھریلو مصروفیتوں کی بنا پر تشریف لے گئے اور ان کی رفاقت ختم ہوگئی۔ کتاب کی تحقیق کے بعد مولانا ارشاد الحق اس کی مراجعت میں مصروف تھے کہ ایک انتہائی ناخوش گوار واقع پیش آیا۔ ایک رات خواب میں دیکھا کہ ان کے ہاتھ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کے انگوٹھے میں شدید درد ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے انگوٹھا سیاہ ہونا شروع ہوگیا۔ درد کی ٹھیس سے آنکھ کھل گئی تو بیداری میں بھی کچھ وقت تک انگوٹھے میں درد کا احساس باقی رہا۔ طبیعت پریشان ہوئی کہ معلوم نہیں یہ کیا ماجرا ہے؟ صبح حسب معمول ادارہ پہنچے اور کام کا آغاز کردیا۔ مسودے کی کاپیوں کو اٹھانے کے لیے الماری کی طرف بڑھے تو مسودہ غائب تھا۔ ابتدا کی چند کاپیاں جو علیحدہ رکھی ہوئی تھیں وہی بچیں باقی سب غائب۔ انھوں نے اسی کو رات کے خواب کی تعبیر سمجھا۔ ایک عرصے کے بعد مسودہ ملا۔ کہاں سے اور کس سے ملا؟ یہ ایک تکلیف دہ داستان ہے جس کے بیان کی ضرورت نہیں۔ کتاب کی تحقیق کا کام ۱۴۰۳ھ میں مکمل ہوگیا تھا۔ ۱۴۰۸ھ میں یہ عظیم مسند زیور طبع سے آراستہ ہوئی۔

④..... کتاب المعجم: یہ امام ابویعلی احمد بن علی الموصلی کا المعجم ہے، جس میں انھوں نے اپنے ۲۷۴ شیوخ سے روایات ذکر کی ہیں۔ مولانا اثری نے اس کے مقدمے میں امام صاحب کے مزید تیرہ شیوخ کا تذکرہ کیا ہے۔ یہ کتاب بھی پہلی بار دو نسخوں کے تقابل سے ۱۴۰۷ھ میں ادارہ علوم اثریہ کے زیر اہتمام شائع ہوئی۔

⑤..... جلاء العینین بتخریج روایات البخاری فی جزء رفع الیدین: یہ کتاب حضرت سید بدیع الدین راشدی کی تصنیف ہے۔ مولانا ارشاد الحق نے اس کے مسودے کی تحقیق کی اور مراجع کا تتبع کیا۔ بلکہ جزء رفع الیدین پر مولانا فیض الرحمٰن ثوری کے بھی حواشے تھے۔ دونوں کے تقابل میں جو مزید مفید بات تھی وہ مولانا ثوری کے حوالے سے حاشیہ میں نقل کر دی گئی۔ ان کے علاوہ بھی اگر کوئی مفید بات ملی تو اس کا بھی حاشیے میں اضافہ کر دیا گیا۔ یوں یہ کتاب عربی زبان میں اس موضوع پر اپنا ثانی نہیں رکھتی۔ پہلی بار ۱۴۰۳ھ (۱۹۸۳ء) میں ادارہ علوم اثریہ نے شائع کی۔

⑥..... فضائل شہر رجب: امام ابومحمد الحسن بن محمد بن الحسن الخلال البغدادی المتوفی ۴۳۹ھ کا رسالہ ہے جو پہلی دفعہ مولانا اثری کی تحقیق وتخریج سے ۱۴۱۵ھ (۱۹۹۴ء) میں ادارہ علوم اثریہ کی طرف سے شائع ہوا۔

⑦..... تبیین العجب بما ورد فی فضل رجب: حافظ ابن حجر کا یہ رسالہ ماہ رجب کے فضائل ومتعلقات پر مشتمل ہے جو ۱۴۱۵ھ میں امام الخلال کے رسالے کے ہمراہ تحقیق وتخریج سے طبع ہوا۔

⑧..... القالۃ الحسنی فی سنیۃ المصافحۃ بالید الیمنی: یہ رسالہ مولانا عبدالرحمٰن محدث مبارک پوری مرحوم کا ہے، جس میں داہنے ہاتھ سے مصافحہ کے مسنون ہونے پر بحث کی گئی ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ مسنون نہیں۔ یہ رسالہ اردو زبان میں تھا، جس کی تعریب ڈاکٹر وصی اللہ محمد عباس مدرس الحرم المکی نے کی جو مولانا ارشاد الحق کی مراجعت وتحقیق سے ادارہ علوم اثریہ نے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شائع کیا۔

⑨..... مسند السراج: یہ امام محمد بن اسحاق السراج النیساپوری (متوفی ۳۱۳ھ) کی مسند ہے، جس میں انھوں نے فقہی ابواب پر اپنی مسند روایات کو جمع کیا ہے۔ اس کا مکمل نسخہ تو مفقود ہے، صرف ایک حصہ مکتبہ ظاہریہ دمشق میں پایا جاتا ہے جو ۱۵۷۶ احادیث پر مشتمل ہے۔

یہ مسند مولانا اثری کی تحقیق وتخریج سے پہلی بار ۱۴۲۳ھ (۲۰۰۲ء) میں ادارہ علوم اثریہ کے زیر اہتمام شائع ہوئی۔

⑩..... التعقیب علی التقریب: حافظ ابن حجر کی کتاب تقریب التہذیب پر حواشی ہیں بلکہ ان روایات کا بھی مزید اضافہ ہے جو تقریب کی شرط پر ہیں۔ مگر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے انھیں ذکر نہیں کیا۔ اسے دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور نے ۱۹۸۵ء میں تقریب کے ساتھ شائع کیا۔

⑪..... جزء حدیث المسلسل بالعید: یہ امام ابوطاہر السلفی کا رسالہ ہے جو مولانا ممدوح کی تحقیق وتخریج سے دار البشارۃ الکویت سے ۲۰۰۸ء میں شائع ہوا۔

⑫..... غایۃ المقصد فی زوائد المسند: یہ علامہ الہیثمی کی تصنیف ہے، جس میں انھوں نے مسند امام احمد کی صحاح ستہ سے زائد روایات کو جمع کیا ہے۔ اس کے نصف اوّل کی تحقیق وتخریج مولانا اثری نے کی اور تکمیل مولانا محمد طارق فاضل مدینہ یونیورسٹی نے کی۔

⑬..... مجالس الابرار: یہ علامہ الترکی کی تصنیف ہے، جس کی تحقیق وتخریج مولانا ارشاد الحق نے کی اور سہیل اکیڈیمی لاہور میں طبع ہوئی۔

⑭..... الاستدراک علی تعجیل المنفعہ: حافظ ابن حجر کی کتاب ''تعجیل المنفعہ'' جس میں ائمہ اربعہ کے ان رجال کو جمع کیا گیا ہے جو تہذیب التہذیب سے زائد ہیں۔ مگر بہت سے رجال ایسے بھی ہیں جن کا ذکر حافظ ابن حجر نے نہیں کیا۔ الاستدراک میں ان رجال کو جمع کیا گیا ہے۔

⑮..... تخریج ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء: ازالۃ الخفاء حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی مشہور کتاب ہے۔ اس کی تخریج وتحقیق مکمل ہوگئی ہے۔ ادارہ علوم اثریہ کے رکن مولانا عبدالحی انصاری اس کے ایک حصے میں مولانا اثری کے معاون رہے۔ ازالۃ الخفاء فارسی میں ہے۔ مولانا محمد بشیر سیالکوٹی نے اس کی تعریب کی ہے اور اب یہ طباعت کے مراحل میں ہے۔

اب نمبروں کی ترتیب سے اردو تصانیف!

⑯..... امام دارقطنی: یہ امام ابوالحسن علی بن عمر دارقطنی بغدادی کی سیرت وسوانح پر مشتمل تصنیف ہے، جس میں امام صاحب کی ۶۱ تصانیف کا بھی ذکر ہے۔ اس موضوع کی یہ اوّلیں تصنیف ہے جو ۱۹۷۲ء میں ۱۸۸ صفحات میں شائع ہوئی۔ مولانا ممدوح کی یہ پہلی تصنیف ہے۔ الاعتصام ۱۱/

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اگست ۷۲ء میں اس پر تبصرہ شائع ہوا تھا۔

⑯..... صحاح ستہ اور ان کے مؤلفین: موضوع نام سے ظاہر ہے۔ یہ ادارہ علوم اثریہ کے سلسلہ مطبوعات میں سے پہلی کتاب ہے، جس کے اکثر مقالات مولانا اثری کی کاوش فکر کا نتیجہ ہیں۔

⑱..... قادیانی کافر کیوں؟: مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کے پیروکار ایسے باطل عقائد وافکار رکھتے ہیں جن کی بنا پر وہ علمائے امت کے نزدیک ملت اسلامیہ سے خارج ہیں۔ ۱۹۷۴ء کی تحریک تحفظ ختم نبوت کے نتیجے میں پاکستان کی پارلیمنٹ نے بالاتفاق انھیں کافر قرار دیا۔ ان کے وہ عقائد کیا ہیں، اس کی تفصیل اس کتاب میں بیان ہوئی ہے جو ۱۹۷۵ء میں شائع ہوئی۔ یہ دراصل مولانا ارشاد الحق کے ان خطبات کا مجموعہ ہے جو تحریک تحفظ ختم نبوت کے دوران میں مسجد مبارک اہل حدیث منٹگمری بازار لائل پور میں دیے گئے۔ یہ کتاب ڈسکہ کے ایک مکتبے سے بھی شائع ہوئی ہے۔

⑲..... مسئلہ رفع الیدین پر ایک نئی کاوش کا تحقیقی جائزہ: اس کا نام ''التحقیق والایضاح للبس مانی؟ نور الصباح'' بھی ہے۔ رفع الیدین کے مسئلے میں ایک حنفی مناظر نے نور الصباح لکھی جس میں دو تین ''نئے دلائل'' کا بڑے ادعا کے ساتھ پہلی بار ذکر کیا گیا۔ ان کے انہی اکتشافات کے جواب میں یہ رسالہ لکھا گیا جو حضرت مولانا عطاء اللہ محدث حنیف بھوجیانی شارح سنن نسائی کے حکم سے مولانا ارشاد الحق نے مرتب کیا۔ یہ رسالہ ۱۴۰۲ھ (۱۹۸۱ء) میں دارالدعوۃ السلفیہ کے زیر اہتمام شائع ہوا۔

⑳..... توضیح الکلام فی وجوب القراءۃ خلف الامام: برصغیر میں اہل حدیث اور احناف کے مابین فاتحہ خلف الامام کا مسئلہ بڑا اہم رہا ہے۔ یہ کتاب بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جو دراصل معروف دیوبندی عالم مولانا محمد سرفراز صاحب صفدر مرحوم سابق شیخ الحدیث نصرۃ العلوم گوجراں والا کی کتاب احسن الکلام کا جواب ہے۔ اس کتاب کی پہلی اشاعت دو جلدوں پر مشتمل تھی۔ پہلی جلد ۱۹۸۷ء میں اور دوسری ۱۹۸۸ء میں شائع ہوئی۔ ۲۰۰۵ء میں یہ دوسری بار ایک ہی جلد میں تصحیح وتنقیح کے بعد شائع ہوئی۔ ۱۰۳۲ صفحات پر مشتمل ہے۔

㉑..... تنقیح الکلام فی تائید توضیح الکلام: توضیح الکلام کی طباعت کے بعد مولانا صفدر مرحوم کے ایک شاگرد رشید نے ''توضیح الکلام پر ایک نظر'' کے عنوان سے کتاب لکھی۔ اسی کا جواب ''تنقیح الکلام'' کے نام سے دیا گیا۔ یہ کتاب ۲۰۰۴ء میں شائع ہوئی۔ صفحات ۳۹۲

㉒..... پاک وہند میں علمائے اہل حدیث کی خدمات حدیث: موضوع نام سے ظاہر ہے۔ یہ کتاب پہلی بار ۱۴۱۰ھ (۱۹۹۰ء) میں شائع ہوئی۔ اس کا دوسرا ایڈیشن ۲۰۰۱ء میں بہت سے اضافوں سے شائع ہوا جو ۱۴۴ صفحات پر مشتمل ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

(۲۳)..... اسباب اختلاف الفقہاء۔ حقیقی ومصنوعی عوامل: حجاز مقدس کے حنفی عالم شیخ ابوغدہ نے ''اثر الحدیث الشریف فی اختلاف الفقہاء'' کے نام سے ایک کتاب لکھی جس کا خلاصہ ماہنامہ ''بینات'' کراچی میں شائع ہوا۔ اس میں ائمہ فقہاء کے اختلافات کے حقیقی عوامل بیان کرنے کی بجائے دراصل محدثین کرام کے بارے میں ایسا ناروا اور نامناسب تاثر دیا جس کی اصل موضوع سے کوئی مناسبت نہ تھی۔ اس کتاب میں اس کا جواب دیا گیا ہے جو مسلک محدثین کے ترجمان ہفت روزہ ''الاعتصام'' میں پہلے قسط وار شائع ہوا۔ پھر ۱۹۹۲ء میں اسے کتابی شکل میں شائع کیا گیا۔ یہی کتاب دوسری بار ضروری حک واضافہ سے ۲۰۰۲ء میں شائع ہوئی جو ۱۲۷ صفحات پر مشتمل ہے۔

(۲۴)..... احادیث ہدایہ کی فنی وتحقیقی حیثیت: مولانا محمد یوسف جے پوری رحمہ اللہ نے اپنی مشہور کتاب ''حقیقۃ الفقہ'' کے ایک باب میں ہدایہ (جو فقہ حنفی کی مشہور ومتداول اور داخل درس کتاب ہے) میں مندرج احادیث کا مختصر جائزہ پیش کیا، جس کا جواب ایک حنفی عالم نے لکھا جو ماہنامہ ''بینات'' کراچی میں شائع ہوا۔ اس میں ہدایہ کے دفاع کے ساتھ ساتھ صحیح بخاری شریف کے بارے میں بھی اپنے بغض وعناد کا اظہار کیا گیا ہے۔ اس کا جواب اسی کتاب میں شائع ہوا ہے جو پہلے ہفت روزہ ''الاعتصام'' میں دس قسطوں میں شائع ہوا اور اس کے بعد (۱۹۹۱ء میں) اسے کتابی شکل میں شائع کیا گیا۔ اس کا دوسرا ایڈیشن ۲۰۰۲ء میں چھپا۔

(۲۵)..... احادیث صحیح بخاری ومسلم میں پرویزی تشکیک کا علمی محاسبہ: اس میں جناب حبیب الرحمٰن کاندھلوی کی کتاب ''مذہبی داستانیں اور ان کی حقیقت'' میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے بارے میں دجل وفریب اور پرویزی مغالطوں کا تحقیقی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ یہ کتاب اسی نام سے ۲۰۰۷ء میں شائع ہوئی۔ قبل ازیں اس کے دو ایڈیشن ''احادیث صحیح بخاری ومسلم کو مذہبی داستانیں بنانے کی کوشش'' کے نام سے شائع ہوئے۔

(۲۶)..... مولانا سرفراز صفدر اپنی تصانیف کے آئینہ میں: مولانا محمد سرفراز نامور حنفی عالم اور اپنے مسلک کے ترجمان تھے۔ اپنے مخصوص زاویۂ نظر وفکر کی بنا پر بعض اوقات جو اصول وہ اپنے دفاع میں ایک جگہ بیان کرتے ہیں وہی اصول مخالف سمت میں آئے تو اس کی تردید فرماتے ہیں۔ ایک حدیث اپنے لیے مفید پاتے ہیں تو بڑی شد ومد سے اس کی تصحیح کرتے ہیں، مگر وہی دوسرے فریق کے دائرۂ استدلال میں آجائے تو اس پر عمل جراحی فرماتے ہیں۔ اسی طرح راویوں کے بارے میں جرح واعتدال کے سلسلے میں ان کی مختلف ومتنوع آراء ہوتی ہیں، جب کہ ثقہ اور ثبت راوی کی روایات اور ائمہ دین حتی کہ صحابہ کرام میں سے کسی کا قول اگر ان کی فکر کے موافق نہیں تو اس کی کوئی نہ کوئی کمزوری ڈھونڈنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس قسم کی متعدد باتیں ان کی تصانیف میں نظر آتی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہیں، جنھیں اس کتاب میں جمع کیا گیا ہے۔ یہ کتاب ۱۹۹۴ء میں شائع ہوئی اور اس کا آخری ایڈیشن ۲۰۰۸ء میں شائع ہوا۔ صفحات ۲۹۳ ہیں۔

(۲۷)..... آئینہ ان کو دکھایا تو برا مان گئے: ''مولانا سرفراز صفدر اپنی تصانیف کے آئینہ میں'' مولانا صفدر صاحب کی ۲۷ کتابوں کے حوالے سے جو ''آئینہ'' دکھایا گیا تھا، اس سے جہاں ان کے حلقۂ ارادت کو سخت دھچکا لگا، وہاں بہت سے حضرات نے اس کی تحسین بھی فرمائی۔ بہرحال مولانا کے دفاع میں مولانا حافظ عبدالقدوس قارن صاحب نے ''مشہور غیر مقلد عالم مولانا ارشاد الحق اثری کا مجذوبانہ واویلا'' کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ ''آئینہ ان کو دکھایا تو برا مان گئے'' اسی کتاب کا جواب ہے جو جون ۱۹۹۷ء میں شائع ہوا۔ صفحات ۲۷۳

(۲۸)..... امام بخاری پر بعض اعتراضات کا جائزہ: مولانا سرفراز صاحب صفدر کے ایک تلمیذ رشید مولانا حبیب الرحمٰن صاحب ڈیروی تھے، جنھوں نے ''ہدایہ علماء کی عدالت'' کے عنوان سے ایک کتاب لکھی، جس میں ہدایہ کے متعلق بعض اعتراضات کا جواب دینے کی کوشش کی۔ علمی طور پر ہدایہ کا دفاع ان کا فرض مسلکی ہے، مگر وہ اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے اس میں اکابر علمائے اہل حدیث کے اوہام لکھنے لگے اور اس ضمن میں امام بخاری اور جامع صحیح بخاری کے متعلق بھی انھوں نے پچیس اوہام ذکر کیے۔ ہم امام بخاری کو معصوم نہیں سمجھتے، مگر جس انداز سے مصنف نے ان کے پچیس اوہام جمع کیے ہیں، وہ انتہائی کمزور اور محض اپنے دل کا غبار ہلکا کرنے کی ایک راہ ہے۔ یہ کتاب ان کے انہی اعتراضات کے جواب میں لکھی گئی ہے۔ مئی ۱۹۹۹ء میں شائع ہوئی۔

(۲۹)..... آفات نظر اور ان کا علاج: نظر کی آوارگی سے جس قدر اخلاق تباہ ہو رہے ہیں، اس کا سب کو اندازہ ہے۔ یہ کتاب نظر اور آنکھ سے متعلقہ مباحث پر مشتمل ہے۔ چند عنوان ملاحظہ ہوں: آنکھ ایک عظیم نعمت ہے۔ آنکھ کی حفاظت، آنکھ کا شکر، آنکھ افضل یا کان۔ آنکھ اور نماز۔ نظر کی حفاظت، غض بصر اور عیسائی مذہب، نظر بازی کا فتنہ، محرمات کو دیکھنا، فساد نظر سے بچنے کا طریقہ۔ اللہ سے ڈرنے والی آنکھ، آنکھ اور دل کا مناظرہ۔ اس نوعیت کے متعدد عناوین اس کا موضوع ہیں۔ اصلاحی اور تربیتی اعتبار سے ضرورت ہے کہ اسے گھر گھر پہنچایا جائے۔ یہ کتاب ۹۴ صفحات پر مشتمل ہے جو متعدد مرتبہ شائع ہو چکی ہے۔

(۳۰)..... مسلک احناف اور مولانا عبدالحی لکھنوی: برصغیر پاک و ہند کے اعاظم رجال میں ایک بڑا نام مولانا عبدالحی لکھنوی فرنگی محلی کا ہے۔ وسعت مطالعہ اور کثرت تصانیف میں اپنی تھوڑی عمر کے باوجود بہت سے حضرات سے سبقت لے گئے۔ اگرچہ وہ رائج الوقت حنفی مسلک سے وابستہ تھے مگر بہت سے مسائل میں انھوں نے دلائل کے ساتھ حنفی مسلک سے اختلاف کیا اور یہ اختلاف

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اصول میں بھی ہے اور فروع میں بھی۔ اس کتاب میں ان کے اسی نوعیت کے مسائل کو جمع کیا گیا ہے۔ کتاب ۲۰۰۰ء میں شائع ہوئی جو ۱۶۰ صفحات پر مشتمل ہے۔

(۳۱)..... مشاجرات صحابہ اور سلف کا موقف: تمام صحابہ کرام سے محبت وعقیدت، تمام اہل سنت کا بنیادی عقیدہ ہے۔ بعض حضرات، صحابہ کرام کے باہمی مناقشات ومشاجرات کو موضوع سخن بناتے ہیں اور ان کے باہمی اختلاف کی آڑ میں ان پر طعنہ زنی اور حرف گیری کرتے ہیں۔ اس کتاب میں قرن اولیٰ سے چودھویں صدی ہجری تک کے چار درجن سے زائد اکابر اہل سنت اور ان کی کتب کے حوالے سے بتلایا گیا ہے کہ صحابہ کرام کے مشاجرات سے کف لسان ہمارے عقیدے کا مسئلہ ہے۔ محض تاریخی مسئلہ نہیں۔ یہ کتاب ۲۰۰۲ء میں شائع ہوئی۔ ۱۲۰ صفحات پر مشتمل ہے۔

(۳۲)..... فلاح کی راہیں: اس کتاب میں سورۃ المومنون کی ابتدائی گیارہ آیات مبارکہ کی تبلیغی واصلاحی نقطۂ نظر سے تفسیر بیان کی گئی ہے۔ یہ دراصل مولانا ارشاد الحق اثری کے ان دروس کا مجموعہ ہے جو جامع مسجد محمدی اہل حدیث پیپلز کالونی میں ہفتہ وار جمعہ کے روز مغرب کی نماز کے بعد دیے گئے تھے۔ درس میں تعلیم وتربیت اور تلقین ونصیحت کا پہلو غالب ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ کتاب ان آیات مبارکہ کی روشنی میں تربیتی واصلاحی اسلوب کے مطابق ہے۔ کتاب ۲۰۰۴ء میں شائع ہوئی۔ صفحات ۱۹۲۔ اس کے متعدد ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔

(۳۳)..... پیارے رسول کی پیاری نماز: سنت مصطفوی کے مطابق نماز کا کیا طریقہ ہے۔ نماز کا ظاہری اور باطنی حسن کیا ہے؟ اس کا جواب اس کتاب میں دیا گیا ہے۔ کتاب کئی دفعہ چھپ چکی ہے۔

(۳۴)..... حرز المومن: مختلف بیماریوں اور پریشانیوں سے بچنے کے لیے جن ادعیہ کی تعلیم رسول اللہ ﷺ نے دی ہے، یہ انہی دعاؤں پر مشتمل ہے۔ اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

(۳۵)..... اسلام اور موسیقی، شبہات اور مغالطات کا ازالہ: رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ سے ہر مسلمان آگاہ ہے۔ کہیں یہ ثابت نہیں کہ آپ ﷺ نے یا صحابہ کرام نے کبھی محفل موسیقی سجائی ہو، ڈھول، طبلہ، سارنگی، ستار، مزمار یا دیگر آلات ملاہی سے جشن موسیقی منایا ہو۔ اسلام ان لغو اور بے مقصد کام کی اجازت نہیں دیتا۔ مگر اس کے برعکس بعض حضرات اس کے جواز کی راہیں تلاش کرنے اور موسیقی کو مشرف بہ اسلام کرنے کی کوشش میں ہیں۔ ان لوگوں کے جواب میں ۲۰۰۵ء میں یہ کتاب شائع ہوئی۔

(۳۶)..... مقالات جلد اوّل: مولانا کے مختلف مقالات جو ترجمان الحدیث، الاعتصام، اہل حدیث، تعلیم الاسلام وغیرہ اخبارات میں وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے انھیں کتابی شکل میں شائع کیا گیا تاکہ یہ علمی مضامین محفوظ ہو جائیں اور ان سے استفادے میں آسانی ہو۔ اس کی جلد اوّل اکیس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مقالات پر مشتمل ہے جو ۲۰۰۶ء میں طبع ہوئی، چند عناوین یہ ہیں: مسئلہ اجتہاد، تقلید اور اہل حدیث، اختلاف امت اور مسلک اعتدال، علامہ کوثری کے بدعی افکار، علمائے دیوبند کے لیے لمحۂ فکریہ وغیرہ۔

(۴۶)..... مقالات جلد دوم: یہ جلد ۲۰ مقالات پر مشتمل ہے۔ بعض عناوین یہ ہیں: کیا سفر میں پوری نماز پڑھی جاسکتی ہے؟ مسئلہ رفع الیدین کے متعلق دو سوالات کا جواب، مسئلہ رفع الیدین، ایک بریلوی مفتی صاحب کے افکار پر تبصرہ، کشف المحجوب: تعارف وتبصرہ، صبح کی سنتوں کے بعض مسائل، سورۂ الم میں دوسرا سجدہ، عشا سے پہلے چار رکعتیں اور مسلک احناف، اسلام اور امن وسلامتی۔ دوسری جلد ۲۰۰۸ء میں شائع ہوئی۔

(۴۸)..... اختلاف امت اور اس کا حل: امت میں رونما ہونے والے اختلافات اور ان کا کتاب وسنت اور ائمہ سلف کے اقوال کی روشنی میں حل، اس کا موضوع ہے، جسے مولانا محمد سعید چنیوٹی صاحب نے شائع کیا۔

(۴۹)..... اعلاء الہیہ: یہ عربی میں مولانا محمد حیات سندھی کا رسالہ ہے جو ترجمے کے ساتھ ماہنامہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن میں شائع ہوا۔

(۵۰)..... محدث عظیم آبادی: مولانا شمس الحق محدث ڈیانوی عظیم آبادی شارح سنن ابی داؤد پر یہ مقالہ متعدد اقساط میں ترجمان الحدیث لاہور میں شائع ہوا۔

(۵۱)..... علامہ محمد حیات سندھی: موصوف سرزمین سندھ کے معروف محدث تھے۔ ان پر مقالہ ترجمان الحدیث میں شائع ہوا۔

(۵۲)..... حواشی الامر البرم: مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی کی کتاب جو لاہور سے دوسری بار شائع ہوئی، اس کے حواشی پر مراجعت۔

(۵۳)..... بلوغ المرام مترجم، مطبوعہ دارالسلام لاہور: ترجمہ وحواشی کی نظر ثانی اور تنقیح۔

اب زیر طباعت کتابیں.....!

(۵۴)..... اسلام اور موسیقی حصہ دوم

(۵۵)..... تفسیر سورۃ ق

(۵۶)..... فرق امت اور اہل حدیث کا منہج

(۵۷)..... مقالات جلد سوم

مولانا ارشاد الحق اثری کو یہ سہولت حاصل ہے کہ ادارہ علوم اثریہ کے وہ خود ہی کرتا دھرتا ہیں اور تصنیفی خدمات کے علاوہ مولانا ارشاد الحق اثری کا مختلف مساجد میں درس قرآن کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ جناب حافظ محمد شریف صاحب کے قائم کردہ مرکز تربیۃ الاسلامیہ فیصل آباد میں فرائض تدریس بھی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

انجام دیتے ہیں۔

۱۹۹۸ء سے ۱۹۹۹ء تک ایک سال اسلامی نظریاتی کونسل کے رکن رہے۔ اس وقت مندرجہ ذیل اداروں سے تعلق ہے۔

① ادارہ علوم اثریہ فیصل آباد، ② خطابت مسجد مبارک فیصل آباد، ③ رکن مجلس ادارت ہفت روزہ الاعتصام لاہور، ④ ناظم مجلس افتاء مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان، ⑤ رکن مجلس فقہاء الشرعیہ امریکہ، ⑥ رکن مجلس ادارت الحرمین جہلم۔

تبلیغی سلسلے میں امریکہ، برطانیہ اور بعض اسلامی ملکوں کے سفر کیے۔

مولانا ارشاد الحق اثری ماشاء اللہ مصنف، خطیب، واعظ، مبلغ، مدرس سب کچھ ہیں۔

اللہ ان کا حامی وناصر ہو، آمین۔



" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مولانا احمد مجتبیٰ سلفی

(ولادت ۳۔فروری ۱۹۴۹ء)

دورِ حاضر کے مشہور ہندوستانی علماء کی طویل فہرست میں ایک عالم دین مولانا احمد مجتبیٰ صاحب کا اسم گرامی بھی شامل ہے۔ ان کے آبا واجداد صوبہ بہار کے علاقہ چمارن کے رہنے والے تھے۔ ان میں ایک بزرگ ''جھپسی میاں'' تھے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ صوبہ بہار کی ایک راجپوت ریاست جگدیش پور کے رئیس راجا کنور سنگھ کے مصاحب تھے اور انھوں نے راجا کنور سنگھ کے ساتھ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں حصہ لیا تھا۔ راجا کنور سنگھ کے حالات جو ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے سلسلے کی کتابوں میں ہمارے مطالعہ میں آتے ہیں، نہایت عجیب وغریب ہیں۔ اس شخص نے اپنے رفقا کی معیت میں انگریزی فوج کے ساتھ بڑی بہادری سے جنگ کی اور وہ انگریزی فوجوں کو دھکیلتا ہوا، اعظم گڑھ تک لے گیا اور وہاں ان کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ پھر جب انگریزی فوجوں کی تعداد بہت بڑھ گئی تو وہ اعظم گڑھ سے چلا اور دریاے گنگا عبور کر کے دوبارہ اپنے وطن جگدیش پور کے جنگلوں میں جا بیٹھا۔ اس کا بھائی امر سنگھ بھی ریاست جگدیش پور کے بہت سے کسانوں کے ہمراہ وہاں پہنچ گیا۔

یہاں کنور سنگھ کے دریاے گنگا عبور کرنے کا واقعہ بھی سنتے جایے۔ وہ دریاے گنگا کے کنارے پہنچا تو انگریزی فوج کی طرف سے اس پر گولیوں کی بارش ہونے لگی، وہ اسی حالت میں گنگا میں کود پڑا۔ جب دریا کے درمیان میں پہنچا تو ایک گولی اس کی کلائی پر لگی۔ زخم اتنا شدید تھا کہ کلائی کاٹے بغیر بچنے کی کوئی صورت نہ تھی۔ بہادر کنور سنگھ جس کی عمر اسّی (۸۰) سال کی ہوچکی تھی، اسی حالت میں دریا عبور کر کے دوسرے کنارے پر پہنچا تو اس نے اپنی تلوار میان سے کھینچی اور زخمی کلائی والا بازو ایک ہی ضرب میں کہنی سے کاٹ کر دریاے گنگا میں پھینکتے ہوئے، اسے مخاطب ہو کر کہا:

ماتا! اپنے سپوت کی اس آخری قربانی کو شرفِ قبول عطا کر۔

ساورکر لکھتا ہے: بے شمار اور بے حد وحساب لوگ گنگا کو ماتا کہہ کر پکارتے ہیں، لیکن کنور سنگھ جیسے غیر معمولی بہادر بیٹوں کی بہ دولت ہی گنگا کو ماتا کا صحیح خطاب مل سکتا ہے۔

کنور سنگھ اسی حالت میں انگریزی فوج سے لڑتا رہا اور پھر اس نے اپنی ریاست جگدیش پور اور اس کے اردگرد سے انگریزوں کو نکال بھی دیا اور ان پر فتح حاصل کر لی۔ لیکن اس فتح کے تین روز بعد

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

۲۶۔ اپریل ۱۸۵۸ء کو اس کی موت واقع ہوگئی۔ اس کی عمر اسّی (۸۰) سال کی ہوگئی تھی۔ وہ آزادی کے لیے لڑا، اپنی ریاست کی آزادی حاصل کر کے مرا، اور آزادی کی حالت ہی میں اس کی ارتھی جلائی گئی۔

کنور سنگھ کے بعد انگریزی فوج سے اس کے بھائی امر سنگھ کا مقابلہ ہوا۔ اس نے بھی بہادری کے خوب جوہر دکھائے۔ کہا جاتا ہے کہ جب اس کو انگریزی فوج نے ہر طرف سے گھیر لیا تو وہ اس سے جنگ کرتا ہوا نیپال کی طرف چلا گیا تھا۔ اس سے آگے اس کے بارے میں تاریخ خاموش ہے۔

یہ تھا راجا کنور سنگھ جس کے مولانا احمد مجتبیٰ سلفی کے پڑدادا جھپسی میاں مصاحب تھے۔

مولانا احمد مجتبیٰ کے ایک بزرگ کا نام ''جھگڑو میاں'' تھا۔ وہ حضرت مولانا اسماعیل شہید دہلوی اور سید احمد شہید رائے بریلوی کی جماعت سے تعلق رکھتے تھے، جنھوں نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سے چھبیس سال پہلے ۶ مئی ۱۸۳۱ء کو بالاکوٹ کے میدان میں جام شہادت نوش کیا۔ وہ برصغیر کی اوّلیں جماعت تھی، جس کا مقصد اس خطۂ ارض کو غیر ملکی حکمرانوں سے آزاد کرا کے یہاں اسلامی حکومت قائم کرنا تھا۔ یہ جماعت ۱۸۲۶ء سے لے کر ۱۹۴۷ء تک قائم رہی۔ اس پر کئی دور آئے، لیکن اس نے حالات کے مطابق انگریزی حکومت سے جہاد کا سلسلہ ہر دور میں جاری رکھا تا آں کہ انگریز یہاں سے نکل گیا۔

مولانا احمد مجتبیٰ سلفی کا مختصر سلسلہ نسب یہ ہے: احمد مجتبیٰ بن نذیر عالم بن صاحب الدین بن جھپسی میاں۔ یہ خاندان چمارن سے پورنیہ چلا گیا تھا، وہیں ۳۔ فروری ۱۹۴۹ء کو مولانا احمد مجتبیٰ پیدا ہوئے۔ ۱۹۵۶ء میں ان کی والدہ پورنیہ سے موضع بہنت پور چلی گئی تھیں۔ ان کے والد نذیر عالم بھی وہیں چلے گئے تھے اور ایک مدرسے میں ملازمت اختیار کر لی تھی۔ وہیں احمد مجتبیٰ کی تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا۔ ۱۹۶۳ء میں احمد مجتبیٰ نے دارالعلوم احمد سلفیہ دربھنگہ میں داخلہ لیا۔ وہاں مولانا عین الحق سلفی، مولانا محمد رئیس ندوی، مولانا عمیس اختر سلفی، مولانا عبدالخالق سلفی، مولانا محمد اکمل اعظمی، مولانا نور عظیم ندوی اور دیگر حضرات سے تعلیم حاصل کی۔

بعد ازاں دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں داخلہ لیا۔ وہاں مولانا عبدالحفیظ بلیاوی (مصنف مصباح اللغات) مولانا عبدالماجد ندوی، مولانا سعید الرحمٰن ندوی، مولانا محمد رابع ندوی، مولانا محمد عرفان ندوی اور دوسرے اساتذہ سے استفادہ کیا۔ ندوہ میں وہ ۱۹۶۶ء سے ۱۹۷۰ء تک رہے۔

بعد ازاں مئو ناتھ بھنجن کے مدرسہ فیض عام میں داخل ہوئے اور ۱۹۷۱ء میں وہاں سے فراغت پائی۔ اس کے بعد شوال ۱۳۹۱ھ (دسمبر ۱۹۷۱ء) میں جامعہ سلفیہ بنارس میں داخلہ لیا اور وہاں دو سال تعلیم حاصل کی۔ اساتذہ مندرجہ ذیل تھے:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

①..... ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری، ②..... مولانا عبدالوحید، ③..... شیخ ہادی مدخل (عرب)، ④..... شیخ عبداللہ عبدالمحسن (عرب)، ⑤..... مولانا عبدالحمید رحمانی، ⑥..... مولانا آزاد رحمانی، ⑦..... مولانا شمس الحق سلفی، ⑧..... مولانا عبدالمعید بنارسی اور دیگر حضرات ..... جامعہ سلفیہ میں ان کے ہم سبق مندرجہ ذیل حضرات تھے:

①..... ڈاکٹر عبدالرحمٰن فریوائی، ②..... مولانا عبداللہ زبیری، ③..... مولانا ابوالقاسم فاروقی، ④..... مولانا عبداللہ طیب مکی وغیرہ۔ اگست ۱۹۷۳ء میں جامعہ سلفیہ سے فارغ التحصیل ہوئے۔

اس کے بعد ایک مدرسے میں تدریس کا سلسلہ شروع کردیا۔ اس کے ساتھ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں داخلے کی کوشش بھی جاری رکھی۔ دسمبر ۱۹۷۸ء میں مدینہ منورہ کو روانہ ہوئے اور جامعہ اسلامیہ میں داخلہ لیا۔ وہاں ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن اعظمی، ڈاکٹر سعدی الہاشمی (عراقی) شیخ ابوبکر دوشین سوڈانی، شیخ عبدالرحیم قشقری چینی، سید وکیل مصری، شیخ نائف عیس سعودی اور ڈاکٹر نجم شامی وغیرہ اساتذہ سے حصولِ علم کیا۔ چار سال میں وہاں کا نصاب مکمل ہوا۔ عبدالرؤف منادی کی کتاب ''الفتح السماوی فی تخریج احادیث تخریج تفسیر البیضاوی'' (تحقیق ودراسہ) کے موضوع پر مقالہ لکھا۔

جنوری ۱۹۸۸ء میں جامعہ سلفیہ (بنارس) میں مولانا احمد مجتبیٰ سلفی کی تقرری ہوئی۔ جنوری ۲۰۰۲ء تک (چودہ سال) جامعہ میں ان کا سلسلہ تدریس جاری رہا۔ اس کے ساتھ ترجمہ وتحقیق اور تالیف وتبلیغ کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔

جنوری ۲۰۰۲ء میں ڈاکٹر عبدالرحمٰن فریوائی کے اصرار پر دارالدعوہ دہلی چلے گئے اور وہاں ڈاکٹر فریوائی کے قائم کردہ ''حدیث انسائیکلوپیڈیا اردو'' میں خدمات سرانجام دینا شروع کیں۔ وہاں اہل علم کی ایک جماعت کے ساتھ سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ، سنن ترمذی اور سنن نسائی کی تخریج اور حواشی وغیرہ کا کام کررہے ہیں جو نہایت علمی اور ضروری کام ہے۔

مولانا احمد مجتبیٰ سلفی کی تحریری خدمات مندرجہ ذیل ہیں:

①..... مال ودولت عرب شعراء کی نظر میں: یہ ان کا ایک تحقیقی مقالہ ہے جو مجلہ النادی دارالعلوم احمدیہ سلفیہ دربھنگہ میں شائع ہوا۔

②..... جامعہ ازہر: یہ مقالہ اخبار الہدیٰ دربھنگہ کے مئی ۱۹۶۵ء کے شمارے میں چھپا۔

③..... شیخ احمد مدنی کے خواب کی حقیقت: یہ شیخ ابن باز کے مقالے کا ترجمہ ہے جو مجلہ ترجمان دہلی میں چھپا۔

④..... اسلام ایک عالم گیر مذہب ہے: یہ مقالہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں لکھا۔

⑤..... الاسلام دین عالمی: ایک عربی مقالے کا ترجمہ۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

⑥..... تدوین حدیث: علی گڑھ میں حدیث سے متعلق منعقدہ سیمینار کے مقالات پر مشتمل ایک کتاب ''علوم الحدیث مطالعہ وتعارف'' کے نام سے شائع ہوئی۔ اس میں مولانا احمد مجتبیٰ سلفی کا یہ علمی مقالہ شامل ہے۔

⑦..... ''الفتح السماوی فی تخریج احادیث البیضاوی'' لعبد الرؤف المناوی تحقیق ودراسہ۔ یہ ایم اے کا مقالہ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں لکھا۔

⑧..... ذکر من یعتمد قولہ فی الجرح والتعدیل للذہبی (تحقیق ودراسہ)

⑨..... قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین: یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ کی فارسی کتاب ہے، جس کا عربی ترجمہ ڈاکٹر عبدالعلی ازہری نے کیا۔ مولانا احمد مجتبیٰ نے اس میں درج احادیث وآثار کی تخریج کی۔

⑩..... التعلیقات السلفیہ علی سنن النسائی: سنن نسائی پر حضرت مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی نے تعلیقات تحریر فرمائی تھیں۔ پہلی دفعہ اس کی اشاعت ۱۹۵۶ء (۱۳۷۶ھ) میں مکتبہ سلفیہ (لاہور) کی طرف سے ہوئی۔ ان کی اس خدمت حدیث کو اللہ تعالیٰ نے برصغیر پاک وہند کے علمائے کرام میں بھی پذیرائی بخشی اور عالم عرب میں بھی اسے مقبولیت حاصل ہوئی۔ وہ چاہتے تھے کہ سنن نسائی کی احادیث کی تخریج کی جائے۔ چناں چہ یہ خدمت مولانا ابولاشبال نے کی۔ مولانا احمد مجتبیٰ سلفی نے بھی اس سلسلے میں بڑا کارنامہ انجام دیا۔ جامعہ سلفیہ (بنارس) کے گرامی قدر اساتذہ اور ہمارے عزیز دوست مولانا عزیر شمس کی تگ ودو اس باب میں بے حد اہمیت رکھتی ہے۔ تخریج کے بعد التعلیقات السلفیہ خوب صورت طریقے سے کئی جلدوں میں چھپی۔

⑪..... حسن الصناعہ فی صلاۃ التراویح بالجماعہ: مولانا ابوالقاسم بنارسی جلیل القدر عالم اور بہت سی کتابوں کے مصنف تھے۔ ان کی ایک کتاب ''حسن الصناعۃ فی صلاۃ التراویح بالجماعۃ'' ہے۔ جو اردو زبان میں ہے۔ اس کی دوبارہ اشاعت کا مسئلہ سامنے آیا تو مولانا احمد مجتبیٰ سلفی نے اس میں درج احادیث واقوال کی تخریج کی اور یہ کتاب جامعہ سلفیہ (بنارس) کے شعبہ تصنیف وتالیف نے شائع کی۔

⑫..... آسان طریقہ حج: مسائل حج سے متعلق مولانا احمد مجتبیٰ سلفی کی یہ کتاب جامعہ سلفیہ (بنارس) نے شائع کی۔

⑬..... بدعت اور اس کے اسباب: یہ مولانا فضل اللہ انصاری کی تصنیف ہے جس کی اشاعت جامعہ سلفیہ کی طرف سے ہوئی۔ مولانا احمد مجتبیٰ سلفی نے تمام مروّجہ بدعات کی فہرست کتاب کے آخر میں لگا دی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

علاوہ ازیں درج ذیل کتابیں مولانا ممدوح کے مراجعہ اور تصحیح وتقدیم سے چھپیں۔

پاکستان کے ڈاکٹر شفیق الرحمٰن کی (۱) تجدید ایمان، انہی کی ایک کتاب (۲) غیر اللہ کی پکار۔ قاری حبیب احمد کی تصنیف (۳) پردہ عوررت کا زیور اور انہی کی ایک اور تالیف (۴) قرآن کے حقوق۔ پروفیسر عبداللہ بہاول پوری کی تصنیف (۵) چار رسائل۔ مولانا محمد انور (کویت) کی تصنیف (۶) اولاد کی اسلامی تربیت۔ (۷) تعدد ازدواج۔ یہ شیخ صالح حسین کی عربی کتاب کا اردو ترجمہ ہے جو ڈاکٹر عبدالرحمٰن فریوائی نے کیا۔ مولانا احمد مجتبیٰ سلفی نے اس کی تخریج وتحقیق وغیرہ کا فریضہ سرانجام دیا۔ (۸) فتنوں سے نجات کا راستہ۔ یہ شیخ ابن باز اور شیخ صالح آل شیخ کی عربی تصنیف ہے جس کا اردو ترجمہ ڈاکٹر عبدالرحمٰن فریوائی نے کیا۔ اس کی مراجعت وتصحیح مولانا احمد مجتبیٰ نے کی۔ (۹) باطل افکار ونظریات کی تردید میں علم کا مقام۔ یہ شیخ ابن باز کی تصنیف ہے۔ اس کا ترجمہ بھی ڈاکٹر عبدالرحمٰن فریوائی نے کیا۔ مولانا احمد مجتبیٰ نے اس کی تخریج وغیرہ کی۔ (۱۰) معجم اصطلاحاتِ حدیث۔ یہ ڈاکٹر محمد ضیاء الرحمٰن اعظمی کی تصنیف ہے۔ اس کا ترجمہ مولانا عبدالغفار حسن کے صاحب زادے ڈاکٹر سہیل حسن نے کیا۔ مولانا احمد مجتبیٰ سلفی نے اس پر بھی کام کیا۔ اس طرح انھوں نے اور بھی متعدد علمی کام کیے۔

انھوں نے اپنے ملک ہندوستان کے کئی سیمیناروں میں شرکت کی اور ان میں خالص علمی مقالے پڑھے۔ وہ تحقیق وعلم کے دلدادہ ہیں اور ان کا وقت اسی کام میں گزرتا ہے۔ ان کا مطالعہ وسیع ہے اور وسعت مطالعہ سے کام لینے کا طریقہ انھیں خوب آتا ہے۔

انھوں نے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ جانے سے پہلے ۱۹۷۵ء سے ۱۹۷۸ء تک تین سال مدرسہ سلفیہ، منظر العلوم (مغربی چمارن بہار) میں تدریس کی۔ پھر جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے آنے کے بعد جنوری ۱۹۸۸ء سے جنوری ۲۰۰۲ء تک چودہ سال جامعہ سلفیہ (بنارس) میں فریضہ تدریس انجام دیتے رہے۔ اس طرح وہ سترہ سال درس وتدریس میں مشغول رہے۔ وہ تجربہ کار مدرس ہیں اور مروّجہ دینی کتابوں پر انھیں عبور حاصل ہے۔ تفسیر، حدیث، فقہ، ادبیات، معانی وبیان ہر موضوع کی کتابیں انھوں نے پڑھائیں۔ سترہ سال کے عرصے میں ان سے بے شمار علما وطلبا نے استفادہ کیا۔ ان کے چند مشہور تلامذہ کے نام درج ذیل ہیں:

① .....مولانا ارشد فہیم الدین (نائب رئیس جامعہ ابن تیمیہ)

② .....مولانا اصغر علی امام مہدی (ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند ومدیر پندرہ روزہ ترجمان، دہلی)

③ .....مولانا عبدالعلیم سلفی (داعیہ جالیات نجران، سعودی عرب)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

④.....مولانا محمد ایوب سلفی (استاذ جامعہ ابن تیمیہ)

⑤.....مولانا عبدالرحمٰن مدنی (استاذ جامعہ ابن تیمیہ)

⑥.....مولانا رحمت اللہ سلفی (استاذ جامعہ ابن تیمیہ)

⑦.....مولانا شکیل احمد اثری (استاذ جامعہ ابن تیمیہ)

⑧.....مولانا ریاض احمد سلفی (ریسرچ سکالر دار الدعوہ، دہلی)

⑨.....مولانا محمد اسلم سلفی (پرنسپل مدرسہ امام بخاری پورنیہ)

مولانا احمد مجتبیٰ سلفی کچھ عرصہ جامعہ ملیہ دہلی میں عربی کی تدریس کے لیے وقت دیتے رہے۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں بھی ان کا سلسلہ درس جاری رہا۔

مولانا احمد مجتبیٰ کی نرینہ اولاد چار بیٹے ہیں: عبدالاحد، محمد مدنی، عبداللہ اور عبدالواحد۔ سب تعلیم یافتہ ہیں۔ ان کی بیٹیاں بھی پڑھی لکھی ہیں۔

مولانا احمد مجتبیٰ سلفی بہت سی خوبیوں کے مالک ہیں۔ وہ مدرس بھی ہیں، مقالہ نگار بھی ہیں، مقرر اور خطیب بھی ہیں، محقق بھی ہیں اور مترجم بھی ہیں۔ مہمان نواز بھی ہیں اور لوگوں کے ہم درد اور بہی خواہ بھی ہیں۔

(میں نے یہ سطور مولانا ممدوح کے صاحب زادۂ گرامی محمد مدنی کے مقالے کی مدد سے لکھی ہیں جو انھوں نے مولانا عبدالکبیر مبارک پوری کی نگرانی میں برائے سند عالمیت ''احمد مجتبیٰ مدنی۔ حیات وخدمات'' کے عنوان سے لکھا اور جامعہ سلفیہ بنارس میں جمع کرایا۔ اس مقالے کی ایک کاپی از راہ کرم انھوں نے مجھے بھی ارسال فرمائی۔ اس پر میں ان کا شکر گزار ہوں۔)



" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

حافظ محمد ادریس سلفی

(ولادت ۱۳۔ اکتوبر ۱۹۵۰ء)

حافظ محمد ادریس سلفی ۱۳۔ اکتوبر ۱۹۵۰ء کو کراچی میں پیدا ہوئے۔ وہ مولانا مفتی عبدالقہار کے بیٹے، مولانا حافظ عبدالستار دہلوی کے بھتیجے اور مولانا عبدالوہاب دہلوی کے پوتے ہیں۔ ناظرہ قرآنِ مجید قاری محمد ابراہیم سورتی اور قاری محمد شفیع سے محمدی مسجد میں پڑھا اور حفظ قرآن کی تکمیل قاری محمد شفیع اور قاری محمد سلطان احمد سے کی۔ سکول اور کالج کی تعلیم ایف اے تک حاصل کی۔

مدرسہ عربیہ اسلامیہ دارالسلام سے دینی تعلیم کا آغاز کیا۔ پھر جامعہ بنوریہ بنوری ٹاؤن کراچی میں داخلہ لیا۔ وہاں کچھ عرصہ تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۶۷ء میں دوبارہ مدرسہ عربیہ اسلامیہ میں آ گئے اور ۱۹۷۲ء میں یہیں سے سند فراغت لی۔

مدرسہ عربیہ اسلامیہ میں مندرجہ ذیل اساتذہ سے شرفِ شاگردی حاصل کیا۔

- ..... قاری عبدالحکیم کرم الجلیلی سے سنن ابی داؤد اور صحیح بخاری کا درس لیا۔
- ..... شیخ الحدیث مولانا محمد یونس دہلوی سے ابن ماجہ اور صحیح مسلم پڑھیں۔
- ..... مولانا مفتی عبدالقہار سلفی سے عربی کا معلم حصہ اول اور سنن ترمذی پڑھیں۔
- ..... مولانا محمد سلیمان جونا گڑھی سے عربی کا معلم حصہ ثانی اور مشکوٰۃ کا کچھ حصہ پڑھا۔
- ..... مولانا عبدالرحمٰن سلفی سے ترجمہ قرآنِ مجید، بلوغ المرام، مشکوٰۃ، عربی کی پہلی کتاب اور بعض اور کتابیں پڑھیں۔
- ..... مولانا عبداللہ لائل پوری (جھال خانوآنہ) کے پاس کچھ عرصہ ادارہ علوم اثریہ (فیصل آباد) میں رہے۔ ان سے قرآنِ مجید کے آخری سات پارے، الروضۃ الندیہ وغیرہ بعض کتابیں پڑھنے کا موقع ملا۔ ان حضرات کے علاوہ مولانا حافظ عبدالستار دہلوی، مولانا عبدالجلیل خاں جھنگوی اور مولانا عبدالغفار دہلوی مرحوم سے استفادہ کیا۔ مولانا عبدالعزیز طور (ساکن جھوک دادو) شیخ محمد سلفی، مولانا محمد عثمان پٹھان اور مولانا فضل حق سے بھی اخذ فیض کیا۔

جامعہ بنوریہ کراچی میں مولانا عبدالقیوم چترالی، مولانا محمد احمد قمر، مولانا محمد حامد، مولانا محمد، مولانا عبدالجلیل کیمبل پوری اور بعض دیگر اساتذہ کے حضور زانوئے شاگردی تہہ کیے۔ اس طرح

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

متعدد حضرات سے مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھیں۔

۱۹۷۲ء میں مدینہ یونیورسٹی میں داخلہ لیا اور یونیورسٹی کے کلیۃ الدعوہ واصول الدین میں زیر تعلیم رہے۔ وہاں جن اساتذہ سے مستفید ہونے کی سعادت حاصل کی، ان میں شیخ عبدالعزیز بن باز، شیخ عبدالمحسن العباد، شیخ ابوبکر الجزائری، شیخ شیبۃ الحمد، مولانا عبدالغفار حسن، علامہ ناصر الدین البانی، شیخ عمر فلاتہ، شیخ عطیہ سالم، شیخ محمد امین شنقیطی، شیخ سیف الرحمٰن احمد، شیخ محمد المجذوب شامی، شیخ عباس مصری شامل ہیں۔

مدینہ منورہ میں تعلیم کے آخری سال حافظ محمد ادریس سلفی نے جو مقالہ لکھا، اس کا عنوان تھا ''مسند الامام احمد وخصائصہ''۔ شیخ حماد محمد انصاری اور شیخ عبدالکریم مراد نے اس کا امتحان لیا تو وہ حافظ صاحب ممدوح کی عربی زبان اور طرز تحریر سے بے حد متاثر ہوئے اور چالیس نمبر کے مقالے کے انھیں ۳۵ نمبر ملے۔

جامعہ اسلامیہ کے دورانِ تعلیم میں انھوں نے الاشتراکیہ والشیوعیہ کے موضوع پر ایک طویل مقالہ لکھا۔ اسی طرح اصدقاء المکتبہ کے رکن کی حیثیت سے عربی میں تفسیر قرطبی کا تعارف کرایا اور اس پر تبصرہ لکھا۔ اس پر انھیں انعام ملا۔ حفظ قرآن کے انعامی مقابلے میں حصہ لیا اور ایک ہزار ریال انعام پایا۔

حافظ محمد ادریس سلفی مدینہ یونیورسٹی سے فارغ ہوئے تو سعودی حکومت کے دارالافتاء والبحوث والدعوۃ والارشاد کی طرف سے ان کا تقرر نائیجیریا کردیا گیا اور وہ یکم رمضان ۱۳۹۸ھ (۸۔ فروری ۱۹۷۸ء) کو مبلغ ومدرس کے طور پر نائیجیریا چلے گئے۔ بارہ سال وہاں تبلیغ وتدریس میں مصروف رہے۔ پھر اکتوبر ۱۹۸۹ء میں کراچی آگئے اور انھیں جامعہ ستاریہ میں استاذِ حدیث مقرر کردیا گیا۔ نائیجیریا میں ان سے چھ سو کے قریب طلبا نے قرآن وحدیث کی تعلیم حاصل کی اور جامعہ ستاریہ میں بھی بہت سے طلبا نے ان سے استفادہ کیا۔

اب ان کے سلسلۂ تحریر کی طرف آیئے۔

۱۹۶۸ء میں غالباً انھوں نے قلم پکڑا اور تحریر وکتابت سے رابطہ قائم کیا۔ چند اردو مضمون لکھے جو کراچی کے مجلّہ ''صحیفہ اہل حدیث'' میں چھپے۔ بعض عربی مضامین کا اردو میں ترجمہ کیا: مثلاً علامہ ناصر الدین البانی کی کتاب حجۃ النبی ﷺ کا اردو ترجمہ، ان کی ایک کتاب ''التوسل'' کا اردو ترجمہ۔ شیخ خیر الدین وانلی کی کتاب ''المسجد فی الاسلام'' کا اردو ترجمہ۔ یہ تراجم بھی ''صحیفہ اہل حدیث'' میں قسط وار شائع ہوئے۔

۱۹۸۲ء میں حافظ محمد ادریس سلفی نے کتاب ''ترغیب وترہیب'' کا اردو ترجمہ کتاب الحج سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

شروع کیا۔ تین سال میں ترجمہ مکمل ہوا تو ان کے والد مفتی عبدالقہار نے اسے اپنے مکتبہ اشاعۃ الکتاب والسنہ کی طرف سے چھ جلدوں میں شائع کیا۔

اس کے بعد صحیح ابن خزیمہ کا عربی متن کے ساتھ اردو ترجمہ چار ضخیم جلدوں میں طبع ہوا۔ اس کتاب کی آخری جلد کا ترجمہ ان کے چھوٹے بھائی حافظ محمد الیاس مرحوم نے کیا۔

اکتوبر ۱۹۸۵ء میں مولانا عبدالرحمٰن سلفی اور ان کے چھوٹے بھائی مولانا عبدالجبار سلفی کے کہنے پر امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی کتاب ''حجاب المرأۃ المسلمۃ وصلوٰتہا فیہ'' کا اردو ترجمہ کیا۔ بعد ازاں شیخ محمد بن عبدالوہاب کے رسالہ ''الرافضہ'' کو عربی سے اردو میں منتقل کیا۔

السید سابق کی کتاب ''فقہ السنہ'' کے بھی وہ کافی حصے کا ترجمہ کر چکے ہیں۔

ان تراجم کے علاوہ فتویٰ نویسی کی ذمہ داری بھی ان سپرد ہے۔ یہ بہت ہی تحقیقی کام ہے اور انتہائی نازک ذمہ داری۔ اس میں ذرہ سی لغزش ہوجائے تو معاملہ کہیں سے کہیں پہنچ جاتا ہے۔ ایک ایک مسئلے کے لیے کئی کئی کتابوں کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ ان کے فتاویٰ کا مجموعہ ''ضمیمہ جدیدہ فتاویٰ ستاریہ'' کے نام سے تین جلدوں میں طباعت کی منزل سے گزر چکا ہے۔

حافظ محمد ادریس کی تحریر کی زبان صاف اور سلیس ہے۔ ہر بات وضاحت سے لکھی گئی ہے۔

تصنیف وتالیف کے ساتھ ساتھ حافظ محمد ادریس ایک مسجد میں خطبہ جمعہ بھی ارشاد فرماتے ہیں۔ خطابت بھی بڑی ذمہ داری کا کام ہے۔

حافظ صاحب کے صاحب زادوں میں سے ایک صاحب زادے حافظ محمد باسم سلفی جامعہ ستاریہ کے فارغ التحصیل ہیں اور جامعہ ہی میں پڑھا رہے ہیں۔ ایک اور صاحب زادے حافظ جاسم سلفی ہیں، وہ جامعہ ستاریہ کے سند یافتہ ہیں اور نائب مفتی کے منصب پر فائز ہیں۔ ایک صاحب زادے طالب علمی کی منزل میں ہیں۔



" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ڈاکٹر عبد الرحمٰن عبدالجبار فریوائی

(ولادت ۱۹۵۱ء)

۱۹۹۶ء کے نومبر کی بات ہے کہ ایک روز مجھے سعودی عرب کے دارالحکومت ریاض سے ٹیلی فون آیا۔

''میں عبد الرحمٰن فریوائی بول رہا ہوں۔ مدینہ منورہ جانے کے لیے اس وقت ریاض کے ہوائی اڈے پر بیٹھا ہوں۔ تھوڑی دیر پہلے آپ کی تازہ تصنیف ''نقوش عظمت رفتہ'' ملی جو پاکستان کے ایک دوست نے بھیجی ہے۔ کتاب نہایت دلچسپ ہے۔ میں اس کا مطالعہ کررہا ہوں اور آپ کو دعائیں دے رہا ہوں۔''

ان کے لہجے میں اپنایت، احترام اور بے تکلفی تینوں اجزا مناسب مقدار میں موجود تھے۔ اس سے کچھ عرصہ بعد انھوں نے پھر ٹیلی فون کیا، اس میں بھی اسی طرزِ کلام اور اسی اسلوبِ تخاطب کا غلبہ تھا۔

اس سے کئی سال بعد اگست ۲۰۰۷ء میں ریاض سے جناب حافظ احمد شاکر کے صاحب زادے حماد شاکر نے ٹیلی فون پر اطلاع دی کہ ڈاکٹر عبدالرحمٰن فریوائی ہر سال ۱۴۔ اگست کو اپنے والد محترم کے نام سے عبدالجبار ایوارڈ کسی اہل علم کو دیتے ہیں۔ اور ایوارڈ دینے کی تقریب الٰہ آباد میں ہوتی ہے۔ اس سال یہ ایوارڈ آپ کو دینے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ لیکن ایوارڈ وصول کرنے کے لیے آپ کو ہندوستان جانا پڑے گا۔ تیسرے دن خود ڈاکٹر صاحب کا فون آ گیا۔ ان کے دہلی آفس سے باقاعدہ دعوت بھی آ گئی۔ جن حضرات کو اس ایوارڈ کی تقریب کے مہمان خصوصی بنایا گیا تھا، ان میں تین پاکستانی تھے۔ وہ تھے حافظ احمد شاکر، ان کے صاحب زادے حماد شاکر اور فیصل آباد کے علی ارشد۔ افسوس ہے میرے دوست علی ارشد ۱۷۔ فروری ۲۰۰۹ء کو اچانک وفات پا گئے۔

۱۴۔ اگست کو ہمیں ہندوستان کا ویزا نہیں ملا۔ میں نے عزیزی حماد شاکر اور ڈاکٹر عبدالرحمٰن فریوائی کو فون پر کہہ دیا تھا کہ ۱۴۔ اگست کو کسی پاکستانی کو ہندوستان کا ویزا نہیں ملے گا۔ کیوں کہ وہ ملک کی تقسیم کی تاریخ ہے اور اس تاریخ کو پاکستانی باشندے کے لیے ہندوستان کے ویزے کا حصول بہت مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ ہمیں ویزا اگرچہ نہیں ملا، لیکن ہندوستان کے شہر الٰہ آباد میں مقررہ تاریخ کو حسب معمول یہ تقریب منعقد ہوئی اور میرا ایوارڈ ہندوستان کی جمعیت اہل حدیث

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کے ناظم اعلیٰ اور دہلی کے اخبار ''ترجمان'' کے ایڈیٹر مولانا اصغر علی امام مہدی نے وصول کیا۔ میں پہلا پاکستانی تھا جسے ہندوستان کے اصحابِ علم نے اس اعزاز کا مستحق قرار دیا۔ اس پر میں ڈاکٹر عبدالرحمٰن فریوائی اور اس کمیٹی کے معزز ارکان کا شکر گزار ہوں، جنھوں نے میری اس قدر عزت افزائی کی۔

اس واقعہ سے دس مہینے بعد ۲۴۔ جون ۲۰۰۸ء کو میں عمرے کے لیے گیا۔ ۲۸۔ جون کی صبح کو بیت اللہ شریف سے اپنی قیام گاہ پر آیا تو کچھ پڑھنے لکھنے میں مصروف ہوگیا۔ اتنے میں کمرے کا دروازہ کھلا اور آواز آئی .....: السلام علیکم!

میں نے گردن موڑ کر دیکھا تو ایک صاحب احرام باندھے میرے سامنے کھڑے تھے۔ میانہ قد، گندم گوں، آنکھوں پر نظر کی عینک، داڑھی میں سفید بالوں کی کثرت، کتابی چہرہ۔ لبوں پر مسکراہٹ۔ مصافحے کے لیے میری طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا: ''عبدالرحمٰن فریوائی'' .....! میں نے فرطِ مسرت سے بغل گیر ہوتے ہوئے کہا: ''آپ کہاں.....؟''

بولے: مجھے بعض دوستوں کے ذریعے آپ کی مکہ مکرمہ میں آمد کا پتا چلا تو ریاض سے مکہ مکرمہ میں جناب عزیر شمس صاحب سے رابطہ قائم کیا اور ان سے آپ کے ہوٹل اور کمرے کا پتا کرکے یہاں پہنچ گیا۔

پھر ہم دونوں مکہ مکرمہ کے متعدد حضرات سے ملے۔ اکٹھے شام کو جدہ آئے اور جدہ سے مدینہ منورہ کو روانہ ہوئے۔ وہاں مسجد نبوی میں نمازیں پڑھیں۔ قبرستان جنت البقیع گئے، مسجد قبا میں حاضری دی اور بہت سے دوستوں سے ملاقات کی۔ ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن اعظمی کی خدمت میں گئے اور رات وہیں بسر کی۔ وہیں ریاض سے کتابوں کی نشر واشاعت کے بین الاقوامی ادارے دارالسلام کے مالک ومدیر مولانا عبدالمالک مجاہد تشریف لے آئے۔ ان کا ہیڈ آفس ریاض ہے اور کاروبار کئی یورپی، امریکی، اسلامی اور ایشیائی ملکوں میں پھیلا ہوا ہے۔ پاکستان میں ان کا بہت بڑا مرکز ہے جو لاہور میں سیکرٹریٹ کے قریب ہے۔ ان سے دیر تک سلسلۂ گفتگو جاری رہا۔ دوسرے دن ڈاکٹر عبدالرحمٰن فریوائی اور مولانا عبدالمالک مجاہد تو ریاض چلے گئے اور میں مکہ مکرمہ آ گیا۔ وہاں سے میرے دوست مختار احمد عثمانی صاحب (جو جدہ میں مقیم ہیں) اپنی گاڑی سے مجھے جدہ لے گئے۔ رات کے کھانے کا انتظام جدہ کے ایک مخلص تریں دوست خالد چودھری صاحب نے کیا تھا۔ وہاں انھوں نے چند اور دوستوں کو بھی بلایا تھا۔ خالد چودھری کے مکان پر یہ محفل نصف شب تک جاری رہی۔ رات مختار احمد عثمانی کے ہاں بسر کی اور میں دوسرے دن کویت چلا گیا۔ چوتھے پانچویں دن وہاں بھی ڈاکٹر عبدالرحمٰن فریوائی تشریف لے گئے اور ان سے ملاقات ہوئی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اب آیے ڈاکٹر عبدالرحمٰن فریوائی کے حالات اور ان کی علمی و تصنیفی خدمات کی طرف .....!

ڈاکٹر صاحب ۱۹۵۱ء میں موضع پرابا نارائن (ضلع الٰہ آباد۔ صوبہ یوپی ہندوستان) میں پیدا ہوئے، جسے انھوں نے معرب کرکے فریوابنا دیا ہے۔ ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں کے مدرسہ مدینۃ العلوم کے اساتذہ سے حاصل کی۔

۱۹۶۵ء میں جب وہ چودہ سال کی عمر کو پہنچے تو مدرسہ سعیدیہ (بنارس) میں داخل کرا دیے گئے۔ یہ مدرسہ مولانا محمد سعید بنارسی نے جاری کیا تھا، جن کا تذکرہ گزشتہ صفحات میں حضرت میاں سید نذیر حسین دہلوی کے تلامذہ کی عالی قدر جماعت میں ہو چکا ہے۔ اس مدرسے میں انھوں نے ایک سال تعلیم حاصل کی۔

۱۹۶۶ء میں جامعہ رحمانیہ میں داخلہ لیا۔ وہاں تقریباً تین سال تحصیل علم کی۔

۱۹۶۸ء میں جامعہ سلفیہ (بنارس) میں داخل ہوگئے۔ جامعہ سلفیہ میں دو سندیں حاصل کیں۔ سند عالمیت اور سند فضیلت۔

بعد ازاں جامعہ اسلامیہ مدینہ کا عزم کیا۔ وہاں کلیۃ الشریعۃ (شریعت کالج) سے بی اے کی سند لی اور جامعہ اسلامیہ سے ایم اے کی سند سے بہرہ ور ہوئے۔ وہیں ڈاکٹریٹ کیا۔ ڈاکٹر عبدالرحمٰن فریوائی نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں بھی داخلہ لیا اور وہاں کے اساتذہ سے استفادہ کیا۔ ان کے ڈاکٹریٹ کے مقالے کا موضوع تھا: "شیخ الاسلام ابن تیمیہ وافاداته فی علوم الحدیث" .....!

حدیث اور علوم حدیث سے ڈاکٹر عبدالرحمٰن فریوائی کو خاص طور سے دلچسپی ہے اور یہی موضوع انھوں نے ڈاکٹریٹ کے لیے منتخب کیا۔ یہ نہایت اہم موضوع ہے اور اس موضوع پر انھوں نے بہت کام کیا۔

تکمیل تعلیم کے بعد انھیں امام محمد بن سعود اسلامی یونیورسٹی ریاض میں حدیث اور علومِ حدیث کے پروفیسر مقرر کیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی انھوں نے تحریری سلسلہ بھی شروع کر دیا۔

ڈاکٹر فریوائی ماشاء اللہ بے حد متحرک اور فعال اہل علم ہیں اور ہر علمی کام شوق اور خوشی کے ساتھ سرانجام دینے کی کوشش کرتے ہیں۔

ان کی قلمی کاوشیں تین قسم کی ہیں اور وہ ہیں:

① .....تصنیف

② .....تحقیق اور تخریج و تعلیق

③ .....تراجم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ان تینوں اقسام کی کاوشوں کا تعلق حدیث اور علوم حدیث سے ہے۔

ان کی تصانیف مندرجہ ذیل ہیں:

⊙..... جہود مخلصۃ فی خدمۃ السنۃ المطہرۃ: یہ ان کی عربی کتاب ہے اور اس میں برصغیر کے ان حضرات کا تذکرہ کیا گیا ہے، جنھوں نے اردو، عربی، فارسی یا کسی اور زبان میں حدیث مطہرہ کے بارے میں لکھا۔ اپنے موضوع کی یہ بڑی اہم کتاب ہے جو کئی دفعہ شائع ہو چکی ہے۔

⊙..... جہود اہل الحدیث فی خدمۃ القرآن الکریم: اس کتاب میں ان اہل حدیث حضرات کا تذکرہ کیا گیا ہے، جنھوں نے قرآنِ مجید کے سلسلے میں تحریری خدمات سرانجام دیں۔ یہ کتاب بھی عربی زبان میں ہے اور اس کا شمار کتب حوالہ میں ہوتا ہے۔

مندرجہ ذیل کتابوں کا تعلق تخریج وتحقیق اور تعلیقات سے ہے۔

⊙..... الباعث الحثیث فی فضل علم الحدیث واہلہ الدحیث: یہ مولانا عبدالجلیل سامرودی (متوفی ۱۹۷۳ء) کی تصنیف ہے، جس پر ڈاکٹر عبدالرحمٰن فریوائی نے تحقیق وتعلیق کی۔ یہ بے حد محنت طلب خدمت ہے جو انھوں نے سرانجام دی۔ کتاب عربی میں ہے۔

⊙..... کتاب الاباطیل والمناکیر والصحاح والمشاہیر للجورقانی: یہ کتاب دو جلدوں میں ہے، جو ڈاکٹر فریوائی کی تحقیق کے بعد شائع ہوئی۔

⊙..... کتاب الزہد للامام وکیع بن الجراح (تین مجلدات): ڈاکٹر صاحب نے اس پر عمل تحقیق کیا۔ کتاب ایک سے زیادہ مرتبہ چھپی۔

⊙..... کتاب الزہد لہناد بن السری (دو جلدیں)۔ مطبوع

⊙..... زہد الثمانیۃ من التابعین روایۃ ابن ابی حاتم الرازی۔ مطبوع

⊙..... تلخیص الاباطیل للذہبی ۱۴۰۶ھ میں طبع ہوئی۔

⊙..... کشف الصلصلہ عن وصف الزلزلہ از امام سیوطی۔ طبع ۱۴۰۶ھ

⊙..... تعظیم قدرۃ الصلوٰۃ لمحمد بن نصر المروزی: دو جلدیں۔ مطبوع

⊙..... رسالہ فی الجرح والتعدیل للمنذری۔ مطبوع

⊙..... شروط الائمۃ لابن مندہ۔ مطبوع

⊙..... شروط الائمۃ از مقدسی

⊙..... شروط الائمۃ از حازمی

⊙..... نظرۃ علی تفسیر نظام القرآن قدیما وحدیثا

⊙..... السیرۃ العلمیۃ لشیخ الاسلام ابن تیمیہ: نومبر ۱۹۸۷ء میں جامعہ سلفیہ (بنارس) میں ایک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

انٹرنیشنل سیمینار بعنوان: ''حیات شیخ الاسلام ابن تیمیہ واعمالہ الخالدہ'' ہوا۔ اس کی رپورٹ ڈاکٹر عبدالرحمٰن فریوائی نے ''اضواء علی الندوۃ العالمیہ'' کے عنوان سے لکھی۔ نیز سیمینار کے تمام مقالوں کا بزبانِ عربی ترجمہ کیا جو چھپ چکا ہے۔

اس طرح متعدد کتابیں ہیں جن پر ڈاکٹر صاحب نے یا تو تعلیقات لکھیں یا ان کی تخریج کی یا ان پر کوئی تحقیقی کام کیا۔ ان کتابوں میں سے بعض جامعہ سلفیہ بنارس (ہندوستان) کی طرف سے شائع ہوئیں، بعض سعودی عرب میں چھپیں اور بعض کی اشاعت کویت میں ہوئی۔ یہ ان کی بہت بڑی تحقیقی خدمت ہے جو نہایت محنت سے سرانجام دے رہے ہیں۔

ڈاکٹر عبدالرحمٰن فریوائی نے حدیث اور حدیث سے متعلق بعض اہم عربی کتابوں کا اردو ترجمہ کیا، جن میں مندرجہ ذیل کتابیں شامل ہیں۔

⊙..... ایک مجلس کی تین طلاقیں علمائے سلف کی نظر میں: یہ ڈاکٹر سلیمان بن عبداللہ العمیر کی کتاب کا اردو ترجمہ ہے جو ڈاکٹر عبدالرحمٰن فریوائی نے کیا اور اپنے قائم کردہ اشاعتی ادارے ''فریوائی اکادمی، شاہین باغ، نئی دہلی'' کی طرف سے کتابی صورت میں شائع کیا۔

⊙..... سعودی عرب کی دعوتی وتعلیمی سرگرمیاں اور ان کے اثرات ونتائج: یہ ایک عربی کتاب کا رواں دواں اردو ترجمہ ہے جو امام محمد بن سعود یونیورسٹی (ریاض، سعودی عرب) کے استاذ فقہ ڈاکٹر صالح بن غانم السدلان نے لکھی۔ اس کتاب کو سعودی عرب کی تاریخ کا ایک بہت بڑا حصہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ موجودہ سعودی حکومت نے برسر اقتدار آنے کے بعد جو کارنامے سرانجام دیے، اس کی تفصیل اس کتاب میں بیان کردی گئی ہے۔ فاضل مصنف ڈاکٹر صالح بن غانم نے تمام معلومات نہایت محنت سے جمع کی ہیں اور خوب صورت انداز میں انھیں ترتیب دیا ہے۔ ڈاکٹر عبدالرحمٰن فریوائی نے اس کا اردو ترجمہ بھی بہترین انداز میں کیا ہے۔ کتاب فریوائی اکادمی دہلی نے شائع کی ہے۔ کتاب کے مطالعہ سے موجودہ سعودی حکومت کی وہ تمام سرگرمیاں واضح ہوجاتی ہیں جو اس نے دعوتی اور تعلیمی سلسلے میں انجام دیں اور دے رہی ہے۔ نیز قاری کو ان کے نتائج واثرات کا علم بھی ہوجاتا ہے۔

⊙..... ایک نہایت اہم خدمت جو ڈاکٹر فریوائی نے انجام دی وہ سنن ابی داؤد کا اردو ترجمہ اور تخریج وتحشیہ ہے۔ پہلے حدیث کا عربی متن ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس کی تخریج ہے اور پھر اردو ترجمہ ہے۔ جہاں تحشیہ کی ضرورت ہے، وہاں مختصر مگر جامع الفاظ میں تحشیہ بھی دیا گیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب صوبہ یوپی سے تعلق رکھتے ہیں اور اہل زبان ہیں، اس لیے اردو ترجمہ سلیس اور شگفتہ ہے۔ سنن ابی داؤد کا مکمل اردو ترجمہ مع عربی متن کے ہمارے سامنے ہے جو تین ضخیم جلدوں میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

پھیلا ہوا ہے۔ ابوداؤد کی کل احادیث ۵۲۷۴ ہیں۔

کتاب ''دارالکتب السلفیہ دہلی'' کی طرف سے شائع ہوئی ہے اور یہ کام ایک مجلس علمی کی نگرانی میں ہوا ہے۔ یہ ترجمہ مکتبہ سلفیہ، شیش محل روڈ لاہور کی طرف سے بھی شائع ہو چکا ہے۔

پہلی جلد کے آغاز میں فاضل مترجم ڈاکٹر عبدالرحمٰن عبدالجبار فریوائی کا ایک جان دار تحقیقی مقدمہ ہے جو بڑے سائز کے گیارہ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے بعد دارالکتب السلفیہ کی مجلس علمی کے معزز رکن جناب مولانا رفیق احمد سلفی کے چند ارشادات ہیں جو ''قارئین کرام کی خدمت میں'' کے عنوان سے تحریر کیے گئے ہیں۔

پھر ''سنت شریفہ اور علوم سلف کی خدمت کا ایک مفید منصوبہ'' کے عنوان سے ہندوستان کے مشہور عالم ومصنف جناب ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری مرحوم (سابق) وکیل جامعہ سلفیہ بنارس کا تیرہ صفحات پر محیط خالص علمی نوعیت کا مقالہ ہے۔ ❶

پھر اس کتاب اور اس خدمت حدیث کے سلسلے میں عربی اور اردو میں علماے حدیث کی آراء درج کی گئی ہیں۔

صفحہ ۷۸ سے لے کر صفحہ ۱۰۲ تک امام ابوداؤد کے حالات اور سنن ابی داؤد کے بارے میں ضروری امور بیان کیے گئے ہیں۔ یہ پچیس صفحات کا طویل مقالہ ہے جو فاضل مترجم ڈاکٹر عبدالرحمٰن فریوائی کا تحریر فرمودہ ہے۔ اس کے بعد صفحہ ۱۰۳ سے لے کر ۱۱۳ تک گیارہ صفحات پر محیط ایک اور مقالہ ہے جو مولانا احمد مجتبیٰ سلفی کے رشحاتِ قلم کا نتیجہ ہے۔ اس کا عنوان ہے ''اصطلاحاتِ حدیث''۔ اس میں حدیث کی اقسام واصطلاحات کا خاصی تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔

اس طرح ۱۱۴ صفحات میں ان تمام ضروری امور کی وضاحت کی گئی ہے۔ پھر صفحہ ایک سے کتاب یعنی سنن ابی داؤد کے عربی متن، اردو ترجمے اور تخریج وغیرہ کا آغاز ہوتا ہے، جس کی پہلی جلد فہرست عناوین سمیت ۷۷۳ صفحات میں پھیلی ہوئی ہے۔ دوسری جلد ۹۰۰ صفحات اور تیسری جلد ۹۳۴ صفحات کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

ڈھائی ہزار سے زائد صفحات کی یہ کتاب بہت بڑی علمی سوغات ہے جو ڈاکٹر عبدالرحمٰن فریوائی نے دارالکتب السلفیہ دہلی اور مکتبہ سلفیہ لاہور کی وساطت سے برصغیر کے شائقین حدیث رسول (ﷺ) کی خدمت میں پیش کی ہے۔

مجلس علمی دارالدعوۃ (دہلی) چھ لائق احترام ارکان پر مشتمل ہے اور وہ ہیں:

---

❶ افسوس ہے ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری ۳۰۔ اکتوبر ۲۰۰۹ء کو وفات پا گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

①.....مولانا احمد مجتبیٰ سلفی، ②.....مولانا رفیق احمد سلفی، ③.....مولانا محمد ایوب عمری
④.....مولانا محمد خالد عمری، ⑤.....مولانا محمد مستقیم سلفی اور ⑥.....مولانا بشیر الدین قیمی۔ یہ سب حضرات قرآن وحدیث اور دیگر علوم اسلامی میں عبور رکھتے ہیں۔ تحریر وتدریس ان کا شب وروز کا مشغلہ ہے۔ برصغیر بالخصوص ہندوستان کے لوگ ان کی تحقیقی کاوشوں کا دلچسپی سے مطالعہ کرتے ہیں۔

ڈاکٹر فریوائی کا منصوبہ اسی انداز سے حدیث شریف کی آٹھ کتابوں کی نشر واشاعت ہے۔ اس کا نام انھوں نے ''حدیث انسائیکلو پیڈیا اردو'' رکھا ہے۔ وہ آٹھ کتابیں مندرجہ ذیل ہیں۔

①.....صحیح بخاری، ②.....صحیح مسلم، ③.....سنن نسائی، ④.....سنن ابی داؤد
⑤.....سنن ترمذی، ⑥.....سنن ابن ماجہ، ⑦.....سنن موطا امام مالک، ⑧.....سنن دارمی۔

سنن ابی داؤد اللہ کے فضل سے شائع ہوگئی۔ اس کے بعد ڈاکٹر عبدالرحمٰن فریوائی ترجمہ وتحقیق کا کام کررہے ہیں اور ان شاء اللہ آٹھوں کتابیں اسی انداز سے معرضِ اشاعت میں آجائیں گی۔

ڈاکٹر فریوائی کا تمام تر سلسلۂ تحریر حدیث اور علومِ حدیث سے متعلق ہے اور یہ ان کی قابل قدر خدمت ہے۔ ہم اس پر انھیں دلی مبارک باد پیش کرتے ہیں۔

ڈاکٹر عبدالرحمٰن فریوائی نے اپنے علاقے (الٰہ آباد) کے مختلف مقامات میں لڑکوں اور لڑکیوں کی دینی اور عصری تعلیم کے لیے مدارس بھی قائم کیے ہیں، جن میں باقاعدگی سے سلسلۂ تدریس جاری ہے۔

ڈاکٹر فریوائی اپنے اشاعتی ادارے ''فریوائی اکادمی شاہین باغ نئی دہلی'' کی طرف سے دوسرے مصنفین ومترجمین کی کتابیں بھی شائع کرتے ہیں، جن میں ایک کتاب کا نام ''حقیقت توحید'' ہے۔ یہ کتاب شیخ محمد احمد باشمیل کی عربی کتاب کا اردو ترجمہ ہے جو حضرت مولانا عبید اللہ مبارک پوری رحمانی کے پوتے زہیر بن عبدالرحمٰن رحمانی نے کیا۔

ڈاکٹر صاحب نے جن حضرات سے اسنادِ حدیث لیں، ان میں مولانا عبید اللہ مبارک پوری رحمانی اور پاکستان کے سید بدیع الدین راشدی شامل ہیں۔ مولانا رحمانی نے ڈاکٹر صاحب کے علمی دوائر اور ان کی تحقیقی تگ وتاز کی بڑی تعریف فرمائی ہے۔

ڈاکٹر صاحب ممدوح کی ایک قابل ذکر صفت یہ ہے کہ وہ بے حد مہمان نواز اور سب کے ہم درد ہیں۔ نہایت ملنسار اور بلند اخلاق۔

دعا ہے اللہ تعالیٰ انھیں اپنے نیک مقاصد میں کامیابی عطا فرمائے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مولانا عمر فاروق سعیدی

(ولادت ۷ ستمبر ۱۹۵۱ء)

میں اپنے دوست مولانا عبدالعزیز سعیدی مرحوم کا تذکرہ اپنی کتاب ''کاروانِ سلف'' میں خاصی تفصیل سے کر چکا ہوں۔ ان کے ایک صاحب زادے پروفیسر سعید مجتبیٰ سعیدی کی تصنیفی خدمات کا ذکر بھی ''برصغیر کے اہل حدیث خدام قرآن'' اور ''دبستانِ حدیث'' میں کیا گیا ہے۔ اب ان کے ایک اور فرزند گرامی مولانا عمر فاروق سعیدی کے کوائف حیات بیان کیے جاتے ہیں۔

عمر فاروق سعیدی ۷ ستمبر ۱۹۵۱ء کو منکیرہ (ضلع بھکر) میں پیدا ہوئے۔ نماز روزے کے مسائل اور روز مرہ کی دعاؤں کی تعلیم ان کے والد مکرم مولانا عبدالعزیز سعیدی نے دی۔ قرآنِ مجید بھی انہی نے پڑھایا۔ کچھ بڑے ہوئے تو سرکاری سکول میں داخل کرادیے گئے۔ گھر میں دینیات کی کتابیں والد پڑھاتے رہے۔ سکول میں جن اساتذہ سے پڑھنے کا موقع ملا، وہ تھے ملک غلام حسین، ملک ریاض حسین، جناب مٹھا خاں، ماسٹر محمد بخش، ماسٹر عاشق حسین، ماسٹر محمد اقبال دروزی، ملک محمد امیر، غلام یوسف، غلام قاسم اور جمیل احمد انصاری۔ ان اساتذہ میں سے بعض استاد چھٹی کے بعد بھی طلبا کو پڑھاتے اور شام کے بعد بھی اپنے گھر آ کر پڑھنے کی تاکید کرتے۔ اس زمانے میں نہ ٹیوشن سے کوئی آشنا تھا، نہ اکیڈمیوں کا کہیں وجود تھا۔ استاد کا مقصد محض یہ ہوتا تھا کہ طالب علم زیادہ سے زیادہ محنت کریں اور ان کی قابلیت میں اضافہ ہو۔ شاگرد کی محنت اور قابلیت استاد کے لیے بہت بڑی خوشی کا باعث قرار پاتی تھی۔

عمر فاروق سعیدی نے ۱۹۶۶ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ اس کے بعد ان کے والد مولانا عبدالعزیز سعیدی نے انھیں جلال پور پیر والا کے دارالحدیث محمدیہ میں داخل کرا دیا، جہاں مولانا سلطان محمود صاحب کا سلسلۂ درس جاری تھا۔ وہاں ۱۹۷۳ء تک ان کا قیام رہا اور مروّجہ نصاب کی تمام کتابیں وہیں کے اساتذہ سے پڑھیں اور سند فراغت لی۔ تعلیم کے آخری دور میں مولانا سلطان محمود صاحب انھیں فتویٰ نویسی کے لیے بھی طلب فرماتے تاکہ شاگرد کو اس تحقیقی کام کی تربیت حاصل ہو۔ چھوٹی جماعتوں کے طلبا کو پڑھانے کا حکم بھی دیا جس پر انھوں نے عمل کیا۔ ۱۹۷۲ء میں انھوں نے دارالحدیث محمدیہ کے زمانۂ طالب علمی میں الیف اے اور فاضل عربی کے امتحانات پاس کیے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بی۔اے کی تیاری کی لیکن امتحان نہ دے سکے۔

۱۹۶۹ء میں انھوں نے جمعیت طلبائے اہل حدیث کے احیا کی کوشش کی۔ مولانا سلطان محمود صاحب کے نزدیک یہ ایک سیاسی عمل تھا، جس کے وہ حامی نہ تھے۔ لیکن حضرت استاذ کی مخالفت کے باوجود یہ سلسلہ جاری رکھا۔ آخر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سیاسی معاملات سے دل میں نفرت پیدا ہوگئی اور ذہن نے فیصلہ کیا کہ اہل علم کو سیاسی جھمیلوں سے دور رہ کر صرف علمی کام کرنا چاہیے، چناں چہ اب وہ علمی کام ہی کر رہے ہیں۔ نہ سیاست سے تعلق ہے، نہ کسی جماعت سے.....!

۱۹۷۳ء میں دارالحدیث محمدیہ جلال پور پیر والا سے سند فراغت لی تو جی میں مدینہ یونیورسٹی میں داخلے کا جذبہ ابھرا۔ ان کے والد محترم مولانا عبدالعزیز سعیدی بھی چاہتے تھے کہ ان کا بیٹا مدینہ یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرے۔ اس شوق کی تکمیل کے لیے کراچی کے دارالحدیث رحمانیہ میں داخلہ لیا۔ وہاں مولانا حاکم علی سے خوب استفادہ کیا۔ اس مدرسے میں مولانا عبداللہ ناصر رحمانی ان کے ہم درس تھے۔ لیکن وہاں مدینہ یونیورسٹی میں داخلے کا شوق پورا نہ ہوا۔

کراچی سے فیصل آباد آ گئے اور جامعہ سلفیہ میں پڑھنے لگے۔ یہاں آنے کا مقصد بھی مدینہ یونیورسٹی میں داخلہ تھا۔ جامعہ سلفیہ کے شیخ الحدیث اس وقت مولانا محمد صدیق لائل پوری تھے۔ انھوں نے ان کو جامعہ میں تدریس کے لیے منتخب کرلیا۔ جامعہ سلفیہ میں خدمت تدریس انجام دے رہے تھے کہ ۱۹۷۷ء کے آخر میں مدینہ یونیورسٹی میں داخلے کا دعوت نامہ آ گیا اور یہ وہاں چلے گئے۔ مدینہ یونیورسٹی میں انھوں نے ۱۹۸۱ء تک (چار سال) تعلیم حاصل کی۔ یونیورسٹی میں ان کا آخری سال تھا کہ ۱۵ مئی ۱۹۸۱ء کو ان کے والد مولانا عبدالعزیز سعیدی وفات پاگئے اور وہ بیٹے کی مدینہ یونیورسٹی سے حاصل شدہ سند نہ دیکھ سکے۔

مدینہ یونیورسٹی کی طرف سے مولانا عمر فاروق سعیدی کا تدریس کے لیے جامعہ سلفیہ (فیصل آباد) میں تقرر کردیا گیا اور انھوں نے چار سال جامعہ سلفیہ میں یہ فریضہ انجام دیا۔ اس کے بعد خیال آیا کہ اپنے علاقے منکیرہ میں مسلک اہل حدیث کی تبلیغ کرنی چاہیے۔ چناں چہ جامعہ سلفیہ کی مدرسی سے استعفا دے کر گھر آ گئے اور اپنے علاقے میں اہل حدیث کی تبلیغ واشاعت کرنے لگے۔ گزر اوقات کے لیے اسٹیشنری کی دکان کھول لی۔ اس کے سوا کوئی مشغلہ نہ تھا۔

۱۹۸۷ء کی بات ہے کہ کسی سلسلے میں ملتان گئے۔ وہاں مولانا محمد عائش سے ملاقات ہوئی۔ مولانا ممدوح جامعہ ابوبکر اسلامیہ (کراچی) سے تعلق رکھتے ہیں۔ دوران گفتگو میں جب مولانا محمد عائش کو ان کی علمی حیثیت کا پتا چلا تو انھوں نے جامعہ ابوبکر میں خدمت تدریس انجام دینے کے لیے کہا۔ چناں چہ یہ وہاں چلے گئے۔ جامعہ ابوبکر میں پچیس ملکوں کے طلبا تعلیم حاصل کرتے ہیں اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

شروع سے آخر تک ذریعہ تعلیم عربی ہے۔ اس وقت جامعہ کے منتظم اعلیٰ چودھری ظفر اللہ مرحوم تھے اور مدیر تعلیم تھے حافظ مسعود عالم جو آج کل جامعہ سلفیہ فیصل آباد میں خدمت تدریس سرانجام دے رہے ہیں۔ ہمارے مرحوم دوست مولانا محمد یحییٰ شرق پوری کے فرزند ارجمند ہیں، وسیع المطالعہ عالم دین اور منجھے ہوئے معلم۔

ان کے علاوہ مولانا خلیل الرحمٰن لکھوی، مولانا عطاء اللہ ساجد اور ڈاکٹر محمد حسین لکھوی جامعہ کے اساتذہ کی جماعت میں شامل تھے۔ اس وقت مولانا عبداللہ سرور اور مرحوم پروفیسر چودھری عبد الحفیظ کا تعلق بھی اسی جامعہ سے تھا۔ اب اس کا انتظام ڈاکٹر محمد راشد رندھاوا اور مولانا محمد عائش کے سپرد ہے۔

۱۹۸۷ء میں مولانا عمر فاروق سعیدی جامعہ ابوبکر اسلامیہ سے منسلک ہوئے۔ تدریس کے ساتھ انتظامی معاملات میں بھی ان کا دخل تھا اور وہ مدیر امتحانات بھی تھے۔ ۲۰۰۰ء میں انھیں مدیر تعلیم کا منصب بھی عطا کیا گیا۔

وہ اٹھارہ سال جامعہ ابوبکر اسلامیہ کراچی کی مسند درس پر فائز رہے۔

۲۰۰۵ء کے آخر میں اپنے ذاتی مصالح کی بنا پر بین الاقوامی اشاعت کتب کے ادارہ دارالسلام (لاہور) کے ارباب اہتمام کی دعوت پر اس کے تعلیمی ادارے ''جامعہ مرأۃ القرآن والحدیث'' (منڈی وار برٹن ضلع ننکانہ) میں آ گئے۔ یہ ادارہ طالبات کی دینی تعلیم وتربیت کا ایک قدیم ادارہ ہے، جس کا خاص معیار اور طریق درس وتدریس ہے۔

مولانا عمر فاروق سعیدی کے زمانۂ سکول کے اساتذہ کے نام پہلے بتائے گئے ہیں۔ اب ان کے علوم اسلامیہ کے اساتذہ کے نام ملاحظہ ہوں۔ پہلے وہ حضرات جن سے پاکستان میں تعلیم حاصل کی۔

⊙..... جلال پور پیر والا میں انھوں نے حضرت مولانا سلطان محمود، مولانا محمد رفیق اثری اور مولانا اللہ یار خاں سے تحصیل علم کی۔

⊙..... دارالحدیث رحمانیہ کراچی میں مولانا حاکم علی، مولانا محمد اسحاق خائف، مولانا عبدالعزیز طورلائل پوری اور مولانا محمد صادق خلیل کے حضور زانوئے شاگردی تہہ کیے۔

⊙..... جامعہ سلفیہ فیصل آباد میں مولانا محمد صدیق، مولانا حافظ مفتی ثناء اللہ خاں مدنی، مولانا قدرت اللہ فوق، مولانا عبید الرحمٰن مدنی اور بعض عرب اساتذہ سے اکتساب فیض کیا۔

⊙..... مدینہ یونیورسٹی میں ان کے استاذ تھے شیخ محمد امان علی، شیخ عبدالفتاح سلامہ مصری، شیخ عبدالفتاح عاشور مصری، شیخ سید الوکیل مصری۔

مندرجہ ذیل تدریسی اداروں سے انھوں نے سند حاصل کی۔ بہ ترتیب سنین پڑھیے:

⊙..... دارالحدیث محمدیہ جلال پور پیر والا۔ ضلع ملتان ۱۹۷۳ء

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

⊙..... دارالحدیث رحمانیہ۔ کراچی ۱۹۷۴ء

⊙..... جامعہ سلفیہ۔ فیصل آباد ۱۹۷۶ء

⊙..... مدینہ یونیورسٹی۔ مدینہ منورہ ۱۹۸۱ء

⊙..... وفاق المدارس السّلفیہ ۱۹۸۴ء

مندرجہ ذیل حضرات علمائے کرام سے اجازۃ الروایت حاصل ہوئی۔

①.....مولانا سلطان محمود جلال پور پیر والا

②.....مولانا عبدالغفار حسن مدینہ منورہ

③.....حافظ مفتی ثناء اللہ خاں مدنی

④.....مولانا حافظ عبدالمنان نور پوری

⑤.....مولانا حاکم علی کراچی

⑥.....مولانا عبدالعزیز سعیدی

اب مولانا عمر فاروق سعیدی کی تحریری خدمات کی طرف آیے۔

مدینہ یونیورسٹی کے آخری سال کے لیے عربی میں مقالہ لکھا جس کا عنوان تھا۔ ''الامام ثناء اللہ الامرتسری: حیاتہ وخدماتہ۔''

اب آخر میں ان کے تراجم وغیرہ خدمات کی وضاحت کی جاتی ہے۔ انھوں نے عربی کی مندرجہ ذیل کتابوں کا اردو میں ترجمہ کیا۔ یہ نہایت اہم علمی خدمات ہیں جو انھوں نے تحریری صورت میں سرانجام دیں۔

❀..... سنن ابی داؤد (ترجمہ وفوائد): مکتبہ دارالسلام کی طرف سے شائع ہوچکی ہے۔ (حدیث)

❀..... جائز وناجائز تبرک (ترجمہ): التبرک المشروع وغیر المشروع علی بن نفیع العلیان (مطبوع)

❀.....علوم الحدیث (ترجمہ): علوم الحدیث، الشیخ محمد علی قطب (مطبوع، اصولِ حدیث)

❀.....تیسیر مصطلح الحدیث (ترجمہ): تیسیر مصطلح الحدیث از محمود الطحان ..... (مطبوع، اصولِ حدیث)

یہ کتاب بعض مدارس میں بطور معاون کتاب داخل ہے۔

❀..... حج نبوی کا آنکھوں دیکھا حال (ترجمہ): کیف حج رسول اللہ ﷺ [ابوتراب الظاہری] (مطبوع)

❀.....فضائل اعمال (ترجمہ): کفایۃ التعبد وتحفۃ التزھد، حافظ عبدالعظیم المنذریؒ (مطبوع)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

❀..... الحطه فی ذکر الصحاح السته (ترجمہ تہذیب وتلخیص): از نواب صدیق حسن خاں رحمہ اللہ (زیر طبع۔ سیر وسوانح)

❀..... اسلام کا نظام طلاق (ترجمہ): نظام الطلاق فی الاسلام علامہ احمد شاکر رحمہ اللہ (مخطوطہ۔ فقہ)

❀..... اللباب فی فقه السنة والکتاب (ترجمہ): تالیف محمد صبحی صالح حلاق الصنعانی (زیر طبع۔ فقہ)

❀.....شرح العقیدۃ الواسطیہ (اردو): ازفضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین (مخطوطہ۔ توحید وعقائد)

❀.....فتاویٰ المرأۃ المسلمۃ (اردو): علمائے عرب کے فتاویٰ مسلمان خواتین (زیر طبع۔ فتویٰ)

علاوہ ازیں ان کی کتاب ''تبویب احادیث بلوغ المرام'' ہے۔ یعنی حدیث کی مشہور کتاب (جو درسیات میں شامل ہے) بلوغ المرام کے ذیلی عنوان قائم کیے۔

نیز ماہنامہ محدث لاہور، ماہنامہ مجلّہ جامعہ ابی بکر کراچی ہفت روزہ الاعتصام لاہور، ماہنامہ اسوۂ حسنہ کراچی میں ان کے متعدد علمی مقالات اشاعت پذیر ہوئے۔

مولانا عمر فاروق سعیدی کے بارے میں یہ وضاحت کرنا ضروری ہے کہ میں نے اپنی کتاب ''صوفی محمد عبداللہ رحمہ اللہ'' کے صفحہ ۳۳۴ پر انھیں جامعہ تعلیم الاسلام (ماموں کانجن) کے فاضلین میں لکھا ہے، یہ صحیح نہیں۔ نہ وہ جامعہ تعلیم الاسلام میں داخل ہوئے اور نہ وہاں تعلیم حاصل کی۔ صوفی صاحب کے حالات کے سلسلے میں میں نے جامعہ کے دفتر سے وہاں کے فارغ التحصیل حضرات کی فہرست طلب کی تھی۔ دفتر کی طرف سے چند حضرات کے نام بھجوائے گئے، ان میں عمر فاروق سعیدی کا نام بھی شامل تھا جو میں نے کتاب میں لکھ دیا۔ کتاب چھپنے کے بعد ان کے بھائی پروفیسر مجتبیٰ سعیدی کا خط آیا کہ انھوں نے جامعہ تعلیم الاسلام میں تعلیم حاصل نہیں کی۔

چلیے مان لیتے ہیں کہ جامعہ میں انھوں نے براہِ راست تعلیم حاصل نہیں کی، لیکن کراچی کے دارالحدیث رحمانیہ میں جامعہ تعلیم الاسلام کے قدیم ترین طالب علم اور استاذ مولانا محمد صادق خلیل سے تو حصولِ علم کیا۔ اس طرح ان کا تعلق تلمذ جامعہ تعلیم الاسلام (ماموں کانجن) سے ہو جاتا ہے۔



" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ڈاکٹر حافظ عبدالرشید اظہر

(ولادت یکم فروری ۱۹۵۳ء)

تقسیم ملک سے قبل ڈاکٹر حافظ عبدالرشید اظہر کا خاندان مشرقی پنجاب کے ضلع فیروپور کی تحصیل زیرہ کے ایک گاؤں ''امین والا'' میں آباد تھا۔ اگست ۱۹۴۷ء میں یہ خاندان وہاں سے نکل کر بہاول پور آیا، جہاں عبدالرشید کے ننھیال سکونت پذیر تھے۔ وہیں یکم فروری ۱۹۵۳ء کو عبدالرشید کی ولادت ہوئی۔ اس سے کچھ عرصہ بعد یہ لوگ ضلع ساہی وال کی تحصیل چیچہ وطنی کے ایک گاؤں چک نمبر ۱۷۰۔ ۹ ایل آ گئے۔ یہاں انھیں اپنی موروثی زمین الاٹ ہوئی جو آٹھ ایکڑ تھی۔ حافظ عبدالرشید کے والد اپنے آبائی مسکن امین والا میں بھی اپنی زمین کے خود ہی کاشت کار تھے۔ یہاں آ کر بھی یہی کام کرنے لگے۔ وہ اپنے سب بہن بھائیوں سے بڑے تھے اور ابھی کم عمر تھے کہ والد وفات پا گئے اور بہن بھائیوں کی پرورش کی ذمہ داری ان پر آن پڑی، اس لیے وہ تعلیم حاصل نہ کر سکے۔ ان کی مالی حالت ہندوستان میں بھی کم زور تھی، یہاں بھی یہی صورت حال رہی۔ یعنی غربت کا سایہ نہ ہندوستان میں ان سے الگ ہوا، نہ پاکستان میں ان کا پیچھا چھوڑنے پر آمادہ ہوا۔

تعلیم سے اس خاندان کا کوئی فرد آشنا نہ تھا۔ پاکستان آنے کے بعد اس گھرانے کے جس فرد نے سب سے پہلے تعلیم حاصل کی وہ حافظ عبدالرشید کے بڑے بھائی حافظ عبدالستار تھے۔ ہندوستان میں ان کے گاؤں میں ایک عالم مولانا عبداللہ مقیم تھے جو دراصل موضع ''جھنڈے بگے'' کے رہنے والے تھے اور انھیں ''مولوی عبداللہ جھنڈے بگے والے'' کہا جاتا تھا۔ تقسیم ملک کے بعد مولوی عبداللہ ضلع ملتان کے ایک قصبے ''عبدالحکیم'' میں آ کر آباد ہوئے۔ انھوں نے اس دور کے حالات کے مطابق وہاں درس وتدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اس کا علم عبدالرشید کے والد کو ہوا تو وہ اپنے بڑے بیٹے عبدالستار کو لے کر عبدالحکیم پہنچے۔ موضع عبدالحکیم ان کے گاؤں چک نمبر ۱۷۰۔ ۹ ایل سے ستر میل کی مسافت پر ہے۔ یہ طویل سفر انھوں نے پیدل طے کیا، اس لیے کہ اس زمانے میں بس کا کرایہ ادا کرنا ان کے لیے ممکن نہ تھا۔ وہ عبدالستار کو تحصیل علم کے لیے وہاں چھوڑ آئے، پھر جب اسے ملنے کے لیے جاتے، پیدل جاتے۔ اس تنگ دستی اور بے حد مشکل حالات میں انھوں نے اپنے بڑے بیٹے کو تعلیم دلائی۔

اب حافظ عبدالرشید اظہر کی طرف آیے۔ وہ عمر میں اپنے سب بہن بھائیوں سے چھوٹے تھے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اور گھر کے تمام حالات سے آگاہ تھے۔ غربت کے جس ریلے نے ان کے خاندان کو اپنی گرفت میں لے رکھا تھا، وہ ان کی آنکھوں کے سامنے تھا۔ یہ خود بھی تحصیل علم کے شائق تھے اور ان کے والد بھی بیٹے کو تعلیم دلانے کے لیے کوشاں تھے۔

ان کے گاؤں (موضع چک نمبر ۱۷۰۔ ۹ ایل) میں ایک شخص حافظ عبدالغنی فروکش تھے جو نابینا تھے اور بہت قوی حافظہ تھے۔ اس گاؤں کے بے شمار بچوں نے ان سے قرآن پڑھا اور حفظ کیا۔ حافظ عبدالرشید نے بھی انہی سے قرآن حفظ کیا۔ ان کے دو بھائیوں اور ایک بھانجے نے بھی ان کی شاگردی میں حفظ قرآن کی نعمت حاصل کی۔

گیارہ برس کی عمر میں عبدالرشید نے قرآن مجید حفظ کرلیا تھا۔ اس اثنا میں انھوں نے خود ہی محنت کر کے کچھ اردو بھی پڑھ لی اور لکھنے بھی لگے۔ یعنی اردو لکھنے پڑھنے میں وہ خود ہی اپنے استاد ہیں۔ حفظ قرآن کے بعد ان کے والد انھیں سرکاری سکول میں داخل کرانا چاہتے تھے۔ لیکن پھر والد ہی نے مولانا علی محمد سعیدی کے قائم کردہ مدرسہ سعیدیہ (خانیوال) میں داخل کرا دیا۔ ❶

خانیوال کے مدرسہ سعیدیہ میں حافظ عبدالرشید اظہر نے مختلف اساتذہ سے چار سال تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد مزید تعلیم کے لیے کسی اور دارالعلوم میں جانے کا فیصلہ کیا۔ پڑھنے میں چوں کہ تیز تھے اور ذہین بھی تھے، پھر گھر کے حالات بھی بہت حد تک بدل گئے تھے، اس لیے کچھ لوگوں نے ان کے بھائی کو مشورہ دیا کہ انھیں انگلستان بھیج دیا جائے۔ لیکن یہ فیصل آباد جامعہ سلفیہ چلے گئے۔ یہ ۱۹۶۹ء کی بات ہے۔ اس سے پیشتر وہ جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن بھی گئے۔ بہرحال جامعہ سلفیہ گئے تو پہلے ہی دن نماز فجر کے بعد مولانا حافظ عبداللہ بڈھیمالوی کا درس قرآن سن کر بے حد متاثر ہوئے اور فیصلہ کرلیا کہ وہ یہیں رہیں گے اور حافظ عبداللہ بڈھیمالوی سے کسب فیض کریں گے۔ حافظ صاحب ممدوح اس وقت جامعہ سلفیہ کے منصب شیخ الحدیث پر فائز تھے۔ نہایت صالح عالم دین تھے اور درسیات پر عبور رکھتے تھے۔ ہر فن کی ہر کتاب بڑے شوق اور رغبت سے پڑھاتے تھے۔ فن حدیث میں بالخصوص مہارت حاصل تھی۔

حافظ عبدالرشید اظہر چار سال جامعہ سلفیہ میں حصولِ علم میں مشغول رہے۔ وہاں انھوں نے

---

❶ مولانا علی محمد سعیدی سے ان کی کچھ قرابت داری بھی تھی۔ تقسیم ملک سے پہلے مولانا علی محمد نے اپنے گاؤں صدر والا (ضلع فیروزپور) میں ایک مدرسہ جاری کیا تھا۔ وہ حضرت مولانا شرف الدین دہلوی کے شاگرد تھے۔ بڑے سرگرم عالم تھے۔ تصنیف وتالیف اور کتابوں کی نشر واشاعت سے بھی دلچسپی رکھتے تھے۔ حافظ عبدالرشید اظہر کی شادی ان کی دختر نیک اختر سے ہوئی۔ میں نے ان کے حالات اپنی کتاب ''دبستانِ حدیث'' میں لکھے ہیں۔ ملاحظہ ہو صفحہ ۳۵۹ تا ۳۶۶

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

حضرت حافظ عبداللہ بڈھیمالوی اور دیگر اساتذہ کرام سے خوب استفادہ کیا۔ ۱۹۷۲ء میں جامعہ سلفیہ سے سند فراغت لی۔

جامعہ سلفیہ سے سند فراغت کے بعد حافظ عبدالرشید اظہر سات برس مختلف مدارس دینیہ میں پڑھاتے رہے۔ کچھ عرصہ اپنی اوّلیں درس گاہ جامعہ سعیدیہ خانیوال میں بھی پڑھایا۔ آخر میں جامعہ سلفیہ میں ان کا سلسلۂ تدریس جاری ہوا۔ میاں فضل حق مرحوم اور لائق احترام حضرت حافظ ثناء اللہ خاں مدنی کے ایما پر انھوں نے جامعہ سلفیہ میں تصنیف وتالیف کا شعبہ قائم کیا۔ مدارس دینیہ میں تدریس کے زمانے میں انھوں نے دو تین درسی کتابوں کے سوا تمام کتابیں پڑھائیں اور بڑی محنت کے ساتھ پڑھائیں۔ جس طرح وہ محنتی طالب علم تھے، اسی طرح محنتی اور ذمہ دار مدرس ثابت ہوئے۔

گزشتہ سطور میں حافظ عبدالرشید اظہر کے گاؤں کے حافظ عبدالغنی کا ذکر کیا گیا ہے جو نابینا تھے اور جن سے حافظ عبدالرشید نے قرآنِ مجید حفظ کیا تھا۔ حافظ عبدلرشید جب رمضان المبارک کی تعطیلات میں اپنے گاؤں آتے تو حافظ عبدالغنی ان سے مشکوٰۃ شریف کا درس لیتے۔ حافظ عبدالرشید انھیں ایک حدیث دو یا تین دفعہ کتاب سے سناتے اور وہ حدیث انھیں حفظ ہوجاتی۔ اس طرح انھوں نے پوری مشکوٰۃ شریف یاد کرلی۔

رمضان میں ہر سال وہ حافظ عبدالرشید سے قرآنِ مجید کی تفسیر بھی سنا کرتے تھے۔ اس طرح انھیں تفسیر قرآن میں درک پیدا ہوگیا۔

اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا اندازہ کیجیے کہ غربت کے ماحول میں پیدا ہونے اور فقر کی فضا میں شعور کی منزل کو پہنچنے والے حافظ عبدالرشید کو اللہ تعالیٰ نے کن اوصاف سے نوازا اور کس قدر عزت وتوقیر کی نعمت بخشی۔ باپ کو تھوڑی سی مسافت کا سفر کرنے کے لیے کرایہ میسر نہ آتا تھا لیکن بیٹے کو وہ کچھ نصیب ہوا، جس کا اس گھرانے کے کسی فرد کو کبھی تصور بھی نہیں ہوا تھا۔

۱۴۰۰ھ (۱۹۸۰ء) میں انھیں مدینہ یونیورسٹی میں داخلے کی دعوت آئی اور وہ وہاں پہنچ گئے۔ والد بچے کو اتنی دور بھیجنے پر آمادہ نہ تھے۔ بڑی مشکل سے ان کی طرف سے وہاں جانے کی اجازت ملی۔ مدینہ یونیورسٹی میں انھوں نے ۱۴۰۰ھ سے ۱۴۰۴ھ (۱۹۸۰ء سے ۱۹۸۳ء کے آخر) تک چار سال تعلیم حاصل کی۔ یہ ان کے لیے نہایت مسرت کا زمانہ تھا اور بہ درجہ غایت خوشی کا دور.....! مدینہ منورہ کا قیام عظیم الشان نعمت ہے جو انھیں حاصل ہوئی۔ دیارِ حبیب ﷺ کی سکونت ہم عاجز بندوں کے نزدیک کسی بہت بڑے خوش بخت کے حصے میں آتی ہے۔ وہاں تعلیم بھی حاصل کرو، مسجد نبوی میں نمازیں بھی پڑھو، روضۂ رسول (ﷺ) پر درود بھی بھیجو۔ یہ بہت بڑا اعزاز ہے جو بارگاہِ خداوندی سے حافظ عبدالرشید اظہر کو حاصل ہوا۔ اس اثنا میں وہ ہر سال حج اور عمرے کی سعادت سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بہرہ مند ہوتے رہے۔ مختلف سالوں میں وہ ماشاء اللہ اب تک سات حج کر چکے ہیں۔

مدینہ یونیورسٹی میں تعلیم کے دوران یہ وہاں پاکستان کے اہل حدیث طلبا کی جمعیت کے امیر رہے۔ یہ بھی ایک اعزاز ہے جو اپنے ملک کے طلبا کی طرف سے ان کے حصے میں آیا۔

جن اساتذہ سے انھوں نے یونیورسٹی میں حصولِ علم کیا اور ان کے علم وکمال اور طریق تدریس سے زیادہ متاثر ہوئے ان میں شیخ حماد بن محمد انصاری، شیخ عبدالمحسن بن محمد العباد، شیخ ابوبکر جابر الجزائری، شیخ عطیہ بن محمد السالم، شیخ عبدالقادر شیبۃ الحمد، شیخ عبدالرؤف اللبدی، ڈاکٹر محمد حمود الوائلی خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ شیخ ناصر الدین البانی، شیخ عبدالعزیز بن باز، شیخ محمد امین شنقیطی ان کے یونیورسٹی جانے سے پہلے وہاں سے تشریف لے گئے تھے۔ بلکہ شیخ شنقیطی تو وفات پا چکے تھے۔ یونیورسٹی کے باقاعدہ اساتذہ کے علاوہ انھیں عالم اسلام کی بہت سی شخصیتوں سے ملاقات کے مواقع میسر آئے اور انھوں نے ان کے علم وتحقیق سے استفادہ کیا۔

مدینہ یونیورسٹی میں اس وقت جو پاکستانی طلبا ان کے ہم درس تھے، ان میں حافظ ثناء اللہ مدنی، حافظ عبدالرحمٰن مدنی، مولانا عبدالسلام کیلانی اور علامہ احسان الٰہی ظہیر کے اسمائے گرامی خاص طور سے لائق تذکرہ ہیں۔ ان حضرات میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے میدانِ عمل میں بڑی شہرت پائی۔ فتویٰ نویسی اور علوم دینیہ کی تدریس میں حافظ ثناء اللہ خاں مدنی کا نام اور کام بڑی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ شیخ الحدیث کے منصب عالی پر متمکن ہیں اور انھوں نے جائزۃ الاحوذی کے نام سے جامع ترمذی کی شرح سپردِ قلم کی۔ ان کے فتوؤں کا مجموعہ فتاویٰ ثنائی مدنی کے نام سے دو جلدوں میں چھپ چکا ہے۔ اب صحیح بخاری کی شرح لکھ رہے ہیں۔

حافظ عبدالرحمٰن مدنی کی علمی سرگرمیاں بھی بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔ انھوں نے نیوگارڈن ٹاؤن لاہور میں بہت بڑا تدریسی ادارہ جامعہ رحمانیہ کے نام سے قائم کیا۔ پھر ان کا ماہنامہ ''محدث'' خالص علمی اور تحقیقی مجلہ ہے، جس کی ادارت ان کے لائق فرزند ڈاکٹر حافظ حسن مدنی کے سپرد ہے۔ اس کے علاوہ حافظ عبدالرحمٰن مدنی کی ملکی سطح کے سیاسی وعلمی مسائل میں بھی تگ وتاز کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

مولانا عبدالسلام کیلانی کے درس وتدریس کی حدود بھی بہت وسیع تھیں جو پاکستان سے لے کر افریقہ کے بعض ملکوں تک پھیلی ہوئی تھیں۔ اس شعبے میں انھوں نے بہت کام کیا۔

حافظ عبدالرشید اظہر کے ساتھی علامہ احسان الٰہی ظہیر کا معاملہ تو یہ تھا کہ ان کی خطابتی معرکہ آرائیاں، ان کی تصنیفی کاوشیں، ان کی سیاسی تگ ودو، ان کی مسلکی حمیت اور جماعتی سلسلے کی تبلیغی مساعی سب حیران کن سلسلہ تھا۔ وہ منفرد قسم کے مبلغ اور ممتاز مقرر تھے۔ اسی راہ میں انھوں نے جامِ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

شہادت نوش کیا۔

حافظ عبدالرشید اظہر نے جن عالی مقام اساتذہ کے حضور پاکستان میں زانوئے شاگردی تہہ کیے، ان کے اسمائے گرامی ہیں حافظ عبدالغنی، مولانا علی محمد سعیدی، مولانا محمد داؤد مسعود، حافظ عبداللہ بڈھیمالوی، مولانا ثناء اللہ ہوشیار پوری، حافظ محمد بنیامین طور، مولانا فاروق احمد راشدی ..... غیر رسمی طور پر انھوں نے سب سے زیادہ علمی استفادہ مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی سے کیا۔ ان کی شخصیت کے نقوش ان کے دل و دماغ پر مرتسم ہیں۔ حدیث اور علوم حدیث کے باب میں ان کی تحقیق کا دائرہ بڑا وسیع تھا۔ جو شخص ان سے حصولِ فیض کا خواہاں ہوتا، وہ اس کی فراخ حوصلگی سے مدد فرماتے۔

اب آتے ہیں حافظ عبدالرشید اظہر کی حصولِ تعلیم سے بعد کی سرگرمیوں کی طرف .....!

گزشتہ صفحات میں بتایا گیا ہے کہ حافظ عبدالرشید اظہر نے ۱۴۰۴ھ (۱۹۸۳ء کے آخر) میں مدینہ یونیورسٹی کا نصاب تعلیم مکمل کیا اور اس کی سند لی۔ اسی زمانے میں دفتر کی طرف سے انھوں نے Deputation پر پنجاب یونیورسٹی لاہور، نیپا اور پولیس اکیڈمی سہالہ میں لیکچر دیے۔

مدینہ یونیورسٹی سے فارغ ہونے کے بعد انھوں نے پرائیویٹ طور پر پنجاب یونیورسٹی میں ایم اے اسلامیات کا امتحان دیا اور فرسٹ ڈویژن حاصل کی۔ یونیورسٹی والے عام طور پر پرائیویٹ طلبا کو فرسٹ ڈویژن نہیں دیتے۔ لیکن حافظ صاحب وہ طالب علم تھے جو فرسٹ ڈویژن کے مستحق قرار پائے۔

اس کے بعد انھوں نے پی ایچ ڈی کیا۔ ڈاکٹریٹ (پی ایچ ڈی) کے لیے ان کے مقالے کا موضوع قرآنِ مجید کی دو تفسیروں کا تقابلی مطالعہ تھا۔ ایک تفسیر تھی قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی ''تفسیر مظہری'' جو دس جلدوں میں پھیلی ہوئی بہت بڑی تفسیر ہے۔ دوسری تفسیر ہے نواب صدیق حسن خان کی ''تفسیر فتح البیان۔'' یہ بھی دس جلدوں پر محیط ہے۔ یہ بہت علمی، تحقیقی اور محنت طلب کام تھا جو حافظ عبدالرشید اظہر نے کیا۔ یہ مقالہ تقریباً ایک ہزار صفحات پر مشتمل ہے اور عربی زبان میں ہے۔ اس کا عنوان ہے ''الدراسۃ المقارنۃ بین التفسیر المظہری وفتح البیان۔'' اس کی تکمیل کا مشکل مرحلہ ۹۷۔۱۹۹۶ء میں طے ہوا۔ لیکن اس کی ڈگری انھیں پانچ سال بعد ملی۔ ہوا یہ کہ پہلے اسے پنجاب یونیورسٹی کی طرف سے سعودی عرب اور قطر کے بعض محققین کے پاس بھیجا گیا۔ وہاں سے رپورٹ آنے میں تاخیر ہوئی تو ہندوستان میں سید محمد رابع ندوی کی خدمت میں ارسال کیا گیا۔ اس طرح پانچ سال یہ مقالہ مختلف مقامات میں گھومتا رہا۔ پھر اس کی رپورٹ کے بعد جب Viva ہوا تو وہ صرف پانچ منٹ کا تھا۔ ۲۰۰۲ء میں انھیں پی ایچ ڈی کی سند ملی۔

حافظ عبدالرشید اظہر کی خدمات جن کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

⊙.....۱۹۷۲ء میں جامعہ سلفیہ (فیصل آباد) سے فراغت کے بعد تقریباً چھ سال مختلف دینی مدارس میں طلبا کو قرآن وحدیث اور فقہ واصول کی کتابیں پڑھاتے رہے۔

⊙..... کچھ عرصہ اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ (ادارۃ البحوث الاسلامیہ) جامعہ سلفیہ (فیصل آباد) کے سربراہ کی حیثیت سے تصنیفی وتحقیقی خدمت سرانجام دی۔

⊙..... ۱۹۷۸ء کے تعلیمی سال میں اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی لاہور کے شعبہ عربی میں مہمان استاذ کی حیثیت سے ایم اے (عربی) کی کلاسوں کو پڑھایا۔

⊙..... ۱۹۸۷ء میں نیشنل انسٹی ٹیوٹ پبلک ایڈمنسٹریشن (نیپا) لاہور میں ججز کورس میں اصولِ اجتہاد پر تین درجن لیکچر دیے۔

⊙.....۱۹۹۴ء میں مدینہ یونیورسٹی کی طرف سے منعقدہ تعلیمی وثقافتی کورس میں یونیورسٹی کے اساتذہ کے ساتھ اسلامی ثقافت کے موضوع پر محاضرات (لیکچرز) دیے۔

⊙.....نومبر ۱۹۹۷ء میں نیویارک (امریکہ) کی مسلم کمیونٹی کی خصوصی دعوت پر وہاں ''عظمت مسلم'' کانفرنس میں شرکت کی اور دو ہفتے وہاں اسلام سے متعلق مختلف عنوانات پر لیکچر دیے۔

⊙..... ۱۹۹۹ء میں پولیس کالج سہالہ میں آفیسر ٹریننگ کورس میں انسانی حقوق کے موضوع پر لیکچر دیے۔

⊙.....۲۰۰۰ء اور ۲۰۰۱ء میں برطانیہ میں منعقدہ اسلامی کانفرنس میں شرکت کی اور تقریریں کیں۔

⊙.....۲۰۰۲ء میں انڈونیشیا میں ایک بین الاقوامی سیمینار میں شرکت اور وہاں ایک مہینا علمائے کرام کے مجمعے میں حدیث رسول (ﷺ) کے مختلف پہلوؤں پر ان کے لیکچروں کا سلسلہ جاری رہا۔

⊙..... کچھ عرصہ وہ فیڈرل شریعت کورٹ اسلام آباد کے فقہی مشیر بھی رہے۔

⊙..... خالص اسلامی موضوعات سے متعلق ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر ان کی تقریریں ہوتی رہیں۔

⊙..... گزشتہ چالیس بیالیس برس سے دینی مدارس کے تعلیمی سال کے آخر میں اہل حدیث مدارس میں اختتام صحیح بخاری کی تقریبات کا سلسلہ جاری ہوا ہے۔ اس کی آخری حدیث پر تقریر کے لیے کسی معروف عالم دین کو دعوت دی جاتی ہے۔ اس میں ڈاکٹر حافظ عبدالرشید اظہر کو بھی بلایا جاتا ہے اور وہ اس بابرکت موقعے پر تقریر فرماتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب جہاں درس وتدریس اور تقریر وخطابت کے میدان میں اپنا ایک مقام رکھتے ہیں، وہاں قلم وقرطاس سے بھی ان کا باقاعدہ ربط وتعلق ہے۔ آیے اس پر بھی نگاہ ڈالیے۔

ڈاکٹر صاحب کا ایک اہم قلمی کام ان کا ڈاکٹریٹ کا مقالہ ہے، جس کا گزشتہ سطور میں تذکرہ ہوا۔ یہ مقالہ عربی زبان میں ہے۔ اس پر نظر ثانی کرکے اور اس میں اگر کہیں تکرار ہے تو اسے حذف

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کر کے کتابی شکل میں شائع کرنے کی کوئی صورت پیدا ہو جائے تو یہ ایک خالص تحقیقی کتاب ہوگی جس سے عربی دان طبقہ خاص طور سے مستفید ہوگا۔

۱۹۷۰ء میں ڈاکٹر صاحب نے مولانا سید محمد داؤد غزنوی کے حالاتِ زندگی تحریر کیے اور اسی زمانے میں معرضِ اشاعت میں آئے۔ افسوس ہے، وہ کتابچہ میری نظر سے نہیں گزرا۔

۱۹۷۱ء میں انھوں نے لاہور کے ایک ماہنامے میں ''دینی مدارس کے نصاب اور طرزِ تعلیم پر ایک نظر'' کے عنوان سے تین قسطوں میں مفصل مضمون لکھا۔

۱۹۷۳ء میں لاہور ہی کے ایک ہفت روزے میں ''معیشت اور اخلاق کا باہمی تعلق شاہ ولی اللہ کے افکار کی روشنی میں'' کے عنوان سے ان کا مبسوط مضمون چودہ قسطوں میں چھپا جو اس موضوع کا اہم مضمون ہے۔

۱۹۷۴ء میں انھوں نے ایک اور خدمت سرانجام دی۔ طبقاتِ کتب حدیث، اسانید کتب حدیث اور بعض علمی فوائد اور مصطلحاتِ حدیث پر مشتمل حضرت شاہ عبدالعزیز شاہ محدث دہلوی کی فارسی کتاب ''عجالہ نافعہ'' کو عربی میں منتقل کیا اور عربی میں اس پر تعلیقات وحواشی لکھے اور اسے شائع کیا۔ برصغیر پاک وہند اور بنگلہ دیش کے تمام اساتذۂ حدیث اور محدثین کی اسانید کتب حدیث کا مرجع یہی کتاب ہے۔

مدینہ یونیورسٹی کے شریعت کالج سے ڈگری کے لیے ''الاستصلاح فی الشریعۃ الاسلامیہ'' کے عنوان سے عربی میں مقالہ لکھا جو بڑے سائز کے سو صفحات کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

مولانا فتح محمد جالندھری کے ترجمہ قرآن فتح المجید کے سلسلے میں بھی خدمات سرانجام دیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے ترجمہ قرآن پر بھی بعض اہل علم دوستوں (حافظ عبدالحمید ازہر اور قاری نعیم الحق نعیم) کی رفاقت میں کچھ کام کیا۔

اس کے علاوہ بھی انھوں نے تراجم ومقدمات کی صورت میں بعض تحریری خدمات سرانجام دیں۔

ڈاکٹر صاحب ماشاء اللہ باہمت اہل علم ہیں اور مختلف اسالیب میں ان کی علمی سرگرمیوں کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

وہ عبادت گزار، مرنجاں مرنج اور خوش کردار وخوش اخلاق اہل علم ہیں۔ اپنے کام میں مصروف رہتے ہیں۔ کسی سے الجھنا اور بحث ونزاع میں پڑنا ان کا شیوہ نہیں۔

ڈاکٹر صاحب کا حلیہ یہ ہے کشیدہ قامت، متناسب الاعضا، گندمی رنگ، کھلی پیشانی، تیکھے نقوش اور ملن سار۔ سر پر قراقلی ٹوپی اور شلوار قمیص میں ملبوس۔ اہل علم کے قدر دان۔

جن حضرات کے علم وعمل اور تحریر وکتابت سے وہ متاثر ہیں، ان میں مولانا ابوالکلام آزاد کا اسم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

گرامی خاص طور سے قابل ذکر ہے۔ ایک انٹرویو میں جو ان سے ماہنامہ ''شہادت'' (اسلام آباد) کے چیف ایڈیٹر جناب خالد سیال نے لیا اور وہ اس ماہنامے میں جولائی ۲۰۰۷ء میں چھپا، فرماتے ہیں۔

مولانا ابوالکلام آزاد کا تذکرہ، شاہ ولی اللہ کی حجۃ اللہ البالغہ اور امام نووی کی ریاض الصالحین میری انتہائی پسندیدہ کتابیں ہیں ..... اور تاریخ اسلام کی کچھ شخصیات میں جن کی سیرتوں اور کتابوں نے زندگی میں بڑی رہنمائی کی، اصحاب رسول (ﷺ) اور تابعین کے بعد امام احمد، امام بخاری، امام ابن تیمیہ، ابوالکلام آزاد اور اقبال اور عربی ادب کی معروف شخصیت مصطفیٰ صادق الرافعی سے بہت کچھ سیکھا اور سیکھ رہے ہیں، رحمہم اللہ تعالیٰ۔

مولانا ابوالکلام آزادؒ کا تذکرہ انھوں نے کئی دفعہ پڑھا اور اس کے مندرجات نے ان کے قلب وذہن کو بہت متاثر کیا۔

ڈاکٹر عبدالرشید اظہر کی شادی ۱۹۷۳ء میں ان کے استاذ مکرم مولانا علی محمد سعیدی مرحوم کی صاحب زادی سے ہوئی۔ ان کی اولاد تین بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں اور ماشاء اللہ سب حفاظِ قرآن ہیں۔ سب نے اپنے والد اور والدہ سے (گھر میں) قرآن حفظ کیا۔

دعا ہے اللہ تعالیٰ ان سب کا حامی وناصر ہو۔



" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مولانا عارف جاوید محمدی

(ولادت یکم اپریل ۱۹۵۳ء)

میانہ قد، گندم گوں سرخی مائل چہرے پر پھیلی ہوئی قد آور ڈاڑھی، جس میں سفیدی کا عنصر غالب آ گیا ہے۔ چمک دار موٹی آنکھیں، تیکھی ناک، چوڑی پیشانی، دل کی طرح کھلا ہاتھ، عمل میں صالحیت، کلام میں مروّت، رفقاے کار کی عادات ونفسیات سے بہت حد تک آگاہ۔ کثیر المطالعہ اور وسیع الظرف، مہمان نواز، اہل علم کے قدر دان۔ یہ ہیں مولانا عارف جاوید محمدی۔

اب آئندہ سطور میں ان کے کوائف حیات کا مطالعہ کیجیے۔

عارف جاوید کے والد:

عارف جاوید محمدی کے والد کا نام محمد شفیع اور دادا کا قائم دین تھا۔ یکم اپریل ۱۹۵۳ء کو بمقام قلعہ دیدار سنگھ (ضلع گوجراں والا) پیدا ہوئے۔ یہ گاؤں گوجراں والا شہر سے چند کلومیٹر کے فاصلے پر حافظ آباد روڈ پر واقع ہے جو کسی زمانے میں ایک سکھ نے آباد کیا تھا جس کا نام دیدار سنگھ تھا۔ اس گاؤں میں اس کا قلعہ نما تین منزلہ مکان تھا، جس کی وجہ سے اس گاؤں کو قلعہ دیدار سنگھ کہا جانے لگا۔ اب یہ گاؤں اچھے خاصے قصبے کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ عارف جاوید کے والد (محمد شفیع) گوجراں والا شہر میں دال بازار کی مسجد اہل حدیث کی دکانوں میں کرائے کی دکان میں تھوک اور پرچون کا کاروبار کرتے تھے۔ صالح فطرت اور پرہیزگار بزرگ تھے۔ اُس وقت موضع کاموں کی کی جامع مسجد اہل حدیث کے منصب خطابت پر سید عبدالغنی شاہ مرحوم متمکن تھے۔ وہ پنجاب کی جماعت اہل حدیث کے مشہور خطیب تھے اور بالخصوص توحید کے موضوع پر مؤثر وعظ کہتے تھے، جسے سننے کے لیے کثیر تعداد میں لوگ کاموں کی جاتے۔ عارف جاوید محمدی کے والد بھی بسا اوقات سید عبدالغنی شاہ کا وعظ سننے کے لیے گوجراں والا سے کاموں کی جا کر جمعہ پڑھتے۔ علماے کرام سے انھیں بڑی محبت تھی اور وہ ان کے تبلیغی جلسوں میں شامل ہونے کی کوشش کرتے۔ عارف جاوید چوتھی جماعت میں پڑھتے تھے کہ والد وفات پا گئے۔ مرحوم نے وراثت میں کوئی دنیوی جائداد نہیں چھوڑی، صرف ایک خالی پلاٹ تھا اور دین سے وابستگی اور اسلام سے محبت کا جذبہ۔ بس یہ کل جائداد تھی جو عارف جاوید کے حصے میں آئی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مولانا معراج الدین:

مالی کمزوریوں کے باوجود اگرچہ نیک بخت ماں نے بیٹے کو حصولِ علم کی راہ پر گامزن کیے رکھا۔ لیکن اس میں زیادہ کردار مولانا معراج الدین کا تھا جو قلعہ دیدار سنگھ میں جماعت اہل حدیث کی تنظیم کے بانی تھے۔ ان کا تعلق سکونت تو دراصل گوجراں والا سے تھا، لیکن وہ بچپن ہی میں اپنے والد کی وفات کے بعد ۱۹۱۴ء میں گوجراں والا سے قلعہ دیدار سنگھ چلے گئے تھے۔ ان کی ہمشیرہ کی شادی بھی اسی گاؤں میں ہوئی تھی۔ وہاں انھوں نے کاروبار شروع کر دیا تھا۔ عارف جاوید محمدی ان سے بہت متاثر ہیں۔ وہ نمونۂ سلف تھے۔ انھوں نے لمبی عمر پاکر ۱۹۹۷ء میں سفر آخرت اختیار کیا۔ عارف جاوید کی شادی مولانا معراج الدین کی نواسی سے ہوئی۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مولانا معراج الدین کے متعلق یہاں مزید واقعات بیان کر دیے جائیں تاکہ نئی نسل کو معلوم ہو کہ پرانے اہل حدیث بزرگوں نے کس طرح تکلیف دہ حالات میں اپنے مسلک کی تبلیغ کی اور کس قدر بے حد نامساعد دور میں وہ کلمہ حق بلند کرتے رہے۔

مولانا معراج الدین ۱۹۱۴ء میں جب قلعہ دیدار سنگھ گئے تو وہاں صرف ایک شخص اہل حدیث تھا، جس کا نام شیخ محمد دین تھا۔ محمد دین پوسٹ مین تھے، صالح اور متقی بزرگ۔ مولانا عبدالواحد غزنوی کے مرید تھے جو اس وقت چینیاں والی مسجد (لاہور) کے خطیب وامام تھے۔ محمد دین زیادہ پڑھے لکھے نہیں تھے، لیکن تبلیغ توحید کا بے حد جذبہ رکھتے تھے۔ خود مولانا معراج الدین نے بھی اس وقت پوری درسی کتابیں نہیں پڑھی تھیں۔ ان دونوں (معراج الدین اور محمد دین) نے مل کر اپنی ہمت کے مطابق مسلک اہل حدیث کی تبلیغ کا آغاز کیا۔ ابتدا میں انھیں بہت سی مشکلات اور شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ مسجدوں سے نکالا گیا اور ان سے ملنے والوں کو مشق ستم بنایا گیا۔ بالآخر اللہ نے توفیق بخشی اور خاص منصوبے کے تحت ایک ہی رات میں مسجد تعمیر کر لی۔ پھر اس میں نماز باجماعت کا سلسلہ شروع کر دیا گیا۔ کچھ عرصے کے بعد جب اس مسجد کو دوبارہ تعمیر کرنے کا عزم کیا تو اس کا سنگ بنیاد (یا حجر اساسی) مولانا عبدالواحد غزنوی نے اپنے دست مبارک سے رکھا۔ اب اسی مسجد کو قلعہ دیدار سنگھ کی مرکزی مسجد اہل حدیث کہا جاتا ہے۔

مولانا معراج الدین کی طبیعت مناظرانہ تھی اور کثرتِ مطالعہ اور مخالفین کے دلائل کا تجزیہ کرنے کی بنا پر اختلافی مسائل پر گہری نظر رکھتے تھے۔ قلعہ دیدار سنگھ کے مین بازار میں ان کی ہارڈ ویئر کی دکان تھی، جو بحث ومباحثہ اور اختلافی مسائل پر گفتگو کی وجہ سے زیادہ معرف تھی۔ وہ اپنا کام بھی کرتے تھے اور مختلف مسائل کے متعلق بات چیت کا سلسلہ بھی جاری رکھتے تھے۔ ان کے ساتھ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ایک اور بزرگ تھے، ان کا نام تھا مولانا چراغ دین نورپوری۔ بحث مباحثے میں دونوں بڑی شہرت رکھتے تھے۔ عام طور پر لوگ اس دکان پر سودا لینے کم آتے اور بحثیں کرنے اور سننے زیادہ آتے۔ مولانا چراغ دین دینیات میں مولانا معراج الدین کے شاگرد تھے اور دونوں مبلغ دین تھے۔ ان کا تاحیات باہم مضبوط تعلق قائم رہا۔

مولانا معراج الدین نجاری کے کام کے ماہر تھے۔ لوگ کام سکھانے کے لیے ان کے پاس اپنے بچوں کو لاتے اور کہتے کہ اس بچے کو کام سکھانا ہے، وہابی نہیں بنانا۔ وہ مسکراتے ہوئے جواب دیتے میں تو اسے کام ہی سکھاؤں گا۔ اگر یہ کام سیکھتے سیکھتے وہابی بن گیا تو اس کی قسمت۔ چناں چہ وہ کام بھی سیکھ لیتا اور وہابی بھی بن جاتا۔ اس طرح اس قصبے میں اہل حدیث کی تبلیغ کا دائرہ پھیلتا گیا اور آہستہ آہستہ لوگ اس دائرے میں داخل ہوتے گئے۔ پھر ان کی تعداد یہاں تک پہنچی کہ لا تعدوا ولا تحصی۔

مولانا چراغ دین:

مولانا چراغ دین کی کوشش اور ترغیب سے متعدد حضرات نے علم دین حاصل کیا اور پھر علم وتحقیق اور تصنیف وتدریس کی دنیا میں ان حضرات کو اللہ تعالیٰ نے بڑی شہرت عطا فرمائی اور وہ خدمت دین اور اشاعت کتاب وسنت کے ہر میدان میں کامیاب رہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ خاص کرم ہے، جس سے وہ نوازے گئے۔ ان حضراتِ عالی مرتبت میں مولانا حافظ عبدالمنان نورپوری کا اسم گرامی خاص طور سے قابل ذکر ہے۔ انہی اصحابِ ذی قدر کی فہرست میں مولانا بشیر الرحمٰن نورپوری اور مولانا محمد اشرف سلیم کے نام نامی شامل ہیں۔

دعا ہے ان بزرگوں میں جو حضرات وفات پاگئے ہیں اللہ تعالیٰ انھیں جنت الفردوس عطا فرمائے اور جو زندہ ہیں، انھیں اپنے دین کی زیادہ سے زیادہ خدمت کے مواقع فراہم کرے۔ ان سطور کے گناہ گار راقم کا بھی جو ان حضرات کا تذکرہ کررہا ہے، اللہ تعالیٰ خاتمہ بالخیر فرمائے۔

عارف جاوید محمدی کی ملازمت:

بات مولانا عارف جاوید محمدی کی ہورہی تھی۔ ۱۹۶۹ء میں انھوں نے قلعہ دیدار سنگھ کے ہائی سکول سے میٹرک پاس کیا۔ اس کے بعد گوجراں والا میں ڈی کام کیا۔ پھر گھریلو حالات نے ایسا رخ اختیار کیا کہ تعلیم کا سلسلہ ترک کرکے ملازمت کرنا پڑی، چناں چہ ۱۹۷۲ء میں ہائی وے ڈیپارٹمنٹ میں ملازم ہوگئے۔ ملازمت کس طرح ملی؟ سنیے.....!

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ڈی کام کرنے کے بعد عارف جاوید محمدی دعا اور مشورے کے لیے مولانا محی الدین لکھوی کی خدمت میں گئے۔ انھوں نے دعا بھی کی اور نصیحت بھی کی کہ بینک کی ملازمت کے لیے علاوہ جو ملازمت ملے کر لینا۔ ان شاء اللہ ملازمت مل جائے گی۔ عارف صاحب جن صاحب کے ہاں ٹھہرے تھے، ان سے ملازمت کے بارے میں بات کی تو وہ انھیں ہائی وے کے محکمے کے ایک بڑے افیسر کے پاس لے گئے جنھیں عاصمی صاحب کہا جاتا تھا۔ انھوں نے زور دار الفاظ میں ان سے کہا کہ اس نوجوان کے لیے ملازمت کا ہر صورت میں انتظام کیا جائے۔ عاصمی صاحب کا تعلق تبلیغی جماعت سے تھا۔ وہ بہت نیک اور ہم درد آدمی تھے۔ انھوں نے عارف جاوید صاحب سے کہا: آپ کل سے ملازم ہیں۔ ڈیوٹی پر آ جائیں۔ یہ مولانا محی الدین لکھوی کی دعا کے فوراً بعد ۱۹۷۲ء کی بات ہے۔ چناں چہ انھوں نے ہائی وے میں ملازمت اختیار کر لی۔ ۱۹۷۲ء سے ۱۹۷۷ء تک اس محکمے میں ملازم رہے۔

مولانا محی الدین کے حلقۂ بیعت میں:

مولانا محی الدین لکھوی سے عارف جاوید محمدی کی پہلی ملاقات شاد باغ (لاہور) کی جامع مسجد اہل حدیث میں ہوئی تھی۔ وہاں ان کی اقتدا میں نمازِ جمعہ ادا کی۔ نمازِ مغرب انھوں نے احاطۂ تھانے دار کی مسجد نجم میں پڑھی۔ وہاں مولانا محی الدین کا درس بھی تھا جو عارف صاحب نے سنا۔ وہاں سے مولانا لکھوی چیچیاں والی مسجد میں چلے گئے۔ عارف صاحب بھی ان کے ساتھ گئے۔ رات وہیں رہے۔ نماز فجر کے بعد ان کا درس قرآن سننے کی سعادت حاصل کی۔ وہیں پہلی دفعہ علامہ احسان الٰہی ظہیر سے ملاقات ہوئی۔

اس سے کچھ عرصہ بعد مولانا لکھوی قلعہ دیدار سنگھ تشریف لے گئے۔ رات کو ''اگو چک'' گئے۔ آگے کسی اور گاؤں میں بھی ان کے عقیدت مند لے گئے۔ عارف جاوید محمدی کو پتا چلا تو یہ بھی وہاں پہنچ گئے۔ نماز فجر کے بعد ان کے درس قرآن میں شرکت کی۔ درس کے بعد بہت سے لوگوں نے مولانا لکھوی کے ہاتھ پر بیعت کی۔ عارف صاحب بھی ان کی بیعت سے مشرف ہوئے۔ بیعت لیتے وقت مولانا نے ان سے پوچھا بیٹا، نماز کا ترجمہ آتا ہے۔ انھوں نے اثبات میں جواب دیا تو فرمایا نماز سوچ سمجھ کر پڑھا کرو اور چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے ہر وقت اللہ کا ذکر کیا کرو۔ اس کے بعد عارف صاحب کئی مرتبہ مولانا لکھوی سے ملنے ان کے گاؤں گئے، جس کا نام انھوں نے الٰہ آباد رکھا تھا اور وہ گاؤں دیپال پور کے قریب ہے۔ مولانا لکھوی سے عارف صاحب بہت متاثر ہیں۔ ان کی عبادت گزاری اور نماز میں خشوع وخضوع کا ان پر بے حد اثر ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

حافظ محمد یحییٰ میر محمدی اور مولانا محمد یحییٰ شرق پوری:

مولانا محی الدین لکھوی کی وفات کے بعد عارف صاحب نے حافظ محمد یحییٰ عزیز میر محمدی کی بیعت کی۔ ان سے ان کی پہلی ملاقات ۱۹۷۳ء میں بنگابلوچاں واقع ''مرکز البدر'' میں ہوئی تھی۔ وہیں مولانا محمد یحییٰ شرق پوری کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ مولانا محی الدین لکھوی کی طرح ان دونوں کو بھی عارف صاحب نمونہ سلف اور اولیاء اللہ میں گردانتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ مولانا معراج الدین کے بعد دعوت وتبلیغ کے سلسلے میں سب سے زیادہ رہنمائی انھیں انہی بزرگوں کے طریق عمل اور اسلوبِ دعوت سے ملی۔ مولانا محمد یحییٰ شرق پوری کے درس قرآن کا عارف صاحب پر بہت اثر ہے۔

اسی طرح مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی، مولانا محمد اسماعیل سلفی، سید بدیع الدین راشدی کے علم وفضل اور کثرت مطالعہ کا بھی ان پر بے حد اثر ہے۔ مولانا محمد اسماعیل سلفی کے خطباتِ جمعہ اور تقریروں کے وہ خاص طور سے گرویدہ تھے۔ گوجراں والا میں مولانا سلفی نے جو خدمات سرانجام دیں اور جس تسلسل اور تواتر کے ساتھ دیں، ان میں کوئی ان کا حریف نہیں۔

عارف صاحب ریاض میں:

اس کے بعد حالات نے ایک اور پلٹا کھایا۔ وہ یہ کہ کسی طرح ۱۹۷۸ء میں عارف جاوید محمدی کاروباری سلسلے میں سعودی عرب کے دارالحکومت ریاض پہنچ گئے اور وہاں ملازمت کرنے لگے۔ انھیں اہل علم سے ملنے، ان کی خدمت میں حاضر ہونے اور ان سے تعلقات استوار کرنے کا ہمیشہ شوق رہا۔ چناں چہ ریاض میں بھی یہ شوق ان کے دل میں کروٹ لیتا رہا اور یہ اہل علم سے میل ملاقات کرتے رہے۔ قیام ریاض کے زمانے میں انھیں پتا چلا کہ یہاں کی سب سے بڑی مسجد ''جامع مسجد الترکی'' ہے اور اس مسجد میں نماز جمعہ کے بعد علامہ احسان الٰہی ظہیر کے برادرِ صغیر اور مشہور مصنف ومحقق پروفیسر ڈاکٹر فضل الٰہی درسِ قرآن دیتے ہیں۔ یہ اس مسجد میں پہنچ گئے، ڈاکٹر صاحب ممدوح سے ملے اور ان کا درس سنا۔ وہیں ان کی ملاقات ہندوستان کے ممتاز محقق ڈاکٹر محمد لقمان سلفی (مقیم ریاض) سے ہوئی۔ وہیں معروف ہندوستانی عالم مولانا عبدالرشید بستوی اور دیگر بہت سے حضرات سے ملاقات اور تعارف کا شرف حاصل ہوا۔ اس وقت کی مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے رہنما ڈاکٹر عبدالحفیظ بھی وہاں تشریف لائے تھے۔ ان سے بھی عارف صاحب کی وہاں ملاقات ہوئی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ریاض کے سلفی علما نے ڈاکٹر عبدالحفیظ صاحب کے درس اور عشائیہ کا اہتمام کیا تھا، اس میں عارف صاحب بھی شریک ہوئے۔ عارف جاوید صاحب کے بقول ڈاکٹر عبدالحفیظ بہت نیک اور جذبہ خدمت دین سے سرشار تھے۔ پروقار شخصیت کے مالک، لحیم وشحیم یعنی بسطة فی العلم والجسم۔ انھوں نے وہاں کی جماعت کے دوستوں کو بہت سی نصیحتیں کیں اور ہفتہ وار سلسلۂ درس جاری رکھنے اور دعوت وتبلیغ کا اہتمام کرنے کا مشورہ دیا۔ چناں چہ طے پایا کہ ہر جمعۃ المبارک کو ڈاکٹر محمد لقمان سلفی کے مکان پر درس ہوا کرے گا۔ اسی اثنا میں وہاں دعوت وتبلیغ کا سلسلہ بھی باقاعدگی سے شروع ہوگیا۔

اس درس میں بالعموم جو حضرات شرکت کرتے تھے، وہ تھے جامعہ ابوبکر الاسلامیہ کراچی کے بانی چودھری ظفر اللہ مرحوم، پروفیسر عبدالحفیظ مرحوم، مولانا احمد اللہ مبارک پوری مرحوم، حاجی محمد شریف چنگوانی ملتانی ﷾ اور بعض دیگر حضرات۔ اس کے بعد عارف جاوید صاحب نے ریاض کے منطقہ صناعیہ (فیکٹری ایریا) کے امام مسجد سے اجازت لے کر نمازِ جمعہ کے بعد درس دینا شروع کردیا۔ اس کے ساتھ جمعرات کو لوگوں کی مختلف اقامت گاہوں میں جا کر دعوت وتبلیغ کا کام کرنے لگے۔ یہ سلسلہ بڑی باقاعدگی سے جاری تھا کہ وہ فروری ۱۹۸۰ء میں ریاض سے پاکستان آ گئے۔

کویت میں قیام:

اس سے تقریباً گیارہ مہینے بعد دسمبر ۱۹۸۰ء میں عارف جاوید محمدی کاروباری سلسلے میں کویت چلے گئے اور ۱۹۸۱ء میں وہاں کی وزارۃ الاوقاف والشئون الاسلامیہ میں بہ طور ''امین مخزن'' ملازمت کرنے لگے۔ ۱۹۸۱ء سے ۲۰۰۰ء تک یہی ملازمت کرتے رہے۔

کویت آنے کے چند ماہ بعد عارف جاوید محمدی صاحب کی ملاقات معروف سلفی عالم اور ممتاز مذہبی سکالر شیخ عبدالرحمٰن عبدالخالق، شیخ محمد بن ابراہیم شیبانی، عالم اسلام کی معروف شخصیت طارق العیسٰی (رئیس جمعیت احیاء التراث الاسلامی کویت) شیخ عبداللہ السبت اور ممتاز محقق اور علوم حدیث کے ماہر شیخ بدر البدر سے ہوئی۔

جمعیت احیاء التراث الاسلامی کی تاسیس:

دسمبر ۱۹۸۱ء میں جمعیت احیاء التراث الاسلامی کی باقاعدہ تشکیل کی گئی اور ۱۹۸۲ء میں جمعیت احیاء التراث الاسلامی کے رئیس شیخ طارق العیسٰی نے مولانا عارف جاوید محمدی سے پاکستان میں تعمیر مساجد، تعمیر مدارس، ''حفر آبار'' (پانی کے لیے کنوئیں کھودنے یا ضرورت کی جگہ پر پانی کے نل

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

لگوانے)، کفالۃ الایتام (یتیم بچوں کی کفالت)، کفالۃ الدعاۃ (مبلغین اسلام کی کفالت) اور دیگر رفاہی امور سرانجام دینے کے لیے مشورہ کیا۔ پھر مولانا عارف جاوید نے رئیس جمعیت (شیخ طارق العیسٰی) کے حکم سے مولانا چراغ دین نورپوری سے مشاورت کرکے ان کے ذریعے تحصیل وزیر آباد کے گاؤں ساروکی میں اہل حدیث کی پہلی مسجد تعمیر کرائی۔

لجنۃ المساجد گوجراں والا:

بعد ازاں شیخ طارق العیسٰی کے حکم اور مولانا چراغ دین نورپوری کے مشورے سے ''لجنۃ المساجد گوجراں والا'' کے نام سے ایک کمیٹی بنائی گئی، جس کے صدر حاجی عبدالحق ناگی، ناظم مولانا چراغ دین نورپوری مقرر کیے گئے اور اس کے دیگر ارکان ہیں: حافظ عبدالمنان نورپوری، حاجی عبدالرشید ناگی اور شیخ خالد مسعود۔ ۱۹۸۲ء میں شیخ طارق العیسٰی نے مولانا عارف جاوید محمدی کے ساتھ پاکستان کا دورہ کیا اور جماعت اہل حدیث کے علما وزعما سے ملاقات کی۔

کویت میں پاکستانی اور ہندوستانی علمائے کرام کا دعوتی سلسلہ:

اب دیکھتے ہیں کہ کویت میں پاکستانی اور ہندوستانی اصحابِ علم جو دعوتی خدمات سرانجام دے رہے ہیں، اس کی ابتدا کس طرح ہوئی اور مرکز دعوۃ الجالیات کا قیام کب عمل میں آیا؟

شروع شروع میں کویت کی مسجد الشملان میں جو ''مرقاب'' میں ہے، مولانا عارف جاوید محمدی نے انفرادی طور پر ترجمہ کلاس جاری کی۔ بعد میں احباب ملتے گئے اور آہستہ آہستہ قافلہ بنتا اور آگے بڑھتا گیا۔ اس کی صورت اس طرح پیدا ہوئی کہ ۱۹۸۲ء میں ہندوستان کے تین ممتاز علمائے کرام کویت گئے، ایک مولانا عبدالحمید رحمانی جو اس وقت مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے ناظم تھے، دوسرے ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری جو جامعہ سلفیہ بنارس کے مہتمم تھے اور جنھوں نے ۳۰۔ اکتوبر ۲۰۰۹ء کو وفات پائی، تیسرے تھے مولانا عبدالواحد ابوالقاسم۔ ان کی تشریف آوری کی اطلاع شیخ عبداللہ السبت نے مولانا عارف جاوید محمدی کو دی۔ انھیں چوں کہ علمائے کرام سے ملنے اور ان کی خدمت میں حاضر ہونے کا ہمیشہ اشتیاق رہا ہے، اس لیے یہ ان حضرات کے پاس پہنچے اور ان سے ملاقات کی۔ اثنائے گفتگو میں مولانا عبدالحمید رحمانی نے ان سے فرمایا کہ وہ کویت کے علاقہ ''جہرا'' جانا چاہتے ہیں، آپ بھی میرے ساتھ چلیں۔ چناں چہ یہ ان کے ساتھ چلے گئے۔ وہاں ان کی ملاقات مولانا صلاح الدین مقبول احمد سے ہوئی جو ہندوستان کے معروف عالم دین اور ممتاز مصنف ومترجم اور عربی واردو کے نامور وادیب ہیں۔ یہ ان دونوں حضرات کی پہلی ملاقات تھی جس نے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

آگے چل کر گہرے مراسم اور مضبوط دوستی کی شکل اختیار کر لی۔ ❶

لجنۃ دعوۃ الجالیات کا قیام:

اب آگے چلیے.....!

۱۹۸۳ء میں مولانا عارف جاوید محمدی اپنی شادی کے لیے گوجراں والا آئے۔ شادی کے بعد واپس کویت جانے لگے تو ان کے سسر حاجی عبدالحق ناگی نے ان سے کہا کہ وہاں ان کے ایک دیرینہ دوست مولانا محمد بشیر طیب رہتے ہیں، ان سے ضرور ملیں۔ چناں چہ حاجی صاحب کی ہدایت کے مطابق انھوں نے مولانا محمد بشیر طیب سے ملاقات کی۔ اس کے بعد ۱۹۸۴ء میں باقاعدہ طور سے ''لجنۃ دعوۃ الجالیات'' کا قیام عمل میں آیا اور ''مرکز دعوۃ الجالیات'' کے نام سے جماعت بنائی گئی۔ ابتدا میں یہ چند افراد تھے اور وہ تھے مولانا عارف جاوید محمدی، مولانا محمد بشیر طیب، شیخ صلاح الدین مقبول احمد اور توفیق ہندی۔ ان حضرات نے شیخ صلاح الدین مقبول احمد کو اس جماعت کے امیر اور عارف جاوید محمدی کو ان کے نائب مقرر کیا۔

یہ تھا ابتدا میں ایک چھوٹا سا ڈھانچا۔ پھر جوں جوں قدم آگے بڑھتے گئے، اس میں احباب شامل ہوتے گئے اور رفقاے کار میں اللہ کے فضل سے تیزی آتی گئی۔ اس کا باعث صرف ان لوگوں کا اخلاص اور جذبۂ دعوت وتبلیغ تھا۔

کویت کی وزارتِ اوقاف سے دروس کے لیے پہلی تصریح ۲۶ مئی ۱۹۸۴ء کو حاصل کی گئی۔ یہ تصریح برائے درس مسجد شملان جمعرات کے روز بعد نماز عصر مولانا عارف جاوید محمدی کے نام پر تھی۔ بعد ازاں اس مسجد میں شیخ صلاح الدین نے درس دینا شروع کیا۔ پھر جب مسجد الشالیع تعمیر ہوگئی تو شیخ صلاح الدین اس مسجد میں جمعے کے دن مغرب کے بعد اور مسجد شملان میں جمعرات کے دن عشا کے بعد درس دینے لگے۔ یہ سلسلہ ۱۹۸۷ء تک جاری رہا۔

۱۹۸۷ء میں عارف جاوید محمدی اپنے بچوں کو کویت لے گئے تو انھوں نے کویت ایئرپورٹ کے قریب ''جلیب الشیوخ'' کے علاقے میں سکونت اختیار کر لی اور ان کی جگہ مسجد الشملان (مرقاب) میں مولانا محمد بشیر طیب نے درس دینا شروع کیا جو اب تک کامیابی سے جاری ہے۔ عارف جاوید محمدی صاحب نے اس کے بدلے میں اپنے قریبی علاقے ''حیطان'' کی مسجد ''ثنیان الغانم'' میں درس دینا شروع کیا (اس مسجد کے خطیب مولانا عبدالخالق مدنی ہیں، جن کے حالات اس کتاب میں

---

❶ مولانا صلاح الدین مقبول احمد کے حالات میں نے اپنی کتاب ''دبستانِ حدیث'' میں لکھے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مذکور ہیں) مولانا عارف جاوید محمدی پیر کے روز اس مسجد میں درس دیتے تھے۔ ان کے درس کا سلسلہ غزو الکویت (عراق کویت جنگ ۱۹۹۰ء) تک جاری رہا۔ اس جنگ کے دوران وہ اپنے وطن گوجراں والا آ گئے۔ پھر حالات معمول پر آئے تو ۱۹۹۱ء میں واپس کویت چلے گئے اور وزارت اوقاف والی پہلی ملازمت پر بحال ہوگئے۔ اب انھوں نے جمعرات کے روز نماز مغرب کے بعد ''مسجد ناصر الحمد'' میں جو علاقہ الحساوی میں ہے، درس دینا شروع کیا۔

۱۹۹۲ء میں مولانا محمد حسین ظاہری بہ سلسلۂ روزگار کویت گئے تو مرکز دعوۃ الجالیات نے انھیں بہ طور داعی اپنے پروگرام میں شامل کرلیا اور جمعیت احیاء التراث الاسلامی سے بہ طور داعی ان کا مشاہرہ مقرر کرایا گیا اور دعوتی سلسلہ باقاعدگی اور تیزی سے آگے بڑھنے لگا۔

عارف جاوید محمدی دروس قرآن کے علاوہ ۱۹۹۸ء سے باقاعدہ کویت کی وزارتِ اوقاف کے خطیب کی حیثیت سے اردو زبان میں خطبۂ جمعہ ارشاد فرما رہے ہیں۔ مہینے میں ان کے دو خطبے کویت شہر کی ''مسجد الشایع'' میں اور دو خطبے کویت کے علاقہ ''الشرق'' کی ''مسجد عبدالرحمٰن عبدالمغنی'' میں ہوتے ہیں۔

علمائے کرام سے عقیدت اور ان کے خطوط:

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا، عارف جاوید محمدی علمائے اہل حدیث سے بے پناہ عقیدت رکھتے ہیں اور ان سے ملاقات اور ان کی خدمت میں حاضر کا انھیں بچپن ہی سے شوق ہے۔ اکابر علما کے غیر مطبوعہ خطوط اور نوادر جمع کرنے کے بھی وہ ہر وقت متمنی رہتے ہیں۔ انھوں نے مولانا شمس الحق افغانی کی خدمت میں کئی دفعہ حاضری دی اور ان سے متعدد بزرگ علماء کی تحریرات کی نقول حاصل کیں۔ بقول ان کے اس وقت ان کے پاس مولانا عبدالواحد غزنوی، حضرت حافظ محمد گوندلوی، مولانا محمد اسماعیل سلفی، مولانا محمد داؤد راز، مولانا عبید اللہ رحمانی مبارک پوری، مولانا نذیر احمد رحمانی املوی، مولانا عبدالوہاب آروی، مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی، مولانا عبدالرؤف جھنڈا نگری، سید بدیع الدین شاہ راشدی اور بعض دیگر اکابر علمائے کرام کے خطوط موجود ہیں۔ اور جن عظیم شخصیات کے خطوط کی نقول ان کے پاس محفوظ ہیں، ان میں سعودی عرب کے فرمان روا شاہ عبدالعزیز کا خط مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری کے نام خاص طور سے قابل ذکر ہے۔ علاوہ ازیں ڈاکٹر تقی الدین ہلالی، شیخ محمد نصیف (جدہ) حضرت سید میاں نذیر حسین دہلوی اور بعض دیگر اکابر اصحابِ علم کی تحریرات اور خطوط ان کے کتب خانے کی زینت ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سند عالی کے بارے میں:

مولانا عارف جاوید محمدی کو سند عالی سے متعلق معلومات کے حصول کی غرض سے مختلف مستند علماے کرام سے رابطہ قائم کرنے اور ان سے اجازۃ الروایہ کی سعادت سے بہرہ مند ہونے کا بھی بے حد شوق ہے۔ ان کا نقطہ نظر یہ ہے جو بالکل صحیح ہے کہ برصغیر میں جن علماے کرام نے تدریسی یا تصنیفی اعتبار سے خدمت حدیث سرانجام دینے کا فریضہ سرانجام دیا، ان کے ہاں رسول اللہ ﷺ تک سلسلہ اسناد پہنچانے کے دو طرق یا دو ذریعے ہیں۔

ایک حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا سلسلۂ سند

دوسرا حضرت امام شوکانی رحمہ اللہ کا سلسلۂ سند

امام شوکانی کے ہندوستانی شاگردوں میں مولانا منصور الرحمٰن پنجابی، مولانا ولایت علی صادق پوری اور مولانا عبدالحق بنارسی کے اسماے گرامی قابل ذکر ہیں۔

شاہ ولی اللہ دہلوی کے متعلق سب سے عالی سند حضرت سید میاں نذیر حسین دہلوی کی ہے جو حضرت شاہ محمد اسحاق اور شاہ عبدالعزیز کے واسطے سے حضرت شاہ ولی اللہ تک پہنچتی اور پھر آگے کا سفر طے کرتی ہے۔ اس وقت حضرت میاں صاحب کا کوئی براہِ راست شاگرد دنیا میں موجود نہیں۔ لیکن ان کے شاگردان گرامی کے چند شاگرد موجود ہیں، مثلاً ہندوستان کے صوبہ یوپی میں مولانا محمد اعظمی (مئو) مولانا ظہیر الدین مبارک پوری، میوات (ہریانہ) میں مولانا محمد اسرائیل سلفی ندوی۔ پاکستان میں مولانا محمد بن عبداللہ شجاع آبادی جو حضرت میاں صاحب کے شاگردِ رشید مولانا ابوسعید شرف الدین دہلوی کے شاگرد ہیں۔

مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتابیں:

مولانا عارف جاوید محمدی کے پسندیدہ کاموں میں سے ایک کام مختلف موضوعات کی کتابیں جمع کرنا اور ان کا مطالعہ کرنا ہے۔ یہ ذوق انھوں نے حضرت مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی سے لیا ہے۔ اس ذوق کی وجہ سے ان کے کتب خانے میں بہت سی کتابیں جمع ہوگئی ہیں۔ ان کتابوں میں مطبوعہ کتابوں کے علاوہ غیر مطبوعہ (یعنی مخطوطات) کی فوٹو کاپیاں اور سی ڈیز کا بھی اچھا خاصا ذخیرہ موجود ہے۔ ان کا یہ کتب خانہ افادۂ عام کے لیے وقف ہے۔ یہ ان کی اولاد کی جائداد نہیں ہے، لیکن اس کی تولیت اور نگرانی ان کی اولاد ہی کرے گی۔ اسے فروخت نہیں کیا جاسکے گا البتہ بہ وقت ضرورت ایک سے زائد نسخوں کا دوسری کتابوں سے جو اس کتب خانے میں نہیں ہیں تبادلہ کیا جاسکتا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

خاندانی کوائف:

اب آیے عارف جاوید محمدی کے خاندانی کوائف کی طرف .....!

یہ علی الترتیب چار بھائی ہیں۔ ظفر اقبال، عارف جاوید محمدی، عبدالرحمٰن اور محمد ناصر۔ دو بہنیں تھیں، جن میں سے ایک فوت ہوگئی ہیں۔ باقی سب بہن بھائی ماشاء اللہ صحت وعافیت سے ہیں۔

عارف جاوید کی شادی جیسا کہ پہلے بتایا گیا ۱۹۸۲ء میں حاجی عبدالحق ناگی کی صاحب زادی سے ہوئی۔ نکاح شیخ الحدیث مولانا عبداللہ صاحب مرحوم نے پڑھایا تھا۔ حاجی عبدالحق ناگی کے والد محترم حاجی عبدالرحمٰن امرتسری تھے۔ ان کا شمار امرتسر کے معروف تجارت پیشہ لوگوں میں ہوتا تھا۔ مولانا حافظ عبداللہ روپڑی اور علماے غزنویہ سے ان کے گہرے مراسم تھے۔ انھوں نے سترہ مرتبہ حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی۔ ۱۹۴۷ء میں حاجی عبدالرحمٰن امرتسر سے گوجراں والا آئے تو مولانا محمد اسماعیل نے ان کو بڑے احترام کا مقام دیا۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری سے بھی ان کے تعلقات قائم تھے۔ حاجی عبدالرحمٰن امرتسری کی وفات کے بعد ان کے جانشین ان کے فرزند گرامی حاجی عبدالحق ناگی ہوئے۔ حاجی عبدالحق ناگی نے ۲۵۔ اپریل ۲۰۰۶ء کو وفات پائی۔ ان سطور کا راقم ان کے جنازے میں شریک تھا۔ حاجی صاحب مرحوم کی اولاد نرینہ چار بیٹے ہیں۔ عبدالسلام، عبدالمنان، عبدالمتین اور عبدالخالق۔

اولاد:

اب عارف جاوید محمدی کی اولاد کے متعلق چند الفاظ .....!

ان کے چار بیٹے ہیں اور دو بیٹیاں۔ چاروں بیٹے ماشاء اللہ حافظ قرآن ہیں۔

بڑے بیٹے کا نام حافظ عبداللہ عارف ہے۔ وہ مدینہ یونیورسٹی کے کلیۃ الشریعہ میں تعلیم حاصل کررہے ہیں۔

دوسرے بیٹے حافظ قاری عبدالرحمٰن ہیں۔ انھوں نے حفظ قرآن کے بعد پاکستان کے مشہور عالم قاری محمد ابراہیم میر محمدی سے قرأت وتجوید کی تعلیم حاصل کی۔ پھر جامعہ سلفیہ (فیصل آباد) میں داخلہ لیا اور وہاں کے اساتذہ سے حصولِ علم کرتے رہے۔ اب مدینہ یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کررہے ہیں۔

تیسرے بیٹے حافظ محمد شفیع ہیں۔ ان کا نام ان کے دادا کے نام پر رکھا گیا۔

چوتھے بیٹے ہیں حافظ محمد قاسم.....! آخر الذکر دونوں بیٹوں نے ۲۰۰۹ء میں قرآن حفظ کیا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ اب انھیں بھی کسی دارالعلوم میں داخل کرایا جائے گا۔ ان شاء اللہ

''محمدی'' نسبت کی وجہ:

اب سنیے مولانا عارف جاوید نے اپنی نسبت ''محمدی'' کیوں رکھی.....؟

اس کی وجہ وہ یہ بتاتے ہیں کہ بچپن ہی سے یہ سنتے آئے ہیں کہ کوئی نعمانی کہلاتا ہے، کوئی رضاخانی۔ ایک مرتبہ انھوں نے مرزا حیرت دہلوی کی کتاب ''حیاتِ طیبہ'' پڑھی جو کہ حضرت مولانا اسماعیل شہید دہلوی کے حالات پر مشتمل ہے۔ اس میں لکھا تھا کہ مولانا شہید کے عقیدت مند حضرات اپنی نسبت رسولِ اکرم ﷺ کی طرف کرکے ''محمدی'' کہلاتے تھے۔ عارف جاوید کو یہ نسبت پسند آئی جو کہ ایک اعلیٰ نسبت ہے۔ لہٰذا یہ بھی محمدی کہلانے لگے۔

گزشتہ سطور میں عارف جاوید محمدی کے جو حالات ہمارے مطالعہ میں آئے، ان سے پتا چلتا ہے کہ بچپن سے لے کر اب تک ان کا کاروانِ حیات مختلف منزلوں سے گزرا۔ غربت بھی دیکھی۔ تعلیم بھی حاصل کی، سرکاری ملازمت بھی کی۔ نیک لوگوں کی مجلسوں میں بھی حاضری دی، ان کے ساتھ سفر بھی کیے۔ علماے کرام سے بھی ملاقاتیں کیں۔ دعوت وتبلیغ کا سلسلہ بھی شروع کیا، درس وتدریس، وعظ وتبلیغ اور تقریر وخطابت کے شعبے سے بھی وابستگی اختیار کی۔ میں جولائی ۲۰۰۸ء میں کویت گیا تو میری ملاقات بھی بہت سے علماے کرام سے کرائی۔

دعا ہے اللہ تعالیٰ عارف جاوید محمدی اور ان کے اہل بیت کو خیر وعافیت سے رکھے اور یہ لوگ ہمیشہ کتاب وسنت کی دعوت میں مشغول رہیں۔



" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

قاری محمد ادریس عاصم

(ولادت ۱۹۵۴ء)

قاری محمد ادریس عاصم قرآنِ مجید کی قرأت وتجوید کے سلسلے میں ملک اور بیرونِ ملک میں بڑی شہرت رکھتے ہیں اور ان کے شاگردوں کے حلقہ ہائے قرأت وتجوید بھی دور تک پھیلے ہوئے ہیں۔ ان کا تذکرہ تفصیل کے ساتھ میں اپنی کتاب ''برصغیر کے اہل حدیث خدام قرآن'' میں کر چکا ہوں۔ وہ قرآن کے موضوع کی متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔ باقاعدہ عالم دین اور مدینہ یونیورسٹی کے فارغ التحصیل ہیں۔ لاہور کی لسوڑی والی مسجد میں ان کا حلقہ درسِ تجوید قرآن ایک مدت سے قائم ہے۔

وہ ۱۹۵۴ء میں لاہور میں پیدا ہوئے اور انھوں نے تحصیل علم کی مختلف منزلیں طے کیں۔ ہر منزل میں اللہ تعالیٰ نے کامیابی سے نوازا۔ انھوں نے قرآن سے متعلق ''متشابہات القرآن'' کے نام سے دو کتابیں تصنیف کیں۔ ایک مختصر جو ۱۶۸ صفحات پر مشتمل ہے اور ایک مفصل جو بڑے سائز کے ۴۱۶ صفحات میں پھیلی ہوئی ہے اور طلبا وعلماء کے لیے بے حد مفید.....!

اسی طرح ایک کتاب ''شجرۃ الاساتذہ فی اسانید القراءات العشرۃ المتواترۃ'' ہے جو ۳۲۷ صفحات پر محیط ہے۔ اس کتاب میں جیسا کہ نام سے ظاہر ہے قرآنِ مجید کی قراءات عشرہ کے اساتذہ کی اسناد کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس کا آغاز دراصل قاری محمد ادریس عاصم کے استاذ محترم اور مسجد چینیاں والی کے سابق استاذِ تجوید قاری اظہار احمد تھانوی مرحوم نے کیا تھا۔ لیکن وہ کتاب مکمل نہ کر پائے تھے کہ ۱۰۔ جمادی الاخریٰ ۱۴۱۲ھ (۱۷۔ دسمبر ۱۹۹۱ء) کو وفات پاگئے۔ اس کی تکمیل کی توفیق اللہ تعالیٰ نے قاری محمد ادریس عاصم کو مرحمت فرمائی۔ اس کتاب کا مطالعہ یوں تو سب اہل علم کو کرنا چاہیے، لیکن قراء کرام کو بالخصوص اس سے مستفید ہونا چاہیے۔

اب توجیہ القراءات کے نام سے قاری صاحب قرآن کے بارے میں کام کر رہے ہیں۔

قرآنِ مجید سے متعلق اکیس بائیس کتابوں کے علاوہ قاری صاحب نے دو اور کتابیں تصنیف فرمائیں، جن میں قرآن وحدیث کی روشنی میں بعض مسائل کی وضاحت کی گئی ہے۔ ایک ''قربانی کے مسائل'' اور دوسری ہے ''اللہم''۔ یہ قرآن وسنت کے حوالوں سے دعاؤں کا بہترین مجموعہ ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

قاری صاحب نے حدیث کی روشنی میں بعض عائلی مسائل کی وضاحت بھی کی ہے۔ مثلاً نکاح، طلاق، خلع اور دیگر اہم مسائل صراحت سے قلم بند کیے ہیں اور ہر حدیث کا ترجمہ کیا اور اس کی تشریح فرمائی ہے۔ یہ کتاب ابھی تک چھپی نہیں، ان شاء اللہ چھپے گی اور لوگ اس سے استفادہ کریں گے۔

اخلاقیات سے متعلق بھی انھوں نے ایک مجموعۂ احادیث ''اقوالِ رسول ہاشمی'' کے عنوان سے تیار کیا ہے۔ اس میں چار سو احادیث اردو ترجمے سمیت درج ہیں۔ محدثین کے حالات اور احادیث کے بارے میں ضروری معلومات اس میں آ گئی ہیں۔ یہ کتاب ابھی معرضِ اشاعت میں نہیں آئی۔

حدیث کی تحریری خدمت کے علاوہ قاری صاحب تدریسی خدمت بھی انجام دیتے ہیں۔

المدرسۃ العالیہ تجوید القرآن مسجد لسوڑی والی اندرون شیراں والا دروازہ (لاہور) میں صرف ونحو اور عربی ادب کی درسی کتابوں کے ساتھ طلبا کو ترجمہ قرآنِ مجید اور حدیث کی کتابوں بلوغ المرام اور نخبۃ الاحادیث کا درس دیتے ہیں۔

مدرسہ تعلیم القرآن والسنہ میں قاری صاحب ترجمہ قرآن اور مشکوٰۃ شریف پڑھاتے ہیں۔ یعنی تصنیف وتالیف کا سلسلہ بھی جاری ہے اور خاص پیمانے پر تدریس حدیث کا بھی.....!

①..... قاری صاحب کے بچے بھی خدمت قرآن وحدیث میں مصروف ہیں۔

ان کی اولاد میں سب سے بڑی بیٹی ہے جو ۲۱ مارچ ۱۹۷۹ء کو پیدا ہوئی۔ اس نے اپنے والد سے تجوید کے ساتھ قرآن مجید حفظ کیا۔ پھر میٹرک کا امتحان دینے کے بعد گوجراں والا کے مدرسہ تعلیم القرآن والحدیث میں درسِ نظامی کی تکمیل کی۔ بعد ازاں چار سال وہیں پڑھاتی رہیں۔ اس کے بعد حبیب گنج لاہور کے مدرسہ تعلیم القرآن والحدیث للبنات میں تقریباً پانچ سال تدریس کی۔ حضرت مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی کے نواسے قاری احمد حسن بن قاری سیف اللہ حافظ آبادی کے ساتھ شادی ہوئی۔ اب حافظ آباد میں بچیوں کے مدرسے میں پڑھاتی ہیں۔

②..... محمد عمیر ۸ مارچ ۱۹۸۲ء کو پیدا ہوا۔ قرآنِ مجید حفظ کر کے کچھ تعلیم حاصل کی۔ پھر کاروبار میں مشغول ہو گیا۔

③..... قاری ابوبکر نے مڈل پاس کر کے قرآنِ مجید حفظ کیا اور اپنے والد سے فن تجوید سیکھا۔ جامعہ اسلامیہ گوجراں والا سے درسِ نظامی کی تکمیل کی۔ لاہور ٹھوکر نیاز بیگ کے دارالعلوم میں بھی پڑھتے رہے۔ اب المدرسۃ العالیہ مسجد لسوڑی والی میں طلبا کو قرأت وتجوید بھی پڑھاتے ہیں اور درس نظامی کی تعلیم بھی دیتے ہیں۔ علاوہ ازیں مدرسہ تعلیم القرآن والسنہ میں بھی ان کا سلسلۂ تدریس جاری ہے۔ انھوں نے اخلاقیات اور بعض ضروری مسائل پر مشتمل سو احادیث کا ایک مجموعہ ترتیب دیا ہے۔ طلبا کو حدیث کی بعض کتابیں بھی پڑھاتے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

قاری ابوبکر نے جن اساتذہ سے تعلیم حاصل کی۔ وہ ہیں قاری محمد ادریس عاصم، مولانا فاروق راشدی، مولانا محمد اعظم، مولانا عبدالعلیم علوی، مولانا عطاء اللہ ساجد، مولانا محمد اکرم رحمانی اور قاری نجم الصبح۔

④..... اویس احمد کی ولادت یکم جنوری ۱۹۸۸ء کو ہوئی۔ قرآنِ مجید حفظ کیا اور اپنے والد (قاری محمد ادریس عاصم) سے تجوید پڑھی۔ آج کل مرکز الدعوۃ السلفیہ (ستیانہ بنگلہ ضلع فیصل آباد) میں تعلیم حاصل کرتے ہیں۔

⑤..... وقاص احمد کی تاریخ پیدائش ۳۰ مئی ۱۹۸۹ء ہے۔ میٹرک کرنے کے بعد گوجراں والا میں مزید تعلیم حاصل کررہے ہیں۔

قاری محمد ادریس عاصم کی خدمات ماشاء اللہ نہایت اہم ہیں جو انھوں نے تدریسی اور تصنیفی صورت میں قرآن وحدیث کے متعلق سرانجام دیں اور دے رہے ہیں۔ ان کے بچے بھی اللہ کی مہربانی سے اسی راہ پر گامزن ہونے کے لیے کوشاں ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ وہ اس کوشش میں کامیاب ہوں اور عالی ہمت باپ کی طرح قرآن وحدیث کی خدمت کو اپنا مقصد حیات قرار دے لیں۔ جو شخص اللہ کے دین کی خدمت کے لیے اپنے آپ کو وقف کردیتا ہے اللہ تعالیٰ لازماً ہر موقعے پر اس کی مدد کرتا ہے۔

قاری صاحب کی ایک بیٹی اور ایک بیٹا قاری ابوبکر تو قرأت وتجوید اور درس نظامی کی تکمیل کے بعد سلسلۂ تدریس میں مصروف ہوگئے ہیں اور دوسرے بچے حصولِ علم کی منزل میں ہیں۔ اللہ ان سب کا حامی وناصر ہو۔ (یہ سطور ۲۵۔ مئی ۲۰۰۹ء کو لکھی گئی ہیں۔)



" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مولانا محمد شریف چنگوانی

(ولادت ۲۰۔ اپریل ۱۹۵۵ء)

۲۰۰۰ء کے اپریل کے پہلے ہفتے کی کوئی تاریخ تھی کہ ہم تین آدمی ملتان گئے۔ حافظ احمد شاکر، ان کے صاحب زادے حافظ خلاد شاکر اور ان سطور کا راقم عاجز۔ ہمارا پروگرام وہاں رات گزار کر ڈاکٹر حافظ عبدالکریم صاحب کے ایک جلسے میں شرکت کے لیے ڈیرہ غازی خاں جانے کا تھا۔ سورج غروب ہونے کے کافی دیر بعد ہم بس سے اتر کر جس مکان پر پہنچے، اس کے طول وعرض میں اس کا مسقف حصہ بھی دور تک پھیلا ہوا تھا اور صحن بھی خاصا وسیع تھا۔ جس کمرے میں ہمیں لے جایا گیا، وہاں میاں محمد جمیل بھی موجود تھے جو اس وقت مرکزی جمعیت اہل حدیث کے منصب نظامت علیا پر فائز تھے اور حافظ احمد شاکر کے بڑے صاحب زادے عزیزی حافظ حماد شاکر بھی تشریف فرما تھے۔ میاں محمد جمیل کسی جماعتی سلسلے میں گئے تھے اور حماد شاکر شاید اپنے کاروباری معاملے میں گئے ہوں گے۔

مجھے کچھ معلوم نہ تھا کہ یہ کیا جگہ ہے، اس کا کیا مصرف ہے اور اس کے مکین یا مالک کون صاحب ہیں۔ لیکن یہ لوگ وہاں بڑی بے تکلفی سے بیٹھے تھے اور ان کے انداز نشست و برخاست اور اسلوبِ قیام وکلام سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ اس عمارت اور صاحبِ عمارت سے دیرینہ مراسم رکھتے ہیں اور یہاں آمد ورفت ان کے معمولات کا حصہ ہے۔

ہمارے جاتے ہی فوراً حماد شاکر باورچی خانے یا کسی اور جگہ گئے اور چند منٹ میں چائے اور بسکٹ لے آئے۔ تھوڑی دیر بعد کھانا آ گیا۔ ہمارے سونے کے کمرے کی بھی نشان دہی کر دی گئی۔ یہ سارا کام حماد شاکر نے کیا۔ اسی احاطے میں خاصی وسیع مسجد تھی، جس میں ہم نے مغرب اور عشا کی نمازیں پڑھیں۔

کھانے اور نماز کے بعد مجھے حماد شاکر نے باہر نکالا اور بتایا کہ یہ بہت بڑا دارالعلوم ہے، جس کا نام مرکز محمد بن قاسم ہے۔ یہ دارالعلوم جن صاحب کی کوشش سے قائم ہوا ہے، ان کا نام مولانا محمد شریف چنگوانی ہے۔ انھوں نے لڑکیوں اور لڑکوں کے لیے الگ الگ دارالعلوم قائم کیے ہیں۔ صحن میں دو تین بسیں کھڑی تھیں۔ انھوں نے بتایا کہ ان بسوں کے ذریعے لڑکیوں کو گھروں سے لایا اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

واپس گھروں میں پہنچایا جاتا ہے۔ چنگوانی صاحب ملتان شہر اور اس علاقے کی جماعت اہل حدیث کے مشہور رکن ہیں۔ اور بلوچوں کی چنگوانی شاخ سے ان کا تعلق ہے۔

یہ نام میں نے پہلی دفعہ سنا تھا۔ میں مرکزی جمعیت کے قیام ۱۹۴۸ء سے لے کر ۱۹۶۵ء تک اپنی بساط کے مطابق جماعت کی خدمت کرتا رہا۔ پہلے مجھے اس کا آفس سیکرٹری بنایا گیا۔ پھر مرکزی جمعیت اہل حدیث کے ترجمان ہفت روزہ اخبار ''الاعتصام'' سے وابستہ کردیا گیا۔ ان حیثیتوں کی رو سے میرا جماعت کے ارکان سے قریبی تعلق رہتا تھا اور جماعت کے ارکان مجھ سے رابطہ رکھتے تھے۔ پھر حالات نے ایسا پلٹا کھایا کہ پندرہ سولہ سال کے بعد مجھے اخبار ''الاعتصام'' کی ادارت سے علیحدہ ہونا پڑا اور میرا رشتہ تصنیف وتالیف کے شعبے سے قائم ہوگیا۔ اس طرح ۱۹۶۵ء سے لے کر ۱۹۹۷ء تک بتیس سال کا طویل عرصہ گزر گیا اور میرے عمل وحرکت کا دھارا دوسرا رخ اختیار کرگیا۔ اس طویل عرصے میں جماعت سے تعلق رکھنے والے بچے جوانی کی منزل سے بھی آگے نکل کر کہولت کے دائرے میں پہنچ گئے۔ جوان بوڑھے ہوگئے اور اس وقت کے بوڑھے سفر آخرت پر روانہ ہوگئے۔ بہت سے لوگ مجھے بھول گئے اور بہت سوں کے نام اور چہرے میرے ذہن سے نکل گئے۔ ان لوگوں سے مراسم بڑھ گئے جو تصنیف وتحقیق سے دلچسپی رکھتے تھے۔ جس جماعت کی تنظیم کے بارے میں بھاگ دوڑ کی تھی، اس کا معاملہ بھی بہت حد تک بدل گیا۔ اس لیے مجھے معلوم نہ تھا کہ جماعت کے کون سے نئے لوگ کیا کام کرتے ہیں۔ میں ان کے نزدیک اصحابِ کہف میں سے تھا اور وہ میرے لیے اجنبی تھے۔ لہٰذا اگر میں مولانا محمد شریف چنگوانی کے نام اور کام سے ناواقف تھا اور وہ مجھ سے ناواقف تھے تو کوئی تعجب کی بات نہ تھی۔

میں صبح حسب معمول تین بجے اٹھا اور مسجد میں گیا تو دیکھا کہ بہت سے بچے قرآنِ مجید پڑھ رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ اس دارالعلوم کے وہ طالب علم ہیں جو قرآنِ مجید حفظ کررہے ہیں۔ انھیں دیکھ کر نہایت خوشی ہوئی اور دارالعلوم کے بانی وناظم کے لیے جنھیں ابھی تک نہیں دیکھا تھا، دل کی گہرائی سے دعا نکلی۔

نمازِ فجر کے بعد ایک صاحب سے حافظ احمد شاکر نے تعارف کرایا۔ میانہ قد، کسرتی جسم، گندمی رنگ، سیاہ معتدل داڑھی۔ سر پر ٹوپی، سفید شلوار قمیص میں ملبوس۔ پتا چلا کہ یہی مولانا محمد شریف چنگوانی ہیں، جن کی کوشش سے یہ دارالعلوم قائم ہوا اور جنھوں نے اس کے اہتمام ونظامت کی ذمہ داری کا بوجھ اٹھا رکھا ہے..... ان کے چہرے پر میں نے دیکھا کہ سنجیدگی نے غلبہ پا رکھا تھا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ولادت اور ابتدائی تعلیم:

محمد شریف چنگوانی ۲۰۔ اپریل ۱۹۵۵ء کو ضلع ڈیرہ غازی خاں کے علاقے ''چوٹی زیریں'' میں پیدا ہوئے۔ والد کا اسم گرامی عبدالغفور خاں چنگوانی ہے۔ چھٹی جماعت تک چوٹی زیریں کے گورنمنٹ ہائی سکول میں تعلیم حاصل کی۔ بعد ازاں موسم گرما کی تعطیلات میں حضرت مولانا عبدالتواب ملتانی کے تلمیذ رشید مولانا عبدالاحد چنگوانی کے بڑے بیٹے مولانا نصیر احمد سے فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھنا شروع کر دیں۔ تعطیلات ختم ہوئیں تو سرکاری سکول نہیں گئے۔ والد نے بھی کہا، سکول کے ہیڈ ماسٹر نے بھی پیغام بھجوایا، لیکن انھوں نے سرکاری سکول کی تعلیم کا سلسلہ ختم کر دیا اور دینی تعلیم کے حصول پر کمربستہ ہوگئے۔ والدین سے کہا کہ ہماری سین روڈ والی زمین میں مدرسہ بھی تعمیر کرا دیا جائے اور مسجد بھی۔ انھوں نے بیٹے کا یہ مطالبہ پورا کر دیا تو مولانا نصیر احمد کی خدمات بہ طور مدرس حاصل کر لی گئیں اور مروّجہ نصاب کے مطابق درس وتدریس کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ مولانا نصیر احمد ان کے ماموں مولانا عبدالاحد کے بیٹے تھے۔ ان سے محمد شریف چنگوانی نے فارسی کی تین کتابیں پڑھیں:

①..... کریما، ②..... گلستان اور ③..... بوستان۔

کراچی کا سفر:

اسی اثنا میں ان کے ماموں زاد بھائی مولانا عبدالباسط نے ان کو کراچی میں تعلیم حاصل کرنے کا مشورہ دیا تو وہاں پہنچ گئے۔ حافظ عبدالستار دہلوی (امیر جماعت غرباء اہل حدیث) کے مدرسے میں داخلہ لیا اور پڑھنا شروع کر دیا۔ وہاں انھوں نے بعض درسی کتابیں مولانا عبدالعزیز طور سے پڑھیں جو میاں محمد باقر (ساکن جھوک دادو ضلع فیصل آباد) کے قریبی عزیز تھے۔ وہ ایک فاضل اور قابل استاذ تھے۔ بعض کتابوں کی تکمیل مولانا عبدالعزیز نورستانی سے کی۔ وہ بھی مشفق استاذ تھے اور بہت اچھی طرح پڑھاتے تھے۔ ان دونوں ہم نام اساتذہ کے طریق تدریس سے چنگوانی صاحب بہت متاثر ہیں۔

جامعہ محمدیہ گوجراں والا میں:

کراچی غالباً ایک سال رہے ہوں گے۔ پھر گوجراں والا آ گئے اور مولانا عبداللہ صاحب مرحوم کی جی ٹی روڈ پر قائم کردہ جامعہ محمدیہ میں داخلہ لے لیا۔ وہاں اس دور میں بعض دیگر حضرات کے علاوہ (علامہ احسان الٰہی ظہیر کے چھوٹے بھائی) ڈاکٹر فضل الٰہی انتہائی درسی کتابیں پڑھتے تھے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

چنگوانی صاحب نے جامعہ محمدیہ میں مولانا عبدالحمید ہزاروی، حافظ عبدالسلام بھٹوی، مولانا عبداللہ صاحب بانی جامعہ، مولانا جمعہ خاں اور بعض دیگر حضرات سے مختلف نصابی کتابیں پڑھیں۔ یہاں وہ ۱۹۷۲ء تک تعلیم حاصل کرتے رہے۔ وہیں مولانا محمد چراغ مرحوم کے جامعہ عربیہ میں فاضل عربی کا نصاب پڑھا اور ۱۹۷۳ء میں لاہور بورڈ سے فاضل عربی کا امتحان پاس کیا۔

جامعہ سلفیہ فیصل آباد میں:

اسی سال (۱۹۷۳ء) میں جامعہ سلفیہ فیصل آباد میں داخلہ لیا اور مولانا محمد عبدہ الفلاح سے صحیح بخاری پڑھی۔ اس وقت چودھری محمد یاسین ظفر اور مولانا محمد یونس بٹ بھی جامعہ سلفیہ میں پڑھتے تھے، لیکن وہ مولانا محمد شریف چنگوانی صاحب سے جونیئر جماعتوں میں تھے۔

سلسلہ تدریس:

مروّجہ نصابی تعلیم سے فارغ ہو کر چنگوانی صاحب اپنے وطن چوٹی زیریں واپس آ گئے اور مدرسہ محمدیہ میں تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ یہ وہی مدرسہ ہے جہاں مولانا نصیر احمد مدرس تھے۔ اب وہ اس کے مہتمم تھے اور مولانا محمد شریف چنگوانی مدرس۔ انھوں نے ۱۹۷۵ء سے ۱۹۷۷ء تک دو سال وہاں فریضہ تدریس سرانجام دیا۔ اس اثنا میں جو طلبا ان سے تعلیم حاصل کرتے تھے، ان میں ڈاکٹر حافظ عبدالکریم (ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیت اہل حدیث)، مولانا اللہ بخش (سابق مدرس اوڈاں والا)، سیٹھ محمد یوسف مہر اور مولانا سیف اللہ دریشک شامل ہیں۔ ان حضرات نے ان سے کافیہ، علم الصیغہ، فصولِ اکبری اور بعض دیگر کتابیں پڑھیں۔ اس مدرسے میں ان کی تنخواہ پانچ سو روپے تھی۔ لیکن یہ تنخواہ سال بھر کے بعد رمضان شریف میں ملتی تھی۔ انھوں نے یہ ساری تنخواہ مسجد کا فرش لگانے کے لیے دے دی۔ خود اپنے گزر اوقات کے لیے اپنی زمین کی کاشت کرنے لگے۔ اس کاشت کاری سے انھیں بہت فائدہ ہوا۔ اس سے پندرہ کنال زمین مزید خرید لی۔

مدینہ منورہ کا عزم:

کچھ عرصہ انھوں نے اس مدرسے میں خدمت تدریس انجام دی۔ پھر عمرے پر جانے کا ارادہ کیا۔ عمرے کے بعد کسی طریقے سے ان کی خواہش مدینہ یونیورسٹی میں داخلہ لینے کی تھی۔ اتفاق سے مکہ مکرمہ میں ان کی ملاقات ایک عالم دین شیخ محمد عطاء اللہ سے ہوئی۔ وہ پاکستانی تھے اور ان کا آبائی وطن تحصیل جام پور (ضلع راجن پور) تھا۔ قیامِ پاکستان سے قبل وہ یہاں سے ہجرت کر کے مکہ مکرمہ چلے گئے تھے اور اب مدینہ منورہ میں مقیم تھے۔ انھوں نے علمائے نجد سے تعلیم حاصل کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تھی۔ سعودی حکمرانوں سے ان کے اچھے تعلقات تھے اور ان میں سے بعض کے محلات میں انھیں وعظ کہنے کی بھی دعوت دی جاتی تھی اور وہ موثر وعظ کہتے تھے۔

شیخ محمد عطاء اللہ نے چنگوانی صاحب سے پاکستان میں ان کے مقام سکونت کے متعلق پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ وہ ڈیرہ غازی خاں میں چوٹی زیریں کے رہنے والے ہیں۔ پھر ایک بزرگ مولانا عبدالرحمٰن چنگوانی کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ وہ میرے نانا تھے۔ اس پر وہ بہت خوش ہوئے اور انھیں گلے لگا لیا اور فرمایا کہ مولانا عبدالرحمٰن چنگوانی میرے دوست تھے۔

جامعہ امام محمد بن سعود ریاض میں داخلہ:

مولانا محمد شریف چنگوانی نے ان سے کہا کہ وہ مدینہ یونیورسٹی میں داخل ہونا چاہتے ہیں۔ وہ انھیں مدینہ منورہ لے گئے، لیکن وہاں جا کر معلوم ہوا کہ مدینہ یونیورسٹی میں داخلے بند ہو چکے ہیں۔ انھوں نے فرمایا کہ گھبراؤ نہیں، میں آپ کو ریاض کی کسی یونیورسٹی میں داخل کرا دوں گا، چناں چہ یہ انھیں ریاض لے گئے اور شیخ عبدالعزیز بن باز کے مکان پر پہنچے۔ وہاں کھانا کھایا اور ان سے آمد کا مقصد بیان کیا تو انھوں نے ریاض کی جامعہ امام محمد بن سعود کے پروفیسر ڈاکٹر عبداللہ زاہد کے نام سفارشی رقعہ دیا۔ رقعہ لے کر یہ دونوں اسی وقت رات کو پروفیسر صاحب کے گھر پہنچے اور دوسرے دن جامعہ امام محمد بن سعود میں انھیں داخلہ مل گیا۔ اب یہ ریاض سے واپس پاکستان پہنچے اور یہاں سے ویزا لگوا کر ریاض چلے گئے اور جامعہ امام محمد بن سعود کے کلیۃ الحدیث واصول الدین میں پڑھنا شروع کر دیا۔ یہ ۱۹۷۷ء کی بات ہے۔

ڈیرہ غازی خان میں مدرسے کا قیام:

جامعہ ابوبکر الاسلامیہ (کراچی) کے بانی پروفیسر ظفر اللہ چودھری بھی اس زمانے میں وہیں تھے، چنگوانی صاحب کے ان سے دوستانہ تعلقات پیدا ہو گئے تھے جو ہمیشہ قائم رہے۔ اپنی تعلیم کے دوران ہی میں چنگوانی صاحب نے جامعہ ابی بکر کی ایک شاخ کے طور پر ڈیرہ غازی خاں میں ایک اسلامی ادارے کی بنیاد رکھی۔ اس کے لیے پروفیسر ظفر اللہ نے ان کو کچھ رقم دی۔ اس رقم سے انھوں نے ڈیرہ غازی خاں راجن پور روڈ پر ۹ ایکڑ زمین خریدی جو جامعہ ابوبکر کے نام کر دی گئی۔ اس زمین میں مدرسہ عمار بن یاسر جاری ہے جس کا انتظام ڈاکٹر حافظ عبدالکریم کے ہاتھ میں ہے۔

عرب اساتذہ سے استفادہ:

جامعہ امام محمد بن سعود کی تعلیم کے زمانے میں چنگوانی صاحب نے جامعہ سے باہر کے استاد شیخ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

عبداللہ بن حمید (ریاض کے قاضی القضاۃ) اور بعض دیگر حضرات کے تدریسی حلقوں میں بھی شرکت کی اور ان سے استفادہ کیا۔ سعودی عرب کے مفتی اعظم شیخ عبدالعزیز بن باز اور نائب مفتی شیخ عبدالرزاق عفیفی کے دروس میں بھی شمولیت کی اور ان سے مستفید ہوئے۔ شیخ عبدالرزاق عفیفی سے عقیدہ واسطیہ اور عقیدہ طحاویہ الگ الگ پڑھے۔ جامعہ امام محمد بن سعود میں جن حضرات سے دوستانہ تعلقات قائم ہوئے، ان میں امام کعبہ شیخ عبدالرحمٰن السدیس کا اسم گرامی خاص طور سے قابل ذکر ہے۔

۱۹۷۷ء میں وہ جامعہ محمد بن سعود میں داخل ہوئے تھے۔ ۱۹۸۱ء میں اس کی نصابی تعلیم سے فارغ ہوئے۔ چار سال وہ عرب شیوخ کے قریب رہے۔ اس اثنا میں انھوں نے ان شیوخ سے بہت کچھ سیکھا۔ تعلیم سے فراغت کے بعد ریاض ہی میں سکونت اختیار کرلی اور وہاں علامہ ناصر الدین البانی کے شاگرد اور بہت سی کتابوں کے مصنف شیخ عدنان العرعود کے ساتھ ایک تحقیقی وعلمی ادارے میں رجال حدیث پر کام کرنے لگے۔

مرکز ابن القاسم ملتان کا قیام:

اسی دوران شیخ عبداللہ سلفی نے اپنے ادارہ معہد الشریعہ والصناعیہ (کوٹ اڈو) کے افتتاح کے موقعے پر بعض عرب علما کو دعوت دی جن میں شیخ عبداللہ الجلالی اور شیخ عبداللہ المعتاد قابل ذکر ہیں۔ ان عرب شیوخ کو ان حضرات نے ملتان کی سیر بھی کرائی اور بعض درباروں اور مزاروں پر بھی لے گئے، جن پر عرب شیوخ نے لوگوں کو سجدہ ریز ہوتے دیکھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان دونوں شیوخ (عبداللہ الجلالی اور عبداللہ المعتاد) نے ملتان میں ایک تدریسی ادارہ قائم کرنے کا عزم کیا اور ادارہ قائم کردیا گیا۔ چوں کہ محمد بن قاسم کے زیر قیادت ۹۳ ہجری میں سندھ پر حملے کے وقت اسلامی فوجیں اس نواح میں آئی تھیں اور ملتان میں بھی ان کا ورود ہوا تھا، اس لیے اس تدریسی ادارے کا نام مرکز ابن قاسم رکھا گیا۔ ۱۹۸۵ء میں کرائے پر ایک بلڈنگ لی گئی اور مولانا عبدالحق ملتانی کے حفید مولانا انیس الحق افغانی کی نگرانی میں تدریس کا آغاز ہوگیا۔

مرکز ابن القاسم کا اہتمام:

اب ضرورت اس بات کی تھی کہ اس مرکز کا کسی کو مدیر یا ناظم مقرر کیا جائے، لیکن کس کو مقرر کیا جائے؟ یہ اہم مسئلہ تھا۔ مذکورہ بالا دونوں شیوخ نے (جنھوں نے یہ مرکز قائم کرنے کا مشورہ دیا تھا اور اللہ کی مہربانی سے قائم ہو بھی گیا تھا) مختلف حضرات سے اس کی مستقل طور سے ادارت ونظامت کے متعلق مشورہ کیا تو سب نے یہی مشورہ دیا کہ یہ ذمہ داری مولانا محمد شریف چنگوانی کے سپرد کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

جائے۔ وہ ملتان جائیں اور مرکز کو صحیح انداز سے چلائیں۔ چناں چہ ان شیوخ نے ان سے رابطہ کیا اور ملتان جانے کے لیے کہا تو انھوں نے معذرت کردی۔ اس سے کچھ مدت بعد حج کا موسم آیا تو مولانا محمد شریف چنگوانی حج کے لیے گئے۔ وہ بیت اللہ شریف کا طواف کررہے تھے کہ دوران طواف اچانک ان کی ملاقات شیخ عبداللہ المحتاد سے ہوئی۔ انھوں نے ان کو گریبان سے پکڑ لیا اور کہا کہ اگر آپ نے پاکستان جا کر مرکز ابن القاسم کا انتظام اپنے ہاتھ میں نہ لیا تو میں قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے دربار میں اسی طرح تمھارا گریبان پکڑ کر عرض کروں گا کہ اس شخص نے جامعہ امام محمد بن سعود میں تعلیم حاصل کی اور پھر اپنے ملک میں جا کر دین کی خدمت کرنے کے بجائے آرام وراحت کی زندگی بسر کرنے کے لیے یہیں سکونت اختیار کرلی۔

شیخ ممدوح نے یہ الفاظ معلوم نہیں کس جذبے کے تحت زبان سے ادا کیے تھے۔ ان الفاظ سے محمد شریف چنگوانی اتنے متاثر ہوئے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور وعدہ کیا کہ وہ ضرور پاکستان جا کر یہ خدمت سرانجام دیں گے۔ چناں چہ حج کے بعد ریاض آئے اور اہل خانہ سے پاکستان جانے کے متعلق بات کی تو انھوں نے انکار کردیا اور کہا کہ ہم وہاں نہیں جائیں گے، یہیں رہیں گے۔ بہرحال وہ اہل وعیال سمیت پاکستان آگئے۔

۱۹۸۵ء میں مرکز ابن القاسم قائم ہوا تھا۔ ۱۹۸۷ء میں مولانا محمد شریف چنگوانی نے ملتان آ کر اس کے انتظامی معاملات اپنے ہاتھ لیے۔ انتظام کے علاوہ تدریسی خدمات بھی انجام دینے لگے۔ اس وقت یہ مرکز ایک پرانی عمارت میں تھا اور ساٹھ ستر طلبا تعلیم حاصل کرتے تھے۔ حفظ قرآن کا شعبہ بھی قائم تھا۔ چنگوانی صاحب نے آتے ہی تھانہ بوہڑ گیٹ کے بالمقابل ایک کوٹھی کرائے پر لی اور یہ تدریسی مرکز وہاں منتقل کردیا گیا۔ بعد ازاں اس مرکز کے لیے محمود کوٹ بوسن روڈ پر لب سڑک ایک سو پچیس کنال زمین خریدی گئی۔

مرکز ابن القاسم کا سنگ بنیاد:

۱۹۸۸ء میں مولانا محمد شریف چنگوانی نے سعودی عرب کے شاہ فہد کو خط لکھا جس میں عرض کیا گیا تھا کہ مرکز ابن القاسم کا سنگ بنیاد رکھنے کے لیے شیخ محمد بن عبداللہ سبیل امام کعبہ کو ملتان بھیجا جائے۔ شاہ مرحوم نے ازراہ کرم یہ گزارش منظور کی اور شیخ ممدوح آٹھ روز کے لیے ملتان تشریف لائے اور مرکز ابن القاسم کا سنگ بنیاد رکھا۔ مولانا محمد شریف چنگوانی امام کعبہ کو پاکستان کے مختلف مدارس ومراکز میں لے کر گئے اور بہت سے اہل حدیث حضرات سے ان کی ملاقات کرائی۔

مرکز ابن القاسم اللہ کے فضل سے ملتان کے تمام تدریسی اور تعلیمی اداروں سے زیادہ رقبے میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

پھیلا ہوا ہے۔ دینی علوم کے ساتھ ساتھ اس میں عصری تعلیم کا بھی انتظام کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ لڑکیوں کی تعلیم کے لیے جامعہ فاطمہ کا قیام عمل میں آچکا ہے۔ مولانا محمد شریف چنگوانی نے خانیوال روڈ پر بھی ایک بہت بڑا تدریسی ادارہ قائم کیا ہے جو اپنی نوعیت کا منفرد ادارہ ہے۔

خدمات کا وسعت پذیر دائرہ:

بے شبہ مولانا محمد شریف چنگوانی کی خدمات کا حلقہ بہت وسیع ہے۔ حصول علم کے بعد انھوں نے کئی سال چوٹی زیریں کے مدرسہ محمدیہ میں تدریس کی۔ مرکز ابن القاسم میں بھی کافی عرصہ ان کی مسند درس آراستہ رہی۔ اس اثنا میں بہت سے تشنگانِ علوم دینیہ نے انؒ کے سامنے زانوئے شاگردی تہہ کیے۔

ان کی تبلیغی خدمات کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ وہ مختلف مقامات میں تقریریں کرتے اور خطبہ جمعہ ارشاد فرماتے ہیں۔ لوگ انھیں اپنے جلسوں میں شرکت کی دعوت دیتے اور وہ ان جلسوں میں تشریف لے جاتے ہیں۔

مرکز ابن القاسم اور جامعہ فاطمہ للبنات میں ایک ہزار سے زیادہ طلبا وطالبات تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ اور متعدد قابل اساتذہ انھیں تعلیم دیتے ہیں۔ طلبا کے لیے قابل اساتذہ اور طالبات کے لیے خواتین اساتذہ کا تقرر عمل میں لایا گیا ہے۔

حفظ قرآن کے شعبے میں قرأت وتجوید کے ماہر اساتذہ کی خدمات حاصل کی گئی ہیں۔

خانیوال روڈ کے دارالعلوم میں کثیر تعداد میں طلبا تحصیل علم میں مصروف ہیں اور اساتذہ کی ایک جماعت انھیں تعلیم دیتی ہے۔ ان تمام اداروں میں جدید وقدیم دونوں قسم کی تعلیم کا بہترین انتظام ہے۔

علاوہ ازیں ملتان شہر اور اس کے مختلف مقامات میں ان کی کوشش سے بہت سی مسجدیں تعمیر کی گئی ہیں۔

مولانا محمد شریف چنگوانی جماعت اہل حدیث کے تنظیمی معاملات میں بھی پورا حصہ لیتے ہیں۔

غرض وہ امورِ دین میں ماشاء اللہ نہایت متحرک اور فعال ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انھیں بڑی ہمت عطا فرمائی ہے۔

دعا ہے اللہ تعالیٰ اعمال خیر کی انجام دہی میں ان کا حامی وناصر ہو۔



" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

حافظ عبدالغفار روپڑی

(ولادت ۱۹۵۶ء)

میانہ قد، سرخی مائل گندمی رنگ، خوش اخلاق، خوش لباس، خوش کلام، سر پر قراقلی ٹوپی، تیکھے نقوش۔ بہت اچھے مدرس اور بہت اچھے خطیب۔ کھلی پیشانی اور متحمل مزاج۔ یہ ہیں حافظ عبدالغفار روپڑی۔

ان کے آباو اجداد دراصل ضلع گوجراں والا کے ایک قصبے ایمن آباد کے رہنے والے تھے۔ کسی زمانے میں وہاں سے نقل مکانی کرکے ضلع امرتسر کے ایک گاؤں کمیر پور چلے گئے۔ وہاں یہ ایک ہی خاندان کے لوگ آباد تھے۔ ان میں سے ہر شخص نماز باجماعت کا پابند تھا۔ اس خاندان کے سربراہ کا نام میاں روشن دین تھا۔ آگے میاں روشن دین کے سات بیٹے ہوئے اور ایک بیٹی۔ سب اہل علم اور حفاظ قرآن۔ ان کے نام یہ تھے:

① ..... رکن دین

② ..... رحیم بخش

③ ..... حافظ عبداللہ روپڑی

④ ..... حافظ عبدالواحد

⑤ ..... حافظ عبدالقادر

⑥ ..... حافظ محمد حسین اور

⑦ ..... حافظ عبدالرحمٰن ..... بیٹی کا نام غلام فاطمہ تھا۔

میاں روشن دین کے ان سات بیٹوں میں سے تین ہندوستان میں وفات پاگئے تھے۔ رکن دین، رحیم بخش اور حافظ عبدالقادر۔ چار تقسیم ملک کے بعد پاکستان آئے اور درس وتدریس اور وعظ وتقریر کی صورت میں کتاب وسنت کی خدمت میں مشغول ہوئے۔ وہ تھے حافظ عبداللہ روپڑی، حافظ عبدالواحد، حافظ محمد حسین اور حافظ عبدالرحمٰن.....!

اب ان کی اولاد

① ..... سب سے بڑے رکن دین کے متعلق معلوم نہیں ہوسکا کہ وہ صاحب اولاد تھے یا نہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

② ..... رحیم بخش کے چار بیٹے تھے: حافظ محمد (جو اپنے حلقۂ احباب میں مولوی محمد احمد خاں کے نام سے معروف تھے) حافظ محمد اسماعیل روپڑی، حافظ عبدالقادر روپڑی اور حافظ محمود احمد۔

③ ..... حافظ عبداللہ روپڑی کی بھی نرینہ اولاد چار بیٹے ہوئے۔ حافظ مسعود احمد، حافظ محمد جاوید، حافظ محمود اور حافظ حامد۔

④ ..... حافظ محمد حسین روپڑی کے بھی چار بیٹے تھے، جن کے نام یہ ہیں: حافظ عبداللہ حسین، حافظ عبدالرحمٰن مدنی، حافظ عبدالوحید اور حافظ عبدالماجد۔

⑤ ..... حافظ عبدالرحمٰن روپڑی (یا کمیرپوری) کے دو بیٹے ہیں: حافظ محمد صالح اور حافظ محمد عثمان۔

⑥ ..... میاں روشن دین کے بیٹے حافظ عبدالقادر کی جو ہندوستان میں وفات پاگئے تھے، اولاد کا علم نہیں ہوسکا۔

⑦ ..... حافظ عبدالواحد کے (جو صاحب ترجمہ حافظ عبدالغفار روپڑی کے دادا تھے) کئی بچے فوت ہوئے، انھوں نے اپنے بھائی رحیم بخش کے تیسرے بیٹے حافظ عبدالقادر روپڑی کو گود میں لے لیا تھا۔ یعنی یہ ان کے بیٹے کے قائم مقام تھے۔ انہی نے ان کی پرورش کی۔ حافظ عبدالقادر کو اپنے بیٹے کی حیثیت دینے کے بعد اللہ تعالیٰ نے حافظ عبدالواحد کو دو بیٹے عطا فرمائے۔ ایک کا نام انھوں نے اپنے بھائی کے نام پر عبداللہ رکھا اور ایک کا عبدالجبار۔ ان کے یہ دونوں بیٹے حافظ قرآن ہوئے۔

اس خاندان میں حفاظ قرآن کی ماشاء اللہ کثرت ہے۔ لڑکے بھی حافظ ہیں اور لڑکیاں بھی.....!

پھر عبداللہ، عبدالرحمٰن اور عبدالقادر نام کے بھی ان میں متعدد بزرگ ہیں۔

اب آیے حافظ عبدالغفار روپڑی کے حالات کی طرف .....!

صاحب ترجمہ حافظ عبدالغفار روپڑی ۱۹۵۶ء میں بمقام بھوئے آصل (ضلع قصور) پیدا ہوئے۔ والد کا اسم گرامی حافظ عبدالجبار تھا اور وہ حافظ عبدالواحد کے فرزند ارجمند تھے۔ حافظ عبدالقادر روپڑی ان کے والد حافظ عبدالجبار کے رضاعی بھائی بھی تھے اور چچا زاد بھائی بھی.....!

حافظ عبدالغفار روپڑی ابھی کم سن تھے کہ والد ۱۹۶۱ء میں ایک حادثے میں شہادت پاگئے۔ یہ تین بھائی تھے۔ بڑے حافظ عبدالرزاق، ان سے چھوٹے یہی حافظ عبدالغفار اور ان سے چھوٹے عبدالوہاب۔ ان تینوں کی تعلیم وتربیت کا اہتمام ان کے جد امجد حافظ عبدالواحد اور ان کی والدہ محترمہ نے کیا۔ جہاں تک میں جانتا ہوں ان یتامیٰ کو اللہ تعالیٰ نے بے حد اعزاز سے نوازا اور حافظ عبدالغفار اور حافظ عبدالوہاب روپڑی ماشاء اللہ کتاب وسنت کے بہت بڑے خادم ثابت ہوئے۔ اللہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ان کی زندگی میں برکت فرمائے اور وہ ہمیشہ خدمت دین میں مصروف رہیں۔

حافظ عبدالغفار روپڑی نے تعلیم کا آغاز اپنے گاؤں بھوئے آصل کے مڈل سکول سے کیا۔ سکول کے ہیڈ ماسٹر کا نام کمال الدین تھا جو اس نواح کی مشہور شخصیت تھے اور تیسری جماعت کے ٹیچر دین محمد تھے۔ حافظ عبدالغفار نے اپنے فہم کے مطابق دونوں سے استفادہ کیا۔ اس سکول میں انھوں نے صرف تیسری جماعت تک تعلیم حاصل کی۔ ان کے بڑے بھائی حافظ عبدالرزاق روپڑی اس وقت چوتھی جماعت میں تھے۔ چوں کہ یہ مذہبی اور دینی خاندان سے تعلق رکھتے تھے، اس لیے ان کے دادا حافظ عبدالواحد روپڑی نے ان کی والدہ کے مشورے سے دونوں بھائیوں کو قرآنِ مجید حفظ کرانے کا فیصلہ کیا۔ اس وقت ان کے گاؤں کی مسجد میں جہانیاں منڈی کے قاری علی محمد بچوں کو قرآنِ مجید حفظ کراتے تھے۔ ان دونوں بھائیوں کو بھی قاری صاحب کی شاگردی میں دے دیا گیا۔ لیکن قاری صاحب جلد ہی وہاں سے اپنے شاگردوں سمیت شام کوٹ شیخاں چلے گئے۔ یہ دونوں بھائی بھی ان کے ساتھ ہی گئے۔ انھوں نے ان سے ایک ایک پارہ حفظ کیا تھا کہ قاری صاحب وہاں سے بھی رخصت ہوگئے، کسی اور جگہ چلے گئے تو عبدالغفار اور عبدالرزاق اپنے گھر (بھوئے آصل) آ گئے۔

اس وقت کوٹ رادھا کشن میں مولانا عبدالقدوس گوڑگانوی کے دارالحدیث محمدیہ قدوسیہ کی اس علاقے میں بڑی شہرت تھی۔ حافظ عبدالواحد مرحوم نے ان دونوں بھائیوں کو اس مدرسے میں داخل کرادیا۔ یہاں انھوں نے مختلف اساتذہ سے پچیس پارے حفظ کیے۔ اس کے بعد وہ حافظ محمد یحییٰ عزیز میر محمدی کے گاؤں موضع میر محمد چلے گئے۔ وہاں بقیہ پانچ پارے حفظ کیے۔

حفظ قرآن کے بعد موضع میر محمد میں حافظ عبدالغفار روپڑی نے حضرت مولانا عطاء اللہ لکھوی کے صاحب زادۂ گرامی قدر مولانا حبیب اللہ لکھوی سے علم صرف اور علم نحو وغیرہ کی بعض کتابیں پڑھیں۔ ۱۹۷۳ء میں راجا جنگ کے مدرسہ ضیاء السنہ میں ڈاکٹر حافظ عبدالرشید اظہر بہ طور مدرس تشریف لائے تو حافظ محمد یحییٰ صاحب نے حافظ عبدالغفار کو میر محمد سے مدرسہ ضیاء السنہ میں راجا جنگ بھیج دیا۔ وہاں یہ حافظ عبدالرشید اظہر اور مولانا عبدالحفیظ محسن کے حلقہ شاگردی میں شامل ہوئے۔ تقریباً ایک سال کے بعد حافظ عبدالرشید اظہر وہاں سے چلے گئے تو ان کی جگہ مولانا حافظ محمد بھٹوی کا تقرر ہوا۔ ان سے انھوں نے مشکوٰۃ شریف کا کچھ حصہ پڑھا۔ ان کے بہت سے ساتھی وہاں سے جاچکے تھے۔ انھوں نے بھی اجازت لی اور جامعہ محمدیہ (گوجراں والا) میں داخل ہوگئے۔ پھر باقی مروّجہ تعلیم جامعہ محمدیہ میں مکمل کی۔ ۱۹۷۹ء میں حضرت حافظ محمد گوندلوی سے صحیح بخاری پڑھی اور اسی سال ان سے سند فراغت لی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اس کے بعد گوجراں والا ہی میں مولانا محمد چراغ کے قائم کردہ جامعہ عربیہ میں فاضل عربی کے لیے داخلہ لیا اور پنجاب یونیورسٹی سے فاضل عربی کا امتحان پاس کیا۔

شیخ الحدیث حضرت حافظ مفتی ثناء اللہ خاں مدنی سے حافظ عبدالغفار روپڑی کے پرانے خاندانی مراسم ہیں اور یہ حضرات آپس میں قریبی تعلق رکھتے ہیں۔ ۱۹۸۱ء میں حافظ ثناء اللہ خاں مدنی جامعہ سلفیہ (فیصل آباد) کے منصب شیخ الحدیث پر متمکن تھے۔ انھوں نے حافظ عبدالغفار روپڑی کو جامعہ سلفیہ بلا لیا اور وہاں انھیں آخری جماعت میں پڑھنے کا موقع ملا۔ اس طرح جامعہ سلفیہ سے بھی انھوں نے سند لی اور پھر اسی سال وفاق المدارس السلفیہ کا امتحان پاس کیا۔

حافظ عبدالغفار روپڑی نے مختلف مدارس میں تین اساتذہ سے قرآنِ مجید حفظ کیا، وہ ہیں قاری علی محمد، قاری عبدالسلام اور قاری محمد صدیق الحسن۔ یہ تینوں حضرات وفات پا چکے ہیں۔ رحمہم اللہ تعالیٰ

علوم دینیہ میں انھوں نے علی الترتیب مندرجہ ذیل اساتذہ کے سامنے زانوئے شاگردی تہہ کیے۔

مولانا حبیب اللہ لکھوی، ڈاکٹر حافظ عبدالرشید اظہر، مولانا عبدالحفیظ محسن، مولانا حافظ محمد بھٹوی، مولانا عبدالحمید ہزاروی، حافظ عبدالمنان نورپوری، مولانا محمد رفیق سلفی، حافظ عبدالسلام بھٹوی، مولانا جمعہ خاں، حضرت حافظ محمد گوندلوی، مولانا محمد صدیق لائل پوری، حافظ مفتی ثناء اللہ خاں مدنی، مولانا حافظ احمد اللہ بڈھیمالوی، مولانا قدرت اللہ فوق اور مولانا علی محمد مدنی۔

طالب علمی کے زمانے میں حافظ عبدالغفار روپڑی کو دعوتِ حق اور وعظ وتقریر کا بڑا شوق تھا۔ جمعرات کو دس بجے کے قریب سبق ختم ہوجاتے اور یہ بعض طالب علموں کے ساتھ اس کارِ خیر کے لیے قرب وجوار کے دیہات میں نکل جاتے، وہاں اپنے انداز سے تبلیغ دین کرتے اور واپس آجاتے۔ یہ کام اساتذہ کی منظوری اور اجازت سے ہوتا تھا اور انھیں بتا دیا جاتا تھا کہ آج وہ فلاں گاؤں جائیں گے اور اتنے بجے واپس آئیں گے۔ ایک دن چند طلباء کی رفاقت میں ایک طالب علم عبدالرحمٰن کے ساتھ موضع "بینکا چیمہ" چلے گئے۔ عبدالرحمٰن کے والد کا نام مولوی عبدالستار تھا۔ یہ دونوں باپ بیٹے توحید وسنت کی تبلیغ میں بہت تیز تھے اور اس سلسلے میں گاؤں کے لوگوں سے ان کی چپقلش رہتی تھی۔ ان کے کہنے سے اساتذہ کو بتائے بغیر حافظ عبدالغفار اور ان کے چند ساتھی بھی وہاں پہنچے۔ وہاں کی فضا بڑی کشیدہ تھی۔ اللہ نے رحم فرمایا۔ گڑبڑ تو نہیں ہوئی، یہ لوگ خیریت سے واپس آگئے۔ لیکن اساتذہ کو پتا چل گیا تھا۔ مولانا عبدالحمید ہزاروی صدر مدرس تھے۔ انھوں نے بلا اجازت اس قسم کے مقام پر جانے کی وجہ سے انھیں سرزنش کی۔ انھوں نے اساتذہ سے معافی مانگی اور آئندہ بلا اجازت کہیں نہ جانے کا عہد کیا۔ حافظ عبدالغفار فرماتے ہیں، اساتذہ کی اجازت کے بغیر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

وہاں جانے کا اس وقت بھی بہت احساس ہوا تھا اور اب بھی وہ واقعہ یاد آتا ہے تو ندامت ہوتی ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ان حضرات کے دلوں میں اساتذہ کا بے حد احترام تھا اور یہ لوگ ان کی اجازت کے بغیر مدرسے کی چار دیواری سے باہر نہیں نکلتے تھے۔ موجودہ دور کے طالب علموں کو اس سے سبق حاصل کرنا چاہیے اور اساتذہ کا احترام ہر وقت دل میں رہنا چاہیے۔ تبلیغ ودعوت کے لیے بھی اساتذہ کی اجازت کے بغیر کہیں نہیں جانا چاہیے۔ استاذ طالب علم کے ذمہ دار ہوتے ہیں، معلوم نہیں وہاں کیا صورت حال پیدا ہوجائے۔ اس کے نتائج کی ذمہ داری کس پر عائد ہوگی؟ لازماً اساتذہ سے پوچھا جائے گا کہ آپ نے اپنے طلبا کو کیوں اتنی کھلی چھٹی دے رکھی ہے کہ وہ جہاں جی چاہے جائیں اور جس انداز سے جی چاہے بات کریں۔ طلبا پر اساتذہ کی گرفت مضبوط ہونی چاہیے اور وہ ان کے تابع فرمان رہیں۔

حافظ عبدالغفار کا گھرانا درمیانے درجے کا زمیندار گھرانا تھا۔ والد کا سایہ بچپن ہی میں سر سے اٹھ گیا تھا۔ یہ چھوٹی عمر کے تین بھائی تھے۔ بڑے عبدالرزاق، ان سے چھوٹے خود عبدالغفار اور سب سے چھوٹے عبدالوہاب۔ عبدالرزاق نے قرآنِ مجید حفظ کرکے گاؤں میں کاشت کاری کا سلسلہ شروع کردیا۔ وہ اب بھی بھوئے آصل میں یہی کام کرتے ہیں، لیکن حافظ عبدالغفار اور حافظ عبدالوہاب حصولِ علم میں مشغول رہے۔ ان کے دادا حافظ عبدالواحد نے ان کی سرپرستی کی اور اللہ نے ان کو علم وعمل کی نعمت بے بہا سے نوازا۔

حافظ عبدالغفار روپڑی نے ۱۹۸۱ء میں جامعہ سلفیہ (فیصل آباد) سے سند فراغت لی تو ان کے والد مرحوم کے چچا زاد بھائی حافظ عبداللہ حسین (حضرت حافظ محمد حسین روپڑی) کے بڑے صاحب زادے نے (جو کراچی میں کاروبار کرتے تھے) ان کو کراچی بلا لیا اور اپنے بچوں کی تعلیم پر (جو اس وقت قرآنِ مجید حفظ کرتے تھے) مامور کیا۔ یہ سلسلہ ۱۹۸۵ء تک چار سال چلا۔ اس کے بعد انھوں نے ان کو اپنے بہار کالونی کے پائپ کے گودام کا انچارج بنا دیا اور ساتھ ہی وہاں کی مسجد اہل حدیث کی امامت وخطابت ان کے سپرد کردی۔ اس وقت اس مسجد میں بچوں کی تعلیم کا کوئی انتظام نہ تھا، حافظ عبدالغفار نے مسجد کے متولی حاجی محمد سعید گوریچہ کے مشورے سے بچوں کی تعلیم کا سلسلہ شروع کردیا۔ ابتدا میں صرف دو بچے پڑھتے تھے، لیکن تھوڑے ہی عرصے میں تعلیم حاصل کرنے والے بچوں اور بچیوں کی تعداد بہت بڑھ گئی۔ پھر بچیوں کو ان کی اہلیہ محترمہ پڑھانے لگیں اور بچوں کی تعلیم کی ذمہ داری ان کے سپرد ہوئی۔ مسجد کی امامت وخطابت کا سلسلہ بھی بہ دستور چل رہا تھا اور یہ سب معاملہ خالصتاً لوجہ اللہ تھا۔ حاجی محمد سعید گوریچہ کے علاوہ مسجد کے اصحابِ انتظام میں شیخ محمد اسلم،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

عبدالرشید نہاری والے اور حاجی محمد اسماعیل بھی شامل تھے۔ حافظ عبداللہ حسین اس وقت بہار کالونی سے گلشن اقبال منتقل ہوگئے تھے۔

۱۹۸۵ء میں جامع مسجد اہل حدیث کورٹ روڈ (کراچی) میں دینی علوم کی تعلیم کا منصوبہ بنایا گیا تو وہاں ہمارے مرحوم دوست مولانا محمد صادق خلیل کو شیخ الحدیث (یا صدر مدرس) مقرر کیا گیا۔ حافظ عبدالغفار روپڑی نے از خود دس بجے تک چھوٹی جماعتوں کے اسباق پڑھانے کی پیش کش کی جو منظور کرلی گئی لیکن یہ سلسلہ زیادہ عرصہ جاری نہ رہ سکا، اس لیے کہ یہ حافظ عبداللہ حسین کے پائپ کے گودام کے انچارج تھے، ان کی غیر حاضری کی وجہ سے وہ کام متاثر ہوا تو انھیں ابتدائی کتابوں کی تدریس کا کام چھوڑنا پڑا۔ علاوہ ازیں ان کا اپنا کچھ تجارت کا سلسلہ بھی جاری تھا جو بحمد اللہ اب بھی جاری ہے۔ اس سلسلے میں جناب عبدالمالک اور حاجی محمد یونس کا تعاون انھیں حاصل تھا۔ بہرکیف کراچی میں ان کا سلسلہ تدریس جو ابتدائی درجات تک محدود تھا، اگرچہ تھوڑا عرصہ جاری رہا، تاہم اس سے پتا چلتا ہے کہ انھیں درس وتدریس کا ابتدا ہی سے شوق تھا اور یہ احساس بھی تھا کہ ہمارا اصل خاندانی فریضہ یہی ہے جو ہر صورت میں انجام دینا چاہیے۔

کچھ عرصے کے بعد حالات کی رفتار کچھ ایسا رخ اختیار کرگئی کہ حافظ عبدالغفار کراچی سے لاہور آگئے اور یہاں مستقل طور سے ان کا درس وتدریس اور تقریر وخطابت کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

اس کا پس منظر معلوم کرنے کے لیے ہمیں تقریباً ایک صدی پیچھے جانا پڑے گا۔ ۱۹۱۴ء میں حضرت حافظ عبداللہ روپڑی فارغ التحصیل ہوئے۔ ان کا اصل وطن توکیرپور (ضلع امرتسر) تھا، لیکن ان کی خدمات ضلع انبالہ کے ایک شہر ''روپڑ'' کی جماعت اہل حدیث نے حاصل کرلی تھیں (روپڑ کو اس وقت ضلع انبالہ کی تحصیل کی حیثیت حاصل تھی۔ تقسیم ملک کے بعد روپڑ کو مستقل ضلع بنا دیا گیا) روپڑ میں حضرت حافظ عبداللہ نے باقاعدہ سکونت اختیار کرلی اور اس علاقے میں بے حد خدمات سرانجام دیں، جس کی وجہ سے ان کی وطنی نسبت ہی روپڑ کی طرف ہوگئی اور انھیں حافظ عبداللہ روپڑی کہا جانے لگا۔ وہاں انھوں نے خطابت وامامت کے علاوہ درس وتدریس کے ذریعے بھی بہت خدمات سرانجام دیں۔ جن علما وطلبا نے ان سے روپڑ میں حصولِ فیض کیا، ان کی صحیح تعداد کا تو کسی کو بھی علم نہیں، لیکن جن کا پتا چل سکا ہے، ان میں پنجاب اور ہندوستان کے علاوہ عرب طالب علم بھی شامل ہیں۔ اس جماعت کے چند حضرات کے اسماے گرامی یہ ہیں: شیخ محمد عمر بن ناصر نجدی، شیخ عبداللہ الابیض عرب جامعہ ازہر، مولانا محمد پسروری، مولانا دین محمد سمانوی، مولانا نور محمد ساکن دوگری، مولانا عبدالرحمٰن بن مولانا محمد شارح نسائی، مولانا احمد بانی مدرسہ دارالحدیث مدینہ منورہ،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی، مولانا عبدالعظیم ٹونکی، مولانا ابوبکر بنگالی، مولانا محمد یوسف بنگالی، مولانا عبدالقیوم بردوانی، مولانا عبدالرحمٰن افریقی مہتمم دارالحدیث مدینہ منورہ، حافظ صاحب کے برادر صغیر حافظ محمد حسین روپڑی، مولانا سید محمد (ساکن چونیاں)، مولانا محمد صدیق (سرگودھا)، حافظ محمد اسماعیل روپڑی، حافظ عبدالقادر روپڑی، مولانا قادر بخش بازید پوری اور دیگر بہت سے حضرات۔

۱۹۴۷ء میں ملک تقسیم ہوا تو حضرت حافظ عبداللہ روپڑی پاکستان آ گئے۔ ۱۹۴۹ء میں چوک دال گراں میں ان کی کوشش سے مسجد قدس تعمیر ہوئی اور پھر اسی وسیع مسجد میں ''جامعہ قدس'' کے نام سے دارالعلوم کا قیام عمل میں آیا، جس میں حضرت حافظ صاحب ممدوح نے مسند درس آراستہ کی اور متعدد علمائے کرام نے ان سے استفادہ کیا، استفادہ کرنے والی جماعت میں مولانا سید بدیع الدین راشدی، مولانا محمد یوسف شیخ الحدیث دارالحدیث راجووال، حافظ عبدالرحمٰن مدنی، شیخ الحدیث حافظ مفتی ثناء اللہ خاں مدنی، مولانا عبدالکریم ثاقب (حال برطانیہ)، مولانا عبدالسلام کیلانی، حافظ مقبول احمد (شارجہ)، قاری روح الامین بنگالی، مولانا محمد اشرف سلیم، مولانا فضل الرحمٰن بن محمد ازہری اور دوسرے متعدد حضرات شامل ہیں۔ طلبا کی اس جماعت میں ایسے حضرات بھی ہیں جنھیں مدینہ یونیورسٹی کے اجرا کے ابتدائی دور ہی میں وہاں داخلے کا اعزاز حاصل ہوا اور انھوں نے وہاں مختلف ممالک کے اساتذہ سے تعلیم حاصل کی۔

حضرت حافظ عبداللہ روپڑی کی وفات کے بعد جامعہ قدس کی تدریسی حالت میں کچھ کمزوری کے آثار ابھر آئے تھے۔ پھر اللہ نے کرم فرمایا آہستہ آہستہ حالات سدھرنے لگے۔ تا آں کہ حافظ عبدالغفار روپڑی اور ان کے برادرِ صغیر حافظ عبدالوہاب روپڑی نے تعلیم سے فراغت پائی اور ان دونوں حضرات نے اپنے بزرگوں کے اس دارالعلوم کو ارتقا کی منزل پر پہنچانے کے لیے اپنی خدمات اس کے سپرد کر دیں۔ اب ماشاء اللہ جامعہ قدس درس وتدریس کا بہت بڑا اور مشہور مرکز ہے۔ اس کے چھ شعبے ہیں اور بیس اساتذہ اس میں خدمت درس سرانجام دے رہے ہیں۔ وہ شعبے مندرجہ ذیل ہیں:

① تحفیظ القرآن والتجوید، ② شعبہ درس نظامی، ③ شعبہ تصنیف وتالیف، ④ دارالافتاء، ⑤ تقابل ادیان اور ⑥ بی اے تک عصری تعلیم۔

جامعہ قدس میں حضرت عبداللہ محدث روپڑی کے نام سے ایک اکیڈمی قائم کی گئی ہے، جس کا نام محدث روپڑی اکیڈمی ہے۔ اس اکیڈمی کی طرف سے اب تک مختلف عنوانات پر جو کتابیں شائع کی گئی ہیں وہ یہ ہیں: ① تحقیق التراویح بجواب تنویر المصابیح، ② انسانی زندگی کا مقصد، ③ زیارتِ قبر نبوی، ④ نورِ محمدی کی پیدائش، ⑤ عرس اور گیارھویں، ⑥ ردّ بدعات، ⑦ وسیلہ بزرگان،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

⑧ توحید الرحمٰن بجواب استمداد الرحمٰن، ⑨ سماعِ موتی، ⑩ تذکرہ محدث روپڑی، ⑪ میزان مناظرہ جلد اوّل ودوم، ⑫ خطبات سلطان المناظرین حافظ عبدالقادر روپڑی، ⑬ توضیح الفرقان تفسیر سورہ المائدہ، ⑭ سانحہ ابواء اور مدفن ام رسول (ﷺ) کی حقیقت، ⑮ سید سلیمان ندوی، ⑯ زکوٰۃ کی اہمیت، ⑰ تقلید اور علمائے دیوبند، ⑱ تعلیم الصلوٰۃ، ⑲ حج مسنون، ⑳ ایک مجلس کی تین طلاق، ㉑ زکوٰۃ کی اہمیت، ㉒ اہمیت نماز .....

یہ بائیس کتابیں ہیں جو محدث روپڑی اکیڈمی کی طرف سے شائع کی گئیں۔

حضرت حافظ عبداللہ روپڑی کا علمی شاہ کار مظہر النکات شرح مشکوٰۃ اور درایت تفسیری بھی طباعت کے مراحل میں ہیں۔ نیز ان کی ایک کتاب ''بکرادیوی'' بھی عنقریب شائع کی جائے گی۔ جس میں "ما اهل به لغير الله" کی تفسیر منفرد انداز میں بیان کی گئی ہے۔

اب حافظ عبدالغفار روپڑی کے شاگردوں کی طرف آیے۔

حافظ صاحب ممدوح بہت سالوں سے ماشاء اللہ جامعہ قدس کی مسند درس پر فائز ہیں۔ اس اثنا میں طلبا کی بہت بڑی تعداد انے ان سے تحصیل علم کی۔ ان سب کے نام تو خود انھیں بھی یاد نہیں ہوں گے، البتہ جن حضرات کے اسماے گرامی کا ہمیں پتا چلا ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

مولانا عبدالحنان، مولانا احمد حسن، مولانا محمد لقمان، مولانا محمد سلیمان شاکر، مولانا محمد بلال، قاری ساجد حکیم، حافظ امتیاز، مولانا سلیمان عابد روپڑی، مولانا محمد شفیق ندیم، پروفیسر محمد عثمان پنجاب کالج، مولانا حافظ عبداللطیف، قاری امتیاز احمد، قاری محمد فیاض، مولانا عرفان احمد، مولانا اکرام الحق اثری، مولانا صابر حسین، سیف الرحمٰن بٹ، مولانا محمد ابراہیم، مولانا عبدالرشید، حافظ محمد سعید، قاری محمد سلیم، مولانا عمر فاروق شاکر، مولانا محمد بشارت، مولانا محمد یٰسین ڈوگر، حافظ نصر اللہ بھٹی، قاری مختار احمد قصوری، مولانا محمد الیاس۔

حافظ عبدالغفار روپڑی کے شاگردوں کی یہ ایک مختصر سی فہرست ہے۔ ان میں سے بعض پاکستان کے مختلف مقامات میں تدریسی اور خطابتی خدمات سرانجام دے رہے ہیں اور بعض کسی بیرونی ملک میں خدمت دین میں مشغول ہیں۔

جامعہ قدس کی طرف سے ہفت روزہ اخبار ''تنظیم اہل حدیث'' بھی باقاعدگی سے جاری ہے۔ یہ ایک خالص علمی اخبار ہے جو حضرت حافظ عبداللہ روپڑی نے ۲۶ رمضان المبارک ۱۳۵۰ھ (۵۔ فروری ۱۹۳۲ء) کو روپڑ سے جاری فرمایا تھا۔ تقسیم ملک کے بعد جو نامساعد حالات پیدا ہوئے، ان کی وجہ سے کچھ دیر یہ اخبار بند رہا۔ یہ ایک مجبوری تھی۔ اس کے بعد باقاعدگی سے جاری ہے اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

خدمت دین اس کا واحد مقصد ہے۔ اس میں فتوے بھی شائع ہوتے ہیں اور حضرت حافظ عبداللہ محدث روپڑی کے افکارِ علمیہ کی اشاعت کا سلسلہ بھی اللہ کے فضل سے جاری ہے۔

حافظ عبدالغفار روپڑی کو مختلف اوقات میں پاکستان سے باہر دو ملکوں میں جانے کا اتفاق ہوا۔ متحدہ عرب امارات میں اور سعودی عرب میں۔ متحدہ عرب امارات میں وہ ۱۹۹۹ء سے قبل تین مرتبہ گئے۔ وہاں دوسرے حضرات کے علاوہ حافظ عبدالرؤف اور حافظ محمد اسلم نے ان کی بے حد پذیرائی کی۔ کئی مقامات میں ان کے دروس کے پروگرام بنائے گئے۔ شارجہ میں حافظ عبدالرؤف اور حافظ محمد اسلم کی وساطت سے انھوں نے مسجد ابن عباس میں خطبہ جمعہ بھی ارشاد فرمایا۔

سعودی عرب میں رابطۂ عالم اسلامی کی دعوت پر اس کے دو اجلاسوں میں شرکت کی۔

حافظ عبدالغفار روپڑی جامعہ قدس میں درس وتدریس اور انتظامی معاملات کے علاوہ مسجد میں خطبہ جمعہ اور امامت کے فرائض بھی سرانجام دیتے ہیں۔ ماشاء اللہ نہایت مستعد اور محنتی عالم دین ہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں ہمیشہ خدمت دین میں مشغول رکھے، آمین۔



" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

جناب راغب حسن

(ولادت ۴۔ اکتوبر ۱۹۵۶ء)

میرا خیال تھا کہ میں مولانا عبدالغفار حسن مرحوم ومغفور کے خاندان (یعنی خانوادۂ عمر پوری) کے تمام اصحابِ علم کے وہ کوائف حیات جو میرے علم میں آئے، کسی نہ کسی انداز میں لکھ چکا ہوں۔ اس خیال کی وجہ یہ تھی ''دبستانِ حدیث'' میں مولانا عبدالغفار حسن سے متعلق مضمون میں ان کے جد امجد مولانا عبدالجبار عمر پوری اور والد مکرم مولانا حافظ عبدالستار عمر پوری کے حالات ضبط تحریر میں آ گئے ہیں۔ پھر مولانا عبدالغفار حسن کے دو صاحب زادوں (ڈاکٹر صہیب حسن اور ڈاکٹر سہیل حسن) کا تذکرہ بھی اس کتاب میں کر دیا گیا ہے۔ ڈاکٹر صہیب حسن کے فرزند دلبند حافظ اسامہ کی اب تک کی علمی کاوشوں کی بھی کسی حد تک نشان دہی کر دی گئی ہے۔ لیکن اسلام آباد سے میرے عزیز دوست سید کلیم حسین شاہ صاحب نے اپنے ایک مکتوب میں توجہ دلائی کہ مولانا مرحوم کے ایک عالم فاضل بیٹے جناب راغب حسن صاحب کا تذکرہ نہیں ہوسکا۔ نیز محترم ڈاکٹر سہیل حسن صاحب کے لائق فرزند عزیزی حافظ عامر حسن بھی اپنی کم عمری میں ماشاء اللہ اہم علمی خدمت انجام دے رہے ہیں، ان کے متعلق بھی کچھ نہیں لکھا گیا۔

گزارش یہ ہے کہ لکھنے والا ہر صاحب علم سے اور اس کی علمی خدمات سے آگاہ نہیں ہوتا۔ افسوس ہے عمر پوری خاندان کے اکابر واصاغر سے عقیدت واحترام کے باوجود مجھے ان کے بہت سے اہل علم سے واقفیت نہیں ہے۔ میں کلیم حسین شاہ صاحب کا شکر گزار ہوں کہ انھوں نے اس طرف توجہ دلائی۔

مولانا عبدالغفار حسن مرحوم کے صاحب زادہ گرامی جناب راغب حسن صاحب ۴۔ اکتوبر ۱۹۵۶ء کو لاہور میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے فیصل آباد میں حصولِ علم کی ابتدا کی۔ پھر ساہی وال اور کراچی میں تحصیل علم کی۔ یعنی جب تک ان مقامات میں ان کے والد (مولانا عبدالغفار حسن) کا قیام رہا، یہ بھی ان کے ساتھ رہے اور ہر جگہ حصولِ علم کا سلسلہ عمر اور حالات کے مطابق جاری رکھا۔ ۱۹۶۴ء میں مولانا کی خدمات مدینہ یونیورسٹی کے اربابِ انتظام نے حاصل کرلیں اور وہ مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو راغب حسن صاحب بھی ۱۹۶۵ء میں مدینہ منورہ چلے گئے اور پھر وہاں کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

نصاب کے مطابق پہلے وہاں کے مدارس اور پھر مدینہ یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کی۔

اساتذہ کے اسمائے گرامی یہ ہیں: ① قاری عبدالقوی، ② ڈاکٹر عبدالرحیم، ③ ڈاکٹر سعدی ہاشمی عراقی، ④ ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن اعظمی، ⑤ شیخ عبدالقادر حبیب اللہ سندھی، ⑥ شیخ عمر محمد فلاتہ، ⑦ ڈاکٹر وصی اللہ محمد عباس۔

۱۹۸۰ء میں مولانا عبدالغفار حسن مدینہ یونیورسٹی سے واپس پاکستان آئے تو یہ بھی ان کے ساتھ تھے۔ پھر جامعہ تعلیمات فیصل آباد میں داخلہ لیا اور اس دوران والد مکرم مولانا عبدالغفار حسن، مولانا قدرت اللہ فوق، سلیم شاد اور اپنے برادرِ کبیر ڈاکٹر سہیل حسن سے استفادہ کیا۔ اس طرح تفسیر، حدیث، فقہ، عربی، ادب وغیرہ کی نصابی تعلیم مکمل کی۔

مدینہ یونیورسٹی میں ان کے ساتھی طلبا میں سے چند حضرات کے نام درج یہ ہیں:

① ..... عبدالصبور بن شیخ ناصر الدین البانی

② ..... رانا محمد اسحاق مرحوم (لاہور) متعدد کتابوں کے مصنف

③ ..... عبدالواحد عبداللہ مہتمم جامعہ دارالعلوم غواڑی بلتستان

④ ..... حافظ عبدالحمید عامر ناظم جامعہ اثریہ جہلم

⑤ ..... ابراہیم خلیل الفضلی بلتستانی

اب ان کی قلمی کاوشیں ملاحظہ ہوں:

① ..... تحقیق وتخریج احادیث الشوریٰ: مقالہ برائے جامعہ تعلیمات فیصل آباد

② ..... البلاغۃ النبویہ فی کتاب الادب فی صحیح البخاری: مقالہ برائے ایم اے جامعہ اسلامیہ

③ ..... بعض احادیث کی تخریج وتحقیق

④ ..... ترتیب جدید: ذخائر المواریث فی الدلالۃ علی مواضع الحدیث

⑤ ..... مختلف یونیورسٹیوں کے طلبا وطالبات کے مقالات کے عربی سے اردو اور اردو سے عربی تراجم

⑥ ..... اپنے والد محترم مولانا عبدالغفار حسن کے اس انٹرویو کا عربی میں ترجمہ کیا جو ماہنامہ ''شہادت'' (اسلام آباد) میں شائع ہوا۔

⑦ ..... ماہنامہ ''شہادت'' اور ''سیاحۃ الامہ'' کے بعض مضامین کے عربی سے اردو اور اردو سے عربی میں تراجم

⑧ ..... وہ مضامین جو مولانا عبدالغفار حسن نے املا کرائے۔ ان میں ایک مضمون کا عنوان ہے: التعلیقات السلفیہ ایک علمی اور تحقیقی شاہ کار

⑨ ..... مولانا عبدالغفار حسن کے ایک اردو مقالے ''غلو فی الدین'' کا عربی میں ترجمہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

⑩..... مولانا عبدالغفار حسن کے ایک اور مضمون ''ہر مرض کی دوا، انقلابِ قیادت'' کا عربی میں ترجمہ

⑪..... مولانا عبدالغفار حسن کی کتاب ''عظمت حدیث'' کے مقدمے میں شائع شدہ عمر پوری علما (مولانا عبدالجبار عمر پوری، مولانا حافظ عبدالستار عمر پوری، مولانا عبدالغفار حسن) کے حالات کا عربی میں ترجمہ۔

⑫..... پردہ: ایک مقالہ

⑬..... ذرائع ابلاغ: ایک مقالہ

⑭..... شادی بیاہ کی رسوم

⑮..... فرقہ بوہرہ کی تاریخ اور ان کے عقائد

۱۹۹۷ء سے ۱۹۹۹ء تک دو سال مدرسہ خیریہ سعودیہ (اسلام آباد) میں خدمت تدریس انجام دی۔ وہاں طلبا کو تفسیر، حدیث اور عربی گرامر پڑھاتے رہے۔ ۲۰۰۱ء سے رابطہ عالم اسلامی سے منسلک ہیں۔

مولانا عبدالغفار حسن کے سب صاحب زادگانِ گرامی علم وفضل کی دولت سے مالا مال ہیں، اور جہاں ہیں بہترین خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔

مولانا کے پوتے اور ڈاکٹر سہیل حسن کے نوجوان فرزند حافظ عامر حسن بھی ماشاء اللہ اپنے اکابر کی منتخب کردہ شاہ راہ پر گامزن ہیں۔ ان کا ایم اے کا مقالہ تھا ''تحقیق وتخریج احادیث الخصال الموجبۃ للظلال لامام سخاوی۔'' اس نوجوان نے اپنے جد امجد مولانا عبدالغفار حسن کی کتاب ''انتخاب حدیث'' کی تخریج کا فریضہ بھی انجام دیا۔ آج کل دعوہ اکیڈمی (اسلام آباد) میں ریسرچ افسر کی حیثیت سے کام کررہے ہیں۔ اور اس اکیڈمی کے رسالہ ''دعوہ'' میں جو احکام ومسائل شائع ہوتے رہے ہیں، حافظ عامر حسن نے ان میں مندرج احادیث کی تخریج کی ہے۔ یہ تخریج کتابی صورت میں شائع ہورہی ہے۔ یہ ایک اہم علمی اور تحقیقی کام ہے جو اس عزیز نوجوان نے کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی عمر دراز فرمائے اور یہ اپنے اکابر کے نقش قدم پر چلتے رہیں۔ آمین یا ربّ العالمین



" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

حافظ زبیر علی زئی

(ولادت ۲۵۔ جون ۱۹۵۷ء)

میانہ قد، سرخ گندمی رنگ، کھلی پیشانی، موٹی چمک دار آنکھیں، گھنی داڑھی، کچھ چوڑا چہرہ۔ لباس شلوار قمیص۔ یہ ہیں حافظ زبیر علی زئی۔

ان کے آباؤ اجداد میں سے ایک بزرگ کا نام پیر داد خاں تھا جو کسی زمانے میں افغانستان کے شہر غزنی کی سکونت ترک کر کے صوبہ سرحد کے ضلع اٹک کے ایک مقام حضرو کے قریب آ کر سکونت پذیر ہوئے۔ وہاں انھوں نے اپنے نام سے ایک گاؤں ''پیر داد خاں'' آباد کیا۔ اسی گاؤں میں ۲۵ جون ۱۹۵۷ء کو زبیر علی زئی پیدا ہوئے۔ علی زئی ان کے قبیلے کا نام ہے۔ حافظ زبیر علی زئی کے والد کا اسم گرامی حاجی مجدد خاں ہے۔ حاجی صاحب ممدوح کا سال ولادت ۱۹۲۶ء ہے۔ وہ اس علاقے کی مذہبی اور سماجی شخصیت ہیں۔ جماعت اسلامی کی مجلس شوریٰ کے رکن ہیں۔ کافی عرصہ ضلع اٹک کی جماعت اسلامی کے امیر رہے۔ انھوں نے تحریک تحفظ ختم نبوت میں بھی حصہ لیا اور ۱۹۷۷ء میں بعض سیاسی اور نیم سیاسی جماعتوں نے امریکہ کے کہنے پر پاکستان کے منتخب اور اس خطہ ارض کو ایٹمی ملک بنانے والے وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف جو تحریک چلائی تھی، اس میں بھی حصہ لیا۔ دو دفعہ جیل گئے۔ لیکن ان کے فرزند ارجمند حافظ زبیر علی زئی کا جماعت اسلامی یا کسی اور جماعت سے کوئی تعلق رکنیت نہیں ہے۔ اس سلسلے میں ہم دونوں برابر ہیں، میں بھی کسی جماعت یا تنظیم سے باقاعدہ طور پر منسلک نہیں ہوں۔ میرا اصل کام مسلک اہل حدیث اور رجال اہل حدیث کی خدمت ہے۔ میں ہر اس جمعیت یا جماعت کا معاون ہوں (یا اس سے وابستہ ہوں) جو میری دانست میں مذہبی اور دینی اعتبار سے اچھے کام کر رہی ہے۔

زبیر علی زئی کو اللہ نے توفیق دی۔ انھوں نے پہلی جماعت سے ایف اے تک باقاعدہ سکول اور کالج میں تعلیم پائی۔ بعد ازاں پرائیویٹ طور پر بی اے کیا اور ۱۹۸۳ء میں ایم اے (اسلامیات) کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۹۴ء میں پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے (عربی) کا امتحان دیا اور اس میں کامیاب ہوئے۔

حافظ زبیر علی زئی کو ابتدائے عمر ہی سے مطالعہ کا شوق تھا۔ ۱۹۷۲ء سے ۱۹۷۴ء تک کے درمیانی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

عرصے میں انھوں نے صحیح بخاری کی پہلی جلد پڑھی اور پھر دوسری جلد پڑھی۔ اسی زمانے میں عامل بالحدیث ہوگئے اور تحریری وتقریری کی صورت میں اس مسلک کی ترویج واشاعت کا سلسلہ شروع کردیا۔ دینیات کی تعلیم انھوں نے جن حضرات سے حاصل کی، ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں۔

① .....مولانا فیض الرحمٰن ثوری (وفات ۲۳ رجب ۱۴۱۷ھ۔ ۵ دسمبر ۱۹۹۶ء)

② .....پیر سید بدیع الدین راشدی (وفات ۱۶ شعبان ۱۴۱۶ھ۔ ۸ جنوری ۱۹۹۶ء)

③ .....پیر سید محب اللہ شاہ راشدی (وفات ۹ شعبان ۱۴۱۵ھ۔ ۲۱ جنوری ۱۹۹۵ء)

④ .....مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی (وفات ۹ صفر ۱۴۰۸ھ۔ ۳۔ اکتوبر ۱۹۸۷ء)

⑤ .....حافظ عبدالمنان نور پوری (استاذ جامعہ محمدیہ گوجراں والا)

⑥ .....حافظ عبدالسلام بن حافظ محمد بھٹوی (استاذ دارالعلوم مرید کے، ضلع شیخوپورہ)

⑦ .....حافظ عبدالحمید ازہر (اسلام آباد)

⑧ .....مولانا اللہ دتا سوہدروی (ان سے بہت استفادہ کیا)

⑨ .....مولانا عبدالغفار حسن (وفات ۳ ربیع الاوّل ۱۴۲۸ھ۔ ۲۲ مارچ ۲۰۰۷ء)

⑩ .....مولانا محمد ایوب شینکوی

⑪ .....شیخ ابوعائشہ صابر بن اشرف نفارچوی۔

۱۹۹۰ء میں حافظ زبیر علی زئی نے جامعہ محمدیہ جی ٹی روڈ (گوجراں والا) میں دورہ حدیث کیا اور جامعہ میں اوّل پوزیشن حاصل کی۔ وفاق المدارس السلفیہ (فیصل آباد) کا امتحان بھی پاس کیا۔

حافظ زبیر علی زئی کو پشتو، ہندکو، اردو، انگریزی، عبرانی اور عربی زبانوں میں لکھنے اور بولنے میں عبور حاصل ہے۔ فارسی زبان پڑھنے اور سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، اس میں گفتگو کرنا اور بہ صورت تحریر اظہار مدعا کرنا مشکل ہے۔ موجودہ دور کے علماء میں میرے خیال میں یہ واحد عالم دین ہیں جنھیں عبرانی زبان سے آشنائی ہے۔

اپنے مسلک کے پرعزم اور سرگرم مبلغ ہیں۔ اس باب میں کسی کی کوئی پروا نہیں کرتے۔ ۱۹۸۳ء میں ان کے علاقہ چھچھ (ضلع اٹک) میں اہل حدیث کی ایک بھی مسجد نہ تھی، اب گیارہ مسجدیں ہیں جو حافظ زبیر علی زئی کی کوشش اور تبلیغ سے تعمیر ہوئیں۔ ان تمام مسجدوں میں کسی نہ کسی سطح کے مدرسے جاری ہیں جن میں بچے تعلیم حاصل کرتے ہیں اور قال اللہ وقال الرسول کی دلآویز صدائیں لوگوں کے کانوں میں پڑتی ہیں اور وہ ان پر عمل کرتے ہیں۔ حافظ زبیر علی زئی کی تبلیغ کی وجہ سے بہت سے بریلوی اور دیوبندی حضرات مسلک اہل حدیث سے وابستہ ہوئے۔ لوگوں کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ذہن تقلیدی جمود سے آزاد ہوئے اور ان میں تحقیق مسائل کا ذوق پیدا ہوا۔

حافظ زبیر علی زئی نے طبیعت مناظرانہ پائی ہے اور متعدد مقامات میں مناظروں میں حصہ لیا یا خود مناظرے کیے۔ چند مناظروں کا ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے۔

⊙..... ۱۹۹۷ء کی بات ہے کہ اٹک میں عیسائیوں کے مذہبی سکول زیڈ بی آئی میں مناظرہ ہوا، جس میں حافظ عبدالحمید ازہر، ڈاکٹر پروفیسر طالب الرحمٰن شاہ اور مولانا محمد رفیق سلفی موجود تھے۔ دورانِ مناظرہ میں حضرت عیسیٰ بن مریم کے شجرۂ نسب کے موضوع کے متعلق عیسائی مناظر نے انجیل کے عبرانی نسخے کا حوالہ دیا اور کہا کہ یہ اس مسئلے کا اصل متن اور ماخذ ہے۔ اس کا خیال یہ تھا کہ کوئی مسلمان عالم عبرانی زبان نہیں جانتا لہٰذا اس مجمعے میں اس کا رعب پڑ جائے گا۔ زبیر علی زئی عبرانی جانتے ہیں۔ انھوں نے عیسائی مناظر سے انجیل لی اور انجیل کے اسی نسخے کی دو الگ الگ عبارتیں پڑھ کر عیسیٰ بن مریم کے شجرۂ نسب کے بارے میں تناقض ثابت کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عیسائی مناظر میدان چھوڑ گئے اور بعض عیسائی مسلمان بھی ہو گئے۔

⊙..... اٹک شہر ہی میں مرزائیوں سے مناظرہ ہوا، جس میں مرزائی مناظر کی دلیلوں کے قدم ڈگمگانے لگے تو امتیاز احمد نام کے ایک مرزائی نے مرزائیت ترک کر کے قبولِ اسلام کا اعلان کیا۔ دوسرے مرزائیوں نے ایک اور مناظر لانے کا بہانہ کر کے جان چھڑائی۔

⊙..... کوہاٹ جنگل خیل میں ماسٹر امین اوکاڑوی سے پروفیسر ڈاکٹر طالب الرحمٰن کا مناظرہ ہوا۔ اس مناظرے میں حافظ زبیر علی زئی پروفیسر صاحب کے معاون تھے۔ اس مناظرے کا انعقاد ایک شخص سلطان صاحب نے کرایا تھا۔ مناظرے کا اثر یہ ہوا کہ اس کے فوراً بعد سلطان صاحب نے اہل حدیث ہونے کا اعلان کر دیا۔

⊙..... حضرو کے دیوبندی حضرات سے تقلید کے موضوع پر ہری پور (ہزارہ) میں حافظ زبیر علی زئی کا مناظرہ ہوا۔ دیوبندی مناظر قاری چن محمد تھے جنھیں شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ مناظرے کی کیسٹیں موجود ہیں۔

⊙..... ''جماعت المسلمین'' کے بانی ڈاکٹر مسعود احمد بی ایس سی اپنی جماعت کے ارکان کے سوا سب کو کافر قرار دیتے ہیں۔ ایک دفعہ اسلام آباد میں ڈاکٹر مسعود کے بیٹے سلیمان کے مکان پر حافظ زبیر علی زئی کا ان سے مباحثہ ہوا۔ مسعود صاحب لاجواب ہو گئے تو حضرو کی ''جماعت المسلمین'' سے تعلق رکھنے والے لوگوں نے اس سے تعلق ختم کر کے مسلک اہل حدیث اختیار کر لیا۔

⊙..... کراچی میں اسی جماعت کے ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی سے ان کی مسجد میں حافظ زبیر علی زئی نے مناظرہ کیا۔ عثمانی صاحب اپنے کمزور ترین موقف کا دفاع نہ کر سکے تو وہیں ان کے گروہ کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بہت سے لوگ اس عقیدے سے تائب ہوگئے۔

اختصار کے پیش نظر یہاں چند مناظروں کا ذکر کیا گیا ہے، ورنہ واقعہ یہ ہے کہ حافظ صاحب کے مختلف مقامات پر دینی معاملات میں بہت سے لوگوں سے مباحثے اور مناظرے ہوئے، جن میں انھوں نے کتاب وسنت کی روشنی میں اپنے موقف کی وضاحت کی اور اللہ نے کامیابی عطا فرمائی۔

حافظ زبیر علی زئی سے ملاقات تو بے شمار دفعہ ہوئی اور مختلف مسائل سے متعلق ان سے گفتگو بھی ہوئی۔ لیکن ان کے ہاں جانے اور ان کا کتب خانہ دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ سنا ہے ان کا کتب خانہ تفاسیر قرآن، علومِ قرآن، کتب حدیث، رجال حدیث، شروحاتِ احادیث، کتب لغت اور مختلف فرقوں سے متعلق کتابوں کے اچھے خاصے ذخیرے پر مشتمل ہے۔ اور یہی ان کا اصل موضوع ہے۔ اپنے کتب خانے کا نام انھوں نے "المکتبة الزبیریه" رکھا ہے۔

حافظ صاحب ممدوح کا مسکن حضرو ہے اور وہاں ان کا اصل کام تصنیف وتالیف ہے اور وہ اسی کام میں مصروف رہتے ہیں۔ ایک مدرسہ بھی انھوں نے قائم کیا ہے۔ ان کا ماہانہ رسالہ "الحدیث" کئی سال سے جاری ہے، اس کے زیادہ تر مضامین انہی کے تحریر فرمودہ ہوتے ہیں۔ وہ تحقیق سے لکھتے ہیں اور صاف الفاظ میں باحوالہ اپنے نقطۂ نظر کی صراحت کرتے ہیں۔ اردو اور عربی دونوں زبانوں میں لکھتے ہیں اور ان کی تصانیف کی تعداد ماشاء اللہ خاصی دور تک پہنچ چکی ہے اور یہ سلسلہ اللہ کے فضل سے جاری ہے۔

ان کی تصانیف کی جو فہرست میرے پاس موجود ہے، اس میں اردو اور عربی دونوں زبانوں کی تصانیف کے نام مندرج ہیں۔ چار پانچ کے سوا اردو کتابوں کے نام بھی عربی قسم کے ہیں۔ ملاحظہ ہوں پہلے اردو کتابوں کے نام:

① ..... نور العینین فی اثبات رفع الیدین (مطبوع)

② ..... القول الصحیح فی ماتواتر فی نزول المسیح (مطبوع)

③ ..... تخریج نماز نبوی (مطبوع)

④ ..... تسهیل الوصول فی تخریج احادیث صلوٰة الرسول (مطبوع)

⑤ ..... نور القمرین: حدیث اور اہل حدیث کے ایک باب کا مکمل جواب (مطبوع)

⑥ ..... الکواکب الدریه فی وجوب الفاتحة خلف الامام فی الجهریة (مطبوع)

⑦ ..... جنت کا راستہ (مطبوع)

⑧ ..... هدیة المسلمین: چالیس حدیثیں (مطبوع)

⑨ ..... تعداد رکعات قیام رمضان کا تحقیقی جائزہ (مطبوع)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

⑩..... نور المصابیح: تراویح (مطبوع)

⑪..... تخریج ریاض الصالحین (مطبوع)

⑫..... تخریج فتاویٰ اسلامیہ (۲، ۳، ۴ مجلدات)

⑬..... تخریج احادیث: الرسول کانک تراہ (مطبوع)

⑭..... البوارق المرسلة علی ظلمات التبصرة

⑮..... ماسٹر امین اوکاڑوی کا تعاقب

⑯..... القول المتین فی الجهر بالتامین (مطبوع)

⑰..... اکاذیب آل دیوبند

⑱..... سوال وجواب ماہنامہ ''شہادت'' اسلام آباد

⑲..... نصر المعبود فی الرد علی سلطان محمود

سلطان محمود حضرو کے علاقے کے بریلوی عالم ہیں، اس کتاب میں فقہ حنفی کے بعض مسائل کا رد کیا گیا ہے اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ یہ مسائل قرآن وحدیث اور خلفاے راشدین کے خلاف ہیں۔

⑳..... السنن والمبتدعات: ترجمه از عربی کتاب عمر بن عبدالله بن عبدالمنعم .

㉑..... تلخیص الاحادیث المتواتره مع شرح

㉒..... عصر حاضر کے چند کذابین کا تذکرہ

㉓..... التاسیس فی مسئلة التدلیس

㉔..... ترجمه الانوار فی شمائل ابن المختار، للبغوی

ان کتابوں کے علاوہ الاعتصام، اہل حدیث، الاسلام، محدث اور شہادت وغیرہ رسائل وجرائد میں ان کے بہت سے مضامین شائع ہوئے۔

یہ چوبیس کتابیں ہیں جو اردو زبان میں لکھی گئی ہیں اور فاضل مصنف نے نہایت تحقیق سے لکھی ہیں۔ بعض کتابوں کی تخریج فرمائی ہے۔ یہ اور بھی محققانہ عمل ہے۔ اس پر ہم انھیں ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہیں۔ لیکن معذرت کے ساتھ ایک عرض بھی کرنا چاہتے ہیں اور وہ عرض یہ ہے کہ جو کتاب اردو زبان میں لکھی گئی ہے، اس کا نام بھی اردو الفاظ میں لکھنا چاہیے۔ جسے قاری پڑھتے ہی یہ سمجھ لے کہ اس کتاب میں فلاں موضوع پر گفتگو کی گئی ہے۔

اس فہرست میں اردو کی جس پہلی کتاب کا نام ہمارے سامنے آتا ہے، وہ ہے ''نور العینین فی اثبات رفع الیدین'' جو شخص عربی نہیں جانتا اس کے لیے اس کا صحیح طور سے نام پڑھنا ہی مشکل

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ اس کا نام ''اثبات رفع الیدین'' یا کوئی اور آسان رکھ دیا جاتا تو اس میں میرے خیال میں کوئی حرج نہ تھا۔

اس سے اگلی کتاب کا نام ملاحظہ ہو: ''القول الصحیح فی ما تواتر فی نزول المسیح'' میرے جیسا نیم خواندہ شخص اس کے نام ہی میں الجھ جاتا ہے۔ کتاب پڑھنا تو دور کی بات ہے۔

امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کے وجوب پر کتاب کا نام دیکھیے ''الکواکب الدریہ فی وجوب الفاتحۃ خلف الامام فی الجہریہ''۔ مصنف کو ہمیشہ یہ خیال رکھنا چاہیے کہ ابلاغ کا صحیح طریقہ کیا ہے اور قاری کو کس طرح آسانی سے بات سمجھائی جاسکتی ہے اور وہ کس طرح سمجھ سکتا ہے۔ مصنف کو یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ جس طرح وہ خود عالم ہے، اسی طرح قاری بھی عالم ہے۔ قاری تو بے چارہ سمجھنا چاہتا ہے اور مصنف اسے سمجھا جارہا ہے۔ کتاب کا نام ایسا ہونا چاہیے جو فوراً سمجھ میں آئے اور قاری کے لیے باعث کشش ہو۔

میں نے یہ الفاظ لکھنے سے پہلے بھی فاضل مصنف سے معذرت کی تھی، اب پھر معذرت چاہتا ہوں۔ اس لیے کہ کمزور آدمی ہوں۔ علماء سے ڈرتا ہوں۔ بالخصوص حافظ زبیر علی زئی سے ہمیشہ ڈرتا رہتا ہوں۔

اب ذیل میں حافظ زبیر علی زئی کی عربی تصانیف ملاحظہ فرمایے:

① ..... تحقیق وتخریج احادیث مسند الحمیدی (قلمی مجلدان)

ساتویں صدی ہجری کے دو قلمی نسخوں کو بنیاد بنا کر تحقیق وتخریج احادیث کی گئی ہے۔ حبیب الرحمٰن اعظمی دیوبندی کے نسخہ دیوبندیہ مطبوعہ کی چار سو (۴۰۰) غلطیوں کی نشان دہی کی گئی ہے۔ نیز اس میں دیگر کتب احادیث سے امام حمیدی کی مرویات کی تخریج۔ فقہی وحدیثی فوائد

② ..... نیل المقصود فی التعلیق علی سنن ابی داؤد وتخریج الاحادیث (۳جلدیں)

متن کی تصحیح وتحقیق، احادیث کی تخریج وتحقیق وحکم بلحاظ صحت وضعف، لغوی شرح، فقہی فوائد، فرق ضالہ پر ردّ، مرویات ابوداؤد عن طریق ابی داؤد کی تخریج

③ ..... تسہیل الحاجۃ فی تخریج احادیث سنن ابن ماجہ (۱جلد)

④ ..... تخریج المجتبی للنسائی، الصغریٰ (۳ جلدیں) الکبریٰ کے ساتھ مقارنہ

⑤ ..... تخریج سنن ترمذی:

فی الباب کی روایات کی بھی تخریج، تخریج شمائل ترمذی، تخریج کتاب العلل۔

⑥ ..... تخریج النہایۃ فی الفتن والملاحم، مطول (مجلد)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

⑦..... تخریج النهایة فی الفتن والملاحم مطول (مجلد)

⑧..... تخریج کتاب الجهاد لابن تیمیہؒ (مجلد)

⑨..... تخریج سیرت ابن هشام/ العقد التمام (مجلد)

⑩..... تحفة العلماء فی تخریج کتاب الضعفاء للبخاری (مجلد)

بہترین قلمی نسخے سے تحقیق وتخریج اور راویوں پر حکم بلحاظ جرح وتعدیل مطبوعہ نسخے کے ساتھ مقارنہ۔ اقوال بخاری کی تخریج، قلمی نسخے میں ایسے بہت سے راوی ہیں جو کہ مطبوعہ میں موجود نہیں۔

⑪..... تخریج احادیث منهاج المسلم للجزائری (مجلد)

⑫..... السراج المنیر فی تخریج الاحادیث والآثار تفسیر ابن کثیر (۳ جلدیں نامکمل)

⑬..... الاسانید الصحیحة فی اخبار الامام ابی حنیفة

پسند فرمودہ حضرت سید ابومحمد بدیع الدین الراشدی السندھی رحمہ اللہ

⑭..... تحقیق وتخریج احادیث: اثبات عذاب القبر للبیهقی (از مخطوطہ، مجلد)

مقدمہ از قلم مولانا سید ابوالقاسم محب اللہ شاہ الراشدی السندھی رحمہ اللہ

⑮..... تلخیص کامل ابن عدی (مجلد)

⑯..... کلام الدار قطنی فی اسماء الرجال فی سننه (مجلد)

⑰..... تحقیق وتخریج جزء علی بن محمد الحمیری (جزء، مطبوع)

⑱..... تخریج وتحقیق موطا امام مالک

⑲..... تخریج وتحقیق بلوغ المرام

⑳..... تخریج وتحقیق مشکوة المصابیح

㉑..... صحاح سته کامل فی مجلد تصحیح نسخه سنن ابی داؤد وسنن ابن ماجه (مطبوع)

㉒..... فی ظلال السنه، سلسلة فی سیاحة الامة اسلام آباد

㉓..... أنوار الصحیفة فی الاحادیث الضعیفة من السنن الاربعة مع الادلة

㉔..... کتاب الثقات والضعفاء والمتروکین من المعاصرین وغیرها (تحت التکمیل)

㉕..... تخریج الانوار فی شمائل النبی المختار

㉖..... تحقیق مسائل محمد بن عثمان بن ابی شیبه (از مخطوطه)

㉗..... انوار السنن فی تحقیق آثار السنن

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اس تحقیق میں نیموی کی آثار السنن کی مستدل روایات کا ضعف ثابت کیا گیا ہے اور ان کے مقابلے میں صحیح روایات پیش کی گئی ہیں۔ آثار السنن کے جواب میں یہ کتاب جامع اور ازحد مفید ہے۔

(۲۸)..... تخریج الاربعین شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ

(۲۹)..... تخریج شعار اصحاب الحدیث لابی احمد الحاکم

(۳۰)..... تحقیق وتخریج احمد بن منذری (از مخطوطہ)

گزشتہ سطور میں حافظ زبیر علی زئی کے ضروری کوائف حیات (جو ہمارے علم میں آئے) بیان کردیے گئے ہیں۔ ان کی اردو عربی تصانیف کی فہرست بھی (جو ہمیں موصول ہوئی) خوانندگانِ ذی اکرام کے سامنے رکھ دی گئی ہے اور ان کے ماہنامہ جریدے ''الحدیث'' کا تذکرہ بھی کردیا گیا ہے اور یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ ان کی تصانیف اور ان کے ماہنامے ''الحدیث'' کے علاوہ الاعتصام، اہل حدیث، الاسلام، محدث، شہادت اور بعض دیگر رسائل وجرائد میں ان کے رشحاتِ قلم کی اشاعت ہوتی رہی اور اب بھی بعض رسائل میں ہورہی ہے۔

بے شبہ حافظ صاحب ممدوح موجودہ دور کی جماعت اہل حدیث کے عظیم محقق اور مصنف ہیں۔ وہ کلک رواں اور ذہن رسا کے مالک ہیں۔ ان کی نظر وسیع اور عمیق ہے، وہ جو کچھ لکھتے ہیں تحقیق سے لکھتے ہیں۔

ان کی اردو تصانیف کے ناموں کے متعلق معذرت کے ساتھ یہ فقیر اپنی رائے کا اظہار گزشتہ سطور میں کرچکا ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ میری گزارش کے متعلق ان کا کیا ردّعمل ہے۔ آئندہ اس پر غور فرمائیں گے یا نہیں۔

ڈرتے ڈرتے یہ فقیر ان کے باب عالی پر ایک اور مؤدبانہ دستک دینا چاہتا ہے۔ ان کی بارگاہِ علم سے اسے شرفِ قبول تو حاصل نہیں ہوگا، لیکن فقیر کا کام صدا دینا ہے، اس کی صدا کا کوئی کیا جواب دیتا ہے، اس سے فقیر کا کوئی تعلق نہیں۔ وہ ماننے اور نہ ماننے والے سب کو دعا دیتا ہوا آگے نکل جاتا ہے۔

اس فقیر ناتواں نے برصغیر کے بے شمار اہل علم اور اربابِ قلم کی زیارت کی ہے۔ ان میں سے بعض بزرگوں کی خدمت میں حاضری کا دورانیہ سالہا سال تک پھیلا ہوا ہے اور بعض سے مختصر عرصے تک محدود ہے۔ علاوہ ازیں اپنے اکابر کی بہت سی تحریریں پڑھی ہیں اور پڑھتا رہتا ہوں۔ وہ سب حضرات اپنے سے اختلاف کرنے والوں کا (اگرچہ وہ کسی فقہی مسلک سے تعلق رکھتے ہوں) احترام سے ذکر کرتے تھے۔ انھیں اپنے حلقے میں اگر ''مولانا'' سے خطاب کیا جاتا ہے تو وہ انھیں مولانا ہی لکھتے اور کہتے تھے۔ ان کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ اپنے سے اختلاف کرنے والے کو عالم قرار دو اور مخاطبین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کو یہ تاثر دو کہ میرا حریف اور مد مقابل عالم آدمی ہے اور میں عالم سے مخاطب ہوں۔ جاہل یا کم علم سے میرا کوئی واسطہ نہیں۔ میں ہرگز اس سے مخاطب نہیں ہونا چاہتا۔ اس فقیر کے فکر اور قلم کی تربیت ایسے ہی ماحول میں ہوئی ہے۔

اپنے عالم فاضل دوست حافظ زبیر علی زئی صاحب کی خدمت میں اس فقیر کی گزارش ہے کہ وہ اپنی جماعت کے بزرگوں کے اس نکتے پر بھی غور فرمائیں۔ ویسے بھی پڑھا لکھا شخص کسی عالم کا سابقے اور لاحقے کے بغیر فقط نام لیتے ہوئے عجیب سا لگتا ہے۔

بہرحال حافظ زبیر علی زئی کو اللہ تعالیٰ نے بہت سی صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ وہ عربی اور اردو کے مصنف بھی ہیں، مترجم بھی ہیں، مدرس بھی ہیں، خطیب بھی ہیں، مناظر بھی ہیں۔ تخریج میں بھی مہارت رکھتے ہیں۔ اپنے علاقے حضرو اور اس کے گرد وپیش میں ان کی کوشش سے اہل حدیث کی متعدد مسجدیں بھی تعمیر ہوئی ہیں، جن میں باقاعدہ جمعہ وجماعت کا سلسلہ جاری ہے اور طلبا کو قرآن وحدیث کی تعلیم دی جاتی ہے۔ یہ ان کا صدقہ جاریہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مساعی کو قبول فرمائے اور انھیں کتاب وسنت کی زیادہ سے زیادہ خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔

میں نے ان کے متعلق جو کچھ لکھا ہے، قارئین نے محسوس کیا ہوگا کہ ڈرتے ڈرتے لکھا ہے اور معذرت خواہانہ انداز میں لکھا ہے۔ جب وہ کسی کے بارے میں کامل یقین اور پورے وثوق کے ساتھ تحریر فرماتے ہیں کہ اس کی یہ بات مردود ہے، باطل ہے تو سچی بات ہے میں کمزور دل آدمی کانپ جاتا ہوں۔ کچھ پتا نہیں ان کی بارگاہِ علم سے میری کون سی بات مردود قرار پاتی ہے اور ان کے نوکِ قلم سے میری کون سی گزارش کو باطل ٹھہرایا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے عاجزانہ دعا ہے کہ وہ اس فقیر کے مہربان حافظ زبیر علی زئی کو صحت وعافیت کے ساتھ عمر دراز فرمائے اور ان سطور کے گناہ گار راقم کو عمل خیر کی توفیق سے نوازے، آمین یا ربّ العالمین.....!

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

حافظ عبدالوہاب روپڑی

(ولادت ۱۹۶۰ء)

اللہ تعالیٰ کے معاملات کو کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ بعض اوقات بہ ظاہر حالات نہایت مایوس کن ہوتے ہیں اور چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا چھایا ہوتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ ایسے اسباب پیدا فرما دیتا ہے کہ مایوسی سے یاس کی کرنیں ابھر آتی ہیں، اندھیرے سے سفیدی نمودار ہوجاتی ہے اور حالات کا دھارا بالکل بدل جاتا ہے۔ حافظ عبدالوہاب روپڑی اور ان کے بھائیوں کا سلسلہ کچھ اسی قسم کا ہے۔

ان کے والد حافظ عبدالجبار روپڑی ۱۹۶۱ء میں موضع بھوئے آصل (تحصیل پتوکی، ضلع قصور) میں مقیم تھے اور اپنی زمین کی کاشت کاری ان کا مشغلہ تھا کہ ایک حادثے میں جامِ شہادت نوش کرگئے۔ اس وقت ان کے پس ماندگان تھے ایک جوان بیوہ، چار بچے اور ایک بوڑھا باپ حافظ عبدالواحد.....!

باپ کی وفات کے وقت سب سے بڑا بیٹا عبدالرزاق سات سال کا تھا۔ اس سے چھوٹا عبدالغفار پانچ سال کا اور سب سے چھوٹا عبدالوہاب چھ مہینے کا۔ ایک بیٹی تھی، اس کی عمر شاید تین سال کی ہوگی۔ یہ گھرانا نظر بہ ظاہر گپ اندھیروں میں کھڑا تھا۔ آگے چلنا اور دنیوی زندگی کا طویل سفر طے کرنا نہایت مشکل دکھائی دیتا تھا۔ لیکن اللہ نے کرم فرمایا اور اس کی رحمت کی گھٹا اس گھرانے پر کچھ اس طرح چھائی کہ یتیم بچے حافظ قرآن ہوئے اور پھر حافظ عبدالغفار اور حافظ عبدالوہاب کا شمار دینیات کے مشاہیر علماء میں ہوا۔ حافظ عبدالرزق نے گاؤں میں زمین کا کام سنبھالا اور کاشت کاری کو اپنا مشغلہ قرار دیا۔ ان کی بہن حافظ عبدالقادر روپڑی کے صاحب زادے عارف سلمان روپڑی کے عقد میں آئیں۔ آج کل غالباً امریکا میں ہیں۔ ان یتیم بچوں کی تربیت ان کے دادا حافظ عبدالواحد روپڑی اور والدہ نے کی۔

اس کی تفصیل اور ان کے خاندانی پس منظر سے متعلق واقعات حافظ عبدالغفار روپڑی کے حالات میں بیان کیے جاچکے ہیں جو گزشتہ صفحات میں خوانندگانِ کرام کے مطالعہ میں آئے۔

حافظ عبدالوہاب روپڑی کا تذکرہ میں نے اپنی ایک کتاب ''برصغیر کے اہل حدیث خدام قرآن'' میں کیا ہے، لیکن وہ مختصر سا تذکرہ ہے۔ اس میں ان کی قرآن کے متعلق خدمت، ان کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بعض تصانیف اور چند دیگر باتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اب ان کی طالب علمی سے لے کر موجودہ حالات تک کی وہ تفصیلات ضبطِ تحریر میں لائی جائیں گی جو میرے علم میں آئیں۔

حافظ عبدالوہاب روپڑی ۱۹۶۰ء میں پیدا ہوئے۔ قرآنِ مجید گھر میں اپنی والدہ ماجدہ سے پڑھا۔ پانچ سال کی عمر کے ہوئے تو بھوئے آصل کے گورنمنٹ مڈل سکول میں داخل کرا دیے گئے۔ مڈل تک وہاں تعلیم حاصل کی۔ گاؤں میں ایک صاحب قاری محمد اسلم تھے جو بصارت سے محروم تھے اور نہایت نیک سیرت اور اعلیٰ کردار کے مالک تھے۔ ان کا عام معمول یہ تھا کہ وہ لیٹے، بیٹھے، چلتے پھرتے بہ کثرت قرآنِ مجید کی تلاوت کرتے تھے۔ حافظ عبدالوہاب روپڑی نے سکول کی تعلیم کے دوران نماز فجر کے بعد ان سے قرآنِ مجید کے چند پارے یاد کیے۔ اس وقت وہ ان کے گھر ان کی ہمشیر کو قرآن حفظ کرانے کے لیے آیا کرتے تھے۔

مڈل کا امتحان پاس کرنے کے بعد حفظ قرآن کے لیے حافظ عبدالوہاب موضع میر محمد چلے گئے جو کہ حافظ محمد یحییٰ عزیز میر محمدی مرحوم کا آبائی گاؤں ہے۔ وہاں اس وقت قاری صدیق الحسن کا سلسلہ تحفیظ قرآن جاری تھا اور وہ اس علاقے کے مشہور قاری تھے۔ ان سے ان تینوں روپڑی برادران (حافظ عبدالرزاق، حافظ عبدالغفار اور حافظ عبدالوہاب) نے قرآنِ مجید حفظ کیا۔ یہ حضرات نہایت احترام سے قاری صاحب کا نام لیتے اور طلبا سے ان کی شفقتوں کا بہترین الفاظ میں تذکرہ کرتے ہیں۔ دو سال موضع میر محمد میں ان سے حافظ عبدالوہاب نے قرآنِ مجید حفظ کیا۔

پھر بعض وجوہ کی بنا پر قاری صدیق الحسن موضع میر محمد سے مدرسہ ضیاء السنہ میں راجا جنگ تشریف لے گئے۔ اس مدرسے میں تعلیم کے دو شعبے تھے۔ ایک حفظ قرآن کا، دوسرا درس نظامی کا۔ حافظ عبدالوہاب قرآنِ مجید کی منزل پختہ کرنے کی غرض سے ایک سال مدرسہ ضیاء السنہ (راجا جنگ) میں قاری صدیق الحسن کے شعبۂ حفظ قرآن میں رہے۔

حفظ قرآن کے بعد ۱۹۷۹ء میں حافظ عبدالوہاب گوجراں والا کو روانہ ہوئے اور وہاں جامعہ محمدیہ (جی ٹی روڈ) میں داخلہ لیا اور دینیات کی تعلیم حاصل کرنے لگے، جسے درسِ نظامی کہا جاتا ہے۔ وہاں جانے کی دو وجہیں تھیں۔ ایک وجہ یہ کہ ان کے بڑے بھائی حافظ عبدالغفار روپڑی اس وقت جامعہ محمدیہ کی آخری جماعت میں زیر تعلیم تھے۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ ان کے حفظ قرآن کے استاذ قاری صدیق الحسن نے وہاں جانے اور اس کے نصاب کے مطابق تعلیم حاصل کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ یہ دو وجہیں تھیں جو انھیں وہاں لے گئیں۔

جامعہ محمدیہ کے مہتمم اس وقت شیخ الحدیث مولانا عبداللہ صاحب تھے۔ طلبا کے لیے نماز پنجگانہ باجماعت پڑھنا ضروری تھا بلکہ تکبیر اولیٰ بھی کسی کی فوت ہوجاتی تو اس کی گرفت کی جاتی تھی اور یہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بہت بڑی بات تھی، جس پر عمل کرنا ہر طالب علم کے فرائض میں شامل تھا۔

اس وقت محترم المقام حافظ محمد شریف (حال فیصل آباد) حافظ عبدالوہاب کے بڑے بھائی حافظ عبدالغفار روپڑی کے ہم جماعت تھے۔ حافظ محمد شریف نے حافظ عبدالوہاب کو پہلی جماعت میں علم نحو کی کتاب نحو میر پڑھائی۔ حالاں کہ وہاں یہ کتاب نصاب کے مطابق دوسری جماعت میں پڑھائی جاتی تھی۔ حافظ محمد شریف نے ان کو نحو میر اس انداز سے پڑھائی کہ انھیں کتاب اب بھی زبانی یاد ہے۔ سالانہ امتحانات ہوئے تو اس کا امتحان انھوں نے حافظ محمد شریف کے فرمان کے مطابق طلبا کے ساتھ دیا اور اوّل پوزیشن حاصل کی۔ وہ جامعہ محمدیہ میں ہر سال ہر امتحان میں اوّل آتے رہے۔ اس طرح وہ اپنے دورِ طالب علمی میں جامعہ محمدیہ کے ذہین ترین طالب علم تھے۔

یہاں یہ عرض کردیں کہ ۱۹۲۱ء میں حضرت مولانا محمد اسماعیل سلفی گوجراں والا کی جامع مسجد اہل حدیث میں بہ طور مدرس وخطیب تشریف لائے تھے اور انھوں نے اس مدرسے کا نام ''مدرسہ محمدیہ'' رکھا تھا۔ اس مدرسے کے اوّلیں طلبا میں سے مولانا محمد حنیف ندوی کا اسم گرامی خاص طور سے قابل ذکر ہے۔ ۲۰ فروری ۱۹۶۸ء کو مولانا محمد اسماعیل سلفی نے وفات پائی تو ان کی جگہ خطیب ومدرس کی حیثیت سے مولانا عبداللہ صاحب کی خدمات حاصل کی گئیں۔ کچھ عرصے کے بعد انھوں نے مدرسہ محمدیہ کا نام جامعہ محمدیہ رکھ دیا اور اس کا ایک حصہ جی ٹی روڈ پر منتقل کردیا گیا۔ مولانا عبداللہ مرحوم کی یہ بہت بڑی خدمت دین ہے کہ انھوں نے ایک طویل وعریض بلڈنگ تعمیر کرائی اور متعدد جلیل القدر اساتذہ کی خدمات حاصل کیں۔ اب جامعہ محمدیہ کو اللہ کی مہربانی سے عظیم الشان درس گاہ کی حیثیت حاصل ہے۔ مولانا عبداللہ فعال اور سرگرم عالم دین تھے۔ گوجراں والا میں جی ٹی روڈ پر جامعہ محمدیہ کا قیام ان کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ اس میں بے شمار علما وطلبا نے تحصیل علم کی، جنھوں نے آگے چل کر مختلف مقامات میں تدریس وتصنیف کے سلسلے میں خوب کام کیا۔ اللہ تعالیٰ اس جامعہ کے بانی کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔

اسی جامعہ محمدیہ (جی ٹی روڈ گوجراں والا) سے حافظ عبدالوہاب روپڑی نے ۱۹۸۵ء میں درس نظامی کی تکمیل کی اور سند فراغت لی۔ وہ پنجاب یونیورسٹی سے فاضل عربی کرنا چاہتے تھے اور اس کے لیے ان کا ارادہ مولانا محمد چراغ مرحوم کی جامعہ عربیہ میں داخلہ لینے کا تھا، اس لیے کہ جامعہ عربیہ میں خاص طور سے فاضل عربی کے امتحان کی تیاری کرائی جاتی تھی۔ اس کا اظہار انھوں نے اپنے استاذِ محترم شیخ الحدیث مولانا عبدالحمید ہزاروی سے کیا تو انھوں نے فرمایا کہ جامعہ محمدیہ میں تیاری کرکے امتحان دے دو، ان شاء اللہ کامیاب ہوجاؤ گے۔ چناں چہ انھوں نے امتحان دیا اور اچھے نمبروں سے کامیابی حاصل کی۔ درحقیقت حافظ عبدالوہاب روپڑی جامعہ محمدیہ کے ذہین اور لائق

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

طالب علم تھے۔ درسی کتابوں پر ان کی گہری نظر تھی اور استاذِ مکرم مولانا عبدالحمید ہزاروی کو شاگرد کی قابلیت کا علم تھا، اس لیے انھوں نے وہیں رہ کر فاضل عربی کی تیاری کا مشورہ دیا اور یہ صائب مشورہ تھا جس پر اطاعت گزار شاگرد نے عمل کیا اور کامیاب رہے۔

حافظ عبدالوہاب نے ۱۹۸۵ء کے شعبان کے پہلے عشرے میں جامعہ محمدیہ سے فراغت پائی۔ اس کے بعد ۲ شعبان کو وفاق المدارس کے سالانہ امتحانات جامعہ سلفیہ (فیصل آباد) میں شروع ہوگئے اور ان میں انھوں نے شرکت کی۔ اب رمضان المبارک کی آمد میں چند روز باقی تھے اور وہ ۱۹۸۲ء سے جامع مسجد سبل السلام بہار کالونی کراچی میں نماز تراویح پڑھا رہے تھے، اس لیے امتحانات سے فارغ ہوتے ہی کراچی پہنچ گئے۔ وہاں ۱۹۸۲ء سے ۱۹۸۵ء تک (تین سال) ان کا نمازِ تراویح پڑھانے کا سلسلہ جاری رہا۔ یہ سلسلہ حضرت حافظ محمد حسین روپڑی کے بڑے بیٹے (یعنی حافظ عبدالرحمٰن مدنی کے بڑے بھائی) حافظ عبداللہ حسین نے شروع کرایا تھا۔

حافظ عبدالوہاب روپڑی نے پاکستان میں جن اساتذہ کرام سے تعلیم حاصل کی، ان کے اسماے گرامی یہ ہیں: مولانا عبدالحمید ہزاروی، حافظ عبدالمنان نورپوری، حافظ عبدالسلام بھٹوی، مولانا جمعہ خاں (یہ دیو بندی عالم ہیں لیکن تدریس ہمیشہ اہل حدیث کے مدارس میں کی) مولانا محمد رفیق سلفی، مولانا محمد فاروق صارم، مفتی حافظ ثناء اللہ خاں مدنی، قاری منظور احمد، قاضی عبدالرزاق، حافظ عبدالعلیم علوی، قاری محمد اسلم اور قاری صدیق الحسن۔ ان میں سے ہر استاذ کا حافظ عبدالوہاب روپڑی نہایت احترام سے نام لیتے ہیں۔

اب حافظ عبدالوہاب روپڑی کے جامعہ محمدیہ کے دورانِ تعلیم میں پیش آنے والے دو واقعے سنیے جو انھیں خاص طور سے یاد ہیں۔

ایک واقعہ یہ ہے کہ نماز عصر کے بعد انھیں سیر کی عادت تھی۔ ایک دن وہ اپنے ایک ہم جماعت طالب علم کے ساتھ جو قصور سے تعلق رکھتے تھے، بعد نماز عصر جی ٹی روڈ پر جارہے تھے کہ دوسری طرف سے ایک سفید ریش بزرگ کو آتے ہوئے دیکھا۔ علیک سلیک کے بعد اس بزرگ نے انھیں روک لیا اور پوچھا:

تم کون ہو؟

انھوں نے بتایا کہ ہم جامعہ محمدیہ کے طالب علم ہیں۔

یہ الفاظ سن کر اس بزرگ نے ان سے کہا کہ اصل کام یہی ہے جو تم کررہے ہو۔ علم دین حاصل کرنا اور اس پر عمل کرنا مسلمان کے لیے دنیا وآخرت میں کامیابی کا ذریعہ ہے اور اس کی تبلیغ کرنا اور لوگوں کو اللہ اور رسول (ﷺ) کے احکام سے آشنا کرانا ہمارے فرائض میں شامل ہے۔ اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بزرگ نے داڑھی رکھنے کی خاص طور سے تاکید فرمائی۔ لیکن حافظ عبدالوہاب روپڑی اور ان کے ساتھی ان بزرگ کو نہیں جانتے تھے اور حیران تھے کہ یہ کون شخص ہیں جو ہمیں روک کر نصیحت فرما رہے ہیں۔ وہ چلے گئے تو انھیں معلوم ہوا کہ یہ علامہ احسان الٰہی ظہیر کے والد محترم شیخ ظہور الٰہی مرحوم تھے۔ انھوں نے ان کو پُر خلوص انداز میں بہت سی نصیحتیں کیں۔

دوسرا واقعہ حافظ عبدالوہاب اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ وہ طالب علمی کے زمانے میں جامعہ محمدیہ سے لاہور جامعہ قدس میں آتے اور محترم المقام حافظ عبدالقادر روپڑی سے ملتے تو وہ انھیں کسی خاص مسئلے سے متعلق کسی حدیث کی کتاب سے کوئی حدیث نکالنے کا حکم دیتے اور انھیں بتاتے کہ فتویٰ کس طرح لکھا جاتا ہے، متعلقہ مسئلے کا حوالہ کس طرح تلاش کیا جاتا ہے اور سائل کو جواب دینے کا کیا طریقہ ہے؟ نیز اسلام کے کسی پہلو پر کوئی اعتراض کرے تو اس کے اعتراض کا جواب دینے کا کیا اصول ہے؟ بعض دفعہ وہ خود ہی کوئی اعتراض کرتے اور پھر اس کا جواب دیتے۔ یہ گویا ایک قسم کی تربیت تھی جو وہ اپنے عزیز حافظ عبدالوہاب کی ان کی طالب علمی کے دور میں کرتے تھے۔ اس دور کی یہ تربیت اب ان کے کام آ رہی ہے۔

حافظ عبدالقادر انھیں یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ ان سے قرآنِ مجید کا ترجمہ ضرور پڑھیں۔ لیکن وہ کوشش کے باوجود نہ پڑھ سکے۔ بعد ازاں جب وہ تعلیم سے فارغ ہو کر آئے تو حافظ صاحب بیماری میں مبتلا تھے۔ اسی اثنا میں وہ اللہ کے دربار میں پہنچ گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

پاکستان سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد حافظ عبدالوہاب روپڑی نے مکہ مکرمہ کی جامعہ ام القریٰ میں داخلہ لیا۔ جامعہ امّ القریٰ میں یہ داخلہ کس طرح ملا اور کتنا عرصہ وہ وہاں رہے؟ اب اس کا تذکرہ ملاحظہ ہو۔

خلیج کی جنگ سے آٹھ یا نو ماہ قبل حضرت حافظ عبدالقادر روپڑی ایک تبلیغی کانفرنس میں شرکت کے لیے برطانیہ گئے۔ واپسی پر عمرے کے لیے مکہ مکرمہ چلے گئے۔ جاتے ہوئے حافظ عبدالوہاب کو مکہ مکرمہ پہنچنے کا حکم دیا۔ اس وقت شیخ عبدالعزیز بن باز طائف تشریف لائے تھے۔ ان کی زیارت وملاقات کے لیے حافظ عبدالقادر روپڑی نے طائف کا پروگرام بنایا، حافظ عبدالوہاب کو بھی ساتھ لے گئے۔ شیخ نے حافظ صاحب کو وہاں تین دن قیام کا حکم دیا۔ تین دن کے بعد شیخ ممدوح سے واپسی کی اجازت طلب کی تو انھوں نے فرمایا آپ تنہا پاکستان جایئے، عبدالوہاب کو یہیں رہنے دیجیے۔ پھر حافظ عبدالوہاب سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ آپ یہاں تعلیم کے لیے کس جامعہ میں داخل ہونا چاہتے ہیں؟

انھوں نے جواب دیا: جامعہ ام القریٰ میں۔

حضرت شیخ نے از راہِ شفقت اسی وقت انھیں جامعہ ام القریٰ میں داخل کرا دیا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

جامعہ ام القریٰ مکہ مکرمہ میں حافظ عبدالوہاب روپڑی نے مختلف ملکوں کے جن جلیل القدر اساتذہ سے حصول علم کیا، وہ ہیں شیخ عبدالواحد التوام سوڈانی، شیخ احمد برکات سوڈانی، ڈاکٹر عبداللہ سعید الشہرانی سعودی، ڈاکٹر عبداللہ عادل سعودی، ڈاکٹر عبداللہ عطاس، شیخ ابوشیبت مصری، ڈاکٹر سکری مصری، ڈاکٹر عبدالرحمٰن الزائد سعودی، ڈاکٹر دیری سعودی اور بعض دیگر اصحابِ علم۔

خلیج کی جنگ ختم ہوئی تو ۱۹۹۰ء کے بعد جامعہ ام القریٰ میں تعلیم کا آغاز ہوا۔ ۱۹۹۵ء میں حافظ عبدالوہاب نے وہاں کے نصاب کی تکمیل کی۔ یعنی پانچ سال جامعہ ام القریٰ میں تعلیم حاصل کی اور وہاں کی سند کے مستحق قرار پائے۔ پاکستان واپس آ کر ان کی خواہش جامعہ ابوبکر کراچی میں فرائض تدریس انجام دینے کی تھی۔ لیکن حافظ عبدالرحمٰن مدنی کو اس کا علم ہوا تو انھوں نے اپنے تعلیمی ادارے جامعہ رحمانیہ گارڈن ٹاؤن (لاہور) میں ان کو معلم مقرر کر دیا۔ کچھ عرصہ یہ وہاں رہے۔ اس کے بعد حافظ عبدالقادر روپڑی، حافظ عبدالرحمٰن مدنی سے اجازت لے کر انھیں جامعہ قدس چوک دال گراں لے آئے اور انھوں نے وہاں فرائض تدریس انجام دینا شروع کر دیے جو بحمد اللہ اب تک جاری ہیں اور ان شاء اللہ آئندہ بھی جاری رہیں گے۔ ❶

حافظ عبدالوہاب روپڑی کی تدریس کے دو دور ہیں۔ وہ ۱۹۸۵ء میں مروّجہ تعلیم سے فارغ ہوئے تو کچھ عرصہ حافظ عبدالرحمٰن مدنی کی قائم کردہ جامعہ رحمانیہ گارڈن ٹاؤن میں فریضہ تدریس انجام دیا۔ پھر ۱۹۸۷ء میں انھیں حافظ عبدالقادر روپڑی جامعہ قدس لے آئے تو ۱۹۹۰ء تک وہاں پڑھاتے رہے۔ اسی سال انھوں نے مزید تعلیم کے لیے جامعہ ام القریٰ مکہ مکرمہ میں داخلہ لیا اور ۱۹۹۵ء میں وہاں سے فارغ ہوئے تو پھر از سرنو جامعہ قدس میں سلسلہ درس جاری کیا۔ اس طرح وہ طویل مدت سے یہ خدمت نہایت حسن وخوبی سے سرانجام دے رہے ہیں۔ اس اثنا میں ان سے لاتعداد شائقین علم نے استفادہ کیا۔ سب کے نام تو انھیں یاد نہیں ہوں گے، لیکن جن حضرات کے نام یاد ہیں اور وہ ملک وبیرونِ ملک میں کسی نہ کسی دینی خدمت میں مصروف ہیں، وہ مندرجہ ذیل ہیں:

مولانا حافظ محمد عباس مقیم قطر، مولانا حافظ محمد فاروق دیپال پور، مولانا حافظ ظہیر احمد، ڈاکٹر حافظ حسن مدنی ایڈیٹر محدث لاہور، حافظ حسین مدنی، مولانا اظہار الحق سیالکوٹ، مولانا حافظ محمد اقبال ثاقب، مولانا حافظ محمد ادریس، مولانا حافظ محمد بلال، قاری ساجد حکیم، حافظ امتیاز احمد، مولانا عابد سلیمان روپڑی،

---

❶ جامعہ قدس سے متعلق ضروری تفصیلات گزشتہ صفحات میں اس مضمون میں بیان کر دی گئی ہیں جو حافظ عبدالوہاب کے بڑے بھائی حافظ عبدالغفار روپڑی کے بارے میں لکھا گیا ہے۔ اس مضمون میں حضرت حافظ عبداللہ روپڑی کی تدریسی سرگرمیوں کی نشان دہی بھی کر دی گئی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مولانا عبدالرشید تونسوی جامعہ ابن تیمیہ، مولانا محمد شفیق ندیم، مولانا اکرام الحق اثری، مولانا حافظ ابوبکر، مولانا محمد عمران سیف، حافظ محمد اجمل طاہر، مولانا محمد مبین ڈوگر، مولانا حافظ عبداللطیف، قاری مختار احمد، مولانا خالد سیف، حافظ محمد اسماعیل اور دیگر بہت سے علما وطلباء۔

حافظ عبدالوہاب روپڑی کی طالب علمی کا دور دو حصوں پر مشتمل ہے۔ ایک حصے کا تعلق پاکستان کی جامعہ محمدیہ گوجراں والا سے ہے اور ایک کا سعودی عرب کی جامعہ ام القریٰ مکہ مکرمہ سے! جامعہ محمدیہ میں ان کے چند ساتھی مندرجہ ذیل تھے۔

①..... حافظ محمد طیب: یہ ضلع گوجراں والا کے ایک قصبے مرالی والا کے رہنے والے ہیں۔ لائق مدرس ہیں اور لاجپت روڈ شاہدرہ لاہور کی ایک مسجد کے خطیب ہیں۔

②..... حافظ عبدالوارث: یہ ضلع گوجراں والا کے ایک گاؤں موضع تتلی والا سے تعلق رکھتے ہیں۔ مدرسۃ البنات میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہیں۔

③..... مولانا فضل الرحمٰن مدنی: متحدہ مجلس عمل کی صوبہ سرحد کی حکومت کے وزیر اعلیٰ محمد اکرم خاں درانی کے مشیر تھے۔

④..... پروفیسر سرفراز احمد لکھوی: پنجاب کے لکھوی خاندان کے چشم وچراغ۔

⑤..... ذکی الرحمٰن لکھوی: ان کا تعلق بھی لکھوی خاندان سے ہے۔ حافظ عزیز الرحمٰن لکھوی کے بیٹے اور استاذِ پنجاب حضرت مولانا عطاء اللہ لکھوی کے پوتے۔ جہاد کے سلسلے میں انھوں نے پوری دنیا میں شہرت پائی۔

⑥..... مولانا عنایت اللہ امین: آج کل دار الحدیث کمالیہ (ضلع اوکاڑہ) میں مدرس ہیں۔

⑦..... حافظ محمد عمران عریف: یہ جامعہ محمدیہ جی ٹی گوجراں والا کے بانی شیخ الحدیث مولانا عبداللہ مرحوم کے فرزند ارجمند ہیں۔

جامعہ ام القریٰ مکہ مکرمہ میں پوری دنیا کے مختلف ملکوں کے طلبا تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ وہاں بے شمار طالب علموں سے حافظ عبدالوہاب کے مراسم قائم تھے، جن میں سے ان کے چند دوستوں کے نام درجِ ذیل ہیں۔

①..... عبدالرحمٰن: ان کا تعلق سعودی عرب کے شہر ''ابھا'' سے تھا۔ نہایت شریف النفس اور تہجد گزار تھے۔ اب اپنے شہر ابھا میں خدمت تدریس انجام دے رہے ہیں۔

②..... عبدالرحمٰن: یہ برونائی کے وزیر تعلیم کے بیٹے تھے۔

③..... احمد: ان کا تعلق نیروبی سے تھا۔

④..... سی پات: تھائی لینڈ کے رہنے والے تھے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

⑤..... مولانا مقبول احمد: مدرس جامعہ ابوبکر کراچی۔

⑥..... حافظ نصر اللہ خاں: شیخ الحدیث جامعہ رحمانیہ، ملتان۔

⑦..... قاری حفیظ الرحمٰن سندھو: مدرس جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن، ضلع فیصل آباد

⑧..... محمد امین شاہد

⑨..... حافظ حمود الرحمٰن: یہ مولانا محمد یحییٰ شرق پوری کے فرزند گرامی ہیں۔ آج کل برطانیہ میں ہیں۔

ہر شخص کسی نہ کسی شخصیت سے متاثر ہوتا ہے۔ حافظ عبدالوہاب روپڑی بھی بہت سی شخصیات سے متاثر ہیں۔ ان میں ایسے بزرگ بھی ہیں، جن کو انھوں نے کبھی دیکھا بھی نہیں۔ لیکن ان کے علم، عمل، اخلاق، کردار، طریق درس اور اسلوبِ کلام کا ان پر بے حد اثر ہے۔ ان میں چند حضرات کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں۔

⊙..... حضرت حافظ محمد گوندلوی: جامعہ محمدیہ گوجراں والا میں حافظ عبدالوہاب کو ان کے درسِ بخاری میں شمولیت کا شرف حاصل ہوا۔ عرب وعجم کے علمی حلقوں تک ان کے علم کی شہرت پہنچی۔ وہ نہایت ذہین، بے حد قوی حافظہ اور بہ درجہ غایت کثیر المطالعہ عالم تھے۔ دینی ومذہبی علوم کے تمام پہلوؤں پر انھیں عبور حاصل تھا اور درسیات کے سلسلے کی سب کتابیں انھیں ازبر تھیں۔ قرآن وحدیث اور دیگر فنونِ متداولہ میں انھیں مجتہد کی حیثیت حاصل تھی۔

⊙..... حضرت حافظ عبداللہ روپڑی: ان کو حافظ عبدالوہاب روپڑی نے دیکھا بھی نہیں لیکن ان کی تصانیف کے مطالعہ نے ان کو انتہائی متاثر کیا۔ ان کی تحریر صاف اور واضح ہے۔ قاری ان کی ہر بات نہایت آسانی سے سمجھ لیتا ہے۔ وہ جس مسئلے پر بحث کرتے ہیں، اس کے ہر گوشے کو واضح کر دیتے ہیں۔ حضرت حافظ عبداللہ روپڑی سے ان کے تاثر کی ایک وجہ ان سے خونی رشتہ بھی ہے۔ یقیناً انھیں یہ خیال گزرتا ہے کہ اتنے بڑے صاحب علم سے ان کا قریب ترین رشتہ ہے۔

⊙..... مولانا محمد صدیق آف سرگودھا: یہ حضرت حافظ عبداللہ روپڑی کے شاگرد تھے اور مشہور صاحب علم۔ باعمل عالم۔ تصنیف وتالیف اور درس وتدریس میں درک رکھنے والے۔

⊙..... حافظ عبدالمنان نورپوری: ان کا شمار حافظ عبدالوہاب روپڑی کے اساتذہ میں ہوتا ہے۔ اللہ نے ان کو علم کی نعمت بھی عطا فرمائی ہے اور عمل کی دولت سے بھی ان کا دامن پُر ہے۔

⊙..... مولانا عبدالحمید ہزاروی: یہ بھی حافظ عبدالوہاب روپڑی کے عالی قدر استاذ ہیں۔ بہت اچھے مدرس، صاف بیان خطیب اور پیکر صالحیت۔

⊙..... مولانا سلطان محمود جلال پور پیر والا: حافظ عبدالوہاب روپڑی نے ان سے کوئی چھوٹی بڑی کتاب نہیں پڑھی، لیکن ان کے علم وعمل کا ان پر بہت اثر ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

⊙..... شیخ عبدالعزیز بن باز: سعودی عرب کے حکام وشیوخ اور دیگر مقامات کے علماء میں ان کو بے حد اعزاز کا مقام حاصل ہے اور ان کی جلالت قدر کا سب لوگ کھلے دل سے اعتراف کرتے اور ان کی فضیلت علمی کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔

⊙..... حافظ عبدالقادر روپڑی: یہ حافظ عبدالوہاب کے نہایت مشفق بزرگ تھے۔ ان کے مناظروں، خدمت دین اور تبلیغ مسلک اہل حدیث سے یہ بہت متاثر ہیں۔ حافظ عبدالقادر روپڑی کی حریف پر گرفت بڑی مضبوط ہوتی تھی۔

یہ چند حضرات کے اسمائے گرامی ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی متعدد اصحابِ علم کا ان پر بہت اثر ہے اور وہ ان کی بڑی تکریم کرتے ہیں۔

برصغیر کے ایک خاص طبقے کو جنھیں بریلوی کہا جاتا ہے، سعودی عرب کی حکومت سے ہمیشہ اختلاف رہا۔ کبھی کہا جاتا ہے کہ اس حکومت نے صحابہ کے مزار ڈھا دیے، کبھی یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ نبی ﷺ کی والدہ مکرمہ کا مدفن منہدم کردیا۔ اس قسم کی بہت سی باتیں کی جاتی ہیں۔ ۱۹۹۹ء میں بھی والدہ رسول (ﷺ) کی قبر کے انہدام کی افواہیں پھیلائی گئیں اور جلسے وغیرہ کیے گئے۔ اہل حدیث حضرات نے بھی اس کے جواب میں مضامین لکھے اور اجتماعات کا اہتمام کیا۔ اس محاذ پر حافظ عبدالقادر کے صاحب زادے جناب عارف سلمان روپڑی بالخصوص سرگرم رہے۔ غالباً ۱۵ر جون ۱۹۹۹ء کو روزنامہ ''جنگ'' میں ایک بزرگ علامہ عرفان مشہدی کی پریس کانفرنس شائع ہوئی، جس میں انھوں نے جناب عارف سلمان روپڑی کو مناظرے کا چیلنج دیا اور کچھ اس قسم کا دعویٰ کیا کہ پختہ قبریں بنانا اور مزارات تعمیر کرنا سنت مطہرہ سے ثابت ہے۔ حافظ عبدالقادر روپڑی نے حافظ عبدالوہاب کو یہ چیلنج منظور کرنے کا حکم دیا اور علامہ عرفان مشہدی کو اس موضوع پر مناظرے کی دعوت دی گئی۔ طے پایا کہ ۳۰ جون کو دس بجے جامعہ قدس اہل حدیث (چوک دال گراں) میں گفتگو ہوگی۔ لیکن علامہ عرفان مشہدی اور ان کے رفقاے کرام تشریف نہیں لائے۔

اس کے بعد حافظ عبدالقادر صاحب کے حکم سے حافظ عبدالوہاب نے اس موضوع پر ''سانحہ ابواء اور مدفن ام رسول ﷺ'' کے نام سے ایک رسالہ لکھا، جس میں احادیث صحیحہ اور علماے احناف کے اقوال سے یہ ثابت کیا کہ نبی ﷺ کی والدۂ مکرمہ کا مدفن مقام ابواء نہیں۔ اس کے ساتھ حنفی اصحابِ علم کے فتوؤں سے اس حقیقت کی وضاحت کی کہ پختہ قبریں بنانا اور ان پر کسی قسم کی عمارت تعمیر کرنا اسلامی تعلیم کے خلاف ہے۔ یہ رسالہ انھوں نے علماے احناف کی خدمت میں بھیجا، لیکن ان کی طرف سے اس کا جواب نہیں آیا۔ یہ ان کی پہلی تحریری کوشش تھی۔

کوٹ رادھا کشن کے قریب ایک گاؤں ''نول'' کے ایک شخص نے مسلک اہل حدیث اختیار

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کرلیا اور وہ نماز میں آمین بالجہر پکارنے، رفع یدین کرنے اور امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے لگا۔ نول کی مسجد کے دیوبندی حنفی امام اور وہاں کے چودھری کو اس کا یہ عمل ناگوار گزرا تو انھوں نے اس کو اس سے روکنے کی کوشش کی۔ بالآخر یہ طے پایا کہ اس مسئلے پر مناظرہ ہونا چاہیے تاکہ لوگوں پر واضح ہوجائے کہ اصل حقیقت کیا ہے۔ امام صاحب اور چودھری صاحب نے اپنے ایک عالم کو بلا لیا، وہ کئی دن اہل حدیث کی تردید کرتے رہے۔ جس شخص نے مسلک اہل حدیث اختیار کیا تھا، وہ لاہور آئے اور مسجد قدس میں حافظ عبدالوہاب روپڑی سے ملے۔ حافظ صاحب اپنے دو شاگردوں کے ساتھ نول پہنچ گئے۔ مناظرے کا فیصلہ ہوچکا تھا۔ مسجد میں گئے تو پتا چلا کہ دیوبندی عالم جو مناظرے کے لیے تشریف لائے ہیں چودھری کے ڈیرے میں بیٹھے ہیں۔ حافظ صاحب وہاں پہنچے تو مولانا وہاں سے اٹھ کر دوسری جگہ چلے گئے اور اندر سے کنڈی لگا کر بیٹھ گئے۔ چودھری نے فائرنگ شروع کردی۔ لوگ بھاگ گئے۔ لیکن حافظ عبدالوہاب اپنے دو ساتھیوں سمیت وہاں بیٹھے رہے۔ اتنے میں ایک خاتون باہر آئی۔ اس نے بلند آواز سے چودھری کو ڈانٹتے ہوئے کہا تم نے یہ کیا مذاق بنا رکھا ہے۔ ایک مہینے سے شور مچا رہے ہو کہ وہابی جھوٹے ہیں اور ہم سچے ہیں۔ ہم ان کے ساتھ مناظرہ کریں گے۔ اب وہابی مناظرے کے لیے آگئے ہیں، تم سچے ہو تو اپنے مولوی کو سامنے لاؤ اور ان کے ساتھ مناظرہ کرو۔ اندر جا کر کیوں بیٹھ گئے ہو اور گولیاں کیوں چلاتے ہو.....؟ پتا چلا کہ وہ خاتون اس چودھری کی والدہ ہے، جس نے گولی چلائی تھی۔ مناظرہ تو نہ ہوا۔ لیکن وہاں کے لوگوں پر بہت اچھا اثر پڑا۔ انھوں نے اہل حدیث کی مخالفت کرنا چھوڑ دی اور حقیقت ان پر واضح ہوگئی۔ متعدد افراد نے مسلک اہل حدیث اختیار کرلیا۔

عرض یہ کرنا مقصود ہے کہ حافظ عبدالوہاب روپڑی مدرس ومعلم اور خطیب کے علاوہ مناظر بھی ہیں اور مناظرے کا طریقہ انھوں نے حافظ عبدالقادر روپڑی سے سیکھا ہے، جنھیں وہ ''سلطان المناظرین'' قرار دیتے ہیں۔

اب آیے حافظ عبدالوہاب روپڑی کے بیرونِ ملک کے سفر یا تبلیغی دوروں کی طرف.....!

انھوں نے بیرونِ ملک کا پہلا سفر ۱۹۸۶ء میں کیا اور یہ مبارک سفر مکہ مکرمہ کا تھا، جہاں وہ عمرے کی سعادت حاصل کرنے کے لیے گئے۔ اس کے بعد وقت آیا کہ وہ پانچ سال بہ سلسلہ تعلیم مکہ مکرمہ میں اقامت گزیں رہے۔ یہ ان کے نہایت خوش گوار لمحاتِ حیات تھے۔ دوران تعلیم میں انھیں بہت سے سعودی شیوخ سے ملاقات کے مواقع میسر آئے۔

اس کے علاوہ تبلیغ دین کی غرض سے کویت گئے۔ یورپ کے بعض ملکوں اور امریکا کے سفر بھی انھوں نے کیے اور بعض کانفرنسوں میں شرکت کی۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

حافظ عبدالوہاب روپڑی کی ایک صفت یہ ہے کہ وہ بہت اچھے مقالہ نگار، منجھے ہوئے مضمون نویس اور تجربہ کار مصنف ہیں۔ ہفت روزہ ''تنظیم اہل حدیث'' کے ہر شمارے میں ان کا کوئی نہ کوئی مضمون شائع ہوتا ہے۔ وہ مفتی بھی ہیں۔ اخبار میں ان کے فتوے شائع ہوتے ہیں اور قارئین بڑے شوق سے ان کا مطالعہ کرتے ہیں۔ وہ قرآنِ مجید کی تفسیر بھی لکھ رہے ہیں جو ہر ہفتے اخبار میں چھپتی اور پڑھنے والوں کے لیے اضافہ معلومات کا باعث بنتی ہے۔ یہ نہایت علمی اور تحقیقی سلسلہ ہے جو باقاعدگی سے جاری ہے۔

درس وتدریس ایک مستقل اور اہم کام ہے، جس سے وقت نکالنا بہت مشکل ہے، لیکن حافظ صاحب کو اللہ نے ہمت دی کہ وہ اس مستقل اور مشکل کام کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ تحریر وکتابت کا سلسلہ بھی جاری رکھے ہوئے ہیں۔ ان کی زبان آسان اور عام فہم ہے، یعنی وہی اسلوبِ تحریر جو صحیح معنوں میں ابلاغ کا متقاضی ہے۔

مقالہ نگاری کا کام وہ سعودی عرب میں تعلیم کے زمانے میں بھی کرتے رہے۔ گرمیوں کی تعطیلات میں طلبا سے مختلف موضوعات سے متعلق عربی زبان میں مضامین لکھوائے جاتے تھے۔ یعنی حافظ صاحب کا قلم اردو اور عربی دونوں زبانوں میں یکساں چلتا ہے، اور یہ بہت بڑی بات ہے۔

پاکستان میں بھی متعدد مدارس وجامعات میں انھوں نے مقالے پڑھے، مثلاً جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن میں، مدرسہ علی المرتضیٰ ٹھوکر نیاز بیگ لاہور میں، جامعہ رحمانیہ نیوگارڈن ٹاؤن لاہور میں، دار القرآن فیصل آباد اور مرکز خاتم النبیین چنیوٹ میں۔

کتابی صورت میں ان کی جو تصانیف شائع ہوئیں، وہ یہ ہیں: توضیح الفرقان کے نام سے سورہ مائدہ کی تفسیر۔ زکوٰۃ کی اہمیت اور صلاۃ کی اہمیت۔ ان کی ایک کتاب سورہ بقرہ کی تفسیر طباعت کے مرحلے میں ہے۔

حافظ عبدالوہاب روپڑی کا حلیہ یہ ہے: پورا قد، گداز جسم، کھلا سینہ، گول چوڑا چہرہ، کشادہ پیشانی، سرخی مائل گندمی رنگ۔ شلوار قمیص میں ملبوس۔ کلے پر مشہدی عمامہ۔ ہنس مکھ۔ خوش گفتار اور خوش اخلاق۔

ہر سال شعبان کے مہینے میں اختتام بخاری شریف کے موقعے پر مسجد قدس میں جلسۂ عام منعقد کیا جاتا ہے، جس میں بہت سے مقررین تقریریں کرتے ہیں۔ یہ جلسہ رات بھر جاری رہتا ہے اور بے شمار لوگ اس میں شرکت کرتے ہیں۔ جامعہ قدس کے جن بچوں نے سال میں قرآنِ مجید حفظ کیا ہو، انھیں سندیں دی جاتی ہیں اور نقد روپے اور کتابوں کی صورت میں انعام بھی دیا جاتا ہے۔ اس سے بچوں کا حوصلہ بڑھتا ہے اور وہ حصولِ علم کی طرف راغب ہوتے ہیں۔ اس جلسے میں مجھے بھی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

دعوت شرکت دی جاتی ہے اور میں اس میں حاضر ہوتا ہوں۔

روپڑی علمائے کرام سے ہمارے قدیم روحانی مراسم ہیں۔ اس فقیر نے اس خاندان کے دو تین اصحابِ علم کے علاوہ سب کے حالات اپنی دانست میں مناسب تفصیل سے لکھ دیے ہیں، جس کی تفصیل یہ ہے:

①..... حضرت حافظ عبداللہ روپڑی: ان کا تذکرہ میں نے اپنی کتاب ''بزمِ ارجمنداں'' میں کیا جو صفحہ ۲۵۹ سے ۲۸۷ تک ۲۹ صفحات میں پھیلا ہوا ہے۔

②..... حافظ محمد حسین روپڑی: ان کے جو حالات مجھے معلوم تھے، وہ اپنی ایک کتاب ''قافلہ حدیث'' میں لکھے۔ صفحہ ۱۲۴ سے ۱۳۵ تک۔ صفحات ۱۲

③..... حافظ عبدالقادر روپڑی: ان کے حالات بھی ''قافلہ حدیث'' میں مرقوم ہیں۔ صفحہ ۴۸۴ سے ۵۱۰ تک۔ صفحات ۲۵

④..... حافظ عبدالرحمٰن کمیر پوری: ان کا تذکرہ بھی ''قافلہ حدیث'' میں کیا گیا ہے۔ صفحہ ۵۱۱ تا ۵۱۵۔ صفحات ۵

⑤..... حافظ عبدالوہاب روپڑی: ان کے حالات میں نے اپنی ایک کتاب ''برصغیر کے اہل حدیث خدام قرآن'' میں بھی کیا ہے (صفحہ ۳۸۰ تا ۳۸۲) اور زیر مطالعہ کتاب ''گلستانِ حدیث'' میں بھی۔ یہاں خاصی تفصیل سے کیا گیا ہے۔

⑥..... حافظ عبدالغفار روپڑی: ان کا تذکرہ زیر مطالعہ کتاب ''گلستانِ حدیث'' میں کیا گیا ہے۔

جن روپڑی اہل علم کا تذکرہ نہیں ہوسکا، اللہ نے زندگی بخشی تو ان شاء اللہ کسی کتاب میں ان کا بھی کیا جائے گا۔ کوئی صاحب علم میرے تحریر کردہ کسی تذکرے سے اچھا اثر لیں یا برا، مجھے اس کی کوئی پروا نہیں اور کسی سے میرا گلہ بھی نہیں۔ میں اپنے انداز سے اپنا کام جاری رکھتا ہوں اور سب سے خوش ہوں۔



" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی

(ولادت ۱۵۔ مارچ ۱۹۶۳ء)

کوہ ہمالہ کے دامن میں واقع بہار کا مغربی چمپارن ضلع اپنی سرسبزی وشادابی کے لیے مشہور ہے۔ یہاں تاریخ کے مختلف ادوار میں ایک سے ایک بڑھ کر اعاظم رجال پیدا ہوئے جنھوں نے ملک وملت، قوم وجماعت اور انسانیت کے لیے گراں قدر خدمات انجام دیں اور اپنے علاقے کا ہی نہیں، پورے ملک کا نام بلند کیا۔ انہی نازشِ قوم وملت میں ایک نام مولانا اصغر علی سلفی بن امام مہدی کا ہے۔

مولانا اصغر علی سلفی ۱۵۔ مارچ ۱۹۶۳ء کو مغربی چمپارن بہار کے برندابن گاؤں میں پیدا ہوئے۔ ان کا خاندان سماجی اعتبار سے نہایت باوقار تصور کیا جاتا ہے، کیوں کہ ان کے آباو اجداد شروع ہی سے قیادت وسیادت میں معروف تھے۔ جد امجد بخشش کریم صاحب وہ مجاہد آزادی تھے جنھوں نے انگریزوں سے برسہا برس مقدمہ لڑا۔ لیکن بہ ایں ہمہ اس خاندان کی دینی وعلمی حیثیت قابل رحم تھی۔ یہ خاندان بھی تقلید کی دلدل میں پھنسا ہوا تھا۔ شرک وبدعت اور دیگر غیر اسلامی رسوم ورواج کا دور دورہ تھا۔ تعزیہ داری وپیر پرستی کی وبا عام تھی۔ یہ صورت حال صرف اس خانوادے کی ہی نہیں تھی بلکہ پورے معاشرے کی تھی، البتہ مولانا اصغر علی سلفی کے والد گرامی جناب امام مہدی مرحوم کو اللہ تعالیٰ نے شرح صدر، روشن دماغی اور فکر رسا سے نوازا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے معاشرے کی عام تقلیدی روش سے ہٹ کر اپنے فرزندوں کو سلفیت کی راہ پر گامزن کیا اور خود بھی لوگوں کی مخالفت کے باوجود علاقے میں سلفیت کے امام بن کر ابھرے۔ کتاب وسنت کی خالص تعلیمات کو عام کرنے میں بڑی جدوجہد کی۔ ان کی تگ ودو سے علاقے میں سلفی نقطۂ نظر کو تقویت ملی۔ جناب امام مہدی علما وطالبانِ علومِ نبوت کی بہت قدر کرتے تھے۔ مہمانوں کی خدمت سے ان کو بڑی خوشی ہوتی۔ نہایت پابندِ شرع تھے۔ نماز باجماعت کی پابندی آخری وقت تک رہی۔ خود بھی فجر کی نماز کا اہتمام کرتے اور بال بچوں کو بھی اس کے لیے جگاتے۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کا اس قدر اہتمام تھا کہ کھلیان میں ادھر فصل تیار ہوئی اور ادھر زکوٰۃ ادا ہوگئی۔ مدارس اسلامیہ کا خاص خیال رکھتے۔ زکوٰۃ کا مال اگر کبھی کم ہوجاتا تو راس المال سے دینی مدارس سے تعاون کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت سی خوبیوں سے نوازا تھا۔ ۲۹ نومبر ۲۰۰۸ء کو طویل علالت کے بعد داعی اجل کو لبیک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کہا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

۷۸ سال کی عمر پائی۔ والدین کی صالحیت اور اعلیٰ ظرفی کا اثر اولاد کی نشوونما پر پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں اصغر علی سلفی جیسا فرزند دلبند عطا کیا، جن کی دینی بصیرت، دعوتی تربیت، قومی خدمات سے بے شمار لوگ استفادہ کر رہے ہیں۔

مولانا اصغر علی سلفی کی ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب میں ہوئی۔ پھر علاقے کی معروف دینی درس گاہ مدرسہ منظر العلوم میں داخل ہوئے، جہاں متعدد اساتذہ سے کسبِ فیض کیا۔ علاقے کے اصحابِ علم سے استفادہ کرنے کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لیے مئوناتھ بھنجن کا سفر کیا اور جامعہ اثریہ دارالحدیث میں داخلہ لے کر علم کی تشنگی بجھانے لگے۔ یہاں انھوں نے ایک سال تک مشائخ کبار سے نحو وصرف، عربی ادب، حدیث وتفسیر اور فقہ واصولِ فقہ کا درس لیا۔ اس کے بعد جامعہ سلفیہ بنارس کا قصد کیا اور وہاں کے جید اساتذہ کے سامنے زانوئے شاگردی تہہ کیے اور ان سے مستفید ہوئے۔ جامعہ سلفیہ (بنارس) سے فراغت کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو بلادِ حرمین کی زیارت اور جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں تحصیل علم کا پُرسعادت موقع عنایت فرمایا، جہاں انھوں نے مسلسل چار سال تک مشائخِ عرب کے علم وفضل سے خوشہ چینی کی۔ وہ ندوۃ الکلیہ جامعہ سلفیہ بنارس کے صدر بھی تھے۔

مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی کے اساتذۂ کرام کی ایک لمبی فہرست ہے جو ان کے لیے بڑے شرف وفخر کی بات ہے۔ ذیل میں بعض اہم اساتذہ کرام کا ذکر کیا جاتا ہے۔

مدرسہ منظر العلوم بلرام پور، مغربی چمپارن (بہار) سے جن اساتذہ سے حصولِ علم کیا، وہ حسب ذیل ہیں:

① مولانا نیاز احمد فیضی ② مولانا مفتی محمود عالم عمری ③ مولانا شفیق احمد سلفی ④ مولانا عبداللہ فیضی اور ⑤ مولانا عبدالحنان۔

جامعہ دارالحدیث اثریہ مئوناتھ بھنجن (یوپی) کے اساتذہ یہ ہیں:

① مولانا مفتی عبدالعزیز عمری ② مولانا فیض الرحمٰن ③ مولانا عبدالشکور اثری ④ مولانا محمد احمد اثری۔

جامعہ سلفیہ بنارس یوپی کے جن اساتذہ سے علم حاصل کیا، وہ ہیں:

① مولانا عبدالوحید رحمانی ② شیخ انیس الرحمٰن اعظمی ③ ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری ④ مولانا رئیس احمد ندوی ⑤ مولانا عابد حسن رحمانی ⑥ شیخ الحدیث مولانا شمس الحق سلفی ⑦ مولانا محمد مستقیم سلفی۔

جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے شیوخ گرامی قدر کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

① ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن اعظمی ② شیخ محمد عمر فلاتہ ③ شیخ عبداللہ العیمان ④ شیخ امان علی جامی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

⑤ شیخ عوض شہری۔

تعلیمی اسناد کا سلسلہ یوں ہے:

①..... عالمیت وفضیلت۔ جامعہ سلفیہ بنارس

②..... گریجویشن۔ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ

③..... عالم وفاضل۔ الٰہ آباد اردو فارسی ایجوکیشن بورڈ یوپی

④..... عالم وڈبل فاضل۔ بہار اسٹیٹ مدرسہ ایجوکیشن بورڈ

اجازات حدیث کے لیے درج ذیل اساتذہ کے بابِ علم پر دستک دی۔

①..... علامہ شیخ الحدیث عبید اللہ مبارک پوری مؤلف مرعاۃ المفاتیح۔

②..... علامہ عبداللہ العقیل شیخ الحنابلہ (جملہ روایات حدیث کے لیے)

جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد مادر علمی جامعہ سلفیہ بنارس سے وابستہ ہوگئے۔ وہاں ۲۰۰۱ء تک تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ عقیدہ، حدیث وفقہ، فرق ومذاہب اور تاریخ وادب ان کے دلچسپ موضوعات تھے۔ ان کے شاگردوں کی بڑی تعداد ملک وبیرونِ ملک میں دینی، دعوتی، تربیتی، تعلیمی اور رفاہی کاموں میں مصروف ہے۔ مولانا اصغر علی سلفی کی ایک بڑی خوبی جو ان کو بہت سے اساتذہ سے ممتاز کرتی ہے، طلبا سے غیر معمولی لگاؤ اور ان کے مسائل سے حد درجہ دلچسپی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حلقۂ طلبا میں ان کی بڑی وقعت تھی جو آج بھی برقرار ہے۔

اب ان کی علمی خدمات کی طرف آیے۔

مولانا اصغر علی سلفی نے مطالعہ وتحقیق کا نتھرا ہوا ذوق پایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اہم ترین مسائل پر قلم اٹھایا اور علمی حلقوں کی طرف سے مستحق داد قرار پائے۔ الجامع فی الخاتم للبیہقی اور اقتداء الحنفی بالشافعی لابن عبدالعزیز کا دراسہ وتحقیق اور الہدیۃ لمن اراد النصیحۃ کی تحقیق ودراسہ متن اور تخریج احادیث نیز صفۃ صلوٰۃ النبی فی ضوء افادات الامام الشاہ ولی اللہ ان کے بے مثال کارنامے ہیں۔

مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی کو ترجمہ نگاری میں بھی ملکہ حاصل ہے۔ ان کا ایک ترجمہ ''میدان دعوت کے کارکنوں کے لیے دس نصیحتیں'' منظر عام پر آچکا ہے۔ ترجمہ التاریخ الاسلام لمحمود شاکر۔

مولانا نے تدریس کے ساتھ ساتھ ایک مدت تک مسلسل صحافتی خدمات انجام دی ہیں ماہنامہ صراطِ مستقیم، مرعاۃ، المنار، الاستقامۃ اور ہندوستان ایکسپریس میں ان کے مضامین شائع ہوئے۔ غرض ملک کے مؤقر جرائد ورسائل میں ان کے مقالات معرضِ اشاعت میں آئے۔ خاص طور سے ان کا مشہور کالم ''درس قرآن ودرس حدیث'' جو ماہنامہ ''محدث'' بنارس میں پابندی کے ساتھ شائع ہوتا تھا، بہت مقبول ہوا۔ اسی طرح انھوں نے عربی زبان میں بھی کئی اہم موضوعات پر مقالات لکھے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

جو ماہنامہ ''صوت الامۃ'' میں شائع ہوئے۔ ان میں ''الرد علی مقال الدکتور عبدالمصطفی فی اتھامہ المملکۃ العربیۃ السعودیۃ والأسرۃ المالکۃ وعلمائھا ..... صدام أنقص من ناقصات العقل فی ضوء أزمۃ الخلیج اور جزاء سنمار فی ضوء أزمۃ الخلیج دفاعا عن المملکۃ العربیۃ السعودیۃ'' قابل ذکر ہیں۔

نیز آزادیٔ وطن میں اہل حدیث کے کردار اور دہشت گردی اور اسلام کے موضوع پر مقالات قومی اخبارات وجرائد میں شائع ہوئے۔

اب مختصر الفاظ میں ان کی دعوتی خدمات کا تذکرہ:

مولانا ممدوح کے دل میں انسانیت کے لیے بڑی خیر خواہی کے جذبات پائے جاتے ہیں۔ ان کی خواہش ہوتی ہے کہ اسلام جو اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ جامع ترین نظام حیات ہے، اس سے دنیا کا ہر انسان مستفید ہو۔ اس کے لیے وہ دعوت کے تمام معروف ومؤثر وسائل وذرائع استعمال کرتے ہیں۔ افہام وتفہیم ان کی خطابت کی اہم خصوصیت ہے۔ اہم سے اہم مسئلے کو آسان اسلوب میں بیان فرما دیتے ہیں۔ مولانا ممدوح مسلسل گیارہ سال تک جامع مسجد حافظ ظہور بابر بلی بنارس میں خطبہ جمعہ دیتے رہے ہیں۔ اسی طرح جب سے مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے ناظم اعلیٰ بن کر بنارس سے دہلی تشریف لائے ہیں، دہلی کی مختلف مساجد میں ان کے خطبات جمعہ اور دروس قرآن وحدیث کا سلسلہ جاری ہے۔

دعوتی مقاصد کے پیش نظر ملک وبیرونِ ملک کی اہم کانفرنسوں، سیمیناروں اور جلسوں میں ان کی شرکت ہوتی رہتی ہے۔ کوئی مہینا ایسا نہیں گزرتا جس کے اکثر ایام ان کے دعوتی دوروں میں صرف نہ ہوتے ہوں۔

اسی طرح ان کے زیر قیادت ملک میں متعدد آل انڈیا دعوتی کانفرنسیں منعقد ہوچکی ہیں جن میں اٹھائیسویں آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس پاکوڑ اور انتیسویں آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس دہلی خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ اوّل الذکر نے تو بہار، جھاڑکھنڈ اور مغربی بنگال کے علاقوں میں تجدید واحیاے دین کا فریضہ اس خوبی کے ساتھ انجام دیا کہ پورے علاقے میں دعوتی ودینی اور علمی بیداری پیدا ہوگئی۔ تحریک شہیدین کے بعد شمالی ہند میں دعوت وبیداری کی یہ پہلی کوشش تھی۔

مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی نے دینی اور دعوتی لٹریچر کی تیاری اور نشر واشاعت میں بھی بڑی دلچسپی کا مظاہرہ کیا ہے اور ان کے زیر نگرانی مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند نے متعدد دعوتی وعلمی موضوعات پر گراں قدر کتابیں شائع کی ہیں جن میں ترجمہ بخاری شریف (مکمل آٹھ جلدیں) تاریخ ختم نبوت (چار جلدیں) تاریخ اہل حدیث (دو جلدیں) ترجمہ قرآنِ کریم (اردو، ہندی اور

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

انگریزی) تراجم علماے اہل حدیث، قابل ذکر ہیں۔ اسی طرح مولانا کی کوششوں سے مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے زیر اہتمام چار میگزین جریدہ ترجمان (اردو) ماہنامہ اصلاح سماج (ہندی) دی سمپل ٹروتھ (انگریزی) اور مجلّہ الاستقامہ (عربی) بڑی پابندی کے ساتھ شائع ہو رہے ہیں۔ خاص طور سے آخر الذکر دو مجلّات کا اجرا مولانا ہی کے ذریعہ سے ہوا ہے۔ جریدہ ترجمان، الاستقامہ اور دی سمپل ٹروتھ کے کئی خصوصی شمارے بھی شائع ہوئے ہیں، جن میں پاکوڑ کانفرنس نمبر، سعودی عرب نمبر (جریدہ ترجمان) اور انگریزی ماہنامہ کا دہشت گردی نمبر اور جدوجہد آزادی میں اہل حدیث کا کردار نمبر اور اسی طرح کے دیگر نمبر قابل ذکر ہیں۔

مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی نے نئی نسل کی تعلیم وتربیت کے سلسلے میں بھی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں، خاص طور سے بچیوں کی تعلیم وتربیت کے سلسلے میں ان کی مساعی قابل ستائش ہیں۔ انھوں نے تعلیم کے فروغ کے لیے متعدد تعلیمی ادارے قائم کیے ہیں مثلاً

① ..... جامعہ ابوبکر صدیق الاسلامیہ، برندابن، مغربی چمپارن، بہار

② ..... کلیہ عائشہ صدیقہ للبنات برندابن، مغربی چمپارن، بہار

③ ..... کلیۃ الصالحات پٹنہ

اسی طرح تعلیم کے فروغ کے لیے پھلواری شریف پٹنہ اور الاصلاح ایجوکیشن اینڈ ویلفیئر سوسائٹی قائم کی ہے۔

جن تعلیمی اداروں جن کی مولانا ممدوح سرپرستی کررہے ہیں، ان میں ① مدرسہ سلفیہ آرہ، ② معہد احیاء السنہ مصرولی مغربی چمپارن اور ③ مدرسہ دارالکتاب والسنہ محمد پور قابل ذکر ہیں۔

مولانا ممدوح کی شبانہ روز کوششوں سے مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے زیر اہتمام المعہد العالی للتخصص فی الدراسات الاسلامیہ نئی دہلی قائم ہوا۔ اس میں فاضل ترین اساتذہ کی نگرانی میں افتا ودعوت کی دو سالہ ٹریننگ دی جاتی ہے۔ ہندوستان میں اپنی نوعیت کا یہ واحد ادارہ ہے۔

تعلیم کے فروغ اور معاشرے میں تعلیمی بیداری پیدا کرنے کے لیے مولانا ممدوح ملک کے طول وعرض میں تعلیمی دورے کا اہتمام کرتے ہیں، تعلیمی کانفرنسوں میں شریک ہوتے ہیں اور تعلیمی موضوعات پر تقریریں فرماتے ہیں۔

سلفی مدارس کو مربوط ومنظم کرنے کے لیے انھوں نے جمعیت اہل حدیث ہند کے پلیٹ فارم سے ان مدارس کا سروے کرایا اور ان کی ایک جامع ڈائریکٹری شائع کی۔

یہ مولانا ہی کی کاوشوں کا نتیجہ ہے کہ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند پہلی مرتبہ اسکولوں کے نصاب تعلیم اور درسی کتابوں کو شائع کرنے میں کامیاب ہوسکی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی ایک غیور اہل حدیث عالم دین ہیں۔ ان میں غیر معمولی دینی وجماعتی حمیت پائی جاتی ہے۔ انھوں نے پورے ملک میں سلفی نقطۂ نظر کو بے حد فائدہ پہنچایا ہے۔ خاص طور سے جس علاقے سے ان کا تعلق ہے وہ تقلید اور شرک وبدعت کی دلدل میں پھنسا ہوا تھا۔ مولانا کی کوششوں سے وہاں سے جمود وتقلید کی تاریکیاں کافور ہوئیں اور اتباعِ سنت کا پھریرا لہرانے لگا۔

مولانا ممدوح یوں تو تنظیمی طور پر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند سے بہت پہلے سے وابستہ تھے لیکن جب ۲۰۰۱ء میں مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے ناظم اعلیٰ منتخب کیے گئے تو احباب جماعت ان کی تنظیمی صلاحیتوں اور بے پناہ جماعتی جوش وجذبے سے بے حد متاثر ہوئے۔ مولانا سے پہلے مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند سست روی کا شکار تھی۔ مولانا نے شبانہ روز جدوجہد کرکے جمعیت وجماعت کی عظمت رفتہ کو بحال کرنے کی مبارک کوشش کی، ملک کے طول وعرض میں دعوتی وتنظیمی دورے کرکے جماعتی لہر پیدا کی۔ تنظیمی وتربیتی پروگراموں کے ذریعے لوگوں کے خوابیدہ جذبات واحساسات کو جگایا۔ رسائل وجرائد شائع کرکے عمل وحرکت کی فضا قائم کی۔ مقامی وضلعی اور صوبائی جمعیتوں کی تشکیل نو کی اور ہر قومی، ملی اور انسانی محاذ پر گراں قدر خدمات انجام دے کر جماعت کے وقار واعتماد کو بحال کیا۔ جمعیت کو اگر کوئی دعوتی، تربیتی، تعلیمی یا تنظیمی پروگرام منعقد کرنا ہوتا تھا تو مقام انعقاد کے لیے در در کی ٹھوکریں کھانی پڑتی تھیں، لیکن مولانا نے ابوالفضل انکلیو میں وسیع اور خوب صورت اہل حدیث کمپلیکس تعمیر کراکے اس ضرورت کی تکمیل کردی۔ اب ہر چھوٹا بڑا تعلیمی، دعوتی، تنظیمی پروگرام اس میں منعقد ہوتا ہے۔

الغرض مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی نے جمعیت کے تمام شعبوں کو فعال کیا اور نئے نئے شعبے بھی قائم کیے، ملک کے طول وعرض میں مبلغین کا انتظام کیا۔ جماعت کی تاریخ میں پہلی بار تنظیمی دوروں اور تنظیمی کنونشنوں کا سلسلہ جاری کیا۔ سالانہ مسابقہ حفظ وتجوید وتفسیر قرآن کریم اور دعاۃ ومبلغین کے لیے سالانہ دس روزہ ریفریشر کورس کو پابندی کے ساتھ وسیع پیمانے پر منعقد کیا۔ مرکزی دفتر کو جدید سہولیات سے آراستہ کیا۔ چناں چہ احباب جماعت نے ان کی غیر معمولی تنظیمی صلاحیت اور گراں قدر خدمات کے پیش نظر دوسری مدت میں بھی انھیں اتفاق رائے سے ناظم اعلیٰ منتخب کیا جو کہ جماعت کی تاریخ میں پہلی بار ہوا۔

مولانا کی جماعتی خدمات کا چشمہ جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ انھیں اس کی مزید توفیق عطا فرمائے۔ وہ نہایت باہمت اور مستعد اہل علم ہیں۔ ہر میدانِ عمل میں پیش پیش رہنا ان کی فطرت میں داخل ہے۔ ان کی کوشش سے جماعت اہل حدیث ہند کی تنظیم میں نئی روح نے کروٹ لی اور ملکی حالات کے مطابق ارکانِ جماعت کے دلوں میں ایک ولولۂ تازہ ابھرا۔ اللہ ان کا حامی وناصر ہو۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مولانا محمد انور محمد قاسم سلفی

(ولادت ۱۳۔ اکتوبر ۱۹۶۴ء)

پورا قد، گول چہرہ، گندمی رنگ، متوازن جسم، چوڑا سینہ۔ نرم کلام، سنجیدگی پسند۔ یہ ہیں مولانا محمد انور سلفی۔ والد محترم نے پیدائش کے وقت بیٹے کا نام انور پاشا رکھا تھا۔ لیکن انھوں نے عمر کی چند منزلیں طے کرنے کے بعد خود ہی اپنا نام محمد انور رکھ لیا۔ سلسلۂ نسب یہ ہے: محمد انور بن محمد قاسم بن پیراں بن غوث بن غلام حسین۔ ان کے پردادا غوث کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ عربی اور فارسی کے عالم تھے۔ نمازوں کی امامت کراتے اور خطبہ جمعہ دیا کرتے تھے۔

ان کے خاندان کا اصل تعلق ہندوستان کے علاقہ دکن سے ہے، جسے اب آندھرا پردیش کہا جاتا ہے۔ اس صوبے کے ضلع کڑپہ کا گاؤں یرّابلّی (YARRABALLI) ان لوگوں کا اصل مسکن تھا۔ اس گاؤں کو ان کے والد کے دادا غلام حسین نے بسایا تھا۔ غلام حسین کی اولاد سات بیٹے تھے۔ پھر آگے ان کی اولاد کا سلسلہ چلا۔ یہ لوگ مختلف مقامات میں پھیل گئے اور وہاں کاروبار کرنے لگے۔ مولانا محمد انور کی ولادت موضع یرّابلّی میں ۱۳۔ اکتوبر ۱۹۶۴ء کو ہوئی۔

ان کے والد محمد قاسم اور برادری کے لوگ اس نواح کے عام لوگوں کی طرح بدعات اور غیر اسلامی رسوم کے مرتکب تھے، لیکن بیٹے کے دینی تعلیم حاصل کرنے کے بعد باپ نے بدعات وغیرہ کا سلسلہ ترک کر دیا تھا۔ وہ اردو، عربی اور وہاں کی مقامی زبان تلگو اچھی طرح جانتے اور ان زبانوں میں لکھ پڑھ سکتے تھے۔ انھوں نے ۱۵۔ محرم ۱۴۲۲ھ (۸۔ اپریل ۲۰۰۱ء) کو وفات پائی۔

تعلیم وتربیت:

محمد انور نے ابتدائی تعلیم اپنے آبائی قریہ یرّابلّی میں پائی۔ اس قریہ میں حکومت کی جانب سے ایک اردو سکول قائم تھا۔ سکول کی اپنی کوئی عمارت نہ تھی، البتہ ایک استاذ تھے جو لڑکوں اور لڑکیوں کو مسجد میں پڑھاتے تھے۔ انور صاحب نے اس سکول میں اردو کی دوسری جماعت تک تعلیم حاصل کی۔ استاد بچوں کو حمد، نعت، کلمے اور چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھاتے اور یاد کراتے تھے۔ ان کے والد بھی گھر میں ان کو مختلف اوقات میں پڑھی جانے والی دعائیں یاد کراتے، قرآن کی چھوٹی سورتیں بھی حفظ کراتے اور اردو بھی پڑھاتے۔ ذہین بچے تھے۔ اس طرح ابتدا ہی میں انھیں پڑھنے لکھنے سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

دلچسپی ہوگئی تھی۔ ان کے والد تھوڑی بہت تجارت کرتے تھے اور اس سلسلے میں ایک مقام موضع ''پلی ویندلا'' میں رہائش رکھتے تھے۔ پندرہ بیس روز کے بعد گھر آتے تھے۔ پلی ویندلا میں ان کی ملاقات حافظ ناظم علی سے ہوئی جو اصلاً یوپی کے قصبہ تھانہ بھون کے رہنے والے تھے اور پلی ویندلا کی مسجد کے امام تھے۔ انور صاحب کے والد جناب محمد قاسم کے دل میں بیٹے کو حافظ قرآن بنانے کی خواہش پیدا ہوئی اور انھیں حافظ صاحب کے سپرد کردیا۔ خود بھی اپنے آبائی گاؤں کی سکونت ترک کرکے اہل وعیال سمیت پلی ویندلا چلے گئے۔ اب انور صاحب اس شہر کے اردو سکول میں بھی پڑھتے تھے اور حافظ ناظم علی سے صبح وشام عربی بھی پڑھتے تھے۔ ناظرہ قرآن مجید انھوں نے صرف دو ہفتوں میں پڑھ لیا۔ اس کے بعد قرآن حفظ کرنا شروع کردیا۔ لیکن حفظ میں چل نہ سکے۔ حافظ صاحب نے ان کے والد سے کہا کہ لڑکا ذہین تو ہے، لیکن ''رٹا'' نہیں لگا سکتا اور قرآنِ مجید حفظ کرنے کے لیے رٹا لگانا ضروری ہے۔ ساتھ ہی فرمایا کہ اس کی عمر ابھی چھوٹی ہے۔ حفظ کے معاملے کو رہنے دیں۔

جامعہ محمدیہ رائے درگ میں:

اب محمد انور سلفی کا قافلۂ حیات ایک ایسا موڑ کاٹتا ہے جس کی بنا پر وہ سکول سے نکل کر دینی علم کی دولت سے مالا مال ہوجاتے ہیں۔ شرح اس متن کی یہ ہے کہ ان کے شہر پلی ویندلا میں ایک بزرگ جامعہ محمدیہ (رائے درگ) کے لیے چندہ لینے آئے۔ ان کا نام مولانا سید عبدالرحیم عمری تھا اور وہ جامعہ محمدیہ کے بانی مولانا سید محمد اسماعیل کے چھوٹے بھائی تھے۔ انور صاحب ان کا حلیہ اس طرح بیان کرتے ہیں: اونچا قد، رعب دار چہرہ، فربہ اور صحت مند جسم، توند باہر نکلی ہوئی، کھڑی ناک، روشن اور بڑی آنکھیں، کرتے پاجامے میں ملبوس، سر پر اونچی دیوار کی سیاہ قراقلی ٹوپی۔ وہ مسجد میں فروکش تھے اور محمد انور مسجد کے ایک کونے میں بیٹھے قرآن مجید کی تلاوت کررہے تھے۔ ان کی نظر انور پر پڑی تو نہایت شفقت سے ان کے والد کا نام پوچھا اور ساتھ ہی تاکید کی کہ والد کو ضرور میرے پاس لانا۔ انھوں نے گھر جا کر والد کو بتایا تو وہ مولانا سید عبدالرحیم کے پاس آئے اور چندہ دیا۔ مولانا نے فرمایا: آپ کا بیٹا بڑا ذہین ہے، اسے عالم دین بناؤ۔ ساتھ ہی جامعہ دارالسلام عمر آباد کا پتا دیا اور فرمایا کہ مدرسے کے منتظمین سے اس سلسلے میں خط وکتابت کرو۔ انور کے والد نے خیال کیا کہ چندہ لینے والے اسی قسم کی باتیں کیا کرتے ہیں۔ انھوں نے چندہ دیا اور گھر چلے گئے۔

چند روز بعد مولانا سید عبدالرحیم عمری کا ان کے والد کو خط آیا کہ آپ نے بچے کے متعلق کیا سوچا؟ یہ خط پڑھ کر ان کے والد نے سنجیدگی سے اس مسئلے پر غور کیا اور جامعہ دارالسلام عمر آباد کے اربابِ اہتمام کو خط لکھا۔ جواب آیا کہ داخلے کی شرط یہ ہے کہ لڑکا اردو لکھنا پڑھنا جانتا ہو۔ ناظرہ قرآنِ مجید مکمل پڑھا ہو اور عمر دس سال سے کم نہ ہو۔ انور صاحب میں پہلی دو شرطیں تو پائی جاتی

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

تھیں۔ یعنی اردو لکھنا پڑھنا جانتے تھے اور قرآنِ مجید ناظرہ پڑھ لیا تھا، لیکن عمر سات سال تھی۔ اس طرح جامعہ دارالسلام عمر آباد میں داخلے کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکا۔

اسی اثنا میں ایک اور واقعہ ظہور میں آیا۔ وہ یہ کہ ان کے مکتب کے استاد حافظ ناظم علی صاحب موضع پلی ویندلا کی مسجد کی امامت چھوڑ کر رائے درگ چلے گئے۔ وہاں انھوں نے جامعہ محمدیہ (رائے درگ) کو بہت قریب سے دیکھا۔ جامعہ کے ناظم اس وقت مولانا سید محمد عباس حامی عمری تھے جو جامعہ کے بانی مولانا سید محمد اسماعیل صاحب کے بڑے بیٹے تھے۔ وہ شعر وشاعری سے بھی دلچسپی رکھتے تھے اور مقامی سیاسی لیڈر بھی تھے۔ دینیات کے نامور عالم تھے۔ حافظ ناظم علی صاحب جامعہ محمدیہ (رائے درگ) کے تعلیمی اور انتظامی معاملات سے بہت متاثر ہوئے۔ انھیں پلی ویندلا کی مسجد کے منتظم رائے درگ سے دوبارہ پلی ویندلا لے آئے تھے اور انھوں نے پہلے کی طرح وہاں باقاعدہ سلسلۂ امامت شروع کردیا تھا۔ انور صاحب کے والد سے انھوں نے جامعہ محمدیہ کے تعلیمی نظام کی خوبیاں بیان کیں تو وہ اس میں بیٹے کو داخل کرانے کے لیے فوراً تیار ہوگئے اور اسے لے کر وہاں پہنچ گئے۔

اس وقت ان کی عمر آٹھ برس کی تھی۔ جامعہ کے بانی مولانا محمد اسماعیل ان دنوں بیمار تھے اور گھر میں چارپائی پر لیٹے رہتے تھے، لیکن بیماری کی حالت میں طلبا کو بعض کتابیں پڑھاتے بھی تھے۔ لوگوں سے ملاقاتیں بھی کرتے اور خطوط کے جواب بھی دیتے تھے۔ خطوط کے جواب طلبا سے لکھاتے تھے۔ انور صاحب کو بھی انھوں نے خطوط وغیرہ کے جواب لکھنے کے لیے مقرر کر رکھا تھا۔ اس خدمت کا انھیں نقدی کی صورت میں ہر ہفتے کچھ انعام اکرام بھی مل جاتا تھا۔ یہ ان کی طالب علمی کے دور کی ایسی مصروفیت تھی جو آگے چل کر ان کے لیے بڑی مفید ثابت ہوئی۔ اس کے ساتھ ساتھ جلیل القدر عالم کی انھوں نے دعائیں بھی لیں۔ انور صاحب جامعہ محمدیہ (رائے درگ) سے شعبان ۱۴۰۱ھ (جون ۱۹۸۱ء) میں فارغ التحصیل ہوئے۔ آٹھ سال کی عمر میں جامعہ میں داخلہ لیا تھا۔ عیسوی حساب سے تقریباً ۱۹۷۲ء بنتا ہے۔ سات آٹھ سال وہاں تعلیم حاصل کی۔ فراغت کے وقت ان کی عمر سترہ یا اٹھارہ سال کی ہوگی۔

رائے درگ کی جامعہ محمدیہ میں انھوں نے جن اساتذہ سے استفادہ کیا ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں: مولانا سید محمد اسماعیل (بانی جامعہ) ان کے فرزند مولانا سید محمد عباس حامی عمری (یہ ۱۹۷۶ء میں پینتالیس چھیالیس سال کی عمر میں اچانک وفات پاگئے تھے۔) مولانا عبدالغنی سیفی (ان کے متعلق مفصل مضمون اس کتاب کے گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے جو انہی مولانا محمد انور سلفی کا تحریر کردہ ہے۔) مولانا عبدالرحیم عمری، مولانا عبدالباسط ریاضی عمری، مولانا عبداللہ مفید مالدیپی، مولانا محمد

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

حنیف عمری، مولانا محمد اسحاق عمری ہنچالی اور بعض دیگر حضرات۔

جامعہ سلفیہ بنارس میں:

جنوبی ہند کی جامعہ محمدیہ (رائے درگ) کا نصاب مکمل کرنے کے بعد مولانا محمد انور نے بنارس کا عزم کیا اور وہاں کے معروف تعلیمی مرکز جامعہ سلفیہ میں داخلہ لیا۔ وہاں انھوں نے مندرجہ ذیل اساتذہ سے اخذ فیض کیا۔

①.....مولانا شمس الحق سلفی: جامعہ سلفیہ کے شیخ الحدیث تھے۔ مولانا محمد انور نے صحیح بخاری کی پہلی جلد ان سے پڑھی۔ دوسرے سال مولانا بیمار ہوگئے اور بیماری نے طول پکڑا تو جامعہ سلفیہ کی مجلس انتظامیہ نے ان کو دعوت وتبلیغ کے لیے فارغ کردیا۔ مولانا شمس الحق سلفی اسلاف کے علم وعمل کا حسین مرقع تھے۔ جامعہ سلفیہ کی مسجد میں نماز فجر کی امامت خود فرماتے اور اشراق کی نماز پڑھ کر مسجد سے نکلتے۔ تندرستی کے زمانے میں ورزش بھی کرتے تھے۔ اللہ نے ان کے فرزندوں کو بھی علم وعمل کی دولت سے نوازا۔ ان کے ایک فرزند مولانا عزیر شمس ہیں۔ برصغیر کے ممتاز محقق ومصنف۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی تصانیف سے متعلق مکمل معلومات رکھتے ہیں۔ مولانا شمس الحق سلفی نے ۳۔ جولائی ۱۹۸۶ء کو وفات پائی۔ عمر ۷۵ اور ۸۰ کے درمیان ہوگی۔ مولانا محمد انور سلفی ان سے صحیح بخاری کی جلد اوّل ہی پڑھ سکے۔ اس سے زیادہ ان سے استفادے کا موقع نہیں ملا۔ مولانا شمس الحق سلفی اور ان کے فرزند گرامی مولانا محمد عزیر شمس کے حالات کے لیے ملاحظہ ہو راقم کی کتاب ''قافلہ حدیث''.....!

②.....مولانا مصلح الدین اعظمی سلفی: یہ بھی جامعہ سلفیہ کے منصب شیخ الحدیث پر فائز رہے۔ مولانا محمد انور سلفی نے ان سے صحیح بخاری کی دوسری جلد کے چند ابتدائی اسباق پڑھے۔ منجھے ہوئے مدرس اور صاحب تصنیف عالم تھے۔ مولانا محمد انور سلفی کے بقول ان کا حلیہ یہ تھا۔ گوری رنگت، پورا قد، کشادہ پیشانی، ستواں ناک، گھنی داڑھی، بھرا ہوا جسم، نہایت خوب صورت۔ ارباب جامعہ نے بڑی امیدوں کے ساتھ انھیں مغربی بنگال کی جامعہ سلفیہ عبداللہ پور سے بلایا تھا۔ لیکن افسوس ہے بنارس تشریف لانے کے صرف تین ماہ بعد بیماری کی گرفت میں آگئے اور انتقال فرماگئے۔ میت ان کے اصل وطن جیراج پور (ضلع اعظم گڑھ) پہنچائی گئی اور وہیں دفن کیے گئے۔ یہ معلوم نہ ہوسکا کہ انور صاحب نے ان سے کچھ پڑھا یا نہیں پڑھا۔

③.....مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری: اس مشہور مصنف ومعلم نے متعدد کتابیں تصنیف کیں، جن میں ''الرحیق المختوم'' نے بہت شہرت پائی۔ مولانا مصلح الدین اعظمی کی وفات کے بعد مولانا صفی الرحمٰن نے صحیح بخاری کی دوسری جلد پڑھانا شروع کی۔ اس سے قبل وہ محمد انور کی جماعت کو حجۃ اللہ البالغہ پڑھاتے تھے۔ انور صاحب نے صحیح بخاری جامعہ محمدیہ (رائے درگ) میں بھی پڑھی تھی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

لیکن وہ صرف قرأت تھی۔ اب مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری سے پڑھنا شروع کی تو اس کا کچھ اور ہی رنگ تھا۔ بالخصوص کتاب المغازی وغیرہ سیرت کے ابواب کا درس دیتے تو (بقول انور صاحب) ''معلومات کا خزانہ انڈیل دیتے۔'' دورانِ درس طلبا سے ہلکے پھلکے مزاح کا سلسلہ بھی جاری رہتا۔ ایک دن صوبہ بہار کے موضع ''دھمکا'' کے ایک طالب علم احمد علی کئی رنگوں کی ٹوپی سر پر رکھ کر آئے اور اتفاق سے مولانا کے سامنے ہی بیٹھ گئے۔ مولانا نے انھیں دیکھا تو اپنی مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ فرمایا: ''مولوی احمد علی! قوسِ قزح پہن کر آئے ہو؟'' اس کے بعد طلبا انھیں چڑھانے کے لیے قوسِ قزح کہنے لگے۔

④.....مولانا محمد رئیس ندوی: سابق شیخ الحدیث جامعہ سلفیہ۔ مشہور مفتی، مدرس، محقق، ناقد اور متعدد اہم کتابوں کے مصنف۔ جامعہ سلفیہ میں ان سے بہت سے علما وطلبا مستفید ہوئے۔ تھوڑا عرصہ قبل وفات پائی۔ انور صاحب فرماتے ہیں بہت آہستہ بولتے تھے۔ اپنی جماعت میں طلبا کی حاضری لیتے تو مجھے ان کی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ وہ میرا نام پکارتے تو عدم شنید کی وجہ سے میں ان کا جواب نہیں دے سکتا تھا اور وہ خفا ہوجاتے تھے۔

⑤.....مولانا عبدالوحید رحمانی: یہ بھی جامعہ سلفیہ (بنارس) کی مسند شیخ الحدیث پر متمکن رہے۔ طلبا پر بے حد شفقت فرماتے۔ اردو اور عربی کے ماہر۔ مولانا اسماعیل شہید کی کتاب ''تقویۃ الایمان'' کا عربی میں ترجمہ کیا۔ حضرت مولانا ابوالکلام آزاد کے بہ درجۂ غایت عقیدت مند۔ اسلاف امت سے انتہائی محبت کرنے والے۔ نہایت نفاست پسند۔ مولانا محمد انور نے ان سے دو مہینے حجۃ اللہ البالغہ پڑھی۔ پھر اس کتاب کی تدریس مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری کے سپرد ہوئی۔

⑥.....مولانا عابد حسین رحمانی: جامعہ سلفیہ کے نہایت صالح اور بزرگ استاد۔ تفسیر بیضاوی پڑھاتے تھے۔ مولانا محمد انور سلفی کے بقول ''جو نہیں کہ'' ان کا تکیہ کلام تھا، جس کی تکرار ''بسا اوقات دل میں گدگدی پیدا کرتی۔'' جامعہ سلفیہ (بنارس) سے علیحدگی کے بعد جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر (نیپال) چلے گئے تھے۔ چند سال پیشتر وفات پائی۔

⑦..... ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری: حضرت ممدوح ہندوستان کی معروف علمی شخصیت تھے۔ جامعہ سلفیہ بنارس کے صدر۔ جامعہ کے عربی ماہنامہ ''صوت الجامعہ'' کے ایڈیٹر۔ مساجد کونسل رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کے رکن۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے رکن اور مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی مجلس عاملہ کے رکن۔ کئی کتابوں کے مصنف۔ متعدد عربی اور اردو کتابوں کے مترجم۔ صاحب بصیرت مفکر، کشادہ ذہن محقق۔ فیض عام مئو سے فراغت کے بعد جامعہ ازہر (قاہرہ) سے ایم اے کیا۔ پھر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری لی اور علم وعمل سے بھرپور زندگی گزار کر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

۳۰۔ اکتوبر ۲۰۰۹ء (۱۵۔ ذی الحجہ ۱۴۳۰ھ) کو وفات پائی۔

ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری وفات سے سات آٹھ مہینے پہلے فروری ۲۰۰۹ء کو وزارتِ اوقاف کی دعوت پر کویت گئے۔ ان کے شاگردِ رشید مولانا اصغر علی امام مہدی (ایڈیٹر ''ترجمان'' دہلی اور ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند) بھی ان کے ساتھ تھے۔ مرکز دعوۃ الجالیات کی مجلس شوریٰ میں تقریر کی اور جامعہ سلفیہ (بنارس) کے متعلق ضروری امور کی نشان دہی فرمائی۔ اس وقت حسن اتفاق سے پاکستان کے مشہور عالم ومحقق مفتی حافظ ثناء اللہ خاں مدنی بھی وہیں تھے۔ انھوں نے بھی تقریر فرمائی جو بہت سی معلومات پر مشتمل تھی۔ کویت میں ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری کے چند شاگرد بھی قیام فرما ہیں اور وہ ہیں مولانا صلاح الدین مقبول احمد، مولانا کفایت اللہ مدنی اور خود مولانا محمد انور سلفی .....عرض یہ کرنا مقصود ہے کہ مولانا محمد انور سلفی نے بنارس کی جامعہ سلفیہ میں ڈاکٹر مقتدیٰ حسن سے بھی اکتسابِ علم کا شرف حاصل کیا۔ ڈاکٹر صاحب ممدوح کے متعلق اس کتاب کے گزشتہ صفحات میں مضمون قارئین کے مطالعہ میں آچکا ہے۔

مولانا محمد انور سلفی کے یہ سات اساتذہ وہ تھے جو وفات پاچکے۔ اب ان دو اساتذہ کا تعارف کرایا جاتا ہے جو اللہ کے فضل سے زندہ ہیں اور جامعہ سلفیہ بنارس میں فرائض تدریس سرانجام دے رہے ہیں۔

⑧..... ایک ہیں مولانا انیس الرحمٰن اعظمی عمری: مولانا ممدوح ہندوستان کے ایک معروف علمی خانوادے کے ممتاز رکن ہیں۔ ان کے والد مولانا عبدالسبحان جامعہ دارالسلام عمر آباد کے شیخ التفسیر تھے اور دادا مولانا محمد نعمان اعظمی جامعہ دارالسلام عمر آباد کے شیخ الحدیث اور حضرت سید میاں نذیر حسین دہلوی کے شاگرد رشید تھے۔ مولانا انیس الرحمٰن نے عمر آباد سے فراغت کے بعد جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے بی اے کیا۔ پھر مدراس کی کسی فرم میں دو سال ملازمت کی۔ ۱۹۷۷ء یا ۱۹۷۸ء میں استاذ کی حیثیت سے جامعہ سلفیہ بنارس تشریف لے گئے۔ ہندوستانی اساتذہ میں یہ پہلے استاذ تھے جنھوں نے عربی میں درس دینا شروع کیا۔ محمد انور صاحب نے ان سے صحیح مسلم اور شرح عقیدہ طحاویہ دو کتابیں پڑھیں۔ وہ کتاب دیکھے بغیر پڑھاتے تھے۔ ان کا طریق تدریس یہ تھا کہ پہلے کتاب کے متعلقہ موضوع پر لیکچر دیتے۔ پھر کسی طالب علم کو کتاب کی عبارت پڑھنے کا حکم دیتے۔ اس دوران میں کتاب کے مشکل الفاظ کی آسان عربی میں تشریح فرماتے۔ پھر طلبا سے پوچھتے: ''ھل عندکم اشکال؟'' پھر نہایت آسان عربی میں طلبا کے سوالات کے جواب دیتے۔

صحیح مسلم پڑھانے کا طریقہ (مولانا محمد انور سلفی کے بقول) یہ تھا کہ پہلے کوئی طالب علم حدیث پڑھتا۔ اس میں کوئی مشکل لفظ آتا تو مولانا انیس الرحمٰن اعظمی آسان عربی میں اس کے معنے بیان فرماتے۔ پھر اس حدیث کی تشریح کرتے۔ اس کے بعد اگلی حدیث اسی انداز میں پڑھاتے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

طلبا اس اسلوب درس سے بے حد مطمئن ہوتے۔ مولانا محمد انور سلفی ان کے طریق درس کی بڑی تعریف کرتے ہیں۔

۱۹۸۴ء میں ان کی خدمات مولانا مختار احمد ندوی نے اپنی ''جامعہ محمدیہ منصورہ'' مالیگاؤں کے لیے بہ طور شیخ الحدیث حاصل کرلی تھیں۔ وہاں وہ آٹھ سال اس منصب پر فائز رہے۔ اسی اثنا میں ۱۹۸۶ء اور ۱۹۹۰ء کے عرصے میں خود مولانا محمد انور سلفی نے جامعہ محمدیہ منصورہ (مالیگاؤں) میں ان کی نگرانی میں بحیثیت استاذ خدمات سرانجام دیں اور مجلّہ ''صوت الحق'' کے مدیر بھی رہے۔ جامعہ محمدیہ میں اس وقت جو اساتذہ خدمت درس پر مامور تھے، چند ایک کے سوا سب مولانا انیس الرحمٰن اعظمی کے شاگرد تھے۔

جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں سے مولانا انیس الرحمٰن اعظمی جامعہ دارالسلام چلے گئے تھے۔ وہاں دس سال طلبا کو پڑھاتے رہے۔ پھر مدراس کا عزم کیا۔ وہاں ''مرکز ابن القیم للبحوث والدعوۃ والارشاد'' کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا۔ وہ ہندوستان کے صوبہ تامل ناڈو کی جمعیت اہل حدیث کے امیر بھی ہیں۔ اللہ ان کی زندگی دراز فرمائے۔ ان کا شمار ہندوستان کے ممتاز اساتذہ وعلما میں ہوتا ہے۔

⑨..... دوسرے ہیں مولانا عبدالسلام مدنی: جامعہ سلفیہ بنارس کے یہ قدیم ترین استاذ ہیں جو پینتیس سال سے وہاں خدمت درس انجام دے رہے ہیں۔ مولانا محمد انور سلفی نے ان سے جامعہ سلفیہ میں دو کتابیں پڑھیں۔ تفسیر کشاف اور الاتقان فی علوم القرآن۔ محمد انور سلفی ان سے بہت متاثر ہیں۔ مولانا ممدوح ماہِ رمضان المبارک میں کویت تشریف لے جاتے ہیں تو انور صاحب اپنے تمام دروس ان کے سپرد کردیتے ہیں۔ ان دروس کی وجہ سے کویت رہنے والے پاکستانی اور ہندوستانی (وہ مسلک اہل حدیث سے تعلق رکھتے ہوں یا نہ رکھتے ہوں) مولانا عبدالسلام مدنی کے ارشادات بڑے شوق سے سنتے ہیں۔

فراغت کے بعد سلسلۂ تجارت:

۱۹۸۳ء کے وسط میں مولانا محمد انور سلفی نے جامعہ سلفیہ کا نصاب مکمل کیا اور سند فضیلت حاصل کی۔ عمر اٹھارہ انیس برس کی تھی۔ والد تجارت کرتے تھے۔ انھوں نے بھی یہی سلسلہ شروع کردیا۔ جنوبی ہند میں مسلمان اور ہندو خواتین ساڑھیاں پہنتی ہیں، اور بنارس، مبارک پور، مئو ناتھ بھنجن وغیرہ میں مسلمان پارچہ باف ریشمی ساڑھیاں بناتے ہیں اور بنارس کی ریشمی ساڑھی تو بہت مشہور ہے اور جنوبی ہند میں اس ساڑھی کی بڑی مانگ ہے، چناں چہ انور صاحب یوپی کے ان مقامات سے اپنے شہر پروڈاٹور (آندھرا پردیش) میں ساڑھیاں وغیرہ لاتے اور فروخت کرتے۔ یہ بڑی منافع بخش تجارت تھی۔ لیکن ریل کا کم وبیش دو ہزار میل کا لمبا سفر تھا جو مہینے میں دو مرتبہ کرنا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

پڑتا تھا۔ سفر میں کئی قسم کی دشواریاں پیش آتی تھیں۔ اگر پارسل کے ذریعے مال منگوایا جاتا تو وہ گھٹیا مال ہوتا تھا اور گاہک اسے خریدتے نہیں تھے۔ پھر ایک حادثہ یہ پیش آیا کہ ان کی والدہ کو دل کا دورہ پڑ گیا۔ اس طرح حالات ایسے پیدا ہو گئے کہ تجارت کا یہ سلسلہ مجبوراً ترک کرنا پڑا۔

امامت وخطابت:

اسی دوران جامعہ محمدیہ رائے درگ سے (جہاں انور صاحب تعلیم حاصل کرتے رہے تھے) ان کو خط آیا کہ موضع ''بنواسی'' کی مسجد میں امامت وخطابت کی جگہ خالی ہے، وہاں چلے جائیں۔ موضع ''بنواسی'' ہندوستان کے صوبہ کرناٹک کے ضلع کاروار کی تحصیل سرسی میں واقع ہے۔ اب انور سلفی صاحب گھر سے روانہ ہوئے۔ پہلے رائے درگ پہنچے۔ پھر بنواسی گئے۔ وہاں ایک نوجوان عبدالستار صاحب سے ملے جو اس نواح کے صاحب ثروت آدمی ہیں اور دور تک پھیلی ہوئی زمینوں کے مالک ہیں۔ انور سلفی صاحب کے بقول عبدالستار صاحب جس خاندان کے چشم وچراغ ہیں اللہ تعالیٰ نے اس خاندان کو دین، دولت اور حسن اخلاق سے خوب نوازا ہے۔ ان کے متعلق مشہور تھا کہ بنواسی کے جس مقام پر بھی آپ کھڑے ہوں گے، وہ عبدالستار اور ان کے خاندان کی زمین ہوگی۔ یہ علاقہ نہایت سرسبز وشاداب اور قدرتی حسن سے مالا مال ہے۔ جنگلی جانوروں کی بہتات نے اس علاقے کو زمینی جنت بنا دیا ہے۔ بارش کی کثرت، اناج اور غلے کی پیداوار، لونگ، الائچی، دارچینی، کالی مرچ، ناریل، سپاری، اناس، کیلا، صندل، ساگوان اور شیشم وغیرہ کی فراوانی کی وجہ سے اس علاقے کو ممتاز حیثیت حاصل ہے اور یہ مختلف چیزوں کی تجارت کا بہت بڑا مرکز ہے۔ انور صاحب یہاں کی فضا اور آب وہوا کی بنا پر بہت مطمئن تھے۔

وہاں کے لوگوں کو بھی ان سے تعلق پیدا ہو گیا تھا اور وہ ان سے خوش تھے۔ انھیں یہاں آئے ہوئے دس مہینے ہو گئے تھے۔ چند روز کی رخصت لے کر اپنے وطن گئے تو وہاں کوئی اور صاحب آ گئے۔ ان نووارد صاحب سے وہاں کے لوگ مطمئن نہیں تھے۔ لیکن حالات نے ایسی کروٹ لی کہ انور صاحب کو یہ جگہ چھوڑنا پڑی۔

جامعہ محمدیہ رائے درگ اور منصورہ میں تدریس:

بنواسی سے وطن واپس آئے تو جامعہ محمدیہ رائے درگ کے اربابِ اہتمام نے ان کو تدریس کے لیے بلا لیا۔ وہاں ڈیڑھ سال خدمت تدریس انجام دی۔ رمضان المبارک میں یہ قرآن وحدیث کے درس کے لیے موضع ہندوپور کی مسجد سلفیہ میں جایا کرتے تھے۔ بعد ازاں ان لوگوں نے جماعت کی تنظیم وغیرہ کے سلسلے میں ہندوپور ہی میں سکونت پذیر ہونے کے لیے کہا، جس پر انھوں نے عمل کیا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اسی دوران میں مالیگاؤں سے ان کے استاذِ محترم مولانا رئیس الرحمٰن اعظمی عمری نے ان کو جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں میں تدریس کے لیے طلب فرمالیا اور یہ استاذ مکرم کے حکم کی تعمیل میں وہاں پہنچ گئے۔ وہاں تدریس کے ساتھ مجلّہ ''صوت الحق'' کی ادارت بھی ان کے سپرد ہوئی۔ اس مجلّے کی لوح پر مدیر مسئول کا نام تو انور صاحب کے عزیز دوست مولانا عبدالرحمٰن اعظمی عمری کا لکھا تھا (جو اس وقت قطر میں مقیم ہیں) لیکن اداریہ اور مضمون وغیرہ انور صاحب ہی لکھتے تھے۔ اس کے بعد انور صاحب ہی کو اس کے پرنٹر، پبلشر اور ایڈیٹر بنا دیا گیا تھا۔ ان کے تحریر کردہ مضامین بڑے شوق سے پڑھے جاتے تھے۔ مولانا عبدالرؤف رحمانی جیسے عالم وفاضل حضرات بھی ان کی تحریر کا دلچسپی سے مطالعہ کرتے تھے۔ اس وقت ان کی عمر بائیس تئیس برس کی تھی۔ جن لوگوں نے ان کو نہیں دیکھا تھا، وہ ان کی تحریر پڑھ کر انھیں ایک بزرگ اہل قلم سمجھتے تھے۔ ۴۔ اپریل ۱۹۸۹ء کو انور صاحب کی شادی ہوئی۔ شادی کے بعد ڈیڑھ سال کے لگ بھگ جامعہ محمدیہ منصورہ میں بہ حیثیت مدرس رہے۔ پھر گھر آ گئے۔

کڑپہ میں امامت وخطابت:

اسی اثنا میں شہر کڑپہ کی مسجد اہل حدیث کے ذمہ دار حضرات نے اپنی مسجد میں خطبات جمعہ دینے کی درخواست کی جو انھوں نے منظور کرلی اور وہاں بہ طور خطیب وامام تشریف لے گئے۔ کڑپہ (ماسا پیٹ) کی مسجد اہل حدیث ایک تاریخی مسجد ہے، جس سے مولانا اسماعیل شہید دہلوی اور سید احمد شہید کا بھی تعلق رہا۔ حضراتِ شہیدین نے مولانا سید محمد علی رام پوری کو تبلیغ دین کے لیے سرزمین دکن کی طرف روانہ کیا تھا۔ وہ حیدر آباد پہنچے تو ان کے وعظوں سے متاثر ہو کر وہاں کے نوابوں کے عشرت کدے مسجدیں بن گئے اور نواب مبارز الدولہ جیسے کئی نواب دنیا کی آسائشوں کو چھوڑ کر اللہ ورسول کی اطاعت میں مشغول ہوگئے۔ مولانا سید محمد علی رام پوری حیدر آباد سے نکلے تو کرنول، کڑپہ اور رینی گنٹہ میں قیام کرتے ہوئے مدراس پہنچے۔ جس مقام پر انھوں نے قدم رنجہ فرمائے وہاں اہل حق کی ایک جماعت پیدا ہوگئی۔ موضع رینی گنٹہ میں مولانا سید محمد علی رام پوری نے ایک مسجد بھی بنائی جو اب بھی موجود ہے ..... اور کرنول میں اس بابرکت دور کی تعمیر کردہ ایک مسجد کی وجہ سے دسیوں مسجدیں بن گئیں۔ کڑپہ میں اس پرانی مسجد کی جگہ بمبئی کی اصلاح المساجد کے زیر نگرانی نئی مسجد تعمیر ہوگئی۔ بہرحال مولانا محمد علی رام پوری جہاں سے گزرے وہاں مسجد کی شکل میں اپنی یادگار چھوڑتے گئے۔

کڑپہ کی جامع مسجد کے معاملات کچھ تشویش ناک سے ہوگئے تھے۔ پھر مسجد کے متولی سید محمد شاہ نے مسجد کی زرعی زمین جو پانچ ایکڑ تھی مسجد کے حوالے کردی۔ مولانا محمد انور سلفی نے بھی اس سلسلے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

میں بھاگ دوڑ کی اور اچھی خاصی رقم جمع کر کے مسجد کی مستقل آمدنی کے لیے شاپنگ سنٹر بنایا، جس سے امام اور مؤذن وغیرہ کی تنخواہ کا انتظام ہوگیا۔ امام کے لیے مکان بھی تعمیر کرا دیا اور مسجد کے اوپر بھی ایک منزلہ عمارت بنا دی، جس سے نمازیوں کے لیے جگہ کی تنگی کا معاملہ ختم ہوگیا۔ یہ مولانا محمد انور سلفی کا بہت بڑا نیکی کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ انھیں اس کی جزائے خیر عطا فرمائے۔

کویت میں آمد:

گزشتہ سطور سے یہ حقیقت واضح ہوچکی ہے کہ مولانا محمد انور سلفی صاف دل اور مخلص ترین عالم دین ہیں۔ وہ جہاں گئے انھوں نے محنت اور اخلاص سے خدمت سرانجام دی۔ وہ معاشی حالات سے پریشان ہوئے، لیکن اس کے باوجود ہر جگہ سرگرم عمل رہے۔ معاشی پریشانیاں زیادہ بڑھیں تو انھوں نے کویت جانے کا عزم کیا اور اس کے لیے کوشش کرنے لگے اور اللہ سے دعائیں بھی مانگیں۔ ان کے والد (محمد قاسم صاحب) نے بھی اپنے ملنے والے ان لوگوں سے رابطہ کیا جو ان کے نزدیک اس سلسلے میں معاون ہوسکتے تھے۔ بالآخر ان کی دعائیں اور کوششیں رنگ لائیں اور اللہ تعالیٰ نے ایسے اسباب پیدا فرما دیے کہ انور صاحب ۱۰۔ اکتوبر ۱۹۹۶ء کو کویت پہنچ گئے۔ کویت ان کے لیے ایک اجنبی ملک تھا۔ ڈھائی تین مہینے بے کاری میں گزرے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے حالات میں کچھ تبدیلی کے آثار پیدا ہوئے۔ وہ اس طرح کہ جس مسجد میں انور صاحب نماز پڑھتے تھے، اس کا نام مسجد عبدالرحمٰن عبدالمغنی تھا۔ اس کے امام ایک بزرگ شیخ موسیٰ تھے، جن سے ان کی دعا سلام رہتی تھی۔ شیخ موسیٰ سلفی العقیدہ تھے، اس لیے انور صاحب سے مل کر وہ خوشی کا اظہار کرتے تھے۔ شیخ موسیٰ کی اجازت سے مولانا انور صاحب نے اس مسجد میں ہفت روزہ درسِ قرآن شروع کر دیا اور شیخ موسیٰ کے روزانہ کے عربی دروس کی اردو میں ترجمانی بھی کرنے لگے۔ یہ کویت میں مولانا محمد انور کے کام کا آغاز تھا جو کسی ساعت سعید میں ہوا تھا۔

اسی دوران میں ان کی ملاقات اس مسجد میں حاجی محمد منیر صاحب سے ہوئی جن کا وطنی تعلق سیالکوٹ سے ہے اور وہ کویت سے لوگوں کو حج اور عمرے کے لیے مکہ مکرمہ بھیجتے تھے اور مسلکاً اہل حدیث تھے۔ انور صاحب نے حاجی محمد منیر صاحب سے کویت کے اہل حدیث حضرات سے متعلق پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ یہاں ہندوستان اور پاکستان کے اہل حدیث خاصی تعداد میں موجود ہیں اور ہر مہینے کی پہلی جمعرات کو قرطبہ ہال میں ان کا تبلیغی جلسہ ہوتا ہے۔ اگر آپ اس میں شامل ہونا چاہیں تو میں آپ کو وہاں لے جاؤں گا۔ ۱۹۹۶ء کے دسمبر کے شروع کی کوئی تاریخ تھی اور جمعرات کا دن تھا کہ مولانا محمد انور سلفی پہلی مرتبہ حاجی محمد منیر صاحب کے ساتھ کویت کی جماعت اہل حدیث کے اس اجتماع میں شریک ہوئے جو معمول کے مطابق قرطبہ ہال میں نماز مغرب کے بعد منعقد ہوا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مولانا محمد انور کے بقول اس زمانے میں دو ڈھائی سو لوگ اس اجتماع میں شریک ہوتے تھے۔ پروگرام ختم ہونے کے بعد سب شرکائے اجتماع کو کھانا کھلایا جاتا اور پھر بسوں میں سوار کرا کے انھیں ان مقامات پر پہنچایا جاتا تھا، جہاں وہ رہتے تھے۔ اسی اجتماع میں مولانا محمد انور سلفی کی ملاقات مولانا عارف جاوید محمدی، مولانا عبدالخالق مدنی، ڈاکٹر حافظ محمد اسحاق زاہد اور جناب عبداللہ شاد سے ہوئی۔ ان حضرات کا تعلق پاکستان سے ہے اور یہ کئی سال سے کویت میں مقیم ہیں اور اپنے اپنے دائرے میں ماشاء اللہ دینی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ وہیں مولانا محمد انور سلفی کی ملاقات ہندوستان کے مولانا کفایت اللہ مدنی سے ہوئی جو جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں میں ان کے رفیق کار رہے تھے۔ وہ نہایت تپاک سے ملے اور پرانی یادیں تازہ ہوئیں۔ کویت کے علاقہ جہرا میں ان کی ملاقات ہندوستان کے معروف عالم ومحقق اور ممتاز مصنف ومترجم مولانا صلاح الدین مقبول احمد سے ہوئی۔ انھوں نے ان کی کچھ مالی مدد بھی فرمائی۔

قرطبہ، کویت کا بہت بڑا ہال ہے۔ وہاں پاکستان اور ہندوستان کے اہل حدیث حضرات کا ہر مہینے اجلاس ہوتا ہے۔ جولائی ۲۰۰۸ء میں مجھے بھی اس اجلاس میں شرکت کی اور چند گزارشات پیش کرنے کی دعوت دی گئی تھی۔ میری گزارشات کے موقعے پر ہال حاضرین سے بھرا ہوا تھا۔ کرسیاں کم پڑ گئی تھیں اور لوگ نیچے دریوں پر بیٹھے تھے۔ میرے خیال میں ایک ہزار سے زیادہ لوگ ہوں گے۔ پروگرام نماز مغرب کے بعد شروع ہوا تھا، ختم ہوا تو سب کو کھانا پیش کیا گیا۔

بات مولانا محمد انور سلفی کے بارے میں ہو رہی تھی۔ آخر وہ گھڑی آ گئی جس میں سرزمین کویت میں دین کی دعوت وتبلیغ کے لیے مولانا محمد انور کا انتخاب کیا گیا۔ ۱۹۹۷ء کے جنوری کی کوئی تاریخ تھی اور رمضان المبارک کی تیسویں شب کہ جناب عبداللہ شاد صاحب نے ان کو بذریعہ فون انٹرویو کے لیے بلایا۔ انٹرویو کیا تھا.....؟ یہ کہ مسجد فرحان حباسیہ میں نماز عصر کے بعد آپ نے درس دیا ہے۔ انھوں نے درس دیا اور درس کے دو دن بعد فون آیا کہ مرکز دعوۃ الجالیات کے لیے آپ کا انتخاب کرلیا گیا ہے۔ عید الفطر کی چھٹیوں کے بعد آپ اپنا سامان لے کر مرکز پہنچ جائیں۔ آپ کی رہائش کا انتظام مرکز کرے گا۔

سلسلۂ دعوت وتبلیغ:

مرکز دعوۃ الجالیات سے وابستگی کے بعد مولانا محمد انور سلفی کویت میں تیزی کے ساتھ دعوت وتبلیغ میں مشغول ہو گئے۔ مختلف مساجد میں ہفتے میں دس دس درس ہوتے۔ ابتدا میں خطبۂ جمعہ کے لیے کویت کی وزارت اوقاف کی طرف سے کوئی مسجد نہیں ملی۔ لیکن جلد ہی مسجد عبدالرحمٰن عبدالمغنی میں خطبۂ جمعہ شروع ہو گیا جو تقریباً تین سال مسلسل جاری رہا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مرکز میں آنے کے بعد ان کی پاکستان اور ہندوستان کے متعدد علماے کرام سے ملاقاتیں ہوئیں اور ان کی مجلسوں میں بیٹھنے اور ان کی تقریریں سننے کا اتفاق ہوا۔ پاکستانی علماے کرام سے ملاقات ان کے لیے بالخصوص مسرت کا باعث تھی، کیوں کہ پاکستانی اہل علم کا ہندوستان جانا اور ہندوستانی علماے کرام کا پاکستان تشریف لانا بہت مشکل معاملہ ہے۔ مارچ ۱۹۹۰ء میں مولانا مختار احمد ندوی نے منصورہ مالیگاؤں میں ایک تعلیمی کانفرنس کا اہتمام کیا تھا، جس میں تین پاکستانی علما نے شمولیت فرمائی تھی، وہ تھے: ① مولانا سید بدیع الدین شاہ راشدی، ② مولانا قاری عبدالخالق رحمانی اور ③ پروفیسر ساجد میر۔ ان حضرات کی تقریروں سے ہندوستان کے اہل حدیث حضرات بہت متاثر ہوئے تھے۔ اکتوبر ۲۰۰۸ء میں مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان کے امیر پروفیسر ساجد میر اور ناظم اعلیٰ ڈاکٹر حافظ عبدالکریم کویت گئے تو مولانا انور سلفی کی ملاقات ان حضرات سے ہوئی اور ان کو قریب سے دیکھنے اور ان کے ارشادات سننے کا موقع ملا تو مسرت اور تاثر کا دائرہ مزید بڑھا اور ایک دوسرے کے افکار کا علم ہوا۔ قرطبہ ہال میں ان کی تقریریں بھی ہوئیں، جن میں اردو بولنے والے ہندوستانی اور پاکستانی کثیر تعداد میں شامل ہوئے۔ ان کی پریس کانفرنس کا اہتمام بھی کیا گیا۔

۱۹۹۹ء میں حافظ محمد یحییٰ عزیز میرمحمدی کویت تشریف لے گئے تھے۔ ان سے بھی مولانا انور سلفی نے ملاقات کی۔ ایک جوڑا کپڑے اور پرانی سی جوتی حافظ صاحب کا کل سامانِ سفر تھا۔ ان کی سادگی، اخلاص، بے نفسی، تبلیغ دین کے لیے ان کے پرخلوص جذبے اور دعوت توحید کی بے پناہ مساعی سے وہاں کے لوگ بے حد متاثر ہوئے۔

حافظ مفتی ثناء اللہ خاں مدنی پاکستان کے جلیل القدر عالم، شیخ الحدیث اور عربی اور اردو کے مشہور مصنف ہیں۔ جائزۃ الاحوذی شرح ترمذی کے مصنف نام دار، فتاویٰ ثنائیہ مدنیہ کے مؤلف شہیر۔ اردو اور عربی کے بہت اچھے خطیب۔ ممتاز معلم۔ کویت میں مولانا محمد انور سلفی کی ان سے بھی ملاقات ہوئی۔ مولانا عبدالوکیل ہاشمی (نزیل مکہ مکرمہ) اور مولانا محمد اسرائیل ندوی سلفی کویت تشریف لے گئے تو مولانا انور سلفی ان سے بھی انتہائی شوق سے ملے۔ اس طرح کویت جا کر ان کو متعدد مشاہیر ہندوستانی اور پاکستانی اصحابِ علم سے ملاقات اور گفتگو کی سعادت حاصل ہوئی۔

مرکز الاخلاص پر دوٹور کا قیام:

کویت جانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے مولانا محمد انور سلفی کو خدمت دین کے بڑے مواقع عطا فرمائے۔ اپنے شہر پر دوٹور میں انھوں نے ''مرکز الاخلاص'' کے نام سے ایک اسلامی مرکز قائم کیا۔ ان کی خواہش تھی کہ اپنے شہر میں مسجد اہل حدیث تعمیر کی جائے۔ چناں چہ احباب سے مل کر ۱۹۹۹ء میں شہر کے وسط میں دس لاکھ روپے میں ایک جگہ خریدی اور ٹین کی چھت ڈال کر اس میں نماز پڑھنا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

شروع کردی۔ جو لوگ کسب معاش کے لیے کویت اور سعودیہ گئے تھے، وہ آہستہ آہستہ مسجد میں آنے لگے۔ اس طرح نماز جمعہ میں لوگوں کی تعداد سات آٹھ سو تک پہنچ گئی۔ پھر ایک وقت آیا کہ جمعیت احیاء التراث الاسلامی فرع ہدیہ کے تعاون اور لجنۃ القارۃ الہندیہ کے زیر نگرانی مرکز الاخلاص کا قیام عمل میں آیا اور عظیم الشان عمارت تعمیر ہوگئی جو مرکز، مسجد، لائبریری، دو آفس رومز، پانچ کلاس رومز پر مشتمل ہے۔ خواتین کے لیے الگ با پردہ نماز پڑھنے کا انتظام ہے۔ مرکز کی پہلی منزل پر مدرسہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا قائم ہے، جس میں سوا سو بچیاں تعلیم حاصل کرتی ہیں۔ آٹھ اساتذہ اور استانیاں ان کی تعلیم وتربیت پر مامور ہیں۔ شہر میں اہل حدیث کی دو مسجدیں اور ہیں۔ اس وقت ان کے شہر میں اہل حدیث کی تعداد پانچ ہزار سے زیادہ ہے۔

میٹرنیٹی ہسپتال:

مولانا محمد انور سلفی کے نزدیک خالص دینی خدمات کے ساتھ رفاہی خدمات انجام دینا بھی ضروری ہے اور رفاہی خدمات بھی دراصل دینی خدمات کی وسیع فہرست میں شامل ہیں۔ اپنے شہر ''پردوٹور'' میں انھوں نے ایک میٹرنیٹی ہسپتال (یعنی زچہ بچہ شفاخانہ) تعمیر کرنے کا بھی منصوبہ بنایا ہے۔ ہسپتال کی تین منزلہ عمارت تعمیر ہوگئی ہے۔ ان شاء اللہ جلد ہی اس میں علاج معالجے کا سلسلہ شروع ہوجائے گا۔ یہ ہسپتال جمعیت احیاء التراث الاسلامی فرع ہدیہ اور لجنۃ القارۃ الہندیہ کے ذمہ داروں کے تعاون سے تعمیر کیا گیا ہے اور انہی کے تعاون سے اس میں ڈاکٹروں کا تقرر عمل میں آئے گا۔ یہ بہت ضروری کام ہے جو مولانا ممدوح کی کوشش سے اس علاقے میں شروع ہوگا۔ جہاں یہ مالی تعاون کرنے والی جماعت اور افراد کے لیے صدقہ جاریہ ہے وہاں اس کے لیے کوشش کرنے والے کے لیے بھی باعث اجر وثواب ہے۔

مضامین ومقالات:

مولانا انور سلفی صحافت سے بھی تعلق رکھتے ہیں۔ پہلے بتایا گیا ہے کہ مجلہ ''صوت الحق'' کی ادارت ان کے سپرد رہی اور ان کے مضامین ومقالات کا قارئین بڑے شوق اور دلچسپی سے مطالعہ کرتے تھے۔

''صوت الحق'' کے علاوہ ان کے مضامین ہندوستان کے جرائد ورسائل میں سے ماہنامہ مصباح، محدث (بنارس) نوائے اسلام (دہلی) جریدہ ترجمان (دہلی) السراج (جھنڈا نگر نیپال) ہفت روزہ سالار (بنگلور) روزنامہ سیاست (حیدر آباد دکن) اور پاکستان کے ہفت روزہ الاعتصام (لاہور) میں شائع ہوتے رہے۔ کویت کے اردو اخبار ''کویت ٹائمز'' میں وہ گزشتہ پانچ سال سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

باقاعدہ ہر ہفتے مضمون لکھ رہے ہیں۔ ان مطبوعہ مضامین کی ضخامت ایک ہزار صفحات کے قریب ہوگئی ہے۔ ان کا تحریری انداز بہت اچھا ہے۔ وہ امام الہند حضرت مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ سے بے حد متاثر ہیں اور ان کی تصانیف کا انتہائی دلچسپی سے مطالعہ کرتے ہیں اور جو کچھ مولانا کے متعلق اصحابِ قلم لکھتے ہیں، اسے بھی وہ بڑے شوق سے پڑھتے ہیں۔

تصانیف وتراجم:

رسائل وجرائد کے مضامین کے علاوہ ذیل میں مولانا محمد انور سلفی کی تصانیف وتراجم کی تفصیل ملاحظہ ہو۔

① ..... انبیاء علیہم السلام کا اسلوبِ دعوت: یہ شیخ ربیع ہادی مدخلی کی کتاب ''منہج الانبیاء فی الدعوۃ الی اللہ'' کا ترجمہ ہے۔ مطبوعہ ہندوستان

② ..... اولاد کی اسلامی تربیت: یہ ان کی اپنی اردو تالیف ہے جو ہندوستان میں تین مرتبہ، کویت اور قطر میں ایک ایک مرتبہ۔ سعودیہ اور پاکستان میں ایک ایک مرتبہ طبع ہوئی۔

③ ..... علمائے اہل سنت پر رفاعی کے اعتراضات کی دینی وشرعی حیثیت: یہ شیخ عبدالمحسن العباد کی عربی تصنیف ''الرد علی الرفاعی والبوطی فی کذبہما علی علماء اہل السنۃ'' کا اردو ترجمہ ہے۔ مطبوعہ ہندوستان

④ ..... عقیدۂ توحید: شیخ عبداللہ الفوزان کی کتاب ''عقیدۃ التوحید'' کا ترجمہ۔ طبع کویت

⑤ ..... عقیدۂ اہل سنت: امام بربہاری کی تصنیف ''شرح السنۃ'' کا ترجمہ۔ طبع ہندوستان

⑥ ..... زکوٰۃ کے فضائل اور احکام: اپنے موضوع کی عمدہ کاوش۔ مطبوع

⑦ ..... سود، معاشرے کو تباہ کرنے والا گناہ: مطبوع

⑧ ..... کبیرہ گناہ کیا ہیں؟ مطبوعہ کویت

⑨ ..... دیوبندیت۔ ایک تعارف: زیر طبع

⑩ ..... اسلام اور صراطِ مستقیم: زیر طبع

⑪ ..... سلطنت اسلامیہ کا عروج وزوال: زیر طبع

⑫ ..... فن جرح وتعدیل۔ ضرورت اور اسباب: زیر طبع

مولانا محمد انور سلفی کی نرینہ اولاد تین بیٹے ہیں، جن کے نام یہ ہیں: شارق، طارق، نائف۔

مولانا ممدوح خود تو کویت میں دینی دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دے رہے ہیں اور ان کے اہل وعیال شہر پرد وٹور میں گاندھی روڈ سے متصل میونسپل آفس روڈ پر اپنے ذاتی مکان نمبر ۲۴/۴۰ میں سکونت پذیر ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مولانا محمد انور سلفی سے متعلق اس مضمون میں ان کے خاندانی پس منظر سمیت ان کی زندگی کے تقریباً تمام اہم واقعات معرضِ بیان میں آ گئے ہیں۔ ان کا دورِ طالب علمی بھی لکھ دیا گیا، ان کی امامت وخطابت کے بارے میں بھی قارئین مطلع ہوگئے۔ ان کی تدریسی مساعی کی وضاحت بھی ہوگئی۔ ان کی تجارت کا ذکر بھی آ گیا، ان کی غربت کی نشان دہی بھی مناسب الفاظ میں کردی گئی اور غربت کے دائرے سے نکل کر وہ اشودگی کی حالت میں آئے ہیں تو اس کی طرف بھی اشارہ کردیا گیا۔ ان کے اخباری مضامین کا ذکر بھی آ گیا اور ان کی تصانیف وتراجم کے متعلق بھی بتا دیا گیا۔کویت میں وہ جس انداز سے دعوت وتبلیغ میں مشغول ہیں، اس سے بھی قارئین کرام آگاہ ہوگئے۔ ان کی رفاہی کوشش کا بھی پتا چل گیا۔

یہاں یہ بھی عرض کردیں کہ جو پاکستانی یا ہندوستانی اصحابِ علم کویت تشریف لے جاتے ہیں مولانا محمد انور سلفی وہاں کے اردو اخبار ''کویت ٹائمز'' میں مضمون کی صورت میں ان کا تعارف کراتے ہیں۔ میں نے جولائی ۲۰۰۸ء میں وہاں حاضری دی تو میرے متعلق انھوں نے ایک طویل مضمون لکھا جو کویت ٹائمز کے دو شماروں میں چھپا۔ پھر قرطبہ ہال کے جس اجتماع میں مجھے تقریر کے لیے دعوت دی گئی تھی، اس میں بھی انھوں نے اور مولانا صلاح الدین مقبول احمد نے میرے متعلق مقالات پڑھتے۔ لیکن میرا گمان بلکہ یقین ہے کہ مولانا انور نے جن علماے کرام پر اخبارات میں تعارفی مضمون لکھے، ان حضرات میں سے مولانا محمد انور سلفی کا تذکرہ کسی نے اپنے وطن جا کر دولفظوں میں کرنا بھی مناسب نہیں سمجھا ہوگا۔ ہمارے زیادہ تر علماے کرام کا عملاً نقطہ نظر یہ ہے کہ ان کے بارے میں لکھا جائے اور وہ خود کسی کے بارے میں کچھ نہ لکھیں۔ یہ یک طرفہ ٹریفک میرے نزدیک بالکل غلط ہے۔ یہ فقیر پہلا شخص ہے، جس نے مولانا محمد انور سلفی کے واقعات حیات اتنی تفصیل سے لکھے۔ میں نے ان سب کی طرف سے یہ فرض کفایہ ادا کردیا ہے۔ یہ فقیر اس شخص کو ہمیشہ یاد رکھتا ہے جو کسی صورت میں بھی اس پر کوئی احسان کرتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا اس عاجز پر خاص احسان ہے۔ میں نے اپنے سفر نامۂ کویت میں بھی جو ہفت روزہ الاعتصام کی کئی قسطوں میں چھپا، مولانا محمد انور سلفی کا ذکر کیا ہے اور کویت میں رہنے والے دوسرے پاکستانی اور ہندوستانی دوستوں کا بھی کیا ہے۔

مولانا محمد انور سلفی کے والد کا اسم گرامی محمد قاسم ہے، اس لیے وہ اپنا نام محمد انور محمد قاسم تحریر فرماتے ہیں۔ میں نے بھی یہی عنوان قائم کیا ہے۔

دعا ہے اللہ تعالیٰ مولانا محمد انور سلفی اور ان کی آل اولاد کا حامی وناصر ہو اور انھیں اپنے دین کی زیادہ سے زیادہ خدمت کے مواقع فراہم کرے۔ آمین یا ربّ العالمین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مولانا عبدالخالق مدنی

(ولادت ۲۴۔اپریل ۱۹۶۵ء)

پورا قد، سرخی مائل گندمی رنگ، چوڑا چہرہ، کشادہ جبیں، جسمانی اعتبار سے صحت مند۔ ملنسار۔ اچھے مقرر، صاف بیان خطیب۔ خوش طبع لیکن متانت پسند۔ سیاہ پوری ڈاڑھی۔ یہ ہیں ہمارے مخلص ترین دوست مولانا عبدالخالق مدنی۔ ان کا مختصر سلسلۂ نسب یہ ہے: عبدالخالق بن محمد صادق بن دین محمد بن امام الدین۔

مولانا عبدالخالق مدنی کے جد امجد (دین محمد) تعلیم یافتہ تو نہ تھے، لیکن راسخ العقیدہ اہل حدیث تھے۔ تہجد گزار اور اوّل وقت نماز پڑھنے کے عادی۔ اہل حدیث علماء سے بے حد عقیدت مندانہ تعلق رکھتے تھے۔ ان کی مجلسوں میں حاضر ہوتے اور ان سے استفادہ کرتے۔ تقسیم ملک سے قبل ان لوگوں کا تعلق سکونت ضلع انبالہ سے تھا اور روپڑ شہر ضلع انبالہ کی ایک تحصیل تھا۔ یہی شہر حضرت حافظ عبداللہ روپڑی کا مسکن تھا۔ حافظ صاحب کی وجہ سے اس نواح میں روپڑ کو اہل حدیث کے مرکز کی حیثیت حاصل تھی اور مسئلے مسائل کے سلسلے میں ان کی ذات مرجع عوام وخواص تھی۔ حافظ صاحب نے اپنی وسیع مسجد میں دینی مدرسہ بھی جاری کر رکھا تھا، جس میں مقامی اور بیرونی طلباء تعلیم حاصل کرتے تھے۔

مولانا عبدالخالق مدنی کے دادا میاں دین محمد کئی میل کا سفر کر کے جمعۃ المبارک بالعموم حضرت حافظ صاحب روپڑی کی اقتدا میں پڑھتے تھے۔ اپنے دادا کی روایت سے مولانا عبدالخالق بیان کرتے ہیں کہ خطبۂ جمعہ ارشاد فرماتے وقت حافظ صاحب کی آنکھیں اشک بار رہتی تھیں۔ سامعین پر بھی رقت طاری ہوجاتی تھی۔ اس طرح پورا ماحول ایک قسم کا روحانی منظر پیش کرتا تھا۔

علما کی مجلسوں میں حاضری اور ان کے ارشادات سے تاثر پذیری کا نتیجہ یہ ہوا کہ میاں دین محمد نے اپنے بیٹے محمد صادق کو دینی تعلیم سے آراستہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ تقسیم ملک کے بعد یہ لوگ پاکستان آئے تو ضلع خانیوال کی تحصیل میاں چنوں کے ایک گاؤں چک نمبر ۸۶۔۱۵۔ ایل میں سکونت اختیار کی۔ حسن اتفاق سے مولانا ابوالحسنات علی محمد سعیدی بھی ضلع فیروز پور کے موضع صدر والا سے آکر اسی علاقے کے ایک گاؤں چک نمبر ۷۔۸ اے آر کرملی والا میں آباد ہوئے۔ وہ حضرت مولانا ابوسعید شرف الدین دہلوی کے شاگرد تھے۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد انھوں نے اپنے آبائی گاؤں صدر والا (تحصیل زیرہ ضلع فیروز پور) میں دارالعلوم قائم کیا تھا۔ تقسیم ملک کے بعد جس گاؤں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

میں آ کر آباد ہوئے، اس میں بھی انھوں نے جامعہ سعیدیہ کے نام سے درس گاہ قائم کی جس نے جلد ہی اس علاقے میں مرکزی حیثیت اختیار کر لی اور اس کی شہرت دور تک پھیل گئی۔ اسی جامعہ سعیدیہ میں میاں دین محمد نے اپنے فرزند محمد صادق کو داخل کرایا اور وہ دینی علوم کے حصول میں مشغول ہو گئے۔ پھر اسی جامعہ سعیدیہ میں انھوں نے مروّجہ درس نظامی کی تکمیل کی اور حضرت مولانا ابوسعید شرف الدین دہلوی سے سند فراغت لی جو قیامِ پاکستان کے بعد دہلی سے آ کر کچھ عرصہ وہاں طلباء کو پڑھاتے رہے تھے۔

مولانا محمد صادق طالب علمی کے زمانے میں ہی مولانا ابوالحسن محمد یحییٰ حافظ آبادی کے طرزِ وعظ سے متاثر تھے۔ چناں چہ وہ انہی کے طرز پر تقریر کرتے اور انہی کے انداز میں خطبہ جمعہ دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں صحت کاملہ سے نوازے رکھے اور دنیا و آخرت کی سعادتوں سے بہرہ مند فرمائے، آمین۔

ہمارے عزیز دوست صاحب ترجمہ مولانا عبدالخالق مدنی انہی میاں دین محمد کے سعادت مند پوتے اور انہی مولانا محمد صادق کے لائق فرزند ہیں جو ۲۴۔ اپریل ۱۹۶۵ء کو چک نمبر ۸۶۔۱۵۔ ایل (تحصیل میاں چنوں ضلع خانیوال) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں کے پرائمری سکول میں حاصل کی۔ بعد ازاں ۱۹۸۰ء میں گورنمنٹ ہائی سکول سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ میٹرک پاس کرنے کے بعد اپنے دادا جان اور والد محترم کے فرمان کے مطابق دینی علوم کے حصول کا عزم کیا اور جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن (ضلع فیصل آباد) میں داخلہ لیا۔

جامعہ تعلیم الاسلام کا ماحول انھیں بہت پسند تھا اور اس خالص علمی اور دینی فضا میں وہ بہت خوش تھے۔ یہاں کے نصاب کے مطابق انھیں پہلی جماعت میں داخلہ ملا اور جن اساتذہ سے مختلف مضامین کی کتابیں پڑھنا شروع کیں وہ تھے: ① حافظ مقصود احمد جو آج کل سعودی سفارت خانہ اسلام آباد میں خدمات سر انجام دے رہے ہیں، ② مولانا محمد علی حامد، ③ مولانا محمد علی مسلم، ④ مولانا محمد امین صادق۔ یہاں ان کا قیام صرف دو مہینے رہا۔ اس کے بعد وہ بیمار ہو گئے اور بیماری نے کچھ ایسا غلبہ پایا کہ ان کے لیے وہاں رہنا مشکل ہو گیا اور مجبور ہو کر واپس گھر جانا پڑا۔

ماموں کانجن کی جامعہ تعلیم الاسلام کے اساتذہ کے طریق تدریس، وہاں کے انداز تعلیم، انتظامی معاملات اور طلبا کی کثرت سے وہ بے حد خوش تھے اور ہر صورت میں یہاں رہنا چاہتے تھے، لیکن اللہ کو ان کا یہاں رہنا منظور نہ تھا۔ بس پہلی جماعت کے نصاب کا کچھ حصہ پڑھا اور بادل نخواستہ گھر چلے گئے ..... بے شک شائقین علم کے لیے جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن بہت اچھی جگہ ہے اور اس فضا میں ایک خاص قسم کی کشش ہے۔

صحت یاب ہونے کے بعد عبدالخالق نے جامعہ تعلیم الاسلام (ماموں کانجن) کے بجائے جامعہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سلفیہ (فیصل آباد) کے لیے شد رحال کیا۔ یہ ۱۹۸۱ء کی بات ہے۔ اس وقت جامعہ سلفیہ میں نو ماہی امتحانات ہو رہے تھے۔ امتحانات ختم ہوئے تو انھیں پہلی جماعت میں داخل کیا گیا۔ پہلی جماعت کے لڑکے اس سے قبل آٹھ نو مہینوں میں اپنے نصاب کی کتابوں کے آخری مراحل میں پہنچ گئے تھے، جب کہ عبدالخالق بالکل ابتدائی منزل میں تھے اور اڑھائی تین مہینوں کے بعد سالانہ امتحان ہونے والے تھے۔ دوسری جماعت میں داخل ہونے کے لیے پہلی جماعت میں کامیاب ہونا ضروری تھا۔ اگر کامیاب نہ ہوسکے تو اگلا پورا سال پہلی جماعت کی نذر ہوجائے گا۔ یہ سخت قسم کا چیلنج تھا جو عبدالخالق کو درپیش تھا۔ اس میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے بعض لائق احترام اساتذہ نے ان کی ہمت بڑھائی اور محنت سے پڑھنے کی تلقین کی۔ اس ضمن میں وہ مولانا محمد یونس بٹ اور مولانا عبدالحی انصاری کا خاص طور سے ذکر کرتے ہیں۔ چناں چہ انھوں نے پوری توجہ سے پڑھنا شروع کیا اور خوب محنت کی۔ سالانہ امتحان ہوا تو بہت اچھے نمبروں سے کامیاب ہوئے اور اگلے سال دوسری جماعت میں جا پہنچے۔

جامعہ سلفیہ میں داخلے کے بعد یہ وہیں کے ہورہے۔ کسی اور مدرسے یا دارالعلوم میں نہیں گئے۔ جامعہ کے نصاب کے مطابق طالب علمی کا پورا زمانہ وہیں گزرا اور مندرجہ ذیل اساتذہ کرام سے مندرجہ ذیل کتابیں پڑھیں۔

①.....مولانا محمد یونس بٹ سے ترجمہ قرآن (سورہ بقرہ) صرف بہائی، صرف میر، علم النحو۔ النحو الواضح۔ اسلامی آداب

②.....مولانا محمد اسماعیل سے ترجمہ قرآن مکمل۔ مشکوٰۃ شریف حصہ اوّل۔ ہدایہ، کافیہ اور علم الصیغہ۔

③.....مولانا محمد اسماعیل مالدہپی سے مشکوٰۃ شریف حصہ ثانی۔

④..... حافظ جاوید انور صدیقی سے بلوغ المرام اور زرادی۔

⑤.....مولانا محمد اکال گڑھی سے حدیث کی سنن نسائی۔ علم منطق کی مرقاۃ۔ علم نحو کی ہدایۃ النحو۔

⑥.....مولانا عبداللطیف سے العبرات۔ مصطلح الحدیث۔ الفوائد الجلیلہ (علم میراث)

⑦.....مولانا محمد داؤد خاں سے علم فقہ کی ابتدائی کتاب قدوری۔

⑧.....مولانا محمد داؤد فہیم سے مصطلح الحدیث۔ شرح تہذیب (منطق) اور شرح وقایہ (فقہ)۔

⑨.....مولانا محمد بن یعقوب سے بلوغ المرام (حصہ دوم) مصطلح الحدیث۔

⑩.....مولانا علی محمد حنیف سے سنن ابی داؤد، شرح ابن عقیل، دیوان متنبّی، البلاغۃ الواضحہ۔ سراجی۔

⑪..... پروفیسر غلام احمد حریری سے مؤطا امام مالک۔ ارشاد الفحول۔

⑫..... مولانا ثناء اللہ ہوشیار پوری سے تفسیر بیضاوی (بقدر نصاب ڈھائی پارے)۔ مسلم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

شریف۔شرح عقیدہ طحاویہ۔

⑬..... حافظ احمد اللہ بڈھیمالوی سے تفسیر جلالین۔

⑭..... مولانا محمد عبدہ الفلاح سے بخاری شریف ابتدائی حصہ۔

درس نظامی یعنی دینیات کا نصاب عام طور سے آٹھ جماعتوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ مولانا عبدالخالق نے اس نصاب کی مندرجہ بالا نصابی کتابیں مندرجہ بالا اساتذہ سے پہلی جماعت سے آٹھویں جماعت تک پڑھیں۔ ۱۹۸۷ء میں وہ آخری سال کی کتابیں پڑھ رہے تھے کہ مدینہ یونیورسٹی میں داخلے کی منظوری آ گئی اور وہ جامعہ سلفیہ (فیصل آباد) سے مدینہ منورہ کو روانہ ہو گئے۔ ان کی علمی زندگی کا یہ بے حد خوش گوار موڑ تھا۔

انھیں مدینہ یونیورسٹی کے کلیۃ الشریعہ میں داخلہ ملا اور اس کا چار سالہ کورس ۱۹۹۱ء میں مکمل کیا اور لیسانس کی ڈگری حاصل کی۔

یہ ان کا نہایت مبارک تعلیمی دور تھا اور انتہائی بابرکت مقام۔ وہاں انھیں بہت سے لائق ترین اور جہاں دیدہ اساتذہ کرام سے استفادے کا موقع ملا۔ ان میں سے بعض حضرات کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں۔

①..... فضیلۃ الشیخ الحافظ الحکمی سے فتح الباری کا درس لیا۔

②..... شیخ محی الدین عبدالرحمٰن سے حدیث کی تین اہم کتابیں پڑھیں۔ سنن ابی داؤد، ابن ماجہ اور جامع ترمذی۔

③..... شیخ عبدالعزیز السدلیس سے سبل السلام پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔

④..... کتب فقہ جو وہاں کے نصاب میں شامل ہیں، تین اساتذہ سے پڑھیں۔ وہ ہیں ① ڈاکٹر فیحان شالی المطیری، ② ڈاکٹر محمد بن المختار الشنقیطی اور ③ ڈاکٹر فہد الصالح۔

⑤..... اصولِ فقہ کی نصابی کتابیں ڈاکٹر محمد المختار بن محمد الامین الشنقیطی اور شیخ صالح الغتام سے پڑھیں۔

⑥..... علم نحو میں ڈاکٹر فتحی احمد مصری، ڈاکٹر عبدالجبار مصری اور شیخ جیران احمد صالح سے استفادہ کیا۔

⑦..... تفسیر کے سلسلے میں شیخ صالح الفائز سے حصولِ فیض کیا۔

⑧..... تجوید کی تعلیم شیخ عبدالحکیم مصری سے حاصل کی۔

ان حضرات کے علاوہ بھی بعض علوم میں متعدد اساتذہ سے فیض یاب ہونے کی سعادت حاصل ہوئی۔

۱۹۹۱ء میں مدینہ یونیورسٹی سے فراغت کے بعد پاکستان آئے تو جامعہ تعلیم الاسلام (ماموں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کانجن) میں تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ وہاں چار سال تک خدمات سرانجام دیں۔ اسے حسن اتفاق کہنا چاہیے کہ میٹرک پاس کرنے کے بعد ۱۹۸۰ء میں حصولِ علم کا آغاز بھی اسی دارالعلوم میں کیا اور اس سے دس سال بعد مروّجہ نصاب سے فارغ ہوئے تو تدریس کی ابتدا بھی اسی درس گاہ سے کی۔ تدریس کے زمانے میں وہاں خطبہ جمعہ کا فریضہ بھی یہی انجام دیتے رہے۔

۱۹۹۵ء میں جمعیت احیاء التراث الاسلامی کی دعوت پر کویت تشریف لے گئے۔ وہاں کے انتظامی امور کے علاوہ بعض مساجد میں درسِ قرآن بھی دیتے ہیں۔ ایک بہت بڑی مسجد میں خطبہ جمعہ بھی ارشاد فرماتے ہیں اور بعض دیگر علمی کاموں کی انجام دہی بھی ان کے ذمے ہے۔

یہ سطور ۲۶۔ ستمبر ۲۰۰۸ء کو لکھی جارہی ہیں۔ اس وقت ان کے دو بیٹے ہیں۔ بڑے کا نام عبداللہ ہے جو سرکاری سکول میں میٹرک کا طالب علم ہے۔ دوسرے کا نام عبدالرحمٰن ہے جو پرائمری پاس کرنے کے بعد جامعہ سلفیہ فیصل آباد کے شعبہ تحفیظ القرآن میں قرآنِ مجید حفظ کررہا ہے۔ اس کتاب کی اشاعت تک یہ دونوں بچے ان شاء اللہ تعلیم کے میدان میں بہت آگے نکل چکے ہوں گے۔

یہاں تک ہمیں مولانا عبدالخالق مدنی سے متعلق پانچ باتوں کا علم ہوا۔ اوّل ان کے خاندانی پس منظر کا۔ دوم جامعہ سلفیہ میں ان کی تکمیل تعلیم کا۔ سوم مدینہ یونیورسٹی سے فارغ التحصیل ہونے کا۔ چہارم جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن میں ان کی تدریس کا اور پنجم کویت کی جمعیت احیاء التراث الاسلامی میں ان کی خدمات کا۔ اب اس سے آگے کا سفر شروع کرتے ہیں۔ یہ بھی مختصر سا سفر ہے، جلد ہی ختم ہوجائے گا۔

مولانا عبدالخالق مدنی بہت اچھے خطیب ہیں اور خالص عالمانہ انداز میں خطبہ دیتے ہیں۔ بعض خطیب اِدھر اُدھر کے قصے کہانیاں بیان کرکے گھر پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور پھر تمام عمر ان کی یہی عادت رہتی ہے۔ اور ان کی یہی باتیں سامعین کو یاد رہتی ہیں، جنھیں وہ آگے اپنی مجلسوں میں خوش ہوکر بیان کرتے ہیں۔ لیکن مولانا عبدالخالق اس قسم کے چکر میں نہیں پڑتے۔ وہ ہر بات قرآن وسنت کی روشنی میں بیان کرتے ہیں اور اپنے آپ کو خاص موضوع میں محدود رکھتے ہیں۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ وہ پوری تیاری کرکے سامعین کے سامنے آتے ہیں اور خاص تسلسل کے ساتھ اپنی بات کو آگے بڑھاتے جاتے ہیں۔

ان کا تحریری ذوق بھی بہت عمدہ ہے۔ میری ایک کتاب ''برصغیر میں اہل حدیث کی آمد'' جمعیت احیاء التراث الاسلامی کویت کی اعانت سے ۲۰۰۴ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب پر جمعیت کے داعیہ کی حیثیت سے انھوں نے مقدمہ لکھا۔ یہ مقدمہ کتاب کے نوصفحات پر مشتمل ہے اور عالمانہ اور محققانہ مقدمہ ہے۔ اس مقدمے میں انھوں نے تاریخ اور مؤرخ کے فرائض پر بحث کی ہے اور اس موضوع کے تمام اہم پہلوؤں کو اجاگر کردیا ہے۔ تاریخ کے متعلق قدیم دور کے محققین کا کیا نقطہ نظر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہے اور مؤرخ کو بیانِ واقعہ میں کن حدود کی پابندی کرنی چاہیے۔ یہ ایک اہم موضوع ہے، جس پر مولانا عبدالخالق مدنی نے اختصار مگر جامعیت کے ساتھ گفتگو کی ہے۔ اس سلسلے میں انھوں نے جن مصنفوں اور کتابوں کے حوالے دیے ہیں، اس سے ان کے وسعت مطالعہ اور ذوقِ جستجو کا پتا چلتا ہے۔ ہمارے عام علماء میں اس کا فقدان نہیں تو کمی ضرور ہے۔ میں ذاتی طور پر اس مقدمے کی زبان اور انداز سے بہت متاثر ہوا اور مجھے اس کے مطالعہ سے بعض نئی چیزوں کا پتا چلا۔

اس سے ایک سال بعد ۲۰۰۵ء میں میری ایک اور کتاب ''برصغیر کے اہل حدیث خدامِ قرآن'' شائع ہوئی۔ اس کتاب میں برصغیر کے ان ۱۸۵ اہل حدیث حضرات کا تذکرہ کیا گیا ہے، جنھوں نے عربی، فارسی، اردو، پنجابی، سندھی، پشتو، ہندی، بنگلہ، بلوچی، انگریزی وغیرہ کسی بھی زبان میں نظم یا نثر کی صورت میں قرآنِ مجید کا ترجمہ کیا یا اس کی تفسیر لکھی۔ پورے قرآنِ مجید کی یا اس کے کسی حصے کی۔ اس کتاب پر بھی مولانا عبدالخالق مدنی نے ''حرفِ آغاز'' کے عنوان سے مقدمہ تحریر کیا۔ یہ مقدمہ پانچ صفحات کا ہے، اور نہایت جان دار مقدمہ ہے۔

۲۰۰۸ء میں میری ایک کتاب ''دبستانِ حدیث'' معرضِ اشاعت میں آئی۔ یہ کتاب برصغیر کے ان اہل حدیث علماے کرام کے حالات پر محیط ہے، جنھوں نے کسی بھی زبان (عربی، فارسی، اردو وغیرہ) میں حدیث کی کسی کتاب کی شرح لکھی یا اس کا ترجمہ کیا یا کسی مدرسے میں خدمت تدریس انجام دی یا فتوے لکھے۔ ''برصغیر کے اہل حدیث خدام'' کی طرح یہ بھی ضخیم کتاب ہے۔ اس کا مقدمہ بھی مولانا عبدالخالق مدنی نے لکھا۔ یہ بھی خالص علمی اور تحقیقی نوعیت کا مقدمہ ہے۔

حافظ ڈاکٹر محمد اسحاق زاہد ہمارے حلقۂ احباب کی مشہور شخصیت ہیں جو کویت میں اقامت گزیں ہیں اور وہاں کی جمعیت التراث الاسلامی کے ممتاز رکن ہیں۔ ترجمہ وتالیف اور خطابت وتدریس میں اپنا ایک مقام رکھتے ہیں۔ میں نے ان کا تذکرہ ''دبستانِ حدیث'' میں کیا ہے۔ ۲۰۰۸ء میں ان کی ایک کتاب ''زاد الخطیب'' کے نام سے دو ضخیم جلدوں میں جمعیت التراث الاسلامی کویت کی طرف سے شائع ہوئی ہے۔ اس میں انھوں نے مختلف اہم دینی موضوعات پر بہت سے خطبات جمع کر دیے ہیں۔ مساجد کے خطیبوں، عوامی مقرروں اور پبلک جلسوں کے واعظوں کے لیے یہ کتاب واقعی زاد اور رہنما کی حیثیت رکھتی ہے۔ میں اس کتاب کا ذکر ''دبستانِ حدیث'' میں نہیں کرسکا۔ اس لیے کہ مجھے یہ کتاب ڈاکٹر صاحب نے میرے غریب خانے پر تشریف لا کر اس وقت عنایت فرمائی جب ''دبستانِ حدیث'' طباعت کے لیے پریس بھیجی جاچکی تھی اور طباعت کے مرحلے سے گزر رہی تھی۔ اخبار ''الاعتصام'' میں اس کتاب پر تبصرہ ہو چکا ہے۔

میں دراصل کہنا یہ چاہتا ہوں کہ ''زاد الخطیب'' پر ہمارے عزیز دوست مولانا عبدالخالق مدنی نے طویل مقدمہ لکھا ہے جو اس موضوع کی بہت سی معلومات کا دل آویز مرقع ہے۔ اس مقدمے میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

انھوں نے بڑی محنت کے ساتھ بہت سی کتابوں کے حوالے سے خطیب کے فرائض اور اس کی ذمہ داریوں کا تذکرہ کیا ہے۔

زیر مطالعہ کتاب ''گلستان حدیث'' کا مقدمہ بھی انہی کا رقم فرمودہ ہے۔ مقدمہ کیا ہے ''حفاظت حدیث مصطفیٰ ﷺ'' کے موضوع پر نہایت تحقیقی مقالہ ہے جو اٹھائیس صفحات میں پھیلا ہوا ہے۔ اسے تھوڑا سا اور بڑھا دیں تو درمیانے سائز کی ایک مستقل کتاب بن جائے۔ میں نے یہ مقدمہ پڑھا تو مجھے اس سے بہت سی نئی باتوں کا پتا چلا اور میری معلومات میں اضافہ ہوا۔ مختلف کتابوں کی ورق گردانی کرکے معلومات جمع کرنا اور پھر انھیں خاص انداز سے لکھنا اور ترتیب دینا بہت مشکل کام ہے جو مولانا عبدالخالق مدنی نے کیا۔

ان کے مقدمات سے پتا چلا کہ وہ بہت بڑے ''مقدمہ باز'' ہیں۔ عربی کے علاوہ اردو کتابوں سے بھی انھیں دلچسپی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی اردو زبان صاف ہے اور وہ روانی سے اپنا مدعا بیان کرتے ہیں۔ انھیں تصنیفی خدمت بھی سرانجام دینی چاہیے۔

سفر کویت کے موقعے پر میں یکم جولائی ۲۰۰۸ء سے ۱۴ جولائی ۲۰۰۸ء تک یعنی دو ہفتے مولانا عبدالخالق مدنی کے ساتھ ان کے کمرے میں رہا۔ اس اثنا میں انھوں نے میرا بہت خیال رکھا۔ اس پر میں ان کا نہایت شکر گزار ہوں۔

میں پندرہ روز مولانا عبدالخالق مدنی کے کمرے میں رہا۔ میں نے ان کو ہر وقت کسی نہ کسی کتاب کے مطالعہ میں مشغول پایا یا کمپیوٹر پر کوئی مضمون کمپوز کرتے دیکھا۔ میرے خیال میں وہ اپنا مضمون قلم سے نہیں لکھتے، بلکہ کسی موضوع کے سلسلے میں جو کچھ ان کے ذہن میں آتا ہے، اسے کمپوز کرتے جاتے ہیں۔

تحریر ونگارش اور عربی سے اردو میں ترجمے کے سلسلے میں اللہ نے ان کو بڑی صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ میری گزارش ہے کہ وہ مقدمہ نویسی ضرور کریں، بلکہ میری تو ہر کتاب پر مقدمہ لکھیں، لیکن ترجمہ وتالیف کی طرف بھی عنانِ توجہ مبذول فرمائیں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ اس طرف توجہ کریں گے تو اللہ انھیں کامیابی سے نوازے گا۔ مصنف میں جن اوصاف کا پایا جانا ضروری ہے، وہ اوصاف ان میں پائے جاتے ہیں۔ مختصر الفاظ میں وہ اوصاف ہیں معلومات کی جستجو، مطالعہ کا شوق، اپنے موضوع کے متعلق واقعات کی فراہمی اور ہر اہم بات کا حوالہ دینے کا التزام، محنت اور دلجمعی سے کام کرنے کی عادت اور قلم کی روانی۔

دعا ہے اللہ تعالیٰ ہمارے دوست مولانا عبدالخالق مدنی کو اپنے دین کی خدمت کے زیادہ سے زیادہ مواقع عطا فرمائے اور وہ تحریر وخطابت اور درس وتدریس کے ذریعے کتاب وسنت کی تبلیغ میں مشغول رہیں۔ آمین یا رب العالمین

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

مولانا محمد اسلم سندھی

(ولادت یکم جنوری ۱۹۷۳ء)

جو لوگ ہندو مذہب ترک کر کے اسلام میں داخل ہوئے، مولانا محمد اسلم سندھی کا شمار انہی خوش بخت لوگوں میں ہوتا ہے۔ وہ یکم جنوری ۱۹۷۳ء کو گوٹھ سڈھ (Sarh) میں پیدا ہوئے جو ضلع تھرپارکر (صوبہ سندھ) میں واقع ہے۔ ان کے والد کا نام گھمون (Ghanoon) اور دادا کا نام کھنگار (Khanghar) ہے۔ یہ لوگ ہندو مذہب کے چھوٹے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں، جنھیں ''شودر'' کہا جاتا ہے۔ ان کی برادری ''سینگواڑ'' کہلاتی ہے۔ کئی سال پہلے ہندوستان کے وزیر دفاع ایک شخص جگ جیون رام تھے، وہ بھی اسی برادری کے فرد تھے۔

محمد اسلم سندھی نے پرائمری تک اپنے گاؤں کے سرکاری سکول میں تعلیم حاصل کی۔ پھر مڈل تک اپنے ننھیال کے گاؤں موضع بھکوٹو میں پڑھتے رہے۔ البتہ آٹھویں جماعت کا امتحان ضلع تھرپارکر کے مٹھی شہر میں دیا۔ میٹرک بھی وہیں کیا۔ میٹرک پاس کرنے کے بعد کالج گئے اور گیارھویں جماعت میں داخلہ لیا۔

اب تک یہ ہندو تھے۔ لیکن ذہن پرائمری سکول ہی میں بدل گیا تھا۔ مڈل تک پہنچتے پہنچتے مزید تبدیلی آ گئی۔ میٹرک میں گئے تو اسلامی تاریخ اور دینی احکام کے بہت سے پہلوؤں سے آشنا ہو گئے تھے اور یہ سب ان کے مطالعہ کا نتیجہ تھا۔ اس اثنا میں انھوں نے متعدد اسلامی کتابوں کا نہایت غور سے مطالعہ کیا اور اسلام اچھی طرح ان کے ذہن میں راسخ ہو گیا۔ مطالعہ کے دوران انھیں یہ بھی پتا چل گیا تھا کہ اہل حدیث مسلک کیا ہے۔

محمد اسلم کے گاؤں میں بھی ہندو خاصی تعداد میں رہ رہے ہیں اور ننھیال میں بھی ہندو آباد ہیں۔ سکول میں بھی ان کے ساتھ ہندو لڑکے تعلیم حاصل کرتے تھے لیکن وہ ہندوؤں کی برملا مخالفت کرنے لگے تھے اور ان کی بت پرستی اور کفر و شرک پر ہر مجلس اور ہر مقام پر تنقید کرتے تھے۔ پھر ہندوؤں کے ہاں بتوں کے نام پر جو نذر و نیاز کا طریقہ جاری ہے اور پنڈتوں کی جس انداز سے خدمت کی جاتی ہے، اس کی یہ سختی سے تردید کرتے تھے، اس لیے لوگ انھیں وہابی قرار دیتے تھے۔ چوں کہ ان کے علاقے میں ہندو اور مسلمان اکٹھے رہتے ہیں اور ایک دوسرے کی مذہبی اور سماجی رسوم سے آگاہ ہیں، ہندوؤں کو مسلمانوں کی اور مسلمانوں کو ہندوؤں کی مذہبی اصطلاحات کا پتا ہے،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اس لیے ان پر ہندوؤں میں وہابیت کا اطلاق ہونے لگا۔

اپنے علم ومطالعہ کی رو سے ان پر حقیقت واضح ہوچکی تھی اور صداقت کھل کر سامنے آ گئی تھی، اس لیے ایک وقت آیا کہ کفر وشرک کی دلدل سے نکلے اور قبولِ اسلام کا اعلان کردیا۔

اسلام سے متعلق ان کا مطالعہ پہلے ہی سے کافی وسیع تھا۔ کتاب وسنت کے احکام پر اچھی نظر رکھتے تھے۔ ادب وشعر سے بھی لگاؤ تھا اور توحید کے موضوع پر بہت سے اشعار انھیں زبانی یاد تھے جو وہ ہندوؤں کی دکانوں کے دروازوں پر لکھ دیتے تھے۔

اللہ نے کرم فرمایا اور ۲۷۔ جنوری ۱۹۹۳ء کو انھوں نے باقاعدہ طور سے اپنے اسلام کا اعلان کردیا اور محمد اسلم اسلامی نام رکھا۔ ان کی تاریخ ولادت یکم جنوری ۱۹۷۳ء ہے۔ ٹھیک بیس سال کی نوجوانی کی عمر میں حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

قبولِ اسلام کے بعد حج بیت اللہ کیا۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی گلیوں میں گھومنے کا شرف حاصل ہوا تو ذہن وفکر کی دنیا بالکل بدل گئی اور اسلام کی پوری تاریخ نظر وبصر کے زاویوں میں آ گئی۔

اب ان کے حریم قلب میں اسلامی علوم کے حصول کا جذبہ انتہائی شدت اختیار کرچکا تھا۔ چناں چہ انھوں نے تین سال سید بدیع الدین شاہ صاحب راشدی کی خدمت میں گزارے اور ان سے متعدد کتابیں پڑھیں۔ حیدرآباد کے مدرسہ تعلیم القرآن والحدیث میں بھی کچھ عرصہ تحصیل علم کرتے رہے۔

سید بدیع الدین راشدی کے علاوہ جن اساتذہ سے انھوں نے اخذ علم کیا، ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

① شیخ محمد حیات لاشاری، ② سید ابومسعود محمد شاہ راشدی، ③ مولانا مشتاق احمد رنگ پوری، ④ حافظ محمد ایوب صابر، ⑤ قاری محمد یونس بلوچ، ⑥ قاری سعید احمد دیروی، ⑦ شیخ محمد قاسم، ⑧ شیخ قمر الزمان المدنی، ⑨ حافظ ثناء اللہ زاہدی، ⑩ مولانا عبدالمنان نورستانی، ⑪ حافظ زبیر علی زئی، ⑫ شیخ ابوعبدالرحمٰن عبدالقادر الجزائری، ⑬ شیخ مظفر شیرازی۔

فارغ التحصیل ہونے کے بعد مولانا محمد اسلم سندھی کو سید بدیع الدین شاہ راشدی کے مدرسے میں مدرس مقرر کیا گیا۔ اب اللہ کے فضل سے وہ اپنے علاقے اور دور کے ممتاز مدرس اور نامور معلم ہیں۔

درس وتدریس کے ساتھ ساتھ مولانا محمد اسلم سندھی قلم وقرطاس سے بھی رابطہ رکھتے ہیں، جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

①..... الکشاف مما فی کتاب اللہ لہ من الاوصاف: اس رسالے میں اللہ تعالیٰ کے وہ اوصاف جمع کیے گئے ہیں جو قرآنِ مجید میں مذکور ہیں۔

②..... نحو العرب: یہ کتاب سندھی زبان میں ہے جو ان کے مدرسے کے نصاب میں شامل

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے۔علم نحو سے متعلق ہے۔

③.....صرف العرب: یہ بھی سندھی زبان میں ہے اور علم صرف کے بارے میں ہے۔

④.....کتاب العقیقہ: یہ عربی زبان میں ہے۔

⑤.....حکم تارک الزکوٰۃ: یہ کتاب اردو زبان میں ہے اور چھپ چکی ہے۔مصنف نے اس کتاب میں اس موضوع پر بحث کی ہے کہ تارک زکوٰۃ کافر ہے یا نہیں۔ان کی تحقیق یہ ہے کہ تارک زکوٰۃ کافر نہیں ہے۔

⑥.....کتاب الایمان: یہ اردو زبان میں ہے۔

⑦.....الرسالۃ والنبوۃ: رسالت ونبوت کے موضوع پر۔عربی میں۔

⑧.....شرح حدیث "انما انا قاسم."

⑨.....کتاب الصلوٰۃ للامام المحدث الاعظم ابی ہریرہ الدوسی رحمہ اللہ: عربی رسالہ۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی احادیث کا مجموعہ، بہ سلسلہ نماز۔

⑩.....ترجمۃ الصحیفۃ الصحیحۃ للامام ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ: سندھی زبان میں۔

⑪.....ترجمہ کتاب تمیز الطیب من الخبیث: سید بدیع الدین شاہ راشدی کی سندھی زبان کی کتاب کا ترجمہ بزبانِ عربی۔

⑫.....الحذف فی القرآن: وہ آیات جمع کی گئی ہیں، جن میں حذف آتا ہے۔

⑬.....ارشاد الصرف: فارسی سے ترجمہ بزبان سندھی۔

⑭.....احکام النساء: عورتوں سے متعلق مسائل سندھی زبان میں۔

محمد اسلم سندھی کو اللہ تعالیٰ نے توفیق مرحمت فرمائی کہ وہ ہندویت کو ترک کرکے مسلمان ہوئے اور پھر علم دین کی تحصیل کے لیے مختلف اساتذہ کی خدمت میں حاضری دی اور اللہ نے انھیں اس نعمت عظمیٰ سے مفتخر فرمایا۔تحصیل علم کے بعد انھوں نے دو کام شروع کیے، ایک تدریس اور دوسرا تصنیف وتالیف۔ایک عالم دین کے لیے یہی دو اہم کام ہیں جن کے لیے اس مردِ حق آگاہ نے اپنے آپ کو وقف کر رکھا ہے۔

دعا ہے اللہ تعالیٰ انھیں ہر کارِ خیر کی انجام دہی میں کامیاب فرمائے۔

یہ سطور ۲۹۔مئی ۲۰۰۸ء کو لکھی گئی ہیں۔اب تک وہ اللہ کے فضل سے بہت سے علمی کام کر چکے ہوں گے اور ان کے شاگردوں کا حلقہ بھی کافی پھیل گیا ہوگا۔



" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

خوشبوئے خطابت

ترتیب وتالیف: مولانا عبدالمنان راسخ حفظہ اللہ

- واعظین وخطباء کے لیے انمول تحفہ
- متنوع موضوعات پر مشتمل خطبات
- مقدمۃ الکتاب
- خطبے کے احکام ومسائل کا بیان
- خطباء کے لیے پند ونصائح
- نوآموز خطباء کے لیے رہنما تحریر
- آیات قرآنیہ اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں
- دل نشیں اسلوب
- فن خطابت کی باریکیوں پر بحث کی گئی ہے
- ایک خطیب کا عملی کردار کیسا ہونا چاہیے؟
- فن خطابت کے اسرار ورموز
- ایک ایسی کتاب کہ جس کے ہر ہر لفظ سے خوشبو آئے

قیمت =/300 روپے

سیرت النبی ﷺ پر ایک منفرد کتاب جس میں صحیح احادیث کا اہتمام کیا گیا ہے

مشکوٰۃ النبوۃ

تالیف

الشیخ خالد محمد سعید باقرین

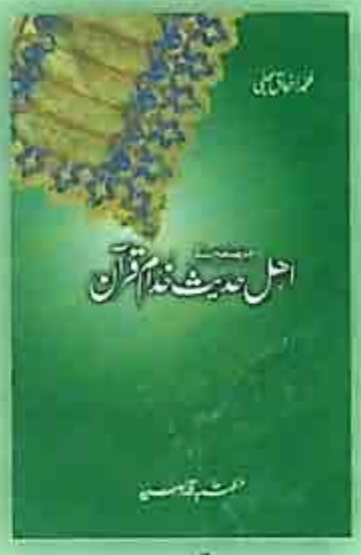
- ☆ قرآن کریم کی آیات کا ترجمہ ماخوذ از مصحف المدینۃ المنورۃ (شاہ فہد پرنٹنگ کمپلیکس)
- ☆ آیات کا لفظی ترجمہ کیا گیا اور آیات کو سرخ رنگ دیا گیا تاکہ واضح طور پر ظاہر ہو سکیں
- ☆ رسول اللہ ﷺ کے فضائل، شمائل، خصوصیات، رسول اللہ ﷺ کے معجزات
- ☆ نسب مبارک ﷺ کو نقشہ سے ظاہر کیا گیا
- ☆ احادیث کے حوالے نمبر، راوی کا نام اور موضوع حدیث حاشیہ میں نیچے درج کیے گئے
- ☆ تمام واقعات اور ان کے حوالہ جات صحیح مسلم وصحیح بخاری سے درج کیے گئے
- ☆ ان آئمہ کرام کے اقوال کو درج کیا گیا۔ ابن قیمؒ، امام ذہبیؒ، ابن کثیرؒ
- ☆ مقدس مقامات کی تصاویر اور ان کی افادیت سے متعارف کیا گیا

قیمت =/600 روپے

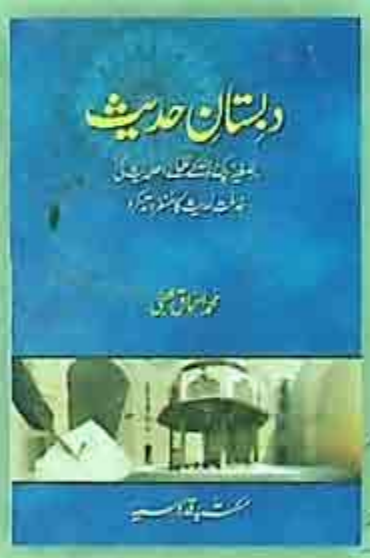
مکتبہ قدوسیہ: رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور پاکستان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

صاحب طرز ادیب جناب محمد اسحاق بھٹی کے قلم سے



برصغیر کے
اہلِ حدیث خدّامِ قرآن



دبستانِ حدیث



برصغیر میں
اہلِ حدیث کی آمد

Tel: 42-37351124 , 37230585
E-mail: maktaba_quddusia@yahoo.com
Website: www.quddusia.com

مکتبہ قدوسیہ
غزنی سٹریٹ ◎ اردو بازار ◎ لاہور ◎ پاکستان